

ذِکْرُ الْمَهْدِيِّ

فِي

الْقُرْآنِ

حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ

کے

غلام، روحانی فرزند اور موعود مہدیؑ

کا ذکر قرآن کریم میں

مُؤَلَّفَہ

پیر معین الدین



Published by:
PIR PUBLICATIONS
CANADA

بِرَہِ رَاسِتِ قُرْآنِ مَجِید سے مُسْتَنْبِط مُہِدِی مَوْعُود

کے

مختلف ناموں، اس کے، روحانی مقام، مقامِ بعثت، وقتِ بعثت، بعثت کے وقت کی عمر، بعثت کے وقت زمانہ کی حالت، وقتِ ظہور کی علامات، حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت و مناسبت، دوسرے انبیاء اور اولیاء و علماء اُمّت سے اس کی نسبت، اس کی بعثت کی غرض، اس کی سیرت، اس کے خلفاء و رفقاء کے بعض کوائف، اس کی اولاد اور بالخصوص ایک خاص بیٹے کے متعلق عظیم پیشگوئیوں، اس کی جماعت کی ترقی کے انداز اور اس کی وسعت اور اس کے کمال تک پہنچنے کی مدت اور اس کے دشمنوں کی حالت اور ان کے طریقِ مخالفت اور ان کے عبرتناک انجام اور ان میں سے ایک فرعونِ خصلت سربراہِ حکومت کی ہلاکت اور دوسرے سربراہ کے تختِ دار پر لٹکائے جانے وغیرہ امور کا ایمان افروز تذکرہ۔

انڈیکس

مہدی معبود المسیح موعودؑ سے متعلق قرآنی اشارات

اسماء المہدی

مہدی کا نام آدمؑ ہوگا ۲۱، ۱۷۔ نوحؑ ہوگا ۳۸۔ ابراہیمؑ ہوگا ۲۸۔ موسیٰؑ ہوگا ۲۲۹۔ یحییٰؑ ہوگا ۲۲۳۔ مریمؑ ہوگا ۲۳۰۔ عیسیٰ ابن مریمؑ ہوگا ۳۳۸۔ محمدؑ ہوگا ۱۰۔ احمدؑ ہوگا ۳۵۴، ۱۵۔ منصورؑ ہوگا ۱۵۔ سلطان القلمؑ ہوگا ۳۷۹۔ خضرؑ ہوگا ۱۷۳۔ ذوالقرنینؑ ہوگا ۱۸۹۔ کوثر یعنی رُجل کعبیز الخبیر والفظاءؑ ہوگا ۶۲۲۔ امامؑ ہوگا ۵۵۔ وہ تمام نبیوں کے نام پائے گا ۲۷۳۔

مہدی کے ظہور کا مقام

ایسا مقام ہوگا جو تمام مذاہب عالم کا اکھاڑا بنا ہو ۲۹۵۔
ایسا مقام ہوگا جہاں کے لوگ پانچ قسم کے ہوں گی پوجا کر رہے ہوں گے۔ ۳۰۵
مکہ سے مشرق کی طرف کا مقام ہوگا۔ ۳۹۰
مدینہ منورہ سے دور کا کوئی مقام ہوگا۔ ۲۷۲
قادیان ہوگا۔ ۲۹۵-۲۹۶

مہدی کا دارالہجرت

اسکی بنیاد مہدی موعودؑ کا پسر موعودؑ ابراہیمؑ دعاؤں سے رکھے گا۔ شروع میں وہ ایک بے آب و گیاہ مقام ہوگا بعد میں شہر بن جائیگا۔ اس میں مہدی موعودؑ خود نہیں انکا پسر موعودؑ اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ آئیگا۔ یہ ان دونوں کی آخری آرام گاہ ہوگی۔ اس

سے علوم و معرفت کے چشمے جاری ہوں گے۔

اس کا نام ربوہ ہوگا۔ ۱۲۳-۱۲۴

مہدی موعودؑ کے ظہور کا وقت

مہدی موعودؑ اس وقت آئیگا جب انسانوں کی اکثریت روحانی اعتبار سے فردوں کے حکم میں ہوگی۔ ۳۳۹

مہدی موعودؑ مسلمانوں میں بگاڑ پیدا ہونے کے وقت آئیگا۔ ۱۳

” آنحضرتؐ کے قریب اتنی ہی مدت کے بعد آئیگا جتنی مدت حضرت موسیٰؑ اور

عیسیٰؑ کے درمیان گزری۔ ۲۷۱

” اس وقت آئیگا جب کشتی اسلام خطرہ

میں ہوگی اور مسلمان بحر عصیاں میں

ذوب کر مر جانے کے قریب ہوں گے۔ ۲۷۳

” اسلام کے زمین سے اٹھنے کا عمل

شروع ہونے کے ہزار سال بعد یعنی

تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں آئیگا۔

” اس وقت آئیگا جب اس کی قوم اپنے

اندر سے کسی نبی اللہ کے پیدا ہونے

سے مایوس ہو چکی ہوگی۔ ۳۰۱

” اس وقت آئیگا جب سبکی اور مسلمان

دونوں سمجھ رہے ہوں گے کہ آنوالا آسمان سے

آئیگا زمین سے اب کوئی مبعوث نہیں ہوگا۔ ۳۱۶

جائیں۔ نئی نئی ایجادیں ظہور میں آئیں گی۔	مہدی موعود، امت کے آخری زمانہ میں آئیں گے۔ ۴۲۵
انسانوں کے دل اپنی استعدادات مخفیہ کو	// انیسویں صدی عیسوی میں آئیں گے۔ ۴۳۵-۴۳۲
بمضہ شہود اٹھیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ۲۰۵	// کی بعثت کا معین وقت ۵۷۹
وہ وقت بچوں کو بوڑھا بنا دیگا۔ (بچہ زیادتی	// کے دعویٰ کے بارہ میں سورۃ البقرہ میں
علم کے یا بچہ اپنے مول کے) ۴۲۲ ۴۲۳	دو مختلف حسابوں سے ایک ہی سن بتایا
اسوقت تمام گنہ جن کی اصلاح کیلئے مختلف	جاتا۔ ۶۱۱-۶۱۲
انبیاء آئے اکٹھے ہو جائیں گے۔ آنحضرت	// کا دعویٰ ۱۳۰۸ھ بمطابق ۱۸۹۰ء
کی ہر خوبی پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہوگی۔	میں ہوگا۔
یہ سمجھا جائیگا کہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا۔	// ایسے وقت میں آئیں گے جب اشرار قرآن
علماء مجر جائیں گے۔ پہاڑ چلائے جائیں گے۔ دس	کریم اور آنحضور کی باتوں کو سیاق و سباق
ماہ کی گاہن اونٹیاں بے کار چھوڑی	سے کٹ کر پیش کر رہے ہوں گے اور وہ آکر
جائیں گی۔ وحش اکٹھے کئے جائیں گے۔ سمندر اور	انکا تعاقب کریں گے۔ ۵۲۱
دریا پھاڑے اور آپس میں ملائے جائیں گے۔	مہدی موعود کے وقت کی بعض خصوصی علامتیں
دنیا بھر کے لوگوں کو آپس میں ملایا جائیگا۔	اسوقت بے راہ روی حد سے گزر چکی ہوگی ۴۳۲
زندہ درگور کی جانپوائی کے بارہ میں پریش	// لوگ سمجھیں گے کہ آزاد ہیں جو چاہیں
ہوگی۔ کتب کی کثرت ہوگی۔ آسمان کی	کریں۔ ۴۳۵
کھال اتاری جائیگی۔ علم ہیئت میں معیہ	// انسان کا لانا تمام بل ہم اصل کا مصداق
العقول ترقی ہوگی، جہنم بھڑکائی جائیگی اور جنت	بن چکا ہوگا۔ ۴۳۹
قریب کی جائیگی۔ ۴۷۳ ۴۸۱	// ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا۔ ۴۷۵
مہدی موعود کے کام	// زمین پر غالب لوگوں کے شرکات عقائد
نمبر ۱۔ لوگوں کو خدا سے ملانا (یہ کام وہ خود ہی	اور ان کے نتیجے میں پھیلنے والی بدیوں سے
کر سکے گا دوسرے اسکے پیغام کی اشاعت کر	لوگوں کا سکون برباد ہو چکا ہوگا۔ ۶۰۲ ۶۱۰
کے صرف اسکے مددگار ہو سکیں گے۔) ۴۵۰	اسوقت مہدی کی آواز دنیا بھر میں ایک
نمبر ۲۔ کسر صلیب ۴۱۲	تہلکہ مچا دے گی۔ //
نمبر ۳۔ بحال اشاعت ہدایت ۴۲۲	// ارض کشمیر بھی اور ارض مقدس بھی مسیح
نمبر ۴۔ ملائکہ کے بارہ میں غلط فہمیوں کا ازالہ ۵۸۸	کے ہاتھ ہونے کے خلاف پڑنے والے
	مواد باہر نکال کر رکھ دے گی۔ //
	// طبائع اور دماغوں کو غیر معمولی جنبش دی

۶۷	مہدی موعودؑ اور اسکی نسل سے تمام انسانوں کی ربوبیت کا کام لیا جائے گا۔	۳۶۹	نمبر ۵ لوگوں کو دین واحد پر جمع کرنا
۱۷۷	ۥ خضر راہ ہوگا۔	۶۷	نمبر ۶ تمام انسانوں کی ربوبیت روحانی
۲۱۰	ۥ ذوالقرنین سے مشابہ مگر اپنی ہر شان میں اس سے افضل ہوگا۔	۳۵۲	نمبر ۷ دوسرے مرسلین کی طرح تشریف و انذار (نہ کہ بزور شمشیر مسلمان بنانا)
۲۲۹	ۥ مثل موسیٰ بھی ہوگا۔	۵۹۷	نمبر ۸ اسلام تعلیمات پر اعتراضات کے جواب دینا۔
۲۶۱	ۥ کوب ذری ہوگا	۲۷۳	نمبر ۹ تمام نبیوں کی صداقت قائم کرنا۔
۲۷۳	ۥ زحل بنسعی ہوگا اور مسلمانوں کی کشتی کو ڈوبنے سے بچانے کیلئے آئیگا۔	۳۶۱	نمبر ۱۰ آنحضرتؐ کی نیابت میں آپؐ والے کام۔ تلاوت آیات ترکیہ نفوس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت۔
۲۹۲	ۥ کا آنا آنحضرتؐ کا آنا ہوگا۔		<u>مہدی موعودؑ کا مقام و مرتبہ</u>
۲۹۳	ۥ خاتم الخلفاء ہوگا۔	۲۱	مہدی موعودؑ آنحضرتؐ کا غلام ہوگا۔
۵۱۰	ۥ کے منکر دراصل آنحضرتؐ کے منکر ہونگے۔	۳۰	ۥ ابراہیمؑ وقت ہوگا اور اسکا طریق ہی طریق محمدیؐ ہوگا
۳۰۱	ۥ جو شخص کے ساتھ قر کو ہے۔	۳۵	ۥ غلط پسند ہوگا اور امامت کا خواہشمند نہیں ہوگا۔
۳۱۲	ۥ نبی اللہ ہوگا مگر اس کے اور آنحضرتؐ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔	۳۷	ۥ حضرت ابراہیمؑ کی طرح دشمنوں سے محفوظ رہیگا اور اس پر سلام بھیجا جائیگا۔
۳۵۳-۱۶۶	ۥ صاحب شریعت نہیں ہوگا۔	۳۸	ۥ اور اسکے ایک بیٹے کے ہاتھ سے بیت اللہ کی شان از سر نو ظاہر ہوگی۔
۳۵۱	ۥ کو دعویٰ سے پہلے ہی بڑائی کا ایسا مقام حاصل ہوگا کہ کچھ لوگ اسکے حواری یعنی عقیدت مند محب اور مددگار بن چکے ہونگے۔	۵۵	ۥ اپنی ذات میں اُمت۔ تمام اُمت کا امام اور تمام اُمت سے افضل ہوگا۔
۳۸۳	ۥ قرآن ہی اسکی کتاب ہوگی اور اسکے بھیجے جانے کی غرض یہ ہوگی کہ قرآن کا کلام اللہ اور آنحضرتؐ کا رسول کریم ہونا ثابت ہو۔	۹۰	ۥ اُمت کا امام ہونے کے علاوہ شاہد اور مشہود بھی ہوگا۔
۲۹۵	ۥ اس پر قرآن کا (مفہوم) از سر نو نزول ہوگا۔	۶۵۱	ۥ آنحضرتؐ کی نیابت میں تمام دنیا کیلئے حکم و عدل ہوگا۔
		۳۰۹-۱۶۸	ۥ مرسل من اللہ ہوگا۔
		۱۶۳	ۥ کے مخاطب تمام انسان ہونگے۔

۲۹۹	بھی بہت تسبیح کرنے والا ہوگا۔	۴۳۷	مہدی موعود شیر خدا ہوگا۔
	مہدی کا مقام اتنا بلند ہوگا کہ اس ایک کی	۶۲۵	” آنحضرتؐ کا روحانی فرزند ہوگا۔
	خاطر خدا تعالیٰ ساری دنیا کو آگ میں	۵۵۶	” و آنحضرتؐ کیساتھ شفع کی نسبت ہوگی۔
۴۳۲	جھونک دینے سے بھی نہیں ہچکچائے گا۔	۵۵۷	” کے وجود میں عس و قریب ہوئے۔
	” کی جماعت کے افراد آسمان روحانیت کی		” کا زمانہ اپنے سے پہلے اور بعد کے ہزار
	پہنائیوں میں اڑنے والے اور حامل	۵۸۵	سال سے بہتر ہوگا۔
۲۹۹	اوصاف حمیدہ وجود ہوئے۔		” سے فیض پانے والے صحابہ کے مثل
”	” کا ذکر سورۃ الرّحمن میں۔	۵۹۴	ہوں گے۔
۴۰۱	” کا آنا رائیگاں نہیں جائیگا۔		” کوڑ کے حکم میں یعنی رجل کثیر الخیر
	” کو قمر اور آنحضرتؐ کو شمس قرار دینے	۶۲۲	والعطاء ہوگا۔
۴۰۲	میں اشارہ۔		” تمام نبیوں کا نام پائیگا (مزید دیکھیں عنوان
	” کا نام احمد ہوگا اور وہ اور آنحضرتؐ ایک	۲۷۳	اسماء الہدی)
۴۱۳	ہی وجود کے حکم میں ہونگے۔		” مجسم ہدایت بن کر آئیگا اور تمام ضروری
	” چونکہ صاحب شریعت نبی نہیں ہوگا	۱۶۷	مسائل اور صداقت اسلام کو واضح کریگا۔
	مسلمانوں میں سے اس کا انکار کرنے		” کے ظاہر ہو جانے پر علم دین اسکی اجاب
۴۲۵-۴۵۳	والے کافر نہیں کہلائیں گے۔	۱۸۷	کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گا۔
	” حاشر ہوگا جس کے ہاتھ پر مردے زندہ		” کو ذوالقرنین سے مشابہت ہوگی مگر وہ
۴۳۹	کئے جائیں گے۔	۴۱۰	اپنی ہر شان میں اس سے افضل ہوگا۔
	” کو مان کر اس کی پوری پوری اطاعت		” کا وجود نہر کے حکم میں ہوگا کیونکہ وہ
	کر نیوالے صاحب کشف و الہام بنائے		آنحضرتؐ کے دریائے فیوض کی ایک
۴۵۲	جائیں گے۔	۲۹۸-۲۹۷	شاخ ہوگا۔
	” نبی اللہ ہوگا اس پر وحی اترا کر گئی اسکے	۲۹۸	” کے شوریدہ ایک جنتی معاشرہ قائم ہوگا۔
	وقت میں اسلام کو تمام ادیان عالم پر غلبہ	۲۹۹	” کا وجود شمع محفل کی طرح ہوگا۔
	حاصل ہوگا اور اسکے وجود میں آنحضرتؐ		” کے ماننے والے پر دانوں کی طرف اس
	کی شان افاضہ روحانیہ سب امتیوں سے		پر فدا ہونگے
۵۶۷	زیادہ ظاہر ہوگی۔		”
	مہدی موعود کے بارہ میں		مہدی کے شجر وجود کے پتوں یعنی اسکی
	بعض اور قرآنی اشارات		جماعت کے افراد کو تسبیح کرنے والے
	مہدی موعود کو آدم کے ساتھ کئی مماثلتیں		فرشتوں کی معیت حاصل ہوگی اور وہ خود

۲۲	ہوں گی۔	نمبر ۳ خدا تعالیٰ جن جن طریقوں سے بندوں
۲۳	مہدی موعود کو عربی زبان کا غیر معمولی علم	سے اظہار محبت کیا کرتا ہے ان سب طریقوں
۳۰	دیا جائیگا۔	سے اسکے ساتھ اظہار محبت کریگا اور اس کی
۳۱	پر ابراہیمؑ والے انعامات ہونگے اور وہ	تفصیل۔
۳۲	انکا ہم صفات ہوگا۔	۲۷
۳۳	کو بھی حضرت ابراہیمؑ کی طرح آزمائش	۲۷۲
۳۴	کے بعد امام بنایا جائیگا اور یہ آزمائش محبت	۲۷۳
۳۵	رسول کی کسوٹی پر ہوگی۔	۲۷۴
۳۶	کا نام امام رکھنے کی وجہ	۲۷۵
۳۷	کی ایک اور بڑی آزمائش	۲۷۶
۳۸	ظلیل اللہ کی طرح اپنے پیارے بیٹے کو	۲۷۷
۳۹	(خدا کی خاطر) ذبح کرنے کو تیار ہوگا۔	۲۷۸
۴۰	اپنی اولاد کیلئے وہ ماتھے کا جو خود اسے دیا	۲۷۹
۴۱	گیا۔	۲۸۰
۴۲	کو کثرت اولاد سے نوازا جائیگا	۲۸۱
۴۳	کے ذریعہ بیت اللہ کی شان از سر نو	۲۸۲
۴۴	ظاہر ہوگی۔ یہ شان پہلے اس سے اور پھر	۲۸۳
۴۵	اسکے بیٹے سے ظاہر ہوگی۔	۲۸۴
۴۶	کو قلب سلیم دیا جائیگا۔	۲۸۵
۴۷	ابراہیمؑ کی طرح ظلیل اللہ ہوگا اور خدا	۲۸۶
۴۸	کے سچے دوستوں کی سب علامتیں اس میں	۲۸۷
۴۹	پائی جائیں گی یعنی، نمبر ۱: اسے خدا کی سچی	۲۸۸
۵۰	محبت عطا ہوگی۔ نمبر ۲: جس سے خدا تعالیٰ کو	۲۸۹
۵۱	محبت ہو اس سے اسے بھی محبت ہوگی اور جس	۲۹۰
۵۲	سے خدا کو نفرت ہو اس سے اسے بھی نفرت	۲۹۱
۵۳	ہوگی۔	۲۹۲
۵۴	نمبر ۳: وہ خدا اور اس کے محبوب (آنحضرتؐ)	۲۹۳
۵۵	کے خلاف کوئی بات سن نہیں سکے گا۔	۲۹۴
۵۶		۲۹۵
۵۷		۲۹۶
۵۸		۲۹۷
۵۹		۲۹۸
۶۰		۲۹۹
۶۱		۳۰۰
۶۲		۳۰۱
۶۳		۳۰۲
۶۴		۳۰۳
۶۵		۳۰۴
۶۶		۳۰۵
۶۷		۳۰۶
۶۸		۳۰۷
۶۹		۳۰۸
۷۰		۳۰۹
۷۱		۳۱۰
۷۲		۳۱۱
۷۳		۳۱۲
۷۴		۳۱۳
۷۵		۳۱۴
۷۶		۳۱۵
۷۷		۳۱۶
۷۸		۳۱۷
۷۹		۳۱۸
۸۰		۳۱۹
۸۱		۳۲۰
۸۲		۳۲۱
۸۳		۳۲۲
۸۴		۳۲۳
۸۵		۳۲۴
۸۶		۳۲۵
۸۷		۳۲۶
۸۸		۳۲۷
۸۹		۳۲۸
۹۰		۳۲۹
۹۱		۳۳۰
۹۲		۳۳۱
۹۳		۳۳۲
۹۴		۳۳۳
۹۵		۳۳۴
۹۶		۳۳۵
۹۷		۳۳۶
۹۸		۳۳۷
۹۹		۳۳۸
۱۰۰		۳۳۹

۷۷-۷۶	کا تعلق ہوگا۔	مہدی موعودؑ کے وقت میں پیدا ہونے والے	۲۸۱-۲۸۲
۷۹	مہدی موعودؑ خلیفہ ہوگا۔	وہ اپنے مومنوں کی مختلف اقسام کے وقت میں بعض لوگ خاص مہبت الہی سے اسکی جماعت میں شامل ہوتے اور بعض محنت شاقہ کے نتیجہ میں آئیں گے۔	۱
۸۱	حضرت ابراہیمؑ کی طرح اذیائے نبی ہوگا۔	کے زمانہ میں ہونے والی ترقی اسلام کی نوعیت کا ذکر سورۃ الفتح میں۔	۳۲۹-۳۳۰
۸۸	ابتداء میں لوگوں کے ساتھ منظرے کیا کریگا لیکن بعد میں اسکو ترک کر دیگا۔	اور اسکی اولاد کے بارہ میں بعض اہم خبریں سورۃ الفتح میں۔	۱
۱۸۸	بعض احکام پہلے دیگا اور انکی حکمت بعد میں کھلے گی۔	کی خیانت کرنے کا وہی نتیجہ نکلے گا جو آنحضرتؐ کی خیانت کرنے کا تھا۔	۳۳۱
۱۹۷	کی مامورانہ زندگی کے مد نظر بطور ذوالقرنین اس کے قرآن میں مذکور سفروں کی ترتیب اور اس کی تشریح۔	کے وقت میں اس کی قوم اپنے اندر سے کسی مسیح یا آدم کے پیدا ہونے سے مایوس ہو چکی ہوگی اس لئے جب وہ پیدا ہوگا تو وہ جنگ مہم کھڑا کر دیگی۔	۶۰۰
۳۷۵	حالت کی وجہ۔	تحدی کرے گا کہ وہ ضرور کامیاب ہوگا اور خدا اسے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔	۶۸
۲۰۱-۲۰۲	کے وقت سورج کے مغرب سے طلوع کرے سے مراد۔	کو ابراہیمؑ کی طرح خدا کی طرف سے کھلایا اور پلایا جائے گا۔	۱
۲۰۲	کے اہل مغرب کی طرف متوجہ ہونے کے وقت انکی حالت۔ ان میں سے بعض بڑے اور بعض اچھے رنگ میں مذہب کی حدود کو پھلانگ جائیں گے۔	کو ابراہیمؑ کی طرح خدا کی طرف سے شفا دی جائیگی۔	۶۹
۲۱۶	کے وقت تحریر کا رواج بکثرت ہوگا اور بغیر قلموں کے بھی تحریر کا کام ہوگا۔	کو نشان صدق بکثرت دیئے جائیگی۔	۱
۲۵۱	کو ماننے کی تلقین اور اس کے ساتھ یہ اشارہ کہ اسے محل شرک نہ بنایا جائے۔	کو خدا کا دوست ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے خارق عادت توکل عطا ہوگا۔	۷۳-۷۹
	پہلے اپنے حواریوں یعنی پہلے سے اپنا ساتھ دینے والوں کو دعوت ایمان واعانت دیگا تاہم اپنی دعوت کو ان تک محدود نہیں رکھے گا بلکہ عام کریگا۔	کو غیر معمولی استقامت دی جائیگی۔	۷۳-۷۴
	کے دعویٰ سے پہلے اس کا ساتھ دینے والوں میں سے سچے حواری اس کے دعویٰ	کو خدا تعالیٰ کیساتھ غیر معمولی وفاداری	۱

کے بعد بھی اس کے ساتھ رہیں گے مگر دوسرے گر جائیں گے۔ تاہم اوّل فیذکر تعداد میں زیادہ ہوں گے۔

۳۵۲

مہدی (یعنی مسیح موعود) اور اسکے صحابہ کی زندگیوں میں بہت زیادہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے مگر ان کے بعد کثرت سے لوگ ایمان لائیں گے۔ ۳۵۳-۳۵۴

// اس وقت آئیگا جب ایمان زمین پر سے اٹھ چکا ہوگا۔ وہ اسے واپس لائے گا اور اس کی اولاد اسکی مہمات میں اسکی شریک ہوگی۔

۳۶۱-۳۶۰

// کو نہ ماننے والے علماء کی مثال ایسے

۳۶۳

گدھے کی ہوگی جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہو۔

// کی طرف سے علماء کو مہبلہ کا چیلنج دیا

۳۶۴

جائیگا مگر وہ راہ فرار اختیار کریں گے۔

// کا وقت ساری دنیا کے لوگوں کو دین

۳۶۸

واحد پر جمع کرنے کا وقت ہوگا۔

// کے آنے پر مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ

اپنی تجارتوں کو اسکی آواز پر لیک کھنے

میں حائل نہ ہونے دیں اور نفع نقصان

کے خیال سے بالا ہوکر اس کی طرف

۳۶۸-۳۶۷

دوڑیں۔

// کے وقت سب کاموں سے افضل کلمہ

۳۶۹

اسلام کی سر بلندی کا کام ہوگا۔

// کے وقت جو کچھ بھی ہوگا دعا سے ہوگا۔

۳۷۰

// کے وقت میں پائی جانوالی مسلمانوں کی

نہایت پست حالت کا تذکرہ۔

۳۷۱-۳۷۰

// مہدی موعود اپنے کاموں سے پہچانا

جائیگا اور وہ آنحضرت کی قوت قدسیہ کا زندہ ثبوت ہوگا۔

۳۷۹

مہدی موعود حاشر ہوگا جسکے ہاتھ پر مردے

۳۸۹

زندہ کئے جائیں گے۔

آخری زمانہ میں مہدی موعود اور اس کے

سات خلیفوں کے ذریعہ شان خداوندی کا

۳۹۱

ظہور ہوگا۔

مہدی کے زمانہ میں آنے والے عالمگیر عذاب

کے بارہ میں آنحضرت کی تشویش اور خدا تعالیٰ

۳۹۳

کی طرف سے اس کا جواب۔

کثرت نومبائین کی خوشی کیساتھ ساتھ

موجودہ وقت ایک بہت بڑی تشویش کا وقت

۴۱۱

بھی ہے۔

مہدی پر اعتراض ہوگا کہ اسکے متعلق صحیف

سابقہ میں کوئی پیشگوئی نہیں ہے حالانکہ

۴۳۹-۴۳۸

پیشگوئیاں تو ہوں گی مگر اہل نظر کیلئے۔

// کا تعلق مختلف خاندانوں سے ہوگا اسکے

۴۵۰

وجود میں تمام نبی جمع ہونگے۔

// کا پہلے امتحان لیا جائے گا پھر اسے

۴۵۲

صاحب کشف والہام بنایا جائیگا۔

// کا آنا آنحضرت کی قوت قدسیہ کا ثبوت

۴۸۸

ہوگا اور آپ ہی اسکے مطاع ہونگے۔

// کے آنے کے ساتھ ہی سب لوگ

اسلام میں داخل نہیں ہو جائیں گے

بلکہ پہلے وہ باتیں جن کا سورۃ انشقاق میں

ذکر ہے پوری ہوگی اور پھر یہ بات

۴۹۹

ہوگی۔

<p>مہدی موعودؑ نے سارے دکان غلبہ تین ۵۰۷-۵۰۶ سال میں تے گا۔</p>	<p>مہدیؑ ہر ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ کا درمختار نے والا ہوگا۔ اپنے مقبضین کو بھی اسی کی تعلیم دیگا اور وہ طریق سکھائے گا جس سے یہ درکمل سکے۔</p>
<p>۳۵۸-۳۵۷ اس وقت اسلام کے روحانی نظام کو چیرا پھاڑا جائیگا یعنی اس کی خوب چھینا بین ہوگی اور اس پر سخت اعتراضات ہونگے۔</p>	<p>۵۲۲ مہدی موعودؑ کے زمانہ میں ایک وقت آئیگا کہ لوگ کثرت سے اس پر ایمان لانا شروع کر دیں گے اور عذاب سے پہلے ایمان لانے والے ایمان لے آئیں گے۔ مگر پھر یہ دروازہ ایک دفعہ بند ہو جائیگا اور عذاب آنے کے بعد کھلے گا۔</p>
<p>۳۵۹ اس وقت سب رسول دنیا میں (ایک رسول کے جہ میں) واپس لائے جائیں گے اور وہی وقت اسلام کے عالمگیر غلبہ کا وقت ہوگا۔</p>	<p>۳۱۱ مہدی موعودؑ اور آپ کے زمانہ سے متعلق متفرق باتیں جو قرآن نے بیان کیں اسمہ احمد والی قرآنی پیشگوئی کے دو مصداق ہیں۔ (ایک آنحضرتؐ دوسرے مہدیؑ)</p>
<p>۳۵۸ وہ تمام عیوب و گناہ جن کی اصلاح کیلئے متفرق انبیاء آئے اس ایک ہی زمانہ میں جمع ہو جائیں گے۔</p>	<p>۳۱۳ اس پیشگوئی کا تعلق دو زمانوں سے ہے۔ تکمیل دین اور تکمیل اشاعت دین کیلئے دو الگ الگ زمانے رکھے گئے۔</p>
<p>ان باتوں کو حق و باطل کی آخری جنگ کے وقت پر اٹھا رکھا گیا ہوگا۔</p>	<p>۳۱۵ آیت ہوالذی اُزِّلَ رَسُوْلُهُ بِالْهَدْيِ میں رسول سے مراد آنحضرتؐ بھی ہیں اور مہدیؑ بھی۔</p>
<p>۳۵۹ سورۃ النساء میں اسلام کے دو غلبوں کی تحدی درمیانی زمانہ ضعف اور اسکے اسباب کا ذکر اور یہ ذکر کہ اس ضعف کے علاج کیلئے کسی نبی اللہ کا آنا ضروری ہوگا اور وہ نبی آکر روحانی عیش کا سامان فراہم کریگا۔</p>	<p>۳۲۰-۳۱۹ اسلام کا پہلا غلبہ جلالی رنگ میں اور دوسرا غلبہ جہالی رنگ میں ہونا مقدّر کیا گیا۔</p>
<p>۳۶۲ جہ مسلمانوں کی دعوت الی اللہ سے غفلت ہوگی۔</p>	<p>۳۲۸-۳۲۷ اسلام کا دوسرا اور عالمگیر غلبہ مہدیؑ کے وقت ہوگا۔</p>
<p>آئندہ زمانہ میں ایک نبی آنے کی واضح پیشگوئی اور یہ بتایا جانا کہ اس کا آنا ایک طرح</p>	<p>۳۲۵-۳۲۲ ایک زمانہ آئیگا کہ اکابرین دین میں سے بعض شہید کر دیئے جائیں گے اور بعض اپنی روشنی</p>

٢٤٤

८५९

٢٢٠

२९२

٢٩٤

٢٩٨

//

//

50.

५०

5.

•

•

۲۲۲

۲۲۲

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

PPZ

FFA

۲۲۹

221

۲۳۸	مہدی موعودؑ کی والدہ اور والد اس سے جوان ہونے تک زندہ رہیں گے مگر اسکے نبی بننے سے پہلے دونوں وفات پا چکے ہوں گے۔	۲۳۱	مہدیؑ سے دلت میں بھی پیش آیا۔ تیسری مہاشئت مہدیؑ کی جانے نلبور کی اکثریتی قوم موعودؑ کی طرح گائے پرست ہوں۔
۲۳۹	بچپن میں فوت نہ ہوگا پاک زندگی نزارے گا اور اس کا ابا بھی ہوگا۔	۲۳۹	پنجمی مہاشئت موسیٰؑ کی طرف خدا تعالیٰ اسے بھی اپنی محبت عطا کرے گا۔ انکی روح فرشتوں کی قوم میں پرورش پائے گی۔
۲۴۱	زندہ رہنے کے امکان بظاہر کم ہوں گے مگر وہ پھر بھی زندہ رہے گا۔	۲۴۰	پانچویں مہاشئت جس طرح سید موعودؑ کا آخری خلیفہ پاپ کی طرف سے بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا مہدی موعودؑ بھی جو سید محمدیہ کا آخری خلیفہ ہے قریش میں سے نہیں ہوگا۔
۲۴۲	کے اس سفر میں اسکے اہل خانہ ہمراہ نہ ہوں گے مگر اور لوگ ہمراہ ہوں گے۔	۲۴۱	چھٹی مہاشئت جس طرح حضرت موسیٰؑ سے خدا تعالیٰ نے کثرت کلام کیا حضرت مہدی موعودؑ سے بھی کیا۔
۲۴۳	” (مریم نام پائے گا مگر) سابقہ مریم سے افضل ہوگا کیونکہ وہ قطعی اور یقینی الہام کے ساتھ بھیجا جائے گا۔	۲۴۱	ساتویں مہاشئت جس طرح موسیٰؑ کا دشمن فرعون اور اس کے ساتھی انکی زندگی میں ہلاک ہوئے تھے مہدیؑ کے کئی دشمن آپ کی زندگی میں ہلاک کئے گئے۔
۲۴۴	” کو اپنے الہامات کے سچا ہونے پر یقین ہوگا اس لئے وہ کسی امتلا میں گھبراہٹ کا شکار نہ ہوگا۔	۲۴۲	آٹھویں مہاشئت جس طرح موسیٰؑ کے ایک لکے نے انکی قوم کے ایک فرد کے دشمن کا کام تمام کیا تھا مہدیؑ کے علمی مکہ نے انکی قوم (مسلمانوں) کے دشمن (مسیحیوں) کا کام تمام کیا۔
۲۴۵	” کسی کے عقیدہ بیعت میں نہیں ہوگا۔	۲۴۳	مہدی موعودؑ کو بچپن ہی سے علم و حکمت عطا ہوں گے۔
۲۴۶	” کے حالت مریمی سے حالت عیسیٰ کی طرف انتقال میں اشارہ کہ اب خلافت قریش کے گھرانے سے نکل جائیگی۔	۲۴۴	” کے والدین سیدھے سادھے مسلمان ہوں گے۔
۲۴۷	” کا پسر موعودؑ غلاما رکھا۔ آیت للناس اور خدا کی طرف سے مجسم رحمت ہوگا۔	۲۴۵	۲۳۸-۲۳۷
۲۴۸	” کے پسر موعودؑ کے متعلق پیشگوئیاں امراً مقضیٰ ہوں گی۔	۲۴۶	

۳۵۵	(والدہ پر موعود) زندہ علامت ہوگی۔	مہدی موعود کو بیٹے کی بشارت ملنے کے ساتھ ہی اس کا مقام یگانگت پہلے سے بلند ہو جائیگا۔
۳۵۶	مہدی موعود کے والد کی طرح ان کی والدہ بھی مومن ہوگی۔	۳۳۶
۳۵۶	اپنی بعثت کا مقصد پورا کریگا۔	۳۳۷
۳۵۷	کے متعلق کھنڈہ قص میں ایک اور پیشگوئی کہ آخری دنوں میں آپ کے پانچ بیٹے آپ کے زیر تربیت ہو گئے پھر اچانک ایک وقت ایسا آئے گا کہ حضرت حکیم مولوی نورالدین ان بچوں کو اپنی کفالت میں لے لیں گے۔ یہ پانچوں بچے فرشتہ خلعت اور خلیفہ اللہ کی اس طرح فرمانبرداری کرنے والے ہو گئے جیسی فرشتوں نے حضرت آدم کی تھی۔	۳۳۸
۳۵۷	مہدی موعود المسیح موعود کے متعلق سورۃ التحریم میں پیشگوئیاں پہلی پیشگوئی وہ کسی ماسوا اللہ سے کسب فیض کئے بغیر حالت مریمی سے حالت عیسیٰ کی طرف انتقال کریگا۔	۳۳۹
۳۳۶	دوسری پیشگوئی اس کے زمانہ کے لوگ فوق البشر مسیح کے منتظر ہو گئے مگر آنیوالا بشر ہی ہوگا۔	۳۴۰-۳۳۹
۳۳۷	تیسری پیشگوئی اسکے آباء کا سلسلہ ختم ہو کر اس سے نیا سلسلہ شروع ہوگا۔	۳۴۰
۳۳۸	چوتھی پیشگوئی وہ کسی کے عقد بیعت میں نہیں ہوگا اس کے باوجود صحیح العقیدہ مسلمان ہوگا۔	۳۴۱
۳۳۸		۳۴۲
		۳۴۳
		۳۴۴
		۳۴۵
		۳۴۶

۳۸۶	وہ کشتی خاص اسلام کی کشتی ہوگی۔	۳۳۸	پانچویں پیشگوئی اس کو خدا تعالیٰ حالت مریمی
۳۸۷	اس کشتی کی دوسری خصوصیات		ی میں اپنے الہام سے نوازیگا اور پھر حالت
	سورۃ المعارج میں جس عالمگیر عذاب کی خبر		یسوی کی طرف منتقل کرے گا۔
	ہے اس کے آنے سے پہلے ایک نوح (مہدی	۳۳۹	چھٹی پیشگوئی جو تین پیشگوئیوں پر مشتمل
	موجود) کو بھیجا جائیگا۔ لوگوں کو غفلت میں پکڑا		ہے۔
۳۹۵	نہیں جائیگا۔		نمبر ۱ خدا اس سے کلام کرے گا اور غیب کی
	وہ موجود نذیر بین ہو کر آئے گا (اور اسکے	//	خبریں دیگا۔
۳۹۶	معنی)		نمبر ۲ خدا اس کے بارہ میں دوسرے اولیاء کو
	وہ موجود لوگوں کو بتائے گا کہ کچی عبادت کس	//	بھی خبریں دیگا۔
۳۹۹-۴۰۰	طرح ہو سکتی ہے۔		نمبر ۳ وہ اپنے وجود میں سابقہ الہامی کتب کی
	وہ صرف آخرت میں نجات دلانے کے	//	خبریں پوری کرے گا۔
	وعدے نہیں کریگا دنیا ہی میں اپنے قیام کو		ساتویں پیشگوئی اسکی زندگی بھی حضرت مریم
۴۰۰	سمناہوں سے پاک کر کے دکھا دیگا۔		کی طرح خدمت دین کیلئے وقف ہوگی مگر
	وہ موجود مخالفت سے گھبرائے گا نہیں بلکہ قدم	۳۴۵	اسے مریم پر فضیلت حاصل ہوگی۔
۴۰۱	آگے بڑھائے گا۔		آٹھویں پیشگوئی وہ خود ہی مریم ہوگا اور خود
	اس کے آنے کے وقت لوگ کسی مامور سن	//	ہی ابن مریم
	اللہ کے مبعوث کئے جانے سے مایوس ہو چکے	۳۴۷	نویں پیشگوئی وہ امتی نبی ہوگا۔
//	ہوں گے۔		آئندہ زمانہ میں ایک نوح کے آنے
	نوح موجود اور اسکی جماعت کے بارہ میں		کی پیشگوئی جس سے مراد مہدی
۴۰۳	ہجرت کی پیشگوئی۔	۳۸۶	موجود ہے اور متعلقہ خبریں
	جہاں وہ مبعوث ہوگا وہاں کے لوگ پانچ قسم		جس طرح سابقہ زمانہ میں (بچائے جانے کے
۴۰۵	کے بتوں کے پوجنے والے ہونگے۔		لائق لوگوں یعنی) مومنوں کو پانی کے طوفان
	اسکی قوم شرک میں مبتلا ہوگی لیکن وہ خود نوح		سے بچائے کیلئے حضرت نوح کے ہاتھ سے
۴۰۸	گھرانے کا فرد اور پیدائشی مسلمان ہوگا۔		کشتی تیار کروائی گئی آخری زمانہ میں معصیت
	اس کے روحانی اہل بیت عذاب کے وقت خدا		دگناہ کے طوفان سے لوگوں کو بچانے کیلئے بھی
۴۰۹	کی پناہ میں رہیں گے۔	//	ایک کشتی تیار کروائی جائے گی۔
	نوح موجود کی سیرت کے درخشاں پہلوؤں	//	اس کشتی کا معمار (نوح) مہدی موجود ہوگا۔
۴۱۰	میں سے ایک (تائید الہی پر کامل یقین)		

نوح موعود مسیح اور مہدی ہوگا اور کسر صلیب اسکا خاص کام ہوگا یہ کام وہ دلائل و براہین کی کھوار سے سرانجام دیگا۔

۳۱۲

مہدی موعود پر ایمان لانے والے

مہدیؑ پر ایمان لانے والوں میں سے بعض کے متعلق ذکر ہوگا کہ اسکے مقام میں غلو نہ کرنے لگیں۔

۱۳

” پر ایمان لا کر اسکا ساتھ دینے والے بھی اصحاب کبف ہونگے۔ (مزید دیکھیں عنوان اصحاب کبف)

۱۰۹

” پر ایمان لانے والوں میں سے تو کئی ایک خدا رسیدہ ہونگے مگر دوسروں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہوگا۔

” کے انصار بننے کی توفیق پادری، مولوی اور پیر لوگ کم ہی پائیں گے۔

۱۶۳

” پر ایمان لانے والوں کی خدا مدد کریگا اور وہ دشمنوں پر غالب آجائیں گے۔

۳۵۳-۳۵۴

دوسروں کی مدد وہ نہیں کریگا۔

” کے صحابہ کی زندگیوں میں بہت زیادہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے مگر

ان کے بعد بکثرت ایمان لائیں گے۔

”

” سے فیض پانے والے صحابہ کے ہمرنگ ہونگے۔

۳۵۹

” کے دعویٰ سے پہلے اس سے وابستگی رکھنے والوں کی زالی شان (دنیا و دنیا نما سے بے خبری)

۱۱۶

” کے دعویٰ سے پہلے تعلق رکھنے والوں میں سے بعض اس کے دعویٰ پر الگ ہو

جائیں گے بعض اخلاص پر قائم رہیں گے۔

۱۱۶

مہدیؑ پر ایمان لانے والے بڑی بڑی

۶۱۵-۶۱۳

قربانیاں دینے والے ہونگے۔

” پر ایمان لانے والوں پر لوگ طاقت کے

۵۱۷

نشر میں ظلم کریں گے۔

” کے ماننے والوں پر ایک وقت آجگا کہ وہ

اپنے دین کو اس کے معروف نام

(اسلام) کی بجائے ”دین حق“ کہنے پر مجبور

۶۱۳

ہونگے۔

مہدی کے مخالفین

۱۶۸

مہدی کے مخالفین کا حربہ جھوٹ ہوگا۔

” کے مخالفین سے نفقہ فی القرآن کی

۱۶۹

استعداد سلب ہو جائے گی۔

” کے مخالف علماء کی مثال گدھے کی

۳۶۳

ہوگی۔

” کا ایک مخالف حاکم فرعون کی طرح اپنے

۲۳۱

جزئیوں سمیت ہلاک ہوگا۔

” کے زیادہ گندے مخالف مجھے پنے

۵۳۳-۵۳۲

اعتراض بار بار پیش کرتے جائیں گے۔

جماعت مہدیؑ کے مبلغین

کے لئے قرآنی ہدایات

۱۳۵

نمبر ۱: زیادہ اثر کرنے والی دلیل پیش کریں

نمبر ۲: ایسے لوگوں کو احمدی بتائیں جو نیک و

۱۳۶

کامو جب ہوں۔

نمبر ۳: ان ممالک میں بھی تبلیغ کیلئے جائیں

۱۳۷

جن میں مذہبی رواداری نہ ہو۔

نمبر ۴: ان ممالک میں دُود کی صورت میں

جائیں اور محنتی رہ کر کام کریں اگرچہ وہ ہمیشہ محنتی نہ رہ سکیں گے اور انہیں قربانیاں دینی ہوں گی۔

مسلمانوں کے بارہ میں اور انکے فائدہ کے لئے قرآنی اشارات

مسلمانوں کی نجات کی واحد راہ مہدی موعود کے دامن سے وابستگی ہوگی۔

زمانہ مہدی میں مسلمان علماء و مشائخ کی باتوں میں آکر اسکا انکار کریں گے

مسلمانوں کیلئے زبردست حرف اختہ

مسلمانوں کے فائدہ کیلئے ایک عجیب نکتہ۔

مسلمانوں کو ہدایت کہ کزوری کے زمانہ میں مسیحیوں کو مددگار نہ بنائیں۔

مسلمانوں میں سے شرک کرنے والے بھی جتلانے مذاہب النار ہونگے۔

مسلمان مہدی موعود کے دامن سے وابستہ نہ ہوئے تو ان سے تفقہ فی القرآن کی استعداد

سلب ہو جائیگی۔

جب مسلمانوں کی کشتی (ایمان) شیطان کی زد میں ہوگی اسے بچانے کیلئے مہدی کو بھیجا جائے گا۔

مہدی موعود کے ظہور کے وقت مسلمانوں کی حالت زار

مسلمانوں کیلئے حصول غلبہ کا واحد طریق یہ ہوگا کہ قرآن سیکھیں اور اس پر عمل کریں۔

مسلمانوں پر ۱۵۶ھ میں ایک بڑی تباہی کے آنے کی خبر (جو ہلاکوں کاں کے ہاتھ سے آئی)

فتح مکہ سے لیکر مہدی موعود کے ظہور تک مسلمانوں پر آنے والے مختلف حالات وادوار کی تفصیل (سورۃ الشمس میں)

پہلی بار کے غلبہ کے بعد مسلمانوں پر سنسزل کا دور آنے کی وجہ اور اس دور کی کیفیت۔

مسلمانوں پر سنسزل آنے کی بڑی وجہ دعوت الی اللہ سے غفلت ہوگی۔

مسلمانوں کی دوبارہ ترقی کیلئے ان کے علماء کی رہنمائی کافی نہیں ہوگی۔ (ایک مامور من اللہ کی ضرورت ہوگی)

آئندہ ایک زمانہ میں مسلمانوں میں یہود والی تمام بدیاں آجائیں گی اور اس کی تفصیل

مسلمانوں کے سب فریقے مہدی کے خنکر ہونگے مگر اس کے آنے پر انکے بارہ میں اختلاف کرنے لگے گئیں۔

مسلمانوں پر آنے والی مجازی رات یعنی زمانہ تاریکی کے بعد پھر طلوع فجر ہونے اور اس کے کمال تک پہنچنے کی پیشگوئی۔

یہ پیشگوئی کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کا ایک بڑا دشمن پیدا ہوگا مگر خدا تعالیٰ انکو تباہ نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کے مقابلہ کیلئے آنحضرت کو

بروزی رنگ میں پھر دنیا میں لایا جائے گا۔

اسلام

اسلام کا دوسرا اور عالمگیر غلبہ کب اور کس خلیفہ کے وقت میں حاصل ہوگا۔

۵۴۳۵۴۰	اسلام کے غلبہ کے وقت مسلمانوں کو ملنے والی روحانی جنت کا نقشہ۔	۵۵۴	اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ہونے والے واقعات کے اعادہ اور اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق عظیم الشان پیشگوئیاں۔
۵۵۰	اسلام کا غلبہ جن مراحل میں سے گزر کر حاصل ہوتا مقدر کیا گیا ان کا تذکرہ	۵۶۸	اسلام کے غلبہ کے جلو میں آنے والے مسائل کا حل۔
۸	اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ سب سے پہلا محمد اور سب سے پہلا احمد۔	۳۷۷-۳۶۲	اسلام کا غلبہ دو درودوں میں مکمل ہوتا مقدر کیا گیا۔
۵۴۳۴۱	کے سچے دوستوں کی علامت	۳۷۷-۳۶۲	اسلام کے عروج زوال اور پھر عروج کا پر حکمت تذکرہ۔
۳۷	خدا گواہی دے۔	۳۷۷-۳۶۲	اسلام کو دور اول کے پہلے ۵۰ سالوں اور دور ثانی کے پہلے ۲۰۱ سالوں میں عظیم ترقیات حاصل ہونے کی پیشگوئی۔
۳۸۲	کی طرف سے اظہار محبت کس کس طرح ہوتا ہے۔	۳۸۲	عظیم الشان بادشاہوں کے احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں داخل ہونے کی پیشگوئی۔
۲۱۳	کے لقاء کیلئے سب سے زیادہ کوشش چاہیے۔	۳۹۰	اسلام کا عالمگیر غلبہ ایک عالمگیر جنگ کیساتھ وابستہ ہے۔ اس جنگ کا آخری دن کامل غلبہ اسلام کا پہلا دن ہوگا۔
۲۱۵	کے الہامات کا سلسلہ لامحدود ہے۔	۳۹۰	اسلام کے ایک بے مثل دشمن (دجال کے) آخری زمانہ میں پیدا ہونے کی پیشگوئی
۱۰۲	آنحضرتؐ کا مقام محمود اور مہدی موعودؑ کا اس سے تعلق۔	۳۲۸	آئندہ جب عالم اسلام پر مجازی رات چھا جائے گی تو اسکے آخری حصہ میں ایک ستارہ (مہدی موعودؑ) ظاہر ہوگا اور یہ نوید لایا گیا کہ اب پھر سے دنیا محمد رسول اللہ کے نور سے منور ہوگی۔
۱۰۳	کو مقام محمود ملنے کے وعدہ کا مطلب	۵۲۰	اسلام کے غلبہ کی نوعیت اور وسعت
۱۰۰-۱۰۱	ہماری دعاؤں کے محتاج نہیں پھر آپؐ کیلئے مقام محمود کی دعا کیوں تعلیم کی گئی؟	۵۳۸	اسلام کے دونوں غلبے ایک ہی غلبہ کے دو جز ہونگے اور آنحضرتؐ ہی کے غلبے ہونگے
۱۰۳	کیلئے مقام محمود کے وعدہ میں غلبہ اسلام کا وعدہ شامل ہے۔	۵۳۹	
۱۶۶	کا ارشاد کہ مہدی لوگوں کو میری شریعت اور کتاب اللہ کی طرف بلائے گا۔		
۱۷۱-۱۷۰	کے دین کا سچا درد رکھنے والوں کیلئے خدا تعالیٰ غفور اور رحیم ثابت ہوگا۔		

<p>آنحضرتؐ کے بارہ میں خبر کہ آپؐ کا ایک بعث آخرین میں بھی ہوگا۔ وہ بعث مہدی موعودؑ کی صورت میں ہوگا جو فارسی الاصل ہوگا اور اسکا آنا آپؐ ہی کا آنا ہوگا۔ وہ اس وقت آئیگا جب ایمان زمین سے اُٹھ چکا ہوگا اور وہ اسے واپس لائے گا اور اس کی اولاد بھی اسکی نہات میں اسکی شریک ہوگی۔ ۳۶۱ تا ۳۵۹</p>	<p>آنحضرتؐ بشر ہو کر انتہائی روحانی ترقیات حاصل کر سکتے ہیں تو دوسرے لوگ کیوں کچھ بھی ترقی حاصل نہیں کر سکتے۔ ۳۱۷</p>
<p>آنحضرتؐ کے عہد کے آخرین میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی پیشگوئی جسے آپؐ سے اور خدا تعالیٰ سے شاہد اور مشہود کی نسبت ہوتا تھی۔ ۵۱۳</p>	<p>آنحضرتؐ کی زندگی میں زیادہ تر تکمیل ہدایت اور قیام ہدایت کا کام ہونا مقدر تھا۔ ۳۵۹</p>
<p>آنحضرتؐ کے بعد نبی کا آنا آپؐ کیلئے موجب توہین نہیں موجب افتخار ہوگا۔ (کیونکہ وہ آپؐ کا غلام ہوگا۔) ۵۲۵</p>	<p>قرآنی) کو سمجھنے سے بچانے کیلئے ہے۔ ۲۶۰-۲۵۹</p>
<p>آنحضرتؐ انسانوں میں سب سے بڑے محمد اور احمد اور اصل خلیفۃ اللہ ہیں۔</p>	<p>آنحضرتؐ کا ایک خلیفہ خود بھی نبی ہو گا مگر آپؐ ہی کے نور کی اشاعت کیلئے آئیگا۔ ۲۶۰</p>
<p>آنحضرتؐ کو بتایا جانا کہ آپؐ کے بعد عملانی کی ضرورت پیش آئیگی مگر آپؐ کی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اُمت کے قرآن پر عمل ترک کر دینے کی وجہ سے۔ ۵۲۳</p>	<p>ہے یعنی آپؐ جامع جمع کلمات انبیاء ہیں۔ ۲۶۱</p>
<p>آنحضرتؐ کو حکم کہ اُمت کو آئندہ آنے والے نبی کو ماننے کی تلقین کریں۔ ۵۳۷</p>	<p>آنحضرتؐ کا وجود سارے سلسلہ انبیاء کا پھوڑ ہے یعنی آپؐ جامع جمع کلمات انبیاء ہیں۔ ۲۶۱</p>
<p>آنحضرتؐ کے بارہ میں خبر کہ ایک وقت آئیگا کہ آپؐ کو موت اور زندگی میں سے جو چیز چاہیں اختیار کرنے کا موقعہ دیا جائیگا۔ اس وقت آپؐ اپنے رب کے پاس جانا پسند فرمائیں گے۔ ۵۵۹-۵۵۸</p>	<p>آنحضرتؐ کے دل میں ہر قوم و نسل کی ہمدردی تھی۔ ۲۶۱-۲۶۲</p>

<p>آنحضرتؐ کے (آخری زمانہ میں) بروزی ظہور کی پیشگوئی سورۃ الکافرون میں ۳۲۶-۳۲۷ آنحضرتؐ کے ارشادات مہدیؑ و مسیح کے بارہ میں نبیؑ مسیح موعودؑ کے آنے کی علت غائی (عیسائی قوم کے دجل کو دور کرنا) ۱۰۷</p>	<p>آنحضرتؐ کو بتایا جاتا کہ اسلام کے پہلے غلبہ سے متعلق سب خبریں جو آپؐ کے صحن حیات سے سے تعلق رکھتی ہیں پوری ہو جائیگی اسلئے آپؐ دوسرے اور مالکیر غلبہ کے بارہ میں مطمئن دل لے کر دنیا سے جائیگے۔ ۵۵۹-۵۶۰</p>
<p>المہدی من اہل البیت رجل من امتی ۳۴۰ نمبر ۲: یقیم الناس علی ملتی وشریعتی نمبر ۳: جب اسے دیکھو اس کی بیعت کرو وہ خلیفہ اللہ مہدی ہے۔ (ترجمہ) // نمبر ۴: کتاب اللہ اور سنت نبیؐ کا علم اسکے اندر اس طرح اُمتا چلا جائیگا جیسے خوبصورت کھیتی اُگتی اور پختی ہے۔ (ترجمہ) // نمبر ۵: ایک جماعت ہندوستان میں جہاد کریگی وہ مہدیؑ کے ساتھ ہوگی۔ (ترجمہ) ۳۴۱</p>	<p>" زندہ نبی ہیں اور اسلام کا ہر دور اس پر شاہد ہوگا۔ ۵۶۳ آنحضرتؐ (کا یہ مقام ہے کہ) جو آپؐ سے دور رہا خدا سے بھی دور رہیگا۔ // آنحضرتؐ کو یہ خبر دیے جانے کی غرض کہ ایک زمانہ میں آپؐ کی قوم قرآن کی تائیدی کرنے لگ جائیگی۔ قرآن پر عمل چھوڑ دیگی۔ مشرکانہ افعال میں مبتلا ہو جائیگی اور قرآن کی من مانی تائیدیں کرنے لگے گی۔ ۵۹۸</p>
<p>نمبر ۶: مہدیؑ کدم نامی بستی سے خروج کریگا۔ (ترجمہ) // نمبر ۷: اخروج رجل من وراء النہر یقال الحارث ۳۴۲</p>	<p>آنحضرتؐ کے دل میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب کہ آپؐ کے ماننے والے کمزور اور بے بس مسلمان کفار پر کیسے غالب آئیں گے۔ (سورۃ الفیل میں) ۶۱۸-۶۲۱</p>
<p>نمبر ۸: ابن مریم (یعنی مہدیؑ) حکم و عدل ہوگا۔ صلیب کو توڑیگا اور خنزیروں کو قتل کریگا۔ آنحضورؐ کی چھ اور پیشگوئیاں ۳۴۳ <u>ابراہیمؑ</u> ایک ابراہیمؑ کے آئندہ مبعوث ہونے اور امام للناس بنائے جانے کی پیشگوئی۔ ۳۱ موعود ابراہیمؑ کے آنے پر اصل طریق محمدی اس کا طریق ہوگا۔ ۳۰ موعود ابراہیمؑ ابراہیمؑ کی طرح غلیل اللہ ہوگا۔ ۳۱</p>	<p>آنحضرتؐ کے اس سوال کا جواب کہ آخری زمانہ کے بہت بڑے دشمن اسلام سے خدا تعالیٰ کس طرح نپٹے گا اور یہ بتایا جاتا کہ اسکی علمی تدبیر کو ناکارہ کرنے کیلئے وہ آپؐ کو دوبارہ مبعوث فرمائے گا اور دوسری تدبیر کے رد کیلئے ان پر فرشتوں کے ذریعہ عذاب نازل کریگا جو ان پر حصارۃ من سجیل سے وار کریگے (جس سے احمدی مبلغین بھی مراد ہیں اور ایٹم بم بھی مراد ہے۔) ۶۲۰-۶۲۱</p>

حضرت موسیٰ

- ۱۷۱ موسیٰ علیہ السلام کے ایک کشف کا بیان
 ۱۷۲ کو بتایا جاتا کہ انکے بعد ایک صاحب
 شریعت نبی آنے والا ہے۔
 موسیٰ علیہ السلام کے کشف میں موسیٰ اور
 عیسیٰ سے مراد ان کی قومیں ہیں۔
 ۱۷۳ کی قوم ظہور مہدی کے بعد بھی کچھ
 عرصہ اپنی سابقہ ذکر پر چلتی رہے گی
 اسے اپنی غلطی کا احساس اپنی ترقیات کا
 سورج ڈوبنے پر ہوگا۔
 ۱۷۴ کی قوم میں سے بعض مسلمانوں میں
 داخل ہو کر اندر سے حالات معلوم
 کرنے کی کوشش کریں گے۔
 ۱۷۵ کے کشف میں جس خضر کا ذکر ہے اس سے
 مراد مہدی موعود ہیں (یعنی آنحضرت)
 اپنے دوسرے بعث کے وقت۔
 ۱۷۶ ایک ہی بستی میں بھیجے جانے والے
 بیشین سے (جن کا سورۃ یونس میں
 ذکر ہے) مراد حضرت موسیٰ اور ہارون

حضرت مریم

- حضرت مریم بغیر واسطہ مرد کے حاملہ ہونے
 کی استعداد رکھتی تھیں۔
 ۲۳۳ کو پیدائش مسیح کی بشارت کے ساتھ ہی
 اس کی ہجرت اور اسکے دو بعث ہونے کی
 خبر دی گئی۔
 ۸۶۳۸۴ امت محمدیہ میں دو بچی اور ایک مریم کے آنے
 اور اس سے ایک عیسیٰ کے پیدا ہونے کی
 پیشگوئی۔
 ۲۳۰

- ۲۳۱ موعود مریم کے سفر ہوشیار پور کی پیشگوئی۔
 یہ پیشگوئی کہ اس سفر میں اس کے اہل خانہ
 اس کے ہمراہ نہیں ہونگے مگر کچھ اور لوگ
 ۲۳۲-۲۳۱ ہمراہ ہونگے۔
 موعود مریم کے سابقہ مریم سے افضل ہونے کی
 پیشگوئی۔
 ۲۳۳-۲۳۲ یہ پیشگوئی کہ مریم نام پانے والا موعود شروع
 شروع میں لوگوں کیساتھ مناظرے کیا کریگا مگر
 بعد میں انہیں ترک کردیگا۔
 ۸۸ یہ بتایا جاتا کہ موعود مریم یعنی مسیح موعود
 (المہدی) کی دعویٰ کے وقت کیا عمر ہوگی۔
 ۸۹-۸۸ یہ پیشگوئی کہ ابن مریم نام پانے والا موعود اٹھ
 کا امام حکم اور شاہد و مشہود ہوگا۔
 ۹۱-۹۰ موعود ابن مریم یعنی مسیح موعود (المہدی) کا
 تعلق آنحضرت کے مقام محمود سے۔
 ۹۹ مسیح موعود کی بعثت ۱۲۹۰ھ میں ہوگی۔
 ۱۰۳ ۱۰۳ اور آپ کے احوال کا ذکر سورۃ
 الکہف میں
 ۱۰۵ ۱۰۵ کی آمد کی غلبہ غالی۔
 یہ پیشگوئی کہ ابن مریم بننے والے اٹھ میں
 بہت ہونگے مگر کامل طور پر ابن مریم بننے اور
 یہ نام پانے والا ایک ہی ہوگا۔
 ۲۳۳ حضرت مسیح (عیسیٰ)
 کو یہ بتائے جانے کی غرض کہ انکے بعد انہیں
 خدا بتایا گیا۔
 ۵۹۱ حضرت عیسیٰ کا بنس نفیس دوبارہ آنا مقدر نہیں
 تھا۔ (آیت استخلاف میں اشارہ)
 ۲۶۶-۲۶۵

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی مدد کیلئے بھیجے جانے والے ثالث سے مراد مسیحؑ ہیں۔

۲۶۹

حضرت ابو بکرؓ

کا غارتور میں وہ حزن قابل ستائش تھا نہ کہ کہ قابل مذمت

۲۷۰

حضرت علیؓ

کی ایک دعا تھنعتص اغفرلی

حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؒ صاحب

کا فرمانا کہ ہمیں خدا کے دروازہ کا تو علم تھا مگر کھٹکھٹانے کا طریق جس سے وہ کھولا جائے حضرت مہدیؑ نے سکھایا۔

۱۸۳

اصحاب کہف

قرآن میں پیشگوئی کہ اصحاب کہف آئندہ بھی ہونگے اور وہ مہدیؑ کے احوال ہونگے۔

۱۰۸-۱۰۹

موجود اصحاب کہف کی کہف کی نوعیت۔

۱۰۹

موجود اصحاب کہف کو ہونے والے مہدیؑ پر پہلے سے اُمیدیں ہونگی۔

۱۱۰

موجود اصحاب کہف مسلمانوں میں سے ہونگے۔

۱۱۱

// // (احوال المہدیؑ) کی علامت

۱۱۸

// // آزمائشوں کی بھی میں سے

گزارے جائینگے اور کامیاب ہونگے۔

//

// // کا کہف میں پناہ لینا دو طرح

۱۲۰-۱۲۱

سے ہوگا۔

موجود اصحاب کہف کے پہلے مرکز سے ہجرت

کرنے اور نیا مرکز بنانے کی اور نئے مرکز کا

نام ربوہ ہونے اور اس کے مرکز بننے

سے پہلے اور بعد کی کیفیت اور دیگر اہم امور کی پیشگوئی۔

۱۲۱-۱۲۲

موجود اصحاب کہف کی ترقیات کی نوعیت اور

انکا گزشتہ اصحاب کہف کی ترقیات سے فرق

موجود اصحاب کہف کی بیداری ایک طرح

کی نیند اور نیند ایک طرح کی

بیداری ہوگی اور انکی دو مثالیں۔

// // کے تعلق میں کلب یعنی کتے سے

مراد (دشمن انسان)

// // کا کتا انکا محافظ نہیں مخالف ہوگا۔

// // کو ایک خاص زعب دیا جائیگا۔

// // کے دو بحث اور انکی مختلف اغراض۔

// // کے زمانہ میں فولڈرز کا استعمال ہوگا

// // کے وقت تک خلفاء مہدیؑ کی تعداد

// // کے وقت کا کتا پہلی بار مہدیؑ

موجود کے تیسرے خلیفہ کے وقت

میں پایا جائیگا۔

// // کے قیام فی الکہف کی مدت اور

مراکز احمدیت کے بارہ میں عظیم

الشان پیشگوئیاں۔

// // بادشاہوں کے مالک کیسے بنیں گے۔

ذوالقرنین

ذوالقرنین کے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر جو

(ذوالقرنین ثانی) حضرت مسیحؑ موجود

نے کی۔

// // سے متعلق بعض حقائق کو خدا تعالیٰ کا

مہدیؑ موجود کے جن حیات تک کھول دینا

بعض کو مخفی رکھنا۔

۱۹۶

ذوالقرنین کے سروں کی ترتیب سے متعلق ایک وضاحت۔

۱۹۷

// نے جو دیوار بنائی وہ مقصود بالذات نہیں تھی مقصود بالذات یاجوج ماجوج کے حلوں کو روکنا تھا۔

۲۰۷

// کے تعلق میں قرآن میں مذکور ربوبیت سے مراد عزت افزائی تھی۔

//

// کی ربوبیت یعنی عزت افزائی کیلئے خدا نے تین سامان مقدر کئے تھے جن میں

سے دوسرا پہلے سے اور تیسرا دوسرے سے زیادہ اس مقصد کو پورا کرنے والا تھا۔

۲۰۸

// کو خبر دی گئی کہ یاجوج ماجوج کے دوبارہ دنیا میں پھیل جانے اور بتلائے

عذاب کئے جانے سے پہلے ایک نبی آئے گا جس کا نام ذوالقرنین بھی ہوگا۔

۲۱۰-۲۰۹

// ثانی مہدی موعود کے بارہ میں خبر کہ وہ اپنی ہر شان میں پہلے ذوالقرنین سے

افضل ہوگا۔

۲۱۰

// ثانی کے زمانہ میں یاجوج ماجوج کی آپس میں تین جنگیں ہوگی۔

۲۱۱

اُمتِ محمدیہ

اُمتِ محمدیہ کا درد رکھنے والوں کو ایک زمانہ میں خوف ہوگا کہ کوئی وارث رسول نہیں رہا اس لئے وہ باہر سے رسول کے آنے کی دعا مانگیں گے مگر خدا تعالیٰ انہی میں سے نبی مبعوث کرے گا۔

۲۲۲

اُمتِ محمدیہ کی دعا نزول مسیح کیلئے ہونی تھی پھر ایک یحییٰ کے آنے کی پیشگوئی کیوں کی گئی؟

//

اُمتِ محمدیہ میں دو یحییٰ اور ایک مریم کے آنے اور اس سے ایک عیسیٰ کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کیوں کی گئی؟

۲۲۳

اُمتِ محمدیہ کے بزرگ مہدی کی بشارتیں پائیں گے اور اس کیلئے دعائیں کریں گے اور کروائیں گے۔

۲۲۶

رسل

۱ اگر سب رسولوں کو خدا ہی بھیجتا ہے تو انکی تعلیمات میں فرق کیوں ہوتا ہے؟

۵۸۰-۵۷۷

۲ جب کچھ ہی عرصہ پہلے ایک صاحب شریعت نبی (موسیٰ) آچکے تھے تو اور صاحب شریعت نبی (محمد رسول اللہ ﷺ) کی کیا ضرورت تھی؟

۵۷۷

۳ آئندہ آنے والے رسول کی کیا خصوصیات ہوں گی۔

//

۴ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسکی کیا نسبت ہوگی اور اسکا اُمت میں کیا مقام ہوگا ان سوالوں کا جواب (سورۃ احقین میں)

//

انبیاء کے مقام میں ہر آن ترقی ہوتی رہتی ہے ان کے پہلے اور آخری دن میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

۲۳۵

سب نبیوں کا فطری جو ہر ایک سا ہوتا ہے۔ تفسیر سورۃ النبا صفحہ ۲۹۱

۲۷۰

اگرچہ منصب نبوت قتل ہونے میں مانع نہیں بلکہ یہ ایک شہادت ہے لیکن سنت اللہ یہ ہے کہ سلسلہ کا پہلا اور آخری نبی شہید نہیں ہوتا۔

۵۲۳

انسان

انسان کو چاہیے کہ صرف دوسری مخلوقات کے جو وہ بھی کلمات اللہ میں خواص معلوم کرنے ہی میں عمر صرف نہ کرے زیادہ زور مجموعہ کلمات اللہ (قرآن) کے عجائبات جاننے پر دے۔

۲۱۶

جن لوگوں کی تمام تر کوششیں دنیا کیلئے ہوتی ہیں وہ خدا کی نگاہ میں قابل قدر نہیں ہوتے۔

۲۱۳

خلافت راشدہ کے بارہ میں

پہلے سے دی جانے والی خبریں

نمبر ۱: اس خلافت کی ابتداء ہلال سے مشابہ ایسے وجود سے ہوگی جس کا نام لئے بغیر ذہن اسکی طرف جاسکتا ہے۔

۲۸۶

نمبر ۲: اسلام کی آئندہ ترقیات بلکہ خود خلافت

۲۸۵-۲۸۶

کی بنیاد اس وجود سے پڑے گی۔

نمبر ۳: اس وجود کا دور مختصر ہوگا اور تین سال کے اندر مکمل ہو جائیگا۔

//

نمبر ۴: وہ وجود ایسا خدائی المّوسول ہوگا کہ خدا نے اس کے دور کو آنحضرتؐ کے دور سے الگ کر کے بیان فرمانا پسند نہیں کیا۔

//

خلافت کا چاند پہلے روشن سے روشن تر ہوتا جائیگا پھر زوال پذیر ہونے لگے گا اور اس کا دور تین سال چلے گا۔

//

آدمؑ

ساتویں ہزار کے آدمؑ کی پیشگوئی۔

۲۴

آسمان

آسمان سے نازل ہونے والے روحانی پانی یعنی الہامی تعلیم کا حیاۃ الدنیا پر دو قسم کا اثر

دنیا

حیاۃ الدنیا کو سنوارنے کی کوشش فی ذاتہ بُری نہیں اس میں حد سے زیادہ انہماک برا اور قابلِ سزا ہے۔

۲۱۳

آنحضورؐ کے بعد نبی

آئندہ نبی آئیں گی واضح پیشگوئی سورۃ المؤمن

۳۲۶-۳۲۲

اور سورۃ الاحقاف میں۔

لیلۃ القدر کی مختلف حیثیتیں

۵۸۵

کبھی یہ ہزار ماہ یعنی ۱۱۳-۸۳ سال سے بہتر ہوتی ہے۔

//

کبھی یہ ہزار رمضان سے اور بنا برائیں ہزار سال سے بہتر ہوتی ہے۔

//

کبھی یہ تمام زمانوں سے بہتر ہوتی ہے۔

//

لیلۃ القدر یعنی مامور من اللہ کے زمانہ میں نزول ملائکہ اور ان کی غرض۔

۵۸۷

سورۃ القدر میں مذکور الروح سے مراد

۵۸۹-۵۸۸

روح کا لفظ بوضاحت صرف دو نبیوں کیلئے آیا ہے ایک آنحضرتؐ کیلئے اور دوسرے مسیحؑ کیلئے۔

۵۸۹

مختلف سُورِ قرآنی میں مہدی کا ذکر

سورۃ الفاتحہ

میں ایک احمد رسول کی پیشگوئی

۸

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آیت واذفال ربك للملئكة الى قوله وما كنتم تكتمون (۳۳:۳۱) میں تین آدموں کا ذکر نمبر ۱۲:۲ جنس آدم کا۔ نمبر ۱۳:۳ اس جنس میں سے بعض منتخب افراد کا۔ نمبر ۱۳:۳ اس کے کامل ترین فرد (آنحضرتؐ) کا اور تم عرصہم غلیٰ لملئكة میں ایک اشارہ مہدی موعودؑ کی طرف

۲۰۵۱۷

آیت غلنم آدم الأسماء كلها (۳۲-۲) اور آیت خلق الإنسان علمه البيان (۵۵-۳) میں مہدی موعودؑ کو عربی زبان کا غیر معمولی علم دیئے جائیگی پیشگوئی۔
آیت واذرفع ابراهيم القواعد من البيت واسمعیل (۱۳۸:۲) میں حضرت اسماعیلؑ کا ذکر حضرت ابراہیمؑ سے الگ کر کے کرنے میں ایک لطیف نکتہ۔

۲۳

۳۹

آیت رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُخْطِي الْمَوْتَى (الیٰ) قولہ) فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ میں ابراہیمؑ کی قوم کے چار بار روحانی موت کا شکار ہونے اور ہر بار ایک مثل ابراہیمؑ کے ذریعہ زندہ کئے جانے کی پیشگوئی جو آخری بار مہدی موعودؑ کے ذریعہ پوری ہو رہی ہے۔

۶۶۵۶۱

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ

آیت يٰمَعْزُومُ إِنَّ اللَّهَ يُصَوِّرُكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (الیٰ) لولہ) وَيُكَلِّمُ النَّاسَ لِي الْمَهْدِ وَتُخَلَّاهُ مِنَ الضَّالِّينَ (۳۶:۳-۳۷) میں مسیح کی ہجرت اور بعثت ثانیہ کی پیشگوئی اور دوسری بعثت کے وقت کی عمر وغیرہ کی طرف اشارہ نیز یہ بتایا

جانا کہ وہ آغاز جوانی ہی سے لوگوں کیساتھ مناظرے کیا کرے گا لیکن نبی بننے کے کچھ عرصہ کے بعد انہیں ترک کر دے گا۔

۸۷۴۸۳

سُورَةُ بَنِي إِسْرَءِيلَ

آیت عَسَىٰ أَنْ يَمُنَّكَ رَبُّكَ فَغَامَا مُّحْمُودًا (۱۷) میں بتایا جانا کہ آنحضرتؐ کے مقام محمود پانے کا مہدی موعودؑ سے تعلق خاص ہے۔

۱۰۲-۱۰۱

سُورَةُ الْكَهْفِ

میں مہدی اور انکی جماعت کا ذکر۔ معرکہ آراء آیت سِقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ کی تفسیر آیت نمبر ۲۶: ۲۶: وَلِبِشُوا فِي كَفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا میں مہدی کی جماعت کے اسکے ساتھ ۲۵ سال ۹ ماہ قادیان میں رہنے کا اشارہ۔ اسی طرح جماعت احمدیہ کے ثانوی مرکز میں ۳۳ سال مسلمانوں میں شمار رہنے کا اور اس کے بعد اسکے خلیفہ کے وہاں سے ہجرت کر جانے کا اشارہ۔

۱۳۸

۱۳۷

سُورَةُ مَرْيَمَ

میں مہدی موعودؑ اور اسکے پیر موعود کے بارہ میں پیشگوئیاں (تفصیل الگ عنوان کے تحت) ۲۵۸۵۲۱۸ تہنقص میں مہدی کی اولاد کے بارہ میں ایک عجیب اشارہ۔

۲۵۷

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

آیت وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (۱۵:۶۹) میں مہدی موعودؑ کے دعوتی کے وقت کی عمر کی طرف اشارہ کہ وہ اس وقت پچاس سال کا ہو چکا ہوگا۔ نیز عہد رسالت کی طرف اشارہ

۸۹-۸۸

سُورَةُ النُّورِ

آخضوَر کے بعد قیام خلافت کا وعدہ ۲۶۳-۲۵۸
 آپؐ کا ایک خلیفہ (مہدیؑ) کوکبِ درّی کے
 حکم میں یعنی خود بھی نبی ہوگا۔ ۲۶۱-۲۶۰
 اس خلیفہ کے وقت میں قرآن ساری دنیا میں
 پھیل جائے گا۔
 حضرت موسیٰؑ کی طرح آنحضرتؐ کا تیرجواں
 خلیفہ بھی آپؐ کی قوم (قریش) میں سے نہیں
 ہوگا۔ ۲۶۳

سُورَةُ يٰسَٓ

میں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کا اور اس سے
 مہدی موعودؑ کے تعلق کا ذکر۔ ۲۶۶-۲۶۷
 آیت ۱۵، ۱۴: میں اثنین سے مراد آنحضرتؐ اور
 ابوبکرؓ اور ثالث سے مراد مہدیؑ۔ ۲۷۰
 آیت: وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ
 یُسَمَّى میں مہدی اور اس کی جائے ظہور کی
 طرف اشارہ۔ ۲۷۱-۲۷۲

آیت: وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ میں خلافت

راشدہ کے بارہ میں عظیم الشان پیشگوئیاں۔ ۲۸۵-۲۸۶

سُورَةُ النَّجْمِ

آیت: وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ میں النجم سے
 مہدیؑ بھی مراد ہے۔ ۲۹۲
 آیت: وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ بَلَدَةٍ
 الْمُتَنَهَىٰ میں اشارہ کہ قرآن کا ایک اور نزول
 بھی ہوگا۔ جو صبحِ موعودؑ پر ہوگا نیز یہ اشارہ کہ
 صبحِ موعودؑ کا مقام بعثتِ ہندوستان کا شہر
 کادیان ہوگا۔ ۲۹۳-۲۹۵

آیت: اذِیغْشَى السَّيْرَةَ مَا یَغْشَىٰ میں مہدیؑ

اور اس کی جماعت کے محاسن کا ذکر۔ ۲۹۸-۲۹۹

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ

میں آیت فَبَآئِ الْاَءِ رَبَّكُمَا تُكَذِّبَانِ کے
 تکرار کی ایک حکمت (جو پہلے کبھی بیان
 نہیں ہوئی)

اس سے مقصود قرآن کریم آنحضرتؐ اور
 مہدی موعودؑ کی طرف بار بار توجہ دلانا ہے۔ ۳۰۵-۳۰۸

سُورَةُ الْفَتْحِ

آیت: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
 یہ بتایا جانا کہ اسلام کے دورِ اول میں اس کی
 ترقی کس طرح ہوگے اور دورِ ثانی میں کس
 طرح نیز مہدیؑ اور آپؐ کی اولاد کے بارہ
 میں بعض لطیف اشارات۔ ۳۲۳-۳۲۴

سُورَةُ التَّحْوِیْمِ

میں مہدی موعودؑ کا ذکر اور کئی عظیم الشان
 پیشگوئیاں ۳۳۱-۳۳۴

سُورَةُ الصَّٰفِیِّ

میں آنحضرتؐ کے بعد بھی ایک احمد رسول
 کے آنے کی پیشگوئی۔ ۳۰۹

اس پندرہ آیت کی سورۃ میں آیت بِسْمِ اللَّهِ
 الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے تین دفعہ تکرار میں ایک
 عظیم پیشگوئی۔ ۳۳۸

سُورَةُ الْجُمُعَةِ

میں مہدیؑ کا ذکر

سُورَةُ الْقَلَمِ

آیت: ن-و القلم وما یسطرون ما انت

بسمۃ ربک بمجنون میں قرآنی علوم کو پھیلانے کیلئے ایک سلطانِ اقلیم کے ظہور کی پیشگوئی۔

۳۸۰۵۳۷۸

اسی طرح اسلام کے دورِ اوّل کے پہلے ۵۰ اور دورِ ثانی کے پہلے ۲۰۱ سالوں میں عظیم ترقیات اسلام کی پیشگوئی۔

۳۸۲

سُورَةُ الْحَاقَّةِ

میں مہدی موعودؑ کا ذکر

۳۸۵

سُورَةُ الْمَعَارِجِ

آیت: سَأَلْ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِلْكَافِرِينَ

۳۹۳-۳۹۳

لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ اور آیات مابعد کی تفسیر

۳۱۲۳۹۵

سُورَةُ نُوحٍ: میں مہدی کا ذکر۔

سُورَةُ الْجِنِّ: میں مسیح کے بارہ میں مسیحیوں

اور مسلمانوں کے غلط عقائد کا رد اور یہ بتایا جاتا

کہ خود مسیحیوں کی تحقیق مسیح کے آسمان پر

جانے کے عقیدہ کو جھٹلا دے گی۔

۳۲۱۳۱۲

سُورَةُ الْمُزْمَلِ

میں مہدی کا ذکر آیت: يَأْتِيهَا الْمُزْمَلُ

آنحضرتؐ کو یہ اشارہ کہ آپؐ کے بعد بھی

آپؐ کی برکت سے ایک آپؐ جیسا (نہ کہ

آپؐ کے برابر) شخص آئے والا ہے۔ اشاعت

ہدایت کا سارا کام آپؐ اکیلوں نے نہیں کرنا

(کچھ کام اس موعودؑ نے کرنا ہے) اس لئے

آپؐ قیام لیل بیتک کیا کریں لیکن کچھ دیر

آرام بھی ضروری ہے۔

۳۲۶۵۳۲۲

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ

میں مہدی موعودؑ کا ذکر اور یہ بتایا جاتا کہ وہ

ایک اعتبار سے قر اور ایک اعتبار سے شمس ہوگا۔ شیر خدا ہوگا۔ ساری دنیا کی طرف رسول ہوگا۔ انیسویں صدی میں آئیگا اور اس بلند مرتبہ کا نبی ہوگا کہ اس ایک کی خاطر خدا تعالیٰ ساری دنیا کو آگ میں جھونک دینے سے بھی نہیں ہچکچائے گا۔

۳۳۰۵۳۲۸

سُورَةُ الْقِيَامَةِ

میں یہ بتایا جاتا کہ مہدیؑ کے وقت میں

سورج اور چاند گرہن میں جمع کئے جائیں

گے۔ نیز یہ کہ وہ شمس بھی ہوگا اور قمر بھی

سُورَةُ الذُّهْرِ

میں یہ بتایا جاتا کہ مہدیؑ کا تعلق مختلف

خاندانوں سے ہوگا اور اس کے ماننے والے

(مشروط بہ اطاعت) صاحب کشف و الہام

بنائے جائیں گے۔

۳۵۲۵۳۲۸

سُورَةُ الْمُؤَسَّلَتِ

میں ایک زمانہ آئیگا کہ تمام بدیاں جن کی اصلاح

کیلئے مختلف نبی آئے اس زمانہ میں اکٹھی ہو

جائیں گی اس لئے ایسا رسول لایا جائیگا جس

کی ذات میں تمام رسول جمع ہوں گے اور اس

کا وقت اسلام کے عالمگیر غلبہ کا وقت ہوگا۔

۳۶۰۵۳۵۲

سُورَةُ النَّبَاِ

میں اسلام کے دو غلبوں کی تحدی۔ درمیانی

زمانہ ضعف اور اس کے اسباب کا ذکر۔ یہ بتایا

جاتا کہ اس ضعف کا علاج عام علماء و غیرہ سے

نہیں ہو سکے گا بلکہ اس کیلئے ایک نبی اللہ کی

ضرورت ہوگی اور وہ آکر روحانی عیش کے

سامان فراہم کریگا اور دیگر بہت سی باتیں۔ ۴۶۳۳۶۱

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

میں مہدی موعودؑ کے وقت کی بعض اہم

۴۹۲۳۶۳

علامتوں کا بیان

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ

میں آخری زمانہ میں ایک جلالی شبیہ کی صورت

۴۹۳۳۹۲

میں مسیح کے تیسرے ظہور کی پیشگوئی۔

سُورَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ

۴۹۴

میں ایک پیشگوئی مہدی موعودؑ کے متعلق

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ

۴۹۵

میں مہدیؑ کا ذکر

دوسری باتوں کے علاوہ ارض حرم کے

۵۰۳۳۵۰۱

قادیان تک وسیع ہونے کی پیشگوئی۔

یہ بتایا جاتا کہ مہدیؑ تیرہویں صدی کے آخر

میں ظاہر ہو کر چودھویں صدی ہجری میں

چودس کا چاند بن کر آسمان روحانیت پر چمکے گا

اور سولہویں صدی کے آخر تک دنیا کو پوری

۵۰۷-۵۰۶

طرح منور کر دیگا۔

سُورَةُ الْبُرُوجِ

میں مہدیؑ کے آنحضرتؐ کی نسبت سے شاہد

اور مشہود ہونے کا ذکر اور یہ بتایا جاتا کہ اسکے

۵۱۹۳۵۱۳

دشمنوں کا انجام کیا ہوگا۔

سُورَةُ الطَّارِقِ

میں یہ ذکر کہ عالم اسلام پر رات چھا جانے پر

اس کے آخری حصہ میں ایک ستارہ ظاہر ہوگا

جو عام معنی میں ستارہ نہیں ہوگا بلکہ ایک ایسا

بڑا آدمی اور سردار اُمت ہوگا جو اس معصیت

دگناہ کی رات میں لوگوں کا رہنما ہوگا اور بوجہ

صبح کا ستارہ ہونے کے یہ نوید لایگا کہ اب

دنیا ہجر سے آسمان روحانیت کے شمس حضرت

محمد رسول اللہ ﷺ کے نور سے منور ہوگی۔ اور

۵۲۵۳۵۱۹

دیگر پیشگوئیاں

سُورَةُ الْاَعْلٰی

میں یہ بتایا جاتا کہ آنحضرتؐ کے بعد نبی کا

آنا آپؐ کیلئے موجب توہین نہیں موجب

افتخار ہوگا۔ نیز یہ بتایا جاتا کہ ارسال رسل کے

بارہ میں سنت اللہ یہ ہے کہ ضرورت

کے وقت رسول ضرور آتا ہے۔ نئی شریعت کی

ضرورت ہو تو اسکے ساتھ اور موجود شریعت کی

یاد دہانی کی ضرورت ہو تو اسکی یاد دہانی کیلئے۔ ۵۲۸۳۵۲۵

(آیت: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا لَكُمْ قَدْ خَلَفْنَا بِهَا عَلَى الْاَعْلٰی) ۵۳۱

آنحضرتؐ اور نبی موعودؑ کے بارہ میں پیشگوئی

کہ انکے دشمنوں میں سے جو زیادہ گندے

ہونگے وہ تمھے بڑے اعتراضات پیش کرتے

۵۳۳۳۵۳۱

چلے جائیں گے۔

آنحضرتؐ کو بتایا جاتا کہ آپؐ کے بعد علامہ نبی

کی ضرورت پیش آنے والی ہے مگر اس کی وجہ

۵۳۳

آپؐ کی کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔

آنحضرتؐ کو حکم کہ اپنی اُمت کو آنے والے

۵۳۷

نبی کو ماننے کی تاکید فرمادیں۔

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

میں غلبہ اسلام کی نوعیت، وسعت اور اسکے

۵۴۰۳۵۳۸

اثرات کا بیان

اشارہ۔ اسکی آنحضرتؐ سے نسبت کا ذکر اور

یہ بتایا جاتا کہ وہ حکم وقت ہوگا۔ ۵۸۴۵۷۸

سُورَةُ الْقَدَرِ

میں لیلۃ القدر کے خبر من الف شہر

ہونے کے ذکر سے مراد اور ہر لیلۃ القدر کی

نسبتی قدر کا بیان ۵۸۵۴۵۸۳

مہدی موعودؑ کا زمانہ اپنے سے پہلے کے ہزار

سال اور بعد کے ہزار سال سے بہتر ہوگا۔ ۵۸۵

ننزل الملكة والروح فیہا کی تفسیر ۵۸۶

قرآن میں صرف دو نبیوں آنحضرتؐ اور مسیح

موعودؑ کیلئے روح کا لفظ آنا اور اسکی حکمت۔ ۵۸۹

سورة المائدہ کی آیت وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسٰی

إِنِّ مَرْسَلٌ بِكَ أَنَّا قُلْتُ لِلنَّاسِ کی تفسیر ۵۹۵۴۵۹۱

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ میں ضرورت الرسول کا بیان ۶۰۳۴۵۹۵

سُورَةُ الزُّلْزَالِ

میں مہدی موعودؑ کے ظاہر ہو جانے کی علامات

کا بیان ۶۱۰۴۶۰۲

سُورَةُ الْعَصْرِ

میں حضرت مہدی موعودؑ کی بعثت کیلئے دو

مختلف حسابوں سے ایک ہی سال متعین کیا جاتا

اور وہی سال آنحضرتؐ کی بعثت ثانیہ کا سال

ہے اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ کا

دوسرا بعثت مہدی موعودؑ ہی کی صورت میں ہونا

مقدر تھا۔ ۶۱۴۴۶۱۰

سُورَةُ الْفِيلِ

میں مہدی کا ذکر اور یہ بتایا جاتا کہ آنحضرتؐ

کے زمانہ کے دشمنوں کی ہلاکت کیسے واقع

غلبہ اسلام کے وقت مسلمانوں کو ملنے والی

روحانی جنت کا نقشہ ۵۳۳۴۵۳۰

امام الزمان کی ضرورت اور اسکی پہچان کا بیان ۵۳۹۴۵۳۳

سُورَةُ الْفَجْرِ

میں ابتدائے اسلام میں ہونے والے واقعات

کے اعادہ کی پیشگوئی اور اسلام اور مسلمانوں

کے مستقبل کے متعلق دیگر عظیم الشان

پیشگوئیاں۔ ۵۵۳

مہدی کے وقت ظہور کی طرف اشارہ ۵۵۶

آیت: يٰۤاَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ کی تفسیر ۵۵۸-۵۵۷

سُورَةُ الشَّمْسِ

میں فتح مکہ سے لیکر مہدی موعودؑ کے ظہور تک

مسلمانوں پر آنے والے مختلف ادوار کی خبر ۵۶۵۴۵۶۱

سُورَةُ الضُّحَىٰ

میں غلبہ اسلام کی خبر۔ یہ ذکر کہ آخری زمانہ

میں حضورؑ کے کسی قبیح پر وحی رسالت نازل ہو

گی۔ اور اسلام کے موعودہ غلبہ کے جلو میں

آنے والے مسائل کا حل ۵۶۹۴۵۶۵

سُورَةُ الْاِنشِرَاحِ

میں اُن سوالوں کا جواب جو سورة الضحیٰ

کے آخر میں بیان شدہ لوگوں کو قرآن کی

طرف متوجہ کرنے کے حکم پر پیدا ہوتے تھے۔

شرح صدر والے کشف کی (جس کی طرف

اس سورة میں اشارہ ہے) تعبیر اور اس میں کی

جانبیالی پیشگوئیوں کی تفصیل ۵۷۷۴۵۷۰

سُورَةُ التِّينِ

میں مہدی موعودؑ کی بعثت کے وقت کی طرف

سُورَةُ النَّاسِ

میں مہدی کا ذکر یہ بتایا جاتا کہ نمبر ۱۔ وہ تمام
بنی نوع انسان کی ربوبیت روحانی کیلئے آئیگا۔
نمبر ۲ آنحضرتؐ کی طرح وہ بھی ساری دنیا
کیلئے حکم و عدل ہوگا ساری دنیا کو عدل و
انصاف سے بھر دیگا اور اسکے ذریعہ ساری دنیا
پر خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم ہوگی اور وہ خود
بھی دنیا کے دلوں پر حکومت کریگا۔ نمبر ۳۔ اس
کے آنے سے خدا تعالیٰ اللہ الناس کے طور پر

۶۱۵ تا ۶۱۳

پہچانا جائیگا۔



ہوگی اور مہدی موعودؑ کے زمانہ کے دشمنوں کی
کیے۔

۶۱۵ تا ۶۱۳

سُورَةُ الْكَوْثُرِ

میں آنحضرتؐ کے بعد ایک نبی کے آئنگی
پیشگوئی جو آپؐ کا روحانی فرزند اور رحلہ
کثیر الخیر و العطاء ہوگا۔

۶۲۲ تا ۶۲۵

سُورَةُ الْكَافِرُونَ اور سُورَةُ النَّصْرِ

۶۲۵ تا ۶۲۷

کی پیشگوئیاں

سُورَةُ الْاَنْعَامِ

میں مہدی موعودؑ اور آپؐ کے زمانہ کے ایک
حاکم دشمن کا ذکر اور اس کے تختہ دار پر لگائے
جانے کی پیشگوئی جو مسرہنوں کی ذات میں
پوری ہوئی۔

۶۲۷ تا ۶۳۳

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ

میں مہدی معبود المسیح الموعودؑ کے متعلق کئی اہم
اشارات۔

۶۳۳ تا ۶۳۰

سُورَةُ الْفَلَقِ

میں مسلمانوں پر مصیبت و مصائب کی ایک
رات کے آنے اور اسکے بعد طلوع فجر ہونے
اور اسکے کمال تک پہنچنے کی پیشگوئی۔ یہ پیشگوئی
کہ آئندہ آنے والی فلق کے زمانہ میں (جو
مہدی موعودؑ کا زمانہ ہے) ایک ایسا واقعہ رونما
ہوگا جسے چاند کے گہنا جانے اور پھر گڑھے
میں داخل ہونے سے تعبیر کیا جاسکے گا اور وہ
واقعہ بہت بڑے شر کا موجب ہوگا۔

۶۳۰ تا ۶۳۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

عَرَضِ مُؤَلَّفِ

حضرت ابن مریمؑ کے آئندہ ظہور، انکی ذات اور وقت کے بارہ میں اور انکے انصار اور دشمنوں کے بارہ میں اور اسی طرح ایک مہدی کے ظہور کے بارہ میں بہت سی خبریں احادیث نبویہ میں دی گئی ہیں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے وَلَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عَيْسَى بْنُ مَرْيَمَ (ابن ماجہ) فرما کر یہ بھی بتا دیا ہوا ہے کہ موعود ابن مریم اور مہدی ایک ہی شخص ہوگا۔ اور نیز یہ کہ إِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (بخاری باب نزول عیسیٰ) اے اُمت محمد یہ تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا، باہر سے نہیں آئیگا۔ لیکن احادیث کے جمع و ترتیب میں اگرچہ بہت محنت سے کام لیا گیا ہے یہ آنحضرت ﷺ کے کافی عرصہ بعد مرتب ہوئیں اور ضروری نہیں کہ ان میں سے ہر حدیث کا ہر لفظ من و عن زبان نبوی سے نکلا ہوا ہو، اس لئے عقلمندوں کا یہ طریق رہا ہے کہ وہ احادیث کو ناقدری کی نظر سے بھی نہیں دیکھتے مگر قرآن کریم پر عرض کر کے انکی صحت کی تصدیق کر لینا بھی ضروری جانتے ہیں۔ پس ایک تو اس لئے دوسرے اس لئے کہ قرآن کریم کلام الہی ہے۔ اور بالکل اسی طرح محفوظ چلا آرہا ہے جیسا کہ نزول کے وقت تھا۔ اور جو بات قرآن سے مل جائے وہ بہر حال زیادہ یقینی اور زیادہ موجب اطمینان ہے۔ ہم نے مناسب جانا کہ مہدی موعود کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہونے والی باتیں مرتب کر کے احباب کے سامنے رکھیں۔ سو یہ کتاب اسی غرض سے ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ مہدی موعود کے وقت کے متعلق جو باتیں قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر ہمارے اس زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں اور باقی پوری ہوتی جا رہی ہیں جو اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہی زمانہ مہدی موعود کے ظہور کا زمانہ ہے۔ اور اس وقت ایک ہی مرد میدان میں کھڑا ہے۔ جو مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویدار ہے اور جسکی ذات میں وہ تمام باتیں بھی پائی جاتی ہیں جو قرآن و حدیث میں موعود مہدی اور مسیح کے بارہ میں

بیان کی گئی ہیں۔ اور وہ مرد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں پس ہمارے نزدیک وہی مہدی موعود اور مسیح موعود ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اس جگہ ایک سوال بالطبع پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت مرزا صاحب موصوف تو خود اپنی کتاب ”شہادۃ القرآن“ میں وہ باتیں لکھ چکے ہیں جو انکے نزدیک قرآن کریم نے انکے بارہ میں بیان کی ہیں تو پھر اس موضوع پر کسی اور کتاب کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپؑ نے اپنی اس کتاب میں صرف ایسی آیات کا حوالہ دیا ہے جن سے بات زیادہ آسانی سے سمجھ آسکتی ہے۔ اور پھر صرف چند ایک آیات کا حوالہ دیا ہے ورنہ اپنی دوسری کتب اور ملفوظات میں آپؑ نے بہت سی اور آیات بھی پیش کی ہیں۔ چنانچہ آپؑ خود اپنی کتاب ”شہادۃ القرآن“ ہی میں چند آیات پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”علاوہ ان آیات کے قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس آخری زمانہ اور مسیح موعود کے آنے پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ان معانی مبارکہ کے ماخذ دقیق ہیں۔ اس لئے ہر ایک سطحی خیال کا آدمی اس طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ اور موٹی سمجھ ان دقائق کو پا نہیں سکتی۔“

مگر وہ آیات بھی کہ جن کے ماخذ دقیق ہیں چونکہ ”معانی مبارکہ“ پر مشتمل ہیں اور خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے فائدہ ہی کے لئے نازل فرمائی ہیں۔ اس لئے نازل نہیں فرمائیں کہ وہ ہمیشہ دُڑ مکھوں ہی بنی رہیں اس لئے ضرور تھا کہ وقتاً فوقتاً وہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہے ان آیات کے معانی کا علم دے۔ اور ان میں موجود مخفی حقائق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے، تا اس روحانی مائدہ سے دوسرے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

پس ایک غرض تو اس کتاب سے یہ ہے کہ ان باتوں میں سے بھی جن کے ماخذ دقیق ہیں وہ باتیں جن کا علم خدا تعالیٰ نے اس بے علم کو دیا، بیان کر دی جائیں، دوسری غرض یہ ہے کہ جو آیتیں کتاب شہادۃ القرآن میں پیش نہیں کی گئیں مگر اپنی دوسری کتب یا ملفوظات میں حضرت مرزا صاحبؑ نے ان سے اپنے بارہ میں استدلال کیا ہے وہ بھی مع استدلال ایک جگہ بیان ہو جائیں اور تیسری غرض یہ ہے کہ اگر ان آیتوں میں کوئی ایسے اشارات بھی آپؑ کے یا آپؑ کی جماعت کے یا آپؑ کے دشمنوں کے متعلق ہیں جو آپؑ نے اختصار کے مد نظر یا کسی اور

وجہ سے اُس وقت بیان نہیں فرمائے وہ بھی بیان کر دیے جائیں۔

میں یہ تو نہیں جانتا کہ قارئین اس کتاب کو کس نظر سے دیکھیں گے مگر یہ جانتا ہوں کہ مجھے اس کی تصنیف سے روحانی رنگ میں بے حد فائدہ ہوا ہے۔ اور اس کا لفظ لفظ میرے لئے حضرت مہدی مسعود المسعود علیہ السلام کی صداقت کا تازہ نشان بن گیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے ایسے ایسے مضامین لطیفہ اور نکات دقیقہ اس تصنیف کے دوران مجھ پر کھلے ہیں جو اس سے پہلے میرے واہمہ میں بھی نہیں تھے۔ بلکہ شاید کسی اور کے واہمہ میں بھی نہ ہوں۔

ایک دفعہ میں نے رویاء میں دیکھا تھا کہ حضرت مہدی مسعود علیہ السلام کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ یہ غلام قدموں میں بیٹھا ہے اور حضور میرے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے میرے لئے دعا کر رہے ہیں۔ اور میں بھی شامل دعا ہوں اور مجھ پر بے حد رفعت طاری ہے (جو قبولیت دعا کے آثار میں سے ہے) اس سے میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔ وہ سب حضرت مہدی مسعود کی برکت ہے۔ اور جو مہدی مسعود کی برکت ہے وہ دراصل حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی برکت ہے کیونکہ حضرت مہدی مسعود کا اپنا ایک الہام ہے:

كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ
مَنْ عِلْمٌ وَتَعَلَّمَ

(تذکرہ صفحہ ۴۵)

اس موقع پر یاد رکھنا چاہیے کہ مسلم کی حدیث میں مسعود ابن مریم کے لئے چار بار نبی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اور قرآن کریم نے بھی یہی بتایا ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا۔ اور نبی کے ساتھ ایمان کا تعلق ہوتا ہے اور ایمان نام ہے ایسی حالت میں کسی چیز کو مان لینے کا جبکہ اس کے وجود پر قرائن مرتجہ تو موجود ہوں لیکن اس کی صداقت ایک اور ایک دو کی طرح کھل نہ چکی ہو۔ اس لئے سنت اللہ اسی طرح پر واقع ہے کہ اگرچہ وہ آنیوالے نبی کے بارہ میں پہلے سے اپنے صحیفوں میں پیشگوئیاں فرما دیتا ہے اور یوں بھی اپنے بعض مقررین کو انکے بارہ میں خبریں دے دیتا ہے مگر ان میں اخفاء کا پہلو ضرور ہوتا ہے اور ان کا بیان ایسا ہوتا ہے کہ اگرچہ اہل علم یعنی وہ لوگ جنہیں علم لدنی حاصل ہو انکو سمجھ جاتے ہیں مگر ہر کوئی سمجھ نہیں پاتا۔ یہ علم تقویٰ اختیار کرنے والوں کو خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ (البقرہ ۲: ۲۸۳)

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (یاد رکھو کہ اس صورت میں) وہ تمہیں (خود) علم دیگا۔

یہی وجہ ہے جو باوجود اسکے کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ کے بارہ میں کتب سابقہ میں پیشگوئیاں موجود تھیں اور خدا تعالیٰ نے خود فرمایا تھا يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ (الاعراف: ۷: ۱۵۸) وہ اسے اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں مگر پھر بھی اہل کتاب کی ہماری اکثریت آپؐ پر ایمان نہیں لائی۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جو خدا تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتِي صُحُفًا مُنشَرَةً

(المذثر: ۷۳: ۵۳)

”ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں“

یعنی یہ چاہتا ہے کہ ایسے رنگ میں پیشگوئیاں ہوں اور راز کی باتیں بتائی جائیں جو ان میں سے ہر ایک کے لئے بالکل واضح ہوں۔ فرمایا: كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (لیکن یہ بھی نہیں ہوتا کہ جو باتیں بتائی جاتی ہیں وہ ماوراء الفہم ہوں اور کسی کو بھی سمجھ نہ آسکیں) بلکہ بات یہ ہے کہ وہ لوگ آخرت کی (جواب دہی) سے نہیں ڈرتے۔ یعنی وہ خوفِ یوم الحساب سے کام لیکر ان باتوں میں کماٹھ غور نہیں کرتے یا اہل علم کی مدد نہیں لیتے اسلئے انکو یہ باتیں سمجھ نہیں آتیں۔

اپنی اسی سنت کے مطابق موعود ابن مریم یعنی مہدی موعود کے بارہ میں جو باتیں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کی ہیں وہ ایسے رنگ میں بیان کی ہیں کہ جن لوگوں پر اس کا خاص فضل ہو وہ تو انکو خود سمجھ سکتے ہیں۔ مگر دوسرے ان سمجھنے والوں سے سیکھ کر ہی سمجھ سکتے ہیں ویسے نہیں۔ حصول علم کے اس طریق کی طرف خدا تعالیٰ نے خود اشارہ فرمایا ہوا ہے۔ چنانچہ اسکا قول ہے۔

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۱۶: ۴۴)

اگر تم حقیقت کو نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔

اسلئے ہماری اس کتاب کے مندرجات پر کسی کو یہ اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ یہ باتیں صرف چند لوگوں پر کیوں کھلیں ہر ایک پر کیوں نہیں کھلیں۔ نہ یہ اعتراض ہونا چاہیے کہ یہ باتیں پہلے کیوں نہیں کھلیں اب کیوں کھلیں۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ۔ (الحجر: ۱۵: ۲۲)

کوئی چیز ایسی نہیں جسکے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں لیکن ہم انکو ایک معلوم اندازہ (ضرورت و وقت) سے زیادہ نہیں اُتارتے۔

یہ سوال بھی ہو سکتا ہے کہ اہل علم بھی تو بہت سے ہیں انہیں سے ہر ایک پر یہ باتیں کیوں نہیں کھلیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنت اللہ اسی طرح پر واقع ہے کہ وہ اپنے خزانوں میں سے کسی کو کوئی چیز زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کوئی۔ چنانچہ سورۃ الانبیاء آیت ۸۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کو حکمت اور علم دیا گیا تھا مگر جب وہ معاملہ انکے سامنے پیش ہوا جس کا وہاں ذکر ہے تو انکی حقیقت خدا تعالیٰ نے انہیں سے حضرت سلیمان پر منکشف فرمائی حضرت داؤد پر نہیں فرمائی۔

اس موقع پر ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے بعض دوست سیاق و سباق سے کئی ہوئی کوئی آیت پیش کر کے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں مہدی موعود کا ذکر ہے۔ سننے والا مبہوت سا ہو کر رہ جاتا ہے اور یا تو بات کرنے والے کو دیوانہ سمجھ کر یا یہ خیال کر کے کہ شاید میں ہی ایسا بے علم ہوں کہ انکی بات سمجھ نہیں پایا چپ ہو رہتا ہے مگر مطمئن وہ بہر حال نہیں ہوتا۔ اسلئے ہم نے جو آیات اس تعلق میں پیش کی ہیں انکے ماحول کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

اگرچہ عقلمندوں کے لئے تو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے لیکن سب لوگ ایک جیسی علمی سطح کے نہیں ہوتے اسلئے قرآن کریم کا یہ طریق ہے کہ وہ تعریف آیات سے کام لیتا ہے اور ہر اہم بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کرتا ہے چنانچہ آئندہ آنوالے مہدی کے بارہ میں بھی اسنے یہی طریق اختیار فرمایا ہے اور اسکے مختلف ناموں، اسکے مقام بعثت، وقت بعثت، روحانی مقام، بعثت کے وقت کی عمر، بعثت کے وقت زمانہ کی حالت، آنحضرت ﷺ سے انکی نسبت و مناسبت، دوسرے انبیاء اور اولیاء و علماء اُمت سے انکی نسبت، انکی بعثت کی غرض، انکی سیرت، اس کے

وقیع ظہور کی علامات، اس کے مخالفوں کی حالت، اس کے خلفاء اور رفقاء کے بعض کوائف اور اسکی جماعت کی ترقی کے انداز وغیرہ بہت سے امور پر روشنی ڈالی ہے۔ انہی باتوں کی تفصیل اس کتاب کا اصل موضوع ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں (اگرچہ شکر کا حق کبھی ادا نہیں ہو سکتا) کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے اس کتاب میں مہدی مسعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں براہ راست قرآن کریم سے استدلال و استنباط کر کے بہت سی باتیں جو خدا ترس عقلمندوں کے لئے بِإِذْنِهِ تَعَالٰی موجب ہدایت ہو سکتی ہیں بیان ہو گئی ہیں تاہم یہ دعویٰ مجھے ہرگز نہیں ہے کہ میں نے سب کچھ بیان کر دیا ہے کیونکہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ:-

”اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔“ (ملفوظات طبع ثانی جلد صفحہ ۵۸۳)

نیز فرمایا ہے:-

”جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں مسیح موعود کا ذکر نہیں ہے وہ نہایت غلطی پر ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ مسیح موعود کا ذکر نہایت اکل اور اتم طور پر قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔“

(تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۲۳۷)

اسی طرح فرمایا ہے کہ:-

”میری نسبت قرآن کریم نے اس قدر پورے پورے قرائن اور علامات کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک طور سے میرا نام بتا دیا ہے۔“

(تذکرۃ الشہداء دتین صفحہ ۳۰)

پھر فرمایا ہے کہ:-

”قرآن کریم جو ذوی الوجہ ہے اس کا محاورہ اس طرز پر واقع ہو گیا ہے کہ ایک آیت میں آنحضرت ﷺ مراد اور مصداق ہوتے ہیں اور اسی آیت کا مصداق مسیح موعود بھی ہوتا ہے۔“

(تحدہ گولڈیہ صفحہ ۲۱۷)

پس جو کچھ پیش کرنے کی میں سعادت پارہا ہوں اسے سمندر میں سے ایک قطرہ ہی سمجھنا
چاہیے تاہم یہ قطرہ بھی ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

آخر میں اس بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ مکرم پروفیسر محمد سلطان اکبر صاحب نے
(جو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں شعبہ عربی کے ہیڈ رہے ہیں) بڑی محنت کے ساتھ اس کتاب کے
مسودہ کا لفظ لفظ پڑھ کر ضروری اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس سے یہ کتاب پڑھنے کے
لائق ہوئی ہے۔ فَجَزَاهُ اللَّهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ

خاکسار

مؤلف



حرفِ آغاز

سورۃ الفاتحہ میں ایک احمد رسول مسیح اور مہدی کی پیشگوئی

قرآن کریم کی ابتدا سورۃ الفاتحہ سے ہوئی۔ اور سورۃ الفاتحہ کی ابتدائی آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ کے دو صفاتی نام رحمان اور رحیم آئے ہیں۔ جو اس کی تمام صفات کا خلاصہ ہیں۔ صفت رحمانیت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر ذی روح کو بغیر کسی سابقہ عمل کے محض احسان کے طور پر فیض پہنچایا جائے۔ اور رحیمیت یہ ہے کہ بندہ مومن کو اس کی محنت اور کوشش پر بہترین بدلہ دیا جائے۔

انسانی فطرت ایسی ہے کہ جو اس پر خالص احسان بغیر اس کے کسی عمل کے کرتا ہے اس کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی حمد و ثناء کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ کی رحمانیت کے جلووں کو دیکھنے اور ان میں غور کرنیوالا بندہ ایک دن خدا تعالیٰ کا محبت اور احمد یعنی (تعریف کرنیوالا) اور خدا تعالیٰ اس کا محبوب اور محمد یعنی (تعریف کیا گیا) بن جاتا ہے۔ پھر جب بندہ کا خدا کی حمد کرنا اور اس سے محبت کرنا (جو اسے لائق حمد جاننے کا طبعی نتیجہ ہے) اس مقام تک پہنچ جائے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں قابلِ قدر ہو جائے۔ تو اس کی صفت رحیمیت جوش مارتی ہے۔ اور اوّل اوّل وہ اس کی محبت کا جواب شعلہ محبت کو ہوا دینے سے اور حمد کا جواب ازالہ کوتاہی حمد سے یا بالفاظ دیگر اس کے اعمال کی تکمیل سے دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ اپنے رب کی محبت اور حمد میں ترقی کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کا خدا تعالیٰ سے محبت کرنا اور اس کی حمد کرنا اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ خود خدا تعالیٰ کا محبوب اور محمد بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کا محبت اور احمد۔

پس خدا تعالیٰ کا رحمان ہونا ظاہر کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلا محمد ہے اور رحیم ہونا ظاہر کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلا احمد ہے (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۵ و ۲۵) اور چونکہ اس نے انسان کو اپنا خلیفہ اور عبد بننے کیلئے پیدا کیا ہے (ذَلَّ عَلَیْهِ قَوْلُهُ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً) اسلئے اس نے چاہا کہ اسکے بندے بھی اس کی ان صفات (رحمانیت اور رحیمیت) اور ان ناموں (محمد اور احمد) کے مظہر ہوں۔ چنانچہ اپنے اپنے وقت میں اسکے نبیوں میں سے کوئی ان میں

سے ایک اور کوئی دوسری صفت کا مظہر ہوا تاہم چونکہ وہ ان صفات کے مظہر تام نہیں تھے۔ ان کو باقاعدہ محمد یا احمد نام نہیں دیا گیا۔ لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ چونکہ (جہاں تک انسان کیلئے ممکن ہے) خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت اور رحیمیت دونوں کے مظہر تام تھے۔ آپؐ اسم محمد اور اسم احمد دونوں کے مستحق ٹھہرے۔ اور خدا تعالیٰ نے بیک وقت آپؐ کو یہ دونوں نام دئے لیکن جس طرح خدا تعالیٰ کی بالمقابل آنیوالی صفات میں سے ایک کا کامل ظہور ایک وقت میں اور دوسری کا کامل ظہور کسی دوسرے وقت میں ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اس نے پسند کیا کہ آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کے بعد کی شخص زندگی کا دورِ اوّل اسم احمد کی تحجی کا مظہر ہو۔ اور اس کا دورِ ثانی اسم محمد کی تحجی کا مظہر ہو۔ اور آپؐ کی قوی زندگی کا دورِ اوّل یعنی آپؐ کی بعثتِ اوّل کے دور کا اکثر حصہ اسم محمد کی تحجی کا مظہر ہو۔ اور دورِ ثانی یعنی بعثتِ ثانیہ کا دور جو (بمطابق سورۃ الجمعہ) آخرین کا دور ہے اسم احمد کی تحجی کا مظہر ہو۔ اس لئے ان میں سے دورِ اوّل میں اسنے آپؐ کو زیادہ تر اسم محمدؐ کے ساتھ مشہور کیا اور دورِ ثانی میں آپؐ کا بروزی طور پر ایک احمد کی صورت میں ظہور پذیر ہونا مقدر فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ القف میں اسکی تفصیل ہے۔ پس قرآن کریم کی پہلی آیت ہی میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک احمد نبی کے ظہور کی پیشگوئی کر دی گئی تھی۔

(سورۃ الفاتحہ کی دوسری آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے اس میں بھی آنحضرتؐ کے ایک دوسرے ظہور کی جو احمد نام کیساتھ ہونا مقدر تھا پیشگوئی کی گئی۔ ”الحمد للہ“ کے دمعنی ہیں۔ نمبر ۱ یہ کہ حمد یعنی سچی اور کامل تعریف کا مستحق اللہ ہی ہے۔

نمبر ۲ یہ کہ حمد یعنی سچی اور کامل تعریف کرنوالا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(پہلے معنوں کی رو سے اللہ محمدؐ (یعنی تعریف کیا گیا) ہے اور دوسرے معنوں کی رو سے احمد (یعنی تعریف کرنوالا) ہے۔ اس کا محمد ہونا ایک احمد کو چاہتا ہے اور احمد ہونا ایک محمد کو چاہتا ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنوالے بھی اور اس سے سب سے زیادہ حمد کروانے کے لائق بھی ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے سب نبیوں میں سے آپؐ ہی کو یہ دونوں نام دیے اور آپؐ کو (جہاں تک انسان کے لئے ممکن ہے) کامل محمد اور کامل احمد ٹھہرایا لیکن آپؐ کا کامل محمد اور کامل احمد ہونا یعنی کامل طور پر مظہر صفات باری ہونا اس بات کا بھی متعلق تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے آپؐ کو پیدا کیا آپؐ بھی اپنی روحانی توجہ اور قوتِ قدسیہ سے کوئی محمد اور احمد پیدا کریں۔ یعنی آپؐ کی تربیت اور قوتِ قدسیہ کے اثر سے آپؐ کے غلاموں میں سے بھی کوئی شخص ایک اعتبار سے احمد اور ایک اعتبار سے محمد ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ

اس کا محمد ہو تو وہ خدا کا احمد، اور وہ خدا تعالیٰ کا محمد ہو تو خدا اُس کا احمد۔ اس طرح آنحضرت کی نسبت سے بھی اس کے یہ دو نام ہوں یعنی آپؐ محمد ہیں تو وہ احمد (یعنی آپؐ کی سچی تعریف کرنیوالا) ہو اور وہ محمد ہے تو آپؐ احمد (یعنی اس کی سچی تعریف کرنیوالے) ہوں۔ تاہم جس طرح سب سے پہلے محمد اور احمد یعنی خدا تعالیٰ اور آنحضرت کے مقام میں فرق ہے اسی طرح آنحضرت اور اس موعود کے مقام میں بھی فرق ہو۔ آنحضرت ﷺ کا مقام آقا اور اُستاد کا ہو اور اُس کا غلام اور شاگرد کا۔ پس آنحضرت ﷺ کو یہ دو نام دئے جانے ہی میں یہ پیشگوئی مضمر تھی کہ آپؐ کی برکت سے آپؐ کے غلاموں میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا ہوگا۔ جو یہ دونوں نام پائے گا۔ بالفاظ دیگر یہ کہ آپؐ کا بروز ہوگا۔ مگر بروز کے لفظ سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسکا حضور کی صفات قدسیہ میں حضور کا شریک مساوی ہونا مقدر تھا کیونکہ ایسا ہونا مخلوقات میں سے کسی کے لئے ممکن نہیں۔ وجہ یہ کہ خدا تعالیٰ کا کوئی ہم کفو نہیں اس لئے جو خدا تعالیٰ کا مظہر کامل ہے اس کا بھی ہم پلہ مخلوقات میں سے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا پس ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا وجود بہ برکت اطاعت و محبت رسولؐ ایسے مصطفیٰ آئینہ کی طرح ہونا مقدر کیا گیا تھا جس میں آنحضورؐ کا عکس ہو ہو نظر آئے۔ تاہم جس طرح عکس کی اپنی کوئی فضیلت نہیں ہوتی۔ اس موعود کا تمام حسن و کمال بھی آنحضورؐ ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ اور اسکی تعریف میں جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ سب تعریف بھی دراصل اس کے ہادی و متاع حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی طرف راجع ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جہاں یہ لکھا کہ ”(خدا تعالیٰ نے) آج سے چھبیس برس پہلے میرا نام براہین احمدیہ میں محمد اور احمد رکھا ہے اور آنحضرت ﷺ کا بروز مجھے قرار دیا ہے۔“

وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ:

”خداوند کریم نے..... اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد اُمتِ محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں۔ خدا انکو فانی اور ایک مصطفیٰ شیشہ کی طرح پاکر اپنے رسول مقبولؐ کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ منجانب اللہ انکی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات اُن سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع

تمام اُن تمام تعریفوں کا اور مصدرِ کامل ان تمام برکات کا رسولِ کریمؐ ہی ہوتا ہے۔“ (براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۸-۲۶۹ حاشیہ نمبر ۱)

پھر اس اصولی ارشاد کے بعد خاص اپنے متعلق فرمایا:

”میں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے کہ تمام محامد اور مناقب اور تمام صفات جمیلہ آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کروں۔ میری تمام تر خوشی اسی میں ہے اور میری بعثت کی اصل غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور رسولِ کریم ﷺ کی عزت دنیا میں قائم ہو۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر تعریفی کلمات اور تحجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں یہ بھی دراصل آنحضرتؐ ہی کی طرف راجع ہیں اس لئے کہ میں آپؐ ہی کا غلام ہوں۔ اور آپؐ ہی کے مشکوٰۃ نبوت سے نور حاصل کرنیوالا ہوں اور مستقل طور پر ہمارا کچھ بھی نہیں۔“ (ملفوظات طبع اوّل جلد ۲ صفحہ ۲۱۵)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

بعض شک زائد اس پر معترض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کی اور کو کیسے مل سکتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ صرف خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں جس کی مثل بھی کوئی دوسرا نہ ہو سکے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ کو لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کا مصداق ماننے کے باوجود لوگ خدا تعالیٰ کے ناموں میں تو اس کے ایک بندے کو شریک ماننے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن اس بندے کے ناموں میں خود اس کی نیابت اور ظلیت میں کسی دوسرے کا شریک ہونا برداشت نہیں کرتے حالانکہ خدا بہر حال خدا ہے اور بندہ بہر حال بندہ۔ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ نے صاف صاف لفظوں میں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فرمایا ہے۔ اور جب اس نے آنحضرتؐ کو مومنوں کیلئے اسوہ حسنہ ٹھہرایا تو اس کا مطلب سوائے اسکے کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ چاہتا ہے کہ مومن آپؐ کے نمونہ کو اختیار کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو محمد اور احمد بنیں۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ کو (جو نہایت احتیاط کے ساتھ حضورؐ کے قدم پر قدم مارنے والے

تھے)۔ اس نے آپؐ کے اسم محمدؐ میں شریک کیا۔ اور آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ..... الخ میں دونوں کی ایک ہی صفات بیان کیں۔ پس جس طرح اس نے آپؐ کی ظلیف میں یہ بہت سے چھوٹے محمد پیدا کیے ضرور تھا کہ کوئی احمد بھی پیدا کرتا۔ سو اس کے لئے اس نے آپؐ کا آخرین میں بھی ایک ظہور مقدر فرمایا جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں ذکر ہے (اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی) اور یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ وہ ظہور جمالی شان سے ہوگا سورۃ القف میں جمالی شان کے نبی عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے بھی اس کی پیشگوئی کی۔ اور اس میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ اس کا نام احمدؐ ہوگا۔

اس بات کا قطعی ثبوت کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی خدا تعالیٰ کی نسبت سے بھی محمد اور احمد تھے اور آنحضرت ﷺ کی نسبت سے بھی محمد اور احمد تھے یہ ہے کہ جیسی حمد آپؐ نے خدا تعالیٰ کی اور جیسی حمد خدا تعالیٰ نے آپؐ کی اس کا نمونہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور میں نہیں ملتا۔ اسی طرح جیسی حمد آپؐ نے آنحضرت ﷺ کی اور جیسی حمد آنحضرت ﷺ نے آپؐ کی اس کی مثال بھی نہیں ملتی۔

جو حمد خدا نے آپؐ کی قرآنی آیات کے حوالہ سے اسی کا ذکر اس کتاب کی اصل

ردیف ہے۔

بہر صورت جیسا کہ ہم نے واضح کیا سورۃ الفاتحہ کی دو ابتدائی آیتوں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور الحمد للہ رب العالمین میں جہاں آنحضرت ﷺ کے محمد اور احمد ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا وہاں یہ پیش گوئی بھی کی گئی تھی کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے غلاموں میں سے بھی آپؐ کی قوت قدسیہ کے فیض سے کوئی وجود ہوگا جو بروزی طور پر یہ دونوں نام پائے گا۔ لیکن جس طرح آنحضرت ﷺ یہ دونوں نام پانے کے باوجود تصرف الہی سے ”محمد“ نام سے مشہور ہوئے ہیں۔ اور قرآن میں بھی سوائے ایک مقام کے جہاں پیشگوئی کے طور پر احمد نام آیا ہے باقی سب جگہ پر محمد نام ہی سے آپؐ کو یاد کیا گیا ہے۔ (کیونکہ آپؐ کا صحب حیات اور آپؐ کی بعثت اولیٰ کا دور زیادہ تر جلالی شان کا حامل تھا)۔ اسی طرح مقدر یہ تھا کہ وہ موعود یہ دونوں نام پانے کے باوجود زیادہ تر ”احمد“ نام سے مشہور ہوگا۔ کیونکہ اس کا دور زیادہ تر جمالی شان کا حامل ہوتا تھا لیکن خود احمد ہونے کے باوجود اس موعود نے انسانوں میں سے اول درجہ کے ”احمد“ یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کا غلام ہونا اور آپؐ ہی کے طفیل یہ نام پانا تھا۔ اس لئے یہ اشارہ بھی اس میں ہو گیا کہ وہ موعود ”غلام احمد“ ہوگا۔ اور عجیب بات ہے کہ جہاں اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو خدا تعالیٰ نے الہامات میں احمد نام سے پکارا وہاں اپنے

تصرف خاص کے ماتحت آپؐ کے والدین سے آپ کا نام غلام احمد رکھوایا۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ ”غلام احمد قادیانی“ کے اعداد بحساب ہنمل ۱۳۰۰ ہیں اور ۱۳۰۰ھ آپ کے دعویٰ کا سال ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جیسا کہ ہم اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھ چکے ہیں۔ جہاں سورۃ الفاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھائی گئی ہے وہاں سورۃ النساء آیت ۱۱ میں مُنْعَمٌ عَلَيْهِمْ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہو گئے۔ جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح افراد امت محمدیہ کے لئے صدیق، شہید اور صالح ہونے کا دروازہ کھلا ہے اسی طرح نبی بننے کا دروازہ بھی کھلا ہے۔ مگر قرآن کریم نے صرف صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھانے پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد غَيْرِ الْمَفْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اور تمام اہل علم کے نزدیک مَفْضُوبٌ عَلَيْهِمْ سے اوّل نمبر پر یہودی اور ضالین سے عیسائی مراد ہیں۔ اور جب خدا تعالیٰ کسی قوم کو کوئی حکم یا تعلیم دے تو اسیں یہ پیشگوئی ہوتی ہے کہ بعض لوگ اس کی خلاف ورزی کرنے والے بھی ضرور ہو گئے۔ لہذا اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان یہود سے مشابہ ہو جائیں گے۔ اور یہود میں اگرچہ بہت سے عیب تھے مگر سب سے بڑا جرم انکا یہ تھا کہ وہ نبیوں کو جھٹلاتے تھے حتیٰ کہ جب ان کا بگاڑ حد سے گزر جانے پر خدا تعالیٰ نے اپنے نوشتوں کے مطابق انکی طرف سلسلہ موسویہ کا آخری نبی مسیح ناصری بھیجا تو انہوں نے اس کا بھی انکار کر دیا، انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسکے قتل کے بھی درپے ہوئے اس لئے اسی میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ جب مسلمانوں میں حد درجہ بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ یہود کے مثل بن جائیں گے۔ اس وقت ان میں ایک مسیح کو مبعوث کیا جائے گا۔ (یعنی جس احمد کی پیشگوئی شروع سورۃ میں کی گئی وہی مسیح موعود بھی ہوگا)۔ مگر یہ لوگ اس کا انکار کریں گے اور انکار ہی نہیں کریں گے بلکہ اسکے قتل کے درپے بھی ہو گئے۔ لیکن جس طرح پہلے مسیح کو اس کے زمانہ کے یہود عملاً قتل نہیں کر سکے تھے۔ یہ مثیلان یہود بھی مسیح موعود کو قتل نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے غَيْرِ الْمَفْضُوبِ عَلَيْهِمْ کے بعد وَلَا الضَّالِّينَ کا اضافہ کر کے بتایا ایک وقت آئے گا کہ مسیح موعود کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اور یہ لوگ بھی اسے مان لیں گے۔ اور مان ہی نہیں لیں گے۔ بلکہ جس طرح عیسائی ضال یعنی گمراہ ہو کر اپنے مسیح کے بارہ میں غلو کرنے لگ گئے تھے اور اسے ابن اللہ بنا بیٹھے تھے خطرہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی مسیح موعود کے مقام کے بارہ میں غلو سے کام نہ لینے لگیں۔ چنانچہ اس خطرہ کو خود اس پیشگوئی کے موعود مسیح و

مہدیؑ نے بھی محسوس کیا اور یہ دعا کی کہ آپؐ کو محلِ شرک نہ بنایا جائے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

”میں نے اگرچہ یہ دعا کی ہے کہ یسوع ابن مریم کی طرح شرک کی ترغیٰ کا میں ذریعہ نہ ٹھہرایا جاؤں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ایسا ہی کرے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور اس سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلانے گا۔ اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا۔ اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے زور اور دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔ اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوگی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا۔ اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔“ (تجلیات الہیہ صفحہ ۳۰۹)

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا چونکہ مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے۔ اس لئے اس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ ہمیں اسلام لانے کی توفیق مل جائے۔ بلکہ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ اسلامی تعلیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق پا کر خدا تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی توفیق مل جائے۔ اور جب خدا تعالیٰ کوئی دعا تعلیم کرے تو ضرور ہے کہ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والوں کے حق میں اسے قبول بھی کرے۔ اس لئے اسی میں دراصل یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ امت محمدیہ کے بہت سے افراد بقدر اپنے اخلاص اور کوشش کے خدا کی طرف سے ہدایت پانے والے یعنی مہدیؑ ہونگے۔ لیکن الفاظ کا ایک لغوی اطلاق ہوتا ہے اور ایک اصطلاحی اطلاق، اگرچہ لغوی اعتبار سے بہت سے افراد امت مہدیؑ ہو سکتے تھے لیکن اصطلاحاً یہ نام صرف کامل طور پر ہدایت پانے والوں ہی کو مل سکتا تھا بلکہ ضرور تھا کہ کسی نہ کسی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ نام ملتا کیونکہ اس کے بغیر یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ لفظ خلفاء راشدین کے لئے استعمال فرمایا ہے جن کا تعلق اسلام کے دورِ اوّل سے تھا یا پھر امت میں آنے والے مسیح ابن مریم کے لئے جس کا تعلق اسلام

کے دور جانی سے جو آخرین کا دور ہے ہوتا تھا۔ اس لئے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس میں اسی مہدی کی پیشگوئی کی گئی تھی۔

=====

مہدی کا نام احمد ہوگا نیز محمود اور منصور بھی اسکے نام ہونگے

مختصر یہ کہ سورۃ الفاتحہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کا بروز بن کر آنیوالے ایک رسول کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اور بتایا گیا تھا کہ اسے محمد اور احمد دونوں نام دیے جائیں گے مگر وہ زیادہ تر احمد نام سے مشہور ہوگا۔ وہ مسیح بھی ہوگا اور مہدی بھی ہوگا اور چونکہ جو محمد ہے ضرور ہے کہ وہ محمود بھی ہو اور جو رسول ہے ضرور ہے کہ (برطانیق آیت) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا۔ المؤمن ۵۲:۴۰) وہ منصور یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرت یافتہ بھی ہو۔ اس لئے اس سورۃ میں دراصل یہ بتایا گیا کہ اُمّت محمدیہ میں ایک مہدی آئے گا جس کا نام منصور بھی ہوگا۔ محمد بھی ہوگا احمد بھی ہوگا اور مسیح (عیسیٰ ابن مریم) بھی۔ چنانچہ حضرت امام جعفرؑ کی روایت ہے کہ:

سَمِيَ اللَّهُ الْمَهْدِيُّ الْمَنْصُورَ كَمَا سَمِيَ أَحْمَدُ وَ
مُحَمَّدُ وَ مَحْمُودٌ وَ كَمَا سَمِيَ عِيسَى الْمَسِيحُ

(بحار الانوار جلد ۱۳ ص ۷)

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ الفاتحہ کا ایک نام اُمّ القرآن بھی ہے جو کچھ اس میں اشارۃً اور اجمالاً بیان ہوا ہے باقی قرآن کریم میں اسکی وضاحت اور تفصیل ہے۔ پس اس سورۃ کے موعود کے متعلق جو کچھ باقی قرآن کریم میں بیان ہوا ہے اس میں سے وہ باتیں جو راقم الحروف سمجھ سکا ہے اس کتاب کے اگلے صفحات میں ہدیہ قارئین کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس عاجزانہ دعا کے ساتھ کہ:

رَبِّ اشرحْ لِيْ صَدْرِيْ وَ يَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَ اَحْلِلْ عُقْدَةً
مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوا قَوْلِيْ (طہ ۲۶: ۲۹)

اے میرے رب مجھے شرح صدر عطا کر اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے (تاکہ) وہ (لوگ جو اس کتاب کو پڑھیں) میری بات کو سمجھ سکیں۔

=====

مہدی موعودؑ کا ایک نام آدم ہوگا اور وہ ساتویں ہزار کے سر پر

آئے گا

سورۃ البقرہ میں ہے:-

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً
 قَالُوْۤا اَنْجَعِلْ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ
 وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ
 مَا لَا تَعْلَمُوْنَ [۳۱] وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
 عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ
 صٰدِقِیْنَ [۳۲] قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا
 اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ [۳۳] قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ
 بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢۢأَۤا هُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ
 اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ
 مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ [۳۴]

اور (اے رسول) اس وقت کو یاد کر جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں خلیفہ بناؤں گا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا تو اس میں اسے (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری خاطر تقدیس بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا یقیناً میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو تمام اسماء کا علم دیا پھر ان لوگوں کو (جو ان اسماء کے حامل تھے) فرشتوں پر پیش کیا۔ پھر کہا تم مجھے ان کی صفات ظاہر کر کے دکھاؤ اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو (تو تم ایسا کر سکو گے۔ اپنے تئیں عاجز پا کے)۔ انہوں نے کہا تو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہمیں بجز اس (علم)

کے جو تو نے ہمیں دیا کوئی علم نہیں یقیناً تو عظیم و حکیم ہے۔ خدا نے کہا اے آدم تو انہیں ان سب (لوگوں) کی صفات ظاہر کر کے دکھا۔ پھر جب اس نے ان کو ان سب کی صفات ظاہر کر کے دکھا دیں (اللہ نے فرشتوں سے) کہا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور اس کو بھی جانتا ہوں جس کا تم مظاہرہ کر سکتے ہو اور (اس کو بھی جانتا ہوں) جس کا تم مظاہرہ نہیں کر سکتے۔

اسماء اسم کی جمع ہے جس کے معنی نام کے بھی ہیں اور صفت کے بھی، مفسرین نے اسماء سے ناموں کے علاوہ خواص اشیاء بھی مراد لئے ہیں۔

لفظ کل کے معنی اگرچہ ”سب کے سب“ کے ہیں لیکن بسا اوقات یہ لفظ صرف سب ضروری اشیاء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قول زبانی فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام: ۶: ۴۵) میں يَا اِنْسِي وَجَدْتُ امْرَاةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوَيْتَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (النمل: ۲۷: ۲۴) میں۔

اس کے بعد جانتا چاہیے کہ قرآنی آیات کے جہاں کئی کئی معانی و مطالب ہوتے ہیں وہاں ایک معنی سب سے اہم اور بنیادی حیثیت رکھنے والے بھی ضرور ہوتے ہیں۔ اور وہ معنی وہ ہوتے ہیں جن کا سیاق و سباق کے ساتھ سب سے زیادہ گہرا تعلق ہو اور یہاں چونکہ یہ ذکر کہ اللہ نے آدم کو کل اسماء سکھائے اس ذکر کے بعد ہوا ہے کہ اس نے فرشتوں کو یہ خبر دی کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں اور خلیفہ اللہ بننے کے لئے صفات الہیہ کا مظہر ہونا اور صفات الہیہ کے مظہر ہونے کیلئے ان کا عالم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اسلئے عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ میں جن اسماء کے سکھائے جانے کا ذکر ہے ان سے مراد اوّل نمبر پر صفات الہیہ ہی ہو سکتی ہیں۔

ان آیات میں پہلے عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ فرمایا گیا ہے جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ اکیلے آدم کو اسماء سکھائے گئے لیکن اس کے بعد عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ کے الفاظ ہیں۔ یعنی جمع کی ضمیر لائی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم کے لفظ میں بنی آدم بھی شامل ہیں یعنی ذکر جنس انسان کا ہے (چنانچہ حضرت خلیفہ المسح الاولؑ نے اس موقع پر فرمایا: ”یاد رکھو آدم کا والد بھی آدم ہی ہے“)۔ لیکن ثُمَّ عَرَضَ كُلَّهُمْ نہیں فرمایا گیا بلکہ صرف

عَرَضَهُمْ فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے سامنے سب انسان نہیں کچھ منتخب افراد پیش کئے گئے تھے۔ اب اگر ساری مجلس آدم مظہر صفات الہیہ ہوتی تو چونکہ اس موقع پر جس انسان کی فرشتوں پر برتری ثابت کرنا مقصود تھا ساری مجلس کو ان کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے تھا مگر اس کی بجائے صرف بعض کا پیش کیا جانا بتاتا ہے کہ اگرچہ اَسْمَاء (یعنی صفات) الہیہ کا علم جس آدم کو دیا گیا تھا لیکن یہ علم دیا جانا بالقوہ تھا ورنہ بالفعل اس میں سے چند افراد ہی حامل صفات الہیہ ہونے والے تھے اور ان ہی کو متحمل کر کے فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اگر ان چند میں سے ہر ایک تمام صفات الہیہ کا مظہر ہونے والا ہوتا تو ملائکہ سے یہ کہا جاتا کہ تم ان میں سے کسی ایک کی صفات ظاہر کر کے دکھاؤ لیکن کہا یہ گیا کہ ان سب کی صفات ظاہر کر کے دکھاؤ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک صرف کچھ کچھ صفات الہیہ کا مظہر تھا۔ لیکن آیت ۳۳ کے الفاظ **يَاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ** سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس آدم کا اس جملہ میں ذکر ہے وہ ان تمام آدموں کی کہ جن کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا صفات ظاہر کر سکتا تھا۔ یعنی وہ تمام کاطین کے کمالات کا جامع یا بالفاظ دیگر تمام اسماء الہیہ کا مظہر تھا۔ اس لئے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں دراصل تین آدموں کا ذکر ہے ایک جس آدم کا جسے بالقوہ صفات الہیہ کا علم دیا گیا ہے۔ یعنی جس میں خلیفہ اللہ بننے کی استعداد رکھی گئی دوسرے اس جن میں سے کچھ منتخب افراد کا جو بالفعل کچھ کچھ صفات الہیہ کے مظہر بننے والے تھے۔ یعنی اولیاء و رسل کا جو اپنے اپنے ظرف کے مطابق عملاً خلیفہ اللہ بننے والے تھے اور تیسرے اس جن کے کامل ترین فرد کا جو بالفعل تمام صفات الہیہ کا مظہر یعنی بدرجہ اتم خلیفہ اللہ بننے والا تھا۔ اور چونکہ خدا کی ایک صفت **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ** بھی ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ اس فرد کامل نے اس صفت سے بھی حصہ لیا ہو۔ یعنی خود مخلوق ہوتے ہوئے بھی دوسری مخلوقات بلکہ دوسرے خلفاء تک سے اتنا بلند ہو کہ ان کو اُس سے ہو تو صرف نام کا اشتراک ہو اس سے زیادہ نہیں۔ گویا حقیقی معنوں میں ایک ہی شخص خلیفہ اللہ ہو سکتا تھا۔ پس **يَاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ** کہہ کر خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو اسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً** کے الفاظ میں خلیفہ اللہ کے وجود میں آنے کی جو پیش گوئی ہے اگرچہ ایک اعتبار سے کئی وجود اس کے مصداق ہو سکتے مگر اس کا کامل مصداق ایک ہی وجود ہوگا اور **اِذْقَالَ رَبِّکَ لِلمَّٰلَئِکَۃِ**

فرما کر یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو رَبُّكَ کے لفظ سے مخاطب کر کے اشارہ کیا کہ وہ ایک تو ہے۔ فَذَاهُ أَبِي وَأُمِّي وَرُوحِي وَجَنَانِي ۔

خدا نگوشت از ترس حق مگر بخدا
خدا نما است وجودش برائے عالمیاں

=====

ساتویں ہزار کے آدم کی پیش گوئی

اس کے بعد جانا چاہیے کہ اگر تُمْ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ میں ضمیر هُمْ کا اشارہ صرف اُس آدم سے جو اس وقت مخاطب تھا پہلے آدموں کی طرف ہو تو ماننا پڑے گا کہ اس کو صرف اپنے سے پہلے کے آدموں کے کمالات اپنی ذات میں دکھانے کا حکم ہوا لیکن اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ اس کے بعد کوئی اس سے بھی زیادہ کامل یعنی اس سے بھی زیادہ مظہر صفات الہیہ پیدا ہونے والا تھا جو ممکن نہیں کیونکہ جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا اس آدم سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور آپؐ بلاشبہ سید ولد آدم اور تمام اولین و آخرین کے سردار ہیں جیسا کہ حدیث اَنَّا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ اس پر دال ہے اور حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ سے بھی اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور آیت ذَنِي فَتَدَلِّي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اور آپؐ کو خَاتَمُ النَّبِيِّينَ یعنی افضل الانبیا قرار دے کر خدا تعالیٰ نے یہ بات بوضاحت بھی بتادی ہوئی ہے۔

اسلئے ماننا پڑیگا کہ اس آدم یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی کوئی آدم آئے والا تھا اور اُس کو بھی اُس وقت متمثل کر کے ملائکہ کے سامنے کیا گیا تھا اور چونکہ آنحضرتؐ چھٹے ہزار کے آدم تھے اور ساتواں ہزار موجودہ نسل انسانی کیلئے آخری ہزار ہے جیسا کہ عارفوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں اس لئے ضرور تھا کہ وہ ساتویں ہزار کا آدم ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ساتویں ہزار کے سر پر ایک آدم کا آنا بھی ابتداء آفرینش ہی سے اسی طرح مقدر تھا جس طرح دوسرے آدموں کا آنا مقدر تھا۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں پہلے آدم کا ذکر کرنے کے بعد سورۃ الاعراف میں جو

قرآن کریم کی ساتویں سورۃ ہے قصہ آدم دوبارہ بیان کر کے اسکی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے اور سورۃ العصر میں تو اسکا ٹھیک ٹھیک وقت بھی بتا دیا گیا ہے اور چونکہ ایک کامل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے بعد ادنیٰ نمونہ پیش کرنا خلاف حکمت ہوتا۔ یہ بھی ضروری تھا کہ وہ آدم کا کامل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا بروز ہو کر آتا۔ مگر آپ کو خاتم الانبیاء یعنی سب نبیوں سے افضل اور سید ولد آدم بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اسلئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ موعود آدم آپ کے غلاموں میں سے ہوتا (تا کہ آپ کی خاتمیت میں فرق نہ آتا) اور یہ ایں ہمہ وہ دوسرے نبیوں سے افضل ہوتا۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی کے ایک قول کی تشریح میں لکھا ہے کہ ”إِنَّ الْمَهْدِيَّ الَّذِي يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ تَكُونُ جَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ تَابِعِينَ لَهُ فِي الْعُلُومِ وَالْمَعَارِفِ لِأَنَّ قَلْبَهُ قَلْبُ مُحَمَّدٍ ﷺ“ (شرح فصوص الحکم)۔ کہ مہدی جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا ”تمام انبیاء و علوم و معارف میں اُسکے تابع ہونگے“۔ کیونکہ اسکا دل محمد رسول ﷺ کا دل ہے۔ یعنی اس پر آپ کے قلب مظہر کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ ”مرویسست از کعب الاحبار“ کہ خدا تعالیٰ می دہد بہ آنجناب آنچه را بہ پیغمبران دادہ و زیادہ بر اوی دہد۔ یعنی کعب الاحبار سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ آنجناب (یعنی حضرت مہدی) کو وہ سب کچھ دیگا جو اسنے (آنحضرت سے پہلے کے) پیغمبروں کو دیا اور اس سے زیادہ بھی۔

(امام مہدی کا ظہور صفحہ ۲۵ بحوالہ نجم الثاقب جلد اول صفحہ ۵۱)

بہر حال ان آیات کے مطابق ساتویں ہزار کے سر پر بھی (جو آخری ہزار ہے) ایک آدم کا آنا ابتدائے آفرینش سے مقدر تھا۔ اور دوسری طرف آخری زمانہ میں مسیح موعود یا مہدی موعود کا آنا بھی مقدر تھا اور اس کے علاوہ اس مقام کے کسی شخص کے آنے کی خبر نہیں دی گئی تھی اس لئے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کی رو سے مہدی موعود ہی نے ساتویں ہزار کا آدم ہونا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے جہاں اس پیش گوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کا نام اپنے الہام میں مسیح اور مہدی رکھا وہاں آپ کو آدم بھی قرار دیا اور اپنے الہامات میں آپ کو یَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ کے الفاظ میں یعنی انہی الفاظ میں مخاطب فرمایا جن میں آدم اول کو مخاطب فرمایا تھا۔ اور آپ نے بجا تک دل کہا:-

”میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفہ اللہ ہوں۔“

نیز فرمایا:-

سر کو ہٹو آسمان سے اب کوئی آتا نہیں
عمر دنیا سے بھی اب ہے آگیا ہلعم ہزار

حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو جو آخری ہزار کا آدم قرار دیا گیا تو انہیں یہ اشارہ تھا کہ ان میں اور پہلے ہزار کے آدم میں بعض اہم مماثلتیں پائی جائیگی۔ سو پہلی مماثلت ان میں یہ تھی کہ جس طرح حضرت آدم جمعہ کے روز جو ہفتہ کا چھٹا دن ہے بعد عصر پیدا ہوئے اس طرح حضرت مہدی موعود چھٹے ہزار کے آخر میں جمعہ کے روز بعد عصر پیدا ہوئے۔ اور دوسری اہم مماثلت ان میں یہ تھی کہ جس طرح حضرت آدم نے اپنے وقت کے لوگوں کو ایک وحدت کا رنگ بخشا اسی طرح مہدی موعود کو اس لئے بھیجا گیا کہ تا سب دنیا کے لوگوں کو جمع کریں علیٰ دینِ واحد چنانچہ آپ نے خود فرمایا:-

”ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اُس تعداد سے بھی کم تر تھے جو اُن کو ایک قوم کہا جائے۔“ اس لئے ان کے لئے صرف ایک کتاب کافی تھی۔ پھر بعد اس کے جب دنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصہ زمین کے باشندوں کا ایک قوم بن گئی اور باعثِ دُور دراز مسافتوں کے ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بے خبر ہو گئی ایسے زمانوں میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ہر ایک قوم کے لئے جدا جدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پھر جب نوع انسان نے دنیا کی آبادی میں ترقی کی اور ملاقات کے لئے راہ کھل گئی اور ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے سامانِ میسر آ گئے۔ خدا خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنا دیا جائے اور بعد تفرقہ کے پھر ان کو جمع کیا جاوے۔ تب خدا نے تمام ملکوں کے لئے ایک کتاب بھیجی اور اس کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہنچے ان کا فرض ہوگا کہ اس کو قبول کر لیں اور

اُس پر ایمان لاویں اور وہ کتاب قرآن شریف ہے۔“

(چشمہ معرفت ۳۶-۳۹)

تاہم ”چونکہ آنحضرت ﷺ کی ہوت کا زمانہ قیامت تک مُحد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی، یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اُسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس کی تکمیل کے لئے اسی اُمت میں سے ایک نائب مقرر کیا، جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت ﷺ ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو، جب تک کہ وہ پیدا نہ ہو لے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اُسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الف - آیت ۱۰)

یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے۔ یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلف ہو۔ اس لئے اس آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا کیونکہ اس عالمگیر غلبہ کے لئے تین امر کا پایا جانا ضروری ہے جو کسی پہلے زمانہ میں وہ پائے نہیں گئے۔“

(۱) ”اَوَّلُ یہ کہ پورے اور کامل طور پر مختلف قوموں کے میل ملاقات کے لئے آسانی

اور سہولت کی راہیں کھل جائیں اور سفر کی ناقابل برداشت مشقتیں دور ہو جائیں.....

(۲) دوسرا امر جو اس بات کے سمجھنے کے لئے شرط ہے کہ ایک دین دوسرے تمام دینوں

پر اپنی خوبیوں کے رو سے غالب ہو یہ ہے جو دنیا کی تمام قومیں آزادی سے باہم مباحثات کر سکیں

اور ہر ایک قوم اپنے مذہب کی خوبیاں دوسری قوم کے سامنے پیش کر سکے اور نیز تالیفات کے

ذریعہ سے اپنے مذہب کی خوبی اور دوسرے مذاہب کا نقص بیان کر سکیں اور مذہبی کشمشی کے لئے دنیا کی تمام قوموں کو یہ موقع مل سکے کہ وہ ایک ہی میدان میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے پر مذہبی بحث کے حملے کریں..... اور یہ مذہبی کشمشی نہ ایک دو قوم میں بلکہ عالمگیر کشمشی ہو.....

(۳) تیسرا امر جو اس بات کو تمام دنیا پر واضح کرنے کے لئے شرط ہے کہ فلاں دین مقابل دنیا کے تمام دینوں کے خاص طور پر خدا سے تائید یافتہ ہے..... وہ یہ ہے کہ بمقابل دنیا کی تمام قوموں کے ایسے طور سے تائید الہی کے آسمانی نشان اس کے شامل ہوں کہ دوسرے کسی دین کے شامل حال نہ ہوں..... اور دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک کوئی مذہب نشانِ آسمانی میں اس کا مقابلہ نہ کر سکے باوجود اس بات کے کہ کوئی حصہ آبادی دنیا کا اس دعوتِ مقابلہ سے بے خبر نہ ہو۔“ (چشمہ معرفت ص ۹۱ تا ۹۳)

پس ان وجوہ مذکورہ کی بناء پر آسمان پر فیصلہ کیا گیا کہ زمین پر بسنے والی قوموں کو ایک قوم مہدی موعود کے ذریعہ اور اسکے زمانہ میں بنایا جائے۔

آدم وقت حضرت مہدی موعود کو عربی زبان کا خاص علم دیئے

جانے کی پیشگوئی

سورة البقرہ کی مندرجہ بالا آیت میں آدم سے جس آدم مراد ہو تو چونکہ اُسے تعلیم دیا جانا بالقوة ہی ہو سکتا تھا۔ اس میں ایک اشارہ یہ بھی کیا گیا کہ آدم میں خواص اشیاء معلوم کرنے کی استعداد رکھی گئی۔ لیکن اگر آدم سے وہ آدم مراد ہو جس کے ذریعہ انسانی تمدن کی بنیاد رکھی گئی تو ضرور ہے کہ یہ علم دیا جانا ایک حد تک بالفعل بھی ہو۔ اور چونکہ قیام تمدن کے لئے زبان کا جاننا بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس لئے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا کے یہ معنی بھی ہوتے کہ آدم کو بنیادی زبان یعنی اُمُّ الْاَلْسِنَةِ کے اصول یا مادے تعلیم کئے گئے اور چونکہ اس قصہ کے ہر ایہ میں آئندہ ایک آدم کے آنے کی پیشگوئی بھی کی گئی اس میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ آدم موعود پر بھی یہ فضل ہوگا۔ یعنی اسے بھی عربی زبان کا علم دیا جائے گا۔ چنانچہ جس طرح پہلے ہزار کے آدم

پر یہ فضل ہوا آخری ہزار کے آدم حضرت مہدی مسعود المسیح الموعود علیہ السلام کو بھی خدا تعالیٰ نے ایک ہی رات میں عربی زبان کی چالیس ہزار لغات کا معجزانہ رنگ میں علم عطا کیا۔

(دیکھیں انجام آتھم صفحہ ۲۳۴)

سورة الرحمن کی آیات خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ میں بھی ان کے ایک مفہوم کی رو سے الانسان یعنی مہدی موعود کو عربی زبان سکھائے جانے کی پیشگوئی کی گئی تھی چنانچہ اس کے مطابق اس پیش گوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو اس زبان کا ایسا غیر معمولی علم دیا گیا کہ آپ نے علمائے عرب میں سے ہر ایک کو اپنے مقابل پر عربی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا چیلنج دیا مگر کسی کو مجال نہ ہوئی کہ اس چیلنج کو قبول کر سکے۔ اس پر آپ نے اپنی طرف سے کچھ حصہ قرآن کی تفسیر شائع کر کے فرمایا کہ اسی کے مقابلے پر کوئی تفسیر لکھ کر دکھائے مگر اس چیلنج کو بھی آج تک کہ سو ۱۰۰ سال ہو چکے ہیں کوئی قبول نہیں کر سکا۔



یہ پیشگوئی کہ ایک زمانہ میں مسلمان یہود صفت ہو جائیں گے۔ اور اپنی نجات کے لئے جھوٹی امیدیں باندھنے لگیں گے۔ اس وقت ایک ابراہیم بھیجا جائے گا اور ان کی نجات کی ایک ہی راہ ہوگی کہ اس کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔ وہ آئے گا تا مسلمانوں کو جمع کرے علیٰ دین واحد

قرآن کریم نے مہدی موعود علیہ السلام کو آدم ہی قرار نہیں دیا بلکہ جیسا کہ کسی قدر بیان اس کا اوپر کے صفحات میں بھی گزر چکا ہے دوسرے نبیوں کے نام بھی اسے دیئے ہیں چنانچہ سورۃ البقرۃ میں آپ کا ابراہیم ہونا بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ کسی قوم کو کوئی حکم دے یا کوئی دعا سکھائے تو اس میں یہ پیشگوئی ہوتی ہے کہ بعض لوگ اس کے خلاف کرنے والے بھی ہوں گے لہذا سورۃ الفاتحہ کے آخر میں جو غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْہِم کی دُعا تعلیم کی گئی تو اس میں واضح طور پر یہ اشارہ تھا کہ آخری زمانے میں مسلمان کہلانے والے مَغْضُوبٌ عَلَیْہِم کے یعنی یہود کے مثل بن جائیں گے۔ چنانچہ مخبر صادق حضرت نبی کریمؐ نے واضح طور پر اس کی خبر دی (دیکھیں صفحہ ۲۱ کتاب حدیث) پس قرآن کریم نے جو بار بار اور تفصیل کے ساتھ یہود کی نافرمانیوں کے واقعات بیان فرمائے تو اس سے بھی ایک غرض مسلمانوں کو ہشیار کرنا اور یہ بتانا تھی کہ تم ان جیسے کام نہ کرنا۔ اور دوسری غرض یہ بتانا تھی کہ باوجود اس حکم کے ان میں یہود والے کام کرنے والے بھی ضرور ہوں گے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ البقرۃ میں ایک مقام پر یہود کو اپنی نعمتیں یاد دلانے کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ

مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (۱۲۳)

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی نفس (مطہر) کسی نفس (عاصی) کے کام

نہیں آئے گا اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے شفاعت لفع دے گی اور نہ وہ لوگ مدد دیئے جائیں گے۔

اس جگہ اگرچہ یہودی مخاطب ہیں تاہم چونکہ ایک زمانہ میں مسلمانوں نے بالکل یہود کے قدم بقدم چلنا تھا۔ اس لئے اس ذکر میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان قیامت کی اصل ہماری کرنے کی بجائے (جو اتباع رسول ہے) نجات کے بارہ میں جموٹی امیدیں باندھنے لگیں گے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ تو یہ خیال کرنے لگیں گے کہ حشر کے دن کوئی دوسرا نیک آدمی ان کے کام آجائے گا۔ یعنی بزرگوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ یہ خیال کریں گے کہ ان کا تعلق قرابت ان کی بخشش کا موجب بن جائے گا۔ بعض ساری عمر تو کوئی نیک کام کریں گے نہیں اور اگر موقع ملے تو مرتے وقت یہ وصیت کر جائیں گے کہ ان کے مال میں سے اس قدر فلاں فلامی کام میں خرچ کر دیا جائے۔ یا صدقہ کر دیا جائے (حالانکہ وہ رقم تو اس وقت بہر حال ان کے تصرف سے نکل جانے والی ہی ہوتی ہے) بعض یہ سمجھیں گے کہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے وہ بخشے جائیں گے۔ حالانکہ ہر ایک کے حق میں خدا کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہی نہیں ہوگی اور بغیر اذن کی جانے والی شفاعت لفع نہیں دے گی۔ اور بعض کو یہ خیال ہوگا کہ اپنے پردوں وغیرہ کی مدد سے وہ بخشے جائیں گے مگر ایسا بھی نہیں ہوگا۔ (کیونکہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔ النجم ۵۳:۴۰۔ کے مطابق اس دن تو وہ اعمال کام آئیں گے جو انسان نے دُنیا میں کیے ہوں گے) یہ سب کی سب باتیں اس زمانہ کے مسلمانوں میں پائی جاتیں ہیں۔ پس اس آیت میں انہی کے بارہ میں پیشگوئی کی گئی اور اس کے پوری ہو جانے کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں یہ پیشگوئی نہیں تھی۔

اس آیت کے بعد ہے:-

وَإِذَا بُعْثِرَ أِبْرَاهِيمَ رُبُّهُ بَكَلِمَتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّی
جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ
عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔ (۱۲۵)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ احکامات کے ساتھ آزمایا تو اس نے ان کو پورا کیا (جس پر خدا نے) فرمایا میں تجھے

لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) عرض کی اور میری ذریت میں سے بھی (امام بنائیے گا) فرمایا (میں اس کا وعدہ کرتا ہوں) مگر میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اوپر کی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان یہود کی طرح نجات کی اصل راہ چھوڑ کر جھوٹی امیدیں باندھیں لگیں گے پس اس کے بعد جو یہ آیت لائی گئی تو لاریب اس میں یہ اشارہ تھا کہ اس وقت خدا تعالیٰ ایک ابراہیم کو مبعوث کرے گا اور امانم للئاس بنائے گا پس مسلمانوں بلکہ سب انسانوں کے لئے نجات کی ایک ہی راہ ہوگی کہ اس کا دامن پکڑ لیں اور اس کے پیچھے ہوں لیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے موعود ابراہیم کو (جن سے مراد جیسا کہ آگے وضاحت آئے گی مہدی مسعود سے ہے) مخاطب کر کے فرمایا:-

”جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔“ (تذکرہ صفحہ ۳۳۶ بحوالہ تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ ۲۷)

اوپر کے صفحات میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کی رو سے آئندہ آنے والے نبی کا ایک نام مہدی ہوتا تھا اور اس آیت میں بتایا گیا کہ وہ امام بھی بنایا جائے گا اور اس طرح خدا تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ وہ امام مہدی ہوگا۔ اس آیت کے بعد ہے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۚ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ
إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّٰی ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا
بَيْتَنَا لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (۱۲۶)

اور (مندرجہ بالا باتوں کو یاد رکھنے کے علاوہ) اُس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو مرجع خلافت اور امن کی جگہ بنایا اور (اس کے ساتھ ہی حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو اپنی عبادت کا مقام بناؤ۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، معتمرین اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرو۔

حضرت ابراہیمؑ کے وقت تو ساری دنیا کے لوگوں کیلئے بیت اللہ مرجع نہیں تھا۔ لہذا

(تذکرہ ۵۷۷)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ بیت اللہ کی طرف رجوع خلافت حضرت ابراہیمؑ کے اپنے زمانہ سے بھی زیادہ زمانہ اسلام کا آغاز ہو جانے پر شروع ہوا مگر اس کا پورے طور پر مشابہ لئلساں بننا عالمگیر غلبہ اسلام کو چاہتا تھا۔ اور عالمگیر غلبہ اسلام کا وقت بمطابق آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (التوبہ: ۳۳) مہدی موعودؑ کا وقت ہے جیسا کہ تمام مفسرین کے اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مہدی موعودؑ کے وقت سے متعلق ہے ثابت ہے۔ لہذا یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ مہدی موعودؑ ہی کا ابراہیمؑ نام پانا مقدر کیا گیا تھا اور اس آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا تھا کہ جب مہدی موعودؑ جو ابراہیمؑ ثانی ہوگا مبعوث ہو جائے گا تو جس طرح پہلے ابراہیمؑ کے زمانہ کے لوگوں پر فرض تھا کہ اس کے طریق پر عبادت بجا لائیں اسی طرح اس دوسرے ابراہیمؑ کے زمانہ کے لوگوں پر بھی فرض ہوگا کہ اس کے نمونہ پر عبادت بجا لائیں۔ لیکن بمطابق آیت لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لیکن اصل نمونہ تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لئے یہ جو فرمایا کہ تم اس ابراہیم کے طریق پر عبادت بجا لانا تو اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس وقت مسلمان کئی فرقوں میں بٹ چکے ہوں گے اور ہر فرقہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کا مصداق

بن کر اپنے ہی طریق کو طریقِ محمدی سمجھ رہا ہوگا مگر اصل طریقِ محمدی اس ابراہیم کا طریق ہوگا اس لئے اُمّت پر فرض ہوگا کہ ہر ایک امر میں اُس کی پیروی کریں۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبِ قادیانی کو خدا تعالیٰ نے جہاں مہدی اور مسیح بنایا وہاں ابراہیم بھی قرار دیا۔ اور الہاماً فرمایا اَنْتَ مَعِیْ وَ اَنَا مَعَكَ یَا اِبْرٰہِیْمُ (تذکرہ صفحہ ۳۷۷) اے ابراہیم تو میرے ساتھ ہے اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ اسی طرح فرمایا سَلَامٌ عَلَیْکَ یَا اِبْرٰہِیْمُ (تذکرہ صفحہ ۳۳۵) اے ابراہیم تجھ پر سلام۔ اور آپؑ نے فرمایا:-

”آیت وَ اتَّخِذْ وَا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰہِیْمُ مُصَلِّیْ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب اُمّتِ محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے۔ تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔“
 (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۲)

=====

یہ پیشگوئی کہ مہدی موعودؑ پر حضرت ابراہیمؑ والے انعامات ہوں گے اور وہ ان کا ہم صفات ہوگا

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جن لوگوں کا نام ان کے والدین نے ابراہیم رکھا وہ تو دنیا میں ہزاروں ہیں۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے کسی کا نام ابراہیم رکھا تو لاریب اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ جو اوصاف پہلے ابراہیمؑ کے تھے وہ موعود ابراہیمؑ کے بھی ہوں گے اور جو انعامات پہلے ابراہیمؑ پر ہوئے اس پر بھی ہوں گے۔ لہذا اس کے ساتھ جو اس نے حضرت ابراہیمؑ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور آنحضرتؐ کے علاوہ سب نبیوں سے زیادہ روشنی ڈالی تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس طرح پر اس نے صرف یہی نہیں بتایا کہ موعود ابراہیمؑ پر یہ یہ انعامات ہوں گے بلکہ اس کی سیرت بھی بیان فرمادی۔ یعنی بطور پیشگوئی بتادیا کہ آنے والے ابراہیمؑ کی سیرت کے یہ یہ درخشاں پہلو ہوں گے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحبِ قادیانی علیہ السلام نے خود بھی فرمایا کہ ”ابراہیمؑ کو خدا تعالیٰ نے بہت برکتیں دی تھیں اور وہ ہمیشہ دشمنوں کے ہاتھ سے سلامت رہا پس میرا نام ابراہیم رکھ کر خدا تعالیٰ یہ اشارہ

کرتا ہے کہ ایسا ہی اس ابراہیم کو برکتیں دی جائیں گی اور مخالف اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۱۴)

اب آئیے دیکھیں پہلے ابراہیمؑ کے بارہ میں قرآن کریم نے کیا باتیں بیان کیں اور موعودؑ ابراہیمؑ حضرت مہدی موعودؑ کی ذات میں وہ کیسے پوری ہوئیں۔

=====

مہدی موعودؑ کو آزمانے کے بعد امام بنایا جائے گا اور یہ آزمائش محبت رسولؐ کی کسوٹی پر ہوگی

پہلے ہم زیرِ نظر آیاتِ نبی کو لیتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو بعض کلمات کے ساتھ آزمایا گیا۔ اگرچہ وہ کلمات مذکور نہیں ہیں لیکن ظاہر ہے کہ وہ کچھ ایسے احکام تھے جن پر پورا اترنا منصبِ امامت پر (جس سے یہاں نجات مراد ہے کیونکہ اولاد ابراہیمؑ میں اسی کی صورت میں سلسلہٴ امامت چلا) فائز ہونے کے لئے ضروری تھا اور بمطابق آیت وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ الْإِخْوَانُ کے لئے اس منصب پر فائز ہونے کے لئے اطاعتِ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ شرط ہے۔ اور اطاعتِ رسولؐ بغیر محبتِ رسولؐ کے کما حقہ ممکن نہیں اس لئے اس آیت میں دراصل یہ اشارہ کیا گیا کہ آئندہ آنے والے ابراہیمؑ کو پہلے محبتِ رسولؐ کی کسوٹی پر آزمایا جائے گا اور اگر وہ اس آزمائش میں پورا اترے گا (اور خدا کے علم میں ہے کہ پورا اترے گا) تو اس کے بعد اسے منصبِ امامت یعنی منصبِ نبوت پر فائز کیا جائے گا۔

=====

مہدی کا نام امام رکھنے کی وجہ

یاد رکھنا چاہیے کہ اگرچہ یہاں امامت سے نبوت مراد ہے مگر نبی کی بجائے امام کا لفظ اس لئے رکھا گیا کہ اس جگہ آنے والے ابراہیمؑ کی پیشگوئی مقصود تھی اور یہ پیشگوئی مہدی موعودؑ کے وجود میں پوری ہونے والی تھی اور اس نے مستقل نبی نہیں ہونا تھا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی ہونا تھا۔ البتہ امام کہلانا تھا اور نیز اس لئے کہ اس سے آگے ایک عرصہ تک یہ

سلسلہ موت کی نہیں خلافت کی صورت میں چلنے والا تھا تاہم امام ان خلفاء نے بھی کہلاتا تھا۔ اور نیز اس لئے کہ ائمہ کے ۷۳ فرقوں میں سے جس ایک کے ناجی ہونے کی آنحضورؐ نے خبر دی اس کی ایک علامت آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ وہ جماعت ہوں گے۔ اور جماعت بغیر امام کے نہیں ہوتی چنانچہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے ایک فرقہ احمدیہ ہی ہے جو ایک جماعت کی صورت میں ہے اور جس کا ایک واجب الاطاعت امام ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہے۔

یہ پیشگوئی مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں پوری شان سے پوری ہوئی۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنی یہ تھے کہ ”ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادۃ الہی اخیاء دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ میں فحش مَسْخِبِ کی تعین نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔“ اسی اثنا میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مَسْخِبِ کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک فحش اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا هَذَا رَجُلٌ يُحِبُّ رَسُولَ اللَّهِ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے مطلب یہ تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے سو وہ اس فحش میں متحقق ہے۔“ (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۹۸)۔

=====

مہدی موعودؑ کی ایک بڑی آزمائش

حضرت ابراہیمؑ کی ایک بہت بڑی آزمائش بیٹے کی قربانی کا حکم دے کر کی گئی تھی۔ مہدی موعودؑ حضرت ابراہیمؑ ثانی کو اگرچہ اس طرح بیٹے کی قربانی کا حکم تو نہیں ہوا مگر پھر بھی آپؑ اس کے لئے ہمہ وقت ہمارے چنانچہ ایک موقع پر جب آپؑ کے ایک چہیتے بیٹے بشیراؤل کی وفات پر کینہ خصلت دشمنوں نے بغلیں بجانا شروع کیں تو آپؑ نے فرمایا ان لوگوں کو:-

”یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہماری اولاد اتنی ہو جس قدر درختوں کے تمام دنیا میں پختے ہیں اور وہ سب فوت ہو جائیں تو اُن کا مرنا ہماری سچی اور حقیقی لذت اور راحت میں کچھ خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ مُمِیع کی محبت مُمِیع کی محبت سے اس قدر زیادہ تر ہمارے دل پر غالب ہے کہ اگر وہ محبوب

حقیقی خوش ہو تو ہم طلیل اللہ کی طرح اپنے کسی پیارے بیٹے کو بدستِ خود ذبح کرنے کو حیار ہیں۔ کیونکہ واقعی طور پر بجز اس ایک کے ہمارا کوئی پیارا نہیں۔“

جَلَّ شَأْنُهُ وَعَزَّ اسْمُهُ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى إِحْسَانِهِ

(حاشیہ در حاشیہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء مندرج تبلیغ رسالت جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۴۹)

یہ صرف منہ کی باتیں نہیں تھیں بلکہ حضور نے عملاً بھی اپنی اولاد کو خدا کی راہ میں قربان کر رکھا تھا کیونکہ آپؐ نے ساری عمر ان کے لئے نہ کسی ذریعہ معاش کی کوشش کی اور نہ اپنے بعد ان کے لئے ایک خبہ تک چھوڑا بلکہ انہیں دین اور صرف دین کے لئے حیار کیا آپؐ کا ترکہ جو ان کو ملا صرف آپؐ کی مستجاب دُعائیں تھیں۔ کتنا عظیم تھا وہ باپ جس کا صرف یہ ترکہ تھا اور کتنے عظیم تھے اس کے اہل و عیال جو اس ترکہ پر راضی ہو گئے۔

=====

دوسری پیشگوئی

اس آیت کے الفاظ ”قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي“ بتاتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو امام بنایا گیا تو آپؑ نے یہ دعا کی کہ آپؑ کی اولاد میں سے بھی یہ انعام پانے والے ہوں۔ پس اس میں یہ اشارہ تھا کہ ابراہیمؑ اول کی طرح موعود ابراہیمؑ بھی اپنی اولاد کے لئے وہ مانگے گا جو خود اسے دیا گیا یعنی خدا تعالیٰ سے تعلق خاص اور امامت کا انعام۔ چنانچہ اس ابراہیمؑ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے بعینہ یہی دعا کی کہ ع

”وہ سب دے ان کو جو مجھ کو دیا ہے“

پھر خدا تعالیٰ نے پہلے ابراہیمؑ کی طرح اس ابراہیمؑ کی دعا بھی قبول کی اور بارہا اس کی بشارت بھی دی اور ایک بیٹے کے بارہ میں تو یہاں تک فرمایا کہ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسکین نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو ہاریوں سے صاف کرے گا۔ ”وہ کلمۃ اللہ ہے..... مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَانَ اللَّهُ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور.... وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا

موجب ہوگا..... اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔“
(تذکرہ صفحہ ۱۳۹)

اس پیشگوئی کے عین مطابق اس ابراہیمؑ کی اولاد میں سے وہ بیٹا پیدا ہوا اور امام بنا اور اس سے آگے اس کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے منصبِ خلافت پر فائز ہوئے اور امام کہلائے اور آئندہ نہ جانے کتنے اور ہوں۔ ہاں اس کے ساتھ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کی وعید بھی ہے۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔

=====

یہ پیشگوئی کہ ابراہیمؑ اول کی طرح ابراہیمؑ ثانی حضرت مہدی موعودؑ کو بھی کثرتِ اولاد سے نوازا جائے گا

حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے یہ الہام پا کر کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا جو یہ کہا کہ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ تو اس کا مطلب صرف یہ نہیں تھا کہ میری ذریت میں سے بھی ایک دو کو امام بنا دینا بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب تک اس دنیا میں انسان بستے ہیں اس وقت تک ان میں سے امام بناتے رہنا کیونکہ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ ہمیشہ کے لئے امامُ للناس ہو سکتے تھے۔ اور یہ بات اس امر کو لازم کرتی تھی کہ ذریتِ ابراہیمؑ بھی ہمیشہ رہے پس خدا تعالیٰ نے جو حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا قبول فرمائی تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ ذریتِ ابراہیمؑ میں بے انتہا برکت دی جائے گی اور اس کا سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ لہذا جب مہدی موعودؑ کو بھی ابراہیمؑ کا نام دیا گیا تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ خدا تعالیٰ اس کی اولاد میں بھی بے انتہا برکت ڈالے گا چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مہدی موعودؑ کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا:-

”تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتینِ مبارکہ سے.... تیری نسل بہت ہوگی.... اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔“ (تذکرہ صفحہ ۱۴۰)

چنانچہ اب تک کہ آپؑ کو رحلت فرمائے ہوئے نوے ہانوے سال ہوئے ہیں۔ آپؑ کی ذریت کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ اور وہ دنیا کے کئی ملکوں میں پھیل چکی ہے۔

قرآن میں یہ اشارہ کہ مہدی موعودؑ خلوت پسند ہوگا اور

منصب امامت کا خواہاں نہیں ہوگا

پھر ایک اور بات اس آیت سے مترشح ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امتحان میں پورا اترنے پر یہ نہیں کہا کہ آج سے میں نے تجھے امام للئاس بنایا بلکہ یہ فرمایا کہ میں تجھے امام للئاس بنانے والا ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابراہیمؑ میں اس منصب کی اہلیت و قابلیت نہ ہوتی تو خدا تعالیٰ انہیں یہ بات کہہ نہیں سکتا تھا۔ لہذا اس نے جو انہیں عملاً امام بنا دینے سے پہلے یہ فرمایا کہ میں تجھے امام بنانے والا ہوں تو اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ اگرچہ ان میں امام بننے کی اہلیت موجود ہے لیکن امام بننا پلک میں آنے کو چاہتا ہے۔ اور یہ گویہ تہائی میں رہ کر اپنے رب کی یاد میں مصروف رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس لئے اس نے مناسب جانا کہ پہلے یہ بتا کر کہ وہ انہیں امام للئاس بنانا چاہتا ہے۔ ان کی مرضی معلوم کرے۔ یعنی اگرچہ اس کے ازلی علم میں تو یہ بات پہلے سے تھی کہ اس پر ان کا کیا رد عمل ہوگا لیکن اس نے چاہا کہ ان کے منہ سے ان کا جواب سن لے تا اس جواب کو مستہر کر کے لوگوں پر ظاہر کرے کہ وہ فرمانبرداری کے کس بلند مقام پر تھے۔ (اس طرح پر لوگوں کی مرضی دریافت کرنا اور اپنے ایسے فیصلہ کو ان پر جبراً نہ ٹھونسا عادت اللہ میں داخل ہے جیسا کہ آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَا اَنْ يُّحْمِلْنَهَا وَاشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (الاحزاب ۷۳: ۷۴) سے ظاہر ہے۔

پس مہدی موعودؑ کا ایک نام ابراہیمؑ رکھ کر اور حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ اشارہ فرما کر کہ وہ بالطبع خلوت کو پسند کرتے تھے۔ اور منصب امامت کے آرزو مند ہرگز نہیں تھے لیکن جب خدا تعالیٰ کی فضا دیکھی تو انہوں نے یہ منصب قبول کر لیا یہ بتایا گیا کہ مہدی موعودؑ کا بھی یہی حال ہوگا۔

یہ پیشگوئی بھی نہایت وضاحت سے پوری ہوئی آپؑ کو بار بار بیعت لینے کی درخواست کی جاتی مگر آپؑ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ لَسْتُ بِمَأْمُورٍ میں اس بات کے لئے مامور نہیں

ہوں لیکن جب خدا نے آپؐ کو اسکا حکم فرمایا تو اسکے بعد آپؐ نے تمام مخالفتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے بیعت لی۔ بلکہ خود اعلان فرمایا کہ جو بیعت کرنا چاہے وہ فلاں دن فلاں جگہ پہنچ جائے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا ”میری خواہش نہ تھی کہ میں اس کام (نبوت) کے لئے چنا جاؤں اور میں عوامِ اہلس میں شہرت کو ناپسند کرتا تھا مگر باوجود اس کراہت کے میرے رب نے مجھے میرے حجرے سے نکالا پس میں نے اپنے ربِّ علّام کے امر کی اطاعت کی اور یہ سب کچھ ربِّ وحاب کی طرف سے ہے۔ میں اپنے نفس کو ہر قسم کے خطاب کی خواہش سے علیحدہ پاتا ہوں مجھے شہرتوں سے کیا کام میرے لئے میرا رب کافی ہے اور وہ میرے اندر کا حال جانتا ہے وہ میری ڈھال ہے اور وہ میری جنت ہے اس دنیا میں اور قیامت کے دن۔“

(ترجمہ تذکرہ الشہادتین صفحہ ۹۴)

نیز فرمایا:-

”میں اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ گناہی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں اور میری تمام لذت پوشیدہ اور گرم رہنے میں تھی۔ میں دنیا اور دین کی شہرت کو نہیں چاہتا تھا۔ اور میں ہمیشہ اپنی کوشش کی اونٹنی اسی طرف چلاتا گیا کہ میں فانیوں کی طرح پوشیدہ رہوں۔ پس خدا کے حکم نے میرے پر غلبہ کیا اور میرے مرتبہ کو بلند کیا اور مجھے دعوتِ مخلوق کے لئے حکم کیا اور جو چاہا کیا اور وہ احکم الحاکمین ہے۔“

حُبُّ لَنَا فَبِحُبِّهِ نَتَجَبَّبُ
وَعَنِ الْمَنَازِلِ وَالْمَرَاتِبِ نَرْغَبُ

ہمارا ایک ہی دوست ہے اور ہم اس کی محبت سے پر ہیں اور مراتب اور منازل سے ہمیں بے رغبتی ہے۔

(نجم الہدیٰ صفحہ ۵۲-۵۳)

=====

ابراہیمؑ مانی مہدی موعودؑ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہے گا

اور اس پر ہمیشہ سلام بھیجا جائے گا

قرآن کریم کی رو سے حضرت ابراہیمؑ پر خدا تعالیٰ کا یہ فضل بھی ہوا کہ جب دشمنوں نے ان کو ہلاک کرنے کے لئے آگ بھڑکائی تو خدا تعالیٰ نے یَسَارُ کُونِیْ بُرْدًا وَسَلَامًا عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ (الانبیاء ۷۰:۲۱) فرما کر اسے ٹھنڈا کر دیا اور سلامتی کا ذریعہ بنا دیا یعنی جیسا کہ آیت وَتَرْکُنَا عَلَیْہِ لَیْ اِلْاٰخِرِیْنَ سَلَامٌ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ میں اس کا بیان ہے یہ بھی مقدر فرما دیا کہ قیامت تک اس پر سلام بھیجا جاتا رہے گا۔ اس لئے مہدی موعودؑ کا نام ابراہیمؑ رکھ کر خدا تعالیٰ نے یہ اشارہ بھی فرمایا کہ دشمن اسے ہلاک کرنے کو اس کے خلاف بھی بعض اقسام کی آگ بھڑکائیے مگر خدا تعالیٰ اس آگ کو ٹھنڈی کر دے گا اور اسے اس سے محفوظ ہی نہیں رکھے گا بلکہ اس آگ کو نتیجۃً اس کے لئے مفید بنا دے گا یعنی یہی نہیں کہ اسے دشمنوں کے ضرر سے محفوظ رکھے گا بلکہ یہ بھی اہتمام فرمائے گا کہ اس کا نام عزت کے ساتھ یاد رکھا جائے گا اور اس کا ذکر آنے پر لوگ اس پر سلام بھیجیں گے۔ چنانچہ آنے والے ابراہیمؑ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے وَاللّٰہُ یُعِصِّمُکَ مِنَ النَّاسِ (تذکرہ صفحہ ۲۷۶) ہی نہیں فرمایا یعنی یہی نہیں فرمایا کہ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَا اِبْرٰہِیْمَ (تذکرہ ۴۳۵) اے ابراہیمؑ تجھ پر سلامتی ہو۔ اور پھر ایک عالم نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں پوری وضاحت سے پوری ہوئیں یعنی یہ بھی ہوا کہ باوجود قتل کے مقدمات بنانے اور خود قتل کرنے اور دیگر ذرائع سے گزند پہنچانے کی ہزار کوششوں کے دشمن انہیں کوئی حقیقی ضرر نہیں پہنچا سکا اور یہ بھی ہوا کہ خدا تعالیٰ نے دنیا میں لاکھوں لاکھ ایسے ظلم پیدا کر دیئے کہ جو غلوت و جلوت میں اس کا نام آنے پر دل کی گہرائیوں سے اس پر سلام بھیجتے اور اسے اپنے لئے سعادت جانتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی جا رہی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ تمام اقوام عالم میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ان کا نام آنے پر علیہ السلام صرف مسلمان کہتے ہیں۔ مہدی موعود کا نام ابراہیمؑ

رکھ کر یہ پیشگوئی بھی کی گئی کہ اگرچہ (بمطابق آیت یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رُسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ۔ یس ۳۶:۳۱) جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے شروع شروع میں مسلمان بھی اس کا انکار کریں گے لیکن بالآخر اسے مان لیں گے اور اس پر درود و سلام بھیجنے والے بن جائیں گے ظاہر ہے کہ اس وقت ان کو اپنی پہلی حالت پر افسوس ہوگا۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:۔

امروز قومِ من نہ شناسد مقامِ من
روزے مگر یہ یاد کند وقعِ خوشترم
آج میری قوم میرے مقام کو نہیں پہچانتی مگر ایک دن میرے اچھے وقت کو رو کر یاد کرے گی۔

=====

قرآن میں یہ پیشگوئی کہ مہدی موعود اور ان کے ایک بیٹے کے ہاتھ سے بیت اللہ کی شان از سر نو بلند ہوگی

قرآن کریم میں ارشاد وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّیٰ کے بعد پہلے یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو طواف کرنے والوں اور اعکاف کرنیوالوں کیلئے بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر انکی ملکہ مکرمہ کو امن کا شہر بنانے کی دعا کا ذکر ہے اور اسکے بعد ہے

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرة ۲:۱۲۸)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہا تھا اور (اسکے ساتھ) اسماعیلؑ (بھی اور وہ دونوں یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے رب ہماری طرف سے (یہ خدمت) قبول فرما۔ یقیناً تو بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانے کا ایک تو ظاہری مفہوم ہے۔ وہ بھی درست ہے مگر اس کا ایک مفہوم اس کی اصل شان کو جو زمین بوس ہو چکی تھی دوبارہ قائم کرنے کا بھی ہے۔ قرآن کریم

کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ایک زمانہ میں ان کا اطلاق ظاہری رنگ میں ہوتا ہے تو دوسرے زمانہ میں مجاز اور استعارہ کے رنگ میں۔ پس حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں یہ بات بیان فرما کر اور مہدی موعودؑ کا ایک نام ابراہیم رکھ خدا تعالیٰ نے اشارہ کیا کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو اس کی بنیادوں پر دوبارہ کھڑا کیا تھا اسی طرح مہدی موعودؑ بھی کرے گا۔ مگر اس کے علم میں تھا کہ اس کے وقت میں بیت اللہ کی عمارت کی تعمیر نو کی ضرورت نہیں ہوگی البتہ اس کی اصل شان میں فرق آچکا ہوگا اس لئے اس میں اشارہ دراصل یہ تھا کہ

مہدی موعودؑ بیت اللہ کی اصل شان کو دوبارہ بحال کرے گا۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی اصل شان توحید الہی کی علامت ہونے کی شان ہے لیکن مہدی موعودؑ کے وقت یہ حالت تھی کہ ایک طرف خود اس کے حولی کھلانے والے ہوا و ہوس کے بتوں کے پجاری بن چکے تھے اور دوسری طرف مسیحی مناد اس گھر پر تثلیث کا جھنڈا لہرانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن آپؐ نے آکر دلائل قاطعہ کے ساتھ تثلیث کے باطل عقیدہ کی ٹانگ توڑ دی اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کر دیا اور اس طرح بیت اللہ کی اصل شان کو قائم فرمادیا۔

=====

ایک لطیف نکتہ

اس آیت میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ بیت اللہ کی تعمیر کا کام حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے مل کر کیا تھا مگر یہ فرمانے کی بجائے کہ جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ یہ کام کر رہے تھے اس میں فرمایا یہ گیا کہ ”جب ابراہیمؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیلؑ بھی“ یعنی اسماعیلؑ کا ذکر حضرت ابراہیمؑ سے الگ کر کے کیا ہے اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ یہاں آئندہ آنے والے ابراہیمؑ کی پیشگوئی مقصود ہے۔ پس یہ طرز اختیار کر کے بتایا کہ پہلے موعود ابراہیمؑ یہ کام کرے گا اور اس کے بعد اس کا ایک بیٹا جو مثیل اسماعیلؑ ہوگا یہ کام کرے گا۔ چنانچہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو تعریف الہی کے ماتحت اپنی جائے پیدائش کو چھوڑ کر مکہ کی بے آب و گیاہ جگہ پر آنا پڑا اور وہاں خدا تعالیٰ نے ان کے

پاؤں کے نیچے سے مادی پانی کا چشمہ پھوڑ دیا اور انہیں نبی بنا کر روحانی پانی کا چشمہ بھی پھوڑا اسی طرح حضرت مہدی موعودؑ کے اس بیٹے حضرت محمودؑ کو خدا تعالیٰ اپنے تصرف خاص کے ماتحت آپؑ کی جائے پیدائش قادیان سے نکال کر ربوہ جیسی بے آب و گیاہ جگہ پر لایا اور آپ کے قدم پڑنے کے بعد پہلے آپؑ کو الہاماً بشارت دی کہ آپ کے پاؤں کے نیچے سے وافر پانی نکل آئے گا اور اس طرح آپؑ کو اسماعیلؑ قرار دیا اور پھر عملاً ایسا کر کے دکھا دیا اور یہی نہیں بلکہ آپؑ کی زبان اور قلم سے قرآنی علوم کے یعنی روحانی پانی کے چشمے بھی بہائے اور توحید کی سر بلندی کے لئے عظیم الشان کام آپ کے ہاتھ سے لئے۔ **فَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔** آپ کے الہام کے الفاظ یہ تھے ۔

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

مہدی موعودؑ کو قلب سلیم دیا جائے گا

ان باتوں کے علاوہ جو اوپر بیان ہوئیں قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر حاضر ہوئے تھے۔ (اذْجَاءَ رَبُّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔ الصُّفَّت ۳۷: ۸۵) پس مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ انہیں قلب سلیم عطا ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ اس بات کو جانتا ہے اور وہ ہر ایک امر پر گواہ ہے کہ وہ چیز جو اس راہ میں مجھے سب سے پہلے دی گئی وہ قلب سلیم تھا یعنی ایسا دل کہ حقیقی تعلق اس کا بجز خدائے عز و جل کے کسی چیز کے ساتھ نہ تھا۔ میں کسی زمانہ میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوں مگر میں نے کسی حصہ عمر میں بجز خدائے عز و جل کے کسی کے ساتھ اپنا حقیقی تعلق نہ پایا۔“

(ہدیۃ الوری طبع اوّل صفحہ ۵۷)

مہدی موعودؑ خلیل اللہ ہوگا اور خدا کے سچے دوستوں کی سب علامتیں اس میں پائی جائیں گی

سیرت حضرت ابراہیمؑ کے ضمن میں ایک بات جو بہت سی باتوں کی جامع قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ **اِتَّخَذَ اللَّهُ اِبْرٰهٖمَ خَلِيْلًا** (۱۲۶:۴)۔ اس میں جو **اِتَّخَذَ** کا لفظ ہے یہ خاص توجہ کے لائق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر خدا کے سوا کسی کو دوست بنانا جائز ہوتا تو میں ابو بکرؓ کو دوست بناتا۔ اس ارشاد نبویؐ سے معلوم ہوا کہ کسی کو دوست بنانے سے پہلے اس کی اہلیت جان لینی چاہیے۔ پس قرآن کریم نے جو یہ فرمایا کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست پکڑا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ابراہیمؑ میں ایسی قابلیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا دوستی کا ہاتھ لے اور اپنا دوستی کا ہاتھ اسے دے پس اس کے ساتھ جو اس نے یہ بتایا کہ مہدی موعودؑ کا ایک نام ابراہیمؑ بھی ہوگا تو اس میں دراصل یہ اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں حضرت ابراہیمؑ کی طرح وہ بھی خلیل اللہ ہوگا اور اس میں بھی وہ تمام صفات پائی جائیں گی جو اللہ تعالیٰ کے سچے دوستوں میں ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے الہام میں آپؐ کو خلیل اللہ کہا (تذکرہ ۱۰۵ بحوالہ براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۶۶۶) اور ایک دنیا نے دیکھا کہ اس کے سچے دوستوں کی سب علامتیں آپؐ میں پائی گئیں۔

پہلی علامت خدا تعالیٰ کے سچے دوستوں کی یہ ہوتی ہے کہ ان کو اس پاک ذات کی طرف سے اس کی خالص محبت عطا کی جاتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ کے اپنے نبیؐ کو یہ فرمانے سے کہ **اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي** (طہ ۲۰-۴۰) ظاہر ہے۔

حضرت مہدی موعودؑ کو جو محبت خدا تعالیٰ سے تھی اس کا اندازہ بھی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا آپؐ جب اس کا ذکر فرماتے ہیں تو آپؐ کی تحریر کا رنگ ہی عجیب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ آپؐ من نہاں اندر نہاں اندر نہاں کے مصداق تھے لیکن آپؐ کی خدا تعالیٰ سے محبت کی جھلک آپؐ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی تحریرات سے خود بخود چھلکی پڑتی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱:- ”جن خارق عادت عنایات کے ساتھ وہ مجھ سے نزدیک ہوا کوئی

نہیں جانتا مگر میں اور جس محبت کے مقام پر میرا قدم ہے کوئی نہیں جانتا
مگر وہ۔“ (زول الحسج صفحہ ۳۶۵)

۲:- ”الْحَمْدُ لَكَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ. أَنْتَ مُحْسِنِي وَ
مُنْعِمِي وَنَاصِرِي وَمُلْهِمِي وَنُورَ عَيْنِي وَسُرُورَ قَلْبِي
وَقُوَّةَ أَقْدَامِي أَمُوتْ وَأَنَا شَاكِرُ نِعَمَاتِكَ بِحَالِي وَقَالِي
وَكَلَامِي. يَشْكُرُكَ عِظَامِي فِي قَبْرِي وَعَجَاجِي
فِي جَدْبِي. وَرُوحِي فِي السَّمَاءِ.“

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۸۹)

یعنی اے رب العالمین تو میرا محسن اور منعم اور ناصر اور ملہم ہے اور میری
آنکھ کا نور اور میرے دل کا سرور اور میرے قدموں کی طاقت۔ میں
مروں گا اس حال میں کہ تیری نعمتوں کا اپنے حال اور قال اور کلام سے
شکر گزار ہوں گا۔ میری ہڈیاں قبر میں بھی تیرا شکر کریں گی اور میری
خاک بھی اور میری روح آسمان میں

۳:- ”انّی أَمُوتُ وَلَا يَمُوتُ مَحَبَّتِي

يُذْهِبُ بِدُكِّكَ فِي التُّرَابِ نِدَائِي“ (در زمین)

میں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے
ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائیگی۔

۴: عشق بتا دو پودِ دل من دُروں شد است

مہرِ شد است در رو دیں مہر انورم

ہر سوئے دہر طرف زُہخ آں یار بگرم

آں دیگرے کجاست کہ آید بخاطرم

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۳)

اسکا عشق میرے رگ وریشہ میں داخل ہو گیا ہے اور اسکی

محبت راوِ دین میں میرے لئے چمکتا ہوا سورج بن گئی ہے۔

میں ہر طرف اور ہر جانب اس یار کا چہرہ دیکھتا ہوں
 پھر اور کون ہے جو میری خاطر میں آئے
 یہ خدا تعالیٰ سے سچی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو کتاب الہی سے نہ صرف محبت بلکہ
 عشق تھا۔ فرماتے ہیں۔

- ۱- دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
 قرآن کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے
- ۲- از نور پاک قرآن صبح صفا دمیدہ
 بر غنچہ ہائے دلہا باد مبا دزیدہ
- ۳- روئے یقین نہ بیند ہر کو کے بدینا
 اے کسے کہ باشد با زویش آرمیدہ
- ۴- آنکس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف
 واں بے خبر ز عالم کیس عالم ندیدہ
- ۵- اے کانِ دلربائی دامن کہ از کجائی
 تو نورِ آں خدائی کیس خلق آفریدہ

(درشنِ صلی ۶۶)

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا بیان ہے کہ ”آپ لیٹے ہوئے، کھڑے ہوئے، ٹہلتے
 ہوئے ہر حالت میں قرآن پڑھتے اور ساتھ ساتھ روتے جاتے تھے.... آپ نے کم از کم دس ہزار
 بار قرآن پڑھا ہو گا۔“

دوسری علامت خدا تعالیٰ کے سچے دوستوں کی جو اس سے سچی محبت رکھتے ہیں یہ ہوتی
 ہے کہ جس چیز سے خدا تعالیٰ کو محبت ہو اس چیز سے ان کو بھی محبت ہوتی ہے اور جس چیز کو وہ
 ناپسند کرے اسے یہ بھی ناپسند کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیار اپنی توحید سے یا توحید
 کے سب سے بڑے علمبردار حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اور سب سے زیادہ ناپسند
 شرک ہے۔ قیامِ توحید اور شرک کو مٹانے کے لئے حضرت مہدی موعودؑ کی زندگی کا ہر لمحہ وقف تھا
 اس کے لئے جو بے پناہ جذبہ آپؑ کے دل میں پایا جاتا تھا اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ ایک

جگہ فرماتے ہیں اور کس خلوص اور درد سے فرماتے ہیں۔

”اس عاجز کا ذرہ ذرہ اس جوش میں ہے کہ اس پر خلعتِ زمانہ میں اللہ جلّ شانہ اور اُس کے رسولِ کریم کی عظمت اور صداقت ظاہر کرے تا اسلام کی روشنی کے دن دوبارہ آویں۔“ (اشہار ۱۰ اگست ۱۸۹۲ء)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

”..... اگر ہم غم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا تو یہ غم مجھے ہلاک کر دیتا کہ کیوں یہ لوگ خدائے وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کی پرستش کر رہے ہیں۔ اور کیوں یہ لوگ اس نبیؐ پر ایمان نہیں لاتے۔ جو گچی ہدایت اور راہِ راست لے کر دنیا میں آیا ہے۔ ہر ایک وقت مجھے یہ اندیشہ رہا ہے کہ اس غم کے صدمات سے میں ہلاک نہ ہو جاؤں..... اور میرا اس درد سے یہ حال ہے کہ اگر دوسرے لوگ بہشت چاہتے ہیں تو میرا بہشت یہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس شرک سے انسانوں کو رہائی پاتے اور خدا کا جلال ظاہر ہوتے دیکھ لوں.....“

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۷۱-۷۲)

جس طرح آپؐ کے دل میں قیامِ توحید کے لئے بے پناہ جوش تھا اسی طرح توحید کے علبردار خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی آپؐ کو بے پناہ محبت تھی۔ محبت کے جوش سے آپؐ نے حضورؐ کی جو حمد و ثناء میں کی اس کا مختصر ذکر اس کتاب کے تتمہ کے صفحہ ۱۸ تا ۱۹ پر کیا گیا ہے یہاں چند اشعار لکھے جاتے ہیں جن سے اس بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے جو آپؐ کے دل میں آنحضرت ﷺ کے لئے تھی۔ فرمایا:-

۱ بعد از خدا محقق محمدؐ محرم گر کفر میں بود بخدا سخت کافر
خدا کے بعد میں محمدؐ کے محقق سے محرم ہوں اگر یہ کفر ہے تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں

۲ می پریدم سوئے کوئے اودام من اگر می داشتم بال و پر
اگر میں بال و پر رکھتا تو ہمیشہ اسی کے کوپے کی طرف پرواز کرتا رہتا

۳ زندگانی چوسٹ جاں کر دن براہ تو فدا رستگاری چوسٹ در بند تو بودن صید وار
(اے میرے محبوب) زندگی کیا ہے تیری راہ میں جان فدا کرنا آزادی کیا ہے شکار کی طرح تیری قید میں ہونا
(آئینہ کمالیہ اسلام)

۴ خدا نہ گویم اُس از ترسِ حق مگر بخدا خدا نما است وجودش برائے عالیاں
خدا کے ڈر سے میں اسے خدا تو نہیں کہتا مگر بخدا اس کا وجود لوگوں کے لئے خدا نما ہے

۵ مِنْ ذِكْرِ وَجْهِكَ يَا حَلِيقَةَ بَهْجَتِي لَمْ أَخْلُ لِي لَحْظٌ وَلَا لِي إِنْ
اے میرے خوشی کے باغ! تیرے چہرے کی یاد میں میں ایک لمحہ اور آن کے لئے بھی خالی نہیں رہا

۶ يَا حَبِيبَ إِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّةً لِي مُهْجَتِي وَمَذَارِئِي وَجَنَانِي
اے میرے محبوب یقیناً تیری محبت میری جان میرے حواس اور میرے دل میں بس گئی ہے

۷ جِسْمِي يَطِيرُ إِلَيْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلا يَا لَيْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّيْرِ
میرا جسم شوق غالب کے سبب تیری طرف اڑتا چاہتا ہے۔ کاش مجھ میں قوت پرواز ہوتی

=====

جس طرح اللہ تعالیٰ کی سب سے محبوب ہستی آنحضرت ﷺ سے حضرت مرزا صاحب
سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ اُسی طرح خدا تعالیٰ اور اس کے دین کے دشمنوں کے
آپؐ دشمن بھی تھے مگر ان کی ذات کے نہیں کیونکہ وہ بھی بہر حال آپؐ کے رب کے ہاتھ کے
پیدا کردہ تھے بلکہ ان کے عقائد و اعمال کے دشمن تھے۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں:-

جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اس کا فرض ہے کہ سب سے زیادہ
محبت کرے اور میں نوع انسان سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں ہاں
ان کی بد عملیوں اور ہر ایک قسم کے ظلم اور فسق اور بغاوت کا دشمن ہوں
کسی کی ذات کا دشمن نہیں۔ (ابو نعیم ص ۱)

خدا تعالیٰ سے سچی محبت کی جو سچی دوستی کا تقاضے ہے تیسری علامت:- یہ ہوتی ہے کہ
اس کا سچا محبت اپنے اس محبوب یا اس محبوب کے محبوب کے خلاف کوئی بات سن نہیں سکتا۔ حضرت
القدس مہدی موعودؑ کے دل میں خدا تعالیٰ کے لئے جو غیرت تھی اس کا اندازہ اس اقتباس سے

ہوسکتا ہے جو اوپر دیا گیا ہے اور جو اس طرح شروع ہوتا ہے کہ ”اگر ہم غم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا۔“ اُس کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے آپ کے دل میں جو غیرت تھی اور جس طرح آپ حضورؐ کے خلاف کوئی بات مطلقاً برداشت نہیں کر سکتے تھے اس کا کسی قدر اندازہ آپ کی ایک تحریر سے جو مشے از خروارے کے طور پر پیش کی جاتی ہے ہوسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

”اس قدر بدگوئی اور اہانت اور دشنام دہی کی کتابیں نبی کریم ﷺ کے حق میں چھاپی گئیں اور شائع کی گئیں کہ جن کے سننے سے بدن پر لرزہ پڑتا اور دل رو رو کر یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے جانی اور دلی عزیزوں کو جو دنیا کے عزیز ہیں۔ کلڑے کلڑے کر ڈالتے اور انہیں بڑی ذلت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کر لیتے تو واللہ ثم واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دکھتا جو ان گالیوں اور اس توہین سے جو ہمارے رسول کریمؐ کی گئی دکھا۔“ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۱-۵۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں:-

”میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم جنگل کے سانپوں اور بیابانوں کے درندوں سے صلح کر لیں تو یہ ممکن ہے مگر ہم ایسے لوگوں سے صلح نہیں کر سکتے جو خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے۔“

(پیغام صلح)

آنحضرتؐ کے لئے حضورؐ کی بینظیر غیرت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپؐ نے لکھرام جیسے ہندوؤں کے لیڈر کے تین بار دست بستہ سلام پیش کرنے پر بھی اس کا جواب دینا پسند نہیں کیا۔ اسی طرح آنحضور ﷺ کے خلاف بدزبانی کرنے والوں کا تہنہ مقابلہ کیا۔ خدا تعالیٰ سے علم پاکر ان کی ہلاکت کی پیشگوئیاں کیں ان پیشگوئیوں کے جھوٹی نکلنے کی صورت میں ہر سزا پانے کیلئے آمادگی ظاہر فرمائی اور اس طرح آنحضرتؐ کی اصل شان لوگوں کو دکھائی۔ ان پیشگوئیوں میں سے چند ایک کا ذکر (بطور نمونہ) اس کتاب میں دوسرے مقام پر آئے گا۔ (دیکھیں ترمہ صفحہ ۲۲۳ تا ۲۹۴)

محبت کے دعویدار تو بہت ہوتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کا سچا محبت دہی ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ بھی محبت کرے اور اپنے نشان اور سلوک سے ثابت کر دے کہ وہ اس کا پیارا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیاروں کے ساتھ محبت کا اظہار کئی طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً

- نمبر ۱ محبت بھرے خطابات سے
نمبر ۲ اپنے اس بندے کی دعائیں بکثرت سننے اور اس کے خلاف کی جانے والی دعائیں رد کرنے سے
نمبر ۳ اپنے پاک کلام کے سربستہ راز کھولنے اور اس کا خاص علم دینے سے
نمبر ۴ اظہار علی الغیب سے
نمبر ۵ اسے خارق عادت توکل عطا کرنے اور اس کا خاص طور پر متولی ہو جانے سے
نمبر ۶ اسے خارق عادت استقامت عطا کرنے اور اپنی پاک ذات کے ساتھ نہایت درجہ وفا داری کا تعلق بخشنے سے۔ (مہدی موعود کے حق میں اس علامت کیلئے دیکھیں صفحہ ۷۷-۷۸)
نمبر ۷ اس کے دل میں ہمدردی غلطی کا مادہ بڑھا دینے سے
نمبر ۸ اس کو نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق عطا کرنے سے
نمبر ۹ اس کی باتوں میں ایک خاص تاثیر رکھ دینے اور اسے غیر معمولی جذب عطا کرنے سے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ قرار دے کر اور مہدی موعودؑ کے بارہ میں یہ بتا کر کہ وہ بھی ابراہیم وقت ہوں گے یعنی خلیل اللہ ہوں گے اور اس کے ساتھ اپنے دوستوں کے بارہ میں یہ بتا کر کہ ان کے دل میں اس کی محبت ڈالی جاتی ہے یہ اشارہ فرمایا کہ محبت الہی کی ساری علامتیں مہدی موعودؑ میں پائی جائیں گی اور جن جن طریقوں کے ساتھ وہ اپنے سچے دوستوں کے ساتھ اظہار محبت کیا کرتا ہے ان سب طریقوں سے وہ اس کے ساتھ اظہار محبت فرمائے گا۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے محبت کا اظہار محبت بھرے

خطابات سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مہدی موعودؑ پر اس نے یہ عنایت بار بار فرمائی ایک جگہ آپؑ نے خود لکھا ہے کہ

لَسَمِعَ اللَّهُ دُعَائِي وَتَضَرُّعِي وَالتَّجَائِي وَبَشْرِي
بِفَتْوحَاتٍ مِنْ عِنْدِهِ. وَتَأْيِيدَاتٍ مِنْ جُنْدِهِ وَقَالَ لَا
تَخَفْ إِنِّي مَعَكَ وَمَا مَعَ مَشِيكَ أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ
لَا يَعْلَمُ الْخَلْقُ وَجَدْتُكَ مَا وَجَدْتُكَ. إِنِّي مُهَيِّنٌ مَنْ
أَرَادَ إِهَانَتَكَ وَإِنِّي مُعِينٌ مَنْ أَرَادَ إِعَانَتَكَ. أَنْتَ مِنِّي
وَسِرُّكَ سِرِّي أَنْتَ مُرَادِي وَمَعِيَ أَنْتَ وَجِيهُ لِي
خَضِرِي إِخْتَرْتُكَ لِنَفْسِي. هَذَا مَا بَشَّرَنِي رَبِّي
وَمَلَجَانِي عِنْدَ أَرْبِي وَاللَّهُ لَوْ أَطَاعَنِي مُلُوكُ الْأَرْضِ
كُلُّهُمْ وَلَفِثْتُ عَلَى خَزَائِنِ الْعَالَمِ كُلِّهَا مَا أَسْرَنِي
كَسْرُورِي مِنْ ذَالِكَ. (آئینہ کلمات اسلام)

اللہ نے میری دعا اور عاجزی اور التجا سن لی اور مجھے اپنی طرف سے فتوحات اور اپنے لشکر کی تائیدات سے بشارت دی اور کہا کہ تو کوئی خوف نہ کر، میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور چلنے والا ہوں تیرے چلنے کے ساتھ۔ تو مجھے ایسا پیارا ہے کہ اسکو لوگ نہیں جان سکتے۔ میں نے تجھے پایا جو پایا۔ میں اس کو ذلیل کروں گا جو تیرے ذلیل کرنے کا ارادہ کرے اور میں اسکو مدد دوں گا۔ جو تیری مدد کا ارادہ کرے۔ تو مجھ سے ہے اور تیرا بھید میرا بھید ہے اور تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے۔ تو میری درگاہ میں وجیہ ہے۔ میں نے تجھے اپنے لئے جن لیا ہے۔ یہ ہے جو میرے رب نے مجھے بشارت دی جو میری ضرورت کے وقت میری پناہ ہے۔ اور خدا کی قسم اگر تمام جہان کے بادشاہ میرے ماتحت ہو جائے اور سب عالم کے خزانے مجھے دئے جاتے تو مجھے وہ لالت نہ آتی جو اس سے آئی۔

دوسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے محبت کا اظہار اپنے محبت کی دعائیں بکثرت سننے اور اس کے خلاف کی جانے والی دعاؤں کو رد کرنے سے ہوتا ہے

حضرت مہدی موعودؑ کو خدا تعالیٰ نے وعدہ دیا تھا کہ وہ آپؑ کی ساری دعائیں سنے گا
سوائے ان کے جو شرکاء کے حق میں ہوں (کیونکہ وہ اس کی نگاہ میں مغضوب تھے) الہامی الفاظ
یہ ہیں اُجِیْبُ کُلَّ دَعَائِکَ اِلٰہِیْ شُرَکَآئِکَ (تذکرہ ۲۶۰)۔ بلکہ آپؑ کو جو
نشانات صداقت دئے گئے ان میں سے ایک بڑا نشان قبولیت دعا ہی کا تھا۔ اور دراصل ولایت کی
بڑی بھاری نشانی قبولیت دعا ہی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے اس کی تجزیہ کرتے ہوئے لکھا :-

اے کہ مے گوئی دعا را گر اثر بودے گنجاست
سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب

زیادہ تر دعائیں تو آپؑ کی آنحضرت ﷺ کے مقاصد کے پورا ہونے یعنی شرک کے
مٹنے۔ توحید کے قائم ہونے اور غلبہ اسلام کے لئے تھیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے آپؑ
ایک شعر میں عرض کرتے ہیں :-

ہر کے اندر نماز خود دعائے میکند
من دعا ہائے برو بار تو اے باغِ دبہار

حضورؐ کی دعا کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

”اے میرے رب مجھے اپنے چہرہ کی خالص اطاعت اور اپنے حضور میں دائمی سجدہ
عنایت فرما۔ اور مجھے ایسی امت دے جس میں تیری عنایت کا چشمہ بہہ رہا ہو اے میرے
رب تو میری کوشش اور ہمت اور دعا اور کلام سے اسلام کو زندہ کر۔ اور میرے ذریعے اس
کی خوبصورتی کو ظاہر کر۔ اور ہر ایک دشمن اور اس کے کبر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔
اے میرے رب تو مجھے دکھا کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ مجھے ایسے مومن

دکھا جو ایمانی شامک رکھنے والے ہوں اور ایسے لوگ جو حکمت یمانی رکھنے والے ہوں اور ایسی آنکھیں جو تیرے خوف سے رونے والی ہوں اور ایسے دل جو تیرے ذکر کے وقت کانپ جانے والے ہوں اور ایسے خالص فطرت رکھنے والے جو حق اور صواب کی طرف لوٹنے والی ہو اور مجذوبوں اور قطبوں کے سائے کے پیچھے چلنے والی ہو۔

(ترجمہ عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام طبع اڈل ص ۶۰۵)

غلبہ اسلام کے لئے آپ کی دعائیں قبول کر کے خدا تعالیٰ نے آپ کو بڑی بڑی بشارتیں دیں۔ اور الہاماً فرمایا:-

”دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حلوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔“
چنانچہ آپؐ نے لکھا:-

”یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام اور ربّ جلیل کا کلام ہے اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذہنی قبول نہ کریں اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہ موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی حقیقی موقوف ہے۔“ (فتح اسلام ص ۱۰ تا ۱۷)

صرف بشارتوں پر بس نہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آپؐ کے ہاتھ سے غلبہ اسلام کی معکم بنیاد رکھی جا چکی ہے اور صاف نظر آرہا ہے کہ انشا اللہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔ ابھی چند سال پہلے مسیحی متاد یہ ڈینگیں مار رہے تھے کہ خانہ کعبہ پر جلد تمکین کا جھنڈا لہرانے لگے گا اور اب یہ حال ہے کہ سینکڑوں گرجوں پر ”برائے فروخت“ کا اشتہار نظر آتا ہے۔

خود مسیحی جو کل تک الوہیت مسیح کے قائل تھے یہ اقرار کرنے لگے ہیں کہ مسیح کی حیثیت ایک نبی اللہ سے زیادہ نہیں۔

آپ فرماتے ہیں:-

”میں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں مسیح پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے اور جہاں تک میں دور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشی ہے۔“ (ازالہ اوہام صفحہ ۵۹۳)

آپ کو خدا تعالیٰ کی دوستی اور اس کے وعدوں پر اور بنا برائیں اپنی دعاؤں کی قبولیت پر ایسا کامل یقین تھا کہ آنحضرت ﷺ کے غلاموں میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ ایک دفعہ آپ نے دینی اغراض کے لئے مالی مدد کی اپیل شائع کی جس میں یہ الفاظ بھی تھے ”میں امرا کی خدمت میں بطور عام اعلان لکھتا ہوں کہ اگر ان کو بغیر آزمائش ایسی مدد میں تامل ہو تو وہ اپنے بعض مقاصد اور مہمات اور مشکلات کو اس غرض سے میری طرف لکھ بھیجیں کہ میں ان مقاصد کے پورا ہونے کے لئے دعا کروں.... اگر ایسا خط کسی صاحب کی طرف سے مجھے کو پہنچا تو میں اس کے لئے دعا کروں گا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ بشرطیکہ تقدیر میرم نہ ہو ضرور خدا تعالیٰ میری دعا سنے گا اور مجھ کو الہام کے ذریعہ اطلاع دے گا۔ اس بات سے نو میدمت ہو کہ ہمارے مقاصد بہت پیچیدہ ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے.... (پھر) ان کو اطلاع دی جائے گی جن کے کشور کار کی نسبت از جانب حضرت عوہل خوشخبری ملے گی۔ اور یہ امور مکرین کے لئے نشان بھی ہوں گے۔ اور شاید یہ نشان اس قدر ہو جائیں کہ دریا کے پانی کی طرح بننے لگیں.... مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔“ (اشہار اپریل ۱۸۹۳ء)

دوسری طرف آپ کو اپنے دشمنوں کی مخالفانہ دعائیں نہ سنے جانے کا بھی ایسا یقین تھا جیسا کہ اپنی دعاؤں کے سنے جانے کا چنانچہ ایک جگہ آپ نے لکھا:-

”اے لوگو تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر تک مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعائیں کریں۔ یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا تمہاری ہرگز نہ سنے گا۔ اور نہیں رکے گا۔ جب تک وہ اپنا کام پورا نہ کر لے۔ اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہوں گے۔ اور اگر تم گواہی چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر میرے لئے گواہی دیں۔ اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے منہ اور ہوتے ہیں اور صادقوں کے اور۔“

چنانچہ آپ کے دشمنوں کی دعائیں رد ہونے اور آپ کی دعائیں قبول ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ دشمنوں نے آپ کے دعویٰ کے دن سے آج تک آپ کی ناکامی و نامرادی کے لئے بیٹھار دعائیں کیں اور ہر دوسری ممکن کوشش کی اور یہ ساری دعائیں اور ساری کوششیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے منہ پر ماری گئیں اور آپ کے سلسلہ کو ترقی پر ترقی دی گئی اور آپ کا نام عزت کے ساتھ بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے یہاں تک کہ آپ کی ایک چھوٹے سے غیر معروف گاؤں سے اٹھنے والی آواز ساری دنیا میں پھیل چکی ہے اور اب تو M.T.A کے ذریعہ ۲۴ گھنٹے دنیا کے کونے کونے میں سنی جا رہی ہے۔ اور ۱۶۹ کے قریب ملکوں میں آپ کی جماعت قائم ہو چکی ہے۔

علاوہ ان دعاؤں کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے آپ کی ہزارہا اور دعائیں بھی جو آپ کے اپنے حق میں اور اپنوں کے حق میں اور غیروں اور دوستوں اور دشمنوں سب کے حق میں تھیں سنی گئیں۔ بطور نمونہ صرف چند ایک کا ذکر الگ طور پر کر دیا گیا ہے۔ (دیکھیں تہ ص ۱۸ تا ۲۹) تیسرے نمبر پر اپنے سچے دوستوں سے خدا تعالیٰ کی طرف سے محبت کا اظہار ان پر

اپنے کلام کے سربستہ راز کھولنے اور انہیں اس کا سب سے زیادہ علم دینے سے ہوتا ہے لہذا حضرت ابراہیمؑ کو ظلیل اللہ اور مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر خدا نے بتایا کہ یہ علامت بھی ان میں پائی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
حضرت مہدی موعودؑ فرماتے ہیں:-

”مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق و معارف سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔“ (سراج منیر)

آپؑ کو آپؑ کے رب نے قرآن کریم کا علم الہاماً دیا اور اتنے اسرار اس کے آپؑ پر کھولے کہ آپؑ نے تفسیر نویسی میں عرب و عجم سب کو مقابلہ کا چیلنج دیا مگر کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ پھر آپؑ نے یکطرفہ طور پر ایک حصہ قرآن کی تفسیر لکھ کر شائع فرمائی اور اس جیسی تفسیر لکھنے کا چیلنج دیا مگر آج تک کوئی اسے پورا نہیں کر سکا۔ آپؑ کی ساری کتب جو حقائق و معارف کے خزانے ہیں قرآن کریم ہی کی تفسیر ہیں۔ لوگ ہاں احسان ناشناس لوگ آپؑ کی باتوں کا سرقہ کرتے ہیں مگر شکر گزار ہونے کی بجائے آپؑ سے دشمنی بھی کرتے ہیں تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ وہ جو کچھ لکھ رہے یا کہہ رہے ہیں وہ کہاں سے لیا گیا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ (البقرہ ۲: ۱۴۱)

چوتھے نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے سچے دوستوں سے اظہار محبت اظہار علی الغیب کے ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ آیت عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ سے ثابت ہے پس حضرت ابراہیمؑ کو ظلیل اللہ اور مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہ فضل آپؑ پر بھی ہوگا۔ جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار علی الغیب دو طرح پر ہوتا ہے ایک اس طرح کہ وہ اپنے رسولوں پر غیب کی وہ باتیں جو انسان کو سمجھ کر اس کے رب کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں نہایت واضح طور پر کھولتا ہے اور کثرت سے کھولتا ہے اور دوسرے اس طرح کہ ان سے فیض پانے والوں کو بھی وہ اس نعمت سے حصہ دیتا ہے۔ گویا باذنہ تعالیٰ وہ دوسروں کو بھی اس نعمت سے سرفراز کرنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت مہدی موعودؑ علیہ السلام کو ان دونوں طریقوں پر اظہار علی الغیب کی نعمت سے نوازا گیا۔ یعنی آپؑ پر بھی بے شمار غیب کی باتیں کھولی گئیں اور آپؑ کی برکت سے آپؑ کے غلاموں

کو بھی اس نعمت سے حصہ ملا۔ بطور مثال چند ایک کا ذکر الگ کر کے یعنی اس کتاب کے ثبوت میں کر دیا گیا ہے تاکہ اصل مضمون کا ربط نہ ٹوٹے۔ (دیکھیں ترمہ صلیح ۳۰ تا آخر)

پانچویں نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار محبت اپنے بندے کو خارق عادت توکل عطا کرنے اور اس کا متولی ہو جانے سے ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ میں یہ علامت بھی بدرجہ اتم پائی گئی۔ (دیکھیں صفحات ۹۲ تا ۹۸، ۹۸ تا ۱۰۰)

چھٹے نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار محبت خارق عادت استقامت عطا کرنے اور اپنے ساتھ نہایت درجہ وفا داری کا تعلق عطا کرنے سے ہوتا ہے۔ مہدی موعودؑ میں اس علامت کے پائے جانے کے لئے دیکھیں صفحات (۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱ تا ۱۰۰)

ساتویں نمبر پر ہمدردی خلق آتی ہے اسکے لئے دیکھیں صفحات (۶۳ تا ۹۴، ۸۰ تا ۸۳، ۸۴ تا ۸۵) آٹھویں نمبر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اظہار محبت اعلیٰ درجہ کے اخلاق عطا کرنے سے یعنی بندے پر اپنا رنگ چڑھانے سے ہوتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق کا تعلق ساری زندگی سے ہوتا ہے۔ اس لئے اسکے لئے دیکھیں سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی، سیرت طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؒ، آپ کے متعلق حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا کتابچہ کتاب حیات طیبہ، تذکرۃ المہدی (مصنفہ حضرت پیر سراج الحق نعمانی) وغیرہ۔

نویں نمبر پر خدا تعالیٰ سے اظہار محبت اپنے محبوب کی باتوں میں غیر معمولی اثر رکھ دینے سے ہوتا ہے اس علامت کا حضرت مہدی موعودؑ میں پایا جاتا اس سے ظاہر ہے کہ باوجود انتہائی مخالفت کے دنیا کے کونے کونے سے لوگ آپ کی طرف کھینچے چلے آ رہے ہیں اور پچھلے صرف ایک سال میں چار کروڑ سے زیادہ نے بیعت کی ہے۔

=====

مہدی موعودؑ اپنی ذات میں اُمت، تمام اُمت سے افضل اور اُمت کا امام ہوگا

سورۃ النحل میں ہے:-

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ
الْمُشْرِكِينَ. (آیت ۱۲۱)

ابراہیم اپنی ذات میں ایک اُمت تھا۔ اللہ کا فرمانبردار۔ ادیان باطلہ سے
بیزار۔ اللہ کی طرف جھکا رہنے والا۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

اس میں حضرت ابراہیمؑ کے ”اُمت“ ہونے کی وضاحت ان کا قانت اور حنیف ہونا
بیان فرما کر کردی گئی ہے۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”جس وقت بندہ.... اپنے
ارادوں سے نکل جاتا ہے اور اپنے جذبات سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اللہ اور اس کے راستوں اور
اس کی عبادات میں فنا ہو جاتا ہے اور اپنے رب کو جس نے اپنی عنایات کے ساتھ اس کی ربوبیت
کی ہوتی ہے پہچان لیتا ہے تو وہ بھی اپنے سب اوقات میں اس کی حمد کرتا ہے اور اپنے سارے
دل بلکہ تمام ذرات کے ساتھ اس سے محبت کرتا ہے۔ پس اس وقت وہ بھی جہانوں میں سے
ایک جہان ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابراہیمؑ کا نام اُمت رکھا گیا (ترجمہ اعجاز السح ص ۱۳۳-۱۳۴)۔
پس قرآن کریم نے حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو ابراہیمؑ قرار دے کر یہ اشارہ کیا کہ آپؑ
بھی اپنے تمام دل اور تمام جان کے ساتھ اپنے رب سے محبت کرنے والے اور اُن معنوں میں
اُمت ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

لفظ اُمت کے ایک معنی امام کے بھی ہیں۔ اسی طرح جو شخص ایک جماعت کے قائم
مقام ہو اسے بھی اُمت کہتے ہیں۔ چنانچہ امام راغب نے إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً کے معنی یہ
کئے ہیں کہ ابراہیم عبادت میں قائم مقام جماعت کے تھے۔ جیسے عربوں کا قول ہے فَلَانُ لِي
نَفْسِهِ قَبِيلَةٌ۔ چونکہ قرآن کریم کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں موعود ابراہیم مہدی
موعود علیہ السلام کے بارہ میں پیشگوئی بھی مقصود ہے اس لئے حضرت ابراہیمؑ کو اُمت قرار دے کر

یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ مہدی موعود اُمت کا امام ہوگا اُمتی ہوگا اور ساری اُمت کا قائم مقام ہوگا یعنی ساری اُمت کی فرمانبرداری اور عبادت اور اَنَابَتْ اِلَى اللّٰہ ایک طرف اور اس اکیلے کی ایک طرف۔ گویا اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی جو پیشگوئی حدیث میں آئی ہے اس کی بنیاد اس آیت میں موجود ہے اور اس میں بتایا گیا کہ مہدی موعود اُمتی ہوگا۔ وجہ یہ کہ مہدی موعود کے لئے جس کا نام عیسیٰ ابن مریم بھی ہے مقدّر یہ تھا کہ وہ نبی اللہ ہوگا اور آنحضرت نے یہی فرمایا ہے کہ اس اُمت میں سے ہونے والا نبی سب سے افضل ہوگا۔ الفاظ حدیث نبوی کے یہ ہیں کہ ”ابو بکر تم سب میں سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہو جائے۔“

اس آیت سے ذرا آگے چل کر ہے۔

ثُمَّ اَوْ حَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۲۳)

(اے رسول) پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم کے دین کی پیروی کر (اور یاد رکھ کہ) وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

آنحضرت ﷺ کے وقت میں دین ابراہیم اپنی تفصیل کے ساتھ موجود نہیں تھا جو اس کی پیروی ہو سکے نیز آنحضرت کو حضرت ابراہیم سے کامل تر دین دیا گیا تھا۔ اس لئے اگرچہ روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف ہے لیکن اصل میں اس حکم کی مخاطب آپ کی اُمت ہے اور اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ جب آئندہ ایک ابراہیم مبعوث ہوگا یعنی مہدی موعود آئے گا تو اس وقت افراد اُمت پر فرض ہوگا کہ اس ابراہیم کے دین یا طریق کی پیروی کریں۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی جو تشریح و توضیح وہ کرے اسے قبول کریں اسی کو اصل دین اسلام جانیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

آیت اِنْ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً کے بعد ہے شَاكِرًا لِّمَا نَعَّمْہُ اِجْتَبٰہُ وَهٰذٰہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار تھا اللہ نے اسے چن لیا تھا اور صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی تھی۔

یوں تو اکثر لوگوں کے منہ سے الحمد للہ۔ اللہ کا شکر ہے وغیرہ الفاظ سنے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ شَاكِرًا لِّمَا نَعَّمْہُ تھا بتاتا ہے کہ ان پر

خدا تعالیٰ کے بھی خاص انعامات تھے اور وہ بھی شکر گزاری کا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ پس مہدی موعود کا نام ابراہیم رکھ کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہ دونوں وصف اس میں بھی نمایاں طور پر پائے جائیں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں پوری ہوئی۔ اس کا کچھ تذکرہ آپ ہی کی زبانی سنئے۔ اپنی کتاب لُجَّةُ النُّور میں فرماتے ہیں:-

(ترجمہ): میں وہ شخص ہوں جس کو اللہ نے وہ سب کچھ دیا ہے جو مصلحین کی شرائط ہیں۔ اور اس نے مجھے اپنے نشان دکھائے ہیں۔ اور مجھے اپنے یقین کرنیوالے عباد میں داخل کیا اور اس نے مجھ پر برکات نازل فرمائیں اور میرا مکان روشن کیا اور میری کوئی خواہش نہ تھی جو اس نے پوری نہ کی۔ کبھی انسان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ ریاست اور امارت کے گھر سے ہو اور اس کی حسب اور نسب اعلیٰ درجہ کی ہو۔ پس میرے رب نے مجھے یہ شرف سارے کا سارا دیا اور میرے لئے کوئی طلب نہ رہی۔ اور کبھی انسان یہ تمنا کرتا ہے کہ اس کو دنیا اور دین کی وجاہت حاصل ہو اور آسمانی اور زمینی لوگوں میں اس کو کرامت اور عزت حاصل ہو۔ پس میرے رب نے مجھے دونوں جہانوں کی عزت بخشی اور کونین کی عزت سے مشرف کیا۔ اور کبھی انسان اپنے پیچھے کوئی وارث نہیں دیکھتا اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہوتا جو اس کی وفات کے بعد اس کا وارث بنے۔ پس اس کو غم اور گھبراہٹ اور رنج لاحق ہوتا ہے بوجہ بیٹوں کے نہ ہونے کے اور وہ غمگین ہو کر زندگی گزارتا ہے اور صبح و شام روتا ہے۔ پس یہ غم مجھے نہیں چھوا ایک لمحہ بھر بھی اللہ کے فضل اور رحمت سے اور میرے رب نے مجھے خدمتِ دین کے لئے بیٹے دیئے ہیں۔ اور کبھی انسان یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کو معارف کے موتی اور چیدہ علوم دیئے جائیں اور اس کو زرو زمین و مال ملے۔ پس میرے رب نے یہ سب کچھ نہایت احسان سے مجھے بکمال عطا کیا اور مجھ پر اس دنیا اور آخرت کی رحمتیں مکمل کیں۔ اور بہت دفعہ انسان چاہتا ہے کہ اسکو اللہ کی محبت عاشقوں اور قانون کی طرح دی جائے اور محبوبوں اور محذوبوں کے پیالے سے پلایا جائے اور کبھی یہ چاہتا ہے کہ اس پر کشوف اور الہامات اور اخبار غیب اور آیات کا دروازہ کھلے اور اسکی دعائیں جلد قبول ہوں اور اس سے خوارق اور کرامات صادر ہوں۔ اور اسکا رب اسکے ساتھ کلام کرے اور مکالمات اور مخاطبات کے شرف سے اس کو مشرف کرے۔ پس سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے کہ

اس نے مجھے یہ سب کچھ دیا اور مجھے ہر ایک نعمت عطا کی جس کا ذکر میں کتاب میں پڑھتا تھا یا سنا کرتا تھا اور مجھے مقربوں سے بنایا اور مجھے اوّلین اور آخرین کا علم سکھایا اور میری زبان کا عقدہ کھولا اور میرے بیان کو ادب کی نمکینی سے بھر دیا۔ اور میری کلام کو بلاغت کے لبادوں سے آراستہ کیا۔ اور میری دلیل کو مضبوط کیا۔ پس خدا کی قسم میرا کلام لوگوں کے دلوں میں زیادہ اثر انداز ہے بہ نسبت لاکھ تلواریں کے... پس حاصل کلام یہ کہ اللہ نے مجھے قسم قسم کے احسان سے مکرم کیا.... اور اس نے مجھے بشارت دی کہ اسکی عنایت مجھ پر ہے خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی اور ہر ایک حال میں۔ اور وہ مجھ پر رحم کرتا ہے اور میری آرزوؤں کو پورا کرتا ہے اور خوف کے وقت مجھے امید دلاتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ جو کچھ اسکے پاس ہے گویا کہ وہ میرے پاس ہے اور ہاتھ میں ہے۔ اور وہ میری پناہ اور ڈھال اور بازو ہے اور وہ میرے دل اور رگوں اور خون میں سرایت کر گیا ہے اور میں اسکے ایسا قریب ہوں کہ مخلوق میں سے کوئی خواہ وہ عربی ہو یا عجمی اس کو نہیں جانتا۔“

پھر اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اِجْتَبٰہُ (اللہ نے اسے چن لیا) یعنی یہ سمجھایا گیا ہے کہ خدمت کے لئے تیار تو اور بھی بہت تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی نگاہ انتخاب ابراہیمؑ ہی پر پڑی۔ پس مہدی موعود کو ابراہیمؑ قرار دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہی معاملہ اس سے ہوگا چنانچہ مہدی موعود ایک موقع پر اپنے رب سے یوں مخاطب ہوتے ہیں ۔

یہ سراسر فضل ہے تیرا کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

دوسری جگہ فرماتے ہیں ”سو خدا نے میرے پر احسان کیا ہے جو اس نے تمام دنیا میں سے مجھے اس بات کیلئے منتخب کیا ہے تا وہ اپنے نشانوں سے گمراہ لوگوں کو راہ پر لاوے۔“

(تزیین القلوب ص ۱۳-۱۴)

آخری بات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وَهٰذِهِ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ اور اللہ نے اسے صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ یوں تو ہدایت یافتہ ہی مجتبیٰ ہو سکتا ہے مگر

یہاں اجتہاد کے الفاظ پہلے رکھے ہیں اور وَهَذَا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ کے الفاظ بعد میں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ اسے جس مقصد کیلئے چنا گیا اس میں کامیابی کی سیدھی راہ دکھائی۔ یعنی کامیابی کے سامان دیئے گئے۔ یہ سامان کیا تھے۔ ایک توحید کا دیا جانا دوسرے مستجاب الدعوات بنایا جانا۔ تیسرے علم قرآن دیا جانا۔ چوتھے غیر معمولی قوتِ قدسیہ کا عطا ہونا۔ پانچویں محبت رسول کا عطا ہونا اور خلقتِ محمدی کا رنگ آپ پر چڑھایا جانا۔ چھٹے اظہار علی الغیب وغیرہ۔ الانبیاء ۷۰:۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا (جس سے ظاہری آگ اور دشمنی کی آگ دونوں مراد ہو سکتی ہیں) تو اس وقت آپؑ نے بت پرستوں کی بات نہیں مانی بلکہ آگ کو اپنے لئے قبول کر لیا۔ پس مہدی موعودؑ کا نام ابراہیم رکھ کر خدا تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ آپؑ سے بھی ایسی ہی استقامت کا اظہار ہوگا۔ چنانچہ آپؑ پر عرصہٴ حیات تک کیا گیا۔ قتل کے مقدمات بنائے گئے۔ قید کروانے کی کوششیں کی گئیں اور خوف اور لالچ دونوں طریقوں سے اس بات پر مائل کرنے کی کوشش کی گئی کہ آپؑ اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں مگر آپؑ کے پائے ثبات میں کسی بات نے ذرہ بھر لغزش پیدا نہیں کی بلکہ آپؑ نے بجا تک دہل فرمایا کہ

”مجھے خدا سے ابراہیمی نسبت ہے۔ کوئی میرے بھید کو نہیں جانتا مگر میرا خدا۔ مخالف لوگ عبث اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں میں وہ پودا نہیں ہوں کہ ان کے ہاتھ سے اکھڑ سکوں اگر ان کے پہلے اور ان کے پچھلے اور ان کے زندے اور ان کے مردے تمام جمع ہو جائیں اور میرے مارنے کے لئے دعائیں کریں تو میرا خدا ان کی دعاؤں کو لعنت کی شکل پر بنا کر ان کے منہ پر مارے گا۔“

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اوّل کو خدا تعالیٰ نے آگ سے بچا لیا تھا بلکہ آگ کو ان کے لئے بردا و سلاماً بنا دیا تھا مگر اس ابراہیمؑ کے تو غلاموں تک کو اس نے آگ سے بچانے کا وعدہ کیا اور آپؑ کو الہاماً فرمایا:-

”آگ سے ہمیں مت ڈراؤ کہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔“

چنانچہ جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے ایک درس کے دوران جب حضرت علامہ حکیم نور الدین صاحب نے جو بعد میں آپ کے خلیفہ اول منتخب ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کے بارہ میں یہ تاویل کرنا چاہی کہ اس سے دشمنی کی آگ مراد ہے تو آپ نے فرمایا ”اس تاویل کی ضرورت نہیں ہمیں بھی خدا نے ابراہیم قرار دیا ہے دشمن ہمیں آگ میں ڈال کر دیکھ لے کہ ہم اس سے بچائے جاتے ہیں کہ نہیں۔“ اگرچہ دشمن آپ کو ظاہری آگ میں ڈالنے کی جرات نہیں کر سکے مگر طرح طرح کی دشمنیوں کی آگ میں انہوں نے آپ کو بار بار ڈالا اور ہر بار دنیائے دیکھا کہ صرف یہی نہیں کہ وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی بلکہ آپ کے لئے سلامتی کا موجب بن گئی۔ یعنی آپ کی صداقت کا نشان بن کر اس بات کا ذریعہ بن گئی کہ قیامت تک لوگ آپ پر سلام بھیجتے رہیں۔

اب آپ کے غلاموں کے بارہ میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے۔ حضرت مولوی رحمت علی صاحب مبلغ انڈونیشیا آپ کے مخلص غلاموں میں سے ایک تھے۔ ان کا واقعہ ہے کہ وہ انڈونیشیا میں جس مکان میں قیام پذیر تھے اُس سے ملحقہ مکانوں میں آگ بھڑک اٹھی اور آپ کے مکان کی طرف بڑھنا شروع ہوئی تو آپ کے دوستوں نے بہت زور دیا کہ آپ مکان خالی کر دیں مگر آپ نے مذکورہ بالا الہام کی وجہ سے یہ مشورہ ماننے سے قطعاً انکار کر دیا یہاں تک کہ آگ کے شعلے آپ کے مکان کو چھونے لگے۔ اس وقت پھر آپ پر مکان خالی کرنے کے لئے زور دیا گیا۔ مگر آپ نے لوگوں کی ایک نہیں سنی اور کہا کہ جب خدا کا یہ الہام ہے تو یہ ہوسہ نہیں سکتا کہ یہ آگ مجھے نقصان پہنچا سکے۔ سو خدا تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ عین اس وقت جب آگ کے شعلے آپ کے مکان کو چھونے لگے تھے۔ ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ اور یہ الہام پوری شان سے پورا ہوا۔ **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔**

قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کا ایک وصف حلیم ہونا بھی بیان کیا ہے۔ جس کے دو معنی ہیں۔ نمبر ۱: سمجھدار۔ نمبر ۲: حلیم الطبع۔ حضرت ابراہیمؑ ثانی ان دونوں وصفوں سے بھی متصف تھے۔ آپ سمجھدار ہونا تو اس سے واضح ہے کہ آپ نے اپنے رب اور اس کے رسول کو ہر دوسری چیز پر اختیار کر لیا تھا۔ اور آپ کا حلیم الطبع ہونا اس سے ثابت ہے کہ آپ دشمنوں تک کا بھلا

چاہنے والے اور ان کی ایذا رسانیوں پر حد درجہ صبر کرنے والے تھے بلکہ آپ فرماتے ہیں۔ ”میرا کوئی ایسا دشمن نہیں جس کے لئے میں نے کم از کم دو تین بار نام لے کر دُعا نہ کی ہو۔“ لکھرام کی ہلاکت کی آپ نے پیشگوئی کی ہوئی تھی۔ لیکن جب وہ ہلاک ہوا تو آپ کو افسوس ہوا کہ وہ گمراہی کی موت مرا۔ ایک ہندو کا واقعہ ہے کہ جب بھی ایذا رسانی کا موقع ملتا وہ آپ کو ایذا پہنچاتا تھا۔ مگر آپ کو جب بھی اس سے بھلائی کرنے کا موقع میسر آتا آپ اُس سے بھلائی ہی کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے کہا رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى (البقرہ ۲: ۲۶۱) اے میرے رب مجھے دکھا تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے یا کرے گا؟ وہ نبی اللہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ عرف عام میں مردہ کہلانے والے اس جہان میں واپس نہیں لائے جاتے ہاں انسانوں میں سے روحانی مردے ضرور زندہ کئے جاتے ہیں۔ اور نبیوں کے ہاتھ پر زندہ کئے جاتے ہیں۔ پس ان کی دعا بھی یہی معلوم کرنے کے لئے ہو سکتی تھی کہ روحانی مردے کس طرح زندہ کئے جائیں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس کا جو جواب ان کو دیا وہ روحانی مردوں کے احیاء پر ہی چسپاں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا:

فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ط ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا
چار پرندے لے اور ان کو اپنے ساتھ ہلا لے۔ پھر ہر ایک کو الگ الگ
پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر آواز دے تو وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے چلے
آئیں گے۔

سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو پرندے لینے کا حکم کیوں دیا کسی اور مخلوق کا حکم کیوں نہیں دیا۔ پھر چار پرندوں کا حکم کیوں دیا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ ہلانے یا مانوس کرنے کا حکم کیوں دیا۔ پھر مختلف پہاڑوں پر رکھنے کا حکم کیوں دیا۔ اور پھر یہ کیوں فرمایا کہ اسکے بعد تو انکو پکارے گا تو وہ تیری طرف دوڑتے چلے آئیں گے۔ یہ کیوں نہیں فرمایا کہ اڑتے ہوئے آئیں گے۔

سو جاننا چاہیے کہ نمبرا جہاں دوسرے جاندار زمین پر چلتے ہیں پرندے بلند فضاؤں میں

اڑتے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی ہر وقت اڑتے نہ رہتے ہوں۔ مگر ان میں اڑنے کی استعداد ہوتی ہے۔ گو بعض کی بعض دفعہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے یہ استعداد دب بھی جاتی ہے اور چند ایک کی ختم بھی ہو جاتی ہے۔ پس تمام جانداروں میں سے پرندے لینے کا حکم فرما کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جن لوگوں میں روحانی فضاؤں میں اڑنے کی استعداد باقی ہوگی (خواہ دبی ہوئی ہو) وہی دوبارہ زندگی پا سکیں گے یعنی دوبارہ روحانی ترقیات حاصل کر سکیں گے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ جو لوگ بالکل مَیّت نہ بن چکے ہوں۔ کالیت بے شک ہوں وہی پھر سے ترقی کر سکیں گے دوسرے نہیں۔ چنانچہ آیت یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال ۲۵:۸) میں مومنوں سے خطاب اور اسْتَجِيبُوا فرمایا جانا بھی صاف بتاتا ہے کہ انبیاء کا عمل انہی پر ہوتا ہے جن میں کچھ نہ کچھ جان باقی ہو بلکہ خود اس آیت کے الفاظ فُصِّرُ هُنَّ إِلَيْكَ اور يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا بھی اسی حقیقت کے عُمّاز ہیں۔ پس ان لوگوں کا نام جو مَیّت رکھا جاتا ہے تو مبالغہ کے طور پر۔ رہا ان کے اڑتے ہوئے آنے کی بجائے دوڑتے ہوئے آنے کا ذکر تو یہ یہ اشارہ کرنے کو ہے کہ یہاں طیر کا لفظ مجازاً انسانوں کے لئے لایا گیا ہے۔

نمبر ۲ جب پرندہ کا لفظ مجازاً قوم ابراہیم کے لئے استعمال ہوا تو اگر صرف ان کی موجود اوقت قوم کی طرف اشارہ مقصود ہوتا تو صرف ایک ہی پرندہ کا ذکر کافی تھا۔ چار کا ذکر ہونا صاف طور پر بتاتا ہے کہ مقصود یہ بتانا تھا کہ یہ واقعہ قوم ابراہیم کے ساتھ چار مختلف زمانوں میں پیش آنے والا ہے۔ اور ان میں سے ہر زمانہ میں پائے جانے والے جز کو الگ پرندہ قرار دیا گیا ہے۔

نمبر ۳ باوجود اس کے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ جاننا چاہا تھا کہ وہ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا اور باوجود اس کے کہ ان کا سوال آئندہ زمانوں کے بارہ میں تھا خدا تعالیٰ نے انہی کو وہ عمل کرنے کا حکم فرمایا جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس نے ان کو یہ سمجھایا کہ جب بھی تیری قوم پر موت کا سا زمانہ آئے گا ہم ایک ابراہیم یعنی تیرا ایک مثیل مبعوث کریں گے اور اس کے ہاتھ پر اس کو نئی زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ہر آنے والے ابراہیم کو وہ کام کرنے ہوں گے جو تجھے کرنے کو کہا جا رہا ہے۔

اب آئیے اس کے بعد ایک بار پھر اس آیت کو پڑھیں۔ اس میں کہا یہ گیا ہے کہ اے ابراہیمؑ چار پرندے پکڑ پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لے۔ پکڑنے میں کسی قدر جبر کا مفہوم پایا جاتا

ہے۔ چونکہ پرندہ کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔ اس سے جال لگا کر پکڑنا تو مراد نہیں ہو سکتا دلائل سے قائل کرنا ہی مراد ہو سکتا ہے۔ مسکت دلائل سے انسان پکڑا تو جاتا ہے لیکن جب تک پورا اطمینان حاصل نہ ہو اس کے قابو سے نکل جانے کا بھی امکان ہوتا ہے اس لئے فرمایا طیر کو یعنی اڑنے کی سکت رکھنے والے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ روحانی ترقی کی استعداد رکھنے والے لوگوں کو پکڑنے کے بعد ان کو اپنے ساتھ ہلا لے یعنی جس طرح پرندہ کو رکھنے والا اس کے دانہ پانی کا خیال رکھ کر اور اس سے مسلسل شفقت و پیار کا سلوک کر کے اسے اپنے ساتھ مانوس کر لیتا ہے اور اسے اپنا بنا لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد نفس کا دروازہ کھول دینے پر بھی وہ اس سے مستقل الگ ہونا پسند نہیں کرتا اسی طرح تو بھی ان کی روحانی بھوک پیاس مٹانے کا سامان مہیا کر کے اور بار بار نچی ہمدردی کا مظاہرہ کر کے انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لے اور ایسا اپنا بنا لے کہ اس کے بعد الگ ہونے کا موقع پیدا ہونے پر بھی وہ تجھ سے الگ نہ ہوں۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

چونکہ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ فرمایا ہے ان الفاظ سے یہ مراد تو ہو سکتی ہی نہیں کہ ان سب کو ایک پہاڑ پر رکھ دے بلکہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مِنْهُنَّ جُزْءًا اُسے چار کا جز مراد ہو (یعنی ایک ایک پرندہ) اور دوسری یہ کہ اس سے ان چار میں سے ہر ایک کا جز مراد ہو۔ پہلی صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ ان چار میں سے ہر ایک کو الگ الگ پہاڑ پر رکھ دے اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کا ایک ایک جُز لے کر اسے الگ الگ پہاڑ پر رکھ دے۔ اگر طیر کا ذکر صرف بطور مثال کیا گیا ہو تو پہلی صورت لینا بھی بالکل بجا ہوگا لیکن اگر یہ لفظ مجازاً قوم کے لئے آیا ہو تو دوسری ہی صورت لینا پڑے گی۔ وجہ یہ کہ پہاڑ پر رکھنا بہر حال کسی نہ کسی قسم کی رفعت دینے پر کنایہ ہے اور اگر پہلے معنی لیں جو پہلی صورت کا لازمہ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ساری قوم کو ایک ہی پہاڑ پر رکھنے یعنی ایک جیسی رفعت دینے کا حکم ہوا جو خلاف حکمت ہے لیکن دوسرے معنی لیں تو یہ قباحیت پیش نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں حکم یہ بنتا ہے کہ قوم کے مختلف افراد کو مختلف بلندیوں پر رکھ دے۔ (یاد رکھنا چاہیے کہ اس آیت میں پرندوں کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے پہاڑوں کی تعداد کا نہیں)

بات یہ ہے کہ مُردوں کا زندہ کیا جانا زندگی کے سرچشمہ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق کا دوسرا

نام ہے اور آیت وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (التكْوِیْتُ ۲۹: ۷۰) کے مطابق بغیر خدا تعالیٰ میں ہو کر کئے جانے والے مجاہدات کے یعنی بغیر ان راہوں پر چلنے اور ان پر استقامت دکھانے کے جو وہ اپنے نبی کے ذریعہ خود بتائے انسان نہ اس کی راہ پاسکتا ہے اور نہ اس کا اُس سے تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ اور یہ راہیں چونکہ نہایت مشکل راہیں ہوتی ہیں کوئی شخص ان پر اس وقت تک چل نہیں سکتا جب تک کہ اس کو یقین نہ ہو کہ ان راہوں کا بتانے والا واقعی ان کو دیکھ بھال چکا ہے اور انہیں خوب جانتا ہے اور ایسا رہنما ہے کہ اس کے پیچھے چل کر ہم منزل مراد کو پاسکتے ہیں۔ لیکن یقین کی استعداد مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے۔ سب لوگ ایک جیسے مرتبہ یقین کو پانے والے ہو ہی نہیں سکتے اس لئے خدا تعالیٰ نے تقاضائے حکمت کے عین مطابق یہ حکم دیا کہ اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد ان میں سے ہر طیر کے ہر جو کو یعنی اپنے زمانہ میں پائی جانے والی قوم ابراہیم کے ہر فرد کو مختلف پہاڑ پر رکھ دے یعنی ہر فرد کو اسکے اپنے دائرہ استعداد کے مطابق یقین کے انتہائی بلند مقام پر کھڑا کر دے۔ کیسے کھڑا کر دے؟ یہ بات بیان نہیں کی کیونکہ انسانی فطرت خود بولتی ہے کہ یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو ایسے اخلاق فاضلہ دکھانے سے جو معجزانہ ہوں۔ اور قبولیت دعا کے اور دوسرے ایسے نشان دکھانے سے جو معجزانہ ہوں۔ پہاڑ پر رکھنے میں (حسب استعداد) یقین کے اعلیٰ ترین مقام پر کھڑا کرنے کے علاوہ استقامت کے اعلیٰ ترین مقام پر کھڑا کرنے اور زمین کی گندی یعنی گناہ آلود فضا سے نکال کر پاک اور فرحت بخش فضا میں لے آنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فَصُرُّهُنَّ إِلَيْكَ کے بعد ہے ثُمَّ اِذْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا۔ پھر ان کو پکار وہ سعی کرتے ہوئے تیری طرف آئیں گے۔ سعی کے معنی محنت مشقت اٹھانے کے بھی ہوتے ہیں اور دوڑنے کے بھی۔ اور کسی کی طرف دوڑ کر جانا ذوق و شوق پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس میں بتایا کہ اپنے ساتھ مانوس کر لینے اور یقین اور استقامت کے بلند مقام پر کھڑا کر دینے کے بعد تو ان کو بلا۔ چونکہ بات زندہ کرنے کی ہو رہی ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ تو ان کو کہہ آؤ اب میں تمہیں وہ مجاہدات بتاؤں یا وہ راہیں دکھاؤں جن کے بجالانے یا جن پر چلنے سے تم زندگی کے سرچشمہ خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتے یا بہ الفاظ دیگر روحانی زندگی پاسکتے ہو۔ اور چونکہ وہ تجھے اچھی طرح جان چکے ہوں گے کہ تو ان کا سچا ہی خواہ ہے اور ان کی روحانی ضروریات کو پوری کرنے والا

ہے اور انہیں یقین ہوگا کہ تیری بتائی ہوئی راہ ضرور ہی انہیں منزل مقصود تک لے جائے گی اس لئے وہ اس راہ کے خطرات کی پرواہ کئے بغیر ذوق و شوق سے تیری طرف آئیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟ اس کا ذکر چھوڑ دیا ہے تا اشارہ ہو کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یقین حاصل ہو جانے کے بعد وہ تیری بتائی ہوئی راہ پر نہ چلیں وہ ضرور اس پر چلیں گے اور جب اس پر چل لیں گے تو ان کا کام مکمل ہو جائے گا یعنی ان کا سلوک تمام ہو جائے گا اور اس کے بعد باقی کام موصیٰ الہی کرے گی اور اس طرح وہ منزل مقصود کو پالیں گے۔ یہی نبیوں کا کام ہوتا ہے اور یہی کام جو اس آیت میں بتایا گیا ابراہیمؑ وقت حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے آکر کیا۔

پس اس ۱۱ میں قوم ابراہیمؑ کے چار بار روحانی موت کا شکار ہونے اور ہر بار ایک مثیل ابراہیمؑ کے ذریعہ زندہ کئے جانے کی پیشگوئی تھی چنانچہ پہلی دفعہ ان کی قوم مری تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر زندہ کی گئی دوسری دفعہ مری تو مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر زندہ کی گئی تیسری دفعہ مری تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر زندہ کی گئی اور چوتھی دفعہ مری تو ابراہیمؑ وقت حضرت مہدی موعودؑ کے ہاتھ پر زندہ کی جارہی ہے۔ اور اس کے لئے آپ نے بعینہ یہی طریقے استعمال کئے ہیں جو اس آیت میں بتائے گئے تھے۔

قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ایک بات یہ بتائی ہے کہ انہیں مخالفین کے خلاف جُخت دی گئی۔ پس حضرت مہدی موعود کا نام ابراہیمؑ رکھ کر اس نے اشارہ کیا کہ یہ فضل ان پر بھی ہوگا چنانچہ آپؑ پر خدا تعالیٰ نے یہ فضل بدرجہ اتم فرمایا جس کا ذکر آپؑ نے کئی جگہ فرمایا ہے یہاں آپؑ کی کتاب لُجَّةُ النُّور کے ایک حصہ کا ترجمہ لکھا جاتا ہے فرمایا:-

”خدا تعالیٰ نے مجھے اولین اور آخرین کا علم سکھایا اور میری زبان کا عقدہ کھولا اور میرے بیان کو ادب کی نمکینی سے بھر دیا۔ اور میرے کلام کو بلاغت کے لبادوں سے آراستہ کیا۔ اور میری دلیل کو مضبوط کیا۔ پس خدا کی قسم میرا کلام لوگوں کے دلوں میں تلوار سے زیادہ اثر انداز ہے۔“

اسی طرح فرماتے ہیں:-

”اس نے مجھے کافروں اور فاجروں پر اتمام حجت کے لئے زندہ علم دیا ہے۔ اور تازہ بتازہ پھل حکمت کے بھوکوں کے لئے دیئے ہیں۔ اور

بھرے ہوئے پیالے ہدایت اور معرفت کے پیاسوں کیلئے عنایت کیے
ہیں۔ اور اُس نے مجھے امام بنایا ہے ہر اُس شخص کیلئے جو اپنے نفس کی
اصلاح چاہتا ہے اور اپنے رب کی رضا کو پسند رکھتا ہے۔“

(ترجمہ عربی عبارت انجام آتھم ص ۷۵ تا ۷۸ از کتاب روح العرفان ۲۸۱)

یہ صرف آپؐ کا دعویٰ نہیں تھا بلکہ بہت سے اہل علم نے باوجود آپؐ کے مریدوں میں
سے نہ ہونے کے اس حقیقت کو کھلے طور پر تسلیم کیا۔

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے لکھا: ”مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی
نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی
صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لڑیچر
یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کے مسلمانوں کی نسلوں میں زندہ خون رہے
اور جماعت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔“
(تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۵۷۳)

اخبار کرزن گزٹ دہلی نے اپنی یکم جون ۱۹۰۸ کی اشاعت نے لکھا ہے:-

کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی
کہ وہ مرحوم کے مقابلہ پر زبان کھولتا اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس
کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندی ہند میں
بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں اس کا پُر زور لڑیچر اپنی شان میں
بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی
حالت طاری ہو جاتی ہے۔“

سورۃ اشعرا میں حضرت ابراہیمؑ کے چند اقوال کا ذکر بہ اس الفاظ آتا ہے۔

قَالَ اَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ [۷۶] اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ
الْاَقْدَمُونَ [۷۷] فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيَ اِلَّا رَبُّ الْعَالَمِينَ [۷۸]
الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ [۷۹] وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي
وَيَسْقِينِ [۸۰] وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ [۸۱] وَالَّذِي

يُعِيتَنِي ثُمَّ يُخَيِّبُنِي [۸۲]

پہلی تین آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ اپنے بتوں کی بے حیثیتی کو دیکھیں اور پھر کہا کہ (میں ان کا دشمن ہوں اس لئے) وہ (بھی) یقیناً میرے دشمن ہوں گے (یعنی ان میں کوئی طاقت ہے تو میں ان کے ہاتھ سے بچ نہیں سکوں گا) لیکن رب العالمین میرا دشمن نہیں ہے (اس لئے یقین جانو کہ وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے)۔ پس قرآن کریم نے جو آئندہ ایک ابراہیمؑ کے آنے کی خبر دی اور پہلے ابراہیمؑ کے بارہ میں یہ قلعہ بیان کیا تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ موعود ابراہیمؑ بھی جس قوم میں مبعوث ہوگا وہ بُت پرست قوم ہوگی۔ یا اس نے اپنے پیروں اور علماء وغیرہ کو بت بنا رکھا ہوگا مگر وہ ابراہیمؑ ان باتوں سے بیزار ہوگا لیکن نہ تو وہ لوگ اور نہ ان کے باطل معبود اس کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔ چنانچہ موعود ابراہیمؑ حضرت مہدی مسعود علیہ السلام ہندوستان میں مبعوث ہوئے جہاں کی اکثر آبادی جو ہندوؤں پر مشتمل ہے وہ بھی بت پرست تھی اور مسلمان اپنے پیروں اور علماء کو معبودوں کا درجہ دے رہے تھے اور مسیحی مسیح کو معبود بنائے ہوئے تھے۔ مگر یہ سارے مل کر بھی حضرت مہدی موعود کا کچھ بگاڑ نہیں سکے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ آپؑ کی پیٹھ پر تھا۔ اور اس کی معیت آپؑ کو حاصل تھی۔

یہاں ایک خاص نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ تو مختص القوم اور مختص الوقت نبی تھے مگر ان کی طرف اِلَّا رَبُّ الْعَالَمِينَ کے الفاظ منسوب کئے گئے ہیں جو اشارہ کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ تمام عالمین کی ربوبیت فرمائے گا۔ اور یہ بات صرف اس طرح ممکن تھی کہ خدا تعالیٰ ان کی ذریت میں پیدا ہونے والے صلحا کے ہاتھ سے یہ کام لے اور اس طرح یہ ان کا کام شمار ہو۔ اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ان کی ذریت قیامت تک سرسبز رہے اور اس میں ولی اللہ پیدا ہوتے رہیں۔ پس اس ایک لفظ کے استعمال سے خدا تعالیٰ نے جہاں یہ پیشگوئی فرما دی کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تا قیامت قائم رہے گی اور اس میں اولیا اور صلحاء اور امام پیدا ہوتے رہیں گے وہاں حضرت مہدی موعودؑ کا نام ابراہیمؑ رکھ کر یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ آپؑ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا یعنی آپؑ کی ذریت بھی رہتی دنیا تک سرسبز رہے گی اس میں اولیا اللہ اور امام پیدا ہوتے رہیں گے اور ان سے تمام جہانوں کی ربوبیت کا کام لیا جاتا

رہے گا۔ چنانچہ ابھی آپ کی رحلت کو سو سال بھی نہیں ہوئے کہ آپ کی چار نسلیں وجود میں آکر دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل چکی ہیں اور آپ کی اولاد میں سے کئی ولی اللہ پیدا ہوئے ہیں اور تین تو جماعت کے امام بھی بن چکے ہیں۔ پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ خود حضرت مہدی علیہ السلام کو اس بارہ میں الہاماً خبر دی گئی کہ:-

”میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخر دنوں تک سرسبز رہے گی۔“
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۳۸)

اگلی آیت کے الفاظ یہ ہیں اَلَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا چونکہ اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے اس لئے وہ مجھے ہدایت بھی دے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے تو ہر انسان کو پیدا کیا ہوتا ہے مگر سب کو تو وہ بلا واسطہ ہدایت نہیں دیتا اس لئے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس نے مجھے ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے وہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی کی راہ دکھائے گا اور اس راہ میں روک بننے کی کوشش کرنے والوں کے فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔ پس حضرت مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دینے میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آپ اس بارہ میں تجہزی کریں گے کہ آپ ضرور کامیاب ہوں گے اور دشمنوں سے خدا آپ کو محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ خود آپ کو مخاطب کر کے بھی اس نے یہ فرمایا کہ ”خدا تجھے بالکل کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا (تذکرہ صفحہ ۱۴۱) نیز فرمایا ”وَاللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ اور پھر ایک دُنیا نے دیکھا کہ بعینہ اسی طرح ہوا۔ اور آپ نے خود فرمایا:

ہر مطلب و مراد کہ می خواستم زغیب
ہر آرزو کہ بود بخاطر مُعْتَمِد

وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِيْنِ حضرت ابراہیمؑ نے کہا خدا ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے یعنی چونکہ اس نے مجھے ایک مقصد خاص کے لئے پیدا کیا ہے جو میری ہماں وقت کی توجہ چاہتا ہے اس لئے میرا خدا میری جملہ ضروریات کو پوری کرے گا اور تم یا تمہارے معبود اس کی راہ روک نہیں سکو گے۔ پس مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر خدا تعالیٰ نے یہ اشارہ بھی فرمادیا تھا

کہ اس کی جملہ ضروریات کا کفیل بھی وہ خود ہوگا اور ذرائع معاش کے لئے اسے قطعاً کوئی تردد کرنا نہیں پڑے گا۔ یہ خبر بھی من و عن پوری ہوئی اور آپؐ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس پر گواہ ٹھہرا۔

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ۔ یوں تو بیمار کو جب دیتا ہے خدا ہی شفا دیتا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول لا کر خدا تعالیٰ نے یہ اشارہ کیا کہ اس معاملہ میں اس کا ان سے خاص سلوک تھا۔ اور مہدی موعود کو ابراہیمؑ قرار دے کر بتایا کہ اس سے بھی اس کا ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ آپؐ بیمار ہوئے تو خدا تعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاص سے آپؐ کو شفا دی۔ مثلاً ایک دفعہ آپؐ کو قولنج زہیری ہوا تو خدا تعالیٰ نے آپؐ کو الہاماً فرمایا کہ دریا کا پانی جس میں ریت ملی ہوئی ہو جسم پر ملیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپؐ کی تکلیف پانی ختم ہونے سے پہلے پہلے دور ہوگئی۔ اسی طرح ایک دفعہ شدید دردِ گردہ کے وقت اور ایک دفعہ شدید دانت درد کے وقت اور ایک دفعہ خارش کی شدید تکلیف کے وقت اور ایک دفعہ جب اسفل حصہ آپؐ کے بدن مبارک کا سن ہو گیا تھا محض دعا سے خدا تعالیٰ نے آپؐ کو شفا دی۔

وَالَّذِي يُمَيِّتُنِي ثُمَّ يُحْيِيَنِي۔ موت تو ہر کسی کو خدا ہی دیتا ہے اور پھر خدا ہی زندہ کرتا ہے۔ پس ان کے اس قول کا کہ خدا ہی مجھے موت دے گا اور وہی زندہ کرے گا سوائے اس کے کوئی اور مطلب نہیں ہو سکتا تھا کہ میری موت طبعی موت ہوگی جس میں کسی غیر اللہ کا دخل نہیں ہوگا اور میرا انجام نیک ہوگا۔ پس حضرت مہدی موعود کو ابراہیمؑ قرار دینے میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آپؐ کی موت بھی طبعی موت ہوگی اور آپؐ کا انجام بھی نہایت نیک ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں باتیں بھی پوری ہوئیں اور قرآن کریم کی صداقت اور آپؐ کی صداقت اور آپؐ کے مثیل ابراہیمؑ ہونے پر دلیل ٹھہریں۔

اس کے بعد ہم قرآن کریم میں مزید غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ایک وصف جو اس میں بیان ہوا وہ ان کا صَلَٰتٌ یَقُٰ نَبِیًّا ہونا تھا۔ ظاہر ہے کہ صدیق تو ہر نبی ہوتا ہے پھر خصوصیت کے ساتھ جو آپؐ کا یہ وصف بیان کیا گیا تو اس سے بجز اس کے کچھ مراد نہیں ہو سکتی تھی کہ آپؐ کا صدیق ہونا ایسا ظاہر و باہر تھا کہ نبیوں میں سے بھی کم کا ایسا ہوگا۔ یعنی نشانات صدق آپؐ کو اس کثرت سے دئے گئے کہ دوسرے نبیوں میں سے بھی شاذ ہی کسی کو دئے گئے۔ پس ایک طرف حضرت ابراہیمؑ اول کے بارہ میں یہ بات بیان کر کے اور دوسری طرف

حضرت مہدی موعودؑ کو ابراہیم قرار دے کر قرآن نے یہ اشارہ بھی کیا کہ آپؑ سے بھی خدا تعالیٰ کا یہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ آپؑ نے خود فرمایا:

”خدا تعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کیلئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں۔ اس قدر نشان دکھائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو انکی بھی ان سے ثبوت ثابت ہو سکتی ہے۔“ (بشیرِ معرفت ص ۳۲۲)

یہاں ان نشانوں کی تفصیل بیان کرنے کی تو گنجائش نہیں مگر ہم ان میں سے بعض اہم نشانوں کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

نمبر ۱: آپؑ کو قرآن دانی کا نشان دیا گیا۔ فرمایا ”مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق و معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔“ (سراج منیر ص ۳۹)۔ اس ضمن میں آپؑ نے عرب و عجم سب کو مقابلہ کا چیلنج دیا مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا۔

نمبر ۲: آپؑ کو قرآن کی زبان کا معجزانہ علم دیا گیا۔ بعض عرب علماء تک نے تسلیم کیا کہ آپؑ جیسی عربی لکھنے والا کوئی دوسرا انسان نہیں ملتا۔

نمبر ۳: آپؑ کو کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا اور یہ فرمایا گیا کہ آپؑ کی دعائیں دوسروں کے بالمقابل بہت زیادہ قبول ہوں گی۔ آپؑ کے خلاف کی جانے والی کوئی دعا قبول نہیں ہوگی۔ جو دروازہ آپؑ کی دعا سے کھلے گا وہ کسی اور ذریعہ سے بند نہیں ہو سکے گا۔ اور جو دروازہ آپؑ کی دعا سے بند ہوگا وہ کسی اور ذریعہ سے کھل نہیں سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

نمبر ۴: آپؑ کو اظہار علی الغیب کا نشان دیا گیا جو نبیوں کا خاصہ ہے۔

نمبر ۵: آپؑ کو بے نظیر قوتِ قدسیہ کا نشان دیا گیا۔ جبکہ تزکیہ نفوس نبیوں کی بعثت کی اہم غرض ہوتی ہے۔

نمبر ۶: آپؑ کو بے نظیر جذب کا نشان دیا گیا چنانچہ جس طرح متناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسی طرح آپؑ نے اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

”میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام لوگ مجھے چھوڑ دیں اور ایک بھی میرے

ساتھ نہ رہے تو میرا خدا میرے لئے ایک اور قوم پیدا کرے گا جو صدق اور وفا میں ان سے بہتر ہوگی یہ آسمانی کشش کام کر رہی ہے جو نیک دل لوگ میری طرف دوڑتے ہیں کوئی نہیں جو آسمانی کشش کو روک سکے۔“ (تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۶۱، ۶۲)

نمبر ۷: آپ کو زندگی بخش باتوں کا نشان دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے علی الاعلان فرمایا کہ: ”وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔“ (ازالہ اوہام حصہ اول ص ۵۳ تا ۵۴)

نمبر ۸: آپ کو کسر صلیب اور کسر صلیب کے سامانوں کا نشان دیا گیا۔
نمبر ۹: آپ کو استخارہ کا نشان دیا گیا یعنی یہ وعدہ دیا گیا کہ جو شخص ہلکی خالی انفس ہو کر خدا تعالیٰ سے آپ کے بارہ میں ہدایت چاہے گا کہ آپ خدا کے فرستادہ ہیں یا نہیں اس پر خدا آپ کی صداقت منکشف کر دے گا۔

نمبر ۱۰: آپ کو آسمانی اور زمینی نشان دئے گئے۔ مثلاً آسمان پر خسوف و کسوف کا نشان اور زمین پر زلازل اور طاعون کا نشان۔

نمبر ۱۱: آپ کو یہ دائمی نشان دیا گیا کہ آپ کے قبضین دلائل صدق میں دوسروں پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔

نمبر ۱۲: آپ کو کشفی اور الہامی علوم میں نہ صرف غیروں بلکہ دوسرے مسلمانوں پر بھی غالب رہنے کا نشان دیا گیا۔

نمبر ۱۳: آپ کو یہ نشان دیا گیا کہ تمام اولین و آخرین کی جو پیشگوئیاں مسیح اور مہدی کے وقت اور اس کی ذات کے بارہ میں تھیں وہ سب آپ کے زمانہ میں اور آپ کی ذات میں پوری ہوئیں۔

نمبر ۱۴: آپ کو غیر معمولی نصرت الہی کا نشان دیا گیا جس کی بنا پر آپ نے فرمایا ۔
ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

نمبر ۱۵: آپ کو غیر معمولی رعب کا نشان دیا گیا۔ نصرت بالرعب آپ کا الہام بھی ہے۔
نمبر ۱۶: آپ کو **صَدَقَ لَی الْمَحَبَّتِ الْهَی** کا نشان دیا گیا۔ جسکی ایک ادنیٰ سی جھلک دکھانے کیلئے آپ کا ایک اقتباس پیش ہے فرمایا:-

”میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔“

یہ **صَدَقَ لَی الْمَحَبَّتِ** ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کیلئے اور اس غرض سے کہ اسکے رسول کریم ﷺ کا بول بالا ہو اور اس کی کتاب کی عظمت و شان ظاہر ہو ساری دنیا کے ساتھ تنہا بزد آزما ہونے کیلئے میدان میں اتر آئے تھے اور اپنی عمر عزیز کا ہر لمحہ اس جہاد میں صرف کر دیا۔

نمبر ۱۷: آپ کو خلقِ عظیم کا نشان دیا گیا۔ جسکے گواہ آپ کے اہل خانہ آپ کے دوست اور آپ کے دشمن سب ہیں۔

یہ سارے کے سارے نشان آپ کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی برکت سے حاصل ہوئے۔ **فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ**۔

=====

پانچویں نمبر پر اللہ تعالیٰ اپنے سچے دوستوں کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار انہیں خارق عادت توکل عطا کرنے سے کرتا ہے

ان لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی ان کا دوست ہے اور ہر ضرورت کے وقت ان کے کام آئے گا اور پھر ایسا ہی ہوتا ہے اور خدا خود ان کا متولی ہو جاتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ قرار دے کر اور مہدی موعودؑ کا ایک نام ابراہیمؑ رکھ کر خدا تعالیٰ نے یہ اشارہ بھی کیا کہ وہ توکل علی اللہ کے نہایت بلند مقام پر ہوگا اور خدا خود اس کا متولی ہوگا۔ یہ پیشگوئی بھی نہایت صفائی سے پوری ہوئی حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؒ کی روایت ہے کہ ایک مجلس میں توکل کی بات چل پڑی جس پر حضورؑ نے فرمایا:-

”میں اپنے قلب کی عجیب کیفیت پاتا ہوں جب سخت جھس جھس ہوتا ہے اور گرمی کمال حدت کو پہنچتی ہے تو لوگ دھوکے سے بارش کی امید رکھتے ہیں۔ ایسا ہی جب میں اپنی صندوقچی کو خالی دیکھتا ہوں تو مجھے خدا کے فضل پر یقین واثق ہوتا ہے کہ اب یہ بھرے گی۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔“ اور پھر خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ”جب میرا کیسہ خالی ہوتا ہے تو جو ذوق اور سرور اللہ پر توکل کا مجھے اُس وقت حاصل ہوتا ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ اور یہ حالت بہت ہی زیادہ راحت بخش اور طمانینہ انگیز ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ کیسہ بھرا ہوا ہو۔“ (درمنثور صفحہ ۱۰۵)

یہی حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ”ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جن دنوں حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب ”آئینہ کمالات اسلام“ کا عربی حصہ لکھ رہے تھے حضورؑ نے مولوی نورالدین صاحب (خلیفہ اولؒ) کو ایک بڑا دو ورقہ اس زیر تصنیف کتاب کے مسودہ کا اس غرض سے دیا کہ فارسی میں ترجمہ کرنے کے لئے مجھے پہنچا دیا جائے۔ وہ ایسا مضمون تھا کہ اُس کی خداداد فصاحت و بلاغت پر حضرت کو ناز تھا۔ مگر مولوی نورالدین صاحبؒ سے یہ دو ورقہ کہیں گر گیا۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام مجھے ہر روز عربی مسودہ فارسی ترجمہ کے لئے ارسال فرمایا

کرتے تھے۔ اس لئے اُس دن غیر معمولی دیر ہونے پر مجھے طبعاً فکر پیدا ہوا اور میں نے مولوی نور الدین صاحب سے ذکر کیا کہ آج حضرت کی طرف سے مضمون نہیں آیا اور کاتب سر پر کھڑا ہے اور دیر ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے تھے کہ مولوی نور الدین صاحب کا رنگ فق ہو گیا۔ کیونکہ یہ دو ورقہ مولوی صاحب سے کہیں گر گیا تھا۔ بے حد تلاش کی مگر مضمون نہ ملا اور مولوی صاحب سخت پریشان تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو اطلاع ہوئی تو حسب معمول ہفتاش ہفتاش مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور خفا ہونا یا گھبراہٹ کا اظہار کرنا تو درکنار الٹا اپنی طرف سے معذرت فرمانے لگے کہ مولوی صاحب کو مسودہ کے گم ہونے سے ناخق تشویش ہوئی مجھے مولوی صاحب کی تکلیف کی وجہ سے بہت افسوس ہے۔ میرا تو یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے گم شدہ کاغذ سے بہتر مضمون لکھنے کی توفیق عطا فرمادے گا۔“

(لیکچر سیرت طہیہ بحوالہ سیر الہدی صفحہ ۲۷۹، ۲۸۰)

ایک شخص مولوی کرم الدین نے آپ کے خلاف ازالہ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ دائر کیا۔ حضرت اقدسؑ کے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب بار بار مجسٹریٹ کے تعصب اور لوگوں کی مخالفت کا ذکر کر کے آپ سے یہ کہتے کہ اس مقدمہ میں بچنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں تو حضرت اقدسؑ انہیں ڈھارس دلاتے اور ہنس کر فرماتے کہ:-

”خواجہ صاحب! کوئی خانہ خدا کے لئے بھی چھوڑو۔ اگر سب اسباب ہمارے موافق ہوں تو لوگ کہہ سکتے ہیں کہ سب اسباب موافق تھے اس لئے مقدمہ فتح ہو گیا لطف تو جب ہی ہے کہ اسباب مخالف ہوں اور خدا اپنی جناب سے فضل فرمائے۔“

مقدمہ ایک ہندو مجسٹریٹ کی عدالت میں چل رہا تھا۔ وہ خود بہت متعصب تھا۔ اور اس پر مزید یہ کہ ہندوؤں نے ایک جلسہ کر کے جس میں وہ مجسٹریٹ بھی شامل تھا۔ اُسے کہا کہ:-

”مرزا صاحب ہمارے سخت دشمن اور ہمارے لیڈر لکھرام کے قاتل ہیں۔ اور اب وہ آپ کے ہاتھ میں شکار ہے۔ اگر آپ نے اس شکار کو ہاتھ سے جانے دیا تو آپ قوم کے دشمن ہوں گے۔“

اس پر مجسٹریٹ نے وعدہ کیا کہ اگلی پیشی میں وہ آپ کے خلاف ضرور ہی عدالتی کارروائی

عمل میں لائے گا۔ عدالتی کارروائی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجسٹریٹ دوران مقدمہ جب چاہے بغیر ضمانت ملزم کو گرفتار کر کے حوالات میں دے سکتا ہے۔ اس بات کی اطلاع کے لئے حضور کی طرف آدمی بھجوایا گیا۔ جب وہ سارا واقعہ سناتے ہوئے شکار کے لفظ پر پہنچا تو حضور جو لیٹے ہوئے اطمینان سے ساری بات سن رہے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپؐ نے نہایت جوش سے فرمایا:-

”میں اُس کا شکار ہوں؟ میں شکار نہیں ہوں۔ میں شیر ہوں اور شیر

بھی خدا کا وہ بھلا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے۔“

پھر آپؐ نے فرمایا:-

”میں کیا کروں میں نے خدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین

کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کے لئے تیار ہوں مگر وہ کہتا

ہے کہ نہیں میں تجھے ہر ذلت سے بچاؤں گا۔ اور عزت کے ساتھ بری

کروں گا۔“

چنانچہ اس کے بعد قبل اس کے کہ وہ مجسٹریٹ حضرت اقدس کے مقدمہ کی مزید سماعت کر سکتا ایک لغزش کے نتیجے میں اس کی تنزیلی ہوئی اور اُس کی جگہ دوسرا مجسٹریٹ مقدمہ سننے پر مقرر ہوا۔ اگرچہ وہ بھی سخت متعصب تھا اور آپؐ کو سزا دینی چاہتا تھا۔ اور باوجود اس کے کہ اُس کی بیوی نے خواب دیکھی تھی کہ اگر اُس نے آپؐ کو سزا دی تو اُس کے بیٹوں کی خیر نہیں۔ مگر وہ پھر بھی سزا دینے پر تلا ہوا تھا۔ تاہم خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ آپؐ کو سزائے قید جو وہ دینا چاہتا تھا دینے سے قاصر رہا۔ صرف کچھ جرمانہ کر پایا مگر وہ جرمانہ تو بعد میں واپس ہو گیا لیکن اُس کے دو بیٹے جو اس گستاخی کی پاداش میں ہلاکت گئے واپس نہ آ سکے۔

خدا تعالیٰ کے سچے دوستوں کو جہاں اس کی نصرت پر کامل یقین ہوتا ہے وہاں وہ اس کے لئے قربانی دینے کو بھی تیار رہتے ہیں اور انہیں ایسی استقامت دی جاتی ہے جو خود ایک کرامت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو ظلیل اللہ اور حضرت مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دے کر بتایا گیا کہ یہ علامت بھی ان میں شاندار طور پر پائی جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک دن سپرنٹنڈنٹ پولیس وارنٹ گرفتاری اور جھڑپی لے کر آپؐ کے مکان کی تلاشی کے لئے اچانک قادیان آیا۔ حضرت میر ناصر نوابؒ صاحب اس کے آنے کی اطلاع پا کر دوڑے ہوئے حضورؐ کو اطلاع دینے

کے لئے حاضر ہوئے۔ ہڈت گھبراہٹ سے ان کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ حضورؐ اس وقت کتاب نور القرآن تصنیف فرما رہے تھے۔ میر صاحب کی بات سنی تو سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے فرمایا:-

”میر صاحب لوگ دنیا کی خوشیوں میں چاندی سونے کے نگن پہنا کرتے ہیں۔ ہم سمجھیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے رستے میں لوہے کے نگن پہن لئے۔“ پھر تھوڑا تامل کر کے فرمایا ”مگر ایسا نہیں ہوگا خدا تعالیٰ کی حکومت اپنے خاص مصالح رکھتی ہے۔ وہ اپنے خلفائے مامورین کے لئے اس قسم کی رسوائی پسند نہیں کرتا۔“

اس واقعہ سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ نمبر ۱: یہ کہ آپؐ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قربانی دینے کو تیار تھے۔ نمبر ۲: یہ کہ آپؐ کو اس پر کامل توکل تھا اور یقین تھا کہ وہ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور نمبر ۳: یہ کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں آپؐ کو کمال درجہ کی استقامت عطا کی گئی تھی۔ آپؐ ہی کو نہیں آپؐ کی تربیت اور قوت قدسیہ کے زیر اثر آپؐ کے سچے متبعین کو بھی ایسی استقامت عطا کی گئی تھی جو یقیناً ایک نشان تھی۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحبؒ کی حضرت مولانا ایاز صاحبؒ کی۔ پارٹیشن کے وقت درویشانِ قادیان کی۔ اور کئی کئی روز کے فاقے کاٹ کر تبلیغ ہدایت کرنے والے ہزاروں مجاہدین احمدیت کی حیرت انگیز قربانیوں کی داستانوں سے تاریخ احمدیت کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے سچے دوستوں کی ایک علامت وفاداری بھی ہوتی ہے چنانچہ خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں خدا تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ فرمایا اِبْرٰهِيْمَ الَّذِي وَفٰی (النجم ۵۳: ۳۸) پس مہدی موعود علیہ السلام کو ابراہیمؑ قرار دے کر خدا تعالیٰ نے یہ اشارہ بھی فرمایا کہ انہیں بھی اُس سے غیر معمولی وفاداری کا تعلق ہوگا۔ چنانچہ آپؐ کا قول و عمل گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

”میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ میرا کون سا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے

جو کسی چیز کے روکنے سے رُک نہیں سکتی۔“

اسی طرح فرماتے ہیں:-

”مجھے ایسی حالت سے ہزار دفعہ مرنا بہتر ہے کہ وہ جو اپنے حسن و جمال کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوا ہے میں اُس سے برگشتہ ہو جاؤں یہ دُنیا کب تک اور یہ دُنیا کے لوگ مجھ سے کیا وفاداری کریں گے تا میں اُن کے لئے اس یارِ عزیز کو چھوڑ دوں..... مجھے اُس کے ساتھ غم بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کے ساتھ خوشی ہو۔ مجھے اُس کے ساتھ موت بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اُس کو چھوڑ کر لمبی عمر ہو۔“

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

”میں اُس (خدا) کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اُس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دُنیا و آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اور اُس کا جلال چمکے اور اُس کا بول بالا ہو کسی ابتلاء سے اُس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کڑوڑا ابتلاء ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان اور دُکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔“

من نہ آنستم کہ روز جنگ بنی پشت من

آں منم کاندرمیان خاک و خون بنی سرے

(الوارالاسلام طبع اول ص ۲۲، ۲۱)

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن میں آتا ہے:-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ۔ (البقرہ ۲۰: ۲۵۹)

کیا تجھے اس شخص کا حال معلوم ہے جس نے ابراہیم کے ساتھ اس وجہ سے جھگڑا کیا کہ خدا نے اسے بادشاہت دی۔

اَنَّ اِلٰهَ الْمُلْكِ کے دو معنی ہیں: نمبر ۱: اس وجہ سے کہ اللہ نے اس (خالف) کو بادشاہت دی۔ نمبر ۲: اس وجہ سے کہ اللہ نے ابراہیم کو بادشاہت دی۔ ظاہر ہے کہ دوسری صورت میں اس سے آسمانی بادشاہت ہی مراد ہو سکتی ہے نہ کہ زمینی۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو دنیوی بادشاہت نہیں ملی تھی۔ پس جب حضرت مہدی موعودؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ابراہیمؑ نام دیا گیا تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ آپ کو بھی آسمانی بادشاہت دی جائے گی۔ چنانچہ آپ ملکہ ہند و برطانیہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:-

ایتھا الملیکۃ انا اَحَدُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ رَزَقْنِی اللّٰہُ عِزّاً
واعطانی نورہ و ضیاءہ و لمعانہ. و اظہر علی ملکوت
السموات و حَبِیْہا الی بالی و ارا نی ملک الارض
و کرّہہ الی قلبی و صرف عنہ خیالی. فالیوم ہولی
اعینی کجیفۃ او اَنْتَن منها و کذا کل زینۃ الحیوۃ
الدنیا و المال و البنون۔

(آئینہ کلمات اسلام ص ۵۳۵)

اے ملکہ میں ایک مسلمان ہوں۔ جس کو اللہ نے اپنا عرفان دیا۔ اور اپنا نور عطا کیا اور اپنی روشنی اور چمک دی اور اس نے میرے سامنے آسمانوں کی بادشاہت رکھی اور اس کو میرے دل کے لئے محبوب کیا اور اس نے مجھے زمین کی بادشاہت دکھائی اور اس کو میرے دل کے لئے مکروہ کیا اور اس سے میرے خیال کو پھیر دیا۔ پس آج وہ میری نظر میں مردار کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بدبودار۔ اور اسی طرح دنیا کی ہر ایک زینت اور مال اور بیٹے۔

دوسری جگہ فرمایا :-

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا

مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

حضرت ابراہیمؑ کے جو اوصاف قرآن کریم نے بیان کئے ہیں اُن میں سے وصفِ وفا کا

اور آزمائشوں میں پورا اُترنے کے وصف کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو بار بار حنیف قرار دیا گیا۔ جس کے معنی توحید پر قائم ہونے والے اور اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دینے والے کے ہیں۔ پس مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ کا نام دے کر قرآن کریم نے یہ اشارہ کیا کہ ان میں بھی یہ وصف پایا جائے گا۔ چنانچہ عملاً بھی یہی دیکھنے میں آیا۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”میں جو اس ملک مقتدر کو پہچانتا ہوں تو اب میری روح اس کو چھوڑ کر کہاں اور کدھر جائے۔ یہ روح تو ہر وقت یہی جوش مار رہی ہے۔ کہ اے شاہِ ذوالجلال! ابدی سلطنت کے مالک سب ملک اور ملکوت تیرے لئے ہی مسلم ہے تیرے سوا سب عاجز بندے ہیں۔ بلکہ کچھ بھی نہیں۔“

آں کس کہ بتو رسد شہاں را چہ کند
بافر تو فر خرواں را چہ کند
چوں بندہ شناخت بداں عز و جلال
بعد از تو جلال دیگران را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہاں بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(درشین فارسی مترجم صفحہ ۲۱۹، اشتہار ۲۵ جون ۱۹۷۹ء مندرج تبلیغ رسالت جلد ۶ ص ۱۴۳ تا ۱۴۴)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

دیکھ میری روح نہایت توکل کے ساتھ تیری طرف ایسی پرواز کر رہی ہے۔ جیسا کہ پرندہ اپنے آشیانہ کی طرف آتا ہے سو میں تیری قدرت کے نشانوں کا خواہشمند ہوں۔ لیکن نہ اپنے لئے اور نہ اپنی عزت کے لئے بلکہ اس لئے کہ لوگ تجھے پہچانیں اور تیری پاک راہوں کو اختیار کریں اور جس کو تو نے بھیجا ہے۔ اس کی تکذیب کر کے ہدایت سے دور نہ پڑ جائیں۔

(روح العرفان صفحہ ۴۱۵ بحوالہ اشتہار ۵ نومبر ۱۹۹۷ء)

اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کس طرح خدا تعالیٰ کے اور صرف خدا تعالیٰ ہی کے ہو گئے تھے اور اس کی رضامندی کی خواہش جو اس سے بچی دوستی کا لازمہ ہے کس طرح آپؐ کے پاک دل میں ہر وقت موجزن رہتی تھی۔

لالہ دینا ناتھ صاحب ایڈیٹر اخبار ہندوستان درویش بیان کرتے ہیں کہ حکیم غلام نبی کے مکان پر ایک مجلس میں مرزا صاحب کا ذکر آگیا ”ایک شخص نے اُن کی مخالفت شروع کی لیکن اس رنگ میں کہ وہ شرافت اور اخلاق کے پہلو سے گری ہوئی تھی۔ مولوی فضل الدین صاحب مرحوم کو یہ سن کر جوش آگیا اور انہوں نے بڑے جذبہ سے کہا کہ میں مرزا صاحب کا مرید نہیں ہوں اُن کے دعاوی پر میرا یقین نہیں۔ اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن مرزا صاحب کی عظیم الشان شخصیت اور اخلاقی کمال کا میں قائل ہوں۔ میں وکیل ہوں اور ہر قسم کے طبقہ کے لوگ مقدمات کے سلسلہ میں میرے پاس آتے ہیں۔ بڑے بڑے نیک نفس آدمی جن کے متعلق کبھی وہم بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ کسی قسم کی نمائش یا ریاکاری سے کام لیں گے انہوں نے مقدمات کے سلسلہ میں اگر قانونی مشورہ کے ماتحت اپنے بیان کو تبدیل کرنے کی ضرورت سمجھی تو بلا تامل بدل دیا۔ لیکن میں نے اپنی عمر میں مرزا صاحب ہی کو دیکھا ہے جنہوں نے جج کے مقام سے قدم نہیں ہٹایا۔ میں اُن کے ایک مقدمہ میں وکیل تھا۔ اس مقدمہ میں میں نے ان کے لئے ایک قانونی بیان تجویز کیا۔ اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ اس میں تو جھوٹ ہے۔ میں نے کہا ”مذہم کا بیان حلفی نہیں ہوتا اور قانوناً اسے اجازت ہے کہ جو چاہے بیان کرے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا ”قانون نے تو اسے یہ اجازت دے دی ہے کہ جو چاہے بیان کرے مگر خدا تعالیٰ نے تو اجازت نہیں دی کہ وہ جھوٹ بھی بولے اور نہ قانون ہی کا یہ منشا ہے پس میں کبھی ایسے بیان کے لئے آمادہ نہیں ہوں میں صحیح صحیح امر پیش کروں گا۔“ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ ”آپؐ جان بوجھ کر اپنے آپ کو بلا میں ڈالتے ہیں۔“ انہوں نے فرمایا:-

”جان بوجھ کر بلا میں ڈالنا یہ ہے کہ میں قانونی بیان دے کر ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے خدا کو ناراض کر لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ خواہ کچھ ہی ہو۔“

مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ یہ باتیں مرزا صاحب نے ایسے جوش سے بیان کیں کہ ان کے چہرہ پر ایک خاص قسم کا جلال اور جوش تھا میں نے یہ سن کر کہا کہ پھر آپ کو میری وکالت سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ:-

”میں نے کبھی وہم بھی نہیں کیا کہ آپ کی وکالت سے فائدہ ہوگا۔ یا کسی اور شخص کی کوشش سے فائدہ ہوگا۔ اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی مخالفت مجھے تباہ کر سکتی ہے میرا بھروسہ تو خدا پر ہے جو میرے دل کو دیکھتا ہے آپ کو وکیل اس لئے کیا ہے کہ رعایت اسباب ادب کا طریق ہے اور میں چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اپنے کام میں دیانتدار ہیں اس لئے آپ کو مقرر کیا ہے۔“

مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ میں نے پھر کہا کہ میں تو یہی بیان تجویز کرتا ہوں۔ مرزا صاحب نے کہا:-

”نہیں۔ جو بیان میں خود لکھتا ہوں نتیجہ اور انجام سے بے پردہ ہو کر دینی داخل کرو۔ اس میں ایک لفظ بھی تبدیل نہ کیا جاوے۔ اور میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ آپ کے قانونی بیان سے وہ زیادہ موثر ہوگا۔ اور جس نتیجہ کا آپ کو خوف ہے وہ ظاہر نہیں ہوگا بلکہ انجام انشاء اللہ بخیر ہوگا۔ اور اگر فرض کر لیا جاوے کہ دنیا کی نظر میں انجام اچھا نہ ہو یعنی مجھے سزا ہو جاوے تو مجھے اس کی پردہ نہیں۔ کیونکہ میں اس وقت اس لئے خوش ہوں گا کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی۔“

غرضیکہ مولوی فضل دین صاحب نے بڑے جوش اور اخلاص سے اس طرح مرزا صاحب کا ڈیفنس پیش کیا اور کہا کہ مرزا صاحب نے پھر قلم برداشتہ اپنا بیان لکھ دیا اور خدا کی عجیب قدرت ہے کہ جیسا کہ وہ کہتے تھے اس بیان پر وہ بری ہو گئے۔ (حیات طیبہ ۱۸۲۱۸۱)

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کو حنیف کے علاوہ **اَوَّاهٌ مُنِيبٌ** بھی کہا گیا ہے جس کے معنی گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کرنے والے اور خدا کے حضور جھکنے والے کے ہیں۔ سو جب قرآن نے حضرت مہدی موعودؑ کو ابراہیمؑ قرار دیا تو اس میں اشارہ تھا کہ یہ اوصاف ان میں بھی

پائے جائیگے۔ چنانچہ ہم پورے دثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ ان اوصاف سے بدرجہ کمال متصف تھے آپ کا لمحہ دعاؤں میں گزرتا تھا۔ اگر کہا جائے کہ آپ کی زندگی سراسر دعائیں تھیں تو اس میں ذرہ بھر مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کا انداز دعا ایسا تھا کہ آپ کے رفقاء کا کہنا ہے کہ آپ جب تنہائی میں معروف دعا ہوتے تو آپ کے سینہ سے اس طرح آواز آتی جیسے ہنڈیا ابل رہی ہو۔ خود فرماتے ہیں ۔

بنالم بر درش زان ساں کہ نالد
بوقت وضع حمل بار دارے

اور اپنے رب کے حضور آپ کا رونا اور چلانا ایسا سچا اور بے ریا تھا کہ اُس کی جناب میں مقبول تھا۔ چنانچہ ہزاروں نہیں لاکھوں بار آپ کو دُعا کرنے پر پہلے قبولیت کی بشارت دی گئی اور پھر بعینہ اس کے مطابق آپ کی مرادیں پوری کی گئیں۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں ۔

ہر مطلب و مراد کہ می خاتم زغیب
ہر آرزو کہ بود بخاطر معینم

اسی طرح فرماتے ہیں:-

”میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا کے فضل اور رحمت کو جو قبولیت دعا کی صورت میں آتا ہے میں نے اپنی طرف کھینچتے ہوئے محسوس کیا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ دیکھا ہے۔ ہاں آج کل کے زمانہ کے تاریک دماغ فلاسفر اس کو محسوس نہ کر سکیں یا نہ دیکھ سکیں۔ تو یہ صداقت دُنیا سے اٹھ نہیں سکتی۔ اور خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ میں قبولیت دُعا کا نمونہ دکھانے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔“

(ملفوظات جلد اول ص ۱۹۰)

اے کہ گوئی گر دعا ہا را اثر بودے کجاست
سوئے من بھاب بنمایم چرا چوں آفتاب

(برکات الدعا)

آپ کی قبولیت دعا کے چند نمونے اوپر کے صفحات میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ طوالت

کے ڈر سے اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ورنہ آپ کی قبولیت دعا کے واقعات تو اس کثرت سے ہیں کہ وہ مستقل کتاب میں بھی سامنے نہیں آ سکتے ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

=====

قرآن کریم کی رو سے حضرت مریمؑ کو پیدائش مسیحؑ (ناصری) کی بشارت کے ساتھ ہی اسکی دو بعثتوں کی (جن میں سے دوسری مسیح قادیانی کی صورت میں ہونیوالی تھی) خبر بھی دی گئی

اوپر کے صفحات میں ہم نے دکھایا ہے کہ شروع قرآن ہی میں آنحضرت ﷺ کے بعد ایک احمد رسول کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے اور یہ اشارات قرآن کریم میں موجود ہیں کہ موعود احمدؑ ساتویں ہزار کا آدم ہوگا اور اسکا آنا ابتداء آفرینش ہی سے مقدر ہے۔ نیز یہ کہ وہ مسلمانوں کے مثلمان یہود بن جانے کے وقت مثیل مسیح بن کر آئیگا اور ابراہیم وقت بھی ہوگا۔ بلکہ سب نبیوں کے نام پایگا کیونکہ اسکے ذریعہ تمام بنی آدم یعنی تمام نبیوں کے ماننے والوں کو دین واحد پر جمع کرنا مقصود ہوگا۔ اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے جب والدہ مسیح کو مسیح کی بشارت دی گئی تو اسکے ساتھ ہی اسکے ایک اور بعث کی یعنی مسیح موعود کے آنے کی بشارت بھی دی گئی۔

سورۃ آل عمران میں یہ ذکر ہے کہ حضرت مریمؑ کو بیٹے کی خبر دیتے ہوئے ملائکہ نے کہا:

يَمْرُئِمُ إِنَّ اللَّهَ يَبْشُرُكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ
الْمُقَرَّبِينَ (۳۶) وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ
الصَّالِحِينَ (۳۷)

اے مریم! اللہ تجھے اپنی جناب سے (ملنے والے) ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت میں عزت پائیگا۔ اور مقربین (الہی) میں سے ہوگا۔ اور لوگوں سے (زمانہ) مہد میں کلام کرے گا اور کہل ہو کر بھی (کلام کرے گا) اور صالحین میں سے ہوگا۔

اکیس حضرت مسیح علیہ السلام کے دو زمانوں مہد اور کہل میں لوگوں سے کلام کرنے کا ذکر ہے۔ درمیانی زمانہ کا نہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مقصود یہ بتانا تھا کہ وہ بچپن میں فوت نہیں ہوگا بلکہ اوجیز عمر کو پہنچے گا۔ بیشک اس سے یہ اشارہ ملتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتراض بھی پڑتا ہے کہ کیا انہوں نے درمیانی زمانہ میں گنگ رہنا تھا جو دو الگ الگ زمانوں کا ذکر کیا۔ ”مہد سے کہل“ تک کے الفاظ کیوں نہیں رکھ دیئے۔ ظاہر ہے کہ اگر اسکی حکمت معلوم نہ ہو سکے تو یہ اعتراض وزنی ہوگا۔ لیکن قرآن کریم تو لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ کا مصداق ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ جھوٹ نہ اس کے سامنے سے آکر موثر حملہ کر سکتا ہے نہ پیچھے سے آکر) اسلئے ضروری ہے کہ اس طرز کلام میں کوئی خاص حکمت ہو۔

دراصل مفسرین نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ کہ اس آیت میں جس طرح حضرت مسیح کے مہد اور کہل کے درمیانی عرصہ میں کلام کرنے کا ذکر نہیں ہے اسی طرح کہولت کے بعد کے زمانہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ آئمہ لغت میں سے کسی کے نزدیک بھی کہولت کا زمانہ ساٹھ اکتھ سال سے آگے نہیں جاتا اور حدیث نبوی کے مطابق حضرت مسیح کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

بات دراصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا اعتراض صرف اُسی صورت میں پڑتا ہے جو کلام سے عام کلام مراد لیا جائے۔ ورنہ اگر اس سے خاص کلام مراد ہو تو یہ اعتراض ہرگز نہیں پڑتا۔ کیونکہ کسی شخص کا دو موقعوں پر خاص کلام کرنا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ درمیانی عرصہ میں یا ان زمانوں کے بعد کے عرصہ میں اس نے بالکل کلام ہی نہیں کیا۔ اور یہاں خاص کلام ہی مراد ہے۔ کیونکہ سورۃ المائدہ میں بھی تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا کے الفاظ آتے ہیں اور وہاں ان سے پہلے حضرت مسیح کے روح القدس سے موبد ہونے کا ذکر بھی ہے۔ اور روح القدس سے تائید پاکر جو کلام کیا جائے وہ عام کلام ہو سکتا ہی نہیں اور نہ چٹھوڑے کے بچے کا کلام ہو سکتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہاں المہد سے حیاری کا زمانہ مراد ہے جیسے قول رہانی وَمَهْدُكَ لَكَ تَمْهِيداً

(الْمُدَّثِّرُ ۷۴: ۱۵) میں یہ مادہ تیاری ہی کے معنی میں آیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاص کلام سے کیا مراد ہے سو اگر تو کلام فی الحمد اور کہولت کا کلام دونوں بعد از نبوت کے ہوں تو انہیں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس سے خدا تعالیٰ کی رسالت کا لوگوں تک پہنچانا ہی مراد ہے۔ کیونکہ نبی کا ہمہ وقت یہی کام ہوا کرتا ہے لیکن اگر ان میں سے محد کا کلام قبل از نبوت کا ہو تو پھر اس سے مراد محض حق و حکمت کی باتیں ہوں گی۔

اگر پہلی صورت ہو یعنی کلام فی الحمد اور کہولت کا کلام دونوں بعد از نبوت کے کلام ہوں تو اس پر سوال ہو گا کہ نبی تو ساری عمر ہی خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا رہتا ہے۔ پھر اس آیت میں زمانہ محد اور زمانہ کہولت کے درمیانی زمانہ اور اس طرح کہولت کے بعد کے زمانہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا اور ایسا کیوں ہے کہ حضرت مسیحؑ کی مامورانہ زندگی کے چار حصے کر کے ان میں سے پہلے حصہ کو لے لیا گیا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیا گیا ہے پھر تیسرے کو لے لیا گیا ہے اور چوتھے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جو یُكَلِّمُ النَّاسَ میں کلام کرنے سے مراد کلام کا آغاز کرنا ہو اور مطلب یہ ہو کہ وہ دو دفعہ اپنی دعوت کا آغاز کریں گے۔ مگر ایک چیز کے دو آغاز کیسے؟ سو جاننا چاہئے کہ حضرت مسیحؑ نبی اللہ تھے۔ پس ان کے دو دفعہ آغاز دعوت کرنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ پہلی صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ ایک جگہ سے اپنی دعوت کا آغاز کرتے پھر وہاں سے ہجرت کر جاتے۔ ان کا دارالہجرت کوئی دور دراز مقام ہوتا جہاں پہنچنے کے لئے ایک مدت دراز درکار ہوتی اور وہاں پہنچ کر انکا تبلیغ رسالت کرنا اپنے کام کو از سر نو شروع کرنے کی مانند ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ انکے دو بعث مقدر ہوتے۔ اور یہ اشارہ کر کے کہ وہ دو بار اپنی دعوت کا آغاز کریں گے دراصل یہ دونوں باتیں بتائی گئی تھیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مریمؑ کو جو خوشخبری حضرت مسیحؑ کے بارہ میں دی گئی تھی اس میں یُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا سے پہلے وَجِہًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کے الفاظ بھی ہیں۔ دنیا کا لفظ اُوْنِی کا مونث ہے۔ جو ”قریب تر“ کے معنی میں آتا ہے۔ خواہ یہ قریب تر ہونا بلحاظ مقام ہو جیسے سورۃ الرُّوم ۳۰: ۳۰ کے الفاظ فِیْ اَدْنٰی الْاَرْضِ میں یا بلحاظ وقت ہو جیسے سورۃ الْمُزَمِّل ۷۳: ۲۱ کے الفاظ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثِی الْیَلِ میں۔ اسی طرح لفظ ”اٰخِرَۃ“ کے معنی پیچھے آنوالی چیز یا کسی چیز کے آخری سرے کے ہوتے ہیں۔ خواہ اس کا تعلق

وقت سے ہو یا مقام سے۔ چنانچہ السَّاعَةُ الْآخِرَةُ بھی کہتے ہیں۔ اور الدَّارُ الْآخِرَةُ بھی کہتے ہیں۔ یہاں چونکہ الدُّنْيَا اور الْآخِرَةُ کے الفاظ بالتقابل آئے ہیں اسلئے اگر ”الدُّنْيَا“ سے قریب کا مقام مراد لیں تو ”الْآخِرَةُ“ سے دور کا یا آخری مقام مراد لینا ہوگا اور اگر ”الدُّنْيَا“ سے قریب کا زمانہ مراد لیں تو ”الْآخِرَةُ“ سے دور کا یا آخری زمانہ مراد لینا ہوگا۔ اب اگر ”الدُّنْيَا“ اور ”الْآخِرَةُ“ سے علی الترتیب قریب کا مقام اور دور کا (یا آخری) مقام مراد ہو تو وَجِئْهُمَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کے الفاظ میں بتایا یہ گیا تھا کہ حضرت مسیحؑ کو ایک وجاہت قریب کے مقام پر ملے گی اور ایک وجاہت دور کے مقام پر ملے گی (جو انکی سیاحانہ زندگی کی آخری منزل یعنی ذَاتِ قَرَارٍ کا مصداق مقام ہوگا)۔ گویا اس میں انکی ہجرت کی طرف اشارہ تھا۔ (یہ تورات کے محاورہ کے بھی عین مطابق ہے جس میں بنی اسرائیل کی جلا وطنی کی زمین کو ”ارض آخرہ“ کہا گیا ہے۔) اور اگر ”الدُّنْيَا“ اور ”الْآخِرَةُ“ سے علی الترتیب قریب کا اور دور کا زمانہ یا آخری زمانہ مراد ہو تو آسمیں انکی دو بعثتوں کی طرف اشارہ کیا گیا۔ ایک قریب کے زمانہ کی بعثت۔ اور ایک آخری زمانہ کی بعثت۔ اور بتایا گیا کہ دوسری بعثت کے وقت وہ کہولت کی عمر کو پہنچ چکے ہونگے یعنی جیسا کہ آگے وضاحت آئیگی۔ پچاس سال سے زیادہ کے ہو چکے ہونگے چنانچہ یہ پیشگوئی حضرت مرزا غلام احمدؑ کی ذات میں جنہیں خدا تعالیٰ نے مثیل مسیح بنا کر بھیجا لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح سورۃ آل عمران کی زیر نظر آیتوں کی مخاطب حضرت مریم ہیں اسی طرح اس سے پہلے کی آیتوں کی بھی وہی مخاطب ہیں۔ لیکن انکے درمیان میں روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف کر کے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ

اے رسول یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں۔

غیب کا تعلق ماضی سے بھی ہو سکتا ہے اور مستقبل سے بھی۔ پس یہ الفاظ درمیان میں لا کر خدا تعالیٰ نے خود بتا دیا تھا کہ ان آیات میں ماضی کے متعلق بھی ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو اسوقت (یعنی نزول قرآن کے وقت) پردہ غیب میں ہیں اور مستقبل کے متعلق بھی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ زمانہ محمد اور کہولت ہر دو کے کلام کو بعد از نبوت کا کلام قرار دیکر

لکھا گیا ہے۔ لیکن اگر انہیں سے محمد میں کلام کرنا نبی بننے سے پہلے ہو تو (سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۱ کے مطابق) اس سے پہلے حضرت مسیح کا روح القدس سے مؤید ہونا مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ آل عمران کے الفاظ **يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا** میں یہ خبر دی گئی تھی کہ مسیح اپنی سمجھ بوجھ کی عمر کو پہنچتے ہی (کیونکہ اس سے پہلے انسان **مِنَ الصَّالِحِينَ** نہیں کہلا سکتا اور نہ روح القدس کی تائید کا مستحق ہو سکتا ہے) یعنی آغاز جوانی ہی میں عام لوگوں سے یا اگر الناس کا ال تخصیص کا ہو تو علماء سے دینی امور کے بارہ میں گفتگو کیا کریں گے اور کہولت کی عمر میں بھی کیا کریں گے۔ لیکن بعد کہولت کے کلام کا ذکر نہ کر کے یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ اس کے بعد آپ وہ خاص کلام کرنا جو یہاں مراد ہے ترک کر دیں گے۔ اب ظاہر ہے کہ دینی امور اور عقائد حق کے بارہ میں گفتگو کرنے سے تو نبی اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی باز نہیں رہ سکتا۔ اسلئے **يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا** میں مسیح کی لوگوں کے ساتھ کسی ایسی ہی گفتگو کا ذکر مراد ہو سکتا ہے جو دینی امور کے بارہ میں ہو اور ایسی ہو کہ کوئی شخص نبی بننے سے پہلے بھی ویسی گفتگو کر سکتا ہو اور بعد میں بھی کر سکتا ہو۔ لیکن جس کا ایک مدت کے بعد ترک کر دینا خلاف منصب نبوت بھی نہ ہو۔ سو ظاہر ہے کہ اس سے مناظرانہ گفتگو ہی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف نبیوں کی ایسی گفتگو کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اور دوسری طرف یہ ہے کہ ایسی چیز کہ اس کا صرف ایک مدت تک جاری رکھنا ہی قرین حکمت ہو سکتا ہے۔ ورنہ اس سے طبائع میں ضد کے پیدا ہو جانے اور حق جوئی کے جذبہ کی بجائے ہار جیت کے جذبہ کے دلوں پر غالب آ جانے کا امکان ہوتا ہے۔

=====

یہ پیشگوئی کہ مسیح موعودؑ جوانی ہی سے لوگوں کے ساتھ مناظرے کیا کرے گا مگر نبی بننے کے کچھ عرصہ بعد انکو ترک کر دے گا

اب ہم نے دیکھا ہے کہ قرآن کریم نے جو یہ بات جس کا اوپر ذکر ہوا بیان کی تو اس سے اسکی کیا غرض تھی؟ سو جاننا چاہیے کہ قرآنی قصص بطور پیشگوئی ہوتے ہیں۔ اور اس ذکر میں یہ پیشگوئی تھی کہ اٹھ عہدہ میں بھی ایک مسیح آئے گا۔ جو آغاز جوانی میں ہی لوگوں کے ساتھ

دینی امور میں مناظرے کرے گا۔ اور کہوت کی عمر میں بھی کریگا۔ لیکن پھر یہ طریق تبلیغ ترک کر دیگا۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی ذات میں یہ پیشگوئی تمام و کمال پوری ہوئی۔ دعویٰ نبوت سے پہلے اپنی جوانی میں ہی آپ نے لوگوں سے مناظرات شروع کر دیے تھے۔ اور دعویٰ نبوت کے بعد بھی اس مشغل کو ایک مدت تک جاری رکھا۔ مگر پھر ایک وقت آیا کہ آپ نے اعلان فرما دیا کہ آئندہ کسی سے مناظرہ نہیں کریں گے۔ (دیکھیں انجامِ آتھم و مجموعہ اشتہارات نمبر ۳)

اس موقع پر سوال ہو سکتا ہے کہ اگر کلام سے حضرت مسیح کا دینی امور میں لوگوں کے ساتھ مناظرانہ گفتگو کرنا مراد تھا تو زمانہ مہد کے کلام اور زمانہ کہل کے کلام کو الگ الگ کیوں بیان کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اسلئے کیا گیا کہ اپنے زمانہ مہد اور کہل ہونے کے درمیانی عرصہ میں انہوں نے منصب نبوت پر فائز ہو جانا تھا۔ اور انکی اسکے بعد کی حیثیت اور لوگوں سے گفتگو کا رنگ اس سے پہلے کی حیثیت اور گفتگو کے رنگ سے بالکل نرالا اور نئی شان کا ہو جانا تھا۔

=====

مہدی مسعود المسیح الموعود کی دعویٰ کے وقت عمر اور آپکا عہد رسالت

جیسا کہ آگے ذکر آیا قرآن نے آئندہ بھی ایک نوح کے آئینگی خبر دی ہے۔ اور مسیح موعود کا ایک نام نوح بھی رکھا ہے۔ اور حضرت نوحؑ کے متعلق اسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ
إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ۖ فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ

(العنکبوت ۱۵:۲۹)

اور ہم نے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان میں پچاس کم ہزار برس رہا (اس کی قوم نے اس کا انکار کیا) اس لئے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے طوفان نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

سَنَةِ کا لفظ شمس سالوں کے لئے آتا ہے۔ اور عام کا لفظ قمری سالوں کے لئے۔ اس آیت میں ہزار شمس سالوں میں سے پچاس قمری سال منہا کئے گئے ہیں جو بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔

بات یہ ہے کہ ہزار سال یا اس کے قریب انسان کی طبعی عمر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ حضرت نوحؑ کا زمانہ نبوت تھا۔ پس آئیں سے جو پچاس سال منہا کئے گئے تو اس سے غرض یہ بتانا ہی ہو سکتی تھی کہ دعویٰ نبوت سے پہلے حضرت نوحؑ پر پچاس سال گزر چکے تھے۔ لیکن پچاس سنی یا پچاس قمری سالوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ اور چونکہ حضرت نوحؑ کی دعویٰ کے وقت کی ٹھیک ٹھیک عمر معلوم ہو جانے سے قارئین قرآن کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے سنہ کی بجائے جو عام کا لفظ جو قمری سالوں کے لئے آتا ہے لایا گیا تو اس سے غرض یہی بتانا ہو سکتی تھی کہ آئندہ آنیوالا نوحؑ یعنی مسیح موعودؑ اپنے دعویٰ کے وقت قمری لحاظ سے پچاس سال کا ہو چکا ہوگا۔ اور اس کے لئے قمری سالوں کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ اسکی حیثیت آسمان روحانیت کے شمس محمد رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل قمری ہوتی تھی۔ پس آیت **يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا** میں تو خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ دعویٰ کے وقت وہ اپنی عمر کے زمانہ کھولت کو پہنچ چکا ہوگا۔ لیکن لفظ کھل کا اطلاق چونکہ بھر پور جوان پر بھی ہوتا ہے اور وہ ۵۰ سالہ انسان پر بھی۔ اسلئے اسنے سورۃ العنکبوت کی اس آیت میں کھول دیا کہ اس وقت وہ پچاس سال کا ہو چکا ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق آپؐ کی پیدائش ۱۳ فروردی ۱۸۳۵ء یعنی ۱۳ شوال ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔ اور ٹھیک ۱۳۰۰ھ آپؐ کے دعویٰ کا سال ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب ۱۲۳۰ سال گزر جائیگے تو مہدیؑ کا ظہور ہوگا۔ یہ عرصہ حضورؐ کی رحلت سے شمار کریں تو ۱۲۵۰ ہجری کا سال بنتا ہے۔ اس اعتبار سے آپؐ نے مہدیؑ کی پیدائش کا سال قمری حساب سے بتایا اور قرآن کریم نے اپنی اس آیت میں اسکے دعویٰ کا سال قمری سالوں ہی میں بیان فرمایا۔

اس آیت میں حضرت نوحؑ کا عہد نبوت بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کتنا تھا اور ان کی دعویٰ کے وقت کی معین عمر بھی بتائی گئی ہے مگر سارے قرآن کریم میں کسی اور نبی کے بارہ میں یہ باتیں بتائی نہیں گئیں۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ آج تک نہ کسی نے یہ سوال اٹھایا ہے نہ اس کا جواب دیا ہے۔ آج اللہ کے فضل سے اس کا جواب پیش کیا جا رہا ہے بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے آئندہ زمانہ میں جس نبی کے آنے کی پیشگوئی فرمائی اس نے یعنی مہدیؑ معہود المسیح الموعودؑ نے بشمولیت حضرت نوحؑ تمام نبیوں کے نام پانے تھے مگر سب نبیوں میں سے صرف حضرت نوحؑ کے عہد نبوت اور دعویٰ کے وقت کی عمر کو آپؐ کے عہد نبوت اور دعویٰ

کے وقت کی عمر سے مطابقت ہوتی تھی۔ اس لئے صرف حضرت نوحؑ کے تعلق میں ان دونوں باتوں کا ذکر کیا گیا اور ایسا کر کے جہاں یہ بتا دیا کہ دعویٰ کے وقت مہدی موعودؑ کی عمر پچاس سال ہو چکی ہوگی وہاں یہ بھی بتا دیا کہ اس کا عہد رسالت ہزار سال کا ہوگا۔ چنانچہ آپؑ نے خود بھی فرمایا

”میں مجددِ صدی بھی ہوں اور مجددِ الف بھی“

=====

مسح موعودؑ اُمّتی، اُمّت کا امام، حکم اور شاہد و مشہود ہوگا

جیسا کہ اوپر کے صفحات میں واضح کیا جا چکا ہے۔ سورۃ الفاتحہ، بقرہ اور آل عمران میں مہدی مسعود المسح کے آنے کی خبر دی گئی اور اس کے ساتھ ان کے بارہ میں کئی اور باتیں بیان کی گئی تھیں۔ لیکن بعض لوگوں نے آئندہ ایک مسح کے آنے کی پیشگوئی سے یہ سمجھنا تھا کہ مسیح ابن مریم ہی نے دوبارہ دنیا میں آنا ہے اس لئے اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیات ۱۱۷ تا ۱۱۹ میں مسح کی زبان سے اس بات کے اقرار کا ذکر فرما کر کہ اپنی قوم کے اسے اللہ ٹھہرانے سے پہلے وہ فوت ہو چکا تھا۔ خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جس مسح کے آئندہ آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے وہ ۱۹۰۰ سال پہلے والا مسح نہیں ہوگا بلکہ اس کی نحو والا کوئی شخص ہوگا جو اُمّتِ محمدیہ میں سے برپا کیا جائے گا (کیونکہ آیت وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ وَالشَّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ النساء: ۴۰)۔ کے مطابق آئندہ مقامِ نبوت بلکہ کوئی بھی روحانی درجہ آنحضورؐ کی اتباع کے بغیر ملنا ممکن نہیں۔) اس کے بعد سورۃ التوبہ کی آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ میں بتایا کہ اس کا آنا اسلام کو تمام ادیانِ عالم پر غلبہ دلانے کے لئے ہوگا۔ اور اس کے بعد سورۃ مود کی آیت نمبر ۱۸ میں یہ فرمایا کہ :-

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ
كِتَابٌ مُّوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً

کیا وہ (مخلص) جو اپنے رب کی طرف سے پتہ پر قائم ہو اور اس کی

بیرونی ایسے گواہ کریں جو اس میں سے ہوں۔ اور اس سے پہلے کتاب
موسیٰ جو امام اور رحمت ہے (اس کی خبر دینے والی موجود ہو۔ جھوٹا ہو سکتا
ہے؟)

اس میں آنحضرتؐ کی صداقت کے تین ثبوت پیش کئے گئے۔

نمبر ۱: یہ کہ آپؐ پتہ پر قائم ہیں یعنی قطعی اور یقینی وحی۔ غیر معمولی استقامت۔
نہایت پاک اور بے دارغ زندگی اور خلقِ عظیم وغیرہ کھلے کھلے نشان ساتھ رکھتے ہیں۔

نمبر ۲: یہ کہ آپؐ کی اتباع کرنے والے جو آپؐ میں سے ہیں (اپنے اندر پیدا ہونے
والی پاک تبدیلی کی بنا پر) آپؐ کی سچائی کے گواہ ہیں اور ہوں گے۔ اور

نمبر ۳: یہ کہ آپؐ سے پہلے کتاب موسیٰ نے آپؐ کے آنے کی خبر دی ہوئی ہے۔
اس کے بعد جانا چاہیے کہ شَهِدٌ مِّنْهُ کی ضمیر جس طرح آنحضرتؐ کی طرف جاسکتی ہے اسی
طرح خدا تعالیٰ کی طرف بھی جاسکتی ہے۔ بلکہ لفظ رب کی وجہ سے جو اس سے معاً پہلے آیا ہے اس
کی طرف اس کا پھیرا جانا (یعنی ایک معنی ضمیر کو اس کی طرف پھیر کر لینا بھی) ضروری ہے۔ اور
اگر مِّنْهُ کی ضمیر رب کی طرف ہو تو اس آیت میں بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور آپؐ
کی اتباع کرتا ہوا (آپؐ کی صداقت کا) ایک گواہ آپؐ کے رب کی طرف سے (یعنی اس کا رسول
ہو کر) بھی آنے والا ہے۔

خدا تعالیٰ کے علم میں تھا ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں یہ سمجھا اور کہا جائے گا کہ
محمد رسول اللہ ﷺ کا عہدِ نبوت اب نعوذ باللہ ختم ہو چکا ہے اور موجودہ حالات میں قرآنی تعلیمات
نہ تو کافی ہیں اور نہ سب کی سب قابلِ عمل ہیں۔ چنانچہ ہمارے اس زمانہ میں لاکھوں لوگ جو
بہائی کہلاتے ہیں بعینہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اس نے اس آیت میں اس اعتراض کا
جواب بھی رکھ دیا اور بتایا کہ اس زمانہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے رب کی طرف سے ایک رسول
آئے گا جو آپؐ کی اتباع کرے گا بلکہ آپؐ کی اتباع کی برکت ہی سے رسول بنایا جائے گا اور اگر
آپؐ کی صداقت پر اور اس بات پر کہ آپؐ کا افاضہ روحانیہ جاری ہے اور قرآن اب بھی ویسا ہی
قابلِ عمل ہے جیسا کہ پہلے تھا گواہی دے گا۔ آگے ہے:-

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ

جو لوگ ان باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہیں وہی محمد رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ بھی ایسے ہی لوگ ایمان لائیں گے۔ چونکہ الفاظ اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوسَىٰ اِمَامًا وَ رَحْمَةً سے مقصود یہ بتانا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سچے ہیں اور آپ پر ایمان لانا چاہیے اسلئے اس جملہ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بہ کے یہ معنی بھی ہیں کہ جو آنحضور پر ایمان لاتے ہیں وہ اس شاہد پر بھی جو خدا کی طرف سے آئندہ آنے والا ہے ایمان لائیں گے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے ان کا درحقیقت محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان نہیں ہوگا گو منہ سے لاکھ دعویٰ ایمان کرتے رہیں۔

اس آیت میں آئندہ آنے والے ایک گواہ کا ذکر بتاتا ہے کہ وہ اُمت میں ایک منفرد حیثیت رکھنے والا ہوگا۔ اور مِنْهُ کا لفظ اگر (اس کی ضمیر کا مرجع خدا تعالیٰ ہو) بتاتا ہے کہ وہ خدا کا فرستادہ ہوگا۔ اور یہ لفظ، اگر اس کا مرجع محمد رسول اللہ ﷺ ہوں تو یہ بتاتا ہے کہ وہ آپ میں سے ہوگا یعنی آپ کا روحانی فرزند ہوگا اور شَاهِدٌ مِنْهُ کے الفاظ کا کتاب موسیٰ کے بالمقابل لایا جانا اور کتاب موسیٰ کی صفت امام اور رحمت ہونا بیان ہوتا بتاتا ہے کہ وہ شاہد اُمت کا امام ہوگا اور اس کا وجود سراسر رحمت ہوگا۔ اور چونکہ رحمت مجسم آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے اس کا یہ مطلب بھی ہوا کہ وہ آپ کا بروز اور عکس ہوگا۔

=====

اُمّتِ مسلمہ کے کئی فرقے ہو جانے اور ان میں سے صرف

فرقہ احمدیہ کے ناجی ہونے کی خبر

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بہ کے بعد ہے:

وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَلَانَارُ مَوْعِدُهُ

اور احزاب میں سے جو اسکا کفر کرے گا آگ اسکا موعودہ (ٹھکانہ) ہوگی۔

اس میں صرف وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ نہیں فرمایا بلکہ اس کے بعد مِنَ الْأَحْزَابِ کے الفاظ بھی بڑھائے ہیں۔ چونکہ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بہ کا تعلق محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی ہے اور موعود شاہد یعنی مسیح موعود علیہ السلام سے بھی ہے اس لئے زبردِ نظر الفاظ کا تعلق بھی ان دونوں سے

ہے اور ان میں بتایا یہ گیا کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے وقت میں کتاب موسیٰ کے ماننے والوں کے کئی فرقے ہو چکے ہیں اسی طرح موعود شاہد کے وقت مسلمانوں کے کئی فرقے ہو چکے ہوں گے اور جس طرح اس وقت یہود کے تمام فرقوں میں سے جو بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کرتا ہے آگ اس کا ٹھکانہ ہوگی۔ اسی طرح مسلمانوں کا جو فرقہ بھی موعود شاہد یعنی مسیح موعود کا انکار کرے گا اس کا ٹھکانہ بھی آگ ہوگا اور صرف مسلمان کہلا لینا اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بوضاحت فرمایا کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیگی وہ سب آگ میں ڈالے جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے (اور جب پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي وہ فرقہ ہے جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا (حدیث الصالحین صفحہ ۸۵۵ بحوالہ ترمذی و جامع الصغیر و ابن ماجہ) اور ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ **أَلَا وَهِيَ الْجَمَاعَةُ** خبردار وہ ایک جماعت ہونگے یعنی انکا ایک واجب الاطاعت امام ہوگا۔ اور اس پیشگوئی کے موعود نے بھی فرمایا ”خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ ”جو مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ ہوگا وہ کانا جایگا بادشاہ ہو یا غیر بادشاہ“ (تذکرہ)

ظاہر ہے کہ جب اُمت کے اتنے فرقے ہو جائیں گے اور بمطابق آیت **كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ** (الزُّمَر: ۳۰) انہیں سے ہر فرقہ جو معنی وہ قرآن کے کر رہا ہوگا انہی پر اترتا پھرے گا اور انہی معنوں کو اصل تعلیم قرآن سمجھ رہا ہوگا تو اسوقت لازماً ایک حکم کی ضرورت ہوگی۔ پس اس حکم کو ماننے والا فرقہ ناجی ہوگا اور دوسرے ناری ہونگے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے آنوالے عیسیٰ ابن مریم یا مہدی کے متعلق فرمایا کہ وہ اُمت میں حکم و عدل بن کر آئیگا اسلئے اسیں شبہ نہیں کہ موعود شاہد سے وہی مراد ہے۔

اب دیکھئے ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کے خلاف جو فیصلہ پاکستان کی حکومت نے کیا اس کے بعد بعض اخبارات نے برملا لکھا کہ بہتر کے بہتر فرقے ایک طرف ہیں۔ انہوں نے تو اپنی طرف سے احمدیوں کو حقیر کرنے کے لئے یہ بات کی مگر اس طرح نادانستہ طور پر وہ اس بات پر گواہ ظہر گئے کہ بہتر فرقوں میں جو ایک فرقہ سب سے الگ ہے وہ فرقہ احمدیہ ہے اور آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق باقی سب ناری اور وہی ایک ناجی فرقہ ہے۔ اس کا واقعی ثبوت یہ ہے کہ

فرقہ احمدیہ کے بے شمار لوگ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق رکھنے والے اور صاحب کشف و الہام ہیں اور اسکی ابتداء سے اب تک کہ سو سال بیت چکے ہیں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا کہ ان میں کئی کئی صاحب کشف و الہام موجود نہ ہوں۔ جبکہ باقی بہتر فرقوں میں سے کسی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس نعمت سے سرفراز ہو۔ اس موقع پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایک شاہد کا آنا خدا تعالیٰ کی سنت مستمرہ کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ سورۃ البروج میں ہے:

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ (۲) وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ (۳)
وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ (۴) قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ (۵) النَّارِ
ذَاتِ الْوُوقُودِ (۶)

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور یوم موعود کی اور شاہد اور مشہود کی
خندقوں والے ہلاک ہو گئے (یعنی ضرور بضرور ہلاک ہو گئے۔)

بروج سے علم ہیئت والوں کے قرار دئے گئے ستاروں کی گردش کے مقامات بھی مراد لئے گئے ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان سے کواکب مراد لئے ہیں۔ کواکب اس ستارے کو کہتے ہیں جو فی ذابہ روشن ہو۔ یہاں یہ لفظ استعارۃ انبیاء کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اور ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ جب بھی دنیا میں کوئی نبی آتا ہے اس کی مخالفت ہوتی ہے۔ مگر نہ تو اس کے مخالف فوراً پکڑے جاتے ہیں اور نہ ہی اسکے ماننے والوں کو فوراً غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر کیا جاتا ہے۔ ہاں اس یوم موعود کے آنے پر کافروں کو ہلاک کر کے ان میں اور مومنوں میں ضرور فرق کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ معاملہ ہر صاحب شریعت نبی کے عہد میں کھلے کھلے طور پر دو دفعہ پیش آتا ہے۔ ایک دفعہ اسکے عہد نبوت کے ابتدائی زمانہ میں جو اس کا صحنہ حیات یا اس کے قریب کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور دوسری دفعہ اس کے عہد کے آخری حصہ میں جب ایک ایسا نبی مبعوث ہوتا ہے جس کا اس صاحب شریعت نبی کے ساتھ شاہد اور مشہود کا تعلق ہوتا ہے۔ یعنی ایک اعتبار سے ان میں سے پہلا مشہود اور دوسرا شاہد ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے پہلا شاہد اور دوسرا مشہود ہوتا ہے۔ پس چونکہ ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے ضرور تھا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد نبوت میں بھی ایسا ہی ہو۔ چنانچہ یہی بات اَلْفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابٌ مُّؤَسَّسٌ مِّنْ بَيِّنَاتٍ مِّمَّنْ تَلَا وَكَانَ وَجْهُ النَّاسِ رَاجِعًا اِلَيْهِ ذَلِكُمْ يَوْمَ الْحُجَّةِ الْكُبْرٰی

آنحضور ﷺ سے پہلے کتاب موسیٰ ہے جس کے آپ مُصَدِّق ہیں اور جو آپ کی مُصَدِّق ہے اس طرح آپ کے بعد بھی ایک شخص آئے گا جس کے آنے پر اور اسکی سچائی پر آپ شاہد ہیں۔ اور جو اپنے وجود میں آپ کی پیش گوئیوں کو پورا کرنا والا اور آپ کی صداقت کا گواہ ہوگا۔

اس نبی کے ظہور، مقام ظہور اور وقت ظہور کی خبر قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے اور اس کے ساتھ یہ اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ اس کا ظہور ایک رنگ میں اس کے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا ظہور ہوگا۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل کے شروع میں ہے

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ
الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (آیت ۲)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے مبارک کیا۔ لے گیا تاکہ اسے اپنی آیات دکھائے یقیناً وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اسرائی کا لفظ آتا ہی رات کے سفر کیلئے ہے۔ اسلئے اسرئ بعبدہ کیساتھ جو لیل کا لفظ بڑھایا گیا تو اس سے ظاہر ہے کہ مقصود یہ اشارہ تھا کہ یہاں دو قسم کی راتوں کا ذکر ہے۔ ایک ظاہری رات کا اور ایک معنوی یعنی مجازی رات کا۔ ظاہری رات کو چونکہ رویاء و کشف سے مناسبت خاص ہوتی ہے اسکا ذکر کر کے یہ سمجھایا گیا کہ اس سفر پر جانا آنحضور ﷺ نے کشفی طور پر اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھا تھا اور معنوی رات کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ اس سفر کا تعلق مصائب و آلام کے زمانہ سے ہوگا۔ مگر رویاء یا کشف میں کسی کو ہلایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا نظارہ کروا دینا کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جس کیلئے خدا تعالیٰ کے ہر کمزوری سے پاک ہونے کا ذکر ضروری ہو اسلئے اس سے پہلے جو سُبْحٰنَ الَّذِی کے الفاظ لائے گئے تو اس سے قطعی طور پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ نظارہ ایک ایسے امر کے بارہ میں پیشگوئی کے طور پر تھا جسے وہ ہستی ہی پورا کر سکتی تھی جو ہر کمزوری سے پاک ہو۔

اسکے بعد جانا چاہیے کہ سورۃ الفجر کی ابتدائی آیات میں دس مسلسل آنوالی راتوں کی پیشگوئی کی گئی تھی اور انہیں ایک رات قرار دیکر یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ انسے معنوی راتیں مراد ہیں اور جیسا کہ متعلقہ نوٹوں میں ہم نے واضح کیا ہے جہاں تک حضرت نبی کریم ﷺ کی شخص زندگی

کے زمانہ کا تعلق تھا انے حضورؐ کے دعویٰ کے پہلے تین سالوں کے (جنہیں وہاں فجر کا زمانہ قرار دیا گیا تھا) بعد آنیوالا مسلسل دس سالہ مصائب کا زمانہ اور آپؐ کی قومی زندگی کے تعلق میں ان سے پہلی تین صدیوں (خیر القردن) کے بعد آنیوالا دس سو سالہ مصائب کا زمانہ مراد تھا اور مذکورہ پہلے دس سالوں کے بعد ہجرت از مکہ کی خبر اور اسکے ترقیات اسلام کا پیش خیمہ ہونے کی خبر بھی وہاں ساتھ ہی دی گئی تھی۔ اسلئے سورۃ الفجر میں دی جانوالی ان خبروں کی روشنی میں ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل کی زیر نظر آیت میں آنحضورؐ کے رات کے جس سفر کی خبر دی گئی اس سے آنحضورؐ کا یہی سفر ہجرت مراد تھا اس آیت کے الفاظ لِنَسْرِ يَـمِّنْ اِلَيْتِنَا بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر ایسے سفر کا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بہت سے خاص نشان ظاہر ہو گئے اور وہ یہی سفر تھا۔ آیت کے آخری الفاظ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے عبد خاص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ (اور آپ کے ساتھیوں نے جو آپ ہی کے شجر وجود کی شاخ تھے آپ سے الگ نہیں تھے) نے مصائب سے تنگ آ کر ایسی درد ناک دعائیں کی ہیں جو خدا کے عرش تک پہنچی ہیں اور اسنے سن لی ہیں اور پچشم خود بھی دیکھ لیا ہے کہ حالات محمد رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے مقتضی ہو چکے ہیں۔ اسلئے اسنے آپ کو ایک دور کے مقام پر لیجانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

لیکن سورۃ الفجر کی جن آیات میں ایک دس سالہ زمانہ مصائب کی اور اس کے بعد ہجرت کی خبر دی گئی چونکہ انہی آیات میں ایک دس سو سالہ مصائب کے زمانہ کی خبر بھی دی گئی۔ اس لئے سورۃ بنی اسرائیل کی زیر نظر آیت میں جس رات کے سفر کی خبر دی گئی اس کا تعلق بھی مصائب کے اس پہلے دس سالہ زمانہ ہی سے نہیں دوسرے دس سو سالہ زمانہ سے ہوتا بھی ضروری تھا۔ یہ ایک قطعی دلیل اس بات کی ہے یہ اسرئلی مکانی اور زمانی دونوں لحاظ سے ہونا مقدر تھا اور ظاہر ہے کہ جو سفر ۱۳۰۰ سال کے بعد پیش آنے والا تھا وہ آنحضورؐ اپنے ذاتی وجود کے ساتھ نہیں بلکہ بروزی وجود کے ساتھ ہی کر سکتے تھے۔ اور چونکہ ۱۳۰۰ سال بعد آپ نے اپنے جس پر بروز کی صورت میں ظہور فرمایا تھا از روئے قرآن وہ مہدی موعود کا وجود ہے جیسا کہ آیت **هُوَ الَّذِي ارْسَل رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** اور دوسری کئی آیات سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ آیت **سُبْحَنَ الَّذِي اَسْرٰى بِعَبْدِهِ لَيْلًا**

مَنْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى جو آنحضرت کے ایک زمانی اسری کا بھی ذکر کیا گیا اس سے مراد یہ تھی کہ ترقیات اسلام کی پہلی تین صدیوں کے بعد آنے والی دس تاریک صدیوں کے اختتام پر آپ مہدی کے وجود میں بیت الحرام سے دور کے ایک مقام تک پہنچیں گے اور جیسے اپنے پہلے سفر میں آپ مدینہ پہنچے اور وہاں آپ کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی گئی جس کا نام اگرچہ مسجد نبوی تھا مگر خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اسے مسجد اقصیٰ کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور اسکے ماحول کو اس نے برکت دی ہے اسی طرح آپ کے اس دوسرے سفر میں جس دور کے مقام پر آپ مہدی موعود میں ہو کر پہنچیں گے اس مقام پر بھی مہدی موعود کے حکم سے ایک مسجد تعمیر ہوگی اور اس کے ماحول کو یعنی اس شہر کو جس میں وہ مسجد ہوگی برکت دی جائیگی۔ اس کا نام تو اور ہو گا مگر اس آیت میں اسے مسجد اقصیٰ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا۔ پہلی تین صدیوں کے بعد آنے والی دس تاریک صدیوں کے اختتام پر یعنی ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں حضرت مہدی موعود کا بیت الحرام سے ایک دور کے مقام قادیان سے ظہور ہوا اور چونکہ آپ آنحضرت کے بروز تھے اس لئے ایک رنگ میں آنحضرت ہی بیت الحرام سے اس مقام تک پہنچے۔ یہاں مہدی موعود کے حکم سے ایک مسجد تعمیر ہوئی جس کا نام مسجد مبارک رکھا گیا اور خدا تعالیٰ نے الہاماً بتایا کہ اس کے ماحول یعنی قادیان کو برکت دی گئی ہے۔ چنانچہ یہ راقم الحروف خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر حلفاً شہادت دینا ہے کہ میں قادیان گیا تو وہاں کے گلی کوچوں سے مجھے خدا تعالیٰ کی خوشبو آتی تھی۔ دراصل خدا کے ہر سچے عاشق کی (جیسے حضرت مہدی موعود تھے) یہ ایک خاص نشانی ہوتی ہے کہ ۔

می درخشد زوئے حق در روئے او

بوئے حق آید زبام کوئے او

اس مقام سے خدا تعالیٰ کی ہستی اور قدرتوں اور رحمتوں اور برکتوں کے اتنے نشان ظاہر ہوئے ہیں اور مسلسل ہو رہے ہیں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ دنیا کے کسی شہر اور کسی بستی سے اتنے نشان کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔

روایہ کی زبان میں مسجد سے جماعت، مذہب اور امت بھی مراد ہوتی ہے اس لئے مسجد اقصیٰ کی طرف سفر آنحضرت کا امت کے آخریں کی طرف سفر بھی مراد ہو سکتا ہے اور اس اعتبار سے

بھی اس سے مہدی موعود کا ظہور ہی مراد ہے نہ کچھ اور۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ قادیان میں ایک مسجد بنام مسجد اقصیٰ بھی حضرت مہدی موعود المسیح الموعود کے ظہور کے وقت موجود تھی مگر جس مسجد اقصیٰ کا اس آیت میں ذکر ہے اس سے قادیان کی مسجد مبارک مراد ہے کیونکہ یہی مسجد حضرت مہدی موعود کے حکم سے تعمیر ہوئی اور خدا کے الہام میں اسی کے ماحول کو برکت دی گئی۔ تاہم کچھ عجب نہیں کہ معترضین کے منہ بند کرنے کے لئے خدا ایسے سامان کر دے کہ مسجد مبارک وسیع ہو کر مسجد اقصیٰ سے مل جائے اور اس طرح ظاہری رنگ میں بھی یہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں خدا تعالیٰ نے ایک اور رنگ میں بھی مہدی موعود کی خبر دی ہے۔ آیت ۸۰ میں اسے آنحضور کو مخاطب کر کے فرمایا:

محمد رسول اللہ ﷺ کا عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا
مقام محمود اور مہدی موعود | امید ہو سکتی ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کر دے۔

محمود اسے کہتے ہیں جو تعریف کیا گیا ہو یوں تو ہر نبی ہی کو مقام محمود پر کھڑا کیا جاتا ہے۔ اور خود آنحضرت ﷺ کو اس آیت کے نزول کے وقت بھی ایک مقام محمود حاصل تھا۔ لہذا ان الفاظ کا بطور وعدہ فردا کے فرمایا جانا اور سب نبیوں میں سے صرف آنحضرت کو فرمایا جانا بتاتا ہے کہ ان سے ایسے مقام محمود کا ملنا مراد ہے جو نہ آنحضور سے پہلے کسی کو حاصل ہوا۔ نہ اس وقت تک حضور ہی کو حاصل تھا اور نہ آئندہ کسی کو فلی ذالہ حاصل ہونیوالا تھا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے بتایا الہی بشارتوں کے ساتھ ظاہر یا مخفی شرائط ضرور ہوا کرتی ہیں۔ خود سورۃ بنی اسرائیل کی زیر نظر آیت میں بھی عبادت کے حکم کے بعد یہ وعدہ دیا گیا ہے۔ آنحضرت معلّم کتاب و حکمت بنا کر تزکیہ نفوس کے لئے بھیجے گئے تھے اور ہر معلّم کی تعریف دو وجہ سے ہوا کرتی ہے۔ ایک اس کی ذاتی خوبیوں مثلاً علم میں کمال، دوسروں کو علم سکھانے کی صلاحیت اور اس کے لئے جوش اور خلوص اور محبت اور حسن اخلاق وغیرہ کی وجہ سے اور دوسرے اس سے علم حاصل کر کے باکمال بننے والوں کی وجہ سے اور تکمیل تعریف ان دونوں باتوں کو چاہتی ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو مقام محمود کا تمام و کمال ملنا بھی ان دونوں باتوں کا متقاضی تھا۔

احادیث میں آتا ہے کہ مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے جو قیامت کے دن آنحضور ﷺ کو حاصل ہوگا۔ بیشک آخرت کے لحاظ سے یہ بات بالکل درست ہے مگر اسی کا تقاضہ تھا کہ آنحضور ﷺ اس دنیا میں بھی بنی نوع انسان اور خدا تعالیٰ کے درمیان دوسرے سب نبیوں سے زیادہ واسطہ ہوں۔ کہ اوّل جو کچھ آخرت میں ملے گا۔ وہ دنیا میں بجالائے جانے والے اعمال کا ان سے مطابقت رکھنے والا نتیجہ ہوگا۔ (وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا)۔ دوسرے یہی اصل حقیقت شفاعت کی ہے۔ کیونکہ شفاعت ایک ایسے شخص کا (جسے ایک طرف خدا تعالیٰ سے گہرا تعلق ہو اور دوسری طرف اس بندہ سے تعلق ہو جس کی وہ شفاعت کرنا چاہے) درمیانی واسطہ یا وسیلہ بن کر اس بندے کو خدا تعالیٰ سے ملا دینے کا نام ہے اور جس نبی کو یہ مقام سب سے زیادہ حاصل ہوگا یعنی جو سب سے زیادہ لوگوں کو خدا سے ملا سکے گا۔ اور انہیں وہ مقام قرب دلا سکے گا جو اور کسی نے نہ دلایا ہو وہی مقام محمود کا سب سے زیادہ مستحق ہوگا۔ کیونکہ ”درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔“

لہذا مقام محمود کا وعدہ جو آنحضور ﷺ کو دیا گیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ سب نبیوں سے زیادہ خدا اور بندوں کے درمیان وسیلہ بنیں گے۔ آپؐ کی زیر تعلیم و تربیت سب سے زیادہ لوگ خدا کے قرب کے مقامات پائیں گے۔ اور سب نبیوں کے مقبوعین سے زیادہ بڑے مقامات کے حامل ہوں گے۔

اس کا قفل ثبوت احادیث سے مل جاتا ہے چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدُّعْوَةُ
الْعَامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ ابْنِ مُحَمَّدٍ ۖ أَوْ سَيَلَّةً
وَالْفَضِيلَةَ وَأَبْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا ۖ أَلَدَى وَعَدْتُهُ حَلَّتْ لَهُ
شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(بخاری مترجم باب الاذان صفحہ ۳۲۸)

اس طرح حضرت عبد اللہ ابن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت نبی کریم

ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ
فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ثُمَّ
اسْتَسْلَمَ اللَّهُ لِي الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَبْغَى
إِلَّا بِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ وَارْجُوا أَنِ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ
سَنَّ لِي الْوَسِيلَةَ حَقَّقْتُ لَهُ الشَّفَاعَةَ

(مسلم کتاب الصلوٰۃ)

ان میں سے پہلی حدیث کی رو سے جس شخص نے اذان سننے کے وقت آنحضرت کے لئے وسیلہ اور فضیلت اور موعود مقام محمود کے ملنے کی دعا مانگی اس کے حق میں حضور کی شفاعت واجب ہوگئی اور دوسری حدیث کی رو سے جس نے حضور کے لئے صرف وسیلہ بننے کی دعا مانگی اس کے حق میں شفاعت واجب ہوگئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کا وسیلہ ہونا اور مقام محمود پر فائز ہونا لازم و ملزوم ہیں تاہم وسیلہ ہونا بنیادی چیز ہے اور مقام محمود کا ملنا اس کا لازمی نتیجہ۔ اور یہ جو آنحضورؐ نے فرمایا کہ وسیلہ جنت کا ایک مقام ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ ایک میں ہوں گا تو اس سے یہ بھی قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور کا وسیلہ ہونا دوسرے سب نبیوں سے بڑھ کر ہوگا۔ اور اسی وجہ سے آپؐ کو وہ مقام محمود حاصل ہوگا جو اور کسی نبی کو حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی تائید کے لئے وسیلہ کے بعد فضیلت کی دعا مانگنے کی بھی تلقین کی گئی ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ ایک حد تک وسیلہ تو سب نبی ہی ہوتے ہیں مگر تم اپنے نبیؐ کے لئے یہ دعا کرو کہ آپؐ اس درجہ کے وسیلہ ہوں جو دوسرے سب نبیوں سے بڑھ کر ہو۔

اس موقع پر یاد رکھنا چاہیے کہ روحانی مقامات تو آنحضرت ﷺ نے اپنے اُمتوں کو دلانے تھے نہ کہ اُمتوں نے آپؐ کو لہذا باوجود اس کے کہ متعدد قرآنی اشارات کے مطابق آپؐ اپنے حصہ کی شرائط کو پورا کرنے والے تھے یعنی آپؐ میں وہ تمام باتیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں جو مقام محمود کے حصول کے لئے آپؐ کی ذات میں پائی جانی چاہیے تھیں آپؐ کے اُمتوں کو جو یہ دعا سکھائی گئی تو اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں ہو سکتی تھی کہ آپؐ کو موعود مقام محمود کے تمام وکمال ملنے کا تعلق آپؐ کے اُمتوں سے بھی تھا۔ یعنی اس بات سے بھی تھا کہ آپؐ کی زیر تعلیم و

تر بیت وہ قرب الہی کے وہ مقامات حاصل کریں جن کے دلانے کیلئے انبیاء آیا کرتے ہیں اور دوسرے سب نبیوں کے مقبوعین سے زیادہ حاصل کریں (کیونکہ آپ افضل الانبیاء تھے) یعنی ان میں اتنے زیادہ اور اتنا زیادہ خدا کا قرب پانے والے لوگ ہوں کہ پہلے کسی نبی کے مقبوعین میں نہ ہوئے ہوں۔ پس آپ کے اُمتوں کو یہ دعا سکھا کر خدا تعالیٰ نے دراصل انہیں اس بارہ میں اپنی ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا کیونکہ جب انسان کسی بات کے لئے دعا کرتا ہے اور وہ دعا سچے دل سے ہوتی ہے تو باوجود اس کے کہ دعا بھی ایک کوشش ہے وہ دوسرے ذرائع سے بھی اس کے لئے کماحقہ کوشش ضرور کرتا ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس سے واضح ہے کہ آنحضرتؐ کو مقام محمود کے ملنے کا وعدہ اس بات کا متقاضی تھا کہ حضور خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان سب نبیوں سے زیادہ وسیلہ بن کر دنیا کی مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے لوگوں میں سے سب سے زیادہ لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ملائیں اور سب سے زیادہ ملائیں یعنی ان میں سے بعض کو اس مقام قرب تک بھی پہنچائیں جس تک اور کسی نبی نے اپنے مقبوعین کو نہیں پہنچایا۔

ان میں سے امر ازل تکمیل دین کا اور اسلام کے تمام ادیان عالم پر غالب آنے کا متقاضی تھا اور امر دوم اس بات کا متقاضی تھا کہ آپؐ کی اُمت میں سے مقام نبوت پانے والے لوگ بھی ہوں کیونکہ اس سے کم تر مقام تو سورۃ الْحَدِید کی آیت ۲۰ کے مطابق سابقہ نبیوں کے مقبوعین بھی حاصل کر لیتے تھے۔ لیکن مقام نبوت پانیوالے خواہ کتنے ہی ہوں جب تک کوئی نام نبوت پانیوالا بھی نہ ہوتا یہ امر متحقق نہیں ہو سکتا تھا کہ آنحضرتؐ کی اتباع سے یہ مقام مل سکتا ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ کوئی باقاعدہ منصب نبوت پانے والا بھی ہوتا۔

پس آنحضرتؐ کو ملنے والے مقام محمود کے وعدہ میں اسلام کے ظاہر و باطن تمام مذاہب عالم پر غالب آنے کا وعدہ اور آپؐ کے مقبوعین میں سے کسی کے نبی بن کر آنے کا وعدہ بطور لازمہ کے شامل تھا اور اسلام کا عالمگیر غلبہ جیسا کہ آیت هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَہٗ عَلٰی الدِّیْنِ کُلِّہٖ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ مہدی موعود کے وقت میں مقدر تھا اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس نبی سے مراد مہدی موعود ہے نہ کوئی اور۔ حضرت محی الدین ابن عربی نے بھی لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے ملنے والے مقام محمود کا

تعلق مہدی موعود سے ہے۔

الغرض آنحضرت ﷺ کو مقام محمود ملنے کے وعدہ میں جس طرح یہ بشارت شامل تھی کہ آپ کے جمعین میں سے ایک مہدی بھی ہوگا اسی طرح یہ بشارت بھی شامل تھی کہ مہدی موعود کے زمانہ میں مختلف ممالک اور مختلف قوموں کے بہت سے لوگ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر آپ کی اتباع کی برکت سے خدا تعالیٰ کے مقرب بنیں گے۔ پس مشتاقانِ وصل کو مبارک ہو کہ مہدی موعود کے آنے سے ان کے لئے اُس محبوب ازلی کے وصل کا دروازہ پھر سے کھل چکا ہے۔ اب یہ ان کی مرضی ہے کہ اُس کا دامن پکڑ کر دیوانہ وار اُس دروازہ میں داخل ہو جائیں۔ یا غفلت کے لافوں میں پڑے سوتے رہیں۔ حضرت مہدی موعود اپنے رسالہ الوصیت میں فرماتے ہیں:-

”تمہیں خوش خبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔

اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اُس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں وہ لوگ

جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے

موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے انعام پائیں۔“

کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ دعا ظہور مہدی کیلئے تھی تو اس کے ظہور کے بعد اسے کیوں مانگا

جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعا ایک تو اس لئے جاری رہتی چاہیے کہ مہدی موعود کی

بعثت کے مقاصد تمام و کمال پورے ہوں اور دوسرے اس لئے کہ ایسے بلند روحانی مقامات پانے

والے لوگ آئندہ بھی ہوتے رہیں یہ الگ بات ہے کہ حکمت الہی ان کو یہ نام دینا چاہیے یا نہ

چاہیے۔

اب اسکے بعد ایک دفعہ پھر سورۃ بنی اسرائیل میں مذکور ارشاد ربانی عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا کی طرف لوٹے۔ اس سے پہلے ہے :

اَقِمِ الصَّلَاةَ لِلدُّلُوكِ الشَّمْسِ اِلَى غَسَقِ الْيَلِ وَقُرْآنَ

الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا [۷۹] وَمِنَ الْيَلِ

فَتَهْجُذِبُهُ نَافِلَةً لَّكَ [۸۰]

سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے گھپ اندھیری ہو جانے تک نماز کا

التزام کر اور صبح کی نماز (اور صبح کے وقت قرآن پڑھنے کو لازم ٹھہرالے)

یقیناً (صبح کی نماز اور) صبح (کے وقت) قرآن پڑھنا (ایسا مقبول عمل ہے) جس کی (فرشتوں کی طرف سے) گواہی دی جائے گی۔ اور رات کے وقت قرآن کے ساتھ مجاہدہ کر یہ تیرے لئے ایک نفلی عبادت ہے۔

=====

غلبہ اسلام کی بشارت

مندرجہ بالا الفاظ میں جہاں پانچ فرض نمازوں اور تہجد کی نماز کی تلقین ہے وہاں بطنِ آیت کے لحاظ سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ آفتابِ ترقیاتِ اسلام ڈھلنا شروع ہو جائے گا اور اتنا ڈھلے گا کہ رات چھا جائیگی اور گھپ اندھیرا ہو جائے گا مگر یہ اندھیرا دائمی نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد پھر دن چڑھے گا پھر غلبہ اسلام کا زمانہ آئے گا اور گواہی دینے والے (آسمان پر فرشتے اور زمین پر انسان) گواہی دیں گے۔ کہ واقعی یہ دن آگیا ہے مگر یہ دن یونہی نہیں آجائے گا بلکہ اس وقت جب رات بہت گہری ہو جائیگی ایک شخص جو ایسا فانی الرسول ہوگا کہ گویا وہی ہوگا دنیا میں پیدا کیا جائے گا (یہ استدلال اس سے ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوْكَ الشَّمْسِ اِلَى غَسَقِ الْاَيْلِ فرمایا گیا ہے جب کہ روحانی غسقِ لیل کے وقت حضورؐ نے بنفسِ نفیس دنیا میں موجود نہیں ہوتا تھا)۔ اور ضروری ہوگا کہ وہ اس کے وہ ساتھی جو اس کے شجرِ وجود کی سرسبز شاخوں کے حکم میں ہونگے قرآن کریم کا ہتھیار لے کر دین کی سربلندی کے لئے تن من دھن سے چڑھ کر کریں۔ یہ چڑھ کر نفلی عبادت کے حکم میں ہوگی یعنی بمطابق ارشادِ نبوی تمام فرض عبادتوں سے زیادہ مقرب الہی بنانے والی ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے آ کر غلبہ اسلام کی مہم شروع کی تو اپنے قبیعین کو اس میں شمولیت کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:-

وَإِنْ أَنْفَسَ الْقُرْبَاتِ إِغْلَاءُ كَلِمَةِ الْإِسْلَامِ وَهَذَا وَقْتُهُ
فَلَا تُضَيِّعُوا وَقْتَكُمْ وَقُومُوا كَالْخَادِمِينَ

یعنی سب الہی عملوں سے جو خدا تعالیٰ کی قربت کے لئے کئے جاتے ہیں
کلمہ اسلام کی بلندی چاہنا زیادہ ثواب کا موجب ہے پس اپنے وقتوں کو

ضائع مت کرو اور خادموں کی طرح اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔

(نورالحق صفحہ ۲۹-۳۰)

اور اس کے ساتھ آپؐ نے یہ بشارت بھی دی کہ:-

”اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئیگا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھیکا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھودیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کر لیں اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے ہمارا اسی کی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی، اور زندہ خدا کی تکفلی موقوف ہے۔“ (فتح اسلام صفحہ ۱۰-۱۱)

آخر میں ہم اس آیت کے بارہ میں حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہادریؒ کے چند الفاظ نقل کر دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

”عجیب بات ہے کہ اعداد آیت (عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُومًا) بحساب میل ۱۲۹۶ ہیں اور چونکہ سورۃ بنی اسرائیل کا نزول (جس میں یہ آیت آئی ہے) زمانہ ہجرت سے تقریباً چھ سال قبل ہے۔ لہذا چھ سال منہا کرنے سے ۱۲۹۰ بنتا ہے۔ اور ٹھیک یہ سال حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کا ہے۔“ (یعنی اسی سال میں آپؐ کو خلعت الہام سے نوازا گیا۔ ناقل)

(دستور الارقاء صفحہ ۲۳۳، ۲۳۴)

=====

سورۃ کہف میں مہدی مسعود المسیح الموعود اور آپ کے

اعوان کا ذکر

سورۃ بنی اسرائیل کے بعد سورۃ الکہف آتی ہے اس کی ابتدائی آیات میں ایک ہارس شدید یعنی بہت بڑی جنگ کی خبر دیتے ہوئے پہلے تو عمومی رنگ میں بنی نوع انسان کو ڈرایا گیا ہے اور پھر خصوصیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے والوں (یعنی مسیحی اقوام) کو انذار کیا گیا ہے۔ اور اسکے بعد اعمال صالحہ بجالانے والے مومنوں کیلئے اَجْرًا حَسَنًا کی بشارت دی گئی ہے جس سے صاف اشارہ ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ جنگ عالمگیر جنگ ہوگی مگر مومنوں کیلئے وہ بطور اِتلاء اور آزمائش کے ہوگی۔ جس میں پورا اترنے والے انعام و اکرام کے مستحق ہو گئے۔ البتہ مسیحی اقوام کیلئے وہ بطور عذاب کے ہوگی۔ اسکے بعد ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا

الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝۷

سو (اے رسول) کیا ان کے اس عظیم قرآن پر ایمان نہ لائیں صورت میں (جن نقوش قدم وہ لوگ صفحہ ہستی پر چھوڑنے والے ہیں) ان کے (ان) آثار کی وجہ سے تو مارے غم کے اپنی جان کو ہلاک کر لیگا۔

جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؑ نے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نظر کشنی سے انکے آثار دکھائے گئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر حضور ﷺ کو غم ہوا۔ یہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس سے انکی مادی ترقیات کے آثار یعنی عمارتوں اور کارخانوں وغیرہ کے کھنڈرات مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ دنیا کا متاع کتنا ہی ہو وہ متاع قلیل اور نبی کی نگاہ میں بے حقیقت ہوتا ہے اور کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَان کے مطابق ایک نہ ایک دن اسے بہر حال نابود ہونا ہی ہوتا ہے۔ اسلئے ان کے تباہ ہونے پر آنحضرت ﷺ کو ایسا شدید غم ہوتا کہ جسکی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جائے ممکن نہ تھا۔ لہذا ”آثَارِهِمْ“ سے ان کے مشرکانہ عقائد کے وہ نقوش مراد ہیں جو ایمان نہ لائیں صورت میں وہ لوح عالم پر ثبت کرنے والے تھے۔ جس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ انکی

مادی ترقیات کی تباہی کا ذکر آگے چلکر الگ طور پر کیا گیا ہے۔ نبی چونکہ قیام توحید کے لئے آتا ہے اسلئے شرک سے زیادہ کسی چیز سے اسکو تکلیف نہیں ہوتی۔ پس یہ لوگ چونکہ الوہیت مسیح کا باطل عقیدہ دنیا میں پھیلانے والے تھے اسلئے اپنی نظر کشی میں اس کا نظارہ کر کے آنحضرت ﷺ کو شدید صدمہ ہوا اور اسی کا اس آیت میں ذکر ہے۔

=====

الوہیت مسیح کا باطل عقیدہ پھیلنے۔ اسکے ازالہ کیلئے ایک اور مسیح کے آنے۔ اور اسکے ذریعہ اس عقیدہ کے مٹائے جانکی خبر

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ نبوت چونکہ قیامت تک تھا اور بنا برائیں یہ شرک کا پھیلنا آپ کے زمانہ نبوت میں ہی واقع ہونیوالا تھا اسلئے ضرور تھا کہ آپ کی روح یہ تقاضہ کرتی کہ اسوقت آپ کے کسی بروز کا ظہور ہو تا کہ وہ آکر اس شرک کو مٹائے۔ اور اسی طرح یہ بھی ضروری تھا مسیح کی روح بھی کہ جن کے نام پر یہ شرک پھیلنے والا تھا اپنے ایک بروز کا ظہور چاہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اس بروز کے دل کو بھی اس شرک کو دیکھ کر اسی قسم کا شدید صدمہ ہو جیسا کہ آنحضرت کو ہوا۔ پس اس آیت میں دراصل یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آئندہ ایک زمانہ میں الوہیت مسیح کا عقیدہ دنیا میں بڑے زور کے ساتھ پھیلایا جائیگا اور اس وقت آنحضرت ﷺ کا کوئی بروز ظاہر ہوگا۔ جو بروز مسیح بھی ہوگا۔ یہ صورتحال دیکھ کر اسے شدید صدمہ ہوگا۔ اور پھر اسکی دعا اور کوشش سے یہ شرک دنیا سے مٹا دیا جائیگا۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی ذات میں یہ پیشگوئی نہایت شان سے پوری ہوئی۔ آپ کو آنحضرت کا نام دیکر اور بروز مسیح بنا کر اور ازالہ عقیدہ الوہیت مسیح کے لئے بے انتہا جوش دے کر بھیجا گیا اور آپ کو وہ دلائل دیئے گئے کہ جن سے اس عقیدہ کا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ آپ کے اس جوش کی ایک ہلکی سی جھلک دکھانے کو آپ کا ایک اقتباس پیش ہے۔

فرماتے ہیں:-

”چونکہ میں تثلیث کی خرابیوں کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہوں اسلئے یہ

دردناک نظارہ کہ ایسے لوگ دنیا میں چالیس کڑوڑ سے بھی کچھ زیادہ پائے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھ رکھا ہے۔ میرے دل پر اسقدر صدمہ پہنچاتا ہے کہ میں گمان نہیں کر سکتا کہ مجھ پر میری تمام زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی غم گزرا ہو۔ بلکہ اگر ہم دُغم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا تو یہ غم مجھے ہلاک کر دیتا۔ ہر ایک وقت مجھے یہ اندیشہ رہا ہے کہ اس غم کے صدمات سے میں ہلاک نہ ہو جاؤں..... اور میرا اس درد سے یہ حال ہے کہ اگر دوسرے لوگ بہشت چاہتے ہیں تو میرا بہشت یہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس شرک سے انسانوں کو رہائی پاتے اور خدا کا جلال ظاہر ہوتے دیکھ لوں۔“

پھر فرماتے ہیں:-

”صبح موعود کی علت غائی احادیث نبویہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عیسائی قوم کے دجل کو دور کریگا۔ اور ان کے صلیبی خیالات کو پاش پاش کر کے دکھلا دیگا۔..... یہ امر میرے ہاتھ پر خدا تعالیٰ نے ایسے انجام دیا کہ عیسائی مذہب کے اصول کا خاتمہ کر دیا۔“

یہ صرف آپ نے ہی نہیں فرمایا بلکہ بے شمار لوگوں نے اسکی گواہی دی اور پھر اس سے بڑھ کر اس کا کیا ثبوت ہوگا کہ عیسائی علماء اور متاد آپ کے غلاموں یعنی احمدیوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں پاتے۔ ایک وہ دن تھا کہ وہ مکہ اور مدینہ میں مسیح کا جھنڈا لہرانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اور ایک یہ دن ہے کہ ان کے بے شمار گرجوں پر FOR SALE لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

آیت فَلْعَلْكَ بِأَخْعُ نَفْسِكَ کے بعد ہے:-

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ

* حدیث میں ہے: یُوْجِبُكَ مِنْ عَاضٍ مِنْكُمْ أَنْ يُلْقَى عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ إِمَامًا مُهْدِيًا حُكْمًا عَدْلًا يَكْبِرُ الصَّلَاةَ وَيَقْتُلُ الْخَنَازِيرَ (حدیث الصالحین صفحہ ۸۹۸ بحوالہ مسند احمد بن حنبل) تم میں سے جو اس وقت (روحانی طور) پر زندہ ہو اے عیسیٰ بن مریم کو پائیگا۔ جو امام مہدی حکم و عدل ہوگا۔ صلیب کو توڑیگا اور خنزیروں کو قتل کریگا۔

عَمَلًا (۸) وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا (۹)

اور (اے رسول) جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اسکی زینت بنایا ہے۔ تاکہ لوگوں کو آزمائیں۔ اور دیکھیں کہ کون اچھے عمل بجا لاتا ہے۔ اور (چونکہ اس زمانہ کے لوگ بد عمل ہو کر اپنے رب کے مقام کو بھلا دینے والے ہونگے اسلئے) ہم یقیناً جو کچھ اس زمین پر ہے اسے چٹیل میدان بنا دیں گے۔

=====

یہ پیشگوئی کہ اُمت محمدیہ کے آخرین میں بھی اصحاب کہف ہونگے

اس پر آنحضرت ﷺ کے قلب مطہر میں لازماً یہ خیال آتا تھا کہ مسیحیوں کی ابتدا تو اچھی تھی انکے اندر اصحاب کہف جیسے دین کی خاطر دنیا سے کنارہ کر لینے والے اور قلمی یعنی علمی خدمات بجالانے والے وجود بھی تھے۔ کیا اس آخری زمانہ میں کہ جس میں تمام بنی نوع انسان کی آزمائش ہونیوالی ہے آپؐ کی اُمت میں بھی ایسے لوگ ہونگے یا نہیں؟ اسلئے اس کا جواب دیتے ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ
الْيَتَامَىٰ عَجَبًا (۱۰)

اے رسول! کیا تو سمجھتا ہے کہ اصحاب کہف اور رقیم ہمارے نشانوں میں سے عجب نشان تھے۔ (یعنی ایسے نشان تھے کہ ان جیسا پھر نہیں ہو سکتا)۔

مطلب یہ کہ ہم تیری اُمت کو تباہ نہیں ہونے دیں گے بلکہ اصحاب الکھف والرقیم جیسے لوگ اس زمانہ میں پیدا کریں گے۔

=====

موعود اصحاب کہف کا اعوان المہدی ہونا اور ان کی سابقہ

اصحاب کہف سے مشابہت

آگے یہ بتانے کو کہ کہ آپؐ کی امت کے اصحاب کہف کو سابقہ اصحاب کہف سے کن کن باتوں میں مشابہت ہوگی فرمایا۔

إِذَا وَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ
رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (۱۱)

(اس وقت کو یاد کرو) جب چند نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور کہا اے ہمارے رب! ہمیں اپنی رحمت سے حصہ عطا فرما اور ہمارے معاملہ میں ہمارے لئے بھلائی پیدا فرما۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: -

”أَصْحَابُ الْكَهْفِ أَعْوَانُ الْمَهْدِيِّ“

(در منشور جلد ۴ ص ۲۱۵ مطبوعہ مصر)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ نے قرآن کریم کے اس قصہ کو آئندہ کے لئے پیشگوئی قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ آئندہ ایک مہدی پیدا ہوگا۔ اور موعود اصحاب کہف اسکے مددگار ہوں گے۔

=====

موعود اصحاب کہف کی گہف کی نوعیت

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ سابقہ اصحاب کہف کے زمانہ میں دین کے معاملہ میں جہر و تشدد سے کام لیا جاتا تھا۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے اور اس سورۃ کی آیت ۲۱ اِنْهُمْ اِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعَيِّدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ (اگر انہوں نے تم پر تسلط پالیا تو تم کو سنگسار کر دیئے یا واپس اپنے دین میں لے آئیں گے) سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے اس زمانہ کے اعتبار سے الکہف سے بھی جس میں ان لوگوں نے پناہ لی ظاہری کہف مراد ہوگی۔ لیکن

مہدی موعودؑ کے زمانہ کے متعلق زبان نبوی سے: يَضْعُ الْحَرْبُ کی پیشگوئی ہو چکی ہے۔ یعنی یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسیح جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔ بالفاظ دیگر یہ کہ اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے جنگ اور تشدد نہیں ہوگا۔ بلکہ قلم اور زبان سے اسلام پر حملے ہونگے۔ اس لئے موعود اصحاب گہف کی گہف سے بھی کوئی مجازی گہف یعنی کوئی ایسا مقام ہی مراد ہو سکتا ہے جو دشمنوں کے علمی حملوں کے مقابل پر ایک پناہ گاہ ثابت ہو سکے۔ اور آئیں پناہ لینے سے مراد بھی اس کے ساتھ جہنمی اور روحانی وابستگی ہی ہو سکتی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے والوں یعنی مسیحیوں کے فتنہ کا ذکر ہے۔ اور سورۃ توبہ آیت ۳۲ میں سمجھایا گیا ہے کہ ان لوگوں کا مسیح کو ابن اللہ قرار دینا اپنے مونہہ کی پھونکوں سے خدا تعالیٰ کے نور کو بجھانے کی ایک کوشش ہوگی۔ یعنی وہ اس جھوٹ کو علمی رنگ دیکر حضرت محمد ﷺ کو جو سراسر خدا کا نور ہیں انکے بلند مقام سے گرانے اور اس طرح اسلام کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔

=====

مہدی موعودؑ پر موعود اصحاب کہف کو پہلے سے امیدیں ہوگی

پس اِذَا وَاى الْفِتْنَةُ اِلَى الْكَهْفِ فرما کر خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو بتایا کہ ایک زمانہ آئیگا کہ اصحاب کہف کی طرح دین کیلئے قربانی کا جذبہ رکھنے والے کچھ نوجوان یا جوان ہمت لوگ دشمنوں کے اسلام پر حملوں سے جو اس زمانہ میں علمی رنگ میں ہونگے تک آکر ایک کہف سے یعنی ایک ایسے مقام سے جو دنیا کی نظروں سے اوجھل الگ تھلک ایک مقام ہوگا وابستہ ہو جائیں گے۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہاں انہیں کوئی عالم دین بزرگ ان حملوں کا دفاع کرنے والا نظر آئیگا۔ اور جس طرح بمطابق آیت قَالُوا يٰصَلِّحْ قَدْ كُنْتَ لِيْنَا مَرْجُوًّا اَقْبَلْ هٰذَا (ہود: ۶۳) حضرت صالحؑ سے انکی قوم کو امیدیں تھیں اسی طرح ان کو بھی اس شخص سے امیدیں ہوگی (گویا ایک مماثلت اسے حضرت صالحؑ سے بھی ہوگی) تاہم دشمن کے حملے اتنے شدید اور اس نوعیت کے ہونگے کہ ان کا مقابلہ صرف علم ظاہری رکھنے والے کسی ملایا مجتہد یا کسی معمولی درجہ کے بزرگ کے بس کی بات نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے لئے کسی مامور من اللہ کی ضرورت ہوگی۔

فَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا اسلئے وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا کر۔ اور ہمارے معاملہ میں ہدایت کا سامان کر (ماضی کے صیغے مستقبل کی خبر کے یقینی ہونے پر دلالت کرنے کے لئے بھی لائے جاتے ہیں اسلئے جب اس آیت کو موعود اصحاب کہف پر چسپاں کریں تو معنی مستقبل کے لئے جائیگے)

انکی دعا کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ ہمیں اپنی رحمت سے فلاں چیز دے بلکہ یہ ہیں کہ ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا کر۔ اور خاص خدا تعالیٰ سے ملنے والی دو چیزوں ہی کو قرآن نے رحمت قرار دیا ہے۔ ایک خدا کی کتاب کو اور دوسرے خدا کے رسول کو۔ لیکن قرآن آخری کتاب ہے۔ اس لئے یہی مراد اس دعا سے ہو سکتی ہے کہ ہم میں کوئی رسول مبعوث کر۔ اور ان کا ایک خاص مقام کے ساتھ وابستہ ہو کر یہ دعا کرنا بتاتا ہے کہ تقاول کے طور پر وہ یہی سمجھ رہے ہونگے کہ وہی شخص جسکی وجہ سے انہوں نے اس مقام سے وابستگی اختیار کی ان کے دل کی مراد ہوگا۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر نہ صرف یہ کہ لوگوں کو پہلے سے امیدیں تھیں بلکہ بعض نے تو اس بات کا اظہار کرتے ہوئے کہ آپ ہی مسیح موعود ہوں گے بر ملا کہا: ۔

ہم غریبوں کی ہے تمہی پہ نظر
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

=====

موعود اصحاب کہف مسلمانوں میں سے ہونگے

اس موقع پر ان کا یہ کہنا کہ: **هَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا** صرف یہ نہ کہنا کہ **هَيِّئْ لَنَا رَشَدًا** بتاتا ہے کہ وہ ہدایت عامہ کے نہیں ہدایت خاصہ کے طالب ہونگے۔ یعنی ہدایت عامہ انہیں پہلے سے حاصل ہوگی۔ یہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ زمرہ مومنین میں سے ہونگے۔ اور خدا تعالیٰ سے یہ چاہیں گے کہ جو مشکل انہیں اسوقت درپیش ہے اس سے نکلنے کے راہ انہیں مل جائے۔ اور چونکہ وہ کسی تکلیف سے بچنے کے لئے اس مقام سے وابستگی اختیار کریں گے جیسا کہ **أَوَى** کے لفظ سے ظاہر ہے (جو مصیبت کے بعد امن میں آنے پر دلالت کرتا ہے) اس لئے یہ دعا اس تکلیف کے ازالہ ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔ اور یہ تکلیف جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں

دشمن کے ان حملوں کی تکلیف ہوگی جو وہ اپنی باتوں کو علمی رنگ دیکر اسلام پر کریگا۔ اس لیے حاصل اس دعا کا یہ ہوا کہ اے خدا تو اس مجسم رحمت وجود کے ذریعہ ہمیں قرآن کریم کی وہ صحیح تفسیر اور وہ دلائل و براہین عطا کر جن سے ہم دشمن کے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ اور ان کا منہ بند کر سکیں۔ چنانچہ یہ دعائیں مانگی گئیں اور مستجاب ہوئیں۔ اور خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو ایسے علم قرآن اور صداقت اسلام کے ایسے دلائل و براہین کے ساتھ مسلح فرمایا کہ نہ صرف یہ کہ آپ ایک فتح نصیب جرنیل کی طرح ساری عمر دشمنان دین کو للکارتے رہے اور شکست پر شکست دیتے رہے بلکہ آپ کے متبعین کا مقابلہ کرنا بھی انکے بس کی بات نہیں رہی۔ چنانچہ آپ کی رحلت پر مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر نے لکھا:-

”وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی اگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیڑیاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان بنا رہا۔ جو شور قیامت ہو کر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا..... دنیا سے اٹھ گیا..... مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے۔ ایسے شخص جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو۔ ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عام پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعادی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو ان کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی۔ خاتمہ ہو گیا۔“

دہلی کے اخبار کرزن گزٹ کے ایڈیٹر مرزا حیرت دہلوی نے لکھا:-

”مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ کسی بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا..... اگرچہ مرحوم پنجابی تھا۔ مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی۔ کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندی ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں..... اس کا پرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا رستہ صاف کیا۔ اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔“

(حیات طیبہ صفحہ ۳۴۱-۳۴۲)

=====

موعود اصحاب کہف یعنی اعوان المہدیٰ کو بیرونی دنیا کی باتیں سننے سے باز رکھنے کی پیشگوئی اور اس کی حکمت

وَهَيِّنِي لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا کے بعد ہے :

فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا (۱۲)۔

لہذا ہم انہیں اس کہف میں چند گنتی کے سالوں کے لئے باہر کے لوگوں کی باتیں سننے سے روک دیئے۔

فَضَرَبْنَا مَاضِيَ كَامِغْدٍ ہے لیکن چونکہ ماضی کے قصہ کے ہمراہیہ میں مستقبل کے بارہ میں

خبر دی جا رہی ہے اسلئے ہم نے ترجمہ اس کے مطابق کر دیا ہے۔

فَضْرَبْنَا کا 'ف' ظاہر کرتا ہے کہ یہ نتیجہ ہوگا انکی دعا کا۔ مگر ان کی دعا جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے ایک مامور من اللہ کے لئے ہوگی۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ انکو باہر کی باتیں سننے سے روک دینے کا اس دعا سے کیا تعلق ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ مامور من اللہ کے بھیجے جانے کی دعا میں اسے ماننے کی توفیق پانے کی دعا شامل ہوتی ہے۔ لیکن اسے ماننے میں دو باتیں روک بن جایا کرتی ہیں۔

نمبر ۱: بعض لوگ اس کے دعویٰ سے پہلے بعض پیروں فقیروں کی ظاہری حالت سے مرعوب ہو کر ان سے وابستہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور جب ان کے وہ خود ساختہ بزرگ اس مامور کو نہیں مانتے تو اکثر یہ بھی اسے ماننے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

نمبر ۲: اس مامور کے دعویٰ کے بعد وہ لوگ جن کے دل میں کوئی گند مخفی ہوتا ہے انکی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈا کرنے لگ جاتے ہیں اور تاواقف لوگ اس سے متاثر بھی ہو جاتے ہیں اس لئے فَضْرَبْنَا عَلٰی اٰذِنِهِمْ فِی الْكَهْفِ مَسْنِينَ عَدَدًا فرما کر اور اسے ان کی دعا کا نتیجہ قرار دیکر اللہ نے بتایا کہ یہ دونوں باتیں موعود اصحاب کھف کے زمانہ میں بھی ہوگی۔ پس اس غرض سے کہ ان میں سے ایمان لانے کے مستحق اس سے محروم نہ رہیں اور دوسروں پر اتمام حجت ہو خدا تعالیٰ انہیں باہر کے لوگوں کی باتیں سننے سے روک دے گا۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ انہیں باہر جانے سے ہی روک دے گا۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ اس شخص کے ساتھ تعلق میں جسکی خاطر وہ اس کھف سے وابستہ ہوئے ہونگے خدا تعالیٰ ان کے لئے ایسی وارفتگی اور ایسا نشہ رکھ دے گا کہ اس کے سوا کسی اور کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں جائے گا۔ اور اس بات کی مدت کو مسنین عددا یعنی چند گنتی کے سالوں سے بیان کر کے اور ان الفاظ کو نَمِ بَعَثْنَاهُمْ کے الفاظ سے جو اگلی آیت کے شروع میں آتے ہیں پہلے رکھ کر اشارہ کیا کہ چند سال گزرنے کے بعد ان لوگوں کے کاندھوں پر ایسی ذمہ داریاں آن پڑیں گی جن کی ادائیگی کے لئے ایک حیات نو پانے کے بعد جس کی طرف بھٹا کے لفظ میں اشارہ ہے انہیں باہر نکلنا پڑے گا۔ نیز یہ بتایا کہ اس شخص کے مامور کئے جانے تک ان کی اس سے وابستگی پر چند سال کا عرصہ گزر چکا ہوگا۔

چنانچہ اس پیش گوئی کے عین مطابق بعض لوگ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو

دشمنان دین کے مقابل پر دین کا دفاع کرنے والا عالم اور بزرگ جان کر آپ کے دعویٰ ماموریت سے پہلے ہی آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اور آپ کے ساتھ انہیں ایسا والہانہ تعلق تھا کہ قادیان آتے تو انہیں دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں رہتی تھی۔ نہ ملازمت چھوڑنے کا خوف ہوتا تھا نہ گمربار کی فکر انکے اس تعلق پر اثر انداز ہوتی۔ چند سال گزرنے کے بعد حضرت خلعت ماموریت سے نوازے گئے۔ اس عرصہ میں یہ لوگ آپ کو قریب سے دیکھ کر اخلاص میں اتنے بڑھ چکے تھے کہ اس کے بعد کوئی بڑے سے بڑا املا بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کر سکا۔ بلکہ لوگوں کا اثر قبول کرنے کی بجائے یہ ان پر اثر انداز ہونے کے قابل ہو گئے اور ہزاروں کی ہدایت کا موجب بنے۔ دوسری طرف بعض لوگوں نے ٹھوکر بھی کھائی۔ لیکن جہاں اول الذکر کی تعداد یوں فیوضِ حق چلی گئی مؤخر الذکر کی تعداد کم سے کم ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کے مرنے تک ان کے اکثر حامی انہیں چھوڑ چکے تھے۔ اس کے بعد ہے :-

فَمَّ بَعَثْنَاهُمْ

پھر اس بات پر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ہم نے انہیں اٹھایا یعنی اٹھائیں گے۔

ظاہر ہے کہ یہاں روحانی بعث کا ذکر ہے۔ اور روحانی بعث مامورین کے ذریعہ ہوا کرتا ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ ہم انکی ہدایت کے لئے ایک شخص کو مامور کریں گے اور اس کے ذریعہ انہیں حیات نو اور خدمت دین کا تازہ دلولہ عطا کریں گے۔

لِنَعْلَمَ أَتَى الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى لِمَا لَبِثُوا أَمْدًا (۱۳)

تاکہ ہم جان جائیں (یعنی اس معاملہ میں ہمارا علم ازلی علم وقوعہ بن

* حضرت مہدی موعودؑ کی صحبت میں رہنے والے آپ کے سوا اور سب کچھ کس طرح بھلا بیٹھے تھے اسکے بارہ میں حضرت فتی ظفر احمد صاحب کپور تھلویؒ کی ایک تحریر پیش ہے۔ حضرت مہدی موعودؑ کے نام اپنے ایک خط میں آپ نے لکھا:

جب تک حضورؑ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا کچھ خبر نہ تھی کہ دنیا کہاں بستی ہے اور دنیا کے فکر و غم کیسے ہوتے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ حضورؑ کی خدمت میں حاضر رہنے سے میری ایسی حالت تھی کہ اگر خوش قسمتی سے میری موت ان ایام میں آجاتی تو خدا کی طرف ایسا پاک و صاف ہو کر جاتا جیسا کہ حضورؑ کا اور رسول مقبول ﷺ کا اور جناب باری کا فناء ہے (سیرت ظفر صفحہ ۱۶۹) (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

جائے) کہ دو گروہوں میں سے کونسا ان اقدار کی زیادہ حفاظت کرنیوالا ہے۔ جس کے لئے وہ (اس غار سے وابستہ) رہے۔

ان الفاظ سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہی شخص مامور کیا جائے گا جس کی خاطر انہوں نے اس مقام سے وابستگی اختیار کی ہوگی اور اس کے مامور ہونے پر ثابت ہو جائے گا کہ وہ دو قسم کے لوگ تھے۔ کیونکہ ان میں سے ایک گروہ ان اقدار کا لحاظ رکھنے والا ہوگا اور دوسرا اس کا لحاظ رکھنے والا نہیں ہوگا۔ یعنی ان میں سے ایک گروہ اس مامور من اللہ پر ایمان لے آنے والوں کا ہوگا اور دوسرا اس کا انکار کرنے والوں کا ہوگا۔ دراصل مامور من اللہ کے آنے پر ہمیشہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الصف میں یہ ذکر ہے کہ جب حضرت مسیح نے آکر من انصاری الی اللہ کی آواز بلند کی تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ان پر ایمان لایا اور اسے انکی بات مان لی اور دوسرے گروہ نے انکار کر دیا۔

فَاٰمَنَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرٰٓئِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّائِفَةٌ (۱۵)

پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہی صورت مسیح موعودؑ کے دعویٰ سے پہلے اس کے ساتھ وابستگی رکھنے والوں کو پیش آئے گی۔ چنانچہ اس پیش گوئی کے عین مطابق مہدی موعودؑ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ اسلام کے (جو مسیح موعودؑ بھی تھے) دعویٰ پر وہ لوگ دو حصوں میں بٹ گئے ان میں سے کچھ پورے اخلاص کے ساتھ آپؑ سے وابستہ رہے اور کچھ

یہی فتنی ظفر احمد صاحبؑ فرماتے ہیں:

”میں جب سرشت دار ہو گیا اور پیشی میں کام کرتا تھا تو ایک دفعہ مسلیں وغیرہ بند کر کے قادیان چلا آیا۔ تیسرے دن میں نے اجازت چاہی تو آپؑ نے فرمایا ابھی ٹھہریں پھر عرض کرنا مناسب نہ سمجھا کہ آپؑ ہی فرمائیں گے۔ اس پر ایک مہینہ گزر گیا۔ ادھر مسلیں میرے گھر میں تھیں۔ کام بند ہو گیا اور سخت خطوط آنے لگے۔ مگر یہاں یہ حالت تھی کہ ان خطوط کے متعلق وہم بھی نہ آتا تھا۔ حضورؑ کی صحبت میں ایک ایسا لطف اور محبت تھی کہ نہ نوکری کے جانے کا خیال تھا۔ اور نہ کسی باز پرس کا اندیشہ۔ آخر ایک نہایت ہی سخت خط وہاں سے آیا۔ میں نے وہ خط حضرت صاحبؑ کے سامنے رکھ دیا۔ پڑھا اور فرمایا۔ لکھ دو آتا نہیں ہوتا۔ میں نے وہی فقرہ لکھ دیا اس پر ایک مہینہ اور گزر گیا۔ تو ایک دن فرمایا۔ کتنے دن ہو گئے۔ پھر آپؑ ہی گھنٹے لگے۔ اور فرمایا۔ اچھا اب چلے جائیں۔ میں چلا گیا۔ اور کپور حملہ پہنچ کر لالہ ہر چرن داس مجسٹریٹ کے مکان پر گیا تاکہ معلوم کروں کیا فیصلہ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا۔ فتنی جی آپؑ کو مرزا صاحب نے نہیں آنے دیا ہوگا۔ میں نے کہا ہاں۔ تو فرمایا کہ ان کا حکم مقدم ہے۔“

ٹھوکر کھا کر الگ ہو گئے اور دونوں اتنی تعداد میں تھے کہ ان پر حزب کا لفظ جو گروہ کی معنی دیتا ہے صادق آسکے۔ چنانچہ ان میں سے اول الذکر کی ذیل میں حضرت نشی ظفر احمد صاحب - حضرت نشی اڑوڑے خان صاحب، حضرت محمد خان صاحب اور موخر الذکر کی ذیل میں میر عباس علی صاحب لدھیانوی، غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی، چراغ الدین صاحب، ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پیالوی، الہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ اور شیخ نور محمد صاحب سیالکوٹی (والد ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب) آتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا هُمْ كَـ بَعْدَ هَـ :-

نَحْنُ نَقْصُ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا

بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (۱۳)

فرمایا: نَحْنُ نَقْصُ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ اے رسول ہم تجھے انکی خبر ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ ذکر تو اصحاب کہف کا پہلے سے شروع ہے پھر اس جملہ کا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکا ذکر یہاں سے شروع ہوتا ہے کیا مطلب؟ سو جاننا چاہئے کہ پہلے اس کہف سے وابستہ ہونے والے دو گروہوں* (حزبین) کا ذکر کر کے بتایا گیا تھا کہ ان میں سے ایک ان اقدار کا لحاظ رکھنے والا تھا جس کی خاطر وہ اس مقام سے وابستہ ہوئے اور دوسرا لحاظ رکھنے والا نہیں تھا اور یہاں سے ان میں سے اس گروہ کا ذکر شروع کیا گیا ہے جو ان اقدار کا لحاظ رکھنے والا اور فی الحقیقت اصحاب کہف کہلانے کا مستحق تھا۔ اور چونکہ یہ ذکر آئندہ ہونے والے اصحاب کہف کے لئے بطور پیشگوئی ہے اس لئے مطلب قرآن کریم کے اس بیان کا یہ ہوا کہ موعود اصحاب کہف یعنی احوال الہدی پر وہ باتیں صادق آئیں گی جو ہم آگے بیان کرنے والے ہیں۔

=====

* بعض لوگوں نے ایک گروہ کہف میں داخل ہونے والوں کا اور دوسرا اس سے باہر رہنے والوں کا مراد لیا ہے لیکن فوائد کلام سے اس میں داخل ہونے والے دو گروہ ہی مراد معلوم ہوتے ہیں۔

اعوان المہدیؑ کی علامات

فرمایا:

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ه

وہ (کہف مذکورہ سے وابستگی کی اقدار کو ملحوظ رکھنے والے) چند ایسے نوجوان (یا جوان ہمت لوگ) ہوئے جو پہلے سے اپنے رب پر ایمان لائے ہوئے (یعنی مسلمان) ہوئے اور ہم انہیں (اس مامور کے ذریعہ) ہدایت میں زیادتی بخشیں گے

آگے ہے:-

وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا ۖ

اور جب وہ (اس مسیح کی پکار من انصاری الی اللہ سن کر اس کی مدد پر) ایستادہ ہو جائیئے تو ہم انکے دلوں کو مضبوط کر دیں گے۔

یعنی انہیں برداشت کا حوصلہ اور صبر کی طاقت دیں گے۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی راہ میں بڑی بڑی مشکلات اور دل ہلا دینے والی روکیں آئیں گی اور بمطابق آیت أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يَتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔ الْفُكُيُوتُ ۲۹:۳) انہیں آزمائش کی بھی میں سے گزارا جائے گا مگر بتوفیق ایزدی وہ اس میں پورے اتریں گے۔ آگے ہے:-

فَقَالُوا رَبَّنَا رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَا مِنْ دُونِهِ

إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا (۱۵)

سو وہ کہیں گے ہمارا رب وہی (ایک) ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا کسی معبود کو نہیں پکارتے (اگر کسی اور کو بھی معبود قرار دیں) تو ہم حق سے بہت دور کی بات کہنے والے ہوں گے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ انہیں طرح طرح کے لالچ دیکر یا جان و مال کے نقصان سے ڈرا کر مامور وقت کے دامن سے علیحدہ ہو جانے پر اکسائیں گے۔ مگر وہ لوگ

إِنَّ الدِّينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا (حَم السجده ۳۱:۳۱)

کے مصداق ہوں گے اور ہرگز لوگوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیں گے کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کے خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اگر ہم کسی کے لالچ دلانے سے لالچ میں آجائیں یا کسی کے ڈرانے سے ڈر جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم خدا کے سوا بھی کسی کو معبود مانتے ہیں۔ مگر ایسی دور از حقیقت بات کی ہم سے امید نہ کی جائے۔ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے:

هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهَةً ۖ لَوْلَا يُنُونُ
عَلَيْهِمْ بِسُلْطَنٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ
كَذِبًا (۱۶)

ہماری اس قوم نے اس کے سوا (دوسروں) کو معبود بنا رکھا ہے۔ یہ ان (کے معبود ہونے) پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔ (یعنی چونکہ یہ بے دلیل دعویٰ کرتے ہیں اس لئے جھوٹے ہیں) اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

=====

مہدی موعود کے زمانہ کے لوگ اپنے علماء و مشائخ کی باتوں میں

آ کر اسکا انکار کریں گے اور اسطرح شرک کرنے میں

یہود و نصاریٰ کے مثیل ٹھہریں گے

جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے کہ زمانہ گذشتہ کے اس واقعہ کے بیان سے مقصود زمانہ مہدی کے مسلمانوں کا ذکر کرنا ہے۔ اور وہ بظاہر ماسوا اللہ کے پرستار نہیں ہیں اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات کیوں کہی گئی۔ سو جاننا چاہیے کہ جب یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ وحی نازل ہوئی کہ

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ

تو اس پر ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ ہم ماسوا اللہ کے پرستار نہیں۔ جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اسے جسے انکے اہبار اور رہبان حلال قرار دے دیں حلال اور جسے وہ حرام قرار دے دیں حرام نہیں سمجھتے؟ یہی ان کا ان کو معبود قرار دینا ہے۔ پس یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ وہ لوگ اپنے علماء و مشائخ کے کہنے کو خدا کے حکم پر مقدم کر کے مامور وقت کا انکار کریں گے اور بنا برائیں ماسوا اللہ کو معبود قرار دینے والے ہونگے۔ پس اس طرح یہ بتایا کہ مسیح موعودؑ کے منکر یہود و نصاریٰ کے مثل ہونگے۔ اس سے اگلی آیت ہے۔

وَإِذَا غَتَرَ لُتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوْا إِلَي
الْكُهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ
أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا (۱۷)

جب تم اپنی قوم کے ان لوگوں سے اور جن کی یہ عبادت کرتے ہیں (یعنی ان کے علماء و مشائخ سے) کنارہ کش ہو چکے ہو تو اس کہف میں پناہ لو۔ تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیگا۔ اور تمہارے معاملہ میں آسانی پیدا کر دیگا۔

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہف میں تو وہ پہلے ہی پناہ لے چکے ہونگے۔ جیسا کہ اِذَا وَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكُهْفِ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پھر اس قول کی کہ فَأَوْا إِلَي الْكُهْفِ (تم اس کہف میں پناہ لے لو) کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

سو جاننا چاہیے کہ اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ پہلی جگہ ان کا اس کہف میں پناہ لینا اور رنگ کا یا اور معنی میں ہو۔ اور دوسری جگہ اور رنگ کا یا اور معنی میں۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ پہلی جگہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ شخص جس کی خاطر انہوں نے یہ قدم اٹھایا ابھی مامور نہیں ہوا ہوگا۔ اور دوسری جگہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ مامور ہو چکا ہوگا۔ اس لئے لازماً پہلی جگہ نسبتاً کم درجہ کی اور دوسری جگہ نسبتاً زیادہ درجہ کی وابستگی مراد ہوگی۔ ایسے زیادہ درجہ کی کہ گویا پہلی وابستگی اسکے مقابلہ پر کوئی وابستگی ہی نہیں تھی۔ چنانچہ ماموریت سے پہلے تو اس شخص یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ کوئی آپ سے بیعت لینے کی درخواست کرتا تو آپ یہ کہہ کر کہ لُتُمُو بَہْمَا مَورِ انکار کر دیتے۔ اس لئے اس وقت تک لوگوں کے

قادیان کی طرف ہجرت کر آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب آپ مامور کئے گئے تو پھر آپ نے خود لوگوں کو کہنا شروع کر دیا کہ جتنا زیادہ ممکن ہو آ کر صحبت میں رہیں۔ اس لئے جو لوگ آپ کے پاس یعنی قادیان میں ہجرت کر آئے ان کا کام تھا کہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں۔ پس ان آیات میں یہی بتایا گیا کہ پہلے تو لوگ اس مقام کے ساتھ صرف ذہنی اور روحانی وابستگی اختیار کریں گے۔ لیکن جب وہ شخص جس کی خاطر انہوں نے اس مقام کو اپنی پناہ گاہ جان کر اس سے وابستگی اختیار کی ہوگی مامور کیا جائے گا تو اس کے بعد وہ وہاں ہجرت کر آئیں گے اور صرف خود ہی ہجرت نہیں کر آئیں گے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کریں گے۔ اور بتائیں گے کہ ایسا کرو گے تو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ اور تمہاری اپنے مقاصد دیدہ میں کامیابی آسان بنا دے گا۔ چنانچہ یہ سب باتیں بھی لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔

=====

موعود اصحاب کہف یعنی اعوان المہدی کے اپنے پہلے مرکز سے ہجرت کرنے اور نئے مرکز میں پناہ پانے کی پیشگوئی

قرآن کریم ذوالمعارف ہے ایک ایک لفظ میں کئی کئی اشارات ہوتے ہیں۔ اس لئے اِذَاوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكُهْفِ کے الفاظ میں ان کے ایک کہف میں پناہ گزین ہونے کا ذکر پہلے آجانے کے باوجود جو فَاوَا اِلَى الْكُهْفِ کے الفاظ لائے گئے تو اسکی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پہلی جگہ اور کہف کا ذکر ہو اور دوسری جگہ اور کہف کا (اس صورت میں اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ موعود اصحاب الکہف کو اپنی پہلی کہف۔ قادیان۔ سے ہجرت کر کے ایک اور کہف یعنی ایک اور ویسے ہی دنیا سے الگ تھلک مقام میں پناہ لینا پڑے گی۔ چنانچہ جماعت کا مرکز بننے کے وقت ربوہ ایسا ہی مقام تھا) اور اس کے بعد لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ میں یہ اشارہ ہو کہ اس وقت وہ دو گروہ ہو چکے ہونگے۔ ایک ان اقدار کا لحاظ رکھنے والا جس کے لئے انہوں نے اس ”کہف“ میں پناہ لی اور دوسرا ان کا لحاظ نہ رکھنے والا۔

چنانچہ ہجرت از قادیان سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والے مباحثین

خلافت اور غیر مبایعین دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ مگر ہجرت کے بعد مبایعین نے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو جاری رکھا مگر غیر مبایعین غیر احمدیوں میں مل جل کر رہ گئے اور اس طرح ان دونوں میں کھلی کھلی تمیز ہو گئی۔

=====

نئے مرکز کا نام ربوہ ہونے اور اسکی مرکز بننے سے پہلے اور بعد کی کیفیت اور دیگر اہم امور کے بارہ میں پیشگوئی

حضرت مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کی اپنے پہلے مرکز سے ہجرت کی خبر اور نئے مرکز بننے سے پہلے کی اور بعد کی کیفیت قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اسنے آپؑ کا نام ابراہیم بھی رکھا اور سورۃ البقرہ آیت ۱۲۷ میں یہ بتایا کہ ملتہ کے وجود میں آنے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اس بے آب و گیاہ جگہ پر کھڑے ہو کر جہاں بعد میں یہ شہر بنادعا کی کہ خدا یا اس جگہ شہر بنا دے جو امن والا ہو اور اسکے اہل کو ثمرات سے نواز اور سورۃ ابراہیم آیت ۳۶ میں یہ بتایا کہ جب یہ جگہ عملاً شہر بن گئی تو انہوں نے پھر اسیں کھڑے ہو کر اسکے امن والا شہر ہونے کی دعا کی۔ (جس سے ظاہر ہے کہ اسکے شہر بننے سے پہلے بھی اور اسکے بعد بھی اسکے مبارک قدم اس پر پڑے) اور جیسا کہ آیت ۳۸ سے ظاہر ہے اپنی ذریت کو اس غیر ذی ذرع مقام پر آباد کرنے کی غرض انہوں نے یہ بیان کی کہ تا وہ نماز قائم کریں اور اس غرض کے پورا ہونے کے لئے یہ التجا بھی کی کہ اے میرے رب لوگوں کے دلوں کو انکی طرف پھیر دے اور انکو ثمرات عطا کر تا وہ شکر گزار ہوں۔

چونکہ قرآنی قصص بطور پیشگوئی ہوتے ہیں (جیسا کہ ارشادِ ربّانی **فِيهِ ذِكْرُكُمْ** سے اور اسی طرح **بَلَّغْ لَكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ** سے اور کئی دوسری آیات سے ظاہر ہے) اس ذکر میں یہ اشارہ تھا کہ آئندہ بھی ایک ابراہیم پیدا ہو گا اور اسکے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آئے گا۔ اور چونکہ حضرت مہدی موعودؑ ہی کا نام خدا تعالیٰ نے ابراہیم رکھا اس لئے یہ پیشگوئی آپؑ ہی کے بارہ میں تھی۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ روایہ و کشف میں کبھی ایک چیز ایک شخص کے بارہ میں دکھائی

جاتی ہے اور وہ پوری اسکے کسی بیٹے کے ذریعہ ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت مہدی مسعود نے خود ہجرت نہیں کی مگر آپ کے ایک بیٹے اور خلیفہ کو قادیان سے ہجرت کرنا پڑی اس میں شبہ نہیں کہ اس پیشگوئی کا اس بیٹے ہی کی ذات میں پورا ہونا مقدّر تھا مگر اس غرض سے کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے۔ خدا تعالیٰ نے کئی سال پہلے اس بیٹے کی زبان پر الہاماً یہ الفاظ جاری فرمائے کہ اَنَّا الْمَسِيحُ الْمَوْعُودُ مَبْنِيٌّ وَ خَلِيفَتُهُ۔ چنانچہ جب آپ کے اس بیٹے اور خلیفہ کو اپنے مہاتمین سمیت قادیان چھوڑ کر ہندوستان سے پاکستان آنا پڑا اور یہاں نئے مرکز کی ضرورت پیش آئی تو خدائی اشاروں اور تصرف کے ماتحت آپ نے جو جگہ مرکز بنانے کے لئے پسند کی وہ مکہ مکرمہ کی طرح بالکل بے آب و گیاہ جگہ تھی۔ آپ نے بھی انہی دعاؤں کے ساتھ جو حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے مانگی تھیں اس جگہ کھڑے ہو کر نئے مرکز کی بنیاد رکھی اور آپ کی ان دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے خدا تعالیٰ نے اسے شہر بھی بنا دیا۔ آبادی کے لئے جو بنیادی ضرورت تھی یعنی پانی وہ بھی آسمیں سے نکال دیا اور اسکے رہنے والوں کو نہ صرف مادی پھلوں سے بلکہ ایمان کے ثمرات سے بھی بکثرت نوازا اور مسلسل نواز رہا ہے۔ پھر لوگوں کے دلوں کو بھی اس کے رہنے والوں کی طرف پھیر دیا اور دنیا کے کونے کونے سے لوگ یہاں آنے لگے اور یہاں کے لوگ ساری دنیا میں قیام صلوة کا ایک ذریعہ بن گئے۔ مگر اسی پر بات ختم نہیں ہوئی بلکہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ اشارہ بھی فرمایا تھا کہ اس مرکز کا نام ربوہ ہو گا۔ آپ کے جس بیٹے کے ذریعہ یہ پیشگوئی پوری ہونے والی ہے وہ اور اسکی والدہ ماجدہ یہاں آئیگی اور یہ جگہ انکی آخری قیام گاہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت مسیح کے متعلق قرآن کریم میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ أُمَّهُ آيَةً وَ أَوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ

قَرَارٍ وَ مَعِينٍ (المومن ۵۱:۲۳)

اور ہم نے ابن مریم اور اس کی اُم کو نشان بنایا اور ان دونوں کو ربوہ میں

جو ذات قرار و معین ہے پناہ دی۔

چنانچہ مسیح ثانی حضرت مسیح مسعود کے اُس بیٹے خلیفہ اور مثیل نے اپنی جماعت کے مرکز

کے لیے جو جگہ پسند کی (اردگرد کی جگہوں سے اونچی ہونے کی وجہ سے) اس کا نام ربوہ رکھا۔ آپ

یہاں رہنے کے لئے تشریف لائے تو آپکی والدہ ماجدہ آپکے ساتھ تھیں اور یہ مقام ان دونوں کی آخری آرام گاہ بھی ثابت ہوا۔ اور اگرچہ ظاہر میں یہ ایک بے آب و گیاہ جگہ تھی مگر وَمَعِينُ کے لفظ کے مطابق اس سے علم و عرفان کے ایسے چشمے پھوٹے کہ ایک عالم ان سے سیراب ہو رہا ہے۔ اور نیوب ویلوں کی صورت میں تو مادی پانی کے چشمے بھی گھر گھر پھوٹ رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے اس زمین میں سے پانی نہیں نکلتا تھا۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ :

نمبر ۱ قرآن کریم کی یہ پیشگوئیاں حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق تھیں۔

نمبر ۲ آپؑ مثیل مسیحؑ ہیں اور

نمبر ۳ حضرت مصلح موعودؑ آپؑ کے مثیل ہیں۔

جب یہ بتایا گیا کہ اصحاب کہف نے اپنی قوم کو رحمتوں اور ترقیات کے دروازے کھلنے کی خبر دی تھی تو چونکہ اس قصہ کے پیرایہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آئندہ بھی اصحاب کہف ہونگے اور ان کے وقت میں ایسے ہی واقعات دہرائے جائیں گے اس لئے یہ بتانے کو کہ

موعود اصحاب کہف کی ترقیات کی نوعیت کیا ہوگی اور گزشتہ اصحاب

کہف اور ان اصحاب کہف کی ترقیات میں کیا فرق ہوگا

فرمایا:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ
الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي
فَجْوَةٍ مِّنْهُ (۱۸)

تو دیکھے گا کہ سورج جب طلوع کریگا تو انکی کہف سے دائیں طرف سے
ہو کر گزریگا اور جب ڈوبے گا تو بائیں طرف سے کترا کر نکل جائیگا اور وہ
ان کے درمیان کھلے میدان میں ہونگے۔

مطلب یہ کہ آفتاب (روحانیت یعنی مأمور وقت) کے نصف النہار تک پہنچنے (یعنی
اس کے مشن کے بام عروج کو چھونے تک) تو اسکی روشنی اس کہف کے دائیں طرف پڑیگی یعنی

اسکی قوم دینی اعتبار سے ترقی کر گئی اور زیادہ تر دین کے رنگ میں خدا تعالیٰ کے فضل اسپر ہو گئے۔ اگرچہ کچھ دنیوی فوائد بھی انکو ملیئے (جیسا کہ مادی سورج جب چڑھتا ہے تو اسکی روشنی زمین کے اس حصہ پر جو بالکل اسکے سامنے ہو زیادہ پڑتی ہے مگر پڑتی دوسرے حصہ پر بھی ہے) لیکن اسکے بعد جوں جوں اسکے زمانہ کا آخر آتا جایگا اسکی روشنی اس کہف کے بائیں جانب زیادہ پڑ گئی اگرچہ کسی قدر دائیں جانب بھی پڑ گئی یعنی اسکی قوم کو زیادہ تر دنیوی ترقیات اور انعامات حاصل ہو گئے اگرچہ کچھ افراد اس کے دین اور روحانیت میں ترقی پانے والے بھی ہو گئے۔ یہ الفاظ دیگر یہ کہ مہدی مسعود مسیح الموعود کے ابتدائی زمانہ میں دینی لحاظ سے ترقی پانے والے لوگ زیادہ ہو گئے اور اسکے آخری زمانہ میں ایسے لوگ کم ہو گئے۔ چنانچہ انبیاء کے وقت میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ آیت: **ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ** (الْوَاقِعَةُ: ۵۶-۱۳-۱۵) میں اس کا ذکر ہے۔

یہ پیشگوئی بھی لفظ بلفظ پوری ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ میں ایمان لانے والوں میں سے اکثریت صاحب کشف و الہام لوگوں کی تھی۔ مگر اس کے بعد انکی تعداد کم ہوتی گئی تاہم بفضلہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے وجود سے جماعت خالی کبھی نہیں ہوئی۔ یہ خبر دینے کے بعد **وَهُمْ فِي فُجُورَةٍ مِّنْهُ** کے الفاظ لا کر جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کے درمیان کھلے میدان میں ہو گئے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ ان کے لئے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی ترقیات کا میدان کھلا ہوگا۔ جس میں چاہیں اور جتنی چاہیں ترقی کر لیں۔ فرمایا یہ اللہ کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔

ذَٰلِكَ مِّنَ آيَاتِ اللَّهِ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَبُهِدَ اللَّهُ لَهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضِلِّ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (۱۸)

جسے اللہ ہدایت دے وہ (ان نشانوں سے اس مامور کی اور قرآن کی) صداقت کو پایگا۔ لیکن جسے وہ (اس کے لائق نہ سمجھے اور) گمراہ کر دے (یعنی اسکے مقدر میں گمراہی لکھ دے) تو (اسکے بعد) تو اس کا کوئی ایسا دوست نہیں پائے گا جو اسے (خدا تعالیٰ کی) راہ دکھائے۔

ابھیں بتایا کہ اس موعود کے ماننے والوں میں تو خدا رسیدہ ہو گئے مگر اس سے الگ

رہنے والوں میں نہیں ہونگے۔ چنانچہ اس کی طرف سورۃ یٰسین کی آیت ”وَمَا أُنْزِلْنَا عَلٰی قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ“ میں بھی اشارہ ہے۔ حضرت مہدی موعودؑ نے خود بھی فرمایا ہے:

”اس (مجدد وقت) کو خواص انبیاء اور رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر افضل الرسل ﷺ ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور اسکے قدم پر چلنا موجب نجات و سعادت و برکت اور اس کے برخلاف چلنا موجب بُعد و حرمان ہے۔“ (اشہار منکک آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۵۷)

نیز فرمایا:

”خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ رہے گا وہ کاٹا جائے گا بادشاہ ہو یا غیر بادشاہ (تذکرہ ۳۰۷)۔ یعنی اسکا پیوند خدا تعالیٰ سے قائم نہیں ہوگا اور اگر پہلے تھا بھی تو قائم نہیں رہے گا۔“

اسی طرح فرمایا:

”میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پرکھتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے اور خدا اور رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائیگا مگر یاد رکھو کہ تمام مخالفوں کے لئے یہ دروازہ بند ہے۔“ (اربعین نمبر ۱)

چنانچہ یہ بات گذشتہ سو سال سے دیکھنے میں آرہی ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مہدی موعود ہونے اور آپ کی جماعت کے (مثلمان) اصحاب کھف ہونے کا ثبوت ہے۔ اسکے بعد یہ بتانے کو کہ: موعود اصحاب کھف کی بیداری ایک طرح کی نیند اور نیند ایک طرح کی بیداری ہوگی۔ فرمایا:

وَلَحَسْبُهُمْ اِنْ قَاطَاوْهُمْ رُقُودٌ (کھف آیت ۱۹)

(اے آئندہ ہونیوالے اصحاب کھف کے زمانہ کے مخاطب قرآن) تو

سمجھتا ہے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔

اسکے دو اشارے ہیں۔

نمبر ۱ یہ کہ انکی ابتدائی حالت (جبکہ وہ اپنی اس کہف سے نکل کر دنیا میں پھیلے نہیں ہوئے) ان کی مستقبل کی حالت کے مقابلہ میں ایسی ہوگی جیسی ایک بیدار کے مقابل پر سونے والے کی حالت ہوتی ہے۔ یعنی اگرچہ ان میں جان تو دکھائی دے گی مگر مستقبل میں جس طرح انہوں نے دنیا کے مشرق و مغرب میں پھیل جانا ہے اسکے مقابل پر انکی اس وقت کی حالت کو بیداری کی نہیں خواب کی حالت کہنا چاہیے۔

نمبر ۲ یہ کہ (برطانیق آیت اَلَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ) ان پر فرشتوں کا نزول ہوگا اور ان کو ایسے صاف اور صریح طور پر بعض امور غیبیہ پر اطلاع دی جائیگی کہ تم خیال کرو گے کہ ان لوگوں نے یہ سب کچھ عالم بیداری میں اپنی مادی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حالانکہ انہوں نے وہ باتیں خواب یا ربودگی کی حالت میں یعنی رویاء و کشوف میں اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھی ہوگی۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر صحابہ مہدی موعود میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے روشن و واضح رویاء و کشوف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نمبر ۱ والدہ صاحبہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نہایت بزرگ صاحب کشف و الہام خاتون تھیں۔ انہیں ایک خواب میں دکھایا گیا کہ اگلے جمعہ کے روز کو انکے میاں کی وفات ہوگی۔ انکو اس پر ایسا یقین تھا کہ ساری اولاد کو بلوایا اور تابوت اور کفن تک کا انتظام کر لیا اور عین اسی روز انکے میاں (حضرت چوہدری ظفر اللہ خان کے والد بزرگوار) کی وفات ہو گئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب میری والدہ مصنفہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب)

نمبر ۲ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجپوتی حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی تھے۔ ایک دفعہ جناب صاحب خان صاحب نون نے جو فیروز خان صاحب نون کے چچا تھے اور ایک ضرورت کے وقت حضرت مولوی صاحب موصوف کے کام آچکے تھے آپ کو اپنے تین مقاصد کے لئے دعا کی تحریک کی:-

اول یہ کہ وہ افسر مال کے عہدہ پر فائز ہیں اور باوجود سینئر ہونے کے ان کو ترقی نہیں ملی اور جوئیر افسر ڈپٹی کمشنر بن گئے ہیں۔ دوسرے ان کی خواہش ہے کہ ان کو خان بہادر کا خطاب مل جائے۔ تیسرے ان کے ہاں مزید اولاد پیدا ہو۔

حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ ”میں نے ان کے تینوں مقاصد کے لئے دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا اور ان کے احسان اور حسن سلوک کو پیش نظر رکھ کر دلی توجہ سے ان کے لئے دعائیں جاری رکھیں۔ یہاں تک کے میرے سامنے کشفی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کاغذ پیش کیا گیا۔ جس میں لکھا ہوا تھا کہ وہ ڈپٹی کمشنر بنائے جائیں گے۔ اور سب سے پہلے ان کا تقرر ضلع گوجرانوالہ میں ہوگا۔ ان کو خان بہادر کا خطاب ملے گا اور ان کے ہاں لڑکا بھی تولد ہوگا۔ جس کا نام مجھے احمد خان بتایا گیا۔“

اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت احسان اور فضل ہے کہ اس پیش خبری کے عین مطابق وہ ڈپٹی کمشنر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اور سب سے پہلے ان کا تقرر گوجرانوالہ میں ہوا انہوں نے اس تقرری کے بعد مجھے لکھا کہ آپ کا اطلاعی خط میرے سامنے پڑا ہوا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے علام الغیوب ہونے پر حیرت سے غور کر رہا ہوں۔ پھر ان کو خان بہادر کا خطاب سرکار کی طرف سے دیا گیا اور یکم مئی ۱۹۳۹ء کو ان کے ہاں لڑکا بھی پیدا ہوا اور جس طرح بہت عرصہ پیشتر میں نے اس بچہ کا نام احمد خاں دیکھا تھا۔ سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حسن اتفاق سے اس کا نام احمد خاں ہی تجویز فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

انہی حضرت مولوی غلام رسول راجیکیؒ کا ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے۔ ۱۹۳۸ء میں ہندوستان کی لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کے لئے الیکشن ہونے والے تھے۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے جماعت کو ہدایت فرمائی کہ فلاں شخص کو ووٹ دیا جائے اس پر وہ لوگ جو چاہتے تھے کہ دوسرے کو ووٹ ملے سخت برہم ہوئے اور ایک بھٹی رئیس حاتم علی نامی نے تو مخالفت کی انتہا کر دی اور جوش اور غیظ میں نہ صرف احمدیوں کو گالیاں دیں بلکہ حضرت مولانا صاحب سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی سب دشمن کا نشانہ بنایا اور ان بزرگ ہستیوں کی سخت ہتک اور توہین کا ارتکاب کیا۔ جب اس کی بد زبانی کی انتہا ہو گئی تو حضرت مولانا راجیکی صاحب نے حاضرین مجلس کے سامنے اس کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

”حاتم علی! دیکھ اس قدر ظلم اچھا نہیں تیرے جیسوں کو خدا زیادہ مہلت نہیں دیتا۔ یاد رکھ اگر تو نے توبہ نہ کی تو جلد پکڑا جائے گا۔“

حضرت مولوی صاحب مجمع عام میں یہ الفاظ کہہ کر اور احباب جماعت کو صبر کرنے اور

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ کی دعا پڑھتے رہنے کی تلقین کر کے واپس قادیان تشریف لے گئے۔ حاتم علی آپ کے جانے کے معا بعد بعارضہ سل بیمار ہو گیا۔ مقامی طور پر علاج کی کوشش کی اور آخر میو ہسپتال لاہور میں ماہر ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ مگر۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

قریباً چار ماہ کی شدید تکلیف دہ علالت کے بعد یہ معاند احمدیت اپنے جاہ و جلال کو چھوڑ کر دنیا سے اٹھ گیا۔

رائے ظہور خان ناصر صاحب آف بھاکا بھٹیاں ضلع گجراتوالہ بیان کرتے ہیں کہ حاتم علی کی وفات کے دوسرے دن جماعت احمدیہ شاہ مسکین شینوپورہ کا تبلیغی جلسہ تھا اس میں شمولیت کے لئے علاوہ اور علماء سلسلہ کے حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے مرحوم بھائی مولوی امیر احمد صاحب بھی اس جلسہ میں شریک ہونے کے لئے شاہ مسکین گئے اور وہاں پر حضرت مولانا صاحب سے ملائی ہوئے۔ آپ نے میرے بھائی جان کو دیکھتے ہی فرمایا۔ ”سنائیے بھائی محمد امیر اس گالیاں دینے والے حاتم علی کا کیا حال ہے“ میرے بھائی مرحوم نے بطور امتحان کے اصل واقعہ کو چھپاتے ہوئے عرض کیا کہ حاتم علی کے غرور و تکبر کو آپ جانتے ہیں اس میں کیا کمی ہو سکتی ہے۔ یہ سن کر حضرت مولوی صاحب متبسم چہرے سے فرمانے لگے۔ ”مگروں میں آواں تے سلجھ توں دیویں۔ مجھ سے بات چھپاتے ہو۔ جس دن سے میں تمہارے گاؤں سے گیا ہوں اس دن سے حاتم علی کی بیماری اور اس کے علاج کی کیفیت متواتر مجھے بذریعہ کشف بتائی جا رہی ہے۔ کیا کل تمہارا سارا گاؤں اس کو قبرستان میں دفن کر کے بارش اور آندہی میں واپس نہیں لوٹا۔“

چونکہ واقعات ہو بہو اسی طرح ہوئے تھے میرے بھائی صاحب حضرت مولوی صاحب کی زبانی یہ کیفیت سن کر حیران ہو گئے۔ کہ کس طرح ایک سومیل کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے جملہ حالات سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ساتھ ساتھ آگاہ فرمایا۔ چنانچہ میرے بھائی صاحب نے شاہ مسکین کے جلسہ میں حاضرین کے سامنے احمدیت کی صداقت کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا اور ہمیشہ لوگوں کے سامنے حلیفہ اس واقعہ کا ذکر کرتے تھے۔ سچ ہے۔

جو خدا کا ہے اسے لکارنا اچھا نہیں ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اسے رو بہ زار و زار

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ

ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ (آیت ۱۹ جاری)

اور ہم انہیں دائیں اور بائیں (یعنی ساری دنیا میں پھیلائیں گے) حالانکہ

ان کا کتا صحن میں (یا چوکھٹ پر) ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہوگا۔

اس آیت میں سابقہ اصحاب کہف کے باقیات یعنی انکی قوم کے آئندہ زمانہ میں مشرق و مغرب میں پھیلائے جانے کی پیشگوئی بھی بیشک ہے اور اس اعتبار سے انکے ساتھ کئے کا ذکر کر کے گویا انکی ایک ظاہری علامت بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ بڑا مقصد ان آیات کا آئندہ ہونے والے اصحاب کہف یعنی اعموان المہدی کی خبر دینا ہے۔ اور ان کی علامت ظاہری کتوں کا ساتھ ہونا نہیں ہونی تھی اس لئے یہاں وَكَلْبُهُمْ مَّعَهُمْ کے الفاظ نہیں رکھے گئے بلکہ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ کے الفاظ رکھے گئے۔

=====

موعود اصحاب کہف کے تعلق میں کلب یعنی کتے سے مراد

بات یہ ہے کہ موعود اصحاب کہف کے بارہ میں جتنی باتیں بھی ان آیات میں بیان ہوئی ہیں ان سب میں مجاز اور استعارہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے لفظ کلب سے بھی ظاہری کتا مراد نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس میں کتوں والی خاصیتیں ہوں۔ رویاء و کشوف میں کتا دیکھا جائے تو اس کی تعبیر دشمن ہوتی ہے۔ یوں بھی بعض اوقات کتے کا لفظ دشمن کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شعر ہے۔

مَنْ أَنْكَرَ الْحَقَّ الْمُبِينَ فَإِنَّهُ كَلْبٌ وَعَقَبَ الْكَلْبُ سِرْبُ ضِرَاءِ

(درشین عربی)

جس نے کلمے کلمے حق کا انکار کیا وہ جتنا ہے اس حالت میں کہ اس کے پیچھے شکاری کتوں کا غول چلا آتا ہے۔

=====

موعود اصحاب کہف کا کتا ان کا محافظ نہیں مخالف ہوگا

پس کُتے سے مراد دشمن ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کا دشمن اسکا محافظ نہیں ہوتا۔ پس یہ فرما کر کہ **وَنَقَلْنَاهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ** یہ بتایا گیا کہ دشمن انہیں کہف سے نکل کر باہر جانے سے روکے گا۔ مگر اس کے باوجود خدا تعالیٰ انہیں دنیا میں پھیلانے گا۔ آگے ہے۔

لَوْ اَطْلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ لَوْ رَغِبًا (۱۹)

(اے دشمن انکی یہ حالت ہوگی کہ) اگر تو ان (کے عزم و ہمت و علم و فضل) پر اطلاع پائے تو ان سے فرار کی راہ اختیار کرے گا اور ان کے رعب سے بھر جائیگا۔ (یعنی آئندہ ان کے مقابل آنے کی ہمت ہی نہ پائیگا)۔

=====

موعود اصحاب کہف کو ایک خاص رعب عطا کیا جائیگا

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے موعود اصحاب کہف یعنی اعوان الہدی کی ایک بڑی نشانی بتائی کہ ان کو ایک خاص رعب عطا کیا جائیگا۔ حضرت مہدی علیہ السلام کا ایک الہام بھی ہے۔ **نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ** تیری رعب سے مدد کی گئی۔ آپ تو آپ تھے بارہا دیکھا گیا ہے کہ آپ کے قہقین کا بھی دشمنوں پر ایسا رعب پڑ جاتا ہے کہ وہ مقابلہ سے پہلے ہی راہ فرار اختیار کر جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا ارشادات رہائی کے بعد ہے۔

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِئْتُمْ قَالُوا الْبَيْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ ؕ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِئْتُمْ فَلَبِئْتُمْ فَبِعَثُّوا أَحَدُكُمْ بَيَّزَكُمْ هَلْدَةً إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرُوا أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْكُلْكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا (۲۰)

آیت ۱۳ کے الفاظ **ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ** میں خدا تعالیٰ نے موعود اصحاب کہف کے روحانی بعث کی خبر دی تھی۔ اور آیت **وَنُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ** میں بتایا تھا کہ اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ انہیں دنیا کے یمن و شمال میں پھرایا جائیگا۔ مگر علم الہی میں تھا کہ اسکے باوجود دنیا کے بعض اہم علاقے ایسے بھی ہونگے جن میں ایک مذمت تک ان کا نفوذ نہیں ہوگا۔ اور سوال پیدا ہوگا کہ ان علاقوں میں ان کا نفوذ کب اور کیسے ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال اپنے وقت کا ایک اہم سوال ہوتا تھا۔ مگر اسکا جواب عالم الغیب خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ پس اس کا جواب دینے کو زیر نظر آیت لائی گئی۔ اور اس میں خدا تعالیٰ نے **كَذٰلِكَ** **بَعَثْنَاهُمْ** کے الفاظ لاکر بتایا کہ جس طرح پر ہم نے انہیں (مسح موعود کے ذریعہ) پہلی بار اٹھایا اسی طرح انہیں (اسکے قائم مقام بیٹے اور خلیفہ یا اسکے تابع ہو کر آنوالے کسی مامور کے ذریعہ) دوبارہ اٹھائینگے۔ یعنی ایک حیات نو بخشش کے۔ اور ایسا اس لئے کریں گے **لِیَتَسَانَّلُوْا بَیْنَهُمْ** تاکہ وہ (اپنے کارناموں اور کوتاہیوں کا جائزہ لینے کے لئے) ایک دوسرے سے سوال کریں۔

انکے پہلے بعث کی غرض **لِنَعْلَمَ اٰیَ الْحِزْبِیْنِ**.... الخ بیان فرمائی تھی اور اس دوسرے بعث کی غرض **لِیَتَسَانَّلُوْا بَیْنَهُمْ** بیان کی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ پہلے بعث کے وقت ابھی ان کی تربیت نہیں ہوئی ہوگی۔ اور اس مامور کا مستقبل بھی ابھی تاریکی میں ہوگا۔ اس لئے ضرورت یہ دیکھنے کی ہوگی کہ اسکے مامور ہو جانے پر کون ان اقدار کا لحاظ رکھتا ہے جن کے لئے وہ اسکے مقام (الکہف) سے وابستہ ہوئے۔ مگر یہاں کم و بیش سو سال بعد ہونے والے بعث کا ذکر ہے۔ اور وہ وقت ان کے لئے سابقہ مساعی اور سابقہ کوتاہیوں کا جائزہ لینے کا وقت ہوگا چنانچہ فرمایا

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ

ان میں سے ایک کہنے والا (یعنی جو ایسی بات کہنے کا مجاز ہوگا) کہے گا تم کتنا عرصہ (اس حال میں) رہے ہو۔

یعنی تم نے سوچا بھی ہے کہ تمہیں **مَنْ اَنْصَارِیْ اِلٰی اللّٰہِ** کی صدا بلند کرنے والے مثیل مسیح (یعنی مسیح قادیانی) کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر **نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ** کا دعویٰ کئے ہوئے کتنا

عرصہ ہو گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود تم ابھی ساری دنیا میں اسکا پیغام نہیں پہنچا سکے۔

قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ

وہ (بزبان قال یا حال) کہیں گے ہم ایک دن* (یعنی ایک صدی) یا اس کا کچھ حصہ اس حال میں رہے ہیں۔

مطلب یہ کہ ایک اعتبار سے سو سال اس حال میں رہے ہیں اور ایک اعتبار سے اس سے کم عرصہ۔ یعنی اگر مسیح موعود کے زمانہ سے اب تک شمار کرو تو سو سال ہوئے ہیں۔ اور اگر انکے مثل اور خلیفہ المصلح الموعود کے وقت سے گنو تو اس مدت کا کچھ حصہ ہوئے ہیں۔ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جسکی طرف سے سوال تھا یہ جواب الجواب بھی اسی کی طرف سے ہوگا۔ لیکن اس کے لئے جمع کا صیغہ ”قَالُوا“ یہ بتانے کو لایا گیا ہے کہ وہ اس مقام کا فحش ہوگا کہ جب کوئی بات کہے گا تو کئی اور اس بات کو آگے پہنچانے اور پھیلانے والے بھی ہوں گے۔ یعنی وہ امام وقت ہوگا۔ معمولی آدمی نہیں ہوگا۔ بہر حال اس میں بتایا کہ

وہ (کہنے والے انہیں کہیں گے) تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تم کتنا عرصہ (اس حال میں) رہے ہو۔

یعنی وہ اس سے غافل نہیں کہ تمہاری کوششوں کے باوجود ابھی تک دنیا کے کئی اہم مقامات کے دروازے تم پر نہیں کھلے۔ لیکن اب وہ یہ دروازے کھولنے والا ہے۔

فَا بُعِثُوا أَحَدُكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ

لہذا تم اپنے میں سے کسی مفرد (حیثیت والے فحش) کو اپنے اس ورق (یعنی تحریر) کے ساتھ شہر کی طرف بھیجو۔

* قرآن کریم میں یوم کا لفظ ایک دن کیلئے بھی آیا ہے سو سال کے لئے بھی ہزار سال کے لئے بھی اور پچاس ہزار سال کے لئے بھی سابقہ اصحاب کہف کے باقیات یعنی اُنکی قوم کا آئندہ دنیا میں پھیلایا جانا دوسری آیات قرآنی کے مطابق ہزار سال کے بعد مقدر تھا اسلئے ان کے حق میں اس آیت میں آئندہ لفظ یوم سے مراد ہزار سال لئے جائیں گے لیکن حدیث نبویؐ اِنْ اللّٰهُ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا کے مطابق امت محمدیہ میں تجدید دین کے لئے ہر سو سال کے بعد کسی مجدد کا مبعوث ہونا مقدر کیا گیا ہے اس لئے جہاں تک موعود اصحاب کہف کا تعلق ہے اس یوم سے سو سال ہی مراد ہو گئے۔

کئی ملکوں میں صرف ایک شخص اور عام شخص کو بھیجنے سے کام نہیں چل سکتا۔ اسلئے لفظ احد کم سے ایک شخص مراد نہیں بلکہ علم و فضل میں منفرد حیثیت رکھنے والے اشخاص یا وفود مراد ہیں۔ اسی طرح ورق کا لفظ ہے۔ سابقہ اصحاب کہف کے تعلق میں بے شک اس سے سکتہ مراد ہو۔ لیکن موعود اصحاب کہف چونکہ اعوان المہدی ہونیوالے تھے اور حضرت مہدی علیہ السلام نے اشاعت دین کیلئے سلطان القلم ہو کر آنا تھا اس لئے انکی نسبت سے ورق سے مراد لکھا ہوا صفحہ لی جائیگی۔ پس ورق کم سے کوئی ایک ورقہ یا مختصر اشتہار یا Folder ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اور اس میں بتایا کہ موعود اصحاب کہف یعنی اعوان المہدی اپنی تبلیغ میں ایسے اشتہارات یا فولڈروں سے اہم کام لیں گے چنانچہ جس طرح خود مہدی موعود علیہ السلام نے انے زبردست کام لیا اسی طرح پہلی صدی کے آخر میں آپ کے اعوان نے بھی زیر ہدایت حضرت خلیفہ المسیح الثالث انے کام لیا اور اب دوسری صدی کے آغاز میں بھی زیر ہدایت حضرت خلیفہ المسیح الرابع انے زبردست کام لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی منتخب آیات اور منتخب احادیث اور حضرت مہدی کی تحریرات کے منتخب اقتباسات کی بکثرت اشاعت کی جا رہی ہے۔ اور ”ہلدہ“ فرما کر جو یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ ہر ملک کے مناسب حال ورق ان کے سپرد کیا جائیگا اسے بھی مد نظر رکھا جا رہا ہے۔

”المدینہ“ سے مدینہ النبی بھی مراد ہو سکتا ہے اور ملک روس بھی جو سارا آہنی پردہ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے ایک شہر کے حکم میں ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس پیشگوئی کے عین مطابق جماعت احمدیہ کی دوسری صدی کے پہلے سال ہی میں ایسے تغیرات نمودار ہوئے ہیں کہ ایک طرف دیوار برلن گرنے سے روس میں جماعت مہدی کے نفوذ کے راستے کھلنے لگے ہیں اور دوسری طرف قرآن کریم کا روسی ترجمہ بھی اس جماعت کی طرف سے تیار ہو کر شائع ہو گیا ہے۔ اسی طرح کچھ عربوں کے احمدی ہو جانے سے مدینہ النبی میں بھی تبلیغ کے مواقع پیدا ہونے لگے ہیں۔ گو جیسا کہ اس آیت کے الفاظ فَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا میں اشارہ کیا گیا شروع شروع میں ان دونوں جگہوں پر تبلیغ مخفی طور پر کرنا ہوگی۔

=====

احمدی مبلغین کے لئے ہدایات

آگے مبلغین جماعت احمدیہ کیلئے ہدایات ہیں کہ ان کا طریق تبلیغ کیا ہو۔ فرمایا:-

فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَاماً

سو وہ (فرد یا وفد جو بھیجا جائے) دیکھے کہ کونسا طعام اچھا ہے۔

چونکہ اعوان مہدی کے حق میں یہ سارا بیان مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ہے اس لئے طعام سے بھی ظاہری گندم یا غلہ مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ روحانی طعام یعنی ایسے علمی دلائل اور نکات ہی مراد ہونگے جن سے آگے اور دلائل اور نکات پیدا ہو سکیں۔ جیسا کہ گندم کے ایک ایک دانے سے سو سو دانے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ظاہری طعام مراد لیکر مفسرین نے اس جملہ کے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ دیکھے کہ کونسا طعام (ان کے لئے) بہتر ہے۔ لیکن اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ وہ دیکھے کہ کونسا طعام اہل مدینہ کو پیش کرنے کے لئے بہتر ہے۔ اور چونکہ اعوان الہدی کا اس شہر یا ملک میں جانا پیغام حق پہنچانے کے لئے ہوگا اسلئے ان کے مناسب حال دوسرے معنی ہی ہیں۔ پس اس میں بتایا کہ وہ دیکھے کہ کوئی بات یا دلیل اہل مدینہ کے مزاج کے مطابق اور ان کے سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے آسان ہے پس وہی ان کی سامنے پیش کرے گویا وہ قرآنی حکم:

أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(النحل: ۱۶: ۱۲۶)

کے مطابق عمل کی تلقین کرے گا اسکے بعد ہے:

فَلْيَأْيِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

پھر اسکے ذریعہ (یعنی اسی دلیل سے انکو قائل کر کے) تمہارے لئے

رزق (یعنی نشو و نما اور ترقی کا سامان) لائے

یعنی ایسے لوگوں کو حلقہ بگوش احمدیت بنائے جو جماعت کے لئے بدنامی کا نہیں ترٹی اور

نیک نامی کا موجب ہوں۔ صرف تعداد بڑھانا اسکا مقصود نہ ہو۔ (وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔

المائدہ: ۷۳: ۷۷)

فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَاماً کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ فَلْيَنْظُرْ أَيُّ

أَهْلَهَا أَزْكَى طَعَامًا (کشاف)۔ یعنی وہ (اپنے اور اق یعنی فولڈر دکھا کر لوگوں سے تعارف پیدا کرے اور پھر) دیکھے کہ اس شہر کے لوگوں میں سے کس سے اچھا طعام مل سکتا ہے۔ سنت اللہ اسی طرح پر واقع ہے کہ جہاں کسی نبی کا پیغام پہنچنا ہوتا ہے وہاں کے لوگوں میں سے بعض کو پہلے سے اس کے بارہ میں سابقہ الہامی پیشگوئی کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسی آنحضرتؐ کے وقت کے اہل کتاب اپنے ساتھیوں کو ان باتوں کے بیان کرنے سے روکا کرتے تھے جنگی بنا پر آپؐ انکے مُسَلِّمات کی رو سے انکے خلاف حجت قائم کر سکیں۔ پس آئیں بتایا کہ وہ دیکھے کہ اس شہر کے کن لوگوں سے انکو نیک وقت سے متعلق ان پیشگوئیوں یا علامتوں کا علم ہو سکتا ہے جن سے وہ بہتر بہتر طور پر نجات قائم کر سکیں۔ فَلْيَايِسْكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ پھر اس (مجازی) طعام کے زریعہ (یعنی ان باتوں سے لوگوں کو قائل کر کے) تمہارے لئے رزق (یعنی نشوونما اور ترقی کا سامان) لائے یعنی ایسے لوگوں کو حلقہ مجبوش احمدیت بنائے جو تمہارے لئے نیک نامی اور ترقی کا موجب ہوں۔

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا (۲۰)

(اور چونکہ دل سخت دلی اور بدخلقی سے جیتے نہیں جاتے) لہذا وہ نرمی اور خوش اخلاقی سے کام لے اور تمہارے متعلق کسی کو علم نہ ہونے دے (کہ تم نے اسے بغرض تبلیغ بھیجا ہے) ورنہ وہ تمہیں ابتداء ہی میں دبا لینے کی کوشش کریں گے۔ (یاد رکھو)

إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعَذِّبُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذَا أَبَدًا (۲۱)

اگر وہ تم پر غالب آگئے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا واہیں اپنے طریق کی طرف لوٹائیں گے اور اس صورت میں تم کبھی بامراد نہیں ہو گے۔

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ذکر اس مقام کا ہو رہا ہے جس میں اسوقت مذہبی رواداری بالکل نہیں ہوگی اور یہ صورت اسوقت مسلمان حکومتوں میں یا پھر کیونسٹ ممالک میں پائی جاتی ہے لہذا المدینہ سے بلاشبہ مدینہ منورہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور روس چین اور انکے تابع ممالک کے وہ شہر بھی جو ان ممالک کے لئے مرکزی حیثیت رکھنے والے ہوں۔

یہ اشارہ بھی اس آیت سے لگتا ہے کہ اگرچہ تبلیغ کرنے کے لئے وہ ایک وقت میں کسی ایک آدھ فغص کو آگے بھیجیں لیکن یوں انہیں چاہیے کہ بہت سے لوگ اس شہر یا ملک میں داخل ہو جائیں (کیونکہ اسی صورت میں انہیں یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ اس ملک کے لوگ انہیں پہچان کر ان پر قابو پالیں اور سنگسار کر دیں۔) لیکن ایسا نہ ہو تو ماننا پڑے گا کہ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ مِنْ لَفْظِ احَد سے کوئی فرد واحد مراد نہیں بلکہ ایک وفد یا کچھ منفرد حیثیت کے لوگ مراد ہیں۔ چونکہ مختلف وقتوں اور مختلف حالات میں یہ دونوں صورتیں پیش آ سکتی تھیں اسلئے الفاظ ایسے رکھے گئے جو دونوں مفہوم دے سکیں۔ آگے ہے۔

وَكَذَلِكَ أَغَثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا (۲۲ جاری)

(اور جس طرح ہم یہ سب کچھ کریں گے) اس طرح ہم لوگوں کو ان کے حالات پر آگاہ کریں گے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور الساعۃ (کے آنے) میں کوئی شک نہیں۔

متن میں ماضی کے صیغہ خبر کا یقینی ہونا ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔

پہلے ان کا یہ قول نقل ہوا تھا کہ جس کو تم اس شہر بھیجو وہ تمہارے متعلق کسی کو علم نہ ہو نے دے۔ اس کے بعد بظاہر کہا یہ جانا چاہیے تھا کہ اس طرح ہم ان کی کوششوں کو راز میں رکھیں گے۔ لیکن کہا یہ گیا ہے کہ اس طرح ہم لوگوں کو ان پر آگاہ کریں گے۔ اس سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ اگلی اس طرح مخفی رنگ میں کی جانے والی کوششیں بار آور ہوگی۔ اور کئی لوگ ایمان لے آئیں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ بات کھل جائے گی اور لوگوں کو ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اور ایسا اسلئے ہوگا کہ تا لوگ جان لیں کہ خدا کا وعدہ (جو اگلی ترقی کے بارہ میں تھا) سچا وعدہ تھا۔ اور السَّاعَةُ یعنی غلبہ دین کی گھڑی (یا قیامت کی گھڑی) کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ فرمایا۔

إِذْ يَنْتَازِعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا

(اس کے ساتھ) وہ وقت بھی یاد کرو جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک اہم معاملہ میں جھگڑے (یعنی جھگڑیں گے) اور کہیں گے ان پر

عمارت کھڑی کرو۔

مطلب یہ کہ یہ نہ سمجھو کہ یہ سب ترقیات جنگی طرف اشارہ کیا گیا بغیر قربانی کے ہو جائیں گی۔ کچھ لوگ شہید کئے جائیں گے۔ لیکن جب حالات بدلیں گے اور ترقیات حاصل ہوں گی اس وقت یہ سوال اٹھے گا کہ ان قربانیاں دینے والوں کی کوئی یادگار بنائی جائے۔ چنانچہ کچھ لوگ کہیں گے کہ کوئی سی عمارت بنا دو۔ فرمایا:-

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِهِمْ

اللہ ان (قربانیاں دینے والوں) کو بہتر جاننے والا ہے۔

یعنی وہ وہی چیز انکی یادگار کے طور پر بنوائیگا جو انکے شایان شان ہوگی۔ چنانچہ

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِہُمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْہِمْ

مُسْجِدًا (۲۲)

وہ لوگ جو ان کے امور پر غالب ہو گئے یعنی اپنی بات منوانے کے اہل

ہو گئے (بترفِ الہی) کہیں گے ہم ان کے مقام پر مسجد بنائیں گے۔

مطلب یہ کہ انکی قربانیاں تو اسلئے تھیں کہ تثلیث مئے اور خدائے واحد کی عبادت ہو۔

اسلئے ہم کوئی بے مقصد عمارت بنوا کر خود انکو مل شرک نہیں بننے دیں گے بلکہ انکی یادگار کے طور پر

مساجد یعنی خدائے واحد کی پرستش کی جگہیں بنوائیں گے۔ اسکے بعد ہے:

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلَاثَةً رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةً

سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةً وَثَا

مِنْهُمْ كَلْبُهُمْ (۲۳ جاری)

(بعض) لوگ کہیں گے وہ تین تھے چوتھا انکا کتا تھا۔ اور (بعض) کہیں

گے پانچ تھے چھٹا انکا کتا تھا۔ اٹھل کچھ سے کام لیتے ہوئے۔ اور

(بعض) کہیں گے کہ (وہ) سات (تھے) اور آٹھواں انکا کتا تھا۔

یہ وہ معرکہ آراء الفاظ ہیں جن پر مفسرین نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں مگر اکثر نے

ان کو اصحاب کہف کی گنتی قرار دیا ہے پھر بعض نے کہا ہے کہ ثَلَاثَةً اور خَمْسَةً کے بعد چونکہ

رَجْمًا بِالْغَيْبِ کے الفاظ ہیں یہ تعداد صحیح نہیں لیکن سَبْعَةً کے بعد یہ الفاظ نہیں آئے اسلئے

یہ تعداد صحیح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ آگے آتا ہے لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ اور قلیل کا لفظ نفی مطلق کے لئے بھی آتا ہے اسلئے آخری تعداد بھی صحیح نہیں۔ لیکن اگر یہی بتانا مقصود ہوتا کہ انکی تعداد کسی کو بھی معلوم نہیں تو اتنی لمبی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایک معین تعداد بیان کرنا ہر جگہ طاق عدد استعمال کرنا اور جنکا بھی یہاں ذکر ہے پہلے انکی تعداد کے تین ہونے یا تین بتائے جانے کا ذکر کرنا پھر چار کا عدد چھوڑ کر پانچ کا ذکر کرنا اور اسکے بعد چھ کا عدد چھوڑ کر سات کا ذکر کرنا اور ہر جگہ اس کے ساتھ ایک کئے کا ذکر بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں انکی عمومی تعداد کا ذکر نہیں بلکہ ان کے خواص کی تعداد کا ذکر ہے۔ بیشک بعض مفسرین کا ذہن پہلے بھی ادھر گیا ہے مگر ان سے غلطی یہ ہوئی ہے کہ انہوں نے اس سے انکے دشمنوں کی تعداد مراد لے لی ہے حالانکہ اس تعداد کو تین یا پانچ یا سات میں محدود کرنے کا کوئی قرینہ اور کوئی جواز نہیں اور نہ اسکا کوئی ثبوت ہے۔ اسکے بعد جاننا چاہیے کہ قرآن نے مومنوں کے بارہ میں فرمایا کہ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہونے چاہئیں دوسری طرف آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ شَاوِرْهُمْ فِی الْأَمْرِ اہم دینی معاملات میں انے مشورہ کر لیا کر اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ جب بعد مشورہ (جو ظاہر ہے مختلف لوگوں کی طرف سے مختلف ہوگا) تو کسی بات کا عزم کر لے یعنی کسی فیصلہ پر پہنچ جائے تو پھر اللہ پر بھروسہ (کرتے ہوئے اس پر عمل) کر۔ نبی کے بعد خلفاء اسکے جانشین اور قائم مقام ہوتے ہیں اس لئے وہ بھی اسی حکم کے تابع ہیں۔ جب اوپر قَالَ الدِّیْنُ غَلْبُوْا عَلٰی اَمْرِہُمْ کے الفاظ لائے گئے تو چونکہ اول نمبر پر انکے خلفاء ہی ان الفاظ کے مصداق ہو سکتے تھے اور سوال پیدا ہوتا تھا کہ جس وقت کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اس وقت تک یعنی مہدی موعود کے دعویٰ پر سو سال یا اس سے کچھ کم عرصہ گزرنے تک ان خلفاء کی تعداد کتنی ہوگی اور ان کے بعد آنے والے خلفاء کی تعداد ملا کر وہ کل کتنے ہو جائیں گے۔ اس لئے الفاظ زیر نظر لا کر اس سوال کا جواب دیا گیا یعنی مہدی موعود کے خلفاء کی تعداد پر روشنی ڈالی گئی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تین پانچ اور سات کے اعداد بیان کرنے میں کیا حکمت ہے اور ہر ایک کے ساتھ ایک کئے کا ذکر کیوں ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ کلب کا لفظ اسم جنس کے طور پر ہے لیکن ایسا ہو تو جن کا ذکر ثَلَاثَ خُمْسَہٗ اور سَبْعَہٗ میں ہے ان کو بھی بطور جنس لیتا پڑے

گا اور ان کی تعداد کا بیان بے معنی ہو جائیگا۔

بات یہ ہے کہ انسانوں میں انسانوں ہی کا شمار ہوا کرتا ہے جانوروں کا نہیں۔ اس لئے یہاں کلب سے مراد کوئی کتا صفت انسان ہے نہ کہ عام کتا۔ مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی فرماتے ہیں:-

”ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعدادِ جمعی میں مجھے خبر دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ کَلْبٌ یَمُوتُ عَلٰی کَلْبٍ یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مرے گا جو باون سال پر دلالت کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر باون سال سے تجاوز نہیں کرے گی جب باون سال کے اندر قدم رکھے گا تب اسی سال کے اندر راہی ملک بقا ہوگا۔“

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۶-۱۸۷)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کم از کم حضرت مہدی موعود کے تعلق میں کلب سے مراد کوئی کتا صفت انسان ہی ہے نہ کہ عام کتا۔ اور آپ کو اس کی خبر دیا جانا بتاتا ہے کہ اس کا آپ سے اور آپ کی جماعت سے کوئی خاص تعلق دشمنی ہو گا کیونکہ کشف کی زبان میں کتے سے دشمن مراد ہوتا ہے۔ اور اس کا نام نہ لیا جانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ کوئی ایسا مشہور شخص ہو گا کہ بغیر اسکے کہ نام لیا جائے اسکی طرف لوگوں کا ذہن جا سکے گا۔ اور اسے کتے کے لفظ سے یاد کیا جانا بتاتا ہے کہ وہ ایک نہایت بے حیا، بے باک اور کینہ شخص ہوگا۔ اور مامورِ من اللہ کی بے باکی کے ساتھ مخالفت دی شخص کیا کرتا ہے جسکے دماغ میں ظاہری مغنی خلل ہو۔ اور کتے کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ پاگل ہو جائے تو اپنے روٹی ڈالنے والے پر بھی بھونکتا ہے اور اسے بھی کانٹے کو پڑتا ہے۔ اس لئے ہمیں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وہ جماعت مہدی کے زیر احسان ہونے کے باوجود انکے خلاف گندہ دہی سے کام لے گا اور انہیں کانٹے کو پڑے گا۔ اور چونکہ لفظ کلب کی عددی قیمت بلحاظ حروفِ حق باون (۵۲) ہے حسب الہام حضرت مہدی موعود وہ اپنی عمر کے اکاون سال ضرور پورے کریگا مگر باون وال سال تھوڑا ہی گزاریگا کہ مر جائیگا اور اس کی موت کتے کی موت یعنی ذلت کی موت ہو گی۔

اب جب کہ یہ واضح ہو چکا کہ یہاں خلفاء مہدی کی تعداد کا ذکر ہے اور کتے سے مراد

کوئی خاص دشمن ہے تو تین سے بات شروع کرنے اور تین کے بعد پانچ اور پھر سات کا عدد بیان کرنے اور درمیانی اعداد کو چھوڑ دینے کی حکمت ادنیٰ تدبیر سے سمجھ آسکتی ہے اور معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سے مقصود یہ اشارہ کرنا ہے کہ وہ دشمن احمدیت جس پر کتنے کا لفظ چسپاں ہو سکیگا اور جس پر مہدی موعود کی وحی کَلْبُ یَمُوتُ عَلٰی کَلْبٍ صادق آئے گی سب سے پہلے آپ کے تیسرے خلیفہ کے وقت میں ظاہر ہوگا۔ چوتھے خلیفہ کے وقت میں ایسا کوئی دشمن نہیں ہوگا مگر پانچویں خلیفہ کے وقت میں پھر ایک ایسا دشمن نمودار ہو جائیگا اس کے بعد چھٹے خلیفہ کا زمانہ پھر ایسے دشمنوں سے خالی رہے گا مگر ساتویں خلیفہ کے وقت میں پھر ایک ایسا دشمن ظاہر ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ آئیں یہ اشارہ بھی ہو کہ حضرت مہدی موعود کی وحی کَلْبُ یَمُوتُ عَلٰی کَلْبٍ کا ظہور بھی تین بار ہوگا۔ وقت خود اصل حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق آپ کے تیسرے خلیفہ کے وقت میں ذولفقار علی بھٹو نے جس کے متعلق ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ کس قماش کا انسان تھا جماعت مہدی کے خلاف سازش کر کے احمدیوں کو اسمبلی سے غیر مسلم قرار دلوا یا مگر اس کے جلد ہی بعد پکڑا گیا اور باوجود اس کے کہ ایسے نعمتوں میں پلے ہوئے شخص کے لئے پاکستانی جیلوں کی کال کوٹھریوں میں ایک دن زندہ رہنا بھی مشکل تھا وہ کئی سال ان میں پڑا رہا اور مرا نہیں۔ یہاں تک کہ اپنی عمر کے ۵۱ سال پورے کر لئے اور اس کا اکاؤنٹس یوم پیدائش بھی منایا گیا مگر جب باؤنویں سال میں داخل ہوا تو اس کے بعد جلد ہی تختہ وار پر لٹکا دیا گیا اور اپنی اس ذلت کی موت سے اس عظیم الشان پیشگوئی کی صداقت پر نہ ٹوٹنے والی مہر تصدیق ثبت کر گیا۔

ابن سیرین کُتے سے ایسا دشمن مراد لیتے ہیں جو کینہ اور کم ذات ہو مگر انتہا پسند نہ ہو۔ سیاہ کُتے سے عرب دشمن اور سفید کُتے سے عجمی دشمن مراد لی جاتی ہے۔ سفید رنگ والا اور (دشمنی میں) انتہا پسند نہ ہونا۔ اس پیشگوئی کا مصداق بھٹو اور ضیاء الحق میں سے اول الذکر کو ٹھہراتا ہے۔ بھٹو نے احمدیوں کو Not Muslim For The Purpose Of Law قرار دیا۔ عبادات وغیرہ سے نہیں روکا۔ مگر ضیاء نے یہ کیا کہ وہ کسی اشارہ سے بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہ کر سکیں۔ اور اس طرح دشمنی میں انتہا کر دی۔

خلفاء مہدی کے بارہ میں بعض نہایت اہم خبریں

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةً رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةً سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ
 کے بعد رَجْمًا بِالْغَيْبِ۔ فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ تیسرے خلیفہ کے وقت میں جب ایسا
 دشمن ظاہر ہو گا تو وہ اپنی دشمنی کو ایسا رنگ دے گا کہ لوگ اپنی انکل سے یہ سمجھیں گے کہ اسکے بعد
 جماعت مہدی میں خلفاء کا سلسلہ ختم ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوگا بلکہ چوتھا خلیفہ بھی بنے گا۔
 لیکن پانچویں کے وقت میں جب ایسا دشمن ظاہر ہوگا تو وہ بھی جماعت کی مخالفت کو ایسا رنگ دے
 گا کہ اس کی کارروائی کے نتیجے میں پھر یہ سمجھا جائیگا کہ اس کے بعد جماعت احمدیہ میں خلفاء کا
 سلسلہ ختم ہو جائیگا مگر ایسا نہیں ہوگا بلکہ چھٹا اور پھر ساتوں خلیفہ بنے گا۔

=====

خلفاء مہدی سے متعلق ایک بشارت اور ایک حرف انذار

اب رہا یہ کہ سات کے بعد بات آگے کیوں نہیں چلائی گئی۔ تو جاننا چاہئے کہ عربی
 میں سات کے عدد سے سات بھی مراد ہوتے ہیں اور یہ عدد کثرت کے لئے بھی آتا ہے پس یہ لفظ
 رکھ کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ مہدی موعودؑ کے سات خلیفے تو ضرور ہوئے جیسا کہ آیت وَيَحْمِلُ
 عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ (الْحَاقَّةُ ۶۹: ۱۸) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے
 اور بتایا گیا ہے کہ مہدی اور اسکے خلفاء مل کر آٹھ ہوئے۔ لیکن خلفاء کا وعدہ چونکہ ایمان اور اعمال
 صالحہ سے مشروط ہے (وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ) اس لئے اس کے بعد اور خلفاء کا آنا منحصر ہوگا اس پر کہ لوگ
 پہلے کی طرح اسکے بعد بھی مذکورہ شرط کو پورا کرتے رہتے ہیں یا نہیں۔ پس اس میں جماعت

* حضرت مصلح موعود سورۃ النور کی اس آیت کے بارہ میں فرماتے ہیں ”یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک وعدہ ہے پیشگوئی
 نہیں اگر مسلمان ایمان بالخلافت پر قائم نہیں رہیں گے اور ان اعمال کو ترک کر دیں گے جو خلافت کے قیام کے
 لئے ضروری ہیں تو وہ اس انعام کے مستحق نہیں رہیں گے۔“ ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں ”تیسری بات اس
 آیت سے یہ نکلتی ہے کہ یہ وعدہ نصف سے اس وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ نصف مومن اور عمل صالح
 کر نکوالی رہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

احمدیہ کے لئے بشارت بھی ہے اور حرف انتباہ بھی۔ خدا کرے جماعت اس کو یاد رکھے اور خلافت کا سلسلہ زیادہ سے زیادہ عرصہ چلتا رہے۔

سبحان اللہ کیا عجیب کلام ہے کہ لفظ لفظ سے عجیب عجیب نکات نکلتے ہیں۔ آگے ہے:

قُلْ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ

(اے رسول تو) کہہ میرا رب ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے چند لوگوں کے

سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

اس میں بتایا کہ ان کی تعداد کا صحیح علم بھی خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ یعنی وہی تعداد صحیح ہے جسکی طرف اس نے اشارہ کیا ہے۔ اور اس بات کا علم بھی کہ ثَلَاثَةٌ خَمْسَةٌ سَبْعَةٌ وغیرہ سے کون لوگ مراد ہیں اسی کو ہے۔ اِلَّا قَلِيلٌ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی کہ ان کا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اور یہ بھی کہ صرف چند ایک کو ہے۔ اور چونکہ ان بظاہر متضاد باتوں میں تطبیق یہ مراد لینے ہی سے ہو سکتی ہے کہ ان کا علم صرف ان چند لوگوں کو ہے یا ہو گا جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا جائے گا۔ اور کسی کو نہیں اور خدا کے کلام میں تضاد ممکن نہیں اسلئے یہی معنی مراد ہیں۔ چنانچہ ان دونوں باتوں پر یا تو خدا تعالیٰ کے محض فضل سے اوپر کے صفحات میں ہم نے روشنی ڈالی ہے یا اس سے پہلے حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے اس بیان سے انکی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ان پر سات خلفاء مہدی کے کوائف منکشف فرمائے گئے۔ دیکھیں کتاب بشرى لِلنَّبِيِّينَ مصنفہ حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری صفحہ ۵۷ جس میں شیخ موصوف کی دو کتابوں فتوحات مکیہ اور عقائد المغرب کے حوالہ سے یہ بات کہی گئی ہے۔ مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس سے زیادہ کسی صورت نہیں ہونگے۔ مطلب اسکا صرف یہ ہے کہ اتنے ضرور ہونگے اور اگر زیادہ ہو جائیں تو یہ زیادت فی الانعام ہوگی نہ کہ وعدہ خلافی۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ مہدی موعود علیہ السلام کے سلسلہ کو ترقی خاص مل جانے تک اتنے ہونگے۔ یا یہ مراد ہے کہ بلا فصل اتنے ہونگے۔ واللہ اعلم۔ وقت خود بتا دیگا کہ اصل میں کیا مراد ہے۔

جب وہ مومن اور عمل صالح کرنوالی نہیں رہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے اس وعدہ کو واپس لے لیگا۔ گویا نبوت اور خلافت میں عظیم الشان فرق بتایا ہے کہ نبوت تو اس وقت آتی ہے جب دنیا خرابی اور فساد سے بھر جاتی ہے۔ لیکن خلافت اس وقت آتی ہے جب قوم میں اکثریت مومنوں اور عمل صالح کرنوالوں کی ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ششم ۳۲۷)

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَّاءَ ظَاهِرًا

(جب صورت یہ ہے) تو (اے مخاطب) تو انکے بارہ میں کسی ایسی بحث

میں نہ الجھ جو ظاہر و باہر بات پر مبنی نہ ہو

مطلب یہ کہ جتنے خلیفے کسی وقت تک گزر چکے ہوں اسوقت بس یہ کہہ دیا جائے کہ اتنے تو ہیں۔ اور آگے کی خدا جانتا ہے۔ اب دیکھئے ایک طرف خدا تعالیٰ نے خلفاء مہدی علیہ السلام کی تعداد بتائی اور دوسری طرف یہ مذکورہ ہدایت بھی فرمادی اور اس طرح یہ سبق دیا کہ پیشگو یوں کے بارہ میں ان کے پورا ہو جانے تک اپنے خیال پر حد سے زیادہ زور کبھی نہیں دینا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ جو اس کے خلاف کرتا ہے اسے اپنی بات یا اپنے خیال کی بیخ ہوتی ہے وحی الہی کی بیخ نہیں ہوتی۔

وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا (۲۳)

اور نہ ان کے بارہ میں ان میں سے کسی سے پوچھ

مطلب یہ کہ جب ان کے بارہ میں علم صرف خدا کو ہے تو خدا تعالیٰ سے پوچھو دوسروں سے کیوں پوچھتے ہو۔ دوسرے انکل پچو مار کر تمہیں خواہ مخواہ وساوس میں مبتلا کرینگے۔ اور کچھ نہیں۔ چونکہ یہاں گنتی کا لفظ نہیں ہے اسلئے یہ ہدایت ان کے مقام کے بارہ میں بھی ہو سکتی ہے یعنی یہ مراد بھی اس سے ہو سکتی ہے کہ انکے مقام و مرتبہ کے بارہ میں نہ تو اپنے خیال پر زور دو اور نہ ان میں سے کسی سے پوچھو۔ یہ بہت ہی یاد رکھنے کی بات ہے۔ بعض لوگ خلفاء کے مقام کے بارہ میں بحث کرنے لگ جاتے ہیں کہ انہیں سے فلاں بڑا ہے اور فلاں چھوٹا۔ حالانکہ ایسی بحث دینی عیاشی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ نہ ہمارے کسی کو کوئی مقام دینے سے خدا کے نزدیک اسے وہ مقام مل سکتا ہے۔ اور نہ ہمارے کسی کا مقام کم کرنے سے خدا کے نزدیک اس کا مقام کم ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت عمرؓ نے فرمایا ”میری ایسی تعریف نہ کرو جو خلاف واقعہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ مجھے خوب جانتا ہے۔“ ہاں ایسی بات جو بالکل ظاہر ہو جیسے حضرت نبی کریم ﷺ کے قول: ”ابو بکر اُمت میں سب سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہو جائے۔ کی بنا پر حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت ہے۔ اُسے ہم بیان کر سکتے ہیں۔“

اوپر کی آیت میں موعود اصحاب کہف یعنی احوان المہدی کے بغرض تبلیغ بعض ایسے علاقوں

میں بھیجے جانے کا ذکر تھا جہاں جانا خطرات کا موجب ہو سکتا تھا اور بتایا گیا تھا کہ انکی مخفی کوشش بار آور ہوگی۔ اور چونکہ ان کے امور پر غالب یعنی ان کے بارہ میں فیصلہ کرنے کے مجاز خلفاء وقت نے ہوتا تھا اسلئے ان کی تعداد اور ان کے خاص دشمنوں کا ذکر بطور جملہ معترضہ کے بیچ میں آگیا تھا۔ اور یہاں سے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ اِنِّي فَاعِلٌ ذَالِكَ غَدًا (۲۴)

اور (اے مبلغ احمدیت) کسی چاہی ہوئی بات کے بارہ میں یہ نہ کہنا کہ میں اسے کل ضرور (حاصل) کر لوں گا۔

سچا مبلغ کیا چاہ سکتا ہے؟ یہی کہ اسکی تبلیغ کارگر ہو اور لوگ ہدایت پالیں۔ اسلئے مطلب یہ ہوا کہ یہ دعویٰ نہ کرنا کہ جو طریق تبلیغ میں نے اختیار کیا ہے اسکے نتیجہ میں فلاں شخص یا فلاں بستی کو ضرور جلد اپنا ہم خیال بنالونگا۔ ہاں اگر تو سچا داعی الی اللہ ہے تو تیری کوششیں ضائع بھی نہیں جائیں گی اور کل نہیں تو پرسوں۔ جلد نہیں تو بدیر وہ شخص یا وہ بستی یا انکی اولادیں ہدایت پالیں گے۔

اَلَا اِنْ يَشَاءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ اَنْ يُّهْدِيَنِي رَبِّيْ لَا قَرَبَ مِنْ هٰذَا رَشْدًا (۲۵)

(دلوں کا جیتنا ممکن نہیں) سوائے اسکے کہ اللہ چاہے اور جب تو بھول جائے (یعنی سوا اس حکم کے خلاف کر بیٹھے تو) اپنے رب کو یاد کر (یعنی توبہ و استغفار سے کام لے) اور کہہ ہو سکتا ہے (یعنی میں امید کرتا ہوں کہ) میرا رب (جو غفور ہی نہیں رحیم بھی ہے میری سن لے اور ایسا طریق اختیار کرنے کی طرف) میری رہنمائی کر دے جو (موجب) ہدایت ہونے کے اعتبار سے (اس طریق سے جو میں نے اب تک اختیار کیا) قریب تر ہو۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَارْدَا ذُوْا اِسْعٰ (۲۶)

اور وہ اپنی کہف میں تین سو رہے یعنی سینیں اور اس پر انہوں نے نو بڑھائے۔

حضرت امام باقرؑ نے اس آیت کو اصحاب مہدی کے متعلق پیشگوئی قرار دیا ہے
(بحار الانوار ۱۲۷۰ صفحہ ۱۷۶)

موعود اصحاب کہف کی قیام فی الکہف کی مدت

”ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ“ کا عام ترجمہ تین سو سال کیا جاتا ہے اس میں تسامح ہے۔ سو اور سو سے زائد عدد کی تمیز مفرد ہوتی ہے گویا ثَلَاثَ مِائَةٍ سَنَةٍ چاہیے تھا مگر یہاں جمع ہے۔ نیز مِائَةٍ میں تین ہیں۔ اور تینوں اسم تام کی علامت ہے۔ اسم تام تمیز کا محتاج نہیں رہتا۔ پس سِنِينَ مِائَةٍ کی تمیز نہیں بلکہ ثَلَاثَ مِائَةٍ کا بدل ہے۔ چنانچہ آئمہ لغت و نحو ابو البقاء اور ابن الحاجب کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور علامہ زنجیری نے اس کو عطف بیان قرار دیا ہے۔“ (تفسیر سورۃ الکہف از حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری صفحہ ۵۰) لہذا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی کہف میں تین سو یعنی چند سال ”رہے۔“ اب سوال یہ ہے کہ یہ تین سو کیا ہیں۔ یہ دن نہیں ہو سکتے کہ ۳۰۰ دنوں کو سنیں نہیں کہا جاسکتا۔ ہفتے نہیں ہو سکتے کیونکہ ۳۰۰ ہفتوں کا مطلب ۶ سال بنتا ہے۔ اور وَارِثًا ذَاوِاِثْسَعًا کا قرینہ یہ معنی لینے سے روکتا ہے۔ کیونکہ عام محاورہ یہ ہے کہ چھوٹی مدت کو بڑی میں جمع کیا جاتا ہے۔ نہ کہ بڑی کو چھوٹی میں۔ سال اس لئے مراد نہیں کہ ثَلَاثَ مِائَةٍ سَنَةٍ نہیں کہا گیا اس لئے اس سے مراد ۳۰۰ مہینے ہیں۔ یعنی ۲۵ سال۔ (ترجمہ مع تفسیر بیر ملاح الدین) وَارِثًا ذَاوِاِثْسَعًا سے لوگوں نے ثَسْعَ سِنِينَ یعنی نو سال مراد لئے ہیں۔ اس اعتبار سے اصحاب کہف کے کُثُوفِ الکہف کا زمانہ ۲۵ + ۹ = ۳۴ سال بنتا ہے۔ لیکن جب ثَلَاثَ مِائَةٍ سے ۳۰۰ مہینے مراد ہوئے تو وَارِثًا ذَاوِاِثْسَعًا سے بھی مہینوں کا بڑھانا مراد لینا اولیٰ ہے۔ اس اعتبار سے ان کے کہف میں رہنے کا زمانہ ۲۵ سال ۹ ماہ ہوا۔

=====

دو عظیم پیشگوئیاں

جہاں تک اعموان المہدی کے بارہ میں پیشگوئی کا تعلق ہے یہاں چونکہ کہف سے حضرت مہدی موعود کا مقام بعثت (قادیان) مراد ہے اس میں پیشگوئی تھی کہ یہ لوگ ۲۵ سال ۹ ماہ مہدی موعود کے ساتھ اس کہف میں رہیں گے۔ حضرت مہدی موعود کی پہلی کتاب براہین احمدیہ کا حصہ اول اور حصہ دوم ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئے اور تیسرا حصہ ۱۸۸۲ء یعنی ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوا۔ اور زیادہ تر اسی حصہ کی اشاعت سے لوگوں کی قادیان سے وابستگی شروع ہوئی۔ کیونکہ پہلے دو حصوں سے لوگوں کے متعارف ہونے کے لئے بھی بہر حال کچھ مدت درکار تھی۔ چنانچہ حضرت مہدی موعود کے نام ”غلام احمد قادیانی“ کے (جو آپ کو الہام بھی ہوا) اعداد بھی بحساب جمل ۱۳۰۰ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ کے دور کا آغاز ۱۳۰۰ھ میں ہوا اور جیسا کہ آپ نے خود بھی فرمایا روحانی ادوار کا آغاز ماہ رمضان سے ہوا کرتا ہے کیونکہ اسی مہینہ میں نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ اس لئے لوگوں کے اس کہف سے وابستگی کے آغاز کا زمانہ رمضان ۱۳۰۰ھ بمطابق اگست ۱۸۸۲ء بنتا ہے اور حضرت مہدی کا وصال مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ اور عجیب اور بہت ہی عجیب بات ہے کہ یہ زمانہ پورے ۲۵ سال ۹ ماہ ہے۔ پس یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جو اس آیت میں کی گئی اور نہایت وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ اگر تمنا سے نو سال مراد لے کر ان کے لبت فی الکہف کی مدت چونتیس سال ہی مراد ہو تو اس میں جماعت مہدی موعود یعنی جماعت احمدیہ کے ثانوی مرکز ربوہ کے بارہ میں پیشگوئی کی گئی۔ اس مرکز میں جماعت احمدیہ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۷۲ء تک ۲۵ سال ایک مسلمان جماعت کے طور پر رہی مگر ۱۹۷۲ء میں بھنوں کی حکومت نے احمدیوں کو Not Muslim For the purpose of law قرار دے کر ان پر عرصہ حیات تک کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۲ء میں اس وقت کی حکومت نے ان کے لئے اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ انکے خلیفہ وقت کو اس مرکز سے ہجرت کرنا پڑی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خلیفہ کی ہجرت ایک رنگ میں جماعت کی ہجرت ہے۔ اور یہ ساری مدت پورے چونتیس سال بنتی ہے۔ پس یہ دوسری عظیم الشان پیشگوئی تھی جو اس آیت میں کی گئی اور بوضاحت پوری بھی ہوئی۔

زیر نظر آیات کے بعد فرمایا:-

قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبُثُوا ۚ لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
أَبْصَرُ بِهِ وَأَسْمِعُ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ
بِى حُكْمٍ أَحَدًا (۲۷)

کہہ (لوگ اس مدت کے بارہ میں جو انہوں نے کہف میں بسر کی
اختلاف کریں گے۔ لیکن) اللہ (جو اس کا بیان کرنے والا ہے اسے)
زیادہ جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے علم و اختیار میں
ہے۔ وہ کیا ہی خوب دیکھنے والا کیا ہی خوب سننے والا ہے۔ (صبح ہو یا
کوئی اور) اس کے سوا کوئی دوسرا ان کا مددگار نہیں۔ اور نہ وہ اپنے
حکموں میں کسی کو اپنا شریک بناتا ہے۔

وَأَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمَتِهِ لَدُنَّا وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا (۲۸)

اے رسول جو کچھ تیرے رب کی کتاب کی صورت میں تجھ پر وحی کیا جاتا
ہے (لوگوں کو) پڑھ کر سنا۔ اللہ کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں
ہے۔ اور نہ اسے چھوڑ کر تیرے لئے کوئی جائے پناہ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ اس سے پہلے کہا گیا وہ بطور پیشگوئی تھا بطور قصہ
ماضی کے نہیں تھا کیونکہ ماضی کے واقعات کو بدلنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب یہ بطور
پیشگوئی تھا تو ضرور تھا کہ ان کے عرصہ لُبْثِ فِی الْكَهْفِ کا کسی کو علم بھی دیا جاتا۔ اگلی آیت
(نمبر ۲۹) میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرنیوالوں کا ساتھ دینے اور اسکی عبادت سے غفلت برتنے
والوں سے الگ رہنے کی تلقین کی گئی اور یہ بتایا گیا کہ جو کچھ اس سے پہلے کہا گیا وہ حق ہے۔ اور
تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ (یعنی اس ہستی کی طرف سے ہے جو تمہیں درجہ بدرجہ ترقی دینے
والی ہے اور اسکی باتوں پر یقین کرنے اور اس پر عمل کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے)۔ تاہم اس کی
طرف سے تمہیں ایمان یا کفر میں سے جو راہ تم چاہو اختیار کرنے کی آزادی ہے۔ ہاں کفر کرنے
والوں کے لئے آگ ہو گی۔ اور مومنوں کے لئے عمدہ اجر۔ انکے لئے ہمیشہ کے باغات ہوں

گے۔ اور انہیں سونے کے کنگن (جو بادشاہ ہونے کی علامت ہے) پہنائے جائیگے۔ وہ باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے پہنیں گے اور ان باغوں میں تختوں پر مسندیں لگائے بیٹھے ہوں گے۔ مطلب یہ کہ آخری جنت ملنے کے علاوہ دنیا میں بھی ان پر خاص فضل ہوئے۔ ان میں سے بادشاہ بھی ہونگے اور من حیث القوم انہیں شاہانہ کزدفر بھی حاصل ہوگا۔ (آیات ۳۰ تا ۳۲)

چونکہ وہ زمانہ جس کی ان آیات میں پیشگوئی کی جارہی ہے سبکی اقوام کی مادی ترقیات کے عروج کا زمانہ ہوتا تھا اور سوال پیدا ہوتا تھا کہ ان قوموں پر زوال کیسے ممکن ہے اور مہدی موعود کے یکس اعوان بادشاہتوں کے مالک کیسے بن جائیگے؟ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (طہ: ۱۰۶:۲۰) وہ تجھ سے پہاڑوں (جیسے لوگوں) کے بارہ میں پوچھتے ہیں یا پوچھیں گے (کہ کیا وہ واقعی تباہ ہو جائیگے) کہ میرا رب (یعنی جسے میرے مقاصد کی ترقی و تکمیل منظور ہے) انہیں جڑھ سے اکھاڑ پھینکے گا اور ریزہ ریزہ کر دیگا۔ آگے ایک تمثیل کے پیرایا میں اس دوسرے سوال کا جواب ہے کہ:

=====

مہدی کے بے کس اعوان بادشاہتوں کے مالک کیسے بنیں گے

فرمایا:-

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ
أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا (۳۳)
كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمِ مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا
خِلْلَهُمَا نَهْرًا (۳۴) وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ
يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَ أَغْزَى نَفَرًا (۳۵) وَدَخَلَ
جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ
أَبَدًا (۳۶) وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَاءَ نِعْمَةً وَ لِيْنُ رُدُّدَتْ إِلَيَّ
رَبِّي لَا جِدْنَ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا (۳۷)

اے رسول ان کے قائدہ کے لئے دو مردوں کی تمثیل بیان کر۔ ان میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے اور ان دونوں کے گرد

کھجوروں کی ہاڑ لگائی۔ اور ان کے درمیان کھیت اگائے۔ یہ دونوں باغ اپنا پھل خوب لاتے تھے۔ اور انہوں نے اس میں کوئی کمی نہیں کی۔ اور ان دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کی۔ اور اس فicus کے پاس اور بھی انواع و اقسام کی دولت تھی۔ (اسکے اور اس کے حریف کے درمیان تکرار ہو گئی) چنانچہ اس نے اپنے حریف کو (اسکی بات کا جواب دیتے ہوئے) کہا میں مال و دولت میں تجھ سے زیادہ (امیر) ہوں۔ اور نفری کے لحاظ سے بھی زیادہ (طاقتور) ہوں۔ اور وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھ آیا تھا۔ اس نے کہا میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہوگا۔ اور نہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ کبھی قیامت کی گھڑی آجیگی۔ اور اگر (وہ گھڑی آئی اور) مجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا پڑا تو مجھے اس (موجودہ باغ) سے بھی بہتر ٹھکانا ملے گا۔

یہاں اگرچہ دو باغوں کا ذکر ہے لیکن ضمیر انکے لئے واحد کی لائی گئی ہے۔ یعنی اتنا کی جگہ اِنَّت اور لَمْ تَظْلِمَا کی جگہ لَمْ تَظْلِمْ جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ وہ دو باغ دراصل ایک ہی ہیں۔ یعنی ایک باغ کے دو حصے ہیں۔ جنہیں درمیانی نہر نے الگ الگ کر دیا ہے۔ اسکے بعد جاننا چاہیے کہ اَوَّل مثلاً کا لفظ پھر خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ان باغوں نے کبھی پھل دینے میں کمی نہیں کی۔ (جبکہ قانون قدرت یہ ہے کہ ظاہری باغ ایک سال پھل کم دیتے ہیں اور ایک سال زیادہ) پھر باغ والے کے باغ یا اسکے پھلوں کی بجائے مال اور اولاد کی کثرت پر تازہ کرنے کا ذکر۔ (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انہی چیزوں کو اپنا باغ قرار دیا) بتاتا ہے کہ یہاں ایک تمثیل بیان ہوئی ہے۔ اور تمثیلاً اولاد کو اور آسائش کے سامانوں کو (جن کا منبع مال ہوتا ہے) باغ قرار دیا ہے۔ اور یہ ایک عام محاورہ ہے۔ اور مال سے ظاہری مال کے علاوہ علم و معرفت کا معنوی مال بھی مراد ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جو مہدی موعود کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ اتنا مال تقسیم کریگا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیگیں۔ تو اس سے علم و معرفت کا مال ہی مراد ہے ورنہ مادی مال کے متعلق تو حضورؐ نے خود فرمایا ہے کہ اگر ایک کان سونے کی ٹل جائے تو انسان چاہے گا کہ اور بھی ٹل جائے۔ پھر انجیل میں شریعت کو بھی باغ قرار دیا گیا ہے (کہ وہ

روحانی مال پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور اس کے سایہ کے نیچے لوگ روحانی طور پر راحت و سکون پاتے ہیں) پس یہاں باغ سے یہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

انگوروں کے بارہ میں جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے روایہ میں دیکھا کہ ابو جہل کے لئے جنت کے انگوروں کا خوشہ آیا ہے اور مراد اس سے حضرت عمرؓ سے تھی جو ابو جہل کے بیٹے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے بھی اپنی قوم کو انگوروں کا باغ قرار دیا ہے۔ اور قرآن کریم نے انگوروں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان سے رِزْقًا حَسَنًا بھی حاصل ہوتا ہے اور مسکّر بھی (النَّخْل ۶۸:۱۶)۔ اس لئے اس سے اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ اور سامان مراد ہو سکتے ہیں۔

کجگور کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے مومنوں کو تشبیہ دی ہے۔ اور یہ چونکہ ایک قد آور درخت ہوتا ہے اور اس تمثیل میں کجگوروں کی باز کا ذکر ہے گویا انہیں باغ کا محافظ قرار دیا ہے اس لئے اس سے بڑے بڑے علماء یا آئمہ قوم مراد ہونگے۔ لیکن محولہ بالا آیت میں انگوروں والی بات چونکہ کجگور کے بارہ میں بھی کہی گئی ہے اس لئے ان سے بھی اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ مراد ہو سکتے ہیں۔

نہر دو ساحلوں کے درمیان بننے والے پانی کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ نہر کی صورت میں ہو یا دریا کی صورت میں۔ اور کسی بڑے عالم یا کسی بڑے صاحب فیض بزرگ کو تمثیلاً نہر قرار دینا بھی عام محاورہ ہے۔

رہا ثمر کا لفظ تو جس طرح ہمارے ہاں محنت کے نتیجہ کو اس کا پھل کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح عربی میں بھی محنت کے نتائج کو تمثیلاً ثمر کے لفظ سے تعبیر کر لیتے ہیں۔

پس یہ تمثیل بیان کر کے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ مسیح ماضی کی قوم کو دو دفعہ ترقی ملنا مقدر تھا۔ ایک دفعہ ایک بہت بڑے صاحب علم اور صاحب فیض کثیر یعنی نیک اور مقبول تعلیم دینے والے ایک عظیم الشان شخص سے پہلے اور ایک دفعہ اس کے بعد۔ ان خوبیوں والا شخص جس کا ظہور بھی مسیحی قوم کی دو ترقیات کے درمیان ہوا۔ اور جس کا نام لئے بغیر خود بخود ذہن اس کی طرف جاسکتا ہے۔ بلاشبہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد ﷺ کا وجود باجود ہے۔ اور چونکہ ایک نئی شریعت والے نبی کے آجانے کے بعد اس سے پہلے نبیوں کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اس لئے اسی میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ جہاں (کَتَبَ اللَّهُ لَا غَلْبَانَ أَنَا وَرُسُلِي) کے مطابق) سبکی اقوام کو ملے

والی پہلی ترقی مسیحی دین کی ترقی ہوتا تھی اور ہوئی یعنی اس ترقی کا زمانہ دراصل مسیح کی تعلیم کے غلبہ کا زمانہ تھا (اگرچہ اس کے ساتھ ماندہ ملنے کے الہی وعدہ کے ایفاء میں انہیں دنیوی نعماء اور آسائشیں بھی ملیں) وہاں ان کی دوسری ترقی محض دنیوی ترقی ہوگی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان کو ملنے والے دو باغوں کو ایک باغ قرار دیکر یہ اشارہ بھی کیا کہ اپنی اس دنیوی ترقی کو بھی وہ اپنے مسیح کی طرف منسوب کریں گے اور اسے اپنے مذہب کی صداقت کی دلیل ٹھہرائیں گے۔

اس کے بعد ان دونوں باغوں کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ کا ذکر کر کے بتایا کہ انکے پہلے باغ کی طرح اس دوسرے باغ یعنی دوسری ترقی کو بھی ان کے علماء دین کی حفاظت و سرپرستی حاصل ہوگی۔ مگر اس وقت چونکہ حضرت مسیح کا عہد رسالت ختم ہو چکا ہوگا اس لئے وہ لازماً ایک جھوٹا دین پیش کرنے والے ہوں گے۔ بالفاظ دیگر ان کا اس وقت کا باغ رزقاً حسنناً مہیا کرنے والے انگوروں کا باغ نہیں ہوگا۔ بلکہ سکر مہیا کرنے والے انگوروں کا باغ ہوگا۔ اور اس باغ کے محافظ یعنی ان کے علماء دین (علماء حق) نہیں ہونگے۔ بلکہ مسکر یعنی عقل پر پردہ ڈالنے والی تعلیم دینے والے (علماء سوء) ہونگے۔

اس کے بعد قَالَ لِصَاحِبِهِ سے شروع کر کے بتایا کہ اپنی دوسری ترقی کے زمانہ میں مسیحیوں کا سربراہ یا اس کی نمائندگی کرنے والے لوگ مسلمانوں پر طعن کریں گے۔ اور ان سے بحث کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارے پاس مالی قوت بھی تم سے زیادہ ہے اور افرادی قوت بھی زیادہ۔ یعنی مادی وسائل کی زیادتی کو اپنے دین کی برتری کے ثبوت میں پیش کریں گے۔ حالانکہ وہ اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم کرناوالے ہوں گے۔ (یعنی دینی حالت ان کی بہت خراب اور ان کے عقائد کی سچائی کے دعویٰ کو جھٹلانے والی ہوگی)۔ اس پر مزید یہ کہ جب ان کو یہ کہا جائیگا کہ ان آتی جانی چیزوں پر ناز نہ کرو اور قیامت کے محاسبہ سے ڈرو تو وہ (بزبان حال یا قال) کہیں گے ہم گمان نہیں کرتے کہ ہمارا یہ باغ کبھی تباہ ہوگا۔ اور نہ یہ گمان کرتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی (جس میں ہم سے ہمارے عملوں کا حساب لیا جائے) کبھی آئیگی۔ اور اگر (بقرض محال آ بھی گئی اور) اس میں ہمیں اپنے رب کے حضور پیش بھی کیا گیا تو ہم وہاں اپنے اس باغ سے بہتر ٹھکانا پائیں گے۔ (اپنی بد اعمالیوں کے باوجود ان کا یہ دعویٰ کرتا بتاتا ہے کہ وہ کسی ایسے عقیدہ کے قائل ہونگے جسکی بنا پر وہ سمجھیں گے کہ وہ جو کچھ مرضی کر لیں انکا انجام بہر حال اچھا ہوگا۔

(چنانچہ دیکھ لیجئے کفارہ کے عقیدہ کی بناء پر اس زمانہ کے مسیحی لوگ یہی سمجھتے ہیں)۔
اس پر دوسرا شخص جس سے وہ باغ والا یا باغ والے بحث کر رہے ہو گئے یعنی مسلمانوں
کی نمائندگی کر رہا تھا کہیگا۔

اَكْفَرْتُ بِاللّٰدِيْ خَلَقَكَ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
سَوَّكَ رَجُلًا (۳۸)

کیا تو اس رب (کی قوتوں اور اس کی توحید) کا کفر کرتا ہے جس نے
تجھے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پھر تجھے پورا مرد بنا دیا۔

مطلب یہ کہ اس کا تجھے اس حالت سے پیدا کرنا جب تو لم یکن شیئاً کا مصداق
تھا پھر اس حالت سے پیدا کرنا جب تو ایک حقیری چیز تھا اور صرف پیدا ہی نہ کرنا پورا مرد بنا دینا
بتاتا ہے کہ وہ پیدائش پر اور پیدائش کو تکمیل تک پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے اور کوئی دوسرا اس کے
ارادوں میں رخ نہ انداز نہیں ہو سکتا۔ اور جب ایسا ہے تو اس کے واحد ولا شریک ہونے اور قیامت
کے لانے پر قادر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود اگر تو اس کا کفر کرتا ہے تو کر۔

لَكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَا اُشْرِكُ بِرَبِّيْ اَحَدًا (۳۹) وَلَوْ لَا
اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ
تَرٰنَا اَقْلَ مِنْكَ مَا لَا وُلْدًا (۴۰) فَعَسَى رَبِّيْ اَنْ
يُّوْبَيِّنَ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ
السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا (۴۱) اَوْ يُصْبِحَ مَاءًا وَّهَا
عَوْرًا اَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا (۴۲)

لیکن وہی اللہ میرا رب (یعنی مجھے درجہ بدرجہ ترقی دینے والا ہے) کیونکہ
میں اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور جب تو اپنے باغ میں
داخل ہوا تو کیوں تو نے یہ نہیں کہا کہ جو اللہ نے چاہا (ہوا) اس کے سوا
کسی کو کوئی طاقت نہیں (یعنی جو کچھ تجھے ملا اس کی دین ہے اور اسے
قائم بھی وہی رکھ سکتا ہے) اگر تو نے دیکھا کہ میں مال و دولت میں تجھ
سے کمتر ہوں تو اس میں (جائے غرور کوئی ہے) عین ممکن ہے کہ (کل

سے پہلے مسیح موعود آکر انکے عقائد کا باطل ہونا بدلائل ثابت کر دیگا۔ لیکن عذاب آنے تک من حیث القوم وہ ان عقائد کو چھوڑینگے نہیں۔ چھوڑینگے اسوقت جب عذاب کے آنے سے انکی مادی ترقیات کا غرور مٹ جائے گا۔ اور پھر وہ لوگ جن کے وقت میں اس تعلیم پر تباہی آئیگی اسے دوبارہ رائج کرنا چاہیں گے بھی تو نہیں کر سکیں گے۔ تاہم اس کے خشک یا ختم ہو جانے کی بجائے غوراً یعنی سطح زمین سے دور جانے کا ذکر کر کے یہ اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں یہ جھوٹے عقائد پھر سر اٹھائیں گے۔ اور پھر خدا کا بیٹا قرار دینے کا مشرکانہ عقیدہ دنیا میں پھیلے گا۔ اس کے متعلق حضرت مہدی موعود کے ارشاد کے متعلق دیکھیں صفحہ ۵۰ کتاب ہدا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس آیت میں اس باغ کے پانی کے غورا ہو جانے کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ اور اس کی تباہی کا ذکر پہلے اس میں یہ اشارہ ہے کہ پہلے عیسائیوں کی ظاہری شان و شوکت تباہ ہوگی اور اس کے بعد مگر اس سے متصل ہی ان کے مذہب اور عقائد کا بھی صفایا ہو جائیگا۔ اور چونکہ مادی عالم کی طرح روحانی عالم میں بھی کبھی خلا نہیں رہ سکتا اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ جب یہ جھوٹا دین مٹے گا تو اس کی جگہ سچا دین یعنی دین اسلام لے لے گا۔ گویا مسیحیت کی تباہی کا آخری دن غلبہ اسلام کا پہلا دن ہوگا۔ یہی بات سورۃ الحاقۃ کی آیات ۱۳ تا ۱۶ میں بیان ہوئی ہے بلکہ اگلی آیات ۳۳-۳۴ میں بھی بوضاحت یہ ذکر ہے کہ ان کا باغ تباہ ہو جائیگا اور اس وقت وہ بر ملا کہیں گے کہ کاش ہم کسی کو اپنے رب کا شریک نہ ٹھہراتے یعنی یہ اعلان کریں گے کہ مسیح کو خدا کا بیٹا بنانا سراسر ان کی غلطی تھی ورنہ وہ ان کے کام آتا۔ فرمایا هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ (آیت ۳۵) پس اس وقت سچے خدائے واحد کی بادشاہت قائم ہوگی۔

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ:

نمبر ۱ یہ باتیں کہنے والے پورے موعود ہونگے۔

نمبر ۲ وہ اس بات پر یقین رکھنے والے ہونگے کہ ہر نعمت کا دینے والا خدا تعالیٰ ہی

ہے اور اسے محفوظ رکھنے کی قوت بھی اسی کو حاصل ہے۔

نمبر ۳ ان کو یقین ہوگا کہ خدا تعالیٰ ان کو مسیحوں کو ملنے والے باغ سے بہتر باغ

دیگا۔

ظاہر ہے کہ یہ باتیں مسیحیوں سے مرعوب ہو جانے والے یعنی رعب دجال میں آجانبو الے عام مسلمانوں کے بارہ میں کہی نہیں جاسکتی تھیں لہذا یہ باتیں یقینی طور پر ان میں سے حضرت مہدی موعودؑ کے ماننے والوں کے بارہ میں ہیں اور اشارہ ان میں یہ ہے کہ مہدی موعودؑ کے انفاخ قدسیہ اور کلمات طہیۃ سے انہیں خدا تعالیٰ پر ایسا قوی ایمان اور توکل حاصل ہو جائیگا کہ وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بارہ میں نہایت درجہ پر اُمید ہونگے۔ اور مسیحیوں کو علانیہ کہیں گے کہ یہ بات ہو کر رہے گی۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا کے نوشتے ٹل نہیں سکتے۔ اسکے بعد ہے:

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنْ
السَّمَآءِ فَاَخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا
تَذْرُوْهُ الرِّیْحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (۳۶)
انکے فائدہ کے لئے درلی زندگی کی مثال بیان کر۔ یہ اس پانی کی طرح
ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا پھر اس میں زمین کی روئیدگی مل گئی۔
جس کے نتیجہ میں وہ خشک گھاس بن کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ جسے ہوائیں
(اپنے اپنے رخ پر) اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خط کے معنی ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملا دینے کے ہوتے ہیں اور "ب" کے معنی
ساتھ کے ہیں اور اس کا استعمال اظہار سبب کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اسلئے فَاَخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ
الْاَرْضِ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

نمبر ۱ نبات الارض آسمانی پانی برسنے کے نتیجہ میں اس قدر بڑھتی ہے کہ اس کی شاخیں
ایک دوسری سے غلط ملط ہو جاتی ہیں۔

نمبر ۲ نبات الارض آسمانی پانی کے ساتھ مل جاتی ہے یعنی اسے آلودہ کر دیتی
ہے۔ سورۃ یونس میں بھی اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ (اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ
مِّنَ السَّمَآءِ فَاَخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ... آیت ۲۵)۔ وہاں فَاَخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ
الْاَرْضِ کے پہلے معنی مراد ہیں۔ کیونکہ ان الفاظ کے بعد اس نبات میں سے انسانوں اور
جانوروں کے کھانے کا ذکر ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ (یہ کھیتی پھلتی پھلتی رہتی ہے) یہاں تک کہ
زمین اس کے ہرے بھرے زیوروں سے آراستہ ہو جاتی ہے۔ البتہ جب اسکے اہل خود کو اس پر

قادر سمجھنے لگ جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی قضاء نازل ہو کر اس کو تباہ کر دیتی ہے۔ مگر یہاں ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ جن سے اس نبات کے پھلنے کا اشارہ ہو۔ بلکہ **فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ** سے **مُشْجَلٌ** ہی **فَاَصْبَحَ هَشِيمًا** کے الفاظ لاکر اس کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا یہ بتایا گیا ہے کہ اس نبات الارض کا آسمانی پانی میں مل جانا ہی اس کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ پس یہاں ان الفاظ کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ اور یہ دو مثالیں بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والے مادی پانی کے نبات الارض پر ہونے والے دو قسم کے اثر کی طرح اس سے نازل ہونے والے روحانی پانی یعنی الہامی تعلیم کا بھی حیات الدنیا (کے سامانوں) پر دو قسم کا اثر ہوتا ہے۔ پہلا اثر اس قسم کا مفید اثر ہوتا ہے جس کا ذکر سورۃ یونس والی مثال میں کیا گیا ہے۔ یعنی اس کے نتیجہ میں دین ہی نہیں دنیوی زندگی بھی سنور جاتی ہے۔ اور اس زندگی کے جو سامان انسان کو پہلے سے حاصل ہوتے ہیں ان میں برکت پڑتی ہے۔ عقلیں بھی جلا پکڑتی ہیں۔ عمریں بھی زیادہ ہونے لگتی ہیں۔ ہر چیز پر ایک طرح کی بہاری آجاتی ہے۔ بلکہ جیسے بارش کے نتیجہ میں نبات الارض بڑھتی ہے تو انسان اور جانور دونوں اس سے کھاتے ہیں اسی طرح یہ برکت بھی مومنوں کے لیے ہی نہیں (کالانعام) کافروں کے لئے بھی (جو **يَاكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ** کے مصداق ہوتے ہیں) پڑتی ہے گویا جب آسمانی پانی اس نبات الارض میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لئے غذا کا کام دیتا ہے۔ اور اسکی تقویت اور افزائش کا باعث بنتا ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ان سامانوں کی کثرت سے زمین بج جاتی ہے۔ اور بند صرف اسوقت ہوتا ہے جب لوگ خدا تعالیٰ کو بھلا کر یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ وہ خود ان سامانوں پر قادر ہیں۔ (ان اللہ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ الرعد ۱۳:۱۲) یعنی اللہ اسوقت تک کسی قوم کی حالت (نیک یا بد) کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے تئیں نہ بدل لے۔ علاوہ ازیں یہ بھی اس مثال میں بتایا گیا ہے کہ مادی عالم میں بھی جو کچھ انسان کو ملتا ہے وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ روحانی پانی یعنی الہامی تعلیم ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

وَلِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ

تمہارا رزق بھی آسمانوں میں ہے اور تباہی کا سامان بھی جس کی تمکو وعید دی جاتی ہے (آسمانوں میں ہے)۔

آسمانوں سے نازل ہونے والے روحانی پانی کا دوسرا اثر منفی اثر ہوتا ہے۔ جو دراصل اس پانی کا نہیں بلکہ اسکے غلط استعمال کا اثر ہوتا ہے۔ یہ اثر اسوقت ظاہر ہوتا ہے جب نبات الارض اس پانی میں داخل ہو کر اسے آلودہ کر دیتی ہے۔ یعنی جب انسانی خیالات آسمانی تعلیم میں دخل پانے لگ جاتے ہیں اور دنیوی مفاد کی خاطر اس تعلیم میں تصرف کر کے اسکے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا جاتا ہے۔ اور یہ دخل اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ اصل تعلیم کا سوائے نام کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر یہ نبات الارض خود بھی سوکھ کر چورا ہو جاتی ہے۔ اور ہوائیں اسے اڑائے پھرتی ہیں۔ یعنی جو قوم اس جرم کی مرکب ہوتی ہے اس کا اپنی حیاۃ الدنیا کے سامانوں اور زینتوں یعنی اپنے اموال اور اولاد پر اختیار نہیں رہتا۔ اور جدھر زمانہ کی ہوا چلتی ہے ادھر ہی ان کو چلنا پڑتا ہے۔ الہامی تعلیم میں تصرف تو یہ سمجھ کر کیا جاتا ہے کہ اس سے حیاۃ الدنیا سنور جائیگی اور حیاۃ الدنیا کی زینت مال و اولاد سے ہے مگر یہ دونوں فانی ہیں۔ اسلئے اسکے بعد فرمایا:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَةُ الصَّلَاحُ

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا (۴۷)

مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہے۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔ اور امید کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔

اسمیں بتایا کہ اس زمانہ میں جس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی زمانہ مہدی موعودؑ میں مسلمان اموال و بنون کو یعنی اقتصادی اور افرادی قوت کو مقصود بالذات بنا لیں گے۔ حالانکہ مقصود بالذات باقی رہنے والی نیکیاں ہونی چاہیں۔ اور مال و اولاد کی خواہش بھی ہو تو صرف اسلئے ہونی چاہیے کہ باقی رہنے والی نیکیوں کے حصول کا ذریعہ بنے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے آکر اس امر کی طرف خصوصیت سے متوجہ فرمایا۔ اور سورۃ الکافر میں بھی اس کا ذکر ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اوپر مسیحیوں کو ملنے والے دوسرے باغ کی جو مادی ترقیات کا باغ تھا تباہی کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ اس کا مالک سمجھتا تھا کہ یہ باغ کبھی تباہ نہیں ہوگا۔ یعنی وہ اپنے تئیں اس کو تروتازہ رکھنے پر قادر سمجھتا تھا۔ چونکہ سورۃ یونس میں بیان ہونے والی حیاۃ الدنیا کی مثال میں بھی دنیوی سامانوں کی تباہی کا بعینہ یہی سبب بیان کیا گیا ہے اس لئے مسلمانوں میں

سے بعض کو خیال ہو سکتا تھا کہ دنیوی ترقیات اور سامانوں کی تباہی کا بس یہی ایک سبب ہے۔ اور اگر وہ یہ سبب پیدا نہ ہونے دیں تو ان کو ملنے والی مادی ترقیات پر کبھی تباہی نہیں آئیگی۔ یعنی وہ تباہی کے دوسرے اور زیادہ خطرناک سبب سے (جو نبات الارض کا آسمانی پانی میں ملنا یعنی دنیوی خیالات کا آسمانی تعلیم سے غلط ملط ہو جاتا ہے) غافل ہو سکتے تھے اسلئے اس سبب کا ذکر بھی ضروری تھا۔ مگر مسیحیوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ ان کا دوسرا باغ ایک طرح سے ان کے پہلے باغ ہی کا جز تھا مگر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے ان کے دین کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اور بنا برائیں ان کا صرف اس کی تعلیم میں تصرف کرنا موجب غضب الہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس دوسرے سبب کو ان کے باغ کی تباہی کے سبب سے الگ کر کے بیان کیا۔ اور بتایا کہ دنیا کے سامانوں پر خود کو قادر سمجھنے کے نتیجے میں حیاۃ الدنیا کے سامانوں پر باہر سے تباہی آتی ہے۔ لیکن اگر دنیوی خیالات کو الہامی تعلیم میں دخل مل جائے اور ہوائے نفس کے تحت دین میں تصرف ہونے لگے۔ اور یہ تصرف اس حد تک بڑھ جائے کہ دین کی اصل شکل ہی غائب ہو جائے تو اندر ہی سے تباہی کے سامان ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے اور دین بھی۔ اور قوموں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ زمانہ کی مختلف ہوائیں انہیں اپنے اپنے رخ پر اڑائے پھرتی ہیں۔

=====

مسلمانوں کے لئے زبردست حرف انتباہ

اس میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑا حرف انتباہ تھا۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ قرآنی تعلیم کے خلاف خود ساختہ افکار و وظائف اور چلہ کشیاں اختیار کر لیں۔ قرآنی کی شکل میں قص و سرود کو جزو دین بنا لیا۔ (حالانکہ آیت وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ الْأُمِّيَّاءِ وَتَضِيدَةً - الْأَنْفَال ۳۶:۸ صریحاً اس سے روک رہی تھی) قبروں پر سجدے کرنے لگے۔ حرمت شراب کو یہ کہہ کر توڑنے لگے کہ اسلام میں صرف مسکرو حرام ہے۔ سود کا یہ کہہ کر جواز نکالنے لگے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور قسم کا سود تھا آجکل جیسا نہیں تھا۔ الغرض قرآن کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرا لیا۔ اپنے پیروں فقیروں اور علماء کی باتوں کو قرآن و حدیث پر قاضی بنا لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب زمانہ کی مختلف ہوائیں انہیں اپنے

اپنے رخ پر اڑائے پھرتی ہیں۔ اور وہ ان روحانی اموال و فیوض سے جو ان کو پہلے حاصل تھے اس حد تک محروم ہو چکے ہیں کہ گویا وہ ان پر حرام ہو گئے ہیں۔ لیکن جس طرح امت موسویہ کے آخرین کا ایسا ہی حال ہو جانے پر خدا تعالیٰ نے ان کی طرف ایک مسیح کو بھیجا اور اس نے آکر ان کو یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ **وَلَا حِلَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ** (۱/ عمران ۵۱:۳) اسی طرح امت محمدیہ کا یہ حال ہونے پر خدا تعالیٰ نے مہدی مسعود اسح الموعودؑ کو بھیجا ہے تا ان فیوض و برکات کے دروازے ان پر دوبارہ کھول دے اور یہ حرام ان پر حلال کر دیا جائے۔ اے کاش کہ یہ لوگ اس کی سنیں اور پھر سے ان برکات و فیوض کو حاصل کرنے والے بن جائیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اس آیت میں سب مومنوں کو کہا جا رہا ہے کہ الباقیات الصلوات انکے لئے اموال الدنیا سے بہتر ہیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اور عند ربک فرما کر یہ بتایا کہ خدا تعالیٰ اس دنیا میں آنحضور ﷺ کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے اس لئے وہ نیک عمل جو آپ ﷺ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے کئے جائیں باقی رہیں گے۔ کیونکہ آپ کے مقاصد بہر حال پورے ہونے ہیں۔ اس لئے ہر دوسرے عمل سے ان اعمال کا ثواب زیادہ ملے گا۔

=====

مسلمانوں کے فائدے کے لئے ایک عجیب نکتہ

اس میں مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ایک بہت ہی عجیب نکتہ بیان کیا گیا۔ کاش وہ اس کو سمجھ سکتے۔ اور صرف ظاہری نماز و روزہ پر قناعت نہ کر لیتے۔ بلکہ ان کاموں کی طرف متوجہ ہوتے اور انہی کو مقدم رکھتے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری تھے۔ اور نمازوں میں بھی زیادہ تر غلہ اسلام ہی کی دعائیں مانگتے۔ اس طرح خدا تعالیٰ بھی ان سے خوش ہوتا اور اسلام کے غالب آنے سے دنیوی مفاد بھی انہیں حاصل ہو جاتے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ رکھا تھا۔ اور اس کے مطابق اپنی زندگی کا ہر لمحہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ آپ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں:-

ہر کسے اندر نماز خود دعائے میکند

من دعا ہائے برو بار تو اے باغ و بہار

اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے ایک طرف تو یہ فرمایا کہ ”تیری نمازوں سے تیرے کام افضل ہیں۔“ (تذکرہ صفحہ ۸۶) اور دوسری طرف یہ بشارت دی کہ تیرے ”خالص اور دلی نجبوں کا (یعنی جو تیرے نمونہ کو اختیار کرنے والے ہو گئے ان کا) گروہ بھی بڑھاؤں گا۔ اور ان کے نفوس اور اموال میں برکت دوں گا۔“ (تذکرہ صفحہ ۱۳۸)

اگلی آیت میں ایک بہت بڑی تباہی کا جس میں پہاڑ اڑائے جائیں گے زمین چٹیل میدان کی طرح ہو جائیگی اور ساری دنیا کے لوگ جنگ کے لئے اکٹھے کئے جائیں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑا جائیگا ذکر کیا گیا ہے۔ تا دنیا کی خاطر دین میں تصرف کرنے والے جان لیں کہ دنیا خود فانی ہے۔ اور ان باتوں کا نتیجہ صرف ہلاکت ہو گا۔ خدا سے علم پا کر یہ خبر حضرت مسیح ناصری نے بھی دی تھی کہ آخری زمانہ میں قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھائی کریں گی۔ (متی باب ۲۴ آیت ۷) اور یہ زمانہ آنے پر حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اسکی خبر دی گئی۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا:-

”دنیا میں ایک حشر برپا ہو گا۔ وہ اول الحشر ہو گا۔ اور تمام بادشاہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے... اور ہر ایک بادشاہ کی رعایا بھی آپس میں خوفناک لڑائی کرے گی۔ اور ایک عالمگیر تباہی آئیگی۔ اور ان تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہو گا۔“

(تذکرہ صفحہ ۷۹۹ بحوالہ تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳)

قرآن کریم نے بھی دوسری جگہ یہ خبر دی ہے کہ یہود کا مدینہ سے نکالا جانا اول الحشر پر منج ہو گا۔ (هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ۔ الْحَشْرِ ۵۹: ۳) اور چونکہ حسب پیشگوئی عذاب دنیا کا آتا عذاب الآخرة کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ اگلی دو آیتوں میں قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور حاضری کا ذکر ہے اور اسکے بعد ہے:-

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط
كَانَ مِنَ الْغَابِطِينَ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ط افْتَحَيْنَا آلَ رَءِيسَ ط وَدُرَيْتَ ط
أُولَئِكَ مِنْ دُونِیْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ط بئْسَ لِلظَّالِمِينَ

بَدَلًا (۵۱) مَا أَشْهَدُهُمْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلَقَ
أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصَدًا (۵۲)

اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ملائکہ کو کہا آدم کے لئے سجدہ کرو۔ (یعنی اسکی اس طرح اطاعت کرو گویا سجدہ کرتے ہو یا یہ کہ اس کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمارے احکام بجا لاؤ)۔ سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا۔ اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔ کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اسکی ذریت کو دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت ہی برا بدلہ ہے۔ (یاد رکھو) ہم نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت انکو (مدد کیلئے) حاضر نہیں کیا نہ انکے اپنے نفسوں کی پیدائش کے وقت اور نہ ہی ہم گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والے ہیں۔

آیات ۳۷ تا ۵۰ میں خدا تعالیٰ نے مسیحیوں کے دوسرے باغ پر یعنی ان ترقیات پر جو انہیں آنحضرت ﷺ کے بعد ملنے والی تھیں تباہی آنے کا ذکر فرمایا تھا اور اسکی وجہ بیان کی تھیں اور اس کے ساتھ ہی ان کی اس ترقی کے زمانہ میں جس طرح مسلمانوں کی حالت زبوں ہو جانے والی تھی اس کا ذکر کیا تھا اور یہ اشارہ بھی فرمایا تھا کہ اس حال کو پہنچنے کے باوجود مسلمانوں میں سے مہدی موعود کے ماننے والے اسلام کی دوبارہ ترقی کے بارہ میں پر امید ہو گئے اور وہ سمجھتے ہو گئے کہ مسیحیوں کے باغ سے بہتر باغ خدا تعالیٰ انکو عطا کرے گا۔ اس پر کئی سوال پیدا ہوتے تھے مثلاً

نمبر ۱ یہ کہ مہدی موعود پر کون لوگ ایمان لائیں گے اور کون نہیں لائیں گے۔

نمبر ۲ یہ کہ اسکی نصرت کی توفیق کن کو ملے گی اور کن کو نہیں ملے گی۔

نمبر ۳ یہ کہ اس کے مخاطب صرف مسیحی ہو گئے یا دوسرے انسان بھی ہو گئے۔

نمبر ۴ یہ کہ اس وقت کے زبوں حال مسلمان دوبارہ ترقی کس طرح کر سکیں گے۔

اس موقع پر زیر نظر آیت لا کر خدا تعالیٰ نے ان سوالوں کا جواب دیا اور قصہ آدم یاد دلا کر سمجھایا کہ نبی موعود پر ایمان لانے کی توقع تو سب انسانوں سے کی جائے گی کیونکہ سب ہی

اس کے مخاطب ہونگے۔ لیکن جس طرح پہلے آدم کے وقت فرشتوں نے خدا کا حکم پا کر اس کی فرمانبرداری کی تھی اور اسکی خدمت میں لگ گئے تھے لیکن ابلیس نے بوجہ جات میں سے ہونے کے اس کی نافرمانی کی تھی اسی طرح مہدی موعود کے آنے پر جو آدم وقت ہوگا فرشتہ خصلت لوگ تو (جو فرشتوں کی طرح یَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ کا مصداق ہیں) اسکی فرمانبرداری کریں گے اور اسکی خاطر خدا تعالیٰ کے حضور سجدات (شکر) بجا لائینگے اور وہ سب کام کریں گے جو اس کی تائید کے لئے کرنے کا خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا لیکن ابلیس خصلت لوگ جو اس کی رحمت سے ناامید ہونگے اسکا انکار کریں گے۔ اس وقت مسلمان خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر یعنی اپنی ترقی کے اس سامان کو چھوڑ کر جو خدا تعالیٰ نے اس وقت ان کے لئے مہیا کیا ہو گا یعنی نبی موعود سے منہ موڑ کر سبھی قوتوں کی طرف جھکیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ اس طرح وہ دوبارہ ترقی حاصل کر لینگے لیکن یہ انکی غلطی ہوگی کیونکہ سبھی لوگ تو انکے دشمن ہونگے۔ دشمنوں سے خیر کی امید کیا معنی؟ فرمایا ایسے لوگ خالوں میں شمار ہونگے (کیونکہ وہ وَضَعُ الشَّنِيِّ عَلٰی غَيْرِ مَحَلِّہ کے مرتکب ہونگے۔) اور خالوں کے لئے بہت برا بدلہ ہوگا۔

=====

یہ پیشگوئی کہ مہدی موعود کے انصار بننے کی توفیق پادری

مولوی اور پیر وغیرہ کم ہی پائینگے

آگے آیت مَا أَشْهَدُ لَهُمْ میں انکی غلطی کو اور زیادہ مبرہن کیا ہے جیسا کہ اسکے آخری الفاظ بوضاحت بتا رہے ہیں۔ یہاں حاضر کرنے سے مدد کے لئے حاضر کرنا مراد ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جس کا کوئی وجود ہی نہیں اسے مدد کے لئے حاضر کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت اور خود انکے نفسوں کی پیدائش کے وقت اسنے ان کو (مدد کے لئے) حاضر نہیں کیا تو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں روحانی آسمانوں اور زمین کا ذکر ہے اور بتایا یہ گیا ہے کہ جب قوموں کی ویسی ابتر حالت ہو جاتی ہے جیسی کہ مسیحیوں کی ترقی کے زمانہ میں مسلمانوں کی ہو جانوالی ہے اس وقت ایک نئے آسمان اور

نئی زمین کی پیدائش کی ضرورت ہوتی ہے اور انکے پیدا کرنے کے وقت خدا تعالیٰ نے کبھی مُطہّلین کو مددگار نہیں بنایا بلکہ خود ان لوگوں کی پیدائش کے وقت یعنی جب مسیحیوں کو ایک قوی شخص دیا جا رہا تھا اسوقت بھی اس نے ایسوں کو مددگار نہیں بنایا تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کے موعودہ زمانہ میں جب نئے آسمانوں اور نئی زمین کے پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اسوقت خدا تعالیٰ مُطہّلین یعنی گمراہ کرنے والوں یعنی مسیحیوں کے لیڈروں کو مدد کے لئے حاضر کرے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کو کسی وقت بھی کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اسکی سبب اسی طرح پر واقع ہے کہ جب نبی آتا ہے تو لوگوں کو حصول ثواب کا موقع فراہم کرنے کو خدا تعالیٰ اپنے نبی سے مَنُ أَنْصَارِیَ اِلَی اللّٰہ کی صدا بلند کر داتا ہے لیکن اس پر لبّیک کی توفیق وہ مُطہّلین کو کبھی نہیں دیتا۔ یہ توفیق ہمیشہ نیک دل لوگوں کو دیتا ہے۔ پس آئیں جہاں یہ بتایا کہ اسوقت مسیحیوں کے بڑے لوگ اور بالخصوص انکے پادری وغیرہ آدم وقت مہدی موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انصار میں شامل ہونے کی کم ہی توفیق پائیگے وہاں یہ اشارہ بھی کیا کہ مسلمانوں میں سے لوگوں کو گمراہ کرنے والوں یعنی پیروں فقیروں اور مولویوں میں سے بھی کم ہی لوگ اسکے انصار میں شامل ہو سکیں گے۔

بہر حال ان آیات میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کھول کر سمجھا دیا تھا کہ اپنی کمزوری کے زمانہ میں مسیحیوں کو اپنا مددگار نہ بنائیں کیونکہ وہ انکے دشمن ہو گئے۔ انکی ترقی آدم وقت حضرت مہدی موعود کے دامن سے وابستہ ہو جانے سے ہو سکے گی جبکہ ذریعہ خدا تعالیٰ ایک نیا آسمان اور نئی زمین وجود میں لائیگا۔ (نئے آسمان سے مراد تازہ آسانی نشان اور نئی زمین سے مراد وہ پاک دل ہیں جو ان نشانات سے فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ یا نئے آسمان کی تخلیق سے مراد شریعت پر پڑ جانے والے پردوں کو ہٹا کر اسے اپنی اصل شکل میں پیش کرنا ہے جس سے وہ ایک نئی شریعت نظر آنے لگے اور نئی زمین سے مراد اس شریعت کے نام پر ایک نیا نظام عالم وضع کرنا ہے۔) لیکن افسوس اس واضح قرآنی ہدایت کے باوجود اور اس بات کے باوجود کہ مہدی موعود علیہ السلام نے ظاہر ہو کر کھلے لفظوں میں انہیں یہ کہہ دیا تھا کہ ۔

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے

ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

نیز فرمایا تھا کہ:

لوائے ماپنہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنام ما شد

اور خدا تعالیٰ نے بھی صاف لفظوں میں فرما دیا تھا کہ لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ مگر انہوں نے اس آواز پر کان نہ دھرا اور مسیحیوں کو اپنا یار و مددگار بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ اور کیا ترکی اور کیا سعودی عرب اور کیا پاکستان وغیرہ ان کے آگے بچتے ہی چلے گئے جس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلتا تھا یعنی یہ کہ ذلت پر ذلت اور گمراہی پر گمراہی انکے گلے کا ہار بن گئی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ۔ کاش اب بھی ان کی آنکھیں کھلیں کاش اب بھی وہ شرمسار دلوں کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے خدا کی طرف جھکیں اور اسکے مامور کے دامن سے وابستہ ہو جائیں کیونکہ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا بلکہ ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (البقرة ۲: ۲۲۳)

آگے ہے:

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ
فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا (۵۳)
وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ
يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا (۵۴)

اور اس دن (بزبان حال یا قال) کہا جائیگا کہ اپنے مددگاروں کو یعنی انہیں جنہیں تم بزعیم خویش مددگار سمجھتے تھے بلاؤ۔ سو وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ انکی بات نہیں سنیں گے۔ اور خدا تعالیٰ ان کے درمیان ایک روک پیدا کر دیگا۔ اور یہ سب مجرم اس آگ کو دیکھیں گے (جو ان کو بھسم کرنے والی ہوگی) اور یقین کریں گے کہ وہ انہیں پڑنے والے ہیں۔ لیکن اس سے پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں پائیں گے۔

یہ عید مسیحیوں کے لئے بھی ہے جو مسیح - مریم - روح القدس اور اپنی ہوائے نفس کو معبود

بنائے ہوئے ہونگے اور اس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ جو اپنی ہوائے نفس اور اپنے چہروں اور علماء کے علاوہ مسیحی حکومتوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہونگے اور بتایا ہے کہ اس دنیا ہی میں وہ ایک عذاب النار میں یعنی جگہ کے عذاب میں پڑینگے۔ یہ جنگ قریب ہوتی ہوئی انہیں نظر آرہی ہوگی مگر وہ اس سے فرار کی جگہ نہیں پائیں گے۔ آگے ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط
وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (۵۵)

اور ہم نے اس (عظیم) قرآن میں یقیناً ہر ضروری بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کر دیا ہے مگر انسان اکثر باتوں میں جھگڑا کرنے والا ہے۔

جب اوپر کی آیات میں خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ آدم وقت مہدی موعود علیہ السلام کے ذریعے وہ ایک نیا آسمان اور نئی زمین پیدا کرے گا تو اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ شاید اس کے آنے پر قرآنی شریعت منسوخ ہو جائے۔ اس لئے اس موقع پر یہ آیت لا کر جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن ہر ضرورت کو پورا کرنے والی کتاب ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کا سد باب کیا اور بتایا کہ جسے نئے آسمان اور نئی زمین کا نام دیا گیا ہے اس سے کوئی نئی شریعت مراد نہیں بلکہ قرآن کریم کی مُصَفَّی صورت ہی مراد ہے کیونکہ اس میں ہر ضروری بات بیان کر دی گئی ہے اور کسی نئی شریعت کی ضرورت ہی پڑنے والی نہیں۔ مطلب یہ کہ مہدی موعود کوئی نئی شریعت نہیں لائے گا۔ بلکہ قرآنی شریعت ہی کو پیش کرے گا اور دین اسلام ہی کو از سر نو زندہ کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا يُقِيمُ النَّاسَ عَلَىٰ مِلَّتِي وَشَرِيعَتِي وَيَدْعُوهُمْ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ وہ لوگوں کو میری ملت اور میری شریعت پر قائم کرے گا اور کتاب اللہ کی طرف بلائے گا۔ (بخار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۷)

حضرت مہدیؑ کا اپنا بھی ایک الہام ہے يُسْحِي الدِّينَ وَيُقِيمُ الشَّرِيعَةَ وہ دین کو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کرے گا۔ ضمناً اس آیت میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں جھگڑنے کی عادت ہوگی۔ وہ بات سمجھنے اور نصیحت حاصل کرنے کی بجائے اعتراض کا پہلو نکالنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ بارہا دیکھا جا چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کی یہی عادت ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہی مہدی موعود کا زمانہ ہے۔

اگر یہاں شنی کا لفظ مجادل کی جگہ استعمال ہوا ہو اور آیت کی تقدیر یہ ہو کہ جدلہ اکثر من جدل کل مجادل (املاء) تو الانسان کا ال تخصیص کیلئے ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت کے پادری یا ملا وغیرہ سب جھگڑا کرنے والوں سے زیادہ جھگڑا کر نیا لے ہو گئے۔ آگے ہے:-

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَ
يَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ
الْعَذَابُ قُبُلًا (۵۶)

اور جب ان کے پاس صداقت آگئی لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت چاہنے سے کسی بات نے نہیں روکا۔ سوائے اس کے کہ (وہ) عملاً اس انتظار میں ہوں کہ پہلے مکتب لوگوں پر جو گزری ان پر بھی گذر جائے۔ یا (کم از کم) عذاب ان کے سامنے آکر اٹھ اہو۔

اسی بتایا کہ مہدی موعودؑ مجسم ہدایت* بن کر آئیگا۔ اور آکر تمام ضروری مسائل کو اور صداقت اسلام کو اس طرح واضح کر دیا کہ ماننے والوں کی راہ میں کوئی روک نہیں رہے گی۔ اور اگر روک ہوگی تو صرف یہ کہ ہمیشہ سے انسان کی عادت رہی ہے کہ وہ عذاب کے نشان دیکھنا چاہتا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ
الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوا
آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا (۵۷)

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر بشیر و نذیر بنا کر لیکن کافر باطل (کو ہتھیار بنا کر اس کے ساتھ (مومنوں سے) جھگڑتے ہیں۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو مٹا دیں۔ اور انہوں نے (ہمیشہ ہی) میری آیات کو اور اس چیز کو جس سے انکو ڈرایا جاتا ہے تمسخر کا نشانہ بنایا ہے۔

=====

* آیت ہُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کی تفسیر میں شیعہ محققین نے رسول کے بارہ میں لکھا ہے کہ ہُوَ الْمَهْدِي کہ یہ رسول مہدی ہے۔ اس طرح غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ پر لکھا ہے کہ مراد از رسول در اینجا مہدی موعود است اس جگہ رسول سے مراد مہدی موعود ہیں۔

مہدی موعودؑ مُرْسَل من اللہ ہوگا اور تمام مُرْسَلین کی طرح تبشیر و انذار اس کا کام ہوگا نہ کہ بزور شمشیر مسلمان بنانا

اس موقع پر یہ فرما کر کہ ہم مرسلین کو نہیں بھیجتے مگر بشیر و نذیر بنا کر۔ یہ بتایا کہ مہدی موعود بھی مرسل من اللہ ہوگا اور اسے بھی بشیر و نذیر بنا کر ہی بھیجا جائے گا۔ اور اس طرح اشارہ کیا کہ اسکے زمانہ کے مسلمان خیال کریں گے کہ وہ آکر لوگوں کو بزور شمشیر مسلمان بنالیا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ہاں جو اسے مانیں گے انکے حق میں وہ بشارتیں جو وہ انکو دے گا پوری ہوگی اور جو نہیں مانیں گے انکے حق میں بھی وہ انذاری خبریں جو وہ دیگا پوری ہوگی اور بنا بریں یہ کہنا بجا ہوگا کہ انکی نظر کافروں کو ہلاک کرنے والی اور مومنوں کے لئے زندگی بخشنے والی ہے۔

=====

مخالفین مہدیؑ کا حربہ جھوٹ ہوگا

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ مہدیؑ کا کفر کرنوالے اس کے خلاف جھوٹ کو بطور حربہ کے استعمال کریں گے۔ یعنی اپنے منہ کی ان پھونکوں سے شمع حق کو بجھا دینا چاہیں گے (يُسْرِدُونَ لِيطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ) اور جو آیات قرآنیہ اسکے حق میں پیش کی جائیگی اور جو دوسرے آسمانی نشان انکی تائید میں ظاہر ہونگے۔ اور ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کے لئے جو وعید ہوگی اسے وہ ہنسی میں اڑا دیں گے۔ چنانچہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں غیروں سے زیادہ مسلمان کہلانے والے حضرت مہدی موعودؑ کے خلاف جھوٹ کا حربہ استعمال کر رہے ہیں۔ کبھی آپؑ کے ارشادات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کرتے ہیں۔ کبھی وہ باتیں آپؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو آپؑ نے سرے سے کہی ہی نہیں ہوتیں۔ کبھی ان استعارات کو جو آپؑ نے اپنے کلام میں استعمال کئے ہیں ظاہر پر محمول کر کے لوگوں کو آپؑ سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی آپؑ کو انگریز کا خود کاشتہ پودا کہتے ہیں (حالانکہ آپؑ ان کے 'خدا' کو مردہ ثابت کرنے والے اور ان کے جھوٹے مذہب کو بے بن و بزم سے اکھاڑ پھینکنے والے ہیں)۔ کبھی آپؑ کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقابل پر نبوت کا دعویٰ کرنے والا ٹھہراتے ہیں۔ (حالانکہ

آپ نے صاف صاف کہا ہے کہ میں نے جو کچھ پایا آنحضرت کی اتباع سے پایا ہے۔ اور اسی طرح یہ فرمایا ہے کہ میں آنحضرت کی صداقت ثابت کرنے ہی کے لئے بیجا گیا ہوں۔ کبھی آپ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ (حالانکہ آپ نے بار بار اپنا مسلمان ہونا ظاہر فرمایا ہے)۔ پھر ان قرآنی آیات کو جو آپ کی تائید میں نازل شدہ ہیں اور ان ہزاروں نشانات کو جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے ذرا بھی درخور اعتناء نہیں سمجھتے گویا ان کو مذاق بنا رکھا ہے۔

فرمایا:-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ
مَا قَدْ مَتَّ يَدَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ
وَفِي أَذَانِهِمْ وَقُرْأَ ط وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى فَلَنْ
يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا (۵۸)

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے
فہمیت کی گئی پھر وہ ان سے اعراض کر گیا اور اس انجام کو بھول گیا جس
کا انتظام اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔ ہم نے ان کے دلوں پر
پردے ڈال دیے ہیں تا وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں
بہرہ پن ہے اور اگر تو ان کو ہدایت کی طرف بلائے تو (اس صورت کے
قائم رہنے تک) وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔

=====

زمانہ مہدی کے مسلمانوں کے لئے ایک اور تنبیہ

اس میں مسلمانوں کو بہت بڑی تنبیہ کی گئی کہ اگر اپنے رب کی آیات کی طرف توجہ
دلائے جانے کے باوجود فہمیت حاصل نہیں کریں گے۔ اور ان سے اعراض کرتے ہوئے یوم
الحساب کو بھلا دیں گے تو خدا تعالیٰ ان سے تَفَقَّهُ فِي الْقُرْآنِ کی استعداد سلب کر لے گا۔
چنانچہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے حق میں یہ وعید پوری ہو چکی ہے۔ وہ پرانی تفاسیر کی
اور حضرت مہدی موعودؑ اور ان کے خلفاء کی باتیں چرا چرا کرتے اپنا عالم قرآن ہونا ظاہر کرنے کی

کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کے نئے حقائق و معارف تک رسائی کی اور ضرورت زمانہ کے مطابق قرآن سے مضامین کے استنباط کی توفیق ان کو حاصل نہیں۔ اگلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ مہدی موعودؑ کے انکار کے ساتھ ہی وہ پکڑے نہیں جائیں گے بلکہ خدا تعالیٰ ان کو کچھ ڈھیل دے گا تا کہ توبہ کر کے انکی مغفرت اور رحمت سے حصہ پائیں۔ لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو پھر جیسے پہلی منکر قومیں ہلاک ہوئیں وہ بھی ہلاک کئے جائیں گے۔

آخری جملہ وَإِنْ تَذُعْهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ خَاص تَوْجِہ کے لائق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس تو اس وقت موجود نہیں ہوتا تھا لہذا مطلب اسکا یہ ہے کہ یہی نہیں کہ وہ خود تسفقہ فی القرآن کی استعداد کو نبیئیں گے بلکہ اگر احادیث نبویہ جو قرآن کریم ہی کی توضیح و تعبیر ہیں پیش کر کے انہیں مہدی موعودؑ کی طرف بلایا جائے گا تو بھی وہ ہدایت نہیں پائیں گے سوائے اسکے کہ آیات اللہ سے اعراض کی عادت ترک کر دیں۔ جیسا کہ اذا کی شرط سے اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ آگے ہے:

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ط لَوْ يُؤَاخِذُ هُمْ بِمَا كَسَبُوا
لَعَجَلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ط بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ ذُوْنِهِ
مَوْئِلًا (۵۹) وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكَ لَهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا
وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا (۶۰)

اور (اے رسول) تیرا رب بخشنے والا رحمت والا ہے۔ اگر وہ انکو اس کھٹی پر جو انہوں نے (مہدی کا انکار کر کے) کی پکڑنے لگے تو ان پر جلد ہی عذاب نازل کر دے۔ لیکن ان کے لئے وقت مقرر ہوگا۔ البتہ جب وہ وقت آگیا تو وہ اس سے بچ نکلنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔ اور یہ (اجڑی ہوئی) بستیاں (دیکھ) جب انہوں نے ظلم (کا طریق اختیار) کیا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا لیکن (اس سے پہلے) ہم نے ان کی ہلاکت کا وقت مقرر کر دیا تھا۔

اس میں رہیم نہیں فرمایا ربک فرمایا ہے پس مطلب یہ ہے کہ اے رسول خدا تعالیٰ کو تیرے مقاصد کی تکمیل منظور ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص تیرے دین کا سچا درد رکھنے والا ہو تو

خدا تعالیٰ اس کے حق میں غفور اور ذُو الرَّحْمَةِ ثابت ہوگا۔ یعنی اس کی کمزوریوں اور لغزشوں کو بخش دے گا اور رحم کر کے ہدایت کے سامان کر دے گا۔ اور یوں وہ کسی بھی متکبر کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ ایک وقت مقررہ تک ڈھیل دیتا ہے اور صرف وہ وقت مقررہ آنے پر پکڑتا ہے چنانچہ کوئی بھی بستی جس نے ظلم کی راہ اختیار کی ہلاک نہیں ہوئی مگر وقت مقررہ تک ڈھیل پانے کے بعد آگے ہے

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ
أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا (۶۱) فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا
فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (۶۲) فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ
إِنِّي أَخَذْتُ آبَاءَ نَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا (۶۳) قَالَ
أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ
وَمَا أَنسِينِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي
الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا (۶۴) قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّ
عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا (۶۵) فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ
رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (۶۶) قَالَ لَهُ
مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ
رُشْدًا (۶۷) قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (۶۸)
وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا (۶۹) قَالَ
سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا (۷۰)
قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُخْبِرَ
لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا (۷۱)

آیت نمبر ۶۱ کے مطابق حضرت موسیٰ نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا کہ میں مجمع البحرین تک اپنا سفر جاری رکھوں گا یا پھر ہب بعد ہب چلتا رہوں گا۔ روایہ کی زبان میں بحر سے مراد ایسا طاقتور بادشاہ ہوتا ہے جو عادل ہو شفیق ہو اور دنیا اسکی محتاج ہو۔ نیز تسبیح و تہلیل بھی اس سے مراد ہوتی ہے۔ اور جو بادشاہ ان صفات مذکورہ کے علاوہ مجسم تسبیح و تہلیل بھی ہو وہ دین کا بادشاہ یعنی صاحب شریعت نبی ہی ہوا کرتا ہے۔ لہذا مجمع البحرین سے مراد وہ وقت ہوا جس تک پہنچ کر

شریعت موسویہ کا دور ختم ہو کر ایک نئے صاحب شریعت نبی یعنی حضرت اقدس محمد ﷺ کا دور شروع ہوتا تھا۔

فتنی نوجوان کو کہتے ہیں اور یہ لفظ مضاف ہو کر آئے تو اسکے معنی بیٹے یا ماتحت کے ہوتے ہیں۔ یہاں جس فتنی کا ذکر ہے اس نے مجمع البحرین تک حضرت موسیٰ کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ لہذا اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ فتنی حضرت مسیحؑ تھے جو سلسلہ موسویہ کے آخری نبی تھے۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ علم دیا گیا تھا کہ ان کے بعد ایک ان جیسا یعنی صاحب شریعت نبی آنے والا ہے۔ جس کا مطلب واضح طور پر یہ تھا کہ انکا دور رہتی دنیا تک کے لئے نہیں ہے بلکہ محدود عرصہ کے لئے ہے اور اس نبی کے آنے پر ختم ہو جائے گا۔ یعنی انہیں مجمع البحرین کی خبر دی گئی تھی اور نبی ہونے کی وجہ سے وہ سب لوگوں سے زیادہ اس بات کو جانتے تھے کہ خدا کے وعدوں میں تخلف نہیں ہوتا اس لئے انہوں نے جو اپنے فتنی یعنی حضرت مسیحؑ سے جو انکے سلسلہ کے آخری نبی تھے یہ کہا کہ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا تو اس سے انکی یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی تھی کہ شاید مجمع البحرین نہ ہی آئے اور اگر وہ نہ آیا تو میں ہب بعد ہب اپنا سفر جاری رکھوں گا بلکہ یہی مراد ہو سکتی تھی کہ اگر میں نے اسکو نہ پایا یعنی مجھے اسکا علم نہ ہوا یا میں نے اسکو نہ پہچانا تو میں ایسا کروں گا۔ لیکن نہ تو کسی نبی کے لئے بوجہ انسان ہونے کے یہ ممکن ہے کہ وہ ہب بعد ہب چلتا چلا جائے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایک نیا نبی جو اسکے دور کو ختم کرنے والا ہو آجائے اور اسے اسکا علم ہی نہ ہو اسلئے انہیں شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کشفی نظارہ تھا جس میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کر کے انکی قوموں کے بارہ میں خبر دی گئی تھی۔

بہر حال چونکہ حضرت موسیٰؑ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا تھا کہ شاید مجمع البحرین (کا وقت) نہ ہی آئے بلکہ یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ اگر میں اسے نہ پاؤں یعنی نہ پہچان سکوں تو میرا یہ سفر جاری رہے گا اسلئے یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ انکا قول أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا۔ مجمع البحرین کا وقت آجانے کے بعد کے زمانہ کے متعلق ہے۔ یہ نکتہ خاص سمجھ لیا جائے تو یہ جان لینا چنداں مشکل نہیں رہتا کہ انہوں نے سہ کا عام لفظ چھوڑ کر کُھب کا لفظ کیوں استعمال کیا یعنی کشف میں خدا تعالیٰ نے انکی زبان سے یہ لفظ کیوں کہلوا یا۔

بات یہ ہے کہ اگرچہ کُھب کے معنی ایک سال کے بھی ہوتے ہیں مگر یہ لفظ کئی سالوں کے لئے بھی آتا ہے اور اتنی سال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور جیسا کہ ہم نے سورۃ القدر کے حوالہ سے اس کتاب میں دوسری جگہ واضح کیا ہے ایک مامور مجدد اور دوسرے مامور مجدد کے درمیان کم و بیش ہزار ماہ یعنی تراسی سال چار ماہ کا وقفہ ہوتا ہے جسے عام گفتگو میں اتنی سال ہی کہا جائے گا۔ پس اس کشف میں یہ الفاظ حضرت موسیٰ سے کہلوا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ جب مجمع البحرین کا وقت آجائے گا یعنی شریعت موسیٰ کا دور ختم ہو کر محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت کا دور شروع ہو جائے گا اس وقت قوم موسیٰ آنحضور کو نہیں پہچانے گی سو جب وہ مجمع البحرین سے آگے نکل جائے گی اور قوم مسیح بھی اسکے ساتھ ہوگی (کیونکہ اگلی آیت فَلَمَّا جَاوَزَا۔۔۔ اس وقت حضرت موسیٰ اور انکے فتنی یعنی حضرت مسیح کا ہمسفر ہونا ظاہر کر رہی ہے) تو جیسا کہ اسی آیت میں اسکا ذکر ہے حضرت موسیٰ حضرت مسیح سے کہیں گے (یعنی قوم موسیٰ قوم مسیح سے کہے گی) اِنَّا عَزَدْنَا نَا لَقَدْ لَقَيْنَا مِنْ سَفَرٍ نَاهِلًا اَنْصَبًا ہمارے لئے صبح کا پہلا کھانا لاؤ ہمیں اپنے اس سفر سے تھکاؤٹ ہو گئی ہے۔ انہوں نے صرف یہ نہیں کہا کہ ہمیں ہمارے سفر سے تھکاؤٹ ہو گئی ہے بلکہ یہ کہا کہ ہمارے اس سفر سے تھکاؤٹ ہو گئی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تھکاؤٹ یا تو بہت دیر تک ایک ہی کام کرنے سے ہوتی ہے یا اس وقت ہوتی ہے جب کام بے نتیجہ رہے۔ پس آئیں دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ اس وقت یہ دونوں قومیں مجمع البحرین سے دور تک آگے نکل چکی ہوگی اور دوسرے یہ کہ باوجود برسوں کی محنت اور کوشش کے انکو حاصل کچھ بھی نہیں ہوا ہوگا۔ اور انکے صبح کا پہلا کھانا طلب کرنے کے ذکر سے ظاہر ہے کہ انکا یہ سفر رات کا سفر ہوگا اور رات بھر جاری رہا ہوگا۔ یعنی سورۃ الفجر میں آنحضرت کے تین سو سال بعد شروع ہونے والی جن دس راتوں یعنی دس صدیوں کا ذکر ہے اور جنہیں ایک (لمبی) رات بھی قرار دیا گیا ہے ان میں وہ اپنی اسی ڈگر پر چلتے چلے جائیں گے اور اسکے بعد جب طلوع فجر ہوگا یعنی آسمان روحانیت کے آفتاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا حضرت مہدی موعود کی صورت میں دوبارہ ظہور ہوگا اس وقت بھی قوم موسیٰ فوری طور پر آپ کی طرف نہیں جھکے گی بلکہ یہ خیال کرے گی کہ اسنے مسیح ناصر موعود کو نہ مان کر غلطی کی ہے اس لئے اپنی کھوئی ہوئی روحانی طاقت کو بحال کرنے اور از سر نو روحانی سفر شروع کرنے کے لئے حضرت مسیح سے (جن سے مراد انکی قوم

ہے کیونکہ اس وقت حضرت مسیح خود تو ہو گئے ہی نہیں) روحانی غذا کی طالب ہو گی۔ لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور حضرت موسیٰ کے ہفتی یعنی حضرت مسیح کے (جن سے انکی قوم مراد ہے) قول سے ظاہر ہے اس وقت قوم مسیح خود اپنی بے بضاعتی کا اظہار کر رہی اور کہے گی اَرْنَيْتَ اِذَا اَوَيْسَنَا اِلَى الصَّخْرَةِ فَلَا اِنِّیْ نَسِیْتُ الْحَوْتَ اِنِّیْ کَیَا اَپ نے دیکھا کہ جب ہم نے صخرہ پر پناہ لی تو میں اپنی مچھلی کو بھول گئی۔ اویسی کا لفظ دکھ کے بعد امن اور سکھ میں آنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور صخرہ کی تعبیر علم تعبیر روایہ کے مطابق سخت قسم کا فسق و فجور ہوتی ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ مسیح کی قوم کہے گی کہ جب ہم اپنے دشمنوں سے دکھ پانے کے بعد امن میں آئے اور ہمیں سکھ نصیب ہوا یعنی حالت کمزوری کے بعد ہمیں طاقت حاصل ہوئی تو (بجائے اسکے کہ ہم اللہ کے احسان مند ہو کر اسکی طرف بھگتے) ہم سخت قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے اس وقت میں اپنی حوت کو بھول گئی اور اسنے عجیب طریق پر ”البحر“ یعنی اس بحر کی راہ لی جو مجمع البحرین ہے۔ حضرت عیسیٰ کے منہ میں اَنَسَا کی بجائے اِنْسٰی کا لفظ ڈال کر یہ اشارہ کیا گیا کہ قوم موسیٰ تو اس سے پہلے ہی اپنی حوت کو بھول چکی ہوگی لیکن اس وقت کے آنے تک قوم مسیح نے بھی اسے بھلا دیا ہوگا۔

حوت کی تعبیر نیکوں کی عبادت یا عبادت گذاروں کی مسجد سے لی جاتی ہے سو اِنْسٰی نَسِیْتُ الْحَوْتَ کے الفاظ کے بعد مسیح کے منہ میں فاتحہ ذال کے الفاظ ڈال کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اس وقت مسیحی اس بات کا اعتراف و اظہار کریں گے کہ جب وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے تو اس وقت انکی حوت اس بحر میں جو مجمع البحرین ہے یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اترنے والی شریعت کے بحر میں داخل ہو گئی تھی یعنی انکے نیکوکاروں کی عبادت گاہوں سے جو روحانی فوائد پہلے حاصل ہوا کرتے تھے وہ حاصل ہونا بند ہو کر ان لوگوں کی عبادت گاہوں سے حاصل ہونے لگ گئے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو سارے کا سارا محمد رسول اللہ ﷺ پر اترنے والی شریعت کے بحر میں داخل کر لیا تھا۔ یعنی اپنا اوڑھنا بچھونا ہی اس کو بنالیا تھا اور پورے طور پر اسکا ہوا اپنی گردنوں پر لے لیا تھا۔ لیکن اے قوم موسیٰ شیطان نے ہمیں یہ بات تم کو بتانا بھلا دیا۔ یعنی (طاقت کے) غرور نے ہمیں یہ یاد نہیں رہنے دیا کہ ہمیں اس امر کا برملا اعتراف کر لینا اور تمہارے سامنے اس کا اظہار کر لینا چاہیے تھا تاکہ ہم خود بھی بچ جاتے اور تم بھی ہم سے ہدایت کی امید رکھنے کی

بجائے کسی ایسے شخص کی جو رہنمائی کا اہل ہو تلاش کرتے۔ اسوقت قوم موعود کہے گی ذالِک مَّا كُنَّا نَبْغِ اسی کی تو ہمیں تلاش تھی یعنی ہم کسی ایسے شخص ہی کو تو ڈھونڈتے تھے جو ہمیں اپنی روحانی فضیلتیں پھر سے حاصل کر لینے کی راہ دکھا سکے۔ فَارْتَدَّا عَلٰی آثَارِهِمَا قَصَصًا۔ سو وہ اپنے آثار پر لوٹے (یعنے لوٹیں گے)۔ صاحب غریب القرآن نے قصصا کے معنی قدم بقدم چلنے کے لکھے ہیں۔ پس یہ لفظ رکھ کر بتایا کہ جب وہ دیکھیں گے کہ جن سے رہنمائی کی انہوں نے امید باندھی تھی وہ خود بھی تہی دست نکلے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر قدم رکھیں گے تاکہ تلاش مَرَجِد میں دوبارہ غلطی نہ کر پائیں۔

فَارْتَدَّا عَلٰی آثَارِهِمَا کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے نقوش قدم پر واپس لوٹے۔ لیکن اگر صرف ”فَارْتَدَّا“ کہا جاتا تو بھی یہی بات مفہوم ہوتی۔ اسلئے ”فَارْتَدَّا“ کے بعد عَلٰی آثَارِهِمَا فرمانا یقیناً کسی اور معنی میں ہے۔ وہ معنی کیا ہیں؟ اسکی تعیین کچھ مشکل نہیں کیونکہ اسی سورۃ کی آیت نمبر ۷ میں آثار کا لفظ ترقیات کے مٹ جانے کے بعد اگلے باقی رہ جانوالے نشانات کے معنی میں آچکا ہے۔ اور یہ معنی یہاں لئے جائیں تو ایک خوبصورت زائد مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے یہ الفاظ انہی معنوں میں لائے گئے ہیں اور غرض ان سے یہ بتانا ہے کہ یہ بات اسوقت واقع ہوگی جب

نمبر ۱ ان قوموں (کی ترقیات) کے صرف آثار باقی رہ جائیگے اور

نمبر ۲ جیسا کہ اگلی آیت سے (جس میں واپس لوٹنے پر ان کے اس شخص کو پالینے کا ذکر ہے) ظاہر ہے ایک ایسے شخص کا ظہور بھی پیچھے رہ گیا ہوگا جسے خدا تعالیٰ نے اپنی جناب سے (بطور خاص) رحمت عطا کی ہوگی۔ یعنی جو کسی اور غرض سے نہیں بلکہ خدا داد جذبہ رحم کے ماتحت لوگوں کی ہدایت کیلئے کوشاں ہوگا (اور حلم اور خلق اور نرمی سے یہ خدمت بجا لائیگا اور ایسی کوشش کرنیوالے عام لوگوں کی طرح نہیں ہوگا بلکہ) خاص خدا تعالیٰ سے علم یافتہ یعنی مہدی ہوگا۔ مطلب یہ کہ مہدی موعود کے ظہور کے بعد بھی کچھ عرصہ تک یہ لوگ اپنی پہلی ڈگر ہی پر چلتے رہیں گے اور اپنی غلطی کا احساس انکو اپنی ترقیات کا سورج ڈوبنے پر ہوگا۔ تاہم ایسے وقت میں ہو جائیگا کہ اگرچہ مہدی موعود خود تو نہیں مگر کوئی ایسا شخص دنیا میں موجود ہوگا جس سے علم حاصل کرنا خود مہدی موعود سے علم حاصل کرنا ہوگا یعنی جو انکا کوئی خلیفہ یا بیٹا خلیفہ ہوگا۔

اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر یہ بات مہدی موعودؑ کے بھی آ کر دنیا سے چلے جانے پر ہونی تھی تو یہ کیوں کہا گیا کہ قوم موسیٰؑ مہدی کو پائے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا تین وجوہ سے کیا گیا لڑل یہ بتانے کو کہ اگرچہ قوم موسیٰؑ خود تو نہیں مگر اسکے مثل یعنی اس زمانہ کے مسلمان کہلانے والے (جن کے بارہ میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ ہر بات میں یہودی کی پیروی کریں گے) اسے پائیں گے اور اس سے ہدایت کے طالب ہونگے۔ دوسرے یہ بتانے کو کہ یہ بات مہدی موعودؑ کے عہد رسالت کے اندر واقع ہوگی اور تیسرے یہ بتانے کو کہ اس کے جس خلیفہ کے وقت میں یہ بات واقع ہوگی وہ آنحضرتؐ کے بعد آنے والے خلفاء کا (جن کے لئے حضورؐ نے مہدیین کا لفظ استعمال فرمایا ہے) مثل ہوگا۔

ضمناً یہاں ایک نقطہ عجیب اور بھی قابل بیان ہے اور وہ یہ کہ حوت کے سمندر میں داخل ہونے کا ذکر اپنی طرف سے کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے سرباً کا لفظ استعمال کیا ہے اور جب اسی کا ذکر مسیح کی زبان سے کیا ہے تو عجباً کا لفظ رکھا ہے۔ اسمیں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ مسیح کو جس سے انکی قوم مراد ہے اس بات پر تعجب ہوگا مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اسمیں تعجب کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ کیوں نہیں ہوگی؟ اسلئے کہ اس کا اپنا قانون ہے کہ نئے نبی کے آنے پر عبادات کے فوائد پہلے نبی کی قوم سے جھمن کر اس نبی کی قوم کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی عبادت یقین کو چاہتی ہے اور یقین تازہ بتازہ نشانوں کو چاہتا ہے اور تازہ بتازہ نشان جیسے نبی وقت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں کسی اور کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتے۔ بلکہ پہلے نبیوں تک کے نشان بھی اسکے ظہور کے وقت قصے کہانیاں بن چکے ہوتے ہیں۔

بہر حال **فَارْتَدُّا عَلٰی آثَارِهِمَا قَصَصًا** میں بتایا کہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ دونوں (یعنی ان کی قومیں) اس وقت جب انکی ترقیات کے صرف آثار باقی رہ چکے ہونگے۔ اس تلاش میں کہ کون انکو صحیح راہ دکھائے گا واپس لوٹیں گے اور چونکہ (وہ ایک ایسے ہی بندے کی تلاش میں نکلے ہوں گے) **فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا** اسلئے وہ ہمارے بندگان خاص میں سے ایک بندے کو پائیں گے جسے خدا نے اپنی جناب سے رحمت اور علم عطا کیا ہوگا۔ اس کے بعد ہے **قَالَ لَهُ مُوسٰى**۔ موسیٰؑ نے اس سے کہا۔ یہاں سے حضرت موسیٰؑ کے فتسیٰ یعنی مسیح ناصر مرقی کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے تا اشارہ ہو کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے تابع تھا اور نیز یہ اشارہ ہو کہ اس وقت مسیح

ناصری کی قوم اپنی روحانی برتری کا امتیاز کھوپچی ہوگی اور بنا بریں اس کا الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

=====

مہدی موعودؑ ہی خضر راہ ہوگا

جس عبد کا یہاں ذکر ہے اکثر مفسرین نے اس سے حضرت خضر اور بعض بزرگوں نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ مراد لئے ہیں۔ یعنی یہ کہا ہے کہ حضورؑ ہی خضر ہیں۔ کیونکہ جو باتیں یہاں عبد مذکور کے متعلق آئی ہیں وہ قرآن میں دوسری جگہ حضورؑ کے متعلق کہی گئی ہیں۔ لیکن حضرت موسیٰؑ نے (جن سے مراد ان کی قوم کے لوگ ہیں) اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ اس وقت تک اپنا سفر جاری رکھیں گے جب تک مجمع البحرین تک نہ پہنچ جائیں ورنہ کھب بعد کھب چلتے چلے جائیں گے لہذا جب مجمع البحرین کو انہوں نے نہیں پہچانا تو ضرور تھا کہ وہ آگے چلتے چلتے جائیں۔ بلکہ کشف میں یہ بات کہلوائی ہی اسی لئے گئی تھی کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو جائے چنانچہ جیسا کہ انکے یہ الفاظ کہ ہمیں اپنے اس سفر سے تھکاوٹ ہوگئی ہے صاف ظاہر کر رہے ہیں عملاً بھی وہ مجمع البحرین سے دور تک آگے نکل جائیں گے۔ اس لئے اس کے بعد جو انکے واپس لوٹنے اور ایسے شخص کی تلاش کرنے کا ذکر ہے جس سے وہ علم صحیح پاسکیں اور مجمع البحرین کے بارہ میں اپنے شکوک رفع کر سکیں۔ تو اس سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حضورؑ کے صحنِ حیات میں بلکہ آپؐ کے بعد زمانہ قریب میں بھی ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا تھا کہ وہ مجمع البحرین سے آگے نکل آئے ہیں۔ خیال آتا تھا تو اپنی ترقیات کا جنازہ نکل جانے پر لہذا اس سے حضورؑ سے کافی عرصہ بعد آنے والا حضورؑ کا کوئی بروز ہی مراد ہو سکتا ہے۔ پس اس سے حضرت مہدی موعودؑ مراد ہیں جن کا بمطابق آیت آخرین منہم آنحضورؑ کا بروز بن کر آخرین میں آنا مقدر تھا۔ دراصل جو باتیں اس کشف کے ذکر کے پیرایہ میں اس شخص کے بارہ میں کہی گئی ہیں جس سے حضرت موسیٰؑ نے علم سیکھنا چاہا بیشک ویسی ہی باتیں قرآن کریم کے دوسرے مقامات میں آنحضورؑ کے بارہ میں بھی کہی گئی ہیں لیکن یہی باتیں ان دونوں کے مقام کا فرق بھی ظاہر کر رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ یہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

چنانچہ جہاں اس شخص کے متعلق یہ کہا گیا کہ اسے خدا کی طرف سے رحمت دی گئی وہاں آنحضورؐ کو مجسم رحمت بلکہ رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا۔ اور جہاں اس شخص کے بارہ میں یہ کہا گیا کہ اسے خدا نے اپنے جناب سے علم دیا (یعنی مہدی بنایا) وہاں آنحضورؐ کو معلم کتاب اللہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ اور لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی تمام اقوام کے لئے ہادی قرار دیا گیا۔ اور جہاں اس شخص کے بارہ میں عَبْدَ اَمْنٍ عِبَادِ نَا کہا گیا وہاں آنحضورؐ کو عبد اللہ کہا گیا اور آپؐ کے لئے عبدہ اور عبدنا کے الفاظ لائے گئے اور کئی بار لائے گئے۔ پھر اس واقعہ کے ذکر کو مسیحیوں کو ملنے والے دو بانگوں کے ذکر کے بعد رکھنا بھی بتاتا ہے کہ جس شخص سے حضرت موسیٰؑ نے علم حاصل کرنا چاہا وہ آنحضرتؐ نہیں تھے کیونکہ آنحضرتؐ کی لائی ہوئی شریعت یا آپؐ کا وجود ہی وہ نہر ہے جس نے ان دو بانگوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا پس جس کا ان آیات میں ذکر ہے وہ خضر راہ حضرت مہدی موعودؑ ہی ہیں (اگرچہ جب آپؐ خضر راہ ہیں تو حضرت محمد ﷺ جو آپؐ کے بھی ہادی ہیں بدرجہ اولیٰ خضر راہ ہیں) اور یہ بات ہم نے ہی نہیں کہی خود حضرت مہدی موعودؑ نے بھی کہی ہے آپؐ فرماتے ہیں:

اِنِّیْ اَنَا الْخَضِرُ فِیْ بَعْضِ صِفَاتِیْ لَا تُحَاطُ اَسْرَارِیْ

میں اپنی بعض صفات کی رو سے خضر ہوں میرے رازوں کا احاطہ نہیں کیا

جاسکتا۔ (قلبی نسخہ الہامات نمبر ۲ جو خلافت لاہیری میں موجود ہے)

آپؐ کا اپنے آپ کو بعض صفات میں خضر قرار دینا ہی بتاتا ہے کہ آپؐ کے نزدیک کل صفات میں خضر کوئی اور ہے جو آپؐ سے اور حضرت موسیٰؑ دونوں سے بڑھ کر ہے پس یقیناً وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ مگر اس آیت میں ذکر مہدی موعودؑ کا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے مگر اس وقت کا جب آپؐ کا دوسرا بعث ہوتا تھا۔

بہر صورت حضرت موسیٰؑ نے اپنے کشف میں اس 'عبد' سے کہا (جس سے مراد یہ تھی کہ ان کی اُمت کہے گی۔ بزبان قال یا حال) هَلْ اَتَّبِعْکَ عَلٰی اِنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عَلِمْتَ رُشْدًا کیا میں تیری اتباع کروں تاکہ جو ہدایت کی باتیں خدا تعالیٰ نے تجھے تعلیم کی ہیں ان میں سے کچھ تو مجھے سکھائے اس پر اس عبد نے یہ کہہ کر غدر کیا کہ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیْ صَبْرًا تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ لیکن جب حضرت موسیٰؑ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ صبر کریں

گئے تو وہ راضی ہو گیا۔ مگر اس نے مصاحبت کے لئے یہ شرط لگائی کہ جب تک میں بات کرنے میں پہل نہ کروں تو مجھ سے کسی بات کے متعلق سوال نہیں کرے گا (آیت ۶۸ تا ۷۰)۔

مہدی موعودؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعتِ حقہ اسلامیہ ہی کا علم دیا جانا تھا اس لئے اس کشفی گفتگو کا مطلب یہ ہوا کہ قومِ موسیٰؑ خضر راہ حضرت مہدی موعودؑ یا ان کے خلفاء سے اسلامی تعلیمات کی تفصیل معلوم کرنا چاہے گی اور اس کے بعض افراد تو اسکی کشتی میں سوار ہو کر یعنی مسلمانوں میں شامل ہو کر اندر سے معلومات حاصل کرنیکی کوشش کریں گے۔ اس ذکر کے بعد ہے:

فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا (۷۲)

پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے اس عبد نے اس کے تختے الگ الگ کر دیئے۔ موسیٰؑ نے کہا کیا تو نے اس کے تختے اس لئے الگ الگ کئے ہیں کہ تو اس کے سواروں کو غرق کر دے یقیناً تو نے عجیب ہی بات کی ہے۔

اس پر اس عبد کامل نے حضرت موسیٰؑ کو کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر سے کام نہیں لے سکے گا۔ جس پر موسیٰؑ نے بھول جانے کا عذر کیا اور استدعا کی کہ مجھ پر سختی نہ کی جائے۔ (آیات ۷۳-۷۴)۔

فَانْطَلَقَا ۖ وَتَحْتَهُ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۖ قَالَ أَقْتَلْتَنِي نَفْسًا زَكِيَّةً ۖ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۖ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا (۷۵)

پھر وہ دونوں آگے چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک نوجوان لڑکے سے ملے تو اس عبد نے اسے قتل کر دیا جس پر موسیٰؑ نے کہا کہ تو نے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو ایک بیگناہ شخص کو قتل کر ڈالا ہے یقیناً تو نے بہت بری بات کی ہے۔

اس پر اس عبد نے پھر احتجاج کیا اور کہا کہ کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے دوبارہ معذرت کی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر میں آئندہ بھی ایسا کروں تو تیری طرف سے جفت پوری ہو چکی ہوگی۔ (۷۶-۷۷) اس کے بعد تو

بیک مجھے ساتھ نہ رکھنا۔ چنانچہ اس نے ان کا یہ عذر قبول کر لیا۔

فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةٍ رَّاسْتَطَعَمَا اَهْلَهَا فَاَبْرَأَا اَنْ
يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدَانِ يَنْقُضُ فَاَقَامَهُ ط
قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا (۷۸)

پھر وہ دونوں آگے چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی میں پہنچے
تو انہوں نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا۔ مگر انہوں نے انہیں مہمان
بنانے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا
چاہتی تھی۔ تو اس (عبد) نے اسے کھڑا کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے کہا اگر تو
چاہتا تو اس کا معاوضہ لے سکتا تھا۔

قَالَ هَذَا لِرِآئِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاوِيلِ مَا لَمْ
تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (۷۹)

اس 'عبد' نے کہا یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی (کی گھڑی) ہے۔
جن باتوں پر تو صبر نہیں کر سکا میں ان کی حقیقت تجھے بتاتا ہوں۔

=====

مہدی موعودؑ اسلام کی معاشی اور معاشرتی تعلیم پر ہونے والے اہل
کتاب کے اعتراضات کا جواب دیگا اور آنحضرتؐ کے بارہ میں انکی
کتاب کی پیشگوئیوں کی وضاحت فرمائیں گے

اگلی آیات میں اس توضیح کا ذکر ہے جو اس عبد نے اپنے افعال کی کی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ نے اس عبد سے درخواست یہ کی تھی کہ خدا تعالیٰ نے
ہدایت کا جو علم اسے دیا ہے اسیں سے کچھ باتیں وہ انہیں بھی تعلیم کرے اسلئے اس عبد نے جس
چیز کو خرق سفینہ کا نام دیا اس سے مراد ایک تو احکام شرعیہ کو کھول کھول کر بیان کرنا ہے اور
دوسرے خادمان دین کی تبلیغ و تربیتی ضروریات کے سامانوں کے لئے مختلف مالی تحریکات
بوضاحت بیان کر دینا مراد ہے اور اسے سفینہ کو عیب دار کرنے سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ

اس طرح اس غاصب کے نزدیک وہ عیب دار ہو گئی تھی نہ اس لئے کہ فی الواقعہ عیب دار ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سفینہ بحر میں چلا کرتی ہے مجمع البحرین کا مقام آ جانے پر حضرت موسیٰؑ کو ملنے والی شریعت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ملنے والی شریعت میں مدغم ہو جانی تھی اور یہ دو بحر ایک بحر بن جانے تھے۔ پس یہاں شریعت محمدیہ کے سمندر میں چلنے والی کشتی مراد ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت کے سمندر کا (جس کے ایک کنارہ پر دنیا ہے اور دوسرے پر دوسرا جہاں ہے) سفر ایمان یا تقویٰ کی کشتی پر سوار ہو کر ہی طے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے یہاں تقویٰ یا ایمان ہی کو سفینہ قرار دیا گیا ہے (عجیب بات ہے کہ حضرت مہدی موعودؑ نے اپنی ایک کتاب کا نام تقویۃ الایمان بھی رکھا اور کشتی نوح بھی رکھا) مگر سچا ایمان اور سچے تقویٰ کے مظاہرے مختلف حالات میں مختلف ہوا کرتے ہیں۔ کبھی جان کی قربانی سے اور کبھی مال کی قربانی سے اور کبھی کسی اور رنگ میں۔ یہاں چونکہ مہدی موعود کے وقت کا ذکر ہو رہا ہے اور اس وقت مالی قربانی کی خاص اہمیت ہونا تھی اور علم تعبیر روایہ کے مطابق سفینہ کی ایک تعبیر مال بھی ہوتی ہے اس لئے اس کشف میں سفینہ سے مراد تقویٰ اور ایمان کے علاوہ مال بھی ہے۔

لفظ خرق کے معنی کسی چیز کے اجزاء کو الگ الگ کر دینے کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے اس عبد نے خرق سفینہ کی حکمت یہ بیان کی کہ وہ سفینہ بحر میں کام کرنے والے مساکین کے فائدہ کے لئے تھا۔ اس کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر (سالم) سفینہ کو غصب کر لیتا ہے اس لئے اس نے چاہا کہ (خرق کے ذریعہ) اسے عیب دار کر دے (تاکہ وہ بادشاہ اسے غصب نہ کرے)۔

بظاہر یہ لگتا ہے کہ اس عبد نے بادشاہ سے بچانے کے لئے اپنے ہاتھ سے اس کشتی کو تباہ کر دیا ہے لیکن فوائے کلام سے ظاہر ہے کہ اس نے یہ فعل کشتی کو بچانے کے لئے کیا ہے تباہ کرنے کے لئے نہیں کیا۔ بات یہ ہے کہ ایمان یا تقویٰ کی کشتی پر ڈاکہ ڈالنے والا شیطان یا اس کا کوئی ظل ہی ہو سکتا ہے اور وہ اس کشتی پر ڈاکہ اس وقت ڈالتا ہے جب اہل ایمان پوری طرح ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کر رہے ہوں یا شریعت کا کماحقہ علم نہ ہونے کی وجہ سے پوری طرح عمل کر ہی نہ سکتے ہوں۔ لہذا اس کشتی کو اس سے بچانا اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ احکام و اسرار شرعیہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا جائے اور یہی کام اس عبد نے کیا۔ یعنی خرق کیا

سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ اس عبد (حضرت مہدی موعودؑ) نے خود فرمایا ”یہ عاجز بھی اسی کام کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا قرآن شریف کے احکامات بوضاحت بیان کر دیوے۔“

(ازالہ ادہام حصہ اول صفحہ ۳-۵)

اور اس نے اسے اَنَّ اَعْيَبَهَا کے لفظ یعنی عیب دار کرنے سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس طرح وہ شیطان کی نظر میں عیب دار ہوگئی تھی نہ اس لئے کہ فی الحقیقت ہی اس میں کوئی نقص پیدا کر دیا گیا تھا۔ اور اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ جسے بادشاہ کہا گیا اس سے واقعی شیطان مراد ہے کیونکہ شریعت حق کی توضیح کو برا جاننا اسی کا کام ہے۔ اور اسے بادشاہ اس لئے قرار دیا گیا کہ اپنی ڈھب کے لوگوں پر اسے اسی طرح تسلط حاصل ہوتا ہے جس طرح بادشاہ کو اپنی رعایا پر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں جب بحر سے شریعت مراد ہوئی تو اس میں کام کرنے والوں سے خادمان دین یعنی مبلغ، مربی یا منتظمین سلسلہ وغیرہ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور مسکین اسے کہتے ہیں جسکی ترقی کو ترقی کے سامان میسر نہ ہونے نے روک دیا ہو۔ اور تبلیغ کے جہاد کے لئے جو (مہدی موعودؑ کے وقت کا جہاد ہوتا تھا) مالی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور خادمان دین کی ترقی کو زیادہ تر دو ہی باتیں روک سکتی ہیں۔ ایک شریعت کا پورا علم نہ ہونا یا یہ علم نہ ہونا کہ کس وقت کونسا عمل قابل ترجیح ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اور دوسرے مالی ضروریات کا مہیا نہ ہونا۔ اس لئے اس عبد کے ہاتھ سے جو خرق سفینہ ہوا تو اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اسوقت مالی قربانیوں کی بہت سی تحریکات ہونگی جنہیں قوم موسیٰ یا مٹلمان قوم موسیٰ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور ان پر اعتراض کریں گے اور کہیں گے کہ اتنی قربانیوں کی تحریک تو اہل سفینہ کو غرق کرنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ اور چونکہ شریعت ہی وہ ذریعہ ہے جسے اختیار کرنے سے انسان روحانی ترقیات حاصل کر سکتا ہے اس لئے ان آیات میں بظاہر بہت بھاری تضاد پایا جاتا ہے جنہیں يَعْمَلُونَ فِي الْبُحْرِ یعنی شریعت پر عمل کرنے والا قرار دیا ہے انہی کو مسکین بھی کہا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ ان کے پاس ترقی کا سامان یعنی شریعت نہیں ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں کوئی تضاد نہیں۔ بات یہ ہے کہ شریعت کا موجود ہونا امر دیگر ہے اور اس کے تمام ادا و نواہی کا علم ہونا اور پھر یہ علم ہونا کہ کس موقع پر کس حکم پر عمل ہونا چاہیے امر دیگر۔ پس انہیں بیک وقت اَلَّذِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبُحْرِ

اور مساکین قرار دے کر یہ اشارہ کیا گیا کہ اگرچہ شریعت ھتھ انکے پاس موجود ہوگی اور خنی الوسع وہ اس کے ظاہری احکام بجا لانے کی کوشش بھی کرتے رہتے ہوں گے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ مزید ترقیات کے لئے شریعت ان سے کیا چاہتی ہے اور کن اعمال کا تقاضا کرتی ہے مگر وہ عبد اللہ آ کر انہیں ان باتوں کا پتہ دے گا۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا کہ ”ہمیں (خدا تعالیٰ کے) دروازہ کا علم تو تھا مگر یہ علم نہیں تھا کہ اسے کس طرح کھٹکنا میں جو وہ کھولا جائے حضرت مسیح موعودؑ نے آ کر ہمیں کھٹکھٹانا سکھادیا“ (اصل الفاظ کے لئے دیکھیں کتاب ”حضرت شہزادہ عبداللطیف شہید“ (مرتبہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ صفحہ ۹۸)۔

پس کشف موسیٰ کے اس تیسرے حصہ میں بتایا گیا کہ جب وہ زمانہ آئے گا کہ شریعت محمدیہ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنے والے بھی روحانی ترقیات سے محروم ہونگے (کیونکہ انہیں پوری طرح علم نہیں ہوگا کہ حصول ترقیات کے لئے شریعت ان سے کیا چاہتی ہے) اور ان کے ایمان اور تقویٰ کی کشتی شیطان کی زد میں ہوگی اس وقت خدا کا ایک بندہ جو خدا سے علم یافتہ یعنی مہدی ہوگا ظاہر ہوگا اور انہیں بتائے گا اور دکھائے گا کہ شریعت حقہ اسلامیہ نے ان کی ہر ضرورت کا سامان کیا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ باتیں جن کی ان کو مزید ترقیات کے لئے ضرورت ہوگی کھول کھول کر ان کے سامنے رکھے گا اور اس طرح ان کے لئے لامحدود ترقیات کے دروازے کھول دے گا۔ چنانچہ مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے فرمایا :-

”یاد رکھو قرآن کریم میں پانچ سو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہر ایک عضو اور ہر ایک قوت اور ہر ایک وضع اور ہر ایک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر ایک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ افراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے، سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔ اگر نجات چاہتے ہو تو دین الحجاز اختیار کرو اور مسکینی سے

قرآن کریم کا جو اپنی گردنوں پر رکھو۔“ (ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۳۴۶)

یہ ایک اصولی بات تھی جو آپؐ نے فرمائی لیکن اس پر بس نہیں۔ آپؐ نے اپنی کتب میں جو ۸۴ کے قریب ہیں اور اپنے ملفوظات میں جو قلم بند ہو کر ہزار ہا صفحات پر پھیلے ہوئے شائع شدہ ہیں اور اشتہارات میں جن کی تعداد سینکڑوں سے کم نہیں قرآنی احکام اور اسکے حقائق و معارف کو ایسے عمدہ اور پُر حکمت انداز میں بیان کیا اور ان کی ایسی شاندار توضیح و تفسیر فرمائی کہ اپنے تو اپنے دشمن بھی اسکا سر قہ کر رہے اور انہیں اپنے نام پر شائع کر رہے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ اس کشف میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ جب وہ بندہ خدا یعنی مہدی موعودؑ یہ باتیں بیان کرے گا جہاں یہ طبعی اور یقینی بات ہے کہ روحانی ترقیات کے خواہاں اس سے خوش ہونگے وہاں یہود اور یہودی خصلت رکھنے والے مسلمان بزبان قال یا حال یہ کہیں گے کہ ہمیں تو یہ لگتا ہے کہ یہ تفصیل بیان کر کے اس کشتی پر سوار ہونے والوں کو غرق کر دینے کا سامان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر شریعت میں یہ تفصیل نہ ہوتی یا لوگوں کو ان کا علم نہ ہوتا تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوتے لیکن اب وہ قابل مواخذہ ہو گئے ہیں۔ جتنے زیادہ احکام ہونگے اتنا ہی زیادہ ان کی نافرمانی کا مرتکب ہو کر پکڑے جانے کا خطرہ ہوگا۔ چنانچہ اسی وجہ سے اہل کتاب نے شریعت کو لعنت قرار دیا۔ اور مسلمانوں نے بھی اس کی طرف سے اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

اگلے حصہ کشف میں یہ بتایا گیا کہ وہ عبد اللہ (جس سے حضرت موسیٰؑ علم حاصل کرنا چاہتے تھے) اور حضرت موسیٰؑ آگے چلے تو انہیں ایک غلام ملا تو اس عبد اللہ نے اسے مار ڈالا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے والدین صالح تھے اور اس بات کا امکان تھا کہ وہ اپنر بھی سرکشی اور کفر کا الزام لگوائے اسلئے انہوں نے چاہا کہ خدا اسے بدل کر ایسا لڑکا دے جو پاکیزگی اور رحم کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔ والدین سے یہاں فطرت مراد ہے جس سے انسان کی ابتداء ہوئی اور جس میں غصہ ہے تو نرمی بھی ہے سخاوت کا مادہ ہے تو بخل کا بھی ہے رحم کا مادہ ہے تو سختی کا بھی ہے غمو کا مادہ ہے تو انتقام کا بھی ہے علیٰ خدا القیاس تمام متضاد صفات پائی جاتی ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ اسکا ایک حصہ نرم ہے تو دوسرا مادہ۔ پس اس حصہ کشف میں بتایا کہ اس عبد اللہ یعنی مہدی موعودؑ کے زمانہ میں نوجوانوں میں سرکشی کا مادہ پیدا ہو جائے گا جو کفر پر منتج ہوگا

(کفر سے عرفاً کفر کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے اور ناشکری اور نافرمانی کرنا بھی) چنانچہ دیکھ لیجئے اس زمانہ میں والدین، معاشرہ، حکومت، نظام ہر چیز کے خلاف سرکشی پائی جاتی ہے جو بڑھ کر دین کے کفر اور والدین اور قوانین معاشرہ کی ناقدری اور نافرمانی پر منتج ہوتی ہے۔ اور حضرت مہدی موعودؑ نے ایسی تعلیم دی ہے جو ان کے اس نفس امارہ کو مار کر اسکی جگہ نفسِ لواہ اور پھر مطہیہ پیدا کرنے والی ہے (ان آیات میں طغیان اور کفر کے بالتقابل زکوٰۃ یعنی پاکیزگی اور رحم کے الفاظ لائے گئے ہیں اور چونکہ لَفْ و نَشْر مرتب بھی ہوتا ہے اور غیر مرتب بھی ایسی بتایا کہ بعض صورتوں میں طغیان یعنی سرکشی دل کی ناپاکی سے پیدا ہوتی ہے اور کفر رحم کے فقدان سے اور بعض صورتوں میں سرکشی رحم کے فقدان سے جنم لیتی ہے اور کفر دل کی ناپاکی سے اور ایسا ہی اس وقت ہوگا۔)

تیسری بات ان آیات میں یہ بتائی گئی کہ جب وہ خدا کا بندہ اور حضرت موسیٰؑ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے بستی والوں سے کھانا مانگا مگر انہوں نے انہیں مہمان بنانے سے انکار کر دیا اس کے باوجود جب انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کو تھی تو اس عبد اللہ نے اسے پھر سے قائم کر دیا جس پر حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا کہ یہ کام بلا معاوضہ کیوں کر دیا گیا۔ اس اعتراض کا جواب تو اس عبد اللہ نے نہیں دیا ہاں اپنے فعل کی حکمت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ دیوار مدینہ کے دو نوجوان یتیموں کی ہے جن کا باپ ایک صالح شخص تھا اس کے بچے ان کا خزانہ ہے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچیں اور اپنا یہ خزانہ نکال لیں۔ قریہ کے برعکس جس کے معنی مطلق بستی کے ہیں مدینہ ایسی بستی کو کہتے ہیں جس کے گرد دیوار ہو۔ لفظ بدلنا بتاتا ہے کہ یہاں مدینہ کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے اور مقصود اس سے یہ اشارہ کرنا ہے کہ وہ یتیم اس حال میں رہ رہے ہوئے کہ انکے گرد ایک قسم کی دیوار ہوگی۔ غلام کہتے ہی نوجوان کو ہیں اس لئے اَنْ يُّبْلَغَا اَشْدُّهُمَا سے یہ مراد نہیں کہ وہ جسمانی اعتبار سے بلوغت کو پہنچ جائیں بلکہ روحانی اعتبار سے بالغ ہونا مراد ہے اور جو خزانہ انسان روحانی بلوغت کو پہنچ کر ہی حاصل کر سکتا ہے وہ روحانی خزانہ یعنی ہدایت کا علم ہی ہو سکتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ کنز ہما یعنی ان دونوں کے خزانہ سے ہدایت مراد ہے تو اس دیوار کی جس کے نیچے وہ خزانہ ہے حقیقت کو سمجھنا بھی مشکل نہیں رہتا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ وہ دو یتیم جن کا باپ ایک صالح فحش تھا لیکن اس عبد اللہ کے وقت میں خود ان دونوں نے صالح نہیں ہونا تھا اور جن کا نام لئے بغیر صرف ان دو اشاروں سے انسان کا ذہن انکی طرف جاسکتا ہے حضرت موسیٰ اور انکے فحشی حضرت عیسیٰ کی قومیں یعنی یہود اور نصاریٰ ہیں۔ جن کے روحانی باپ حضرت ابراہیم ایک صالح نبی تھے (کَمَالِی قَوْلِهِ وَإِنَّهُ لَفِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ - الْبَقَرَة ۲: ۱۳۱) اور وہ دیوار جو انکے گرد بنی ہوئی تھی وہ پیشگوئیاں ہیں جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں ان کی کتب اور دیگر آسمانی صحیفوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس دیوار کے گرنے کے قریب ہونے سے یہ مراد تھی کہ جیسے مادی دیوار مرور زمانہ سے یا انسانی تصرف سے گر جایا کرتی ہے اس طرح یہ پیشگوئیاں اس وقت لبا زمانہ گزر جانے کی وجہ سے یا لوگوں کی تحریف و تبدل کے نتیجہ میں انسانی ذہنوں سے محو ہو جانے کو ہوگی۔ لیکن وہ عبد اللہ یعنی مہدی موعودؑ اس دیوار کو پھر سے قائم کر دے گا یعنی اسکے اپنے ہاتھ سے، یا اسکے غلاموں کے ہاتھوں سے یا اسکی برکت سے ایسے سامان ہو جائیں گے کہ یہ پیشگوئیاں کالعدم ہونے سے بچ جائیں۔ اور جب یہ دونوں یتیم روحانی طور پر اپنی بلوغت کو پہنچیں یعنی انہیں ان پیشگوئیوں کو سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو وہ ان سے استفادہ کر کے ہدایت کے اس خزانہ (اسلام یا بانی اسلام ﷺ) تک جو ان پیشگوئیوں کے نیچے ہے پہنچ جائیں۔ اب دیکھ لیجئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے بارہ میں جو پیشگوئیاں حضرت موسیٰ اور دوسرے نبیوں کے صحیفوں میں مذکور تھیں مگر آنحضورؐ کے ظہور پر ایک لبا زمانہ گزر جانے کے باوجود یہ قومیں ان کے مصداق کو پہچان نہیں سکیں تھیں اور انہیں تحریف بھی کرنے لگیں تھیں (مثلاً حضرت موسیٰ کی اس پیشگوئی کو کہ ”وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں پر سے آئے گا“ بدل کر انہوں نے دس ہزار کی بجائے لاکھوں کا لفظ کر دیا تھا) اور اس طرح یہ مجازی دیوار گرنے کو تھی تو حضرت مہدی موعودؑ نے اور آپ کے غلاموں نے ان پیشگوئیوں کی طرف متوجہ کر کے اور انکے اصل الفاظ دکھا کر اس دیوار کو مٹنے اور بیکار ہونے سے بچالیا اور اس بات کا موقع فراہم کر دیا کہ یہ قومیں ان پیشگوئیوں سے فائدہ حاصل کر کے ہدایت کے اس خزانے کو جسے خدا تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہوا تھا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کو یا اسلام کو پاسکیں۔

بعض اور باتیں جو ان آیات میں بتائی گئیں

اللہ کے عبد (حضرت خضر) سے جو حضرت موسیٰ نے خداداد علم سیکھنا چاہا تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے زیادہ صاحب علم اور زیادہ مقرب الہی اور بنا برائیں زیادہ بڑا نبی تھا۔ یہ حقیقت مد نظر رکھ کر اس کشف پر غور کریں تو معرفت کے بہت سے نکات سامنے آتے ہیں۔

نمبر ۱: ایک نبی اللہ نے جو دوسرے نبی سے کہا کہ کیا میں آپ کی اتباع کروں تاکہ آپ مجھے ہدایت کی باتوں کا علم جو اللہ نے آپ کو دیا ہے سکھائیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی وقت کی اتباع کے بغیر وہ علم دین جو خدا کی طرف سے آتا ہے کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ جو کچھ حضرت خضر نے کیا وہ اس لئے تھا کہ ان سے علم سیکھنے والا بھی وہی کچھ کرے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی خود وہ نہ کرے جسکی وہ دوسروں کو تعلیم دے اسلئے اس نکتہ کی طرف متوجہ کر کے خدا تعالیٰ نے دو اور باتیں بھی بتائیں۔ اول یہ کہ جب خضر مذکور یعنی مہدی موعود ظاہر ہو جائیگا تو اس وقت دین کا صحیح علم اسکی اتباع کے بغیر کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اور دوم یہ کہ وہ خود بھی جو کچھ سیکھے گا اپنے نبی متبوع سے سیکھے گا۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا:-

”سو میں نے خدا کے فضل سے نہ اپنے ہنر سے اس نعمت کا حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی راہوں کی پیروی نہ کرتا پس میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا۔“ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۵۷ تا ۶۸)

مزید دیکھیں آپ کی کتاب تجلیات الہیہ صفحہ ۳۳

نمبر ۲: حضرت موسیٰ کا اپنے معلم نبی سے اسکی اتباع کی اجازت طلب کرنا بتاتا ہے کہ یہ اجازت دینا نہ دینا اسکی صوابدید پر تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں اتباع سے بیعت مراد ہے ورنہ نری اطاعت سے تو کوئی کسی کو روک نہیں سکتا جو اجازت کی ضرورت ہو۔ اور چونکہ یہ سارا قصہ بطور پیشگوئی ہے اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ اس پیشگوئی کا مصداق خضر یعنی مہدی موعود بعض

کو اپنی بیعت کی اجازت دیگا اور بعض کو نہیں دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اگرچہ آپ کی عادت تھی کہ کوئی بیعت لینے کو عرض کرتا تو آپ اکثر کہتے کہ اور سوچ لو مگر بعض کی پہلی درخواست پر ہی آپ نے ان کی بیعت لی ہے اور بعض کی درخواست بیعت کو رد بھی کیا ہے۔

نمبر ۳: حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ اور اسکے بعد جو الفاظ آئے ہیں وہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ جب کوئی شخص اس کشتی میں جس میں نبی وقت سوار ہو سوار ہو جائے تو اسکے بعد اسے اس نبی کے افعال کی (جو ہوتے جی بر حکمت ہی ہیں جیسا کہ آخری حصہ کشف سے ظاہر ہے) حکمت سمجھ نہ بھی آئے تو اسے انکی اتباع کرنی چاہیے اور ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ بالآخر اس سے کاٹا جاتا ہے اور ایسا ہی اس کشف کے خضر حضرت مہدی موعودؑ کے وقت میں ہوگا۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:

”خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ رہے

گا وہ کاٹا جائیگا۔ بادشاہ ہو یا غیر بادشاہ۔“ (تذکرہ صفحہ ۳۰۷)

نمبر ۴: اس کشف میں جو یہ بتایا گیا کہ حضرت خضر نے بعض کام کئے اور انکی حکمت اسی وقت بیان نہیں کی تو یہ قصہ چونکہ مہدی موعودؑ کے لئے بطور پیشگوئی ہے۔ اسکی یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ آپ جب ظاہر ہونگے تو ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مثلاً آپ نے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب کو جو بعد میں آپ کے پہلے خلیفہ بنائے گئے بھیرہ چھوڑ کر قادیان کی سکونت اختیار کر لینے کو پہلے کہا اور اسکی حکمت جو آپ کو الہاماً بتائی گئی بعد میں بیان کی۔ خود آپ کے اور ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حرمت شراب کا اعلان پہلے کروادیا اور اسکی حکمت بعد میں بیان ہوئی۔ ایسا ہی تحویل قبلہ کے تعلق میں ہوا۔ اسکی دو بڑے فائدے مد نظر ہوتے ہیں۔ نمبر ۱ یہ کہ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کون رسول کا سچا قبیح ہے اور کون اپنی ایزویوں پر پھر جانے والا ہے اور نمبر ۲ یہ کہ اس طرح ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

نمبر ۵: خرق سفینہ سے احکام شرعیہ کی تفصیل کا بیان مراد ہو یا مالی مطالبات کی تفصیل کا بیان۔ دونوں صورتوں میں فَاَنْطَلَقَا کے بعد حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ کے الفاظ لانے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کسی سلسلہ میں نئے آنے والوں پر پہلے ہی دن عمل اور قربانیوں کا سارا بوجھ نہیں ڈال دینا چاہیے بلکہ یہ کام رفتہ رفتہ ہونا چاہیے اور مہدی موعودؑ (اور آپ کے خلفاء)

بھی ایسا ہی کریں گے۔

=====

مہدی موعودؑ کو ذوالقرنین سے کئی رنگ میں مشابہت ہوگی

مندرجہ بالا آیات کے بعد ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ .

اوپر کی آیات میں بظاہر بالکل اور بات بیان ہو رہی تھی اسکے معا بعد یہ آیت
وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ کیسے آگئی؟ سو جانا چاہیے کہ اوپر کی آیات میں حضرت
موسیٰؑ کے کشف کا ذکر کر کے بتایا گیا تھا کہ جب مجمع البحرین کے مقام سے انکی قوم بہت آگے
نکل جائیگی اور اسے احساس ہوگا کہ وہ اس مقام سے کہ جس پر پہنچ کر انکو ٹھہر جانا چاہیے تھا آگے
نکل آئی ہے اور واپس لوٹے گی تو راستہ میں اسے خدا کا ایک بندہ جو خدا سے علم و ہدایت پائے
ہوئے ہوگا یعنی مہدی ہوگا ملیگا اور وہ اس سے استدعا کرے گی کہ ہدایت کی جو باتیں خدا نے
اسے تعلیم کی ہیں وہ انہیں سے کچھ انہیں بھی سمجھائے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ بندہ خدا کون
ہوگا۔ اسے کیسے پہچانا جائے۔ کیا اسکے کچھ مزید کوائف بتائے نہیں جاسکتے؟ وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ
ذِي الْقَرْنَيْنِ فرما کر خدا تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا اور بتایا اس بندہ خدا یعنی مہدی کے
بارہ میں سوال ایک رنگ میں ذوالقرنین کے بارہ میں سوال ہوگا یعنی اسے ذوالقرنین سے کئی رنگ
میں مشابہت ہوگی جسکے لئے ہم ذوالقرنین کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

ان آیات کے بارے میں جو وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ سے شروع

ہوئیں حضرت مہدی موعودؑ فرماتے ہیں:-

”ہمارا ایمان ہے کہ یہ قصہ پہلے بھی کسی رنگ میں گذرا ہے۔ لیکن یہ نئی

بات ہے کہ اس قصہ میں آئندہ کا بیان بھی بطور پیشگوئی تھا۔ جو آج اس

زمانہ میں پورا ہو گیا۔“ (تفسیر حضرت اقدس بحوالہ الکلم صفحہ ۳۰۱)

”پہلے معنوں سے (جو مفسرین کرتے رہیں ہیں - ناقل) انکار نہیں ہے۔

وہ گزشتہ سے متعلق ہیں اور یہ (معنی جو اب میں کرتا ہوں۔ ناقل)

”آئندہ کے متعلق ہیں“ اور قرآن شریف قصہ گو کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کے ہر قصہ کے نیچے ایک پیشگوئی ہے۔ اور ذوالقرنین کا قصہ مسیح موعود کے زمانہ کیلئے ایک پیشگوئی اپنے اندر رکھتا ہے۔“

(تفسیر حضرت اقدس ص ۲۹۳ بحوالہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

”یہ تو ظاہر ہے کہ ذوالقرنین وہ ہوتا ہے جو دو صدیوں کو پانے والا ہو۔ اور میری نسبت یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں نے جس قدر اپنے اپنے طور پر صدیوں کی تقسیم کر رکھی ہے ان تمام تقسیموں کے لحاظ سے جب دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ میں نے ہر ایک قوم کی دو صدیوں کو پالیا ہے۔“ (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۲۹۳)

اسکی تفصیل کیلئے دیکھیں حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۳۵ و ۳۶ اور تفسیر سورة الکہف از

حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری صفحہ ۱۶۶ و ۱۶۷

اب ہم بتاتے ہیں کہ یہ آیات کس طرح حضرت مسیح موعود پر چسپاں ہوتی ہیں اور اس کے لئے پہلے آپ کے اپنے الفاظ ہی نقل کرتے ہیں۔ آپ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقُرْنَيْنِ ط قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا

یعنی یہ لوگ تجھ سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں ان کو کہو کہ میں ابھی تمہوڑا سا تذکرہ ذوالقرنین کا تم کو سناؤں گا۔ اور پھر بعد اسکے فرمایا اِنَّمَا سَكْنَانَهُ فِي الْأَرْضِ وَاتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا یعنی ہم اس کو یعنی مسیح موعود کو جو ذوالقرنین بھی کہلائے گا روئے زمین پر ایسا مستحکم کریں گے کہ کوئی اسکو نقصان نہ پہنچا سکے گا اور ہم ہر طرح سے ساز و سامان اس کو دے دیں گے اور اس کی کاروائیوں کو سہل اور آسان کر دیں گے۔ یاد رہے کہ یہ وحی براہین احمدیہ حصہ سابقہ میں بھی میری نسبت ہوئی ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے اَلَمْ نَجْعَلْ لَكَ سُهُولَةً فِي كُلِّ امْرٍ یعنی کیا ہم نے ہر ایک امر میں تیرے لئے آسانی نہیں کر دی یعنی کیا ہم نے تمام وہ سامان تیرے لئے میسر نہیں کر دیئے جو تبلیغ اور اشاعت حق کے لئے ضروری تھے جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس نے میرے لئے وہ سامان تبلیغ اور اشاعت حق کے میسر کردئے جو کسی نبی کے وقت

میں موجود نہ تھے۔ پھر بعد اس کے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :-

فَاتَّبَعْ سَبِيلًا (۸۶) حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يَلَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّمَا أَنْتَ تُعَذِّبُ وَإِنَّمَا أَنْتَ تُتَخَذُ فِيهِمْ حُسْنًا (۸۷) قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا (۸۸) وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ الْحُسْنَىٰ ج وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا (۸۹)

”یعنی جب ذوالقرنین کو جو مسیح موعود ہے ہر ایک طرح کے سامان دئے جائیں گے۔ پس وہ ایک سامان کے پیچھے پڑے گا یعنی وہ مغربی ممالک کی اصلاح کیلئے کمر باندھے گا اور وہ دیکھے گا کہ آفتاب صداقت اور حقانیت ایک کپڑے کے چشمہ میں غروب ہو گیا اور اس غلیظ چشمہ اور تاریکی کے پاس ایک قوم کو پائے گا جو مغربی قوم کہلائے گی یعنی مغربی ممالک میں عیسائیت کے مذہب والوں کو نہایت تاریکی میں مشاہدہ کرے گا نہ ان کے مقابل پر آفتاب ہوگا جس سے وہ روشنی پائیں اور نہ ان کے پاس پانی صاف ہوگا جس کو وہ پیوں یعنی ان کی علمی اور عملی حالت نہایت خراب ہوگی اور وہ روحانی روشنی اور روحانی پانی سے بے نصیب ہونگے تب ہم ذوالقرنین یعنی مسیح موعود کو کہیں گے کہ تیرے اختیار میں ہے چاہے تو ان کو عذاب دے یعنی عذاب نازل ہونے کے لئے بدعا کرے (جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مروی ہے) یا ان کے ساتھ حسن سلوک کا شیوہ اختیار کرے تب ذوالقرنین یعنی مسیح موعود جواب دے گا کہ ہم اسی کو سزا دلانا چاہتے ہیں جو ظالم ہو۔ وہ دنیا میں بھی ہماری بددعا سے سزایاب ہوگا اور پھر آخرت میں سخت عذاب دیکھے گا۔ لیکن جو شخص سچائی سے منہ نہیں پھیرے گا اور نیک عمل کرے گا اس کو نیک بدلہ دیا جائے گا اور اس کو انہی کاموں کی بجا آوری کا حکم ہوگا جو سہل ہیں اور آسانی سے ہو سکتے ہیں۔ غرض یہ مسیح موعود کے حق میں پیشگوئی ہے کہ وہ ایسے وقت میں آئے گا جبکہ مغربی ممالک کے لوگ نہایت تاریکی میں پڑے ہوں گے اور آفتاب صداقت ان کے سامنے سے بالکل ڈوب جائے گا اور ایک گندے اور بدبودار چشمہ میں ڈوبے گا یعنی بجائے سچائی کے بدبودار عقائد اور اعمال ان میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور وہی ان کا پانی ہوگا جس کو وہ پیتے ہوں گے اور روشنی کا نام و نشان نہیں ہوگا

تاریکی میں پڑے ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہی حالت عیسائی مذہب کی آجکل ہے جیسا کہ قرآن شریف نے ظاہر فرمایا ہے اور عیسائیت کا بھاری مرکز ممالک مغربیہ ہیں۔“ (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۲۹۴-۳۹۵)۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا (۹۰) حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ
وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ دُونِهَا
سَبْتًا (۹۱) كَذَٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا (۹۲)

”یعنی پھر ذوالقرنین جو صبح موعود ہے جس کو ہر ایک سامان عطا کیا جائے گا ایک اور سامان کے پیچھے پڑے گا یعنی ممالک مشرقیہ کے لوگوں کی حالت پر نظر ڈالے گا اور وہ جگہ جس سے سچائی کا آفتاب نکلتا ہے اس کو ایسا پائے گا کہ ایک ایسی نادان قوم پر آفتاب نکلتا ہے جن کے پاس دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی بھی سامان نہیں یعنی وہ لوگ ظاہر پرستی اور افراط کی دھوپ سے جلتے ہوئے اور حقیقت سے بے خبر ہوں گے اور ذوالقرنین یعنی مہدی موعود کے پاس حقیقی راحت کا سامان سب کچھ ہوگا جس کو ہم خوب جانتے ہیں مگر وہ لوگ قبول نہیں کریں گے اور وہ لوگ افراط کی دھوپ سے بچنے کے لئے کچھ بھی پناہ نہیں رکھتے ہوں گے نہ گھر نہ سایہ دار درخت نہ کپڑے جو گرمی سے بچا سکیں اس لئے آفتاب صداقت جو طلوع کرے گا ان کی ہلاکت کا موجب ہو جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے لئے ایک مثال ہے جو آفتاب ہدایت کی روشنی تو ان کے سامنے موجود ہے اور اس گروہ کی طرح نہیں جن کا آفتاب غروب ہو چکا ہے لیکن ان لوگوں کو اس آفتاب ہدایت سے بجز اس کے کوئی فائدہ نہیں کہ دھوپ سے چڑا ان کا جل جائے اور رنگ سیاہ ہو جائے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہے* اس تقسیم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صبح موعود کا اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے کے لئے تین قسم کا دورہ ہوگا اول اس قوم پر نظر ڈالے گا جو آفتاب ہدایت کو کھو بیٹھے ہیں اور ایک تاریکی اور کپڑے کے چشمہ میں بیٹھے ہیں۔ دوسرا دورہ اس کا

* اس جگہ خدا تعالیٰ کو یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ صبح موعود کے وقت تین گروہ ہوں گے ایک گروہ تفریط کی راہ لیگا جو روشنی کو بالکل کھو بیٹھے گا اور دوسرا گروہ افراط کی راہ اختیار کرے گا جو تواضع اور انکسار اور فروتنی سے روشنی سے فائدہ نہیں اٹھائیگا بلکہ خیرہ طبع ہو کر مقابلہ کرنیوالے کی طرح روحانی دھوپ کے سامنے ٹھن بڑھنے ہوئی حالت میں کھڑا ہوگا مگر تیسرا گروہ میانہ حالت میں ہوگا وہ صبح موعود سے چاہیں گے کہ کسی طرح یا جوج ماجوج کے حیلوں سے بچ جائیں اور یا جوج ماجوج اجمیع کے لفظ سے نکلا ہے یعنی وہ قوم جو آگ کے استعمال کرنے میں ماہر ہے۔

ان لوگوں پر ہوگا جو نیک دھڑنگ آفتاب کے سامنے بیٹھے ہیں یعنی ادب سے اور حیا سے اور تواضع سے اور نیک ظن سے کام نہیں لیتے نرے ظاہر پرست ہیں گویا آفتاب کے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں سو وہ بھی فیض آفتاب سے بے نصیب ہیں اور ان کو آفتاب سے بجز جلنے کے اور کوئی حصہ نہیں۔ یہ ان مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جن میں مسیح موعود ظاہر ہو ا مگر وہ انکار اور مقابلہ سے پیش آئے اور حیا اور ادب اور حسن ظن سے کام نہ لیا اس لئے سعادت سے محروم رہ گئے۔ بعد اس کے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :-

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا (۹۳) حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَيْنِ وَجَدَ مِنْ
دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا (۹۴) قَالُوا يَا
الْقُرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ
نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ
سَدًّا (۹۵) قَالَ مَا مَكْنِي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ
أَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا (۹۶) اتُّوْنِي زُبُرَ الْحَدِيدِ ط
حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا
جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اتُّوْنِي أفرغ عَلَيْهِ فطراً (۹۷) فَمَا
اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا (۹۸) قَالَ هَذَا
رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي جَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ج وَ
كَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا (۹۹) وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ
فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا (۱۰۰)
وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا (۱۰۱) يَا أَلْدِينَ
كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا
يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا (۱۰۲) أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ
يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ط إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكَافِرِينَ نَزُلًا (۱۰۳)

پھر ذوالقرنین یعنی مسیح موعود ایک اور سامان کے پیچھے پڑے گا اور جب وہ ایک ایسے موقع پر پہنچے گا یعنی جب وہ ایک ایسا نازک زمانہ پائے گا جس کو بین السدین کہنا چاہیے یعنی دو پہاڑیوں کی بیچ۔ مطلب یہ کہ ایسا وقت پائے گا جبکہ دو طرفہ خوف میں لوگ پڑے ہونگے اور ضلالت کی طاقت حکومت کے ساتھ مل کر خوفناک نظارہ دکھائے گی تو ان دونوں طاقتوں کے ماتحت ایک قوم کو پائے گا جو اس کی بات کو مشکل سے سمجھیں گے یعنی غلط خیالات میں مبتلا ہونگے اور باعث غلط عقائد مشکل سے اس ہدایت کو سمجھیں گے جو وہ پیش کرے گا لیکن آخر کار سمجھ لیں گے اور ہدایت پالیں گے اور یہ تیسری قوم ہے جو مسیح موعود کی ہدایت سے فیضیاب ہوں گے تب وہ اس کو کہیں گے کہ اے ذوالقرنین یا جوج اور ماجوج نے زمین پر فساد مچا رکھا ہے پس اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم آپ کے لئے چندہ جمع کر دیں تا آپ ہم میں اور ان میں کوئی روک بنا دیں۔ وہ جواب میں کہے گا کہ جس بات پر خدا نے مجھے قدرت بخشی ہے وہ تمہارے چندوں سے بہتر ہے ہاں اگر تم نے کوئی مدد کرنی ہو تو اپنی طاقت کے موافق کرو تا میں تم میں اور ان میں ایک دیوار کھینچ دوں یعنی ایسے طور پر ان پر جنت پوری کروں کہ وہ کوئی طعن تشنیع اور اعتراض کا تم پر حملہ نہ کر سکیں۔ لوہے کی سلیں مجھے لادو تا آمد و رفت کی راہوں کو بند کیا جائے یعنی اپنے تئیں میری تعلیم اور دلائل پر مضبوطی سے قائم کرو اور پوری استقامت اختیار کرو اور اس طرح پر خود لوہے کی سل بن کر مخالفانہ حملوں کو روکو اور پھر سلوں میں آگ پھونکو جب تک کہ وہ خود آگ بن جائیں یعنی محبت الہی اس قدر اپنے اندر بھڑکاؤ کہ خود الہی رنگ اختیار کرو۔

یاد رکھنا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ سے کمال محبت کی یہی علامت ہے کہ محبت میں غلطی طور پر الہی صفات پیدا ہو جائیں اور جب تک ایسا ظہور میں نہ آوے تب تک دعویٰ محبت جھوٹ ہے۔ محبت کاملہ کی مثال بعینہ لوہے کی وہ حالت ہے جب کہ وہ آگ میں ڈالا جائے اور اس قدر آگ اس میں اثر کرے کہ وہ خود آگ بن جائے۔۔۔۔۔

پھر آیت متذکرہ بالا کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذوالقرنین یعنی مسیح موعود اس قوم کو جو یا جوج ماجوج سے ڈرتی ہے کہے گا کہ مجھے تابنا لادو کہ میں اس کو پکھلا کر اس دیوار پر انڈیل دوں گا۔ پھر بعد میں یا جوج ماجوج طاقت نہیں رکھیں گے کہ ایسی دیوار پر چڑھ سکیں یا اس میں سوراخ کر سکیں۔ یاد رہے کہ لوہا اگرچہ بہت دیر تک آگ میں رہ کر آگ کی صورت اختیار کر لیتا

ہے مگر مشکل سے پھلتا ہے مگر تانبا جلد پھل جاتا ہے اور سالک کے لئے خدا تعالیٰ کی راہ میں پھلنا بھی ضروری ہے۔ پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے مستعد دل اور نرم طبیعتیں لاؤ کہ جو خدا تعالیٰ کے نشانوں کو دیکھ کر پھل جائیں کیونکہ سخت دلوں پر خدا تعالیٰ کے نشان کچھ اثر نہیں کرتے لیکن انسان شیطانی حملوں سے تب محفوظ ہوتا ہے کہ لڑل استقامت میں لوہے کی طرح ہو اور پھر وہ لوہا خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ سے آگ کی صورت پکڑ لے اور پھر دل پھل کر اس لوہے پر پڑے اور اس کو منتشر اور پراگندہ ہونے سے تمام لے۔ سلوک تمام ہونے کے لئے یہ تین ہی شرطیں ہیں جو شیطانی حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے سد سکندری ہیں اور شیطانی روح اس دیوار پر چڑھ نہیں سکتی اور نہ اس میں سوراخ کر سکتی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ یہ خدا کی رحمت سے ہوگا اور اس کا ہاتھ یہ سب کچھ کرے گا۔ انسانی منصوبوں کا اس میں دخل نہیں ہوگا اور جب قیامت کے دن نزدیک آجائیں گے تو پھر دوبارہ فتنہ برپا ہو جائے گا یہ خدا کا وعدہ ہے۔

اور پھر فرمایا کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں جو مسیح موعود ہے ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اٹھے گی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ کریں گے اتنے میں آسمان پر قرناء پھونکی جائے گی یعنی آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم پیدا کر دے گا اور ان کی مدد کے لئے بڑے بڑے نشان دکھائے گا یہاں تک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر یعنی اسلام پر جمع کر دے گا اور وہ مسیح کی آوازیں گے اور اسی کی طرف دوڑیں گے تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی ٹکھ ہوگا اور وہ دن بڑے ہی سخت ہونگے اور خدا ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ ظاہر کر دے گا اور جو لوگ کفر پر اصرار کرتے ہیں وہ اسی دنیا میں باعث طرح طرح کی بلاؤں کے دوزخ کا منہ دیکھ لیں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی آنکھیں میرے کلام سے پردہ میں تھیں اور جن کے کان میرے حکم کو سن نہیں سکتے تھے۔ کیا ان منکروں نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ امر سہل ہے کہ عاجز بندوں کو خدا بنا دیا جائے اور میں معطل ہو جاؤں اس لئے ہم ان کی ضیافت کے لئے اسی دنیا میں جہنم کو نمودار کر دیں گے یعنی بڑے بڑے ہولناک نشان ظاہر ہوں گے اور یہ سب نشان اس کے مسیح موعود کی سچائی پر گواہی دیں گے۔ اس کریم کے فضل کو دیکھو کہ یہ انعامات اس مشیت خاک پر ہیں جس کو مخالف کافر اور دجال کہتے ہیں۔ (تفسیر حضرت اقدس ۲۹۵ تا ۲۹۹ بحوالہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۰-۹۲)

ذوالقرنین کے متعلق قرآنی آیات کی یہ وہ نہایت لطیف تشریح ہے جو حضرت مہدی مسعود المسیح الموعود علیہ السلام نے (جن کے بارہ میں اس قصہ کے پیرایہ میں پیشگوئی کی گئی ہے) خود فرمائی ہے۔ اسلئے اس تشریح میں تو کوئی کلام نہیں اور ہم نے بھی اس کو مقدم سمجھ کر ہی لکھنے میں مقدم کیا ہے۔ لیکن آپ نے خود ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف فرمایا کہ ان آیات کی اور تشریح بھی آئندہ ہو سکے گی۔ یعنی ذوالقرنین کے اس قصہ کو جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور رنگ میں بھی زمانہ مسیح موعود پر چسپاں کیا جاسکے گا۔ آپ فرماتے ہیں:-

”اب یہ بظاہر تو قصہ ہے لیکن حقیقت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔

جو اس زمانہ سے متعلق ہے۔ خدا تعالیٰ نے بعض حقائق تو کھول دئے ہیں

اور بعض مخفی رکھے ہیں۔ اسلئے کہ انسان اپنے قوی سے کام لے۔ اگر

انسان نرے منقولات سے کام لے تو وہ انسان نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر حضرت اقدس صلی ۲۹۹)

یہ جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بعض حقائق تو کھول دیئے ہیں اور بعض مخفی رکھے ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ کچھ حقائق جو اس وقت مخفی رکھے گئے ہیں آئندہ کبھی کھلیں گے۔ ورنہ اگر ان حقائق نے ہمیشہ مخفی ہی رہنا ہوتا تو ان کا ان آیات میں رکھا جانا ایک سراسر لغو فعل ٹھہرتا۔ جو خدائے حکیم سے ممکن نہیں۔ حق بات وہی ہے جو خدا تعالیٰ نے فرمائی کہ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (کوئی ضروری چیز ایسی نہیں جسکے ہمارے پاس لامحدود خزانے نہ ہوں مگر ہم انہیں بقدر ضرورت ہی اتارتے ہیں۔ الحجر ۲۳:۱۵) ہاں جیسا کہ حضورؐ نے اگلے الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے ان حقائق و معارف تک رسائی کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک اسکی کہ انسان اپنے قوی سے کام لے۔ یعنی جو جو صلاحیتیں خدا نے اس کے اندر رکھی ہیں ان سب کو بروئے کار لائے مثلاً قلب مُطْمَئِنِّ لے کر ان آیات میں غور و فکر کرے۔ دعا کرے اور خود نہ سمجھ سکے تو راحون فی العلم سے مدد لے۔ اور دوسرے اسکی کہ صرف منقولات سے کام نہ لے۔ یعنی یہ نہ سمجھے کہ جو کچھ پہلے بیان ہو چکا، ہو چکا اب اور کچھ بھی ان آیات کے اندر نہیں ہے۔ کیونکہ جس نے قرآن کریم کے کسی جزو کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ اس میں بس وہی کچھ ہے جو پہلے لوگ بیان کر چکے ہیں اس نے مزید حقائق و معارف

کے کھلنے کا دروازہ اپنے اوپر خود بند کر لیا۔ اور اَفْلاَ يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا (مُحَمَّد ۲۵) کی ذیل میں آگیا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہوئی ہر دوسری چیز کے عجائبات لامتناہی ہیں اسی طرح اس کے کلام کے حقائق و معارف کی بھی کوئی انتہا نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ان آیات کی جو تشریح کی ہے اس کے مطابق موعود ذوالقرنین کا پہلا سفر مغربی مسیحی اقوام کی طرف ہے۔ دوسرا سفر مسلمانوں کی طرف اور تیسرا سفر مسیح موعود کی اپنی جماعت کی طرف۔ یہ ترتیب بالکل درست ہے۔ کیونکہ آپؑ نے جو ذوالقرنین وقت ہیں دعویٰ سے پہلے جو مباحثات شروع کئے وہ زیادہ تر عیسائیوں ہی کے ساتھ ہوتے تھے۔ اور عیسائیوں کے عقائد باطلہ کا رد دراصل مغربی اقوام کی اصلاح ہی کی طرف قدم تھا۔ اس کے بعد آپؑ نے دعویٰ کیا تو مسلمان بھی آپؑ کے مخاطب ہو گئے۔ اور اس کے بعد رفتہ رفتہ ایک جماعت آپؑ کے ماننے والوں کی بھی وجود میں آگئی۔ لیکن اگر صرف آپؑ کی مامورانہ زندگی کا دور لیں تو پھر ترتیب بدل جاتی ہے۔ اور آپؑ کے پہلے مخاطب دوسرے مسلمان ٹھہرتے ہیں۔ دوسرے مخاطب عیسائی اور دیگر مذاہب والے اور تیسرے نمبر پر آپؑ کی جماعت آتی ہے جو آہستہ آہستہ وجود میں آئی۔ اب آئیے دیکھیں کہ اس لحاظ سے ذوالقرنین اول کے قصہ کے پیرایہ میں موعود ذوالقرنین کے بارہ میں ان آیات میں کیا بتایا گیا ہے۔

پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ اِنَّا مَكْنٰنُ لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اَتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا۔ ہم نے اسے زمین میں قدرت و غلبہ بخشا۔ اور اسے سب اسباب مہیا کئے۔ کل شی کے معنی ہر ضروری چیز یا ہر چاہی ہوئی چیز کے ہوتے ہیں پس اس میں یہ بتایا کہ ذوالقرنین اول کی طرح ذوالقرنین ثانی کو بادشاہت عطا کی جائیگی۔ اور اسکی چاہی ہوئی تمام چیزیں اور اس کے مقاصد کے حصول کے تمام اسباب عطا کئے جائیں گے۔ ذوالقرنین اول دنیوی بادشاہ تھا اور اسکی ذمہ داری لوگوں کو یا جوج ماجوج کے ظاہری حلوں سے بچانا تھی۔ مگر ذوالقرنین ثانی مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کی ذمہ داری لوگوں کو یا جوج و ماجوج کے علمی و دینی رنگ میں کئے جانے والے حلوں سے بچانا تھی۔ اسلئے اسے روحانی بادشاہت ہی دی جانی چاہیے تھی۔ اور تبلیغ و تربیت اور اشاعت حق کے سامان (علم قرآن توتہ قدسی دعا کا اعجاز اور نشرو اشاعت کی سہولتیں جیسے

M.T.A وغیرہ) عطا ہونے چاہیے تھے پس آئیں اسے انہی سامانوں کے ملنے کا اشارہ کیا گیا۔ چنانچہ وہ سب اسے دئے بھی گئے۔ اور اسنے خود فرمایا ۔

ہر مطلب و مراد کہ مے خوا ستم زغیب
ہر آرزو کہ بود بہ خاطر مقینم

دوسری بات ذوالقرنین اذل کے بارہ میں یہ کہی گئی فَاتَّبَعَ سَبَبًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ.... فِيهِمْ حُسْنًا۔ پھر وہ ایک راہ پر چل پڑا یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کے مقام پر پہنچا تو اس نے اسے ایک گدلے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا۔ اور اس کے پاس ایک قوم پائی جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اسے الہام کیا کہ اے ذوالقرنین! چاہے تو ان کو عذاب دے۔ اور چاہے تو ان کے معاملہ میں حسن سلوک سے کام لے۔

ذوالقرنین ثانی کا پہلا کام اسلام کو پھر سے سر بلند کرنا اور مسلمانوں کو پھر سے زندہ قوم بنانا تھا۔ اسلئے ضروری تھا کہ وہ دیکھے کہ ان کی ترقیات کا سورج یا اسلام کا سورج کیوں ڈوب رہا ہے۔ اور اس کے ڈوبنے کے کیا اسباب ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ جب ذوالقرنین ثانی یہ معلوم کرنے کے لئے حرکت میں آئیگا تو دیکھے گا کہ مسلمانوں کی ترقیات کا سورج یا اسلام کا سورج ایک گندے چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ یعنی مسلمانوں پر زوال اسلئے آرہا ہے کہ وہ اسلام سے دور ہٹ کر گندے عقائد اور اعمال میں جتلاء ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے حقیقی اسلام کی بجائے اپنے عقائد باطلہ کا نام اسلام رکھ لیا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس ذوالقرنین حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کے وقت مسلمانوں کی کیا حالت تھی۔

نمبر ۱ وہ وحی و الہام کو قصہ پارینہ سمجھ بیٹھے تھے۔

نمبر ۲ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ معجزات و نشانات پہلے ظاہر ہوتے تھے اب ظاہر نہیں

ہوتے۔

نمبر ۳ دعا کے متعلق ان میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ اس کا صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان کی قوت ارادی مضبوط ہو جاتی ہے ورنہ جو کام ہونا ہوتا ہے وہ کام دعا نہ بھی ہو تو پھر بھی ہو جاتا ہے۔ اور جو نہیں ہونا ہوتا وہ دعا ہو پھر بھی نہیں ہوتا۔

نمبر ۴ مسیح نامری کے مقام کے بارہ میں وہ غلو کا شکار ہو چکے تھے۔ اور یہ عقیدہ

بنائے بیٹھے تھے کہ وہ انیس سو سال سے بحمدِ عنفِری آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ دوبارہ زمین پر اترے گا اور دجال کو قتل کریگا۔ وہ اسے ظاہر میں مردوں کو زندہ کرینوالا اور پرندوں کو پیدا کرینوالا سمجھنے لگے تھے۔ اور اس طرح نہ صرف یہ کہ اسے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑا بنا رکھا تھا بلکہ خدا کا شریک بھی ٹھہرا دیا تھا۔ جسکی وجہ سے مسیحیوں کے مقابل پر وہ ٹھہر ہی نہیں سکتے تھے۔ جسکا نتیجہ یہ تھا کہ ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان مرتد ہو کر عیسائیت کی آغوش میں جا رہے تھے۔

نمبر ۵ جہاد کے متعلق انہوں نے بالکل غیر اسلامی نظریہ اختیار کر رکھا تھا۔ جس پر نہ وہ عمل کر سکتے تھے نہ انہوں نے عمل کیا۔

نمبر ۶ وہ انتہائی گھٹیا اور مشرکانہ رسم و رواج کے پابند ہو چکے تھے۔ اپنے پیروں فقیروں کو عملاً اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ بنا رکھا تھا۔ وہ قبروں پر سجدے کرنے اور آنجنابوں سے مرادیں مانگنے لگ گئے تھے۔

نمبر ۷ وہ کئی قرآنی آیات کو جو قرآن میں موجود تھیں منسوخ جانے لگے تھے۔ اور یہ ایسا خطرناک عقیدہ تھا جو سارے قرآن کا اعتبار کھودینے والا تھا۔

پس یہ وہ گدلا چشمہ تھا۔ جس کے اندر اسلامی ترقیات کا آفتاب ڈوب رہا تھا۔ اور صبح موعود کو جو ذوالقرنین وقت تھا بھیجا گیا کہ وہ اس سورج کو پوری طرح ڈوبنے سے پہلے واپس لوٹائے۔ گویا اس کو اس کے مغرب سے چڑھانے کے سامان کرے۔ چنانچہ حضرت صبح موعود کے خطبہ الہامیہ کے یہ الفاظ ناقابلِ فراموش ہیں کہ:-

هُوَ الَّذِي رَدَّلِيْ شَمْسَ الْاِسْلَامِ بَعْدَ مَا دَنَتْ لِلْغُرُوبِ
فَكَأَنَّمَا طَلَعَتْ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَتَجَلَّتْ لِلطَّلَافِينِ

وہی خدا ہے جس نے میرے ذریعہ سے اسلام کے سورج کو جس وقت وہ غروب ہو رہا تھا پھر لوٹایا گویا پھر اپنے مغرب سے طلوع کیا۔ اور طالبوں کے لئے جلی فرمائی۔ (صفحہ ۱۶۶ طبع اول)

بہر حال انکی اس حالت کیوجہ سے جس طرح سے خدا تعالیٰ نے بزبانِ قال یا حال ذوالقرنین اول کو فرمایا تھا ذوالقرنین ثانی کو بھی فرمایا کہ

يٰۤاَيُّهَا الْقُرْنَيْنِ اِمَّا اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّا اَنْ تَخْلَعَ فِيْهِمْ حُسْنًا

اے ذوالقرنین (تجھے اختیار دیا جاتا ہے) چاہے تو انہیں عذاب دے
چاہے ان سے حسن سلوک کر۔ یعنی اگر تو دیکھے کہ وہ نرمی کی زبان سمجھنے
والے نہیں ہیں تو انے سختی کے ساتھ کلام کر یا انکے حق میں بدعا کر۔ اور
اگر دیکھے کہ نرمی کا سلوک انکی اصلاح کا موجب ہوگا تو نرمی کا سلوک کر
یا انکے لئے دعا کر۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ
عَذَابًا نُّكَرًا (۸۸) وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جِزَاءٌ
بِالْحُسْنٰی ۚ وَ سَنَقُولُ لَهُ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (۸۹)

(اوپر ذوالقرنین نے اپنے ساتھیوں سے) کہا جسے ظلم (کا رویہ اختیار)
کیا اسکے ساتھ ہم سختی سے پیش آئیے (یا اگر وہ ناقابل اصلاح نظر آیا تو
اسکے حق میں بدعا کریں گے) پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹا یا جایگا اور
وہ اسے سخت عذاب دیگا۔ اور جو ایمان لایا اور اعمال صالحہ بجا لایا اسکے
لئے (خدا کی طرف سے) جزائے حسنہ ہوگی اور ایسے شخص سے (جو ایمان
لے آئے) نظر آئے گا) ہم نرمی کے ساتھ پیش آئیے۔

ابیس بتایا کہ موعود ذوالقرنین اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنا نمونہ پیش کر کے یہ بتایگا کہ
ان لوگوں سے کس طرح معاملہ کرنا چاہئے۔

اس کے بعد ہے:-

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا (۹۰) حَتَّىٰ اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ
وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا
سَبْتًا (۹۱)

پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑا (یعنی چل پڑے گا) یہاں تک کہ جب وہ
طلوع آفتاب کے مقام پر پہنچے گا وہ دیکھے گا وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو
رہا ہے جن کے لئے ہم نے اس سے ورے (یعنی اس کی دھوپ سے
بچنے کے لئے) کوئی پردہ نہیں بنایا۔

حضرت مہدی موعودؑ کے وقت میں سورج کے مغرب سے طلوع کرنے سے مراد

حدیث میں آتا ہے کہ مہدی کے وقت میں سورج مغرب سے طلوع کریگا۔ اس کا ایک مطلب تو جیسا کہ اوپر لکھا گیا یہ ہے کہ جب اسلام کا سورج ڈوبنے کے قریب ہوگا مسیح موعودؑ کی دعا اور کوشش سے واپس لوٹ آئیگا۔ گویا مغرب سے طلوع کریگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ مغرب کے لوگ ہدایت پائیں گے اور پھر اس ہدایت کو دنیا میں پھیلانے والے ہونگے۔ علاوہ ازیں چونکہ سورج جب دنیا کے ایک حصہ میں ڈوبتا ہے تو دوسرے حصہ میں طلوع بھی کرتا ہے اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ مہدی موعودؑ جو بمنزلہ آفتاب کے ہے خود یا اس کا کوئی خلیفہ مشرقی ممالک کو چھوڑ کر مغربی ممالک میں جائیگا۔ اور وہاں اسلام کی روشنی کو پھیلانے گا۔ اور جب وہ وہاں پہنچے گا تو آفتاب کو یعنی اپنے آپ کو یا اسلام کو ایسے لوگوں پر طلوع ہوتا ہوا پائیگا جن کے اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ یعنی یہ دیکھے گا کہ اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے اندھیروں میں پڑے ہوئے تھے تاہم ان میں وہ باتیں نہیں ہیں جو مشرقی ممالک کے لوگوں کے لئے آفتاب ہدایت سے فائدہ اٹھانے میں روک بن رہی تھیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس زمانہ میں جب حضرت مسیح موعودؑ کے خلیفہ رابع ایہ اللہ تعالیٰ جو خود جماعت احمدیہ کی دو صدیوں کو پانے والے اور بنادراں ایک رنگ میں ذوالقرنین ہیں مشرق کی طرف سے ہجرت کر کے مغرب میں پہنچ چکے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ

نمبر ۱: قبول ہدایت میں انہیں سماجی دباؤ کا کوئی ڈر نہیں۔

نمبر ۲: ان میں ضد نہیں پائی جاتی۔ صداقت کو پہچان لیں تو مان لیتے ہیں۔

نمبر ۳: جھوٹے تقویٰ کے جھوٹے زعم سے اور اسی طرح ظاہر میں مسلمان ہونے کے زعم سے جو اکثر لوگوں کے لئے ایمان لانے کی راہ میں حجاب بن جاتا ہے وہ پاک ہیں۔ اور اس طرح ان کے اور آفتاب ہدایت کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ سورۃ الانبیاء آیت ۹۷ کے الفاظ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ

سے جن پر ایک نوٹ اگلے صفات میں آرہا ہے ان قوموں کے مذہب کی حدود کو برے رنگ میں پھلانگ جانا بھی مراد ہو سکتا ہے اور اچھے رنگ میں پھلانگ جانا بھی۔ شروع میں وہ اسے برے رنگ میں پھلانگیں گی اور موردِ عذاب ہوگی مگر اسکے بعد اسے اچھے رنگ میں پھلانگیں گی جیسا کہ سورۃ یس کی آیت **وَيُنْفِخُ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ** میں اسکی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ فرماتے ہیں ”بلندی پر چڑھنا قوت اور جرأت کو چاہتا ہے۔ نہایت بڑی بیماری اور آخری بلندی مذہب کی بلندی ہوتی ہے ساری زنجیروں کو انسان توڑ سکتا ہے مگر رسم اور مذہب کی زنجیر ایسی زنجیر ہوتی ہے کہ اس کو کوئی ہمت والا ہی توڑ سکتا ہے۔ سو ہمیں اس ربط سے ایک بدیہی بشارت معلوم ہوتی ہے کہ وہ آخر کار اس مذہب اور رسم کی بلندی کو اپنی آزادی اور جرات سے پھلانگ جاویں گے اور آخر کار اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے۔“ (الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ صفحہ ۱۳)

یہ باتیں (یعنی مہدیؑ کی تبلیغ کا مغربی ممالک تک پہنچنا اور وہاں کے لوگوں کا اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہونا) چونکہ انکے وقوع سے پہلے کے زمانہ کے لوگوں کے لئے قابلِ تعجب ہوگی اسلئے اس کے بعد فرمایا:

كَذَٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا

ایسا ہی ہوگا (جیسا کہ ہم نے فرمایا) اور یقیناً ہم نے اس سامان کا جو (اس مقصد کے حصول کے لئے) اسے حاصل ہوگا احاطہ کر رکھا ہے۔

آگے ہے:

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا (۹۳)

پھر وہ ایک اور راستے پر چل پڑا (یعنی چل پڑے گا) **حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السُّدَيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا (۹۴) قَالُوا يَلَا الْقُرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا (۹۵)**

یہاں تک کہ جب وہ اس مقام پر پہنچا جو دو روکوں کے درمیان تھا تو

وہاں ان سے ورے اس نے کچھ ایسے لوگ پائے جو اسکی بات سمجھ نہیں
سکتے تھے۔ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یا جوج و ماجوج نے زمین میں
فساد برپا کر رکھا ہے پس کیا ہم آپ کے لیے خراج مقرر کردیں کہ آپ
ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنادیں۔

اس ذکر کے پیرایہ میں یہ بتایا کہ اپنے تیسرے سفر میں موعود ذوالقرنین یعنی مسیح موعود یا
اس کا کوئی خلیفہ ایک ایسے مقام پر پہنچے گا جو سڈین یعنی دو روکوں کے درمیان واقع ہوگا۔ اور
(ان کے درمیان تو نہیں مگر) ان سے ورے وہ ایک قوم پائے گا جو اسے کہے گی کہ اے
ذوالقرنین یعنی اے اسلام کی (بلکہ ہر مذہب کی) دو صدیوں کو پانے والے یا اے دو قوتوں
(سخت اور مہدویت) کے مالک یا جوج اور ماجوج نے زمین میں فساد برپا کر رکھا ہے۔ سو کیا
(یہ اچھا نہیں کہ) ہم آپ کے لئے چندہ فراہم کردیں یا خراج مقرر کردیں تاکہ آپ ہمارے اور
ان کے درمیان ایک روک بنادیں۔

اَلْسُدُّ اس روک کو کہتے ہیں جو قدرتی ہو۔ اور اَلْسُدُّ اس روک کو جو انسان بنائے۔
(تاج الروس) یہاں ہر جگہ سُدُّ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس لئے اس جگہ انسان کی بنائی ہوئی
روک مراد ہے۔

یا جوج و ماجوج سے یورپین عیسائی قومیں اور روسی اشتراکی قومیں مراد ہیں جو وہ بھی
مسیحیت ہی کا ایک روپ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مہدی موعود یا اس کا کوئی خلیفہ اس مقام پر
پہنچے گا جہاں ایک طرف اشتراکی نظریات کی دیوار کھڑی ہوگی اور دوسری طرف یورپین یعنی
کیپٹلسٹ نظریات کی دیوار کھڑی ہوگی اور ان سے ورے ایک قوم ہوگی جو ذوالقرنین کی بات
نہیں سمجھے گی۔ یعنی وہ اسلام کی پیش کردہ توحید حقیقی سے اتنی دور پڑی ہوئی ہوگی کہ جب مہدی
موعود اس قوم سے اس کی بات کریگا تو اس کو اس کی سمجھ نہیں آئے گی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ
سمجھنے لگ جائیگی تب وہ آپ سے مدد کی طلبگار ہوگی۔ مِّنْ دُونِہَا کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ
لوگ نہ تو پورے اشتراکی خیالات کے ہونگے نہ پورے کیپٹلسٹ خیالات کے بلکہ ان کی حالت
ان کے بین بین ہوگی اور وہ ان دونوں خیالات والے لوگوں کے زیر رعب اور زیر اثر ہونگے اور
انکے حلوں سے تکلیف اور بے بسی محسوس کر رہے ہونگے۔

قَالَ مَا مَكْنِيْ لِیْهِ رَبِّیْ خَيْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ
وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا. (۹۶)

ذوالقرنین (یعنی مہدی موعود) کہے گا جو طاقت میرے رب نے مجھے دی
ہے وہ بہتر ہے۔

لوگوں نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ تمہارے مال سے یہ طاقت بہتر ہے لیکن چندوں کی
تو اس ذوالقرنین (مسح موعود) نے تحریک کرنی تھی اسلئے مراد یہ ہے کہ جو خدا نے مجھے دیا ہے وہ
دشمن کے سامانوں سے بہتر ہے۔ پس تم نے مجھ سے مدد مانگ کر ٹھیک قدم اٹھایا ہے لیکن غشاء
الہی یہی ہے کہ میں یہ کام اکیلا نہ کروں بلکہ (مسح ناصری کی طرح جسے من انصاری الی اللہ کہا
تھا) تم کو بھی ساتھ شامل کروں (تاکہ تمہیں ثواب ہو)۔

فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا.

لہذا (مالی خدمت کے علاوہ) تم (افراد کی) قوت سے میری مدد کرو۔ (یعنی
مزدوری کرو) میں تمہارے اور ان کے درمیان روک بنا دیتا ہوں۔

ردمنا کا لفظ سدا سے زیادہ مضبوطی پر دلالت کرتا ہے۔ پس آسمیں بتایا کہ دشمن نے جو
دیواریں تمہارے گرد کھڑی کی کر رکھی ہیں میں اس سے مضبوط تر اور سخت تر روک تمہارے اور اس
کے درمیان بنا دوں گا۔

اَتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ۛ

تم مجھے لوہے کے کلڑے لا دو۔

یہاں سے آخر تک جملہ آیات کے اول تو وہی معنی ہیں جو خود ذوالقرنین وقت حضرت
مسح موعود نے کئے ہیں اور جو اوپر نقل کئے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور معنی بھی مراد ہو سکتے
ہیں۔ یہ دیوار چونکہ نظریاتی دیوار ہے زبر الحدید کو بھی ظاہر پر محلول نہیں کیا جاسکتا چنانچہ ان پہلے
معنوں میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لفظ زبر کے معنی لکھی ہوئی کتاب یا چیز کے ہیں اور
لفظ حدید کے معنی سخت چیز اور روک بننے والی چیز کے ہوتے ہیں۔ اگلے الفاظ حتّٰی اِذَا مَسَاوِی
بَیْسِنَ الصَّدَفَیْنِ سے ظاہر ہے کہ وہ زبر الحدید کے ساتھ ان دو دیواروں کی چوٹیوں میں برابری
پیدا کر دیگا۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ ذوالقرنین وقت یعنی مسح موعود یا اس کا کوئی خلیفہ ان لوگوں سے

کہیگا کہ تم مجھے ان دونوں نظریات یا نظریات رکھنے والوں کے بارہ میں ٹھوس معلومات جو ضبط تحریر میں آچکی ہوں مہیا کر دو۔ پھر وہ ان زبر الحدید کو ایسے طریقہ اور ترتیب سے جمع کرتا چلا جایگا کہ وہ ایک دوسرے کو سہارا دیں یہاں تک کہ جب وہ انکو جمع کرتے کرتے مذکورہ دیواروں کی صدقین یعنی چوٹیوں تک پہنچے گا اور انہیں برابری پیدا کردیگا یعنی یہ ثابت کردیگا کہ یا جوجی اور ماجوجی یعنی سوشلسٹ اور کیپٹلسٹ نظام و نظریات دراصل ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں تو اسکے بعد وہ ان لوگوں سے جو اس سے مدد کے طالب ہونگے کہے گا 'اُنْفُخُوا' اب تم ان میں ہوا پھونکو۔ یعنی انکی خوب اشاعت کرو یا یہ کہ انکی تائید میں اور دلائل لاؤ اور جب اسطرح سے وہ انہیں مخالفین کے لئے مجسم آگ بنا دیگا تو قَالَ التَّوْنِي اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا (وہ ان لوگوں سے کہے گا) مجھے پھملا ہوا تانبہ لا دو میں اسے اسپر ڈال دوں۔ پھملا ہوا تانبہ آگ کی طرح سرخ ہوئے ہوئے لوہے پر اٹھایا جائے تو ورق کی صورت اس پر چڑھ جاتا ہے۔ اور اسے زنگ لگنے سے محفوظ کر دیتا ہے۔ جسکے نتیجہ میں وقت گزرنے کے باوجود اسکی قوت برقرار رہتی ہے۔ یہاں چونکہ مجازی زبر الحدید یعنی یا جوج و ماجوج کے نظریات کو باطل ثابت کرنیوالے حقائق کا ذکر ہے اسلئے پچھلے ہوئے تانبے کے الفاظ بھی ظاہر پر محمول نہیں کئے جاسکتے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ذوالقرنین کہے گا کہ ان حقائق سے یا جوج و ماجوج کے باطل نظریات و عقائد کے خلاف پڑنے والے جو استدلال خود ان قوموں کے بعض افراد نے کئے ہیں وہ نکال کر لاؤ تا میں ان حقائق پر ان استدلالوں کا ورق چڑھا دوں اور انکو ایسی شکل دے سکوں کہ مرد و زمانہ سے ان میں کمزوری نہ آئے اور وہ انکے خلاف ہمیشہ کام آتے رہیں۔

فَمَا اسْتَطَاعُوا اَنْ يُّظْهِرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهٗ نَقْبًا (۹۸)

سو (جب اسطرح پر وہ دیوار تیار ہو جائیگی) وہ نہ تو (اس پر) چڑھ سکیں گے نہ انہیں نقب لگا سکیں گے۔

چونکہ ذوالقرنین ثانی کے متعلق یہ پیشگوئی ذوالقرنین اول کے قصہ کے پیرایہ میں بیان ہوئی ہے اسلئے جب یہ بتایا کہ ذوالقرنین ثانی یا جوج و ماجوج کے مقابل پر دیوار بنائیگا تو اس پر سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب ذوالقرنین اول نے دیوار بنا کر ان کا راستہ روک دیا تھا تو وہ دنیا میں پھیلیں گے کیسے جو دوسری دیوار کی ضرورت پیش آئیگی۔ اسلئے اس کے بعد فرمایا:-

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ
دُكَّاءَ ۖ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا (۹۹)

مطلب یہ کہ جب پہلی بار دیوار بنائی گئی اسوقت ہی اس دیوار کے بنانے والے یعنی ذوالقرنین اول نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر یہ خبر دی تھی کہ یہ دیوار ایک دن ٹوٹے گی اور یہ قومیں دنیا میں پھیل جائیں گی۔ اور یہ وہی بات ہے جو دوسری جگہ بہ اس الفاظ بیان کی گئی ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ۔ (الانبیاء: ۲۱: ۹۷)

حدب کا لفظ سخت اونچی زمین اور پانی کی لہردونوں کے لئے آتا ہے۔ ان قوموں نے زیادہ تر سمندری راستوں سے دنیا میں پھیلنا تھا پس خدا تعالیٰ نے ایسا لفظ رکھ کر جو اونچی زمین کے لئے بھی آتا ہے یہ اشارہ فرما دیا کہ سمندر کے اندر بھی پہاڑ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ علاوہ ازیں مجازاً اس سے معنوی بلندی یعنی مذہب یا شرافت کی بلندی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ پس مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ یہ قومیں مذہب اور شرافت کی ہر حد کو پھلانگ جائیں گی۔ اور جہاں جائیں گی دنیا کو اخلاقی گندگی سے بھر دیں گی۔ پھر حدب کے معنی کموار کے بھی ہیں۔ اور کل کا لفظ عموم کو چاہتا ہے پس آئیں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ یہ قومیں قتال کے ہر قسم کے سامانوں پر غالب ہوں گی اور کسی کو انکے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوگی۔

موجودہ مسیحی اقوام ہی ہیں جو شمال مغربی یورپ کی طرف سے سمندری لہروں پر سے ہوتی ہوئی تیزی کے ساتھ ساری دنیا میں پھیل گئیں اور تمام سمندروں پر قابض ہوئیں جیسا کہ كُلُّ حَدَبٍ میں اسکی طرف اشارہ تھا اور انہوں نے ہر مجازی بلندی یعنی مذہب اور شرافت کی ہر حد کو بھی پھلانگ ڈالا۔ اور دنیا کو فساد سے بھر دیا اور حرب کے سامانوں کے بنانے اور جمع کرنے میں ایسی ترقی کی کہ کسی کو ان سے تاب مقابلہ نہیں۔ پھر یہی قومیں ہیں جن پر اگلی آیتیں جو آیت وَتَرَكُنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ سے شروع ہوئی ہیں صادق آتی ہیں۔ اسلئے یہی اس زمانہ کی یاجوج و ماجوج ہیں اور یہی وہ دجال بھی ہیں جس کا ذکر احادیث نبویہ میں آتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کی اپنی امت کو یہ نصیحت کہ فتنہ دجال سے بچنے کے لئے اس سورۃ کی پہلی دس اور آخری دس آیتوں کے مضامین کو مد نظر رکھا جائے صاف بتاتا ہے کہ حضورؐ نے یاجوج و

ماجوج ہی کو جسکا اس سورۃ میں ذکر ہے دجال قرار دیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ وہ دیوار جو ذوالقرنین نے بنائی مقصود بالذات نہیں تھی مقصود بالذات یاجوج و ماجوج کے حملوں کو روکنا تھا اسلئے ہذا کا اشارہ اگرچہ بظاہر دیوار کے بننے کی طرف ہے مگر درحقیقت انکے حملوں کے روکے جانے کی طرف ہے۔ کیونکہ اسکے بالمقابل اگلے جملہ میں جس وعدہ کا ذکر ہے اس سے انکا دوبارہ آزاد ہو جانا مراد ہے۔ مگر یہ کام ذوالقرنین نے اپنے لئے نہیں کیا تھا ان لوگوں کے لئے کیا تھا اسلئے اسنے جو اسے ”اپنے رب کی رحمت“ قرار دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کام چونکہ لوگوں کے لئے رحمت ہے اور اس کا ذریعہ خدا تعالیٰ نے مجھے بنایا ہے اسلئے اسکی وجہ سے انکی نگاہ میں میری قدر و منزلت بڑھی ہے اور میری عزت میں اضافہ ہوا ہے اور اسطرح یہ کام میرے لئے بھی رحمت بنا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے ذوالقرنین کی طرف **هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي** کے الفاظ منسوب کر کے بتادیا کہ اس جگہ ربوبیت سے عزت افزائی مراد ہے۔

انکے بعد ہے **فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دُكَّاءً**۔ اس جملہ میں وعدہ سے یاجوج و ماجوج کو پھر دنیا میں پھیل جانے کی آزادی مل جانے کی وعید مراد ہے کیونکہ اسی کا ذکر دوسری جگہ بہ اس الفاظ آیا ہے کہ **حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ** (الانبیاء: ۹۷) چونکہ اس وعید کے مطابق ان قوموں نے سمندری راستوں سے دنیا میں پھیل جانا تھا اس دیوار نے بیکار ہو جانا تھا اور پھر عدم توجہ اور عدم دیکھ بھال کیوجہ سے ٹوٹ پھوٹ جانا تھا۔

اس میں ایک عجیب بات ہمارے سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ پہلے جملہ میں دیوار کے بننے یا یاجوج و ماجوج کے حملوں کے روکے جانے کو ذوالقرنین کی ربوبیت کا (جس سے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا عزت افزائی مراد ہے) ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اور دوسرے جملہ میں انکے پھر دنیا میں پھیل جانے بلکہ پہلے سے زیادہ پھیل جانے کو اور اس دیوار کے ٹوٹ پھوٹ جانے کو اس کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ دو متضاد چیزیں ہوں اور انکے باوجود ایک ہی نتیجہ پیدا کریں۔ سو جاننا چاہئے کہ ہر اوّل تو اسلئے ذوالقرنین کی عزت افزائی کا موجب بنا کہ وہ لوگوں کے لئے رحمت تھا اور ذوالقرنین اسکا ذریعہ بنا تھا۔ رہا امر دوم تو

اس کا تعلق مستقبل کی خبر سے تھا اور وَعْدُ رَبِّي کے الفاظ جو ذوالقرنین نے کہے ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ خبر اس کو براہ راست بھی دی گئی تھی یعنی یہ وعید اسے خدا تعالیٰ سے علم پاکر لوگوں تک پہنچائی تھی پس اسکا پورا ہونا چونکہ اسے مُلْهَمٌ مِنَ اللّٰہِ ثابت کرنیوالا تھا اسلئے اسکی عزت افزائی کا موجب ہونے والا تھا۔

اسکے بعد ایک اور عجیب بات ہمارے سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ اگرچہ قرآن کریم میں ضماہر کا استعمال بڑی کثرت سے ہوتا ہے مگر اس جھوٹی سی آیت میں اسکی بجائے رب کا لفظ تین دفعہ لایا گیا ہے جو بلا حکمت نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ ذوالقرنین کی زبان سے تین دفعہ ربی کا لفظ لا کر یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اسے خبر دی تھی کہ اسکی ربوبیت کے لئے (جس سے یہاں عزت افزائی مراد ہے) اسکے رب نے تین سامان کئے ہیں اور جیسا کہ ربوبیت کا (جسکے معنی درجہ بدرجہ ترقی دینے کے ہوتے ہیں) تقاضہ ہے ہر دوسرا سامان پہلے سامان سے زیادہ اس کی عزت افزائی کا موجب ہوگا۔ پس اسکی بتایا کہ جس طرح اس کو یاجوج و ماجوج کے حملوں کے رکنے کا ذریعہ بنا کر خدا تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی کی ہے اور آئندہ ان قوموں کے دنیا میں پھیل جانے کی خبر کو جو الہاماً اسے دی گئی پوری کر کے ایک دوسرے رنگ میں اور پہلے سے بڑھ کر اسکی عزت افزائی کرنیوالا ہے کیونکہ اس سے وہ ایک مُلْهَمٌ مِنَ اللّٰہِ کے طور پر جانا جائیگا۔ اس طرح اس وعدہ کو پورا کر کے جس کا آخری جملہ میں ذکر ہے وہ ایک تیسرے رنگ میں اور دوسرے رنگ سے بھی زیادہ اسکی عزت افزائی کا سامان کریگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ آخری الفاظ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا میں وعدہ سے یاجوج و ماجوج کے دنیا میں پھیل جانے کی وہ وعید جس کی طرف اس سے پہلے جملہ میں اشارہ تھا مراد نہیں بلکہ الگ وعدہ مراد ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ وعید یاجوج و ماجوج کو صرف دنیا میں پھیل جانے کی کھل مل جانے کی وعید نہیں تھی بلکہ اسکے ساتھ وَمِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ کے الفاظ لا کر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ دنیا میں پھیل جانے کا موقع ملنے پر وہ لوگ لفظ حدب کے ظاہری معنی میں ہر مادی روک کو اور اسکے مجازی معنی میں مذہب اور شرافت کی ہر حد کو پھلانگ جائینگے اور ساری دنیا میں پھیل کر اسے فساد سے بھر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس بات نے انہیں مستحق عذاب بنا دینا تھا اور سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ وقت آنے پر انہیں فوراً پکڑ لیا جائے گا یا پہلے ہشیار کیا جائیگا۔ اس لئے

ذوالقرنین نے اسکے ساتھ ہی یہ الفاظ کہے کہ وَكُنَّا وَعْدُ رَبِّي حَقًّا۔ کان جو اظہار استمرار کیلئے آتا ہے ظاہر کرتا ہے کہ اسمیں کسی دائمی وعدہ کا ذکر ہے اور وعدہ کی صفت کا حق ہونا بیان کیا جانا بتاتا ہے کہ اسمیں اس دائمی وعدہ کا ذکر ہے جو سچا بھی ہوتا ہے اور ایسے وقت میں حکمت اسکی مقتضی بھی ہوتی ہے یعنی اس وعدہ کا ذکر ہے جو وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا کے قرآنی الفاظ سے مترشح ہے۔ پس ذوالقرنین کی طرف یہ الفاظ منسوب کر کے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اس کو اس بات کی خبر بھی دی گئی تھی کہ اپنی سبب مستمرہ کے مطابق جو ایک وعدہ کا رنگ رکھتی ہے خدا تعالیٰ ان قوموں کو جتلائے عذاب کرنے سے پہلے اپنا کوئی رسول بھیجے گا اور اگر وہ اسکے انذار سے فائدہ نہیں اٹھائیگے تو وہ ان پر گرفت کریگا۔ لیکن اگر صرف اتنی ہی بات اسے بتائی گئی ہو کہ اسوقت وہ ایک رسول بھیجے گا تو اوّل یہ بات پوری ہونے پر بھی ذوالقرنین کی کسی خاص عزت افزائی کا موجب نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس رسول کے آنے کی خبر صرف ذوالقرنین ہی کو نہیں دی گئی بہت سے نبیوں کو بھی دی گئی بلکہ افضل الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی دی گئی۔ اور اسمیں اسکی کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ دوسرے جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ذوالقرنین کی ربوبیت کے خدا تعالیٰ نے تین الگ الگ اور ایسے سامان کئے تھے جن میں سے دوسرا سامان پہلے سے اور تیسرا دوسرے سے زیادہ اسکی ربوبیت یعنی عزت افزائی کا موجب ہونیوالا تھا۔ اور صرف اسے دی جانوالی خبر کے پورا ہونے سے یعنی اسکا مُلْهِمٌ مِنَ اللّٰہِ ہونا ثابت ہونے سے جو عزت افزائی اسکی ہونیوالی تھی اس کی طرف اشارہ اس سے پہلے جملہ میں ہو چکا ہے اسلئے ماننا پڑے گا کہ ذوالقرنین کو صرف اس نبی کے آنے کی خبر ہی نہیں دی گئی بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور خبر بھی دی گئی جو پوری ہو کر صرف اس وجہ سے کہ اسے الہاماً وہ خبر دی گئی اسکی عزت افزائی کا موجب بننے والی نہیں تھی بلکہ اپنی ذات میں اس کا موجب بننے والی تھی اور اس سے زیادہ اسکی عزت افزائی کا موجب بننے والی تھی جو اسکی پیشگوئی کے پورا ہونے سے اس کی ہو سکتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ بات سوائے اسکے کوئی نہیں ہو سکتی تھی کہ آنوالے نبی کا ایک نام ذوالقرنین بھی ہو۔ کیونکہ جب کسی بزرگ شخص کو کسی نسبتاً چھوٹے آدمی کا نام دیا جائے تو اس سے یقیناً اس چھوٹے آدمی کی عزت افزائی ہوتی ہے جیسا کہ آنحضرتؐ کو مثیل موسیٰؑ قرار دیا جانا حضرت موسیٰؑ کے لئے موجب عزت افزائی تھا۔ پس اسمیں ایک نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بتایا گیا کہ آنوالے نبی کا ایک نام

ذوالقرنین بھی ہوگا۔ اور اسکو یہ نام ملنا پہلے ذوالقرنین کے لئے وجہ افتخار ہوگا۔ اور جب آئندہ ایک رسول کے آنے کی خبر دی گئی اور یہ بتایا گیا کہ اس کا ایک نام ذوالقرنین بھی ہوگا اور اسکو اس نام کا ملنا پہلے ذوالقرنین کے لئے وجہ افتخار ہوگا تو اسی میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ اگرچہ اس رسول کو پہلے ذوالقرنین سے مشابہت ہوگی مگر وہ اپنی ہر شان میں اس سے افضل ہوگا۔ چنانچہ ذوالقرنین وقت حضرت مہدی مسعود المسعود علیہ السلام کے حق میں یہ بات بڑی وضاحت سے پوری ہوئی۔

اگر پہلا ذوالقرنین فارسی الاصل تھا تو یہ ذوالقرنین بھی فارسی الاصل تھا مگر ایسا فارسی الاصل جو برطابق حدیث نبوی ایمان کو ثریا سے واپس لائے والا تھا۔ اور اگر پہلے ذوالقرنین نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کو اس وقت روکا تھا جب وہ ایک محدود خطہ زمین پر قابض تھے تو اسے اسوقت انکے حملوں کو روکا جب وہ دنیا کے معتد بہ حصوں پر قابض تھے۔ اور اگر پہلے ذوالقرنین نے انکی مادی یلغار کو روکا تھا تو اس نے انکی دینی یلغار کو روکا۔ اور اگر پہلے ذوالقرنین نے مادی دیوار کھڑی کی تھی تو اسے آسمانی بادشاہت یعنی نبوت دی گئی اور اگر پہلے ذوالقرنین نے ایک ادنیٰ وجہ یعنی دو سینگوں کے قومی نشان کی وجہ سے یا ایک آدھ قوم کی دو صدیوں کو پانے کی وجہ سے یہ نام پایا تو اسے ایک اعلیٰ و ارفع وجہ یعنی اپنے دو منصبوں مسیح اور مہدی ہونے کی وجہ سے اور ہر قوم کی دو صدیوں کو پانے کی وجہ سے یہ نام پایا۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

پس سورۃ الکہف میں ایک مسیح اور مہدی کے آنے کی خبر دینے کے بعد ذوالقرنین کا قصہ شروع کر کے تو خدا تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ نبی موعود کے وقائع کو ذوالقرنین کے وقائع سے مشابہت ہوگی اور اس قصہ کے آخر میں یہ بتایا کہ مشابہت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اسی درجہ کا انسان ہوگا بلکہ وہ اپنی ہر شان میں اس سے افضل ہوگا۔

وَلَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمًا يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَهُمْ جَمْعًا (۱۰۰)

جیسا کہ واضح کیا گیا ہے اوپر کی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ جب یاجوج و ماجوج سمندری راستوں سے دنیا میں پھیل جائیں گے اور مذہب اور شرافت کی ہر حد کو پھیلاؤں گے

کے تو چونکہ وہ اسوقت ساری دنیا پر غالب ہو گئے ان کے زیر اثر ساری دنیا فساد سے بھر جائے گی مگر خدا تعالیٰ اکتوفورا نہیں پکڑیگا بلکہ اپنی سُنعِبِ مسترہ کے مطابق انہیں ہشیار کرنے کو پہلے اپنا نبی بھیجے گا جسے اس سورۃ میں مہدی اور مسیح اور ذوالقرنین قرار دیا گیا ہے۔ اسکے بعد آیت زیر نظر لا کر یہ بتایا کہ پہلے وہ انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ ایک دوسری پر اس طرح حملے کریں جیسے موج پر موج پڑتی ہے یعنی جس طرح ایک موج دوسری موج پر چڑھ دوڑتی ہے پھر پیچھے ہٹ جاتی ہے اور پھر یہی عمل دہرایا جاتا ہے اس طرح ان قوموں کی پہلے ایک جنگ ہوگی پھر وقفہ ہوگا پھر دوسری جنگ ہوگی اور اسکے بعد لُغِ صور ہوگا یعنی تیسری اور انتہائی بڑی جنگ کا بگن بج جائیگا (یہ آخری استدلال اس سے ہوتا ہے کہ لُغِ صور سے ہمیشہ انقلاب عظیم مراد ہوتا ہے) ظاہر ہے کہ اسکے نتیجہ میں بہت بڑی تباہی ہوگی سو جیسا کہ دوسری آیات میں بھی اشارہ ہے اس تباہی کے بعد خدا تعالیٰ انہیں (دین واحد پر) جمع کر دیا یعنی انہیں اسلام لے آنے کی توفیق دے گا۔

ایک اور اعتبار سے ایک اور اشارہ بھی اس میں ہے۔ اوپر کی آیت میں تو یہ بتایا تھا کہ عذاب سے پہلے نبی بھیجا جائے گا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس وقت دنیا کی حالت یہ ہو گی کہ مذہبی رنگ میں تمام قومیں ایک دوسرے پر اس طرح حملہ آور ہوگی جیسے موج موج پر پڑتی ہے۔ ”پھر لُغِ صور ہوگا یعنی خدا تعالیٰ اپنے مرسل کے ذریعہ جو صور یعنی قرنا کا حکم رکھتا ہوگا اپنی آواز لوگوں تک پہنچا دے گا کہ اب تمہاری گرفت کا وقت آگیا ہے۔ نبی میں ایک خدا داد قوت جاذبہ ہوتی ہے جسکی وجہ سے سعید رو میں اسکی طرف کھینچی چلی جاتی ہیں اور اس طرح خدا تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کر دیا“ (یہ بات حضرت مہدی موعودؑ کی متفرق تحریرات سے لی گئی ہے)۔

نمبر ۱: اگر سوال ہو کہ اوپر ذکر تو یا جوج و ماجوج کا ہے پھر بَعْضُہُمْ کی ضمیر سب قوموں کی طرف کیسے پھیر لی گئی تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ قومیں اسوقت دنیا پر غالب ہوگی اور دوسری قومیں بوجہ انکے ماتحت یا زیر اثر ہونے کے انکے حکم میں ہوگی۔

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا (۱۰۱)

اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے بالکل سامنے لے آئیں گے۔

عرضنا میں بتایا کہ جن باتوں کے ساتھ اس عذاب کا آنا خدا نے وابستہ کر رکھا ہے وہ

پوری ہوں جائیں گی۔ مثلاً سورۃ المدثر میں مذکور ایسی طاقتوں کی تعداد پوری ہو جائے گی اور ہر جہنم پرنا کو نظر آنے لگے گا کہ اب عذاب بس آنے ہی والا ہے۔

عذاب کی جگہ جہنم کا لفظ رکھ کر بتایا کہ وہ عذاب عذاب جہنم کا نمونہ ہوگا۔

وَالَّذِينَ كَانَتْ أَغْنِيَهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا (۱۰۲)

یعنی ان لوگوں کے (سامنے) جنگی آنکھیں ہمارے ذکر سے پردہ میں ہوئی اور وہ سننے کی استطاعت بھی نہیں رکھتے ہوئے۔

ذکر کا لفظ قرآن میں دوسری جگہ آنحضور ﷺ کے لئے بھی آیا ہے اور قرآن کے لئے بھی۔ اور اللہ کا بندوں کو یاد کرنا بھی ذکر اللہ سے مراد ہوا کرتا ہے۔ اور گمراہی کے زمانہ میں اس کا بندوں کو یاد کرنا یہ ہوتا ہے کہ ان کی ہدایت کے لئے مامور بھیجنا۔ پس مطلب یہ ہے کہ انکی آنکھیں مامور وقت کو جو انکے سامنے ہوگا (دیکھیں گی مگر) دیکھ نہیں سکیں گی یعنی پہچان نہیں سکیں گی کما فی قولہ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ اور سننے کی استطاعت تو وہ پہلے بھی نہیں رکھتے ہوئے ورنہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اور قرآن کی باتوں سے جو انکو پہلے بھی سنائی جاتی تھیں کچھ نہ کچھ اثر تو ضرور لیتے۔ فرمایا:-

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي
أَوْلِيَاءَ. إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا (۱۰۳)

کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو مددگار بنا سکیں گے۔ یقیناً ایسے کافروں کے لئے میں نے جہنم کو بطور ضیافت تیار کر رکھا ہے۔

مسیحی، مسیح انکی والدہ اور روح القدس کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور یہ تینوں اسکے عبد ہیں اسلئے عبادی کا لفظ جو جمع کا صیغہ ہے رکھا اور اس طرح واضح کر دیا کہ ذکر مسیحیوں ہی کا چل رہا ہے۔ جس کا مزید ثبوت اگلی آیات میں ہے

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (۱۰۴) الَّذِينَ ضَلَّ
سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ

صُنْعًا (۱۰۵) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاءِ
رَبِّهِمْ أَغْمَا لَهُمْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا (۱۰۶)

(اے رسول انہیں) کہہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں سے آگاہ کریں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ پائیوالے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں (جنکی تمام تر جد و جہد ورلی زندگی کے سنوارنے ہی) میں کھو کر رہ گئی ہے اور (بہ ایں ہمہ) وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اسکی لقاء کا کفر کیا سوائے اعمال جہٹ ہو گئے۔ اسلئے قیامت کے دن ہم انہیں کوئی وَثْعَف نہیں دینگے۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جن لوگوں کی تمام تر کوششیں دنیوی زندگی کے سنوارنے ہی کے لئے ہوتی ہیں اگرچہ وہ لاکھ سمجھیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں (کہ اس سے لوگوں کو فائدہ ہو گا) لیکن انکا یہ فعل خدا کی نظر میں ذرہ برابر بھی قابلِ قدر نہیں ہوتا کیونکہ ایسا کر کے یہ لوگ اپنے رب کی آیات کا اور اسکی لقاء کا کفر کرتے ہیں۔ رب کے معنی درجہ بدرجہ ترقی دینے والے کے ہیں۔ پس اسیں بتایا کہ انکا رب اپنی آیات تو اسلئے نازل کرتا ہے کہ انکے ذریعہ ترقی دیتے دیتے لوگوں کو اپنی لقاء کے مقام تک (جس کی کوئی انتہا نہیں) پہنچا دے۔ مگر جو لوگ اپنی تمام تر کوششیں حیات الدنیا ہی کے سنوارنے اور اسی کی لذات حاصل کرنے میں کھو دیتے ہیں وہ اپنے رب کی آیات اور اس کی لقاء کا انکار یا انکار نہیں تو ناقدری کرنیوالے ضرور ہوتے ہیں اسلئے انکی مساعی کا قیامت کے دن کوئی وزن نہیں ہو گا۔ یاد رہے کہ لفظ کفر کے معنی انکار کرنے کے علاوہ ناقدری کے بھی ہوتے ہیں۔

ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي
وَرُسُلِي هُزُوًا (۱۰۷)

انکی یہ سزا یعنی جہنم اسلئے ہو گی کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو ٹھٹھے کا نشانہ بنایا۔

اس میں بتایا کہ حیات الدنیا کو سنوارنے کی سعی اپنی ذات میں کوئی بری چیز نہیں نہ اس کی وجہ سے وہ لوگ سزا پائیگے۔ اس سعی میں انکا اسقدر انہماک کہ وہ آیات اللہ کی اور اللہ کے

رسولوں کی (جو اللہ کی راہ دکھانے اور عاقبت سنوارنے کے لئے اتاری جاتی اور اتارے جاتے ہیں) تاقدری کرنے والے اور بزبانِ قائل یا حال انکا مذاق اڑانے والے ہونگے انکو جہنم کی سزا کا مستحق بنا دیگا۔ اسکے برعکس

إِنَّ الدِّينَ أَمْنٌ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (۱۰۸) خُلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا
جُزْؤًا (۱۰۹)

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجالائے انکی مہمانی کے لئے
فردوس کے باغات ہونگے۔ وہ انہیں ہمیشہ رہینگے۔ ان سے نکل کر کہیں اور
جانا نہیں چاہیں گے۔

عملِ صالح وہ عمل ہوتا ہے جو نیک بھی ہو اور موقع اور محل کے مطابق بھی ہو۔ پس اسیں
بتایا کہ جو لوگ نبی وقت پر ایمان لا کر نیک اور مناسب حال عمل کریں گے یعنی جتنی کوشش دنیا کے
لئے کرنی چاہیے اتنی دنیا کے لئے کریں گے اور جتنی آخرت کے لئے اور خدا کے قرب کے حصول
کے لئے کرنی چاہیے اتنی انکے لئے کریں گے۔ انکے لئے فردوس کے باغات ہونگے۔

فردوس کے معنی ہیں وہ باغ جو کئی قسم کے نباتات اکاٹا ہے۔ نیز وہ باغ جس میں تمام وہ
اشیاء ہوں جو باغات میں ہو سکتی ہیں (تفسیر کبیر بحوالہ اقرب)۔

چونکہ اصل اور دائمی زندگی آخرت کی زندگی ہے اور انسان کے لئے سب سے بڑا انعام
قربِ الہی ہے اس لئے اعمالِ صالحہ بجالانے والے وہی کہلا سکتے ہیں جو اپنے اعمال میں حصول
قربِ الہی، اس میں ترقی اور حیاتِ الآخرہ کو سنوارنے پر سب سے زیادہ زور دیں پس پہلی آیت
میں یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ کسی اعتبار سے گماتے میں نہیں رہیں گے بلکہ انکو ہر نعمت ملے گی۔ اور
دوسری آیت میں یہ بتایا کہ اگر دنیا میں انکو وہ نعمتیں جنہیں دنیا دار نعمتیں سمجھتے ہیں نہ بھی ملیں تو جو
کچھ انہیں ملے گا یعنی قربِ الہی کا مقام وہ اس پر ایسے مطمئن ہونگے کہ اسے چھوڑ کر کچھ اور لینا
چاہیں گے ہی نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

دیوانہ کنی ہر دو جہانت بخشی
دیوانہ تو دو جہاں راچہ کند

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ
أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (۱۱۰)

اوپر کی آیت میں یہ سمجھایا گیا تھا کہ لقاء الہی ایسی نعمت ہے کہ اسکے حصول کیلئے انسان کو سب سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ اور اسکے حصول کا طریق خدا تعالیٰ خود اپنی آیات کے ذریعہ بتاتا ہے۔ اس پر معترض کہہ سکتا تھا کہ بطرح خدا تعالیٰ کی کوئی حدیث نہیں اسکے قرب کی بھی کوئی حد نہیں پھر لامحدود ترقیات کے لئے محدود آیات پر مشتمل قرآن کیسے کافی ہو سکتا ہے اور اگر کافی نہیں ہو سکتا تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہیں ہوگی۔ زیر نظر آیت میں خدا تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو بتایا کہ اسکا کیا جواب دیں۔ فرمایا:

(اے رسول انہیں) کہہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات (کے لکھنے) کیلئے
روشانی بن جائے تو قبل اسکے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں سمندر ختم
ہو جائیگا گو ہم ایسے ہی اور سمندر بطور مدد (کام میں) لے آئیں۔

چونکہ تمام مخلوقات خدا تعالیٰ کے کلمہ کُنْ فَيَكُونُ سے وجود میں آئی ہیں۔ اسلئے ایک
رنگ میں وہ سب کَلِمَةُ اللَّهِ ہی ہیں اسی بنا پر سچ کو کَلِمَةُ اللَّهِ کہا گیا۔ اور جب خدا تعالیٰ
کے ان کلمات یعنی اسکی مخلوقات میں سے ہر ایک کے خواص و عجائبات لا محدود ہیں تو اسکے ان
کلمات سے جو اسنے اپنے سب سے برگزیدہ اور پیارے رسول ﷺ پر نازل کئے حقائق و معارف
اور ہدایات کیونکر محدود ہو سکتے ہیں۔ پس مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ قرآن میں جو مجموعہ کلمات
اللہ ہے ہر مقام کے ہر انسان کے لئے اور ہر درجہ قرب سے آگے ترقی دینے کے لئے ہدایات
موجود ہیں اسمیں موجودہ اور آئندہ کے تمام انسانوں کی جملہ روحانی ضروریات کو پورا کرینکا سامان
ہے۔ لَا زَيْبُ فِيهِ (اس کتاب میں کوئی کمی نہیں) اسلئے اسکے بعد کسی اور الہامی کتاب کی ضرورت
بھی نہیں ہو سکتی۔

پھر یہ بھی اس آیت میں بتایا گیا کہ اگرچہ قرآن کے بعد اور کوئی کتاب نہیں مگر خدا کے
کلمات یعنی اسکے الہامات کا دروازہ لا محدود ہے۔ اگر کسی زمانہ کے لوگ خود قرآن سے ہدایت
حاصل نہیں کر سکیں گے تو خدا تعالیٰ حسب ضرورت زمانہ اپنے الہام سے ایسے لوگ کھڑے کرتا رہیگا

جو اس سے ہدایت پا کر قرآن کریم سے ضروری مضامین اخذ کریں گے اور لوگوں کو وہ مضامین سمجھائیگے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں دنیا میں غالب اقوام کی تمام تر توجہ حیاء الدنیا بہتر بنانے میں صرف ہو رہی ہوگی انکے ماتحت اقوام کا بھی یہی حال ہوگا اور اس زمانہ میں مسلمان جو ان اقوام کے ماتحت یا انکے زیر اثر ہونگے قرآن سے دور جاڑینگے اور جیسا کہ خدا نے سورۃ الفرقان ۳۱:۲۵ میں فرمایا) اے چھوڑ بیٹھیں گے اسلئے اس زمانہ میں سب سے بڑے مُلْہَمِ مِنَ اللّٰہ یعنی نبی اللہ کی ضرورت ہوگی اور اس نبی اللہ کی ضرورت ہوگی جو خصوصیت کے ساتھ ان دنیا پر غالب اقوام یعنی مسیحیوں کے غلط خیالات اور عقائد کا رد کرنے والا ہو۔ یعنی مسیح ہو۔ پس یہ آیت اس زمانہ میں مسیح موعودؑ کے آنے کی نہایت وضاحت کے ساتھ خبر دے رہی ہے۔ چنانچہ اسمیں آیت اللہ کے لکھنے کیلئے سمندروں کے سیاہی بنائے جانے کا ذکر بتاتا ہے کہ اسکا تعلق اس زمانہ سے ہے جسمیں کثرت سے لکھنے کا رواج ہوگا اور یہ زمانہ مسیح موعودؑ ہی کا زمانہ ہے جنہیں سلطان القلم قرار دیا گیا۔ لیکن تحریر کا رواج چونکہ آپؐ کے ظہور سے کچھ پہلے سے شروع ہو جاتا تھا اور اس آیت کے اطلاق کے بارہ میں کہ کس زمانہ سے ہے غلط فہمی ہو سکتی تھی سورۃ لقمان کی آیت ۲۸ کے برعکس اسمیں اقلام کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے تا اشارہ ہو کہ اسکا تعلق اس زمانہ سے ہے جس میں بغیر قلموں کے بھی تحریر ہوگی۔ اور وہ زمانہ بھی زمانہ ہے جو مسیح موعودؑ کے مشن کی اشاعت کا زمانہ ہے۔ پھر یہ بھی اس میں بتایا کہ جب تمام مخلوقات کلمۃ اللہ ہیں اور قرآن بھی مجموعہ کلمات اللہ ہے تو عقلمند کا یہ کام نہیں کہ اُن کلمات کے خواص اور عجائبات معلوم کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دے جن کا تعلق صرف اس چند روزہ زندگی سے ہے بلکہ اسے چاہیے کہ قرآن کریم میں غور و فکر کی طرف زیادہ توجہ دے۔ جس سے اسے خدا کا قرب اور پھر قرب میں لانا ترقیات حاصل ہو سکیں گی۔ اور اسکی حیاۃ الآخِرۃ جو دائمی ہے سنور سکے گی۔

چونکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو روحانی ترقیات سے مایوس ہونے کی وجہ سے بزبان قال یا حال کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے کوئی ولی بننا ہے جو دنیا کا نقصان کر کے دین کی طرف متوجہ ہوں اور مسیح موعودؑ کے وقت ایسے لوگ بہت ہونے تھے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَٰهٌ
وَاحِدٌ ۚ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (۱۱۱)

اے رسول ایسے لوگوں سے کہہ یقیناً میں بھی تمہاری طرح کا بشر ہوں اگر میں قرب الہی کے بلند ترین مقامات حاصل کر سکتا ہوں تو تم کوئی مقام کیوں حاصل نہیں کر سکتے۔ مشلکم فرمایا ہے تمہارے برابر نہیں فرمایا اسلئے مطلب یہ ہے کہ حسب اپنی استعداد اور سعی اسکا قرب تم بھی حاصل کر سکتے ہو۔ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود معبود واحد ہے۔ انہیں یہ نہیں فرمایا کہ میرا اللہ یا سب کا اللہ، اللہ واحد ہے بلکہ اِلٰهُکُمْ تمہارا اللہ فرمایا ہے حالانکہ جب اللہ اللہ واحد ہے تو سب کا وہی اللہ ہے۔ اللہکم فرما کر بتایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہر انسان ایسا نہیں ہوتا کہ بلا واسطہ خدا سے ہدایت پاسکے اور اسپر عمل کر کے اس تک پہنچ سکے سو اسی لئے اسنے مجھے مامور کیا ہے اور میری طرف وحی کی ہے کہ تمہیں بتادوں کہ تمہارا اللہ واحد ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔ سو جو اپنے رب کے دیدار کا طالب ہے اور (جواب دہی کیلئے) اسکے حضور حاضر ہونے سے ڈرتا بھی ہے (لفظ رجاء میں امید و خوف دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے) اسے چاہیے کہ اعمال صالحہ بجالائے۔ عمل صالح وہ عمل ہوتا ہے جو نیک ہونے کے علاوہ موقع اور محل کے مطابق بھی ہو۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کے آنے پر اسے مان لینے اور اسکی اتباع سے زیادہ کوئی بر محل عمل نہیں ہوتا۔ پس جس نبی کے آنے کی اوپر پیشگوئی کی گئی اس آیت میں اسے یعنی مہدی مسعود المسعود کو ماننے کی تلقین فرمائی گئی۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا: اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ عمل صالح تو ہوتا ہی وہ عمل ہے جس میں کسی نوع کا کوئی فساد نہ ہو پھر عمل صالح بجالانے کے حکم کے بعد حکم زیر نظر لانے کی کیا ضرورت تھی؟ سو جاننا چاہئے کہ یہ حکم اسی لئے دیا گیا کہ عمل صالح بجالانے کے حکم میں اس جگہ نبی وقت کو ماننے کا اشارہ پہلے نمبر پر تھا اور بعض لوگ اپنے نبی ہی کو محل شرک بنا لیا کرتے ہیں جیسا کہ مسیحیوں نے بنا لیا۔ چونکہ اس نبی نے بھی کہ جس کے آنے کی اس سورۃ میں پیشگوئی ہے علاوہ مہدی اور ذوالقرنین ہونے کے مسیح موعود بھی ہوتا تھا اور مسیح ناصری سے بلند تر مقام پانا تھا اور اس بات کا زیادہ خطرہ تھا کہ لوگ اسے معبود نہ بنا لیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بطور پیش بندی یہ حکم فرما دیا۔

سورۃ مریم میں حضرت مہدیؑ اور انکے پسر موعودؑ کا ذکر

سورۃ الکہف کے بعد سورۃ مریم آتی ہے اسکے شروع میں ہے:-

کَہِیْعَصَ

اے ہر چیز کا علم رکھنے والے صادق الوعد خدا تو کافی ہے تو ہادی ہے۔
آنحضرت ﷺ نے ک ہ ع ص سے علی الترتیب کافی ہادی علیم اور صادق مراد لیا ہے۔ 'ی' کے معنی حضورؐ نے نہیں کئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اسے حرف نداء جانا ہے۔

خدا تعالیٰ ہادی تو ہے مگر اسکی سفت اسی طرح پر واقع ہے کہ وہ اپنے رسولوں کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور یہاں اس کے کافی ہونے کو ہادی ہونے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے اوّل نمبر پر اس سے ہدایت میں کافی ہونا مراد ہے۔

=====

کَہِیْعَصَ میں ایک مہدی کے آنے کی پیش گوئی

اس کے بعد جانا چاہیے کہ کسی سورۃ کے شروع میں آنیوالے حروف مقطعات اس سورۃ کے مضامین کے لیے بطور خلاصہ کے ہوتے ہیں۔ پس سورۃ مریم کے شروع میں یہ مقطعات لاکر اور انکے درمیان حرف نداء رکھ کر خدا تعالیٰ نے بطور پیشگوئی بتایا کہ اُمّت محمدیہ پر ایک وقت آئیگا کہ اسے پھر کسی ہادی کی ضرورت پیش آئیگی۔ اس وقت اُمّت کا درد رکھنے والے خدا تعالیٰ کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو جو بِکَلِّ شَسْیٰ عَلَیْمٌ ہے پہلے سے جانتا تھا کہ ہم پر ایک ایسا وقت آنیوالا ہے کہ ہمیں پھر ایک ہادی کی ضرورت پیش آئیگی اور اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے تو نے اپنے پاک کلام میں ہمیں وعدہ دیا تھا کہ وہ وقت آنے پر تو ازراہ کرم کسی شخص کو اپنی طرف سے ہدایت دیکر یعنی مہدی بنا کر بھیجے گا اور وہ شخص اس مقام کا شخص ہوگا کہ تیرے فضل سے ہمارے لئے کافی ہو جائے گا۔ یعنی اپنے وقت کے دوسرے تمام رہنماؤں سے

ہمیں مستغنی بنا دے گا۔ پس تو جو صادق الوعد ہے اپنا وعدہ پورا فرما اور مہدی موعودؑ کو بھیج دے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ”ک“ سے جہاں کافی مراد ہے وہاں کریم بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہاں اسکا کافی ہونا بھی بہ اس معنی ہی ہے کہ وہ اپنے کرم سے اپنے بندوں کی ضروریات کے لیے کفایت کرتا ہے۔ اور جب خدا کوئی دعا سکھائے تو ضرور ہے کہ وہ پوری بھی ہو پس اس میں ایک مہدی کے آنے کی پیش گوئی بھی تھی۔

یہاں تک یہ نوٹ لکھنے کے بعد یہ روایت میری نظر سے گزری ہے کہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپؑ یہ دعا کیا کرتے تھے تَہِیْلَ عَصِیْ غَفْرُلِیْ ہں اگرچہ مجھے تسلی پہلے بھی تھی مگر اس سے مزید تسلی ہو گئی کہ ان حروف میں واقعی اُمت محمدیہ کو آڑے وقت کے لئے ایک دعا سکھائی گئی ہے یعنی ایک مفہوم ان کا وہ بھی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ بہر صورت تَہِیْلَ عَصِیْ میں جو کچھ اجمالاً بیان کیا گیا اگلی آیات میں اسکی تفصیل ہے فرمایا:

ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدُہُ زَکَرِیَّا (۳)

یہ تیرے رب کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ زکریا کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اس پر کی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اے محمد ﷺ یہ تیرے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے زکریا پر کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت زکریا کے واقعہ کے بیان سے مقصود آنحضرتؐ یا آپؐ کی اُمت کے بارہ میں پیش گوئی کرنا ہے۔ لہذا جو کچھ آگے بیان ہوا وہ اس پیشگوئی کی تفصیل ہے۔ فرمایا:

اِذْ نَادٰی رَبُّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا (۴)

اس وقت کو یاد کر جب اس نے اپنے رب کو چلا کر پکارا لفظ خَفِیًّا اضداد میں سے ہے یعنی نداء خَفِیًّا کے معنی دھیمی آواز میں پکارنے کے بھی ہیں۔ اور چلا کر پکارنے کے بھی ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت زکریا نے خدا تعالیٰ کو چلا کر پکارا ہو مگر ایسے طور پر کہ لوگوں سے ان کی نداء مخفی رہے یا کسی وقت مخفی طور پر پکارا ہو اور کسی وقت زور سے آواز نکل گئی ہو۔ اصل میں تو دیکھنا یہ ہے کہ یہاں یہ الفاظ کیوں لائے گئے۔ سو جاننا چاہیے کہ یہاں چونکہ اُمت محمدیہ کے بارہ میں پیشگوئی کرنا مقصود ہے اور اُمت میں سے

بعض لوگوں نے ہدیت کرب سے چلا کر خدا تعالیٰ کو پکارنا تھا اور بعض نے (اس لیے کہ اغیار کو ناحق خوش ہونے کا موقع نہ ملے اور وہ کوئی غلط تاثر نہ لیں) مخفی طور پر اس کو پکارنا تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے ایسے الفاظ رکھے جو دونوں مفہوم دے سکیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنْ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاسُ شَیْئًا وَلَمْ
اَكُنْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا (۵) وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ
وَرَآءِیْ وَكَانَتْ اِمْرَاتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ
وَلِیًّا (۶) یَّرِثْنِیْ وَیَرِثْ مِنْ اِلٰی یَعْقُوبَ ۚ وَاجْعَلْهُ رَبِّ
رَضِیًّا (۷)

(زکریا نے) کہا اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے لیکن اے میرے رب (یہ بھی حقیقت ہے کہ) میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہیں رہا اور میں اپنے بعد کوئی ولی نہ ہونے سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے لہذا تو مجھے اپنی جناب سے کوئی ولی عطا کر جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو اور اے میرے رب اسے اپنا پسندیدہ (وجود) بنانا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

یٰۤاٰزْکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ ۚ اِسْمُهٗ یَحٰی ۚ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ
مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (۸) قَالَ رَبِّ اَنِّیْ یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَكَانَتْ
اِمْرَاتِیْ عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا (۹) قَالَ
کَذٰلِکَ ۚ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلٰی هٰٓهِنَ ۚ وَقَدْ خَلَقْتُکَ
مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا (۱۰)

”اے زکریا! ہم تجھے ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب! میرے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ اللہ نے کہا اسی طرح ہوگا

تیرا رب کہتا ہے کہ یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ اور میں نے تجھے بھی تو پیدا کیا تھا جبکہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔“

جیسا کہ آیت ۵ سے ظاہر ہے ذکر یا نے اپنے بڑھاپے اور اپنی زوجہ کے بانجھ ہونے کا ذکر تو پہلے ہی کر دیا تھا اور وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا کے الفاظ میں یہ اظہار بھی کر دیا تھا کہ (کام مشکل ہو یا آسان) اے میرے رب میری عمر بھر کا تجربہ یہ ہے کہ جب بھی میں نے تجھے پکارا تو نے میرے دامن مراد کو بھر دیا ہے۔ یعنی اس حالت میں بھی اسکے اولاد دینے پر قادر ہونے کا اظہار کر دیا تھا لیکن اسکے باوجود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اسنے انکی مذکورہ دعا کے جواب میں انہیں بیٹے کی بشارت دی تو انہوں نے اسپر تعجب کا اظہار کیا اور کہا میرے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے صلیبی بیٹے کے لئے دعا نہیں مانگی تھی بلکہ اس خیال سے کہ اصل مقصود تو یہ ہے کہ انکے بعد انکا مشن جاری رہے۔ صرف وارث کی دعا مانگی تھی۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے غلام کا لفظ جس کے معنی بیٹے کے ہوتے ہیں استعمال نہیں کیا بلکہ ولی کا لفظ استعمال کیا (جس کے معنی بلا فصل کسی کے پیچھے آنے والے کے اور دین یا اعتقاد یا دوستی وغیرہ میں قرب رکھنے والے کے ہوتے ہیں) اسپر سوال ہو سکتا ہے کہ دوسری جگہ انکی یہ دعا مذکور ہے رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔ پھر یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذریت کے معنی آل کے ہوتے ہیں اور آل سے ہمیشہ جسمانی نسل مراد نہیں ہوتی بعض دفعہ اس سے روحانی نسل مراد ہوتی ہے جیسا کہ آنحضرت کے ارشاد كُلُّ نَفْسٍ اِلٰى مُحَمَّدٍ سَابِقَةٌ ہے۔ دراصل آیت نمبر ۶ کے الفاظ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔

نمبر ۱ ”یہ کہ میں اپنی موجودہ اولاد یا موجودہ متبعین سے جو میرے وارث بننے والے ہیں ڈرتا ہوں (کہ یہ میرا مشن جاری نہیں رکھ سکیں گے)۔“ اور

نمبر ۲ یہ کہ میں اپنے بعد وارث کے نہ ہونے سے ڈرتا ہوں۔

نبی کا درجہ چونکہ روحانی ہوتا ہے دونوں صورتوں میں ان کی مراد یہی تھی کہ مجھے اپنے بعد اپنا مشن جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا اس لئے ان کی دعا رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ

ذُرِّيَّةَ طَيْبَةٍ بھی اسی معنی میں ہو سکتی تھی کہ اے میرے رب پاک لوگوں کو میری ذریت بنادے تاکہ وہ میرے مشن کو جاری رکھ سکیں۔ پس یہ دعا روحانی اولاد کیلئے تھی نہ کہ جسمانی اولاد کیلئے جیسی انہوں نے اس کے بعد صرف یسریٰ نہیں کہا بلکہ یسریٰ وَ یَرْثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ کہا۔ جسمانی اولاد مراد ہوتی تو ان الفاظ کے اضافہ کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب وہ خود آل یعقوب میں سے تھے تو جسمانی لحاظ سے انکی اولاد نے بھی لازماً آل یعقوب میں سے ہونا تھا۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ خود حضرت نبی کریم ﷺ پر تو حضرت زکریا والا کَبَسَ عِيتَاباً کا زمانہ آنیوالا ہی نہیں تھا اسلئے ان آیات میں جو پیشگوئی ہے وہ حضور کی اپنی ذات کے بارہ میں نہیں حضور کی اُمّت کے بارہ ہی میں ہو سکتی تھی۔ پس اسمیں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ ایک زمانہ آئیگا کہ اُمّت محمدیہ میں کمزوری واقع ہو جائیگی۔ ابتداء وہ کمزوری نظر نہیں آئیگی (یعنی انکی ایسی کیفیت ہوگی جیسے انسان اندر سے کھوکھلا ہو جائے اور انکی ہڈیاں کمزور پڑ جائیں مگر بظاہر وہ ٹھیک ٹھاک ہو) مگر پھر یہ کمزوری اتنی بڑھ جائے گی کہ جیسے انسان کا سر سفیدی سے بھڑک اٹھے تو اسکا بڑھاپا چھپائے سے نہیں چھپتا اسی طرح وہ کمزوری بھی ظاہر و باہر ہو جائے گی۔ اسوقت افراد اُمّت میں سے اُمّت کا درد رکھنے والوں کو یہ خوف پیدا ہوگا کہ کوئی وارث رسولؐ جو آپ کے مشن کو جاری رکھ سکے باقی نہیں رہا اور نہ انکے اپنے مردوں اور عورتوں میں یہ صلاحیت رہ گئی ہے کہ انکے اندر سے کوئی ایسا شخص پیدا ہو سکے اسلئے وہ خدا تعالیٰ سے دعائیں گے کہ باہر سے کسی شخص کو بھیجے جو آکر اس منصب کو سنبھال سکے۔ اور جیسا کہ یسریٰ وَ یَرْثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ کے الفاظ سے اشارہ ہوتا ہے وہ یہ دعا مبہم طور پر نہیں مانگیں گے۔ بلکہ مَعْنٰی طور پر آل یعقوب کے ایک شخص یعنی مسیح ابن مریم کیلئے مانگیں گے۔ نزول کے وقت لوگوں کا ہمیشہ یہی حال ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر سے کسی مصلح کے مبعوث ہونے سے مایوس ہو جاتے ہیں جیسا کہ سورۃ یونس کی آیت اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الدِّیْنَ اٰمَنُوْا... الخ سے صاف طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ بہر صورت اسمیں بتایا کہ اگرچہ اسوقت افراد اُمّت اپنے اندر سے کسی وارث رسولؐ کے پیدا ہونے سے مایوس ہو چکے ہونگے اور یہ دعائیں مانگ رہے ہونگے کہ خدا تعالیٰ باہر سے ایک شخص (مسیح ابن مریم) کو بھیج دے مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے انہی میں سے ایک شخص کے مبعوث کئے جانے کی خوشخبری ہوگی جس کی طرف متوجہ کئے جانے پر وہ اظہار تعجب

کریچے اور کہیں گے کہ ان میں کوئی ایسا شخص کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآنی الفاظ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ (۵۸:۲۳) میں بھی اسکی طرف اشارہ ہے۔ اسوقت خدا تعالیٰ بزبان حال یا قال فرمائے گا کہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ہنسنے کہا ہے یہ کام ہم پر آسان ہے آخر ہم نے تم کو یعنی اُمت محمدیہ کو (جس میں لاکھوں ولی اللہ ہوئے ہیں) بھی تو اسوقت پیدا کیا تھا جب اس کا نام و نشان نہیں تھا تو پھر ایک شخص کا (خواہ وہ پہلے سب بزرگان اُمت سے بزرگ تر ہو) پیدا کرنا ہم پر کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔

اس موقع پر سوال ہو سکتا ہے کہ اُمت محمدیہ کی دعا نزول مسیح کے لئے چیک ہونی تھی اور ہوئی مگر یہاں تو ایک بچی کی پیشگوئی ہو رہی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل خدا تعالیٰ پابند نہیں کہ انسان جو اس سے مانگے وہ بعینہ وہی اسکو دے۔ چنانچہ جب والدہ مریم نے بیٹے کیلئے دعا مانگی تو خدا تعالیٰ نے انہیں بیٹے کی بجائے بیٹی دی اور اسکی وجہ یہ بیان کی کہ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَى۔ دوسرے اصل غرض تو اس دعا سے اسکی یہ ہونی تھی کہ باہر سے کوئی نبی آئے اور یہ غرض بچی نام کے نبی کے آنے سے بھی اسی طرح پوری ہو سکتی تھی جیسے مسیح نام کے نبی کے آنے سے۔ اور تیسرے ان آیات کی پیشگوئی کے مصداق نے جس طرح بچی کا نام پانا تھا اسی طرح مریم اور پھر مسیح ابن مریم کا نام بھی پانا تھا فلا اعتراض۔

=====

مہدی موعود کا نام بچی کیوں رکھا گیا

آیت لَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمُكِّتُ لَهَا الْآرْضَ کے مطابق نفع رسان وجودوں کو دنیا میں باقی رکھا جاتا ہے۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ ان پر فنا نہیں آتی بلکہ اسطرح کہ اسکی ذرّت یا اسکے کام باقی رکھے جاتے ہیں یا اسکا نام عزّت کے ساتھ باقی رکھا جاتا ہے۔ پس مہدی موعود علیہ السلام کا ایک نام بچی رکھ کر یہ بتایا کہ اسکی ذرّت اور اسکے کام اور اسکا نام عزّت کے ساتھ باقی رکھے جائیگے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

” تیری ذرّت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہیگی۔ خدا

تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا۔ میں تجھے اٹھاؤنگا اور اپنی طرف بلالوں گا پر تیرا نام صفحہ زمین سے کبھی نہیں اٹھے گا۔“

(اشہار ۳۰ فروری ۱۸۸۶)

چنانچہ اس وقت تک کہ آپ کے دعویٰ کو صرف سو سال کے قریب زمانہ گزرا ہے آپ کی ذریت کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ آپ کا نام دنیا کے کناروں تک شہرت پا چکا ہے بلکہ ۱۶۹ سے اوپر ممالک میں آپ کے متبعین کی جماعتیں قائم ہو چکی ہیں۔ اور آپ کے کاموں میں بھی جو بنیادی طور پر ازالہ تثلیث اور قیام توحید اور مسلمانوں کی اصلاح کے کام تھے ایسی برکت پڑی ہے کہ تثلیث کے پجاری آپ کے غلاموں کے مقابل پر ہر میدان میں ہار رہے ہیں۔ تثلیث کی جگہ توحید لے رہی ہے اور لاکھوں لاکھ مسلمان آپ کے دامن سے وابستگی اختیار کر کے زمینی سے آسمانی بن چکے ہیں اور بن رہے ہیں۔

=====

مہدی موعودؑ تمام افراد اُمت سے افضل ہو گا

حضرت زکریا کی دعا کا آخری جملہ **وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا** بھی قابل غور ہے۔ جو شخص اتنے نبیوں کا روحانی وارث ہو جن کا ذکر ہوا یہ تو نہیں ہو سکتا وہ **رَضِيًّا** یعنی خدا تعالیٰ کا پسندیدہ نہ ہو لہذا انہوں نے جو یہ الفاظ اپنی دعائیں بڑھائے تو اس سے مطلب یہ تھا کہ وہ تیرا ایسا پسندیدہ ہو کہ اس کے مقابل پر کوئی دوسرا گویا پسندیدہ ہی نہ ہو۔ یعنی وہ میرے وارثوں میں سے سب سے زیادہ تیرا مقرب ہو۔ پس یہاں یہ بات نقل کر کے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اُمت محمدیہ میں آنوالا موعود اس مقام کا شخص ہو گا کہ کوئی دوسرا اُمتی اس کے برابر نہیں ہو گا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ایک طرف یہ فرمایا کہ ابو بکرؓ اُمت میں سب سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہو جائے اور دوسری طرف موعود ابن مریم یعنی حضرت مہدی موعودؑ کو نبی اللہ قرار دیا (چنانچہ مسلم کی حدیث باب الفتن میں آپ کے لئے چار بار یہ لفظ آیا ہے) آیت **كَذَٰلِكَ قَالَ اللَّهُ...** الخ کے بعد ہے:-

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۚ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا (۱۱)

”زکریاؑ نے کہا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشان مقرر فرما۔ (اللہ نے) کہا تیرا نشان یہ ہے کہ تو لگاتار تین راتیں کسی انسان سے بات نہیں کریگا۔“

اگرچہ نبی کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں شک نہیں ہو سکتا لیکن انہوں نے اطمینان قلب کے لئے خدا تعالیٰ سے کوئی نشان مانگا یعنی یہ چاہا کہ وہ کوئی ایسی ظاہری صورت پیدا کر دے جس سے ان کو تسلی ہو جائے کہ واقعی انکے ہاں اولاد ہوگی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے آيَةً لَّكَ نہیں فرمایا بلکہ آيَتُكَ فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ تیرا مطلوبہ نشان اس حکم کی اتباع میں ہے کہ تو لگاتار تین راتیں کسی انسان سے کلام نہیں کرے گا۔ باوجودیکہ تو صحیح سالم ہو گا۔ یعنی تجھ میں قوت کلام تو ہوگی مگر تو نے کلام کرنا نہیں ہو گا۔

اطباء جانتے ہیں کہ خاموشی سے ذکر الہی کرنے سے مردوں کی خاص قوت کی اصلاح ہو جاتی ہے پس جہاں تک حضرت زکریاؑ کا تعلق ہے اس میں انکو یہ بتایا گیا کہ تین راتیں (اور اگر سورۃ آل عمران والا حکم بھی ملا لیا جائے تو تین دن رات) خاموشی سے ذکر الہی کرے گا۔ تو تیرے قوی میں طاقت عود کر آئے گی اور تو محسوس کرنے لگے گا کہ تو اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور چونکہ خدا کا کوئی فعل بلا حکمت نہیں ہوتا۔ تجھے یہ طاقت دیا جانا اس بات کی بھی علامت ہوگی کہ تیرے لئے خدا تعالیٰ تیری زوجہ کی بھی اصلاح کر دے گا یعنی اس کا بانجھ پن بھی دور کر دے گا۔ لیکن اگر اُمت محمدیہ پر اس کا اطلاق ہو تو مراد یہ ہوگی کہ موعودؑ کی آنے سے پہلے تین راتیں یعنی تین صدیاں ایسی آئیں گی کہ افراد اُمت کو ”الناس“ یعنی دشمنوں سے بحث مباحثہ کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کرنا پڑے گی اور وہ وقت انکے لئے خصوصیت سے دعاؤں کا وقت ہو گا۔

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا (۱۲)

سو (بیٹے کی بشارت پا کر) زکریاؑ محراب سے (یا حالت نماز سے) باہر

لکلا اور اسنے اپنی قوم سے اشارۃً کہا (تم بھی) صبح دشام تسبیح کرو۔

=====

بزرگان اُمت مہدی موعودؑ کی بشارتیں پائیں گے اور اس کیلئے دعائیں کریں گے اور کروائیں گے

سورۃ ال عمران سے ظاہر ہے کہ حضرت مریم کے منہ سے یہ سن کر کہ یہ رزق جو انہیں ملتا تھا خدا کی طرف سے آتا ہے حضرت زکریا کے دل میں دعا کے لئے جوش پیدا ہوا (چنانچہ وہ فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو گئے) اور انہوں نے ذریت طیبہ کے ملنے کی دعا مانگی۔ (جس سے مراد انکی جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے یہ تھی کہ پاک دل قبعین جو انکے مشن کو جاری رکھ سکیں ان کو مل جائیں)۔ اور یہ دعا چونکہ ایک قومی انعام کے لئے تھی اسلئے انہوں نے مذکورہ بالا بشارت اور اسکے ساتھ تسبیح کرنے کا حکم پا کر قوم کو اس میں شامل کرنا پسند کیا۔ اور اس سارے قصہ کے بیان سے چونکہ مقصد اُمت محمدیہ کے بارہ میں پیشگوئی کرنا ہے اسلئے اس سے یہ اشارہ لکلا کہ اُمت محمدیہ کا درد رکھنے والے افراد اُمت بھی خدا سے نبی موعودؑ کی بشارتیں پائیں گے اور وہ بشارتیں قوم کو سنا کر دعاؤں اور تسبیح کی طرف متوجہ کریں گے اور انہیں سمجھائیں گے کہ اسلام اور اُمت مسلمہ کی موجودہ نازک حالت خدا تعالیٰ کی ذات میں کسی کمزوری یا نقص کی وجہ سے نہیں ہے اُمت کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے

چنانچہ مہدی موعودؑ کی بشارتیں بیشمار بزرگان اُمت کو دی گئیں جن میں حضرت امام باقرؑ حضرت محی الدین ابن ابن عربیؒ اور حضرت نعمت اللہؒ ولی شامل ہیں۔ مؤخر الذکر کو آپ کا نام بھی بتایا گیا کہ احمد ہوگا اور یہ بھی بتایا گیا کہ آپ کے بعد آپ کا بیٹا جائیں ہوگا۔ اسکا اظہار آپ نے اپنے ان اشعار میں کیا ۔

نام آں نامدارے ینم	ا ح م دے خوانم
پسرش یادگارے ینم	دورِ اُو چوں شود تمام بکام

مندرجہ بالا آیات کے بعد ہے:-

يَسْخِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ط وَاتَّبِعْ الْحُكْمَ صَبِيًّا (۱۳)

وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا (۱۴)

(اس کے بعد یحییٰ پیدا ہو کر جوان ہوا اور ہم نے اسے کہا) اے یحییٰ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ اور ہم نے اسے بچپن ہی سے علم و حکمت اور اپنی جانب سے رحم دلی اور پاکبازی عطا کی اور وہ شروع ہی سے تکلوی شعار تھا۔

=====

مہدی موعود کو تمسک بالقرآن کا حکم ہوگا۔ وہ اس وقت آئیگا جب مسلمان قرآن کو عملاً چھوڑ چکے ہوں گے اور اسے بچپن ہی سے علم و حکمت عطا ہوگی

اس میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ موعود یحییٰ (یعنی حضرت مہدی) کو حکم ہوگا کہ الکتب (یعنی قرآن) کو مضبوطی سے پکڑیں۔ مضبوطی سے پکڑنے کا حکم بتاتا ہے کہ اسوقت ایک طرف قرآن پر طرح طرح کے اعتراض ہو رہے ہونگے اور دوسری طرف مسلمان کہلانوالوں کے ایمانوں میں کمزوری آ رہی ہوگی بلکہ ان میں سے بہت سے ارشاد رہائی یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان ۳۱:۲۵) کے مطابق قرآن کو چھوڑ چکے ہوں گے اور عملاً اسکی تعلیمات کو خطر ناک اور نقصان دہ خیال کیا جا رہا ہوگا مگر قرآن اس قابل ہوگا کہ اسے مضبوطی سے پکڑ لیا جائے اور قرآنی حربہ ہی سب حربوں پر غالب آئیگا۔ اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت مہدی موعود کو الہام ہوا ”یَا یَحٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ“ اس سے آگے یہ الفاظ بھی ہیں خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْذُهَا سَبَرًا تَهَا اَوَّلٰی اسکو پکڑ لے اور ڈر نہیں ہم اسے اسکی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے بعینہ یہی الفاظ سورۃ طہ میں عصاء موسیٰ کے بارہ میں آئے ہیں فرمایا

وَمَا لَکَ بِیْمٰنِکَ یٰمُوسٰی قَالَ هٰی عَصٰی اَتَوَّکُوْا عَلَیْهَا
وَاَهْشٰ بِهَا عَلٰی غٰنِمٰی وَلِیْ لِّیْهَا مَارِبٌ اٰخَرٰی قَالَ اَلْقِهَا
یٰمُوسٰی فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَبۡہُ تَسْعٰی قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وَد

سَنُعِيذُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى (۲۱:۱۸)

اے موسیٰ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا یہ میرا عصا ہے میں اس پر سہارا لیتا ہوں اور اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پٹے جھاڑتا ہوں اور میرے لئے اس میں اور بھی فوائد ہیں خدا نے کہا اے موسیٰ اسے نیچے پھینک سو اس نے اسے نیچے پھینکا تو معاً وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ لگنے لگا اللہ نے کہا اے پکڑ لے ہم اسے اس کی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔

گو یا جو بات وہاں عصاء موسیٰ کے متعلق کہی گئی وہی حضرت مہدی موعودؑ کے الہام میں الکتاب یعنی قرآن مجید کے بارہ میں کہی گئی یعنی اسے عصا قرار دیا گیا۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے خود بھی صاف لکھا ہے کہ ”قرآن شریف خدا تعالیٰ کا عصا ہے“ (چشمہ مسکٰی)۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو نظارہ دکھایا گیا اس میں بھی عصاء موسیٰ سے مراد تو رات تھی اور وہ نظارہ دکھا کر بتایا گیا تھا کہ جب قوم موسیٰ تو رات کو پرے پھینک دے گی تو وہی کتاب جو ان کے لئے ہدایت اور سامان نجات تھی ان کے خلاف گواہ بن کر سانپ کی طرح ان کے لئے مہلک ہو جائیگی۔ یعنی ان کے حق میں اس کے تبشیری پہلوؤں کی بجائے انذاری پہلو ظاہر ہونے لگیں گے۔ لیکن اگر حضرت موسیٰؑ یعنی ان کا نائب جو اس وقت موجود ہو گا خدا سے حکم پا کر اس کتاب کو دوبارہ پکڑ لیگا اور اس کے زیر اثر اس کی قوم کے لوگ بھی دوبارہ اسے ہاتھ میں لے لیں گے اور اس پر عمل شروع کر دیں گے تو یہ کتاب پھر اپنی پہلی حالت کی طرف عود کر آئیگی یعنی پھر اس سے وہی برکات ان کو حاصل ہونے لگ جائیں گی جو پہلے حاصل ہوتی تھیں۔ اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موعودؑ یحییٰ (حضرت مہدی موعودؑ علیہ السلام) مثیل موسیٰؑ بھی ہوں گے یعنی حضرت موسیٰؑ کا جو قصہ سورۃ طہ میں بیان ہوا ہے وہ بطور پیشگوئی ہے جو مہدی موعودؑ کے وقت میں دہرایا جائیگا یعنی ان کے وقت میں انکی قوم کے لوگ یعنی مسلمان (آیت یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا کے مطابق) قرآن پر عمل ترک کر چکے ہوں گے اور خدا تعالیٰ اس موسیٰ کو حکم دیگا کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ تو اسے مضبوطی سے پکڑ لیگا تو ہم اسے اسکی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے یعنی اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ پھر اس سے وہی برکات حاصل ہونے لگیں گی جو پہلے حاصل ہوتی تھیں یعنی اس پر عمل پیرا ہو کر

مسلمان پھر سے مسلمان بن جائیں گے اور پہلے جیسی ترقیات حاصل کرنے لگیں گے۔
اس سے ظاہر ہے کہ موعودؑ کی یعنی مہدی موعودؑ کا ایک نام موسیٰؑ بھی ہو گا۔
چنانچہ دوسرا قصہ جو حضرت موسیٰؑ کے متعلق قرآن میں آتا ہے کہ جب وہ دریا کے پاس پہنچے اور
فرعون کا لشکر ان کے قریب آپہنچا تو ان کی قوم نے انہیں کہا اے مُوسٰی اِنَّا لَمُدْرِكُوْكَ
(الشعراء ۶۲:۲۶) یقیناً ہم پکڑے گئے جس پر حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا۔

كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّیْ سَیْهْدُنِیْ (۶۳)

ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میرے لئے کوئی راہ نکال دیگا۔

اسی کے مطابق حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا ایک کشف ہے آپ فرماتے ہیں میں
نے دیکھا کہ میں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں اور
میں اپنے آپ کو موسیٰؑ سمجھتا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں نظر اٹھا کر پیچھے
دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکر کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اس کے ساتھ بہت
سامان مثل گھوڑے گاڑیوں اور رتھوں کے ہے اور وہ ہمارے بہت قریب آگیا ہے میرے ساتھی
بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور اکثر ان میں سے بد دل ہو گئے ہیں اور بلند آواز میں
چلاتے ہیں کہ اے موسیٰؑ ہم پکڑے گئے تو میں نے بلند آواز سے کہا كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّیْ
سَیْهْدُنِیْ۔ یعنی یہی صورت آپ کے خلیفہ رابع ایہہ اللہ کو ربوہ میں جو دریا کے کنارہ پر واقع
ہے پیش آئی آپ کو پکڑنے کیلئے فرعون وقت (ضیاء) نے حضرت مسیح موعودؑ کے الہام ذُرْوَنَسِیْ
اَقْتُلْ مُوسٰی فَلَیْذُعُ رَبُّہٗ کے مطابق حکم جاری کر دیا تھا اور ایک وقت ایسے حالات پیدا ہو
گئے تھے کہ آپ کے ساتھیوں نے سمجھا کہ اب ہم پکڑے جائیں گے مگر آپ خدا کے فضل سے
بجائیت سمندر پار کر کے انگلستان پہنچ گئے اور اس طرح اپنے امام و مرشد حضرت مہدی موعودؑ کے
موسیٰؑ ہونے پر ایک شہادت قائم کر گئے۔

حضرت موسیٰؑ سے مہدی موعودؑ کو یہ مماثلت بھی حاصل ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ
کی قوم گائے پرست تھی اسی طرح آپ جس ملک میں مبعوث ہوئے اس کی آبادی کی اکثریت
یعنی ہندو قوم بھی گائے پرست تھی اور ہوا و ہوس کے پھڑوں کی پوجا تو آپ کے وقت کے مسلمان
بھی کر رہے تھے بلکہ اب بھی کر رہے ہیں پھر جس طرح حضرت موسیٰؑ کو عصا اور ید بیضا کے دو

مشہور ترین معجزات دیے گئے اسی طرح آپ کو بھی دیے گئے۔ آپ کا عصا قرآن کریم تھا اور یہ بیضا وہ روشن دلائل و براہین تھے جو لیکر آپ آئے۔

تیسری مماثلت حضرت موسیٰ سے آپ کو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کو کہا گیا:

الْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي. وَلِتُصْنَعَ عَلَيَّ غِيْنِي (طہ ۲۰:۴۰)

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ الفاظ حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے کہے گئے لیکن اگر بِنَظَرِ غور دیکھا جائے تو انکے مخاطب حضرت نبی کریم ﷺ ہیں لیکن بمطابق آیت ۱۶:۷۳ آپؐ مثیل موسیٰ ہیں اس لئے اس آیت سے بہر حال یہ استنباط ضرور ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو بھی خدا کی طرف سے محبت عطا کی گئی تھی۔

یہی الفاظ حضرت مرزا صاحب کو بھی الہام ہوئے (دیکھیں تذکرہ صفحہ ۹۲) اور آپ کو بھی خدا تعالیٰ نے خود اپنی محبت عطا کی چنانچہ آپ کا ایک شعر ہے۔

چچ آگئی نہ بود ز عشق و وفا مرا
خود ریختی متاع محبت بدامنم

ایک جگہ فرماتے ہیں:-

”اسکی نعمتوں سے یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنے چہرے کی محبت دی اور کمال درجے کی محبت دی اور اکمل اور اتم صدق دیا۔ میں نے اس سے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے ایسی محبت دے کہ میرے بعد اس سے زیادہ کسی کو نہ مل سکے پس مجھے اس سے معلوم ہوا ہے کہ اس نے میری دعا کو قبول کر لیا ہے..... اور میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ وہی کہا ہے جو میرے رب نے آسمان پر کہا ہے۔“

(ترجمہ عربی عبارت انجام آتھم ص ۷۵ تا ۷۸ از روح العرفان ص ۲۸۲)

دہی دوسری بات یعنی حضرت موسیٰ کی طرح خدا تعالیٰ کی خاص نگرانی میں پرورش پانا تو اس کے بارہ میں آپؐ فرماتے ہیں:-

”میری روح فرشتوں کی گود میں پرورش پاتی ہے“

(تبلیغ رسالت ہفتم صفحہ ۶۵)

پھر جس طرح حضرت موسیٰ کا دشمن فرعون انکی زندگی ہی میں ہلاک کیا گیا اسی طرح حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے کئی دشمن مثلاً لکھرام پشاورى عبداللہ آتھم اور الیگزینڈرووی وغیرہ آپکی زندگی ہی میں ہلاک کئے گئے۔ اور آپ کے پوتے اور خلیفہ رابع کے وقت میں تو اس وقت کا فرعون ضیاء الحق بھی اسی طرح اپنے جرنیلوں سمیت ہلاک کیا گیا جس طرح فرعون موسیٰ جرنیلوں سمیت ہلاک کیا گیا تھا۔

ایک اور عجیب مماثلت بھی حضرت موسیٰ سے حضرت مہدی موعودؑ کو ہے۔ جبکہ تعلق اُن روشن دلائل و براہین سے ہے جو موسیٰ کے پُر بیضاء کی مثل آچکے دیئے گئے۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۱۶ میں یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ ایک شہر (المَدینہ) میں اس وقت داخل ہوئے جب اس کے اہل غفلت میں پڑے تھے۔ وہاں آپؑ نے دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ جن میں سے ایک آپؑ کی قوم کا ہے اور دوسرا دشمنوں میں سے ہے۔ ان میں سے اوّل لڑکر نے حضرت موسیٰؑ کو مدد کے لئے پکارا (جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دشمن کے مقابل پر بے بس خیال کر رہا تھا)۔ چنانچہ آپؑ فوراً اس کی مدد کو پہنچے اور پیشتَر اس کے کہ ان کا ہم قوم ہلاک ہو جاتا انہوں نے اس دوسرے شخص کو مٹکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

الہ علم جانتے ہیں کہ قرآنی قصص بطور پیشگوئی ہوتے ہیں اس لئے اس واقعہ کے بیان میں یہ اشارہ تھا کہ ایسا ہی واقعہ کسی مثیل موسیٰ سے بھی پیش آئے گا۔ اب ہم دیکھتے ہیں بمطابق آیت **إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (الْمُؤْمَل ۷۳: ۱۶)** آنحضرت ﷺ بیک مثیل موسیٰ تھے۔ لیکن آپ کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ پیشگوئی کسی آئندہ آنوالے آپ کے بروز نبی کے بارہ میں تھی۔ اور آپ کے بعد بلافضل آنے والے نبی مہدی موعود ہیں جو سورۃ الجمعہ کی آیت **وآخرین** منہم کے مصداق ہونے کی وجہ سے آنحضور کے بروز اور ہمارا ہیں مثیل موسیٰ بھی ہیں بلکہ آپ کو

خدا تعالیٰ نے الہاماً بھی موسیٰ کا نام دیا۔ اس لئے یہ پیشگوئی یقیناً آپ کے بارہ میں تھی۔
اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ جس شخص کے مقابل ہوئے وہ ہاتھ پائی کر رہا
تھا لیکن بمطابق حدیث نبوی مہدی موعودؑ کے وقت میں دین کی خاطر عام معنی میں لڑائیاں نہیں
ہونی تھیں۔ آپ کے وقت میں دشمن نے اسلام پر علمی رنگ میں حملے کرنے تھے اس لئے جَزَاءُ
مَسِينَةٍ مَسِينَةٍ مِثْلُهَا کے مطابق انکا جواب بھی علمی رنگ ہی میں دیا جانا مناسب تھا۔ چنانچہ اس
کے عین مطابق حضرت مہدی موعودؑ کے حق میں یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور نہایت خوبصورت اور
شائدار طریق پر پوری ہوئی۔

سورة القصص کی محولہ بالا آیت کے الفاظ وَذَخَلَ الْمَدِينَةَ ظَاہِر کر رہے ہیں کہ حضرت
موسیٰؑ کہیں باہر سے اس شہر میں آئے تھے۔ وہ تو ایک مختص القوم اور محدود علاقہ کی طرف
آنوالے نبی تھے اس لئے ان کے تعلق میں تو مدینہ کا لفظ اور آپ کا باہر سے اس میں آنا ظاہری
معنی میں لینا بجا ہے۔ لیکن مہدی موعودؑ نے ساری دنیا کی طرف نبی ہو کر آنا اور ایسے وقت میں
آنا تھا جب دنیا نے (بمطابق آیت وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ) ایک شہر کے حکم میں ہونا تھا اس
لئے آپ کے تعلق میں المدینہ سے دنیا بھی مراد لی جاسکتی ہے اور جب دنیا اس سے مراد ہو تو
باہر سے اس میں آنا (جو پہلے باہر جانے کو چاہتا ہے) ظاہری معنی میں لینا درست نہیں ہو سکتا بلکہ
یقیناً کسی مجازی معنی ہی میں لیا جانا چاہیے۔ اور ایسے مجازی معنی میں کہ باہر جانا اور پھر آنا دونوں
ایک نبی اللہ کی شان کے مطابق ہوں۔

ان باتوں کو مد نظر رکھ کر ان آیات پر غور کریں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ ان میں یہ
بتایا گیا تھا کہ آئندہ ایک مثل موسیٰ پیدا ہوگا۔ شروع شروع میں وہ توجہ الی اللہ میں اس قدر
منہمک رہنے والا ہوگا کہ گویا دنیا میں نہیں ہوگا مگر پھر ایک وقت آئے گا کہ مشیت الہی اسے دنیا
کی طرف لائے گی۔ جس وقت وہ اپنی مراقبہ کی حالت سے نکل کر دنیا کی طرف آئے گا اس
وقت اگرچہ بشمولیت اس کی قوم کے لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے دنیا والوں کی اکثریت خدا تعالیٰ کی
طرف سے غفلت میں پڑی ہوئی ہوگی تاہم اس کی قوم کے اکا دکا لوگ اپنے سب سے بڑے
دشمنوں (مسیحیوں) کے علمی حملوں کا مقابلہ کر رہے ہوں گے لیکن اس مقابلہ میں مسیحی انہیں دبائے
چلے جا رہے ہوں گے اور وہ ان کے مقابلہ پر اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے ہوئے بزبان

قال یا حال حضرت مہدی موعودؑ سے مدد کے طالب ہوں گے۔ اسی طرح جس طرح اس شخص نے موسیٰؑ سے مدد مانگی تھی۔ چنانچہ آپ تنہا فوراً ان کی مدد کو لپکیں گے اور ان کے دشمن (مسیحوں) کے منہ پر ایسا علمی مُکنا رسید کریں گے کہ ایک ہی ضرب میں اس کا کام تمام کر دیجئے یعنی مُکنا بازی (BOXING) کی اصطلاح میں اسے ناک آؤٹ کر دیجئے۔ لیکن جس طرح افراد کے زمانہ زندگی اور قوموں کے زمانہ زندگی میں فرق ہوتا ہے اسی طرح افراد کے ناک آؤٹ ہونے اور قوموں کے ناک آؤٹ ہونے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ فرد تو بعض دفعہ ایک لمحہ میں مر جاتا ہے لیکن سنت اللہ کے مطابق قوموں کے مرنے میں ہمیشہ ایک مدت درکار ہوتی ہے اس لئے مہدی موعودؑ کا ان کو ناک آؤٹ کر دینا بھی اس کی مضبوط بنیاد فراہم کر دینے کے معنی ہی میں ہو سکتا تھا اور یہ کام آپؑ نے قوی دلائل کے ساتھ مسیح کا مُردوں میں شامل ہونا اور قوم کے ہاتھ میں اس کا ثبوت پکڑا کر کر دیا اور اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:-

”اے دوستو! اب میری آخری وصیت سنو اور ایک راز کی بات کہتا ہوں اس کو خوب یاد رکھو تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو..... صرف مسیح ابن مریم کی وفات پر زور دو اور پر زور دلائل سے (جو میں نے تمہارے ہاتھ میں دیئے ہیں۔ ناقل) عیسائیوں کو لاجواب اور ساکت کر دو..... یقیناً سمجھو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہ ہو ان کا مذہب بھی فوت نہیں ہو سکتا۔ ان کے مذہب کا ایک ہی ستون ہے اور وہ یہ ہے کہ اب تک مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اس ستون کو پاش پاش کرو پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہ عیسائی مذہب کہاں ہے۔“

پس یہ وہ (علمی) مُکنا تھا جو مہدی مسعود المسیح الموعودؑ نے مسلمانوں اور اسلام کے دشمنوں یعنی مسیحیوں کے منہ پر مارا اور جس کی ایک ہی ضرب نے ان کو ناک آؤٹ کر دیا۔ اور جب سے یہ مُکنا کھایا ہے اس وقت ہی سے ان میں کھڑا ہونے کی سکت باقی نہیں رہی بلکہ وہ آہستہ آہستہ دم توڑتے جا رہے ہیں۔

حضرت مہدی موعودؑ نے ایک موقع پر فرمایا:-

مرہم عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا
میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار

بعینہ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے ملنے نے تو صرف ایک قبلی کو ہلاک کیا اور ایک اسرائیلی کو بچایا لیکن حضرت مہدی موعودؑ کے ملنے نے ایک قوم کی قوم کو ناک آوٹ کیا اور ایک قوم کی قوم کو ہلاکت سے بچالیا (وَلِكُلِّ ذَرْجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا - الانعام ۶: ۱۳۳)۔

یہ باتیں ضمنانچ میں آگئی تھیں اب ہم اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے سورۃ مریم کی مندرجہ بالا آیات میں بتایا گیا تھا کہ اُسٹ مسلمہ میں بھی ایک بچی پیدا ہوگا جسے خدا تعالیٰ بچپن ہی سے علم و حکمت سے نوازے گا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بچی کا نام بھی دیا گیا اور بعینہ یہی الہام ہوا کہ یَسِیْحُمُ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔ اور آپ نے قرآن کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت ہے کہ آپ نے کم از کم دس ہزار مرتبہ قرآن پڑھا ہوگا۔ آپ بیٹھے ہوئے کھڑے ہوئے لیٹے ہوئے قرآن پڑھتے اور روتے جاتے تھے۔ پھر آپ کو بچپن ہی سے علم و حکمت عطاء کی گئی جسکی بدولت بہت چھوٹی عمر بلکہ آغاز جوانی ہی سے آپ مسیحیوں کے ساتھ کامیاب مباحثے کرنے لگ گئے تھے۔

آپ کے قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو قرآن فہمی کا وہ ملکہ دیا گیا جو کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

”مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق و معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے..... سو فہم قرآن جو مجھ کو عطا کیا گیا ہے یہ اللہ جل شانہ کا ایک نشان ہے میں امید رکھتا ہوں کہ عنقریب دنیا دیکھی گی کہ میں اس بیان میں سچا ہوں۔“ (سراج منیر ۴۱)

چنانچہ آپ کے ساتھ تفسیر قرآن میں مقابلہ کرنے سے عرب و عجم سب کے عاجز آجانے سے اس دعویٰ کی قطعی طور پر تصدیق ہو جاتی ہے۔

پھر آپ نے خود ہی قرآن کو مضبوطی سے نہیں پکڑا بلکہ اپنی جماعت کو بھی حکم دیا کہ ”تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے ساتھ سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں

اور باقی سب اسکے عل تھے سو تم قرآن کو حذر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مخاطب کر کے فرمایا **الْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الْقُرْآنِ** (کشتی نوح ۲۶، ۲۷)

نیز فرمایا ”تم قرآن کو زمین پر عزت دو تا آسمان پر عزت پاؤ“۔ چنانچہ اس نصیحت کے مطابق آپ کے غلام ساری دنیا کی زبانوں میں قرآن کریم کی اشاعت میں کوشاں ہیں۔ اس پر کئے جانے والے اعتراضات کا رد کر رہے ہیں۔ اسکی پاک تاثیرات کے محیر العقول نمونے دکھا رہے ہیں اور اس طرح اس کو وہ جچی عزت دے رہے ہیں جو اسکا حق ہے۔

آیت **يَا أَيُّهَا خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ** کے بعد ہے **وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا** فرمایا جس طرح خدا تعالیٰ اسے بچپن ہی سے علم و حکمت عطا کرے گا اسی طرح اسے رحم دلی اور پاکی بھی عطا کرے گا اور وہ شروع دن ہی سے مٹھی ہوگا۔ اگرچہ اکثر لوگوں پر ابتداء میں نفس لمارہ غالب ہوتا ہے مگر نبی پہلے ہی دن سے تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر ہوتا ہے جسے آنحضرتؐ کی زبان سے یہ کہلویا گیا **لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ** (یونس ۱۰: ۱۷)۔ اس پیشگوئی کے مصداق موعودؑ نے بھی چونکہ نبی ہوتا تھا یہ علامت اسکی بیان کی گئی۔ لفظ زکوٰۃ کے اصل معنی نشوونما پائے ہوئے کے یا بالیدگی یافتہ کے ہیں۔ اکثر لوگ مجاہدات کے نتیجہ میں روحانی ترقی حاصل کرتے ہیں۔ ترقی اگرچہ انبیاء کے مقام میں بھی ہر آن ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ انکے پہلے دن اور آخری دن میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے لیکن ان کے نفس کو ایک حد تک بالیدگی ابتداء ہی سے عطا کی جاتی ہے جو یوں یا یوں نشوونما پاتی رہتی ہے یہی وجہ ہے جو آپؐ کے بچپن کے مکاشفات اور اخلاق فاضلہ دوسرے بزرگوں کے بڑی عمر کے مکاشفات اور اخلاق سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ پس اس میں خدا تعالیٰ نے یہی اشارہ فرمایا کہ وہ نبی اللہ ہوگا اور علاوہ اس کے کہ وہ شروع ہی سے تقویٰ اللہ پر قائم ہوگا اسے غیر معمولی روحانی اور اخلاقی بالیدگی بھی شروع ہی سے حاصل ہوگی جو وقت گزرنے سے بڑھتی رہے گی اور نیز یہ کہ اس کے دل میں نبی نوع انسان کی ہمدردی خاص طور پر رکھی جائیگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کا یہی حال تھا۔ جہاں تک ان مؤخر الذکر دو میں سے امر اول کا تعلق ہے ایک حوالہ ملاحظہ ہو آپؐ فرماتے ہیں :-

”خدا تعالیٰ اس بات کو جانتا ہے اور وہ ہر ایک امر پر بہتر گواہ ہے وہ چیز جو اسکی راہ میں مجھے سب سے پہلے دی گئی وہ قلب سلیم تھا یعنی ایسا دل کہ حقیقی تعلق اسکا بجز خدائے عزوجل کے کسی چیز کے ساتھ نہ تھا میں کسی زمانے میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوا مگر میں نے کسی حصہ عمر میں بجز خدائے عزوجل سے اپنا حقیقی تعلق نہیں پایا۔ (ہدیۃ الوری صفحہ ۵۹)

ظاہر ہے کہ جسکے دل کا حقیقی تعلق خدا کے سوا کسی سے نہ ہو اس میں ہر قسم کی اعلیٰ صفات بدرجہ کمال پائی جائیگی۔ چنانچہ آپ سے شروع ہی سے جن اخلاق فاضلہ کا اظہار ہوا اور جو محبت خدا کی کتاب اور خدا کے رسول سے آپکو تھی اسکی مثال نہیں ملتی۔

رہا انسانی ہمدردی کا معاملہ تو اس میں بھی آپ کو بے نظیر مقام حاصل تھا۔ کبھی سائل کو رونا نہ کرتے۔ کسی کی ضرورت کا علم ہو جاتا تو بغیر سوال بھی اس کی مدد فرماتے۔ دشمنوں تک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ لوگوں کے ہدایت پا جانے کے لئے حد درجہ بیقرار رہتے۔ ایک موقع پر فرمایا:-

”دنیا میں میرا کوئی دشمن نہیں ہے میں بنی نوع انسان سے ایسے محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بد عملی اور نا انصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول۔ میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے اور اس کی اسقدر قیمت ہے کہ اگر میں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولت مند ہو جائیں گے جس کے پاس سب سے بڑھ کر سونا چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا اور اسکو حاصل کرنا یہ ہے کہ اسکو پہچانا اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا پس اسقدر دولت پا کر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے رہیں اور میں عیش کروں یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا دل اُنکے فقر و فاقہ کو دیکھ کر کباب ہو جاتا ہے اور ان کی تاریکی اور تنگ گذرانی پر میری جان کھٹی جاتی

ہے میں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے ان کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے جواہرات ان کو اتنے ملیں کہ ان کے دامن استعداد پر ہو جائیں۔ (اربعین نمبر صفحہ ۲-۳) نیز فرماتے ہیں:-

”چونکہ میں تثلیث کی خرابیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں اسلئے یہ دردناک نظارہ کے ایسے لوگ دنیا میں چالیس کروڑ سے بھی کچھ زائد پائے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھ رکھا ہے میرے دل پر اس قدر صدمہ پہنچاتا رہا ہے کہ میں گمان نہیں کر سکتا کہ مجھ پر میری تمام زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی غم گزرا ہو۔ بلکہ اگر غم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا تو یہ غم مجھے ہلاک کر دیتا اور میرا اس درد سے یہ حال ہے کہ اگر دوسرے لوگ بہشت چاہتے ہیں تو میرا بہشت یہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس شرک سے انسانوں کو رہائی پاتے اور خدا کا جلال ظاہر ہوتے دیکھ لوں۔“ (تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص ۷۱-۷۲)

اسی طرح فرماتے ہیں:-

”اس زمانہ کے لوگوں کو میں کس سے تشبیہ دوں وہ اس بدقسمت کی طرح ہیں جسکی آنکھیں بھی ہیں پر دیکھتا نہیں اور کان بھی ہیں پر سنتا نہیں۔ میں ان کے لئے روتا ہوں اور وہ مجھ پر ہنستے ہیں اور میں ان کو زندگی کا پانی دیتا ہوں اور وہ مجھ پر آگ برساتے ہیں۔“ (اشتہار منسلک ھدیۃ الوحی ص ۴۱۷)

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا (۱۵)

اور وہ اپنے والدین سے نیک سلوک کر نیوالا تھا اور جابر اور نافرمان نہ تھا۔ جو شخص والدین سے نیک سلوک کر نیوالا ہو وہ انکے حق میں جابر اور انکا نافرمان نہیں ہو سکتا اس لئے جب بَرًّا بِوَالِدَيْهِ کہہ دیا تو اس کے بعد وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا کہنے کی بظاہر ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ یہ الفاظ کیوں رکھے گئے؟ سو جاننا چاہیے کہ اگر جسمانی والدین سچے روحانی والدین سے الگ ہوں تو بعض دفعہ انسان کو ان کے حق میں جَبَّارًا عَصِيًّا ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً اگر وہ شرک کا حکم دیں تو نہ صرف یہ کہ ان کی نافرمانی جائز ہوتی ہے بلکہ فرض ہو جاتی ہے (دیکھیں سورۃ لقمان ۱۶:۳۱) یہاں چونکہ آئندہ آنیوالے یَحْيٰی کے بارہ میں پیشگوئی مقصود ہے اس لئے یہ الفاظ رکھ کر اوّل یہ بتایا کہ اس کے والدین بھی ایسے نہیں ہوں گے کہ

اسے ان کے حق میں جَبَّاراً عَصِیّاً ہونا پڑے یعنی وہ سیدھے سادھے مسلمان ہونگے۔ دوسرے یہ بتایا کہ وہ دونوں اسکے اس عمر کا ہو جانے تک کہ جس عمر میں انسان جَبَّاراً عَصِیّاً ہو سکتا ہے یعنی اس کے جوان ہو جانے تک دنیا میں موجود ہوں گے۔ اور تیسرے یہ بتایا کہ اگرچہ وہ اس کے جوان ہونے تک بقید حیات ہونگے لیکن اس کے نبی بننے سے پہلے وفات پا چکے ہوں گے کیونکہ حضرت یحییٰ کے والدین بھی ان کے نبی بننے سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

چنانچہ یہ تینوں پیشگوئیاں موعود یحییٰ حضرت مہدی موعودؑ کے حق میں لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔

نمبر ۱: آپ کی جوانی میں آپ کے والدین بقید حیات تھے لیکن

نمبر ۲: آپ کے نبی بننے سے پہلے وہ وفات پا چکے تھے۔

نمبر ۳: انکی حالت ایسی نہیں تھی کہ آپ کو انکے حق میں جَبَّاراً عَصِیّاً ہونا پڑے۔

کیونکہ وہ سیدھے سادھے مسلمان تھے۔ نافرمانی تو الگ رہی آپ ان کے اس حد تک فرمانبردار تھے کہ دنیوی مشاغل سے نفرت کے باوجود آپ نے ان کے حکم پر سرکاری ملازمت بھی اختیار کی اور ان کے مقدمات کی پیروی بھی کی اور ان کاموں سے الگ ہوئے تو ان سے اجازت لے کر۔

وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (۱۶)

اور اس پر سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور

جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

یہ پیشگوئی کہ :-

=====

موعود یحییٰ یعنی حضرت مہدی موعودؑ بچپن میں فوت نہ ہونگے، پاک

زندگی گزاریں گے اور انکا انجام نیک ہوگا

یَوْمَ وُلِدَ ماضی ہے اور آگے دو مضارع کے صیغے ہیں۔ اس سے یہ استدلال ہوتا ہے

کہ یہ بات حضرت یحییٰ کی پیدائش سے پہلے بطور پیشگوئی کہی گئی اور یوم ولد میں ماضی کا صیغہ اس خبر کے یقینی ہونے کے لئے لایا گیا۔ پس اس ذکر سے بتایا کہ اُمت محمدیہ میں ہونے والے یحییٰ کے متعلق بھی یہ بات مقدر کی گئی ہے کہ وہ جس دن پیدا ہوگا اس دن بھی اس پر سلامتی ہوگی یعنی وہ زندہ رہیگا اور اپنا مقصد حیات پورا کریگا اور جس دن مرے گا اس دن بھی اس پر سلامتی ہوگی

یعنی اس کا انجام بخیر ہوگا اور مرنے کے بعد جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اس دن بھی اس پر سلامتی ہوگی یعنی یہی نہیں کہ دنیا کی نگاہ میں اسکا انجام نیک ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ کی نظر میں بھی اس نے اپنے فرائض کو کما حقہ ادا کیا ہوگا۔

خاص طور پر یہ بتایا جانا کہ وہ زندہ رہیگا اور اپنا مقصد حیات پورا کرے گا معمولی خبر نہیں تھی بلکہ اس میں یہ اشارہ تھا کہ اس کے زندہ رہنے کے امکان کم ہوں گے مگر پھر بھی وہ زندہ رہیگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب کی اوائل عمر سے صحت از حد کمزور تھی بعض دفعہ تو اتنے بیمار ہوئے کہ سورۃ یسین تک آپ پر پڑھی گئی۔ پھر دوران سر (جس سے کئی دفعہ خطرناک حالت ہو جاتی تھی) اور کثرت بول کی بیماری تھی (جو اسقدر تھی کہ کئی بار رات کو سو سو دفعہ پیشاب آتا اور اس میں شکر بھی پائی گئی) پھر دعویٰ کے بعد آپ پر قتل کے مقدمات بنا کر آپ کو پھانسی دلانے کی اور اپنے ہاتھ میں قانون لے کر خود قتل کرنے کی سازشیں کی گئیں مگر اسکے باوجود خدا تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا اور لمبی طبعی عمر پوری کرنے کی توفیق دی۔ جسکی پیشگوئی حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی آپ کو یعنی مہدی موعود کو سلام بھجوا کر کردی تھی۔ پھر آپ کا انجام ایسا ہوا کہ اپنے تو اپنے آپ کے بعد غیروں نے بھی بر ملا لکھا کہ آپ نے نہایت درجہ پرہیزگاری کی اور نہایت کامیاب زندگی گزاری۔*

رہی آخرت کی بات تو جس کے حق میں خدا کی بتائی ہوئی دو باتیں جو دنیا سے تعلق رکھتی تھیں پوری ہو گئیں اس کے حق میں تیسری بات کے پورا ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا اور اسکا قطعی ثبوت کہ حشر کے دن بھی آپ سرخرو ہوں گے یہ ہے کہ دنیا میں آپ کو قطعی مکالمہ مخاطبہ الہ سے نوازا گیا اور آخر تک نوازا جاتا رہا اور جو خدا کا ایسا مقرب ہو ظاہر ہے کہ حشر کے دن اس پر

* اخبار دیکل میں ایک مکالمہ نگار نے لکھا "کیریکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاحی کا چھوٹے سے چھوٹا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز کا جینا جیا اور اسنے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔" دہلی کے ایک اخبار کرزن گزٹ نے لکھا "مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اسنے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت تعریف کی مستحق ہیں۔ اس کا پر زور لٹریچر اپنے شان میں نرالا ہے اور واقعی اسکی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے اسنے ہلاکت کی پیشگوئیں، مخالفتوں اور کٹھ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا رستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔" ایڈیٹر تہذیب نسواں نے لکھا، "مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دل کو تغیر کر لیتی تھی۔" (دیکھیں حیات طیبہ ص ۳۶۲-۳۶۳)

سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ فسبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

حضرت یحییٰؑ کے ذکر کے بعد ہے:-

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اتَّخَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا
شَرْقِيًّا (۱۷) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا
رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۸)

اے رسول اس کتاب میں مریم کو یاد کر (اور اسوقت کو بھی یاد کر) جب
وہ اپنے اہل سے جدا ہو کر ایک مشرقی مقام کی طرف چلی گئی۔ پھر اس
نے ان کے سامنے ایک پردہ ڈال لیا تو ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ
بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک مکمل انسان کی صورت پر متمثل ہوا۔

=====

اُمّتِ محمدیہ میں دو یحییٰ اور ایک مریم کے آنے اور اس سے ایک عیسیٰ کے پیدا ہونے کی پیشگوئی

پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ مریم کو یاد کر بلکہ یہ فرمایا کہ الکتب
میں مریم کو یاد کر لہذا مطلب یہ ہوا کہ اس مقام کے علاوہ بھی اس کتاب (قرآن کریم) میں مریم
کا ذکر آچکا ہے اسے مد نظر رکھو اور پھر زیر نظر مقام کو دیکھو۔ اس سے پہلے حضرت مریم کا ذکر
سورۃ ال عمران میں آیا ہے وہاں پہلے ان کی پیدائش کا ذکر ہے پھر انکے حضرت زکریاؑ کیلئے اس
دعا کا محرک بننے کا ذکر ہے جس کے نتیجہ میں حضرت یحییٰؑ پیدا ہوئے اور اس کے بعد مریم کے
ہاں عیسیٰؑ کے پیدا ہونے کا ذکر ہے لہذا اس سارے ذکر کو بطور پیشگوئی سمجھیں (اور قرآنی قصص
میں پیشگوئیاں ضرور ہوتی ہیں) تو اس پیشگوئی کا اطلاق کسی ایک ہی وجود پر نہیں ہو سکتا بلکہ یہی
مراد ہو سکتی ہے کہ آئندہ ایک یحییٰؑ پیدا ہوگا اور ایک مریم بھی پیدا ہوگی جس سے آگے ایک عیسیٰ
پیدا ہوگا یا وہ خود حالتِ مریمی سے حالتِ عیسوی کی طرف انتقال کرے گی۔ اس کے برعکس زیر نظر
آیتوں میں حضرت یحییٰؑ کا ذکر ہے اور اس کے بعد حضرت مریمؑ کا۔ گویا ایک یحییٰؑ اور ایک مریمؑ کی
پیشگوئی تو کی گئی ہے مگر ایسا کوئی قرینہ قائم نہیں کیا گیا جو کسی ایک ہی وجود کے یہ دونوں نام

ہونے میں مانع ہو۔ پس ان دو مقامات پر یکجائی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے آسف محمدیہ میں دو یکجائی ہونے والے تھے۔ ایک وہ جس نے مریم سے ابن مریم بننے والے وجود سے پہلے پیدا ہونا تھا۔ یعنی جس نے انکے لئے بطور ارہاس کے ہونا تھا اور دوسرے خود وہ ابن مریم چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پہلے یکجائی حضرت مجدد الف ثانی تھے جو حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے لئے بطور ارہاس تھے۔ اور دوسرے آپ خود تھے کیونکہ الہام الہی میں آپ کا نام یکجائی بھی رکھا گیا۔

=====

موعود مریم (مہدی موعود) کے سفر ہوشیار پور کی پیشگوئی

جیسا کہ ہم نے واضح کیا مندرجہ بالا آیتوں میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اگرچہ آئندہ ایک یکجائی، مریم یا ابن مریم نام پانچوالے وجود سے پہلے بھی ہوگا لیکن اس مریم یا ابن مریم کو خود بھی یکجائی کا نام ملیگا نیز یہ بتایا کہ ایک وقت آئے گا کہ وہ مریم اپنے اہل سے الگ ہو کر ایک مشرقی مقام کی طرف چلی جائیگی اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان پردہ ڈال لیگی (اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ اسکے اہل خانہ اسکے ساتھ نہیں ہونگے مگر چند اور لوگ ساتھ ہونگے) سو خدا تعالیٰ اس کی طرف اپنی روح یعنی اپنا کلام یحیٰی والا فرشتہ (جبرائیل) بھیجے گا۔

لفظ اَرْسَلْنَا سے پہلے 'ف' آیا ہے جو نتیجہ پر دلالت کرتا ہے مگر صرف کسی کا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان پردہ حائل کر لینا ایسا فعل نہیں جس کا یہ نتیجہ ہو کہ اس پر کلام الہی کا نزول ہو لہذا پردہ ڈال لینے کے ذکر میں عبادت خاص کے لئے خلوت اختیار کرنیکی طرف اشارہ ہے۔ اور کسی الگ مقام پر اپنے اہل خانہ تک سے الگ ہو کر عبادت کیلئے خلوت اختیار کرنا ایک قسم کی چلہ کشی ہوتی ہے پس اسمیں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا اور آگے یہ فرما کر کہ "جب مریم نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان پردہ ڈال لیا تو ہم نے اسکی طرف اپنا کلام یحیٰی والا فرشتہ بھیجا جو مکمل انسان کی صورت پر متمثل ہوا" یہ بتایا گیا کہ جس طرح سابقہ مریم کو فرشتے کے ذریعہ (جو انسان کے طور پر متمثل ہوا) بیٹے کی بشارت ملی تھی اس طرح موعود مریم کو بھی ملے گی اور اس سے بھی فرشتہ اس طرح واضح طور پر کلام کریگا جیسے انسان انسان سے کرتا ہے۔

پس اس میں مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے جنہیں مریم نام بھی دیا گیا سفر ہوشیار پور کی طرف اشارہ کیا گیا۔ ہوشیار پور قادیان سے مشرقی جانب ایک شہر ہے جہاں آپ الہام الہی کے ماتحت چلہ کشی کے لئے تشریف لے گئے اور عجیب بات ہے کہ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا اس سفر میں آپ کے اہل خانہ آپ کے ہمراہ نہیں تھے لیکن دو ایک اور آدمی بطور خدمت گار ساتھ تھے اور اس چلہ کشی کے دوران آپ کو بکثرت الہامات ہوئے یا یوں کہہ لیجئے کہ آپ پر جبرائیلؑ کا بار بار نزول ہوا۔

=====

موعود مریمؑ کے سابقہ مریمؑ سے افضل ہونیکی پیشگوئی

آیت فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَاباً کے بعد ہے:-

قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا (۱۹)

(فرشتہ کو دیکھ کر مریم نے) کہا میں تجھ سے (خدائے) رحمن کی پناہ مانگتی

ہوں اگر تو خوف خدا رکھنے والا ہے (تو مجھے ٹھیک ٹھیک بتا کہ تو کون ہے

اور کیوں آیا ہے۔)

قرآن کے دوسرے مقامات پر شیطان سے جس ہستی کی پناہ مانگنے کا ذکر ہے اسکے لئے اللہ یا رب کا لفظ آیا ہے مگر مندرجہ بالا آیت میں رحمن کا لفظ ہے۔ جیسا کہ سورۃ رحمن کی آیات الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ سے ظاہر ہے رحمن کا تعلق نزول کلام سے ہے پس حضرت مریم کا یہ کہنے کی بجائے کہ میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں یہ کہنا کہ میں رحمن کی پناہ مانگتی ہوں بتاتا ہے کہ ان کو خیال ہو گیا تھا کہ یہ فرشتہ ہے جو اس طرح ایسے مقام پر جہاں کسی غیر مرد کا آنا مشکل ہے اچانک نمودار ہو گیا ہے اور خدائے رحمن کا کوئی پیغام لایا ہے تاہم چونکہ انہیں اسکا یقین نہیں تھا اور اس معاملہ میں غلط فہمی موجب اتلا ہو سکتی تھی انہوں نے یہ کہا کہ میں تجھ سے (یا تیرے قول سے خدائے) رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس کے برعکس موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اپنے الہامات کے یا یوں کہہ لیجئے کہ اپنی طرف بھیجے جانوالے فرشتوں کے بارہ میں کبھی شک و شبہ نہیں ہوا بلکہ آپؑ نے بار بار اپنے الہامات کے قطعی اور یقینی ہونے کا اظہار فرمایا۔ ایک حوالہ

ملاحظہ ہو۔ فرمایا:-

”میں ہٹلی اور ظنی الہام کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ یقینی اور قطعی وحی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں..... مجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے دلائل قاطعہ سے یہ علم دیا گیا ہے اور ہر ایک وقت میں دیا جاتا ہے کہ جو کچھ مجھے القا ہوتا ہے اور جو وحی میرے پر نازل ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے نہ کہ شیطان کی طرف سے میں اس پر ایسا یقین رکھتا ہوں جیسا کہ آفتاب اور ماہتاب کے وجود پر یا جیسا کہ اس بات پر کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔“

(تبلیغ رسالت، ہفتم صفحہ ۶۴-۶۵)

(مزید دیکھیں آپ کی کتاب تحفۃ اللہ ص ۳ اور ترجمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

آپ کو اپنے الہامات کے قطعی ہونے پر ایسا یقین تھا کہ الہامی بشارات کی وجہ سے سخت سے سخت ابتلاء کے وقت بھی آپ پر چنداں گھبراہٹ طاری نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ ہشاش بشاش رہتے تھے۔ اس کی مزید تفصیل دوسری جگہ دی گئی ہے۔

پس ایک طرف حضرت مریم کے بارہ میں یہ اظہار فرما کر کہ ان پر فرشتہ کا نزول تو ہوا مگر انہیں پورا یقین نہیں تھا کہ وہ فرشتہ ہے اور دوسری طرف موعود مریم حضرت مرزا صاحب کو قطعی اور یقینی الہامات سے نواز کر خدا تعالیٰ نے آپ کی سابقہ مریم پر فضیلت کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ اگرچہ آپ کو بھی مریم نام دیا گیا مگر آپ کا مقام سابقہ مریم سے کہیں بڑھ کر ہے۔

=====

یہ پیشگوئی کہ مہدی موعود کو ایک زکی غلام (المصلح الموعود)

کے ملنے کی بشارت ملے گی

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (۲۰)

فرشتے نے کہا میں تو صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاک لڑکے کی بشارت دوں۔

اس ذکر کو بطور پیشگوئی سمجھیں تو اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ کی طرح موعود مریمؑ کو بھی ایک پاک بیٹے کی بشارت دی جائیگی چنانچہ اس کے عین مطابق حضرت مرزا غلام احمد صاحب المہدی الموعود کو آپ کے سفر ہوشیار پور میں ایک بیٹے کی بشارت دی گئی اور انہی ”زکی غلام“ کے الفاظ میں دی گئی۔

قَالَتْ أَنِّي يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ
أَكْ بِغِيًّا (۲۱)

مریم نے کہا میرے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ نہ مجھے کسی بشر سے تعلق
زوجیت رہا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔

موعود مریمؑ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ نے چونکہ مرد ہونا تھا ان کے حق میں یہ الفاظ اس معنی میں نہیں ہو سکتے جس معنی میں حضرت مریمؑ کے حق میں تھے بلکہ انکا اطلاق استعارہ کے رنگ ہی میں ہو سکتا ہے۔ پس اس میں بتایا کہ جس طرح مریمؑ کسی کے عقد نکاح میں نہیں تھیں موعود مریمؑ کسی کے عقد بیعت میں نہیں ہوگا اور بظاہر اس کا حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کرنا یا اُس سے کسی (عظیم یعنی مسیحی نفس) بیٹے کا پیدا ہونا (جیسا کہ لفظ غلام کو کرہ رکھنے میں اس کی طرف اشارہ ہے) ممکن الوقوع نظر نہیں آئے گا۔ آگے ہے:-

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلْنَجْعَلَ آيَةً
لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا ۚ وَكَانَ امْرَأً مَّقْصِيًّا۔ (۲۲)

فرشتے نے کہا ایسا ہی ہوگا تیرا رب کہتا ہے یہ مجھ پر آسان ہے اور (میں)
یہ غیر معمولی طریق پیدائش اس لئے (اختیار کروں گا) تا اسے لوگوں
کیلئے نشان بناؤں اور اپنی طرف سے (سراسر) رحمت (بناؤں) اور یہ
ایک طے شدہ امر ہے۔

جب حضرت زکریاؑ نے بیٹے کی بشارت ملنے پر یہی الفاظ اُنسی یَكُونُ لِي غُلَامٌ کہے تو انکو یہ جواب ملا کہ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا لیکن حضرت مریمؑ کو ان الفاظ کا صرف یہ جواب ملا کہ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ اس سے غرض یہ بتانا تھی کہ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت زکریاؑ کے ہاں بیٹا ہونے کے

زیادہ سامان موجود تھے (کیونکہ جب اس نے انسان کو اس وقت پیدا کر لیا جب وہ کوئی شی (مذکور) نہیں تھا تو جب ماں باپ دونوں موجود تھے تو بیٹا پیدا کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہو سکتا تھا) اس کے برعکس مریم کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کے سامان کم ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے لئے اسکو بیٹا دینا ویسا ہی آسان ہے جیسا کہ زکریا کو بیٹا دینا آسان تھا کیونکہ وہ خالق اسباب ہے۔ ہاں یہ سوال ضرور ہو سکتا ہے کہ یہ غیر معمولی طریق پیدائش کیوں اختیار کیا گیا تو سنو لِنَجْعَلْهُ آيَةً لِلنَّاسِ یہ اس لئے کیا گیا کہ اسے لوگوں کے لئے علامت اور نشان بناؤں۔ حضرت مریم کے ہاں بغیر واسطہ مرد کے بیٹا پیدا ہونا اس بات کی آیت یعنی نشان تھا کہ اب بنی اسرائیل میں کوئی ایسا مرد نہیں رہا جس کے ہاں نبی اللہ پیدا ہو سکے لہذا اب نبوت ان کے گھرانے سے نکل جائے گی۔ اسی طرح موعود مریم المہدی الموعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا حالت مریمی سے حالت عیسیٰ کی طرف انتقال اس بات کی علامت تھی کہ اب سلسلہ خلافت محمدیہ قریش کی بجائے دوسروں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور آگے رَحْمَةً مِنَّا فرما کر بتایا کہ جس طرح بنی اسرائیل سے سلسلہ نبوت بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوتا سراسر رحمت الہی کا موجب تھا اسی طرح قریش کی بجائے ابنائے فارس کی طرف سلسلہ خلافت محمدیہ کا انتقال بھی سراسر رحمت الہی کا باعث ہوگا اور آخر میں وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا کے الفاظ رکھ کر بتایا کہ جس طرح مریم سے عیسیٰ کا پیدا ہونا فیصلہ شدہ امر تھا جو مخالف حالات کے باوجود پورا ہو کر رہا اسی طرح موعود مریم کا حالت مریمی سے حالت عیسیٰ کی طرف انتقال کرنا اور اس سے ایک مسیحی نفس بیٹے کا پیدا ہونا بھی ایک فیصلہ شدہ امر ہے جو اپنے وقت پر پورا ہو کر رہیگا۔

عجیب اور بہت ہی عجیب بات ہے کہ اوپر درج کی جانے والی پیشگوئی کے عین مطابق جس طرح حضرت مریم کو ایک پاک بیٹے (عَلَمًا زَكِيًّا) کی بشارت ملی اور اسے ”آيَةً لِلنَّاسِ“ قرار دیا گیا۔ ”رَحْمَةً مِنَّا“ یعنی خدا کی خاص رحمت اور اسکی قدرت اور قربت کا نشان ٹھہرایا گیا اور آخر میں یہ کہا گیا کہ یہ أَمْرًا مَّقْضِيًّا یعنی فیصلہ شدہ امر ہے اسی طرح موعود مریم حضرت مرزا صاحب کو ایک خاص بیٹے المصلح الموعود کی بشارت انہی (عَلَمًا زَكِيًّا) کے الفاظ میں دی گئی۔ رَحْمَةً مِنَّا کے مطابق اسے ”قدرت اور رحمت اور قربت“ کا نشان ٹھہرایا گیا اور آخر میں كَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا کے الفاظ رکھ کر یہ بتایا گیا کہ اس پیشگوئی پر اعتراض ہوئے اور سمجھا اور کہا

جایگا کہ یہ پوری نہیں ہوگی یا پوری نہیں ہوئی مگر خدا جانتا ہے کہ پوری ہوگی۔ چنانچہ جیسا کہ آگے ذکر آئیگا بالکل اسی طرح وقوع میں آیا۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا (۲۳)

پھر مریم اس (موعود بیٹے) سے حاملہ ہوئیں اور اس کے ساتھ ایک دور کے مقام پر چلی گئیں۔

مَكَانًا قَصِيًّا کے معنی دور کے مقام کے ہیں۔ پس اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ بیٹے کی بشارت ملنے کے ساتھ ہی موعود مریم کا مقام پہلے سے بہت بلند اور لوگوں کے واہمہ سے دور تر ہو جایگا چنانچہ پھر موعود کی بشارت والے الہامات کے بعد جو سلسلہ الہامات تذکرہ میں درج ہے اس میں یہ الہامات بھی ہیں ”تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید۔“ ”تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔“ ”وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈھیں گے۔“ (تذکرہ ص ۱۴۱-۱۴۶)

فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَلَيْتَنِي
مِثَّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مُنْسِيًّا (۲۴)

پھر دردِ زہ اسے تنہ کھجور کی طرف لے گئی۔ اس نے کہا کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بری چیز ہوتی۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ان آیات میں دہری پیشگوئی ہے ایک موعود مریم (الہدی الموعود) حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مجاز اور استعارہ کے رنگ میں خود حمل دار ہونے کی جس کے بعد آپ نے حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کرنا تھا اور دوسرے آپ کے ہاں ایک مسیحی نفس بیٹے کے پیدا ہونے کی۔ پس اس آیت میں بتایا گیا کہ جیسے مسیح کی پیدائش کے وقت مریم کے لئے ایسی مصیبت کھڑی ہوگئی کہ اس نے کہا کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بری چیز ہوتی ایسی ہی صورت موعود مریم کو پیش آئے گی۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا: ”میری دعوت کی مشکلات میں سے ایک رسالت اور وحی الہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا اسی کی نسبت میری گمراہت ظاہر کرنے کے لئے یہ الہام ہوا تھا فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى

جَذْعُ النَّخْلَةِ قَالَ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًا مُنْسِيًا۔ مخاض سے مراد اس جگہ وہ امور ہیں جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں اور جذع نخلة سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی اولاد مگر صرف نام کے مسلمان ہیں۔ با محاورہ ترجمہ یہ ہے کہ درد انگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہو جانا تھا اس مامور کو قوم کے لوگوں کی طرف لائی جو کجیور کی خشک شاخ یا جڑ کی مانند ہیں تب اس نے خوف کھا کر کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتا اور بھولا بسرا ہو جاتا۔“

اب ہم مذکورہ دو میں سے دوسری پیشگوئی کو یعنی موعود مریم کے ہاں ایک مسیحی نفس بیٹا پیدا ہونے کی پیشگوئی کو مد نظر رکھ کر دیکھتے ہیں کہ اس آیت کا اطلاق موعود مریم پر کس طرح ہوتا ہے۔

=====

مصلح موعود کی پیدائش سے پہلے حضرت مہدی موعود کیلئے

نہایت دردناک حالات پیدا ہونے کی پیشگوئی

مخاض درد زہ یعنی اس شدید درد کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے سے پہلے حاملہ کو ہوتی ہے۔ پس اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ پسر موعود کے پیدا ہونے سے پہلے موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کیلئے نہایت دردناک حالات پیدا ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو آپ نے ایک اشتہار کے ذریعہ (جو اخبار ریاض ہند امرتسر کی یکم مارچ ۱۸۸۶ء کی اشاعت میں بطور ضمیمہ شامل تھا) دنیا کو خبر دی کہ (آپ کے ہوشیار پور میں چلہ کشی کے دوران) اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً ایک غُلَمًا رَزَاکِیًا (یعنی پاک بیٹے) کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے ”تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے..... سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے..... مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اسکے آنے کے ساتھ آئیگا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا وہ دنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیمار یوں سے صاف کرے گا وہ کلمۃ اللہ ہے..... جس کا نزول بہت مبارک اور جلال

الہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی رضا مندی کے عطر سے مسح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیکا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور تو میں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائیگا۔ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا۔

پھر اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء میں آپ نے اعلان فرمایا کہ ”ایسا لڑکا بموجب وعدہ الہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ بدیر بہر حال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائیگا۔“ ان میں سے پہلے اشتہار کا شائع ہونا تھا کہ ایک آریہ لیڈر پنڈت لکھرام نے اسے مفترانہ اشتہار قرار دیا اور لکھا کہ خدا کہتا ہے ”یہ سب باتیں جھوٹ ہیں اور ہرگز پوری نہیں ہوگی۔“ (مفہوم) اسی طرح پنڈت اندرمن مراد آبادی نے بھی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ۹ برس کا عرصہ بہت لمبا ہے اتنے عرصہ میں تو کوئی لڑکا پیدا ہو ہی سکتا ہے حالانکہ ازل یہ ضروری نہیں تھا دوسرے پیشگوئی صرف بیٹے کی نہیں نہایت عظیم الشان صفات والے بیٹے کی تھی۔ غیر تو خیر غیر تھے بعض مسلمانوں (حافظ سلطان کشمیری و صابر علی وغیرہ) نے بھی دشمنان اسلام کی پٹھ ٹھوکی اور یہاں تک لکھ دیا کہ لڑکا تو ڈیڑھ سال پہلے پیدا ہو چکا ہے۔ یہ تو وہ تکلیف دہ باتیں تھیں جو آپ کے اشتہارات شائع ہوتے ہی وقوع میں آگئیں۔ مگر کرتا خدا کا یہ ہوا کہ آپ کے ہاں پہلے ایک لڑکی ”عصمت“ نامی پیدا ہوگئی جس پر دشمنوں نے بہت ٹھٹھا کیا اور کہا کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اس کے بعد ایک لڑکا ”بشیر ازل“ پیدا ہوا جس کی پیدائش پر حضرت مرزا صاحب نے لکھا ”شائد“ یہی پرموعود ہو لیکن وہ لڑکا ڈیڑھ سال کا ہو کر فوت ہو گیا۔ پھر کیا تھا مخالفت اور ہنسی اور ٹھٹھے کا ایک طوفان برپا ہو گیا حالانکہ آپ نے قطعی طور پر اسے پرموعود قرار نہیں دیا تھا بلکہ صاف صاف لکھا تھا کہ ضروری نہیں کہ یہی لڑکا پرموعود ہو ہاں نو سال کی میعاد مقررہ کے اندر وہ ضرور پیدا ہو جائے گا۔ اس پر آپ کو اتنا یقین تھا کہ پہلے لڑکے کی وفات پر آپ نے نہایت تھذی سے لکھا کہ ”دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔“ نیز لکھا سوائے دے لوگو! جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور

خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی۔“

دشمنوں کیلئے ہنگامہ آرائی اور طوفان بدتمیزی برپا کرنے کا کوئی جواز اسلئے بھی نہیں تھا کہ ۲۰ فروری کے الہامات میں دراصل دو لڑکوں کی پیشگوئی تھی ایک ”مہمان“ یعنی آ کر جلد رخصت ہو جانے والے لڑکے کی اور دوسری المصلح الموعود کی پس پہلے لڑکے کا فوت ہو جانا تو اس پیشگوئی کی صداقت کی دلیل تھی نہ کہ اسکے جھوٹا ہونے کی۔ تاہم بد فطرت لوگوں نے اس پر شور مچایا جس کی وجہ سے آپ کو حد درجہ دکھ پہنچا اور اس دکھ کا پہنچنا آپ کے لئے امر طبعی اور ضروری بھی تھا کیونکہ یہ پیشگوئی اسلام کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے تھی نہ کہ کسی ہوائے نفس کے ماتحت پس اس تکلیف کو جو ہر موعود کی پیدائش سے پہلے آپ کو پہنچنے والی تھی اس آیت میں درد زہ سے (جو بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہونے والی درد کا نام ہے) تعبیر کیا گیا۔ سبحان اللہ کتنی بر محل تعبیر ہے۔

اب رہے جذع نخلة کی طرف لیجانے کے الفاظ تو جانا چاہیے کہ جذع درخت کے تنے کو کہتے ہیں (بعض نے اسے کٹے ہوئے اور خشک تنے سے خاص کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شرط نہیں)۔ دکھ پہنچنے پر کسی چیز کی طرف جانا دو طرح پر ہوتا ہے ایک اس طرح جیسے انسان حملہ آور دشمن کی طرف جاتا ہے اور دوسرا اس طرح جیسے انسان حصول سہارا کے لئے کسی کی طرف جس سے اسے مدد یا تعاون کی امید ہو جاتا ہے۔ پس اس میں ایک تو یہ بتایا کہ دشمنوں کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہوں گے کہ موعود مریم کو مقابلہ کے لئے ان کی طرف متوجہ ہونا پڑیگا اور دوسرے یہ بتایا کہ جب دشمن ہلے اور ٹھٹھا کر رہا ہوگا مریم نام پانچواں موعود مریم بعض لوگوں کی طرف جن سے اسے تعاون یا خیر کی امید ہوگی متوجہ ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں باتیں پوری ہوئیں۔

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ

سَرِيًّا (۲۵)

اس پر فرشتہ نے اسے پائیں جانب سے آواز دی اور کہا غم نہ کھا تیرے

رب نے تیرے نیچے چشمہ بہا دیا ہے۔

فرشتہ کے حضرت مریم کو پائیں جانب سے پکارنے میں تو یہ حکمت تھی کہ وہ چشمہ کی جگہ کو جان لیں کہ جہاں سے آواز آرہی ہے وہ وہاں پر ہے۔ مگر یہ سارا ذکر چونکہ ایک اور مریم کے لئے بطور پیشگوئی ہو رہا ہے۔ اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ حالات مذکورہ میں

موعود مریم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی دی جائیگی اور اس ابتلاء کے زمانہ میں اس کثرت سے الہامات ہونگے کہ گویا ایک چشمہ بہ پڑیگا۔ چنانچہ آپ کے مجموعہ الہامات ”تذکرہ“ کو دیکھنے سے اس بات کی تصدیق ہو سکتی ہے کہ پھر موعود کے بارہ میں ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اعلان اور ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کے درمیان جو اس کی پیدائش کا دن ہے آپ کو کس کثرت سے الہامات ہوئے۔ اور اگرچہ وہ سب کے سب پھر موعود کے متعلق نہیں تھے مگر ان سے آپ کو اتنی تسلی تو ہو جاتی تھی کہ خدا تعالیٰ نے آپ سے منہ نہیں موڑا۔

=====

موعود مریم مہدی مسعود کے لوگوں کو دعوت بیعت دینے اور اسکے بہترین نتائج برآمد ہونے کی پیشگوئی

اوپر کی آیت کے بعد ہے:-

وَهَزَيْتِ الْيَكْبَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رُطْبًا
جَنِيًّا (۲۶)

اور اے مریم حنیہ کجھور کو اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر تازہ بتازہ کجھوریں گرایگا۔ آنحضرتؐ نے مومنوں کو کجھور کے درخت سے تشبیہ دی ہے پس اس میں بتایا کہ جب دشمن طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہوں گے۔ مریم نام پانے والا موعود خدا کی اشارہ کے ماتحت لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیگا اور اس کا مسلمانوں کی طرف تعاون اور خیر کی امید سے متوجہ ہونا رائج نہیں جائے گا بلکہ ”کجھور کا یہ حنیہ“ اس پر تازہ بتازہ پھل گرایگا یعنی ان میں سے نئے نئے عمدہ صفات والے لوگ اس کے قدموں پر گرئیں گے۔ چنانچہ عین اس ابتلاء کے وقت آپؐ نے لوگوں کو بیعت کرنے کی دعوت دی جو بہت سے سعید فطرت لوگوں نے قبول کی۔ (دیکھیں تاریخ احمدیت جلد دوم ص ۱۶۳ تا ۱۷۳)

آگے ہے:-

فَلِكُلِّيْ وَاشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنَا (۲۷ جاری)

جب موعود مریم کو خدا کی طرف سے بکثرت ملنے والی بشارتوں کو ایک چشمہ اور اس کے

قدموں پر گرنے والے لوگوں کو تازہ کجوریں قرار دیا تو اس کے بعد ان سے تمتع کو کھانے اور پینے سے تعبیر کیا اور اس کے بعد فرمایا **وَقَسْرَىٰ عَيْنَا** اور (یاد رکھو یہ نعمتیں تجھے ضرور ملیں گی پس ان سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔

دوسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ تجھے جس بیٹے کی بشارت دی گئی ہے وہ حسب وعدہ ضرور پیدا ہوگا پس تو اس کے نظارہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ چنانچہ جہاں تک امر دوم کا تعلق ہے اوپر حوالہ آچکا ہے کہ آپ نے خدا سے علم پانے کے بعد دعویٰ کیا کہ پسر موعود مدت مقررہ کے اندر ضرور بالضرور پیدا ہوگا زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا کے وعدے نہیں ٹل سکتے۔ رہا امر اول تو ایک ایسے ہی موقع پر یعنی جب آپ نے اعلان بیعت کیا اور بعض لوگ جو پہلے آپ سے بیعت لینے کی درخواست کیا کرتے تھے بدظن ہو گئے اور انہوں نے آپ کو کافر اور بے دین کہا تو آپ نے فرمایا ”افسوس ان احمقوں کو یہ معلوم نہ ہوا کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے **قُلْ اِنِّیْٓ اَمْرٌ وَّ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ** اور **اَنْتَ مِّنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِیْ** کی آوازیں سنتا ہو وہ ان کی بدگوئی اور گالیوں کی کیا پروا کر سکتا ہے۔“

فرمایا:-

فَاِمَّا تَرٰی مِنْ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقَوْلِیْ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًا (۲۷)

اور اگر تو کسی بشر کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے رُحْن کے لئے (چپ کا) روزہ رکھا ہے سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

یہاں پھر وہی رُحْن کا لفظ ہے جو اوپر آیا تھا اللہ کا لفظ نہیں ہے اور جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے صفت رحمانیت کا تعلق نزول کلام سے ہے۔ چونکہ بات اس وقت کی ہو رہی ہے جب بیٹے کی ولادت قریب تھی اس میں موعود مریم کو یہ اشارہ کیا گیا کہ لوگ پسر موعود کے بارہ میں اعتراضات سے باز نہ آئیں تو پرواہ نہ کرنا بلکہ انکی باتوں کا جواب دینا چھوڑ دینا خدائے رُحْن جس نے تجھے بیٹے کی بشارت دی ہے۔ خود ان کو علی جواب دیگا۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُہٗ فَاَلُوْا یَمْرِیْمُ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا فَرِیًّا (۲۸)
(سو اس کے بعد حسب بشارت عیسیٰ پیدا ہوا اور جب بڑا ہو گیا) تو مریم

اسے سوار کر کے اپنی قوم کے پاس لائی (جس پر) قوم کے لوگوں نے کہا
اے مریم تو نے عجیب گل کھلایا ہے۔

بعض لوگوں نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ جب بچہ پیدا ہو گیا تو مریم اسے اٹھائے
ہوئے قوم کے پاس لائیں لیکن ان کی ولادت جس رنگ میں ہوئی اعتراضات کا ہونا یقینی تھا اسلئے
یہ بات قرین قیاس نہیں نیز آگے جو باتیں ابن مریم کی بیان ہوئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اس
وقت نبی بن چکے تھے پس تَحْمِلُہ کا مطلب یہ ہے کہ اسے سوار کرا کے لائیں۔ یہ دراصل توقیر
پر قرینہ ہے اور اس میں بتایا یہ گیا کہ موعود مریم کے ہاں بھی حسب بشارت بیٹا پیدا ہوگا اور اس کی
زندگی ہی میں جوان ہو جائیگا جیسا کہ ”غَلَا مَا زَكِيًّا“ میں یعنی ”غلام“ کے لفظ میں بھی اس کی
طرف اشارہ کیا گیا۔ اور پھر اس مریم کی بدولت اسے اس کی قوم میں عزت کا مقام بھی مل
جائیگا۔

فَرِیًّا کے معنی عجیب کے ہیں اور یہ لفظ مقام ذم پر بھی استعمال ہوتا ہے اور مقام مدح
پر بھی۔ پس اس میں بتایا کہ بعض لوگ اسوقت بھی کہ لڑکا پیدا ہو کر جوان ہو چکا ہوگا اور اس کا
ہونہار ہونا نظر آرہا ہوگا۔ اعتراض ہی کئے جائیں گے اور بعض اس لڑکے کی خوبیوں کے قائل
ہوں گے اور اس کے بارہ میں ہونے والی پیشگوئی کے ایک عظیم پیشگوئی ہونے کا اعتراف کریں
گے۔ چنانچہ حضرت علامہ حکیم مولوی نور الدین صاحب جو بعد میں جماعت کے خلیفہ اول ہوئے
آپ کے علم و فضل کے قائل تھے اور آپ کو پسر موعود خیال کرتے تھے۔ یہی حال دیگر اکابرین
جماعت کا تھا اور ان کے علاوہ کئی غیر از جماعت لوگ بھی اس پیشگوئی کی عظمت کے معترف تھے
جن میں سے مولوی سمیع اللہ خان صاحب فاروقی اور غیر مسلم سکھ صحافی ارجن سنگھ ایڈیٹر رنگین
امرتسر کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(دیکھیں تاریخ احمدیت جلد ۲ ص ۱۱۲-۱۱۱)

يَا اُخْتِ هَرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكَ اَمْرًا سَوِيًّا وَمَا كَانَتْ
اُمُّكَ بَغِيًّا (۲۹)

اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار۔
مطلب یہ کہ نہ ماں باپ برے نہ بھائی برا تو ایسا کام کرنے والی یعنی (نعوذ باللہ) ناجائز

بچہ جننے والی یا خدا کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والی کہاں سے آگئی۔
اس ذکر میں یہ اشارہ کیا گیا کہ موعود مریم کا کوئی بھائی اس قسم کے دعاوی نہیں کریگا
جیسے کہ وہ کریگا نہ اس کے ماں باپ کریں گے۔

فَإِشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ
صَبِيًّا (۳۰)

اس پر مریم نے بیٹے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ جواب دے گا) انہوں
نے کہا جو کل تک پنگوڑے کا بچہ تھا ہم اس سے کیسے گفتگو کریں۔

جس طرح مریم کے بیٹے مسیح کو خلافت الہیہ کے منصب پر فائز ہوجانے کے باوجود کل کا
بچہ قرار دیا گیا اس طرح موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے پسر موعود کو بھی (جو اپنے الہام
أَنَا الْمَسِيحُ الْمَوْعُودُ مِثْلُهُ وَ خَلِيفَتُهُ کے مطابق مسیح بھی تھے) منصب خلافت پر فائز
ہونے کے وقت ان لوگوں کی طرف سے کل کا بچہ قرار دیا گیا جو خلافت سے الگ ہو گئے۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي الْكِتَبُ وَ جَعَلَنِي نَبِيًّا (۳۱)
ابن مریم نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی
بنایا ہے۔

جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا ہے کہ ان آیات میں دہری پیشگوئی ہے اول موعود مریم حضرت
مرزا غلام احمد صاحب کے حالت مریمی سے حالت عیسیٰ کی طرف انتقال کرنے کی اور دوسرے
آپ کے ہاں ایک مسیحی نفس بیٹے کے پیدا ہونے کی۔

إِنِّي الْكِتَابُ سے تو دونوں صورتوں میں قرآن اور قرآن کا علم دیا جانا مراد ہے اور
یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کسی نئی شریعت کے حامل نہیں ہوں گے۔ قرآن ہی انکی شریعت ہوگی۔ لیکن
جَعَلَنِي نَبِيًّا کے الفاظ سے پہلی صورت میں تو نبی بنایا جانا ہی مراد ہے۔ اور دوسری صورت میں
مراد نبی کا مثل بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب اس پیشگوئی کے مصداق پر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ
انکشاف ہوا کہ آپ ہی پسر موعود ہیں۔ تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ الہاماً جاری ہوئے کہ
أَنَا الْمَسِيحُ الْمَوْعُودُ مِثْلُهُ وَ خَلِيفَتُهُ میں مسیح موعود ہوں۔ یعنی اس کا مثل اور خلیفہ۔

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ

وَالزُّكُوَّةَ مَا دُمْتُ حَيًّا (۳۲)

اور جہاں کہیں بھی میں ہوں مجھے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ میں بتایا کہ اس کا وجود گھر میں، گھر سے باہر۔ سفر میں حضر میں۔ اپنے اصل مقام پر یا وہاں سے ہجرت کر کے کہیں دور جانے پر ہر صورت میں مبارک ہوگا۔ چنانچہ موعود مریم حضرت مرزا صاحبؒ نے جب حالت عیسوی کی طرف انتقال کیا تو بوجہ نبی اللہ ہونے کے انکا وجود جہاں کہیں بھی ہو بابرکت ہوتا تھا۔ جس کھانے کو آپؐ چھو لیتے اس میں برکت پڑ جاتی تھی جس گھر میں قدم رکھتے وہ مبارک ہو جاتا تھا جس مریض کو چھو لیتے وہ اچھا ہو جاتا تھا گھر آتے تو ایک دریا نور کا ہمراہ لاتے اور گھر سے باہر جاتے تو نور آپؐ کے آگے آگے چلتا تھا اور آپؐ کی نیابت میں آپؐ کے پسر موعود کا بھی یہی حال تھا۔ اور انہیں تو ہجرت بھی کرنا پڑی اور دارالہجرت کا ان کے ہاتھ سے قیام بے شمار برکات کا موجب ہوا۔ اگلے جملہ ”وَأَوْصِنِي بِالصَّلَاةِ وَالزُّكُوَّةِ مَا دُمْتُ حَيًّا“ میں الصَّلَاةِ اور الزُّكُوَّةِ کا ال تخصیص کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح سابقہ ابن مریم کو عمر بھر تورات کے مطابق نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم ہوا موعود ابن مریم کو اور موعود کو بھی قرآن کے مطابق حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا حکم ہوگا انہیں سے کوئی نئی شریعت نہیں لائے گا۔

حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا: ”اگر میں آنحضرت ﷺ کی امت نہ ہوتا اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ مخاطبہ (جو مجھے حاصل ہے) ہرگز نہ پاتا کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔ پس اس بنا پر میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی اور میری نبوت یعنی مکالمہ مخاطبہ الہیہ، آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ایک ظل ہے اور بجز اس کے میری نبوت کچھ بھی نہیں۔ وہی نبوت محمدیہ ہے جو مجھ میں ظاہر ہوئی۔

آیت وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ کے بعد ہے:-

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا (۳۳)

اور مجھے اپنی والدہ سے نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور جابر اور نافرمان نہیں بنایا۔

جب ابن مریم کی زبانی یہ کہلوا دیا کہ میں نبی ہوں تو اس کے بعد الفاظ زیر تفسیر لانے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ والدہ سے نیک سلوک تو معمولی درجہ کے نیک آدمی بھی کرتے ہیں۔ پس یہ الفاظ جو لائے گئے تو یہ بتانے کے لئے کہ موعود مریم پر چسپاں کریں تو انہیں ایک خاص اشارہ ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح ناصری کی صرف والدہ تھیں والد تھے ہی نہیں لیکن موعود مریم کے والد اور والدہ دونوں ہونے تھے۔ اور اسکے مسیح اور نبی بننے کے وقت دونوں نہیں ہونے تھے اور ان کے حق میں اس کے بڑے ہونے کا ذکر اس سے ذرا پہلے یعنی آیت ۱۵ میں آ بھی چکا ہے اس لئے اگرچہ اس آیت میں جو ذکر ہے وہ بھی بطور پیشگوئی ہی ہے مگر یہ پیشگوئی موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے اپنے بارہ میں نہیں ہو سکتی بلکہ آپ کے پسر موعود ہی کے بارہ میں ہو سکتی ہے جس کا ذکر ان آیات میں آپ کے ذکر کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یوں بھی یہ مسلمہ اصول ہے کہ کبھی ایک بات باپ کے حق میں بتائی جاتی ہے اور اسکا بیٹے کے حق میں پورا ہونا مقدر ہوتا ہے۔ مگر آپ کے پسر موعود کے بھی والد اور والدہ دونوں ہونے تھے اس لئے جب تک کوئی خاص وجہ نہ ہو صرف ان کا والدہ سے نیک سلوک کرنیوالا ہونا بیان کیا جانا بد تعریفی ہے تعریف نہیں۔ لیکن یہاں یہ ذکر مقام مدح پر آیا ہے۔ اس لئے اس میں دراصل یہ اشارہ تھا کہ جس طرح حضرت مسیح کے خلیفہ اللہ بننے کے وقت ان کی والدہ موجود تھیں لیکن والد نہیں تھے اسی طرح جب یہ پسر موعود منصب خلافت پائے گا اس وقت اسکی صرف والدہ موجود ہوگی۔ والد موجود نہیں ہوئے۔ مگر والد کی عدم موجودگی کے باوجود وہ والدہ سے حد درجہ نیک سلوک کرنیوالا ہوگا۔ اور اس کے بعد وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا شَقِيًّا کے الفاظ بڑھا کر بتایا کہ حضرت مسیح کی والدہ کی طرح اس کی والدہ بھی مومنہ ہوگی ایسی نہیں ہوگی کہ ان پر کسی معاملہ میں جبر کرتا پڑے یا ان کی نافرمانی کرنی پڑے جس کی غیر مومنہ یا مشرکہ والدہ کے تعلق میں ضرورت پیش آ سکتی ہے۔

یہ پیشگوئی بھی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی بلکہ قرآنی الفاظ ۱ وَيَنْتَهِمَا إِلَى رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ (المومنون ۵۱:۲۳) میں مستور پیشگوئی کے مطابق آپ اور آپ کی والدہ صاحبہ نے

بعد از ہجرت جس مقام پر پناہ لی بقصر ف الہی اسکا نام بھی ربوہ رکھا گیا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمٍ وَلِذٰکَ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ
حَیًّا (۳۳)

اور جس دن میں پیدا ہوا اس دن بھی مجھ پر سلامتی تھی اور جس دن میں
مروں گا۔ اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤنگا۔ (اسدن بھی سلامتی ہوگی)

یہ ذکر کر کے بتایا کہ موعود مریم کے حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال پر
یعنی اس کے بطور عیسیٰ روحانی تولد کے وقت بھی اس پر سلامتی نازل کی جائے گی جس کی وجہ
سے وہ اپنے مشن کو پورا کرے گا (چنانچہ آپکو وَاللّٰهُ یُعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کا الہام بھی ہوا)
اور اس کی زندگی ایسی کامیاب اور پاکیزہ زندگی ہوگی کہ موت کے وقت بھی اس پر سلامتی بھیجی
جائے گی۔ اور خدا کی نگاہ میں بھی وہ ایسا پسندیدہ ہوگا کہ حشر کے دن بھی اس پر سلامتی نازل کی
جائے گی۔ اسی طرح اس میں موعود مریم کے پسر موعود کے متعلق بتایا کہ وہ بچپن میں فوت نہیں
ہوگا۔ بلکہ جوان ہوگا۔ اور مہدی موعود کی پوری طرح اتباع کرے گا کیونکہ لفظ غلام ان دونوں
باتوں کا مقتضی ہے اور پھر ایسی زندگی گزارے گا۔ کہ اس کی موت پر لوگ اس کے حق میں دعائے
خیر کریں گے اس کی زندگی ریاکارانہ نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں بھی پسندیدہ ہوگا۔
جس کی وجہ سے حشر کے دن بھی اس پر سلامتی نازل کی جائیگی۔ چنانچہ ان دونوں کے حق میں یہ
پیشگوئیاں لفظ بہ لفظ پوری ہوئیں۔

پیدائش کے وقت ان پر سلامتی کا نازل ہونا تو اسی سے ثابت ہے کہ یہ دونوں (یعنی مسیح
موعود اور مصلح موعود) لمبی اور کامیاب زندگی گزارنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ رہی
وفات کے وقت کی سلامتی تو یہ ایک تو اس سے ثابت ہے کہ لاکھوں لاکھ لوگ ایسے ہیں کہ جب
بھی ان کا نام آئے ان پر سلام بھیجتے ہیں اور دوسرے اس سے ثابت ہے کہ ان کے شروع کئے
ہوئے کام ان کے بعد بھی جاری ہیں اور ان کے شاندار نیک نتائج مسلسل نکل رہے ہیں۔ اور
جب پہلی دونوں پیش گوئیاں پوری ہوئیں تو اس میں شبہ نہ رہا کہ حشر کے دن کے بارہ میں جو
پیشگوئی ان کے حق میں کی گئی ہے وہ بھی ضرور پوری ہوگی۔

=====

کھیلِ عص میں ایک اور عجیب پیشگوئی

سورۃ مریم کے حوالہ سے یہاں تک مضمون لکھا جا چکا تھا اور میں اسے ختم ہی کر چکا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ خدا تعالیٰ کی کسی بھی چیز کے عجائبات ختم نہیں ہو سکتے تو اس کلام کے جو اس نے اپنے سب سے بزرگ رسول ﷺ پر نازل کیا عجائبات ختم کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل میں بے قراری پیدا ہوئی کہ اس سورۃ کے مقطعات میں کوئی اور پیشگوئی بھی ہو تو مجھے سمجھائی جائے۔ چند ہی لمحے اس کیفیت اضطراب میں گزرے تھے کہ میری توجہ سیدنا حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحبؒ کی (جو بعد میں خلیفۃ المسیح ازل منتخب ہوئے) ایک روایہ کی طرف پھیری گئی۔ ایک موقع پر آپؒ نے فرمایا۔ ”کشمیر میں ایک مولوی عبداللہ دس صاحب رہتے تھے۔ وہ بڑے بزرگ آدمی تھے.... میں نے روایہ میں دیکھا کہ ان کی گود میں کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میں نے ایک جھپٹا مارا اور سب بچے اپنی گود میں لے کر وہاں سے چل دیا۔ رستہ میں میں نے ان بچوں سے پوچھا کہ تم کون ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا نام کھیلِ عص ہے۔ میں اپنے اس روایہ کو بہت تعجب کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جب میں حضرت مرزا صاحب کا مرید ہوا تو میں نے ان سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ ”آپ کو اس کا علم دیا جائے گا اور وہ لڑکے فرشتے تھے۔“ (مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور الدین ۱۵۳)

بہت سے سابقہ مفسرین نے بھی کھیلِ عص کو فرشتوں کے اسماء قرار دیا ہے۔

روایہ میں دیکھے جانے والے اشخاص کے ناموں کی بھی تعبیر ہوتی ہے۔ عبداللہ دس سے حضرت مہدی موعودؑ مراد ہیں کیونکہ اپنے زمانہ میں نبی وقت سے زیادہ کوئی اور عبداللہ دس یعنی خدائے قدس کا عبد نہیں ہوتا۔ پس اس روایہ میں بتایا گیا کہ حضرت مہدی موعودؑ کے آخری وقت میں پانچ بچے ان کی گود میں یعنی ان کی زیر تربیت ہونگے ایک وقت آنے پر (جو اچانک آئے گا۔ بغیر اس کے کہ حضرت مہدی موعودؑ کہیں) حضرت حکیم صاحب موصوف ان بچوں کو اپنی گود میں یعنی اپنی نگرانی اور حفاظت میں لے لیں گے۔ اور نام سے چونکہ صاحب نام کی طرف توجہ ہوتی ہے اس لئے یہ جو ان بچوں نے کہا کہ ہمارا نام کھیلِ عص ہے تو اس میں یہ اشارہ تھا کہ سورۃ مریم کے شروع میں آنوالے ان مقطعات میں ہماری طرف اشارہ ہے۔ اور جب ایک

طرف یہ ثابت ہے کہ کھینچنے فرشتوں کے نام ہیں اور دوسری طرف یہ ثابت ہوا کہ یہ ان بچوں کے نام ہیں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اس میں ان بچوں کے ملائکہ مفت ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ یہ پیشگوئی نہایت وضاحت سے پوری ہوئی حضرت مہدی موعودؑ کی رحلت کے وقت آپ کے بچوں میں سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں آپ کے گھر میں آپ کی زیر نگرانی و تربیت تھے (بڑے صاحبزادے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب اس وقت تک نہ احمدی ہوئے تھے نہ آپ کے زیر تربیت تھے)۔ اور آپ کی وفات کے بعد جو بالکل اچانک ہوئی یہ پانچوں حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحبؑ کی زیر تربیت و نگرانی آئے اور ان میں سے ہر ایک نے اس خلیفۃ اللہ کی بالکل اسی طرح فرمانبرداری کی جس طرح فرشتوں نے پہلے خلیفۃ اللہ حضرت آدمؑ کی کی تھی۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ؛ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

اگر کہا جائے کہ حضرت مہدی موعودؑ نے تو یہ فرمایا تھا کہ وہ ”لڑکے“ فرشتے تھے پھر بیٹیاں ان میں شامل کیسے ہو گئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول صاحب روایہ نے لڑکے کا لفظ استعمال نہیں کیا ”بچے“ کہا ہے۔ دوم مقصود تو اس روایہ سے حضرت مہدی موعودؑ کے بچوں کو فرشتوں سے تشبیہ دینا تھا اور فرشتے چونکہ از روئے قرآن اناث میں سے نہیں ہوتے اس لئے خواہ وہ بچے لڑکے ہوں یا لڑکیاں جب انہیں فرشتوں کے طور پر دکھانا پسند کیا گیا تو لڑکوں ہی کی صورت پر دکھایا جاسکتا تھا فلا اعتراض۔

سورة النور میں ذکر المہدیؑ

سورة النور میں ایک آیت ہے:-

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكُوهٍ فِيهَا
مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ
دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبْرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا
غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيئُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارُ نُورٍ عَلَى
نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ... (۳۶)

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یعنی ہر چیز سادی

دارضی کو وہی متور کرنے والا ہے۔ جس قسم کی بھی روشنی، خوبصورتی یا زندگی کسی چیز میں پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض سے ہے۔ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتِهِ اس کے نور کی یعنی اس چیز کی جسے اس نے (روحانی طور پر دنیا کو منور کرنے کے لیے) نور قرار دیا ہے۔ یعنی وحی قرآنی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو فِيْهَا مِصْبَاحٌ اکسیں ایک چراغ ہو۔

قرآن کریم میں حسب ضرورت ترتیب ظاہری یا معنوی کا اشد لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس آیت میں پہلے مکھوۃ کا ذکر ہے پھر مصباح کا۔ چونکہ مصباح یعنی چراغ سے مراد قرآنی وحی ہے مکھوۃ یعنی طاق سے لازماً محفل وحی مراد ہوگا جس کا نمبر چراغ سے پہلے آتا ہے اور جو چراغ کا محافظ ہوتا ہے یعنی اس سے آنحضور ﷺ کا صدر مشروح یا قلب مطہر مراد ہوگا جس میں یہ چراغ رکھا گیا کمالی قولہ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ (الشعراء ۱۹۳:۱۹۵)

مکھوۃ یعنی طاق اپنی چھ میں سے پانچ اطراف سے بند اور صرف ایک طرف سے کھلا ہوتا ہے۔ اسلئے اس میں رکھے ہوئے چراغ کی روشنی زیادہ تر صرف سامنے کی طرف پڑتی ہے۔ اگرچہ تھوڑی بہت دائیں بائیں اور اوپر نیچے کی جہات میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ پس آنحضور ﷺ کے سینہ مشروح کو طاق اور قرآنی وحی کو چراغ سے تشبیہ دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جب تک یہ چراغ اس طاق کے اندر ہے یعنی جب تک محمد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں موجود ہیں اسوقت تک تو یہ طاق خود اس چراغ کا محافظ ہوگا۔ مگر اس کی روشنی زیادہ تر اپنے سامنے کی جہت میں مرکوز رہے گی۔ صاحب شریعت نبی کے سامنے چونکہ بڑا کام تکمیل ہدایت بمع قیام ہدایت کا ہوتا ہے اس لئے مطلب اسکا یہ ہوا کہ آنحضور ﷺ کی زندگی میں زیادہ تر یہی کام ہوگا اگرچہ کسی قدر اشاعت ہدایت بھی ساتھ ہی ہو جائے گی۔

مصباح کے بعد زجاجة کا ذکر ہے یعنی یہ فرمایا ہے کہ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ اس میں تحت کا لفظ نہیں رکھا بلکہ فی کا رکھا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ یہ مصباح زجاجة کے نیچے ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسکے اندر ہے اس میں ایک خاص حکمت ہے۔ عام زجاجة یعنی چنی اوپر سے کھلی اور تنگی ہوتی ہے اس لئے جب اس چراغ کو جو ایسی زجاجة کے نیچے ہو طاق سے نکال کر کھلی جگہ پر لیجایا جائے تو ہوا کے جھونکوں سے اسکی نو کے بجھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن اگر زجاجة ہری کین کی چنی کی صورت میں ہو یعنی فعلہ چراغ اسکے اندر مقید ہو تو یہ خطرہ نہیں رہتا۔

اس لئے مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُورَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ كَالْمِصْبَاحِ فِي زُجَاجَةٍ کے الفاظ لاکر یہ بتایا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اس چراغ (یعنی وحی قرآنی) کو بجھنے سے محفوظ رکھنے کا بلکہ اسکی روشنی کو ہر طرف پھیلانے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ چونکہ ایسا انتظام ہمیشہ خلافت کے ذریعہ ہوا کرتا ہے اس لئے قطعی اور یقینی طور پر اسکی اشارہ آنحضور کے بعد خلافت کے قائم کئے جانے کی طرف کیا گیا۔ اگرچہ اور اشارات بھی آئیں ہیں۔

الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ کے بعد ہے الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ وہ زُجَاجَةُ جسکی طرف ہم خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتے ہیں ایسی ہے جیسے كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ (حضرت خلیفہ المسیح ازلؑ نے الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ”پھر اس چینی کے اوپر ایک اور گلوب رکھ دیا“ گویا آپ نے بھی ”الزُّجَاجَةُ“ کو ”زُجَاجَةُ“ سے جس کا ذکر پہلے ہوا الگ کیا ہے)۔ کوکب صرف اس ستارے کو کہتے ہیں جو فی ذاتہ روشن اور افروختہ ہو خواہ مزید منور کرنے کے لئے اس پر کسی دوسرے سورج کی روشنی بھی پڑ رہی ہو۔ پس بظاہر اسکی الزُّجَاجَةُ کی تعریف الْمِصْبَاح سے زیادہ کر دی گئی ہے اور اسے اس سے بڑا مقام دے دیا گیا ہے۔ لیکن دراصل ایسا نہیں ہے کیونکہ زُجَاجَةُ یعنی چینی چراغ کی لو کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے اور محافظ خادم ہوتا ہے مخدوم نہیں ہوتا۔ (خدا تعالیٰ کے لئے حیظ کا لفظ آتا اس کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا حیظ ہونا کسی کو حفاظت پر مامور کرنے کے معنی میں ہوتا ہے)۔ پس ایک طرف اس زجاجة کا محمد رسول اللہ ﷺ پر اترنے والی وحی کے لئے اور بنا برائیں خود حضور کے لئے خادم ہونا ظاہر کر کے اور دوسری طرف اسکا نام کوکب دُرِّيٌّ رکھ کر خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اگرچہ وہ خلیفہ جسے كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ کا نام دیا گیا ہے خود بھی نبی اللہ ہوگا لیکن اسکی نبوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تابع اور آپ ہی کے نور کی اشاعت کے لئے ہو گی اور اسکا فی ذاتہ افروختہ ہونا یعنی مقام نبوت کا حامل ہونا بھی حضور ہی کی بدولت ہوگا۔

چونکہ کوکب دُرِّيٌّ کا مقام نہایت بلندی پر ہوتا ہے اور اسے ساری دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے اسلئے اس خلیفہ کو جسکی طرف یہاں خصوصی توجہ دلائی گئی ہے کوکب دُرِّيٌّ کا نام دے کر یہ بھی بتایا گیا کہ اسکے وقت میں قرآنی چراغ کی (جو اس زجاجة کے اندر ہوگا) روشنی ساری دنیا میں پھیل جائیگی اور اتنی زیادہ پھیلی گی کہ کسی اور خلیفہ کے وقت میں اتنی نہیں پھیلی ہوگی۔ پس اسکی مہدی

موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کی گئی اور انہی کو کُوب دُرّی کا نام دیا گیا کیونکہ بمطابق آیت **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ سَارِي** دنیا میں قرآنی انوار کا پھیلنا اور تمام ادیان پر اسلام کا غالب آنا انہی کے وقت میں مقدر تھا۔ اور یہ بات کہ کُوب دُرّی سے مہدی موعود مراد ہے ہماری ذاتی رائے نہیں بلکہ خود آنحضور ﷺ نے مہدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا **وَجْهَهُ كَمَا لُكُوبِ الدَّرِّيِّ** اسکا چہرہ یا اسکی شخصیت کو کُوب دُرّی کی مانند ہوگی۔

الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كُوبٌ دَرِّيٌّ کے بعد ہے **يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ**۔ (وحی قرآنی کا) یہ چراغ شجر مبارکہ (کے روغن) سے جلایا گیا ہے۔ وہ شجر مبارکہ جسکی طرف اسکا نام لئے بغیر انسان کا ذہن جاسکتا ہے شجرہ انبیاء ہی ہے۔ پس اسیں بتایا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود سارے سلسلہ انبیاء کا نمودار ہے یعنی آپ جامع جمع کلمات انبیاء ہیں اور آپ ہی کا وجود ہے جو وحی قرآنی کے چراغ کے روشن ہونے کا ذریعہ بنا ہے کیونکہ نزول وحی ہمیشہ صاحب وحی کی حیثیت کے مطابق ہی ہوا کرتا ہے اور قرآن جیسی اعلیٰ واکل وحی ایسے اعلیٰ واکل وجود ہی پر نازل ہو سکتی تھی۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی مد نظر رکھنے کے لائق ہے۔ جسے پہلے شجرہ مبارکہ قرار دیا ہے بعد میں اسی کا نام زیتون رکھا ہے۔ رویاء میں زیتون کا دیکھنا غم و اندوہ پر دلالت کرتا ہے اور اسکا روغن خیر و برکت پر۔ پس اسیں بتایا کہ قرآنی وحی کا نزول اس غم و ہم کا نتیجہ تھا جس کا بار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے اٹھایا۔ چنانچہ آنحضور نے فرمایا قرآن غم کی حالت میں نازل ہوا اور غم ہی کی حالت میں پڑھنا چاہیے۔ اور چونکہ برکت اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں ارد گرد کا پانی جمع ہو جائے اسلئے اسیں یہ بھی بتایا کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ جامع جمع کلمات انبیاء ہیں اور آپ کا وجود انواع و اقسام کی برکتوں کا مجموعہ ہے اسی طرح آپ پر اترنے والی وحی بھی تمام سابقہ وحیوں کی جامع ہے **(فِيهَا كُتِبَ قِيمَةٌ -- الْبَيِّنَةُ ۙ ۸۹:۴)**

يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ کے بعد ہے **لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ** یہ روغن نہ شرقی ہے نہ غربی۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے دل میں نہ اہل مشرق کی طرفداری ہے نہ اہل مغرب کی بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے خواہ وہ کسی بھی ملک یا قوم یا رنگ و نسل کے ہوں

ہم روی آپ کے دل میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے کما فی قولہ تعالیٰ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء ۲۱: ۱۰۸) اور اسی لئے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ سبا ۲۹: ۳۴) اسلئے قرآنی تعلیم بھی میانہ روی کی تعلیم ہے (تفسیر حضرت اقدس ص ۲۶۲)

آگے ہے یَکَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ شجرہ مبارکہ مذکورہ کا روغن یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وجودِ باجود جو جامع جمیع کمالات انبیاء ہے اپنے نور عقل اور اخلاق حسہ اور کمالات باطنیہ کے اعتبار سے اس مرتبہ عالی کو پہنچا ہوا تھا کہ قریب تھا کہ بغیر آگ کے چھو جانے کے ہی روشن ہو جائے یعنی بغیر وحی الہی کے ہی دنیا کو متور کرنے یعنی ہدایت دینے کے قابل ہو جائے۔

اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ اگر آپ کا وجود بغیر وحی کے ہی دنیا کو ہدایت دینے کے لائق ہو سکتا تھا تو وحی کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر نہیں ہو سکتا تھا تو اس بات کا ذکر کر کے ان لوگوں کو شہہ کیوں دی گئی جو صرف عقل کو اپنی ہدایت کے لئے کافی سمجھتے ہیں؟ سو جاننا چاہیے کہ اس بات کے ذکر سے ایسے لوگوں کو شہہ نہیں دی گئی بلکہ اسکے برعکس ضرورت وحی پر زور دیا گیا ہے کیونکہ اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ خواہ کوئی وجود نور عقل رکھنے میں اس انتہا کو بھی پہنچا ہوا ہو جس انتہا تک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قبل از موت پہنچے ہوئے تھے پھر بھی وہ دنیا کو روحانی طور پر متور کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر اسکے بغیر وہ اسکا اہل ہو سکتا ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نازل کرنا ایک خلاف ضرورت فعل ہوتا جو خدائے حکیم سے ممکن نہیں۔ دراصل ایسا شخص جسے صرف نور عقل حاصل ہو اس حد تک تو دوسروں کی راہنمائی کر سکتا ہے کہ وہ یہ جاننے لگ جائیں کہ اس کائنات کا کوئی خدا ہونا چاہیے مگر اس حد تک انکو نہیں یجا سکتا کہ وہ یہ یقین کر لیں کہ خدا واقعی ہے۔ گویا وہ انکو منزل کے قریب تک تو یجا سکتا ہے اس تک پہنچا نہیں سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کو ایک بلند منزل، مثلاً ایک بلند مینار کی چوٹی کے قریب تک یجا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دے وہ اسے ایسی بری طرح ماریگا کہ اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہیگا۔ چونکہ اس پر سوال ہو سکتا تھا کہ کیا پھر عقل کو بالکل بے کار چیز سمجھنا چاہیے اسلئے اسکے معا بعد فرمایا نُورٌ عَلٰی نُورٍ (نور نازل ہوا نور پر) تا اشارہ ہو کہ نور وحی سے اسی کو سرفراز کیا جاتا ہے جسکے پاس پہلے نور عقل موجود ہو

اور اسی نسبت سے سرفراز کیا جاتا ہے جس نسبت سے یہ نور اسکے پاس ہو جسکے پاس کچھ نہیں اسے کچھ نہیں دیا جاتا۔ اس پر کہا جاسکتا تھا کہ ضرورت وحی تسلیم لیکن جب وحی نازل ہو چکی اور دین مکمل ہو چکا تو پھر اسکے بعد تو وحی کی ضرورت نہیں ہو سکتی اسلئے آخر میں فرمایا یَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ۔ اللہ کے نور (تک لیجانے) کے لئے (بھی اللہ سے ہدایت یافتہ شخص یعنی کسی مہدی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس غرض کے لئے) اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا یعنی مہدی بناتا ہے۔ پس اس مختصری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند شان اور اسے ظاہر کرنے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی ضرورت اور انکی باہمی نسبت بیان کرنے کے علاوہ آپ کے بعد خلفاء کے آنے کا اشارہ بھی دیا اور انکا فائدہ بھی بتایا اور ان خلفاء میں سے ایک اخس خلیفہ کی پیشگوئی بھی کی اور (اگرچہ سب نبی ہی خدا سے ہدایت یافتہ ہوتے ہیں) اس خلیفہ کے بارہ میں یہ بتانے کے علاوہ کہ وہ نبی اللہ ہوگا خاص طور سے یہ بتا کر کہ وہ خدا سے ہدایت یافتہ ہوگا یہ اشارہ بھی کر دیا کہ وہ مہدی کا نام پایگا۔ اور ان سب باتوں کے علاوہ اسکے آنے کی ضرورت بھی بیان کر دی فَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

سورۃ النور کی آیت اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اشارۃ خلافت کا وعدہ دینے کے بعد اسی سورۃ کی آیت ۵۶ میں واضح طور پر بھی اسکا وعدہ دیا گیا چنانچہ فرمایا:-
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
اللہ نے تم میں سے ایمان لائوالوں اور اعمال صالحہ بجا لائوالوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنایگا اسی طرح جس طرح اسنے ان سے پہلوں (یعنی بنی اسرائیل) کو خلیفہ بنایا۔

سورۃ البقرہ آیت ۸۸ میں ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسکے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ رسول کا لفظ قرآن میں نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے آیا ہے۔ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۴۵ میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد آنوالے انبیاء رہا نیون اور احبار جنہوں نے پورے طور پر خدا کے حضور سر تسلیم خم کر رکھا تھا یہود کے لئے تو رات کے مطابق فیصلے کرتے تھے کیونکہ ان پر اسکی حفاظت کی ذمہ داری

ڈالی گئی تھی اور وہ اس پر مگران تھے یعنی دیکھتے تھے کہ اس کتاب پر عمل ہوتا ہے یا نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد آنوالے رسل انکے لئے بمنزلہ خلفاء کے تھے اور انہیں نبی اور غیر نبی دونوں شامل تھے۔ اور سورۃ النور کی مندرجہ بالا آیت کے مطابق جس قسم کے خلفاء (نبی اسرائیل میں آئے ویسے ہی) یعنی مامور اور غیر مامور دونوں قسم کے خلفاء کا امت محمدیہ میں آنا مقدر تھا۔ لیکن ہماری اس کتاب کا تعلق چونکہ مہدی موعود سے ہے جو مَا مُوْرَمِنَ اللّٰہ تھے اور مامور کا شمار ماموروں ہی میں ہو سکتا ہے اسلئے یہاں ہم حضرت موسیٰ کے بعد آنوالے صرف مامور خلیفوں ہی کا ذکر کریں گے۔

جیسا کہ کتاب نور الانوار ص ۵۹ پر بتایا گیا ہے خلفاء سلسلہ موسویہ سے خلفاء سلسلہ محمدیہ کی مطابقت حَدَّوَالْنُّعْلِ بِالنُّعْلِ مقدر تھی۔ اور سلسلہ موسویہ میں الہام الہی سے کھڑے کئے جانوالے یعنی مامور خلفاء بارہ تھے (وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا... المائدة ۱۳:۵) جو اسرائیلی تھے اور تیرھواں مسیح ابن مریم تھا جو باپ کی طرف سے حضرت موسیٰ کی قوم میں سے نہیں تھا۔ لیکن والدہ کی طرف سے اسکا حضرت موسیٰ کی قوم سے تعلق تھا۔ اسی طرح ضروری تھا کہ لفظ کما کی مناسبت سے جو اس آیت میں آیا حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بھی بارہ مامور خلیفے قریش میں سے ہوں اور تیرھواں یعنی مہدی مسعود المسعود کسی اور قوم میں سے ہوتا ہم والدہ کی طرف سے اس کا حضور کے ساتھ خون کا رشتہ بھی ہو اور جیسے مسیح عیسیٰ ابن مریم حضرت موسیٰ سے تیرہ سو سال بعد یعنی چودھویں صدی میں آئے تھے موعود ابن مریم بھی آنحضور سے تیرھویں نمبر پر آئے اور چودھویں صدی کا امام اور خلیفہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پہلے بارہ مجدد اور امام قریش میں سے ہوئے اور انکے بعد مسیح ابن مریم کا ظہور ہوا جو سورۃ الجمعہ کی آیت وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ میں مذکور پیشگوئی کی اس تشریح کے مطابق جو خود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی فارسی الاصل تھا لیکن اس کی بعض نانیاں اور دادیاں سادات میں سے بھی تھیں اور اس طرح اس کا آنحضور کے ساتھ خون کا رشتہ بھی تھا۔ پس اس آیت میں جو آیت استخلاف کے نام سے مشہور ہے حضرت مہدی کی پیشگوئی تھی۔ چنانچہ کئی علماء سلف نے بھی یہی فرمایا ہے دیکھیں کتاب امام مہدی کا ظہور صفحہ ۳۷۲ و ۳۷۳

بعض لوگ امت محمدیہ میں سلسلہ خلافت منتخبہ کو بھی برحق جانتے ہیں اور خلافت ماموریت کے بھی قائل ہیں لیکن جب عیسیٰ ابن مریم کا سوال آئے تو کہتے ہیں کہ اس سے مراد سابقہ عیسیٰ ہی کا آنا ہے لیکن حرف تشبیہ 'کما' جو اس آیت میں آیا ہے اس خیال کو رد کرتا ہے کیونکہ مشہ اور مشہ بہ ایک نہیں ہو سکتے۔ یہی لفظ کما آیت اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَهِدًا عَلَیْكُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا میں بھی آیا ہے جس طرح وہاں اس لفظ کا لایا جانا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حضرت موسیٰ کے عین ہیں بلکہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ انکے مشابہ ہیں اسی طرح یہاں اس لفظ کا لایا جانا بھی بتاتا ہے کہ خلفاء سلسلہ محمدیہ خلفاء سلسلہ موسویہ کے مشابہ ہو گئے نہ یہ کہ بعینہ وہی ہو گئے۔

پس یہ آیت قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ سابقہ عیسیٰ ابن مریم کا دوبارہ آنا عقد نہیں تھا بلکہ جیسا کہ منکم کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے ظاہر کرتا ہے آنیوالے نے امت محمدیہ ہی میں سے آنا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم کو سب سے زیادہ سمجھنے والے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی عیسیٰ کے آنے کی خبر دینے کے ساتھ واضح طور پر یہ بھی فرمادیا تھا کہ وَاَمَّا مُنْکُمْ مِنْکُمْ اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ پس جس طرح سلسلہ موسویہ کی ابتداء حضرت موسیٰ سے ہوئی جو ایک جلالی نبی تھے اور انتہا حضرت مسیح پر ہوئی جو ایک جمالی رنگ کے نبی تھے اور سلسلہ محمدیہ کی ابتدا بھی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوئی جو جلالی نبی تھے اسی طرح ضرور تھا کہ اس سلسلہ کی انتہا ایک جمالی رنگ کے نبی سے ہو جو مثیل مسیح ہو اور ان دو کے درمیان بارہ مامور خلیفے ہوں۔ اور جس طرح مسیح حضرت موسیٰ کے بعد چودھویں صدی کے سر پر آیا یہ بھی چودھویں صدی کے سر پر آئے اور یہ بھی ضروری تھا کہ جس طرح سلسلہ موسویہ کے علماء نے اپنے سلسلہ کے مسیح موعود کی مخالفت کی تھی سلسلہ محمدیہ کے علماء بھی اپنے مسیح موعود کی مخالفت کریں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ علماء سلف نے اسکی طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا (دیکھیں امام مہدی کا ظہور مصنفہ قریشی محمد عبداللہ کاشمیری ۲۳۹:۲۴۰)

=====

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور مہدی موعودؑ بحوالہ سورۃ یسؑ

ایک حدیث ہے اِقْرَؤْا عَلٰی مَوْتُکُمْ یَسؑ (ابوداؤد) اپنے مرنیوالوں پر یسؑ پڑھا کرو۔ اس کی وجہ سے اُمت مسلمہ کا ہمیشہ یہ طریق رہا ہے کہ قریب المرگ عزیزوں کے پاس بیٹھ کر یہ سورۃ پڑھتے ہیں۔ بیشک اس ارشاد نبویؐ میں اسکی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور یقیناً اس سے مرنیوالوں کی تکلیف میں کمی بھی ہوتی ہے لیکن قرآن کریم تو عمل کے لئے ہے اور اس سورۃ میں روحانی مردوں کے احیاء کا ذکر بھی ہے اس لئے اصل نشاء اس حدیث کا یہی ہو سکتا تھا کہ جب مسلمان قوم مردہ کی طرح ہو جائے اسے اس سورۃ کے مضامین کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس سورۃ کا تعلق مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ سے بھی ہے۔ اس کے شروع میں ہے۔

یَسؑ (۲) وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ (۳) اِنَّکَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِیْنَ (۴)

ان آیات میں آنحضورؐ کو اے مرد کامل یا اے سردار کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اور پھر یہ کہا گیا ہے کہ قرآن حکیم اس بات پر گواہ ہے کہ تو مرسلین میں سے ہے۔ گویا یہ فرمایا ہے کہ تیری مثال اندھوں میں کا نا راجہ والی نہیں۔ تو عام انسانوں میں سے بہتر انسان نہیں بلکہ کاملین میں سے کامل ترین یعنی سید المرسلین ہے۔ اسکے بعد ہے۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۵)

صراط مستقیم پر۔

یہ الفاظ قرآن کریم میں یا خدا تعالیٰ کے لئے آئے ہیں یا آنحضرتؐ کے لئے دوسرے نبیوں کے لئے وَهَدٰیْنَهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کے الفاظ تو آئے ہیں۔ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کے الفاظ کہیں نہیں آئے۔ اس فرق سے آنحضورؐ کی فضیلت کا اظہار اور یہ بتانا مقصود ہے کہ آپؐ صراط مستقیم پر حاوی ہیں۔ یعنی اگرچہ ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے تو سب ہی رسول ہوئے ہیں مگر آپؐ ہادی تراش ہیں اور اس لئے سید المرسلین ہیں۔ گویا اس طرح آپؐ

کے مقام خَاتَمُ النَّبِيِّین کی جس کا ذکر اس سے پہلے سورۃ الاحزاب میں ہوا وضاحت فرمادی۔
آگے ہے:-

تَنْزِيلُ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (۶)

اسکا اتارا جانا عزیز و رحیم کی طرف سے ہے۔

لفظ تَنْزِيل میں تعدد کا مفہوم پایا جاتا ہے پس اس میں بتایا کہ آپؐ سے ہدایت پا کر ہادی بننے والے وجودوں (یعنی مجددین) کی صورت میں آپؐ کا اور قرآن کریم کا نزول بار بار ہوگا۔ اگلی آیات میں موجود الوقت لوگوں کے انکار کی وجہ بتائی کہ تیرا ڈرانا نہ ڈرانا ان کے لئے برابر ہے۔ جبکہ انذار صرف ان کو فائدہ دے سکتا ہے جو خدائے رحمن سے بالغیب ڈرتے ہیں۔ اس سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید وہ لوگ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اپنے اَحْيَاءِ مَوْتٰی کے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اسلئے اس کے بعد فرمایا:-

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَرَهُمْ وَكُلُّ

شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ (۱۳)

یقیناً ہم ہاں ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ (زندہ ہو کر) آگے بھیجیں گے اسے اور ان کے آثار کو لکھ لیں گے اور (یوں) ہم نے ہر چیز کو امام مبین (یعنی واقعات سے آگے چلنے والی اور ہر بات کو واضح کرنے والی ایک چیز) میں (پہلے سے) محفوظ کر رکھا ہے۔

مطلب یہ کہ اگرچہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے کہ وہ کیا کیا عمل کریں گے اور ہمارے پاس اس کا بھی ریکارڈ موجود ہے مگر ہم اسے تحریر میں اس وقت لائیں گے جب وہ عملاً وہ کام کر لیں گے یعنی مکافات کا عمل اس وقت سے شروع ہوگا۔

اس میں پہلے قَدْ مُوَا فرمایا ہے جو جملہ فعلیہ ہے جس سے ان کے ارادہ کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے بعد وَاثَرَهُم فرمایا ہے جس میں ارادہ کا دخل ضروری نہیں۔ پس اس میں بتایا کہ اگرچہ ان میں سے اکثر تو اچھے عمل ہی کریں گے (کہ روحانی زندگی پانے کا یہ طبعی نتیجہ ہے) مگر ان کے آثار ضروری نہیں کہ اچھے ہوں۔ مطلب یہ کہ ان کی آئندہ نفسیں بگڑ بھی سکتی ہیں۔ اس کے بعد ہے:-

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا
 الْمُرْسَلُونَ (۱۴) إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا
 فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ (۱۵)

اے رسول ان کے فائدہ کے لئے فلاں بستی والوں کی مثال بیان کر (یعنی
 انہیں وہ وقت یاد دلا) جب اس کی طرف ہمارے کئی رسول آئے
 (بالخصوص وہ وقت) جب ہم نے ان کی طرف دو کو بھیجا (جنہیں انہوں
 نے پہلے تو مان لیا) پھر (کچھ عرصہ گزرنے پر) وہ ان کو (بزبان قال
 یا حال) جھٹلانے لگے تو ہم نے ایک تیسرے (رسول) کے ساتھ ان کی
 مدد کی۔ سو انہوں نے کہا ہم تمہاری طرف (اللہ کے) بھیجے ہوئے
 (آئے) ہیں۔

ان آیات میں جو کچھ بیان ہوا ہے بعض نے اسے محض ایک تمثیل جانا ہے اور بعض نے
 اسے ایک امر واقعہ قرار دیا ہے۔ اگر اسکا اطلاق کسی ظاہری واقعہ پر ہو سکے تو پھر اس بیان کو تمثیل
 قرار دینا درست نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کے اطلاق میں اختلاف ہو سکتا ہے چنانچہ مختلف مفسرین نے
 اسے مختلف واقعات پر چسپاں کیا ہے مگر ان میں سے ہر اطلاق پر کوئی نہ کوئی اعتراض پڑتا ہے۔
 صرف ایک اطلاق ایسا ہے جس پر کوئی جائز اعتراض نہیں پڑتا مگر حیرت ہے کہ اسی کی طرف کسی
 کا ذہن نہیں گیا۔ نزول قرآن سے پہلے ایک ہی بستی میں دو ایسے رسولوں کا اکٹھے بھیجا جانا ثابت
 ہے جو سابقہ سب شرائع میں سے آخری شریعت اور بنا برائیں شریعت اسلامیہ کے قریب ترین
 آنیوالی شریعت کے اولین حامل تھے اور جن سے پہلے انکی طرح کوئی دو رسول کسی بستی کی طرف
 اکٹھے نہیں آئے تھے اور بنا برائیں انکا نام لئے بغیر قارئین کا ذہن انکی طرف جاسکتا ہے یعنی حضرت
 موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کا بھیجا جانا۔ اسی طرح جب ایک عرصہ بعد خود انکی امت اپنے عمل سے
 ان کی تکذیب کرنے لگ گئی تو انکی مدد کیلئے یعنی انکی شریعت کی تقویت کیلئے ایک تیسرے ایسے
 رسول کا بھیجا جانا بھی ثابت ہے جسکی طرف بغیر اس کا نام لئے ذہن جاسکتا ہے یعنی مسیح ناصرؑ کا
 بھیجا جانا اور چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمثیل موسیٰ تھے (کما فی قولہ تعالیٰ اِنَّا اَرْسَلْنَا
 اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا) اور آپ کے اپنے

فرمودہ کے مطابق آپؐ کی اُمت پر اُمتِ موسویہ کے سے حالات آنیوالے تھے اسلئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ **وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا** میں اسی واقعہ کو بطور مثال پیش کرنے کو کہا گیا تھا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں **اَلْاٰمِنِيْنَ** سے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور ثالث سے حضرت مسیح ناصریؑ مراد ہیں اور **فَكَذَّبُوهُمَا** میں اس بستی والوں کی تکذیب کا ذکر ہے جس کی طرف **اَوَّلَ الَّذِيْنَ** دو بھیجے گئے تو چونکہ انکے اپنے زمانہ کے بنی اسرائیل کیلئے تو وہ دونوں فرعون اور فرعونوں سے نجات دلانیوالے تھے اور وہ ان دونوں پر ایمان لے آئے تھے اسلئے اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انکی تکذیب سے وہ تکذیب مراد نہیں جو فرعون اور انکی حکومت کے سرداروں نے ان نبیوں کی کی بلکہ وہ تکذیب مراد ہے جو ان دونوں نبیوں کے دنیا سے چلے جانے اور ایک لمبا عرصہ گزر جانے پر خود ان کی اُمت نے بزبان حال انکی کی تھی اور جسکے بعد ایک تیسرے رسول حضرت مسیحؑ کی ضرورت پڑی تھی۔ اس موقع پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ تو اس بستی میں نہیں آئے تھے جس میں حضرت موسیٰؑ اور ہارون علیہما السلام آئے تھے پھر ثالث سے وہ کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تیسرے رسول کا اسی بستی میں آنا ہرگز بیان نہیں ہوا صرف یہ بیان ہوا ہے کہ اسے بھیج کر پہلے دو (کے مشن) کو تقویت دی گئی اور یہ بات کسی اور بستی میں مبعوث ہونیوالے سے بھی حاصل ہو سکتی تھی اور عملاً ہوئی بھی۔

دوسرا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے بعد تو سلسلہ موسویہ میں پے در پے رسول آئے پھر ان سب کو چھوڑ کر ایک اور آخری رسول کا ذکر کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات سے سلسلہ موسویہ کے رسولوں کی تاریخ کا بیان مقصود نہیں تھا ایک پیشگوئی کرنا مقصود تھا اسلئے صرف وہ بات کہی گئی جو مسلمانوں کو پیش آنیوالی تھی۔ اس کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں ہو سکتا کہ یہ مثال یہاں کس غرض سے بیان کی گئی ہے؟ جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا۔ آیت **اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتٰی** میں جہاں روحانی مردوں کے اُخیا کا ذکر تھا وہاں یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ انکی آئندہ نسلوں کے بگڑ جانے کا امکان بھی ہے۔ اس پر ایک سوال یہ ہو سکتا تھا کہ صدیوں کے مرے ہوؤں کے (جو اسوقت موجود تھے) احیاء کا کام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے تنہا کیسے ہوگا۔ زیرِ نظر مثال بیان کر کے خدا تعالیٰ نے اس کا جواب دیا یعنی (اگرچہ آنحضورؐ اکیلے بھی اس مقصد میں کامیاب ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے لیکن) ظاہر بین

سائل کی تسلی کے لئے یہ بتایا کہ دیکھو آپ اکیلے نہیں ہیں بلکہ جس طرح ہم نے موسیٰ کو (جن کے آپؐ مثل ہیں) شروع ہی سے ایک ساتھی (ہارون) دے دیا تھا اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی شروع ہی سے ایک ساتھی (ابوبکرؓ) دے دیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے مقابل پر ایک زبردست اور جابر بادشاہ تھا مگر وہ "اِثْنَيْنِ" پھر بھی اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اسی لئے تاکہ ان دونوں کو ہماری معیت حاصل تھی (قَالَ لَا تَخَافَا اِنِّي مَعَكُمَا۔ طہ: ۲۰) پھر یہ اِثْنَيْنِ جن کا ذکر ثانی اِثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ میں ہے اور جو ازل الذاکر پر فضیلت رکھتے ہیں کیوں کامیاب نہ ہوں گے۔ سورہ طہ کے ان الفاظ کا جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو کہے اور لَا تَحْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے الفاظ کا جو آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہے فرق موخر لا کر اِثْنَيْنِ کی فوقیت ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ خوف کا لفظ مستقبل کے لئے آتا ہے اور حزن کا لفظ ماضیات کیلئے۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کو خوف تھا (اور جیسا کہ سورہ طہ آیت ۴۶ سے واضح ہے یہ خوف دشمن کا تھا اور اسکے انکا پیچھا کرنے سے بھی پہلے ہی سے لاحق تھا) جبکہ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ میں سے کسی کو بھی دشمن کے سر پر آپیچنے کے باوجود اس کا کوئی خوف نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو بھی صرف ماضیات کا غم تھا یعنی اس وقت کو اپنا (نہ کہ آنحضرتؐ کا جنہیں واللّٰہ یفصمک من الناس کا وعدہ مل چکا تھا اور اسکی سچائی کا آنحضرتؐ ہی کو نہیں ان کو بھی یقین تھا۔ آخری) وقت خیال کر کے یہ غم تھا کہ وہ آنحضورؐ اور اسلام کی وہ خدمت بجا نہیں لاسکے جو انکو بجا لانی چاہیے تھی۔ جو کہ ہر کہ عارف تراست ترساں تر کے مطابق اور قابل ستائش فعل تھا جیسی آنحضرتؐ کی زبان سے خدا تعالیٰ نے انکو یہ کہلوا یا کہ "لَا تَحْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" ابوبکرؓ غم نہ کر اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ وہ ہمیں محفوظ رکھے گا اور نہ صرف مجھے بلکہ تجھے بھی اور خدمات کی توفیق دے گا۔

دوسرا سوال آیت اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتٰی پر یہ ہو سکتا تھا کہ جن باتوں کو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی زیر ہدایت گناہ سمجھ کر ترک کر دیں گے انہیں وہ دوبارہ کیسے کرنے لگ جائیں گے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ان سے ان باتوں کا ارتکاب اسی طرح ہو گا جس طرح حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ علیہما السلام کے بعد ان کے ماننے والوں سے ہوا۔ یعنی جس طرح مسیح نامریٰ کا زمانہ آنے تک وہ ان دونوں کے اتنے نافرمان ہو چکے تھے کہ گویا انکے مکذّب ہو گئے تھے یہی

حال اُسے محمدیہ کا ہو جائیگا۔ چنانچہ آثار میں آتا ہے کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کا یہ حال ہو جائیگا کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس بھی دوبارہ تشریف لے آویں تو وہ آپ کا انکار کر دیں گے۔ (تاریخ احمدیت جلد ۳ ص ۱۹۸) تیسرا سوال یہ ہو سکتا تھا کہ اگر انکا حال ایسا خراب ہو گیا تو ان لوگوں کی اصلاح کا کیا سامان کیا جائیگا؟ اس کا جواب یہ دیا کہ جس طرح قوم موسیٰ کی اصلاح کے لئے انہی کی قوم میں سے مسیح ناصری کو بھیجا گیا تھا اسی طرح ان کی اصلاح کے لئے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد قریباً اتنا ہی زمانہ گزرنے پر جتنا حضرت موسیٰ اور مسیح ناصری کے درمیان گزرا ان میں سے ایک شخص کو مسیح رسول بنا کر بھیجا جائیگا اور جیسے فَقَالُوا اِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ میں جمع کا مینہ ظاہر کر رہا ہے وہ رسول مسیح ہی کا نہیں باقی تمام رسولوں کا نام بھی پا کر آئے گا۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ سورۃ الجمعہ کی آیت وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ کے مطابق اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کا جو جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں بروز ہونا تھا چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی اور آپ کو صرف مسیح موعود ہی قرار نہیں دیا گیا بلکہ الہاماً جَرِّئِ اللّٰہِ فِی حُلْلِ الْأَنْبِیَاءِ بھی ٹھہرایا گیا۔

اگلی آیات میں ان رسولوں کی دعوے پر ان کے مخاطبین کے ردِ عمل کا اور اس جواب کا جو اپنے اپنے وقت میں ان رسولوں نے ان کو دیا ذکر ہے اور اسکے بعد فرمایا گیا ہے کہ:-

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يُّسْعَىٰ قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا
الْمُرْسَلِينَ (۲۱) اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ
مُهْتَدُونَ (۲۲)

اور مدینہ کے دور سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے میری قوم رسولوں کی اتباع کرو۔ (ہاں) ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ (خدا تعالیٰ کی طرف سے) ہدایت دیئے جاتے ہیں۔

اوپر بیان ہونوالی مثال میں ایک بستی والوں کی طرف پہلے دو رسولوں حضرت موسیٰ و ہارون کے جن کے لئے اُٹھین کا لفظ استعمال ہوا تھا بھیجے جانے کا اور پھر ان کی تعویذ کے لئے ایک تیسرے کے بھیجے جانے کا ذکر ہوا تھا ان کے بالمقابل مکہ والوں یا اُسے مسلمہ کی طرف بھیجے جانے والے دو کی نشان دہی تو کچھ مشکل نہیں تھی کہ خدا تعالیٰ نے خود حضرت محمد ﷺ اور حضرت

ابو بکر کے لئے اثنین کا لفظ استعمال کر کے بات کھول دی تھی لیکن تیسرے یعنی حضرت مسیح ناصری کے مقابل پر آنوالے رسول کی نشان دہی کی ضرورت تھی اس کے لئے زیر نظر آیات لائی گئیں۔

اقصے کے معنی بعید یعنی بہت دور کے ہیں وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا کے الفاظ مکہ والوں کے لئے فرمائے گئے تھے اور جب مکہ کے ساتھ مدینہ کا ذکر آئے تو اس سے لاحالہ مدینۃ النبی ہی مراد لیا جائیگا۔ پس وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ یُسْعٰی فرما کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ وہ رسول (مسیح موعود) مدینۃ النبی سے بہت دور کے مقام سے مبعوث ہوگا یعنی وہ عجمی ہوگا اور زمین ہی سے کھڑا کیا جائیگا آسمان سے نہیں اترے گا (اسی کی وضاحت کیلئے اس جگہ جَاءَ کا لفظ ہے ورنہ رسولوں کیلئے نزول کا لفظ کئی جگہ آیا ہے) چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا۔ علاوہ ازیں اس موعود کیلئے رجُل کا لفظ رکھ کر بتایا کہ وہ خدا کا بیٹا نہیں ہوگا بلکہ خدا کا بندہ ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ قوتِ رجولیت رکھنے والا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس کا ثبوت اولاد ہی کے ذریعہ مل سکتا ہے۔ پس اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وہ شادی کرے گا اور اس کی اولاد ہوگی (چنانچہ مہدی مسعود المسیح الموعود کے بارہ میں آنحضرتؐ نے بھی فرمایا یَتَزَوَّجُ وَیُوَلِّدُ لَهُ وہ شادی کرے گا اور اس کی اولاد ہوگی) اور یہ دو باتیں بتا کر خدا تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ خود مسیح ناصری نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں اس میں یہ بھی بتایا کہ وہ زبان نبوی سے ہونے والی اس پیشگوئی کا مصداق ہوگا جو آپؐ نے سورۃ الجمعہ کی آیت وَآخَرِیْنَ مِنْهُمْ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ ایں الفاظ فرمائی تھی کہ لَوْ كَانَ الْإِیْمَانُ مُعْلَقًا بِالْأَنْبِیَاءِ لَنَالَ رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ مِنْ هَؤُلَاءِ (اے من انباء فارس)۔

=====

مہدی موعود اس وقت آئے گا جب کشتی اسلام خطرہ میں ہوگی اور

مسلمان بحر عصیاں میں ڈوب جانے کے قریب ہوں گے

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ کے بعد یُسْعٰی کا لفظ ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دوڑتا ہوا آئیگا۔ دوڑ کر انسان اس وقت آتا ہے جب کوئی ہنگامی صورت درپیش ہو۔ نبی چونکہ روحانی طور پر ڈوبنے والوں کے بچانے کے لئے آتا ہے اس لئے یہ لفظ رکھ کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ایسے

وقت میں آئیگا کہ اُمتِ مسلمہ کی ایمانی حالت نہایت درجہ خطرہ میں ہوگی اور قریب ہوگا کہ وہ بحرِ عسایاں میں ڈوب جائے اور اس کے لئے کسی سیاح کی ضرورت ہوگی چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادریانی مسیح موعود و مہدی مسعود نے خود فرمایا ہے۔

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اے ناخدا
آگیا اس قوم پر وقتِ خزاں اندر بہار

نیز فرمایا:-

یا اہلِ فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی سن لے اب پکار

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ السجدۃ میں خبر دی گئی تھی کہ اسلام دنیا میں قائم ہوگا اور پھر آسمان کی طرف اٹھنا شروع ہو جائیگا اور یہ عمل ہزار سال تک جاری رہیگا یعنی اٹھنے کے آغاز سے جو پہلی تین صدیوں کے آخر میں ہونے والا تھا ہزارواں سال اس عمل کا آخری سال ہوگا چنانچہ ادھر یہ ہزارواں سال پورا ہوا اور اُدھر موعود رَجُلٌ یُسْعٰی حضرت مہدی نے ظہور فرمایا کیونکہ آپ کا دعویٰ ٹھیک ۱۳۰۰ھ کا ہے۔ گویا وعدہ الہی میں ایک دن کا تحلف بھی نہیں ہوا۔

=====

مہدی موعود بہت تیز رفتار ہوگا

لفظ یُسْعٰی میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وہ بہت تیز رفتار ہوگا اور اپنی مختصر سی زندگی میں اسلام کے لئے عظیم الشان کام کر جائیگا۔ چنانچہ آپ نے اپنی مختصر زندگی میں کشتی اسلام کو ڈوبنے ہی سے نہیں بچایا بلکہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کی مضبوط بنیادیں بھی رکھ دیں۔

اس آیت میں جو یہ کہا گیا کہ وہ آکر اَتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ کہے گا یعنی رسولوں کی اتباع کی طرف بلائے گا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ اس مثال میں مذکور ”ثالٹ“ یعنی مسیح ناصری صرف اُمتِ موسویہ کی طرف مبعوث ہوا تھا مگر اُمتِ محمدیہ میں آنے والا تیسرا رسول جسے رَجُلٌ یُسْعٰی کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوگا۔ اسکی بعثت کا مقصد تمام انبیاء کی صداقت کا قیام ہوگا اور وہ تمام نبیوں کا نام پا کر آئیگا جس کی وجہ

سے اس کی اتباع تمام رسولوں کی اتباع ہوگی اور آخر میں اَتَّبِعُوا مَن لَّا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ کے الفاظ لا کر بتایا کہ رسولوں کی دعوت کسی ذاتی غرض سے نہیں ہوتی طبعی جوش سے یعنی اِنِّسَاء ذِي الْقُرْبَىٰ کے طور پر ہوتی ہے اور اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس کام پر مامور کیئے جاتے ہیں اور میں بھی اسی جذبہ سے اور اسی بناء پر تم کو اس کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ چنانچہ جہاں اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعودؑ کو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام میں ”جَرِي السَّالَةِ فِي حُلِّي الْأَنْبِيَاء“ قرار دیا وہاں آپؑ نے واضح طور پر بتا دیا کہ آپؑ کی دعوت کا اصل محرک لوگوں کی سچی ہمدردی ہے۔ دیکھیں صفحہ ۲۸۲ آگے ہے۔

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (۲۳)

اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم نے لوٹایا جانا ہے۔

اس آیت کو سمجھنے کے لئے دو باتوں کا مد نظر رکھنا ضروری ہے پہلی بات یہ ہے کہ فطر کے معنی ابتداء کرنے کے ہوتے ہیں انسان کی ابتداء رحم مادر میں نہیں ہوئی حضرت آدم سے بلکہ اس سے بھی پہلے سے ہوئی ہے اور خواص کے متعلق تو خاص ارادہ الہی ابتداء آفرینش سے تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کو ہونے والے ارشاد ربانی لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ سے اور آنحضرت ﷺ کے اس قول سے کہ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي کے الفاظ سے ظاہر ہے اور یہی الہام لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ حضور کی نیابت میں حضرت مسیح موعودؑ کو بھی ہوا لہذا الَّذِي فَطَرَنِي کہنے سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ جو کام میں کر رہا ہوں خدا تعالیٰ نے یہ کائنات پیدا کرنے سے پہلے یہ ارادہ کیا ہوا تھا کہ اس کے لئے مجھے پیدا کرے گا پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں اس کام سے باز آجاؤں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کا قول یہ نہیں کہ مجھے کیا ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت نہ کروں جس کی طرف ”میں نے“ لوٹ کر جانا ہے بلکہ یہ ہے کہ مجھے کیا ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت نہ کروں جس کی طرف ”تم نے“ لوٹ کر جانا ہے جس سے ظاہر ہے کہ عبادت سے اس کی مراد انذار و تبشیر کا وہ کام ہوگا جو اپنی قوم کی نجات کے لئے وہ بجا لائے گا صرف نمازیں اس

سے مراد نہیں اگرچہ نمازیں بھی جن کی اصل (بمطابق حدیث نبوی اَلدَّعَاءُ مُخِ الْعِبَادَةِ) دعا ہے اس میں شامل ہیں مگر اس قول کو ایسے موقع پر رکھ کر جہاں اس کا مقدم مفہوم انذار و تبشیر ہے نہ کہ نمازیں یہ بتایا کہ ”اس کی نمازوں سے اس کے کام افضل ہوں گے“ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا ”تیری نمازوں سے تیرے کام افضل ہیں“

بہر حال اس میں بتایا کہ اس کی قوم اسے انذار و تبشیر سے روکنا چاہیگی مگر وہ اس سے رکے گا نہیں اور کہے گا کہ اس بات کا فیصلہ تو خدا تعالیٰ ابتدائے آفرینش سے کر چکا ہے کہ وہ مجھے پیدا کریگا اور یہ کام میرے ذمہ لگا دیا پھر میں اس سے کیسے رک سکتا ہوں۔

یہ کہنے کی بجائے کہ مجھے کیا ہے کہ میں خدا کی عبادت نہ بجالادوں (یعنی یہ کام نہ کروں) جس کی طرف میں نے لوٹ کر جانا ہے جو وہ یہ کہے گا کہ جس کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے تو اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ ثواب و عذاب کے خیال سے بالا ہو کر دلی ہمدردی کے جوش سے یہ کام بجالائے گا چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق نے فرمایا:-

”میں.... یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے۔ پس میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں.... اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں بلکہ تکلیف اور دکھ ہوگا تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رک نہیں سکتا۔“ (ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۳۷۰)

فرمایا وہ کہے گا:-

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُونِ الْهَةِ اِنْ يُّرَدِّنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِي
عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ (۲۴) اِنِّیْ اِذَا لَفِیْ
ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۲۵)

اگر میں تلخ کا فرض ادا نہ کروں تو تمہارے ڈر سے یا کسی نفع کی لالچ ہی میں ہو سکتا ہے مگر اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ میں نے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لیا ہے اس کا نتیجہ ظاہر

ہے کہ خدا تعالیٰ جس نے اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت مجھے دعوت الی اللہ پر مامور کیا ہے مجھ سے ناراض ہو جائیگا۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ میرے خود ساختہ معبود میرے کسی کام نہ آسکیں گے اور اس صورت میں میں کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا ہوں گا۔ اللہ کی جگہ جس کا لفظ رکھ کر بتایا کہ وہ یہ کہے گا کہ میری کسی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض موہبت کے طور پر خدا تعالیٰ نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق نے یہی کہا کہ ۔

یہ سرا سر فضل ہے تیرا کہ میں آیا پسند

ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

فرمایا وہ کہے گا:-

إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ (۲۶)

میں نے تمہارے رب کا کہا مانا ہے پس تم میری سنو۔

یعنی میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا جو حکم ہے اور حکم بھی تمہارے رب کا وہ کہتا ہوں اس لئے تمہیں چاہیے کہ تم میرا کہا مانو بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ کہے گا کہ جو میں کہتا ہوں وہ میں نہیں کہتا بلکہ خدا کہتا ہے (اس پر اعتراض ہے تو اسے کہو) مگر یہ نہ بھولنا کہ وہ تمہارا رب ہے اسے ماننے ہی میں تمہارا بھلا ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق نے اپنے معترضین کو کہا:-

ما موم و مراچہ درایں کار اختیار

رؤ ایں خن بگو بخداوند آمرم

فرمایا:-

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ (۲۷)

غَفَرْلِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ (۲۸)

اسے کہا جائیگا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا کاش میری قوم جانتی

کہ میرے رب نے میری کمزوریوں کو ڈھانپ دیا ہے اور مجھے

مکرمین میں شامل کیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا پیغام ماننے کی بجائے لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور اس

کے بعد اسے یہ الفاظ کہے گئے لیکن جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؒ نے فرمایا یہ امر ”قرآن سے

ثابت نہیں ہوتا“ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب وہ اپنا کام ختم کر چکا اور اس کا اس جہاں سے رخصت ہونے کا وقت آیا اس وقت اسے یہ کہا گیا یعنی کہا جائے گا لیکن اس کا تعلق صرف آخرت سے سمجھا جائے تو یہ بے ثبوت بات ہوگی۔ اصل میں جنت وہ مقام ہے جہاں انسان کی دلی آرزوئیں پوری کی جائیں گی جیسا کہ ارشادِ ربّانی وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ... اللہ اس پر دال ہے اور جنہیں خدا تعالیٰ ہدایت کے لئے مامور فرماتا ہے ان کی بڑی آرزو بھی یہی ہوتی ہے کہ خدا کی توحید قائم ہو جائے اور لوگ ہدایت پا جائیں چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مامور ہونے پر فرمایا:-

”میرا اس درد سے یہ حال ہے کہ اگر دوسرے لوگ بہشت چاہتے ہیں تو میرا بہشت یہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس شرک سے انسانوں کو رہائی پاتے اور خدا کا جلال ظاہر ہوتے دیکھ لوں۔“

(تبلیغ رسالت جلد ششم ص ۷۲ تا ۷۱)

پس یہاں اسی کا ذکر ہے اور اس بات کو کہ وہ اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوگا اور اپنی ساری مرادیں پائے گا اور ان کے عملاً پالنے سے پہلے اسے اسکی بشارت دی جائے گی بہ اس الفاظ بیان کیا گیا کہ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کو الہام فرمایا گیا:-

”خدا تجھے بگلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔“

(تذکرہ ص ۲۱)

اور پھر ایسا ہی ہوا جس کا اعلان آپؐ نے بہ اس الفاظ فرمایا :-

ہر مطلب و مراد کہ می خواستم زغیب
ہر آرزو کہ بود بہ خاطر مُغْنِم

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کے مطابق آپؐ کو یہ الہام بھی ہوا:-

يَا اَحْمَدُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اے احمد تو اور تیرے ساتھی جنت میں رہو۔

یہ جو فرمایا کہ وہ کہے گا يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرْتُ لِي رَبِّي وَ جَعَلَنِي

مِنَ الْمُكْرَمِينَ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بشری کمزوریوں کے باوجود خدا تعالیٰ اسے

اسکے مشن میں کامیاب کریگا اور لوگ اسے قبول کریں گے اور اس کا نام عزت کے ساتھ لیا جائیگا۔
یہ باتیں بھی اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی المسیح الموعود کو
الہام ہوئیں اور خدا نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا :-

إِنِّي لَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ . (تذکرہ ص ۱۰۷)

اور اسی طرح فرمایا :-

سَاكِرْمُكَ اِكْرَامًا عَجَبِيًا . (تذکرہ ص ۳۰۷)

یہ دوسرا الہام آپ کو کئی بار ہوا اور اکثر اس کے ساتھ کامیابی کی بشارتیں
بھی دی گئیں۔

آپ اکثر بیمار رہتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے آپ کی اس کمزوری کو ڈھانپا اور آپ کو
کامیابی پر کامیابی دی۔ آپ اکیلے تھے خدا نے آپ کو لاکھوں لاکھ کی نہایت مخلص اور فدائی
جماعت دی۔ ایک وقت تھا کہ آپ بچے کچھ کلوڑوں پر پلتے تھے اور اب وہ وقت ہے کہ لاکھوں
انسان آپ کے لنگر سے مفت کھاتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ایک ایک آنہ چندہ دینے والوں کا نام
آپ نے اپنی کتابوں میں شائع کیا اور اب وہ وقت ہے کہ ایک ایک فحش کڑوڑوں چندہ دیکر
اسے خوش قسمتی خیال کرتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ آپ کو اپنی کتب کی اشاعت کے لئے بار بار چندہ
کی اپیل کرنا پڑتی تھی اور اب وہ وقت ہے کہ آپ کے غلام دنیا کی بہت سی زبانوں میں آپ کی
کتب کے اور قرآن کریم کے تراجم شائع کروا رہے ہیں اور اسی طرح بے انداز دوسرا لٹریچر حیار
کر کے شائع کر رہے ہیں۔ رہا اکرام کا معاملہ تو اصل اکرام تو وہ ہے جو دل سے ہو۔ بعض لوگوں
کے سامنے لوگ جھک کر پیش آتے ہیں مگر پیٹھ موڑتے ہیں گالی دے دیتے ہیں مگر آپ کا نام
آپ کے لاکھوں مخلصین گھر کی خلوتوں میں بھی لیتے ہیں تو علیہ السلام کہے بغیر نہیں لیتے۔ رہا
خدا کے حضور اکرام تو اس کے تو کہنے ہی کیا۔ خدا نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا اَنْتَ مِنْنِي وَاَنَا
مِنْكَ. اَنْتَ مِنْنِي بِمَنْزِلَةٍ وَلَدَيْ. اَنْتَ مِنْنِي بِمَنْزِلَةٍ لَا يَعْلَمُهُ الْخَلْقُ. اَنْتَ وَجِيهٌ
لِيْ حَضْرَتِيْ. اَنْتَ مِنْنِي بِمَنْزِلَةٍ تَوْحِيْدِيْ وَتَفْرِيدِيْ تو مجھ سے اور میں تجھ سے
ہوں۔ تو مجھ سے بمنزلہ میرے ولد کے ہے۔ تو میرے ہاں وہ منزلت رکھتا ہے جسے مخلوق نہیں
جانتی۔ تو میری جناب میں وجیہ ہے۔ تو مجھ سے بمنزلہ میرے توحید اور تفرید کے ہے۔

آیت قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کے بعد ہے:-

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا
كُنَّا مُنْزِلِينَ (۲۹)

اور اس کے بعد ہم اس کی قوم پر آسمان سے لشکر نہیں اتاریں گے اور نہ
ہی ہم (لشکر) اتارا کرتے ہیں۔

سورۃ النور کی آیات ۲۶ اور ۳۰ اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۰ سے آسمانی جنود کا بھیجا جانا
ثابت ہے اس لئے یہ مطلب تو اس آیت کا نہیں ہو سکتا کہ آسمان سے لشکروں کا اتارنا سنت اللہ
کے خلاف ہے بلکہ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کا کام پورا ہو جانے کے بعد آسمان سے
لشکروں کا بھیجنا سنت اللہ کے خلاف ہے اس لئے اس کے (آکر چلے جانے کے) بعد خدا تعالیٰ
لشکر نہیں بھیجے گا۔

دراصل کثرت کے ساتھ نزول ملائکہ صرف نبی کے وقت میں اور اس کے مشن کے
کامیاب ہو جانے تک ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ القدر سے صاف ظاہر ہے چنانچہ سورۃ التوبہ اور سورۃ
الاحزاب کی محولہ بالا آیتوں میں جس نزول ملائکہ کا ذکر ہے اس کا تعلق حضرت نبی کریم ﷺ کے
حین حیات سے ہے۔ لہذا اس آیت سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ
رَجُلٌ يَسْعَى میں جس رجل کا ذکر ہے وہ معمولی درجہ کا انسان نہیں ہوگا بلکہ خدا کا رسول ہو
گا۔ اس کے حین حیات میں بالخصوص اور اس کے مشن کو بنیادی کامیابی حاصل ہو جانے تک بالعموم
کثرت کے ساتھ نزول ملائکہ ہوگا مگر اس کے بعد یہ سلسلہ جاری نہیں رہیگا۔ چنانچہ ہم ثابت کر
چکے ہیں کہ رجل مذکور سے مراد مسیح موعود المہدی المسعود ہے اور مسیح موعود کے متعلق مسلم کی حدیث
میں چار بار نبی اللہ کا لفظ آیا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح آپ کی زندگی میں دم
بدم اور کثرت کے ساتھ نزول کلام الہی اور نزول اخبار غیبیہ اور نزول ملائکہ ہوتا تھا اور جس طرح
قدم قدم پر اور ہر جہت سے نصرت الہی کے واضح نشانات ملتے تھے اگرچہ بہ اس وجہ کے آپ
کے خلفاء کا سلسلہ قائم ہے یہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہے اور انشاء اللہ کم از کم آپ کے مشن کو
پوری کامیابی حاصل ہونے تک ضرور چلتا رہے گا مگر اس کی وہ کیت اور کیفیت بہر حال نہیں رہی
جو آپ کے اپنے حین حیات میں تھی۔

مِنْ بَعْدِهِ سے مراد مِنْ بَعْدِ بَعْدِهِ کے ہوں اور جنود سے جنگ کرنے والے ملائکہ کا لشکر مراد ہو تو اس میں بتایا کہ اس کے مبعوث ہونے کے ساتھ دینی جنگوں کا خاتمہ ہو جائیگا کیونکہ جب تک مومنوں کے بالمقابل کفار کے لشکر نہ ہوں لشکروں کا اتارنا سنت اللہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں مسیح موعودؑ کے وقت کے بارہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ تَضَعُ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی اور آپؐ نے آکر خود بھی یہی فرمایا کہ مع دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر کفار کی تباہی کی کیا صورت ہوگی اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ (۳۰)

وہ ایک گرجدار آواز ہوگی سو اچانک ان کا شعلہ حیات خاموش ہو جائیگا۔

اس میں صَيْحَةٍ سے مراد کوئی بڑا زلزلہ بھی ہو سکتا ہے اور ایٹمی دھماکہ بھی فرمایا:-

يَحْضُرَةُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ

يَسْتَهْزِءُونَ (۳۱)

وائے حسرت لوگوں پر ان کی طرف (خدا کا) کوئی رسول نہیں آیا مگر وہ

اس سے استہزاء کرنے والے ہوئے ہیں۔

نبی کا انذار تو اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ سمجھ جائیں اور ہلاکت سے بچ جائیں مگر وہ ہمیشہ اس کی باتوں پر ہنسی اڑاتے ہیں۔ یہ آیت یہاں لا کر بالکل کھول دیا کہ اوپر جس رجلِ یسعی کا ذکر تھا وہ خدا کا رسول ہوگا۔

اگلی دو آیتوں میں اس کے زمانہ کے لوگوں کو سابقہ قوموں کا انجام دیکھ کر ہوش کے ناخن لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جس وقت نبی کی ضرورت ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ نبی بھیجتا ہے اس وقت لوگوں کا ایک طبقہ اپنی نشاۃ ثانیہ سے مایوس ہو چکا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جس قسم کی روحانی موت وہ مر چکے ہیں اس کے بعد ان کا احیاء ممکن ہی نہیں پس یہ بتانے کو کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ کے بعض لوگوں کا بھی یہی حال ہوگا اور نیز ان کے سمجھانے کو فرمایا:-

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ ۖ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا

فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ (۳۴) وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَ
 أَغْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ (۳۵) لِيَأْكُلُوا مِن
 ثَمَرِهِ ۖ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ (۳۶)

اور مردہ زمین میں ان کے لئے ایک نشان ہے۔ ہم نے (ہمیشہ) اسے
 زندہ کیا ہے اور اس میں سے غلہ نکالا ہے سو وہ اس میں سے کھاتے ہیں
 اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے ہیں اور اس میں
 چشمے پھوڑے ہیں تاکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے پھل کھائیں اور اپنی محنت
 کا پھل بھی کھائیں کیا وہ ہمارا شکر ادا نہیں کریں گے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم خدائے حکیم کا کلام ہے اس کا کوئی لفظ بلا ضرورت نہیں
 ہو سکتا۔ مردہ زمین کے زندہ کرنے کا ذکر آیت زیر نظر کے علاوہ البقرة: ۱۶۵-۱۶۶، النحل: ۶۶-۶۷،
 العنكبوت: ۲۹-۳۰، الزمر: ۳۰-۳۵، حتم السجدة ۳۱-۳۰، الجاثیہ ۲۵-۲۶، اور الحمد ۵۷-۱۸ میں آیا
 ہے مگر ان میں سے کسی بھی اور مقام پر یہ ذکر نہیں ہے کہ اسے زندہ کر کے اس میں سے فلاں
 فلاں چیز نکالتا ہے لہذا یہاں جو یہ ذکر کیا گیا ہے تو لازماً اس سے کوئی خاص اشارہ مقصود تھا۔ بات
 یہ ہے کہ یہاں مادی زمین کے احیاء کا ذکر کر کے قوموں کے انخلاء کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے اور
 قومیں جب زندہ ہوتی ہیں تو ان میں سے کار آمد انسان ہی نکلتے ہیں دانے اور درخت وغیرہ نہیں
 نکلتے لہذا جب قوموں پر چسپاں کریں گے تو ہمیں ان اجناس کا ذکر مجاز اور استعارہ کے رنگ میں
 لینا ہوگا۔ اس کی تائید حضرت مسیح موعودؑ کے خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۸۶ کی ایک عبارت سے ہوتی ہے جو
 یہ ہے کہ فَهَنَّاكَ تَسْتَقِطُ الْقُلُوبُ وَتَنْبُتُ الْحُبُوبُ بِهَذَا الْمَاءِ لَا بِنَارِ الْحَرْبِ
 وَتَسْفِكُ الدِّمَاءِ وَيُجَذِّبُ النَّاسُ بِجَذْبَةِ سَمَآوِيَّةٍ پس اس وقت دل جاگ جائیں
 گے اور دانے اس پانی سے اگیں گے نہ کہ جنگ کی آگ اور خونوں کے بہنے سے اور لوگ آسمانی
 کشش سے کھینچے جائیں گے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زمین کا اس طرح زندہ کیا جاتا تو ہمیشہ
 ہوتا ہے مگر یہاں مفارغ کی بجائے جس میں استمرار پایا جاتا ہے ماضی کے صیغے لائے گئے ہیں
 جو زمانہ گزشتہ کے علاوہ یقینی مستقبل کیلئے بھی آتے ہیں پس اس میں خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مذکور
 رُجُلٌ يَسْعَىٰ یعنی مسیح موعودؑ کے وقت میں وہ کچھ تو ایسے لوگ پیدا کرے گا جو ”حَبِّ“ یعنی

دانہ یا بیج کی مانند ہوں گے یعنی اگرچہ وہ بالکل معمولی حیثیت کے نظر آئیں گے (لوگ ان کے بارہ میں اَرَادُوا لَنَا بِادِي الرَّأْيِ - مود ۱۱: ۲۸ کہیں گے یعنی یہ کہیں گے کہ بادی النظر میں تو وہ ہم میں سے حقیر ترین لوگ ہیں) مگر جس طرح ایک ایک دانہ سے کئی کئی دانے پیدا ہو جاتے ہیں ان سے بھی آگے ان جیسے کئی اور وجود پیدا ہوں گے۔ گویا وہ داعی الی اللہ ہوں گے اور اپنی تبلیغ اور نیک نمونہ کے ذریعہ دوسروں کے لئے ہدایت کا موجب بنیں گے اور جس طرح غلہ غذا بن کر جسم کو قوت دیتا ہے وہ بھی قوم کے کام آکر اس کی تقویت کا ذریعہ بنیں گے۔ لیکن جس طرح بعض دانے نشوونما پانے سے پہلے یا تھوڑی سی نشوونما پا کر مر بھی جاتے ہیں اسی طرح ان میں سے چند ایک ہلاک بھی ہو گئے یعنی ٹھوکر بھی کھائیں گے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لانے والوں میں سے چند ایک جیسے میر عباس علی اور ڈاکٹر عبدالکیم وغیرہ تو شروع ہی میں گر گئے تھے اور بعض جیسے والد صاحب ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب وغیرہ کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہنے کے بعد مرتد ہو گئے تھے لیکن بہت بھاری اکثریت آپ کے ساتھ رہی اور اس نے اپنی تبلیغ اور نیک نمونہ کے ذریعہ ایک دنیا کو حلقہ بگوش احمدیت بنایا۔

یہاں حبوب کے لئے تو آخر جنا کا لفظ رکھا گیا ہے اور باغات کے لئے جعلنا کا اس میں بتایا کہ ان ہی بیجوں میں سے بعض آگے چل کر کھجور کی طرح قد آور شخصیتیں یعنی أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (ابریم ۱۴: ۲۵) کے مصداق ثابت ہو گئے اور دوسرے ایسے قد آور تو نہیں ہو گئے بلکہ انگوروں کی طرح انہیں خارجی سہارے کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے تاہم مناسب سہارا ملنے پر وہ بھی اس کے ہاتھ سے لگائے جانے والے باغ کی رونق، دوسروں کے لئے باعث تقویت و فرحت، اور جنتی لوگ ہوں گے (یہ استدلال اس سے ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو رویاء میں دکھایا گیا کہ ابوجہل کے لئے جنت کے انگوروں کا خوشہ آیا ہے جس سے مراد حضرت عمرؓ سے تھی جو اسلام لا کر عظیم الشان خدمات بجا لائے اور بالآخر جام شہادت نوش کر کے دنیا ہی میں اپنا جنتی ہونا ثابت کر گئے)۔

اسی طرح لَيْسَا كُلُّوْا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلْتُمْ اِيْدِيْهِمْ میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ ان سب اقسام کے لوگوں میں سے بعض تو بالکل خدا کی طرف سے آئیں گے اور بعض پر سخت محنت کرنا پڑے گی۔ چنانچہ بعض لوگ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الہام

يَنْصُرُكَ رَجُلًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ (تذکرہ صفحہ ۵۰)
 کے مطابق خدا کی اشارہ پا کر یعنی خاص مہمت الہی کے نتیجہ میں آئے اور بعض لمبی تبلیغی
 کوششوں کے نتیجہ میں حلقہ مجبوش احمدیت ہوئے۔

ادھر کی آیات میں آئندہ آنے والے نبی سے استہزاء کرنے والوں اور اپنی نشاۃ ثانیہ
 سے مایوس ہونے والوں کو ان کی غلطی پر متنبہ کیا گیا تھا اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بیان
 کیے گئے تھے مگر بعض لوگ ہٹ دھرم ہوتے ہیں کہ ایسی سب باتوں کو سن کر ان سنی کر دیتے ہیں
 اور یہ عذر لنگ پیش کرنے لگتے ہیں کہ آخر خدا کو نبی بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی اس لئے اس
 کے بعد فرمایا:-

سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِثُ الْاَرْضُ وَ
 مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۷)

پاک ہے وہ ذات جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیئے ہیں ان چیزوں
 کے بھی جو زمین اگاتی ہے اور لوگوں کی اپنی جنس میں سے بھی اور ان
 چیزوں میں سے بھی جن کو وہ جانتے تک نہیں۔

اس میں بتایا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے مادی عالم میں ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں
 اور یہ بات اس کی ذات میں کوئی کمزوری اور نقص ثابت نہیں کرتی اسی طرح اس نے روحانی عالم
 میں بھی جوڑے بنائے ہیں۔ اس کی تقدیر یہی ہے کہ کاروبار عالم جوڑوں سے چلتا ہے۔ نبی بمنزلہ
 زر کے ہوتا ہے اور قومیں بمنزلہ اثاث کے اور ان کے جوڑے ہی سے روحانی کاروبار چلتا ہے اس کے
 بغیر نہیں چل سکتا۔

جب ادھر کی آیات میں آئندہ ایک نبی کے آنے کا اشارہ کیا گیا اور ضرورت نبوت کے
 دلائل دیئے گئے تو اس پر لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اور نبی
 کی ضرورت ہو سکتی ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

وَ اَيُّهُ لَهْمُ الْاَيُّلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ (۳۸)

(آئندہ نبی کی ضرورت پر)

رات ان کے لئے ایک نشان ہے ہم اس میں سے دن نکال لیتے ہیں تو

وہ یکا یک اندھیرے میں جا پڑتے ہیں۔

یہاں دن کو رات میں بدل دینے کا ذکر نہیں ہوا بلکہ رات میں سے دن کو نکال لینے اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کے اندھیرے میں جا پڑنے کا ذکر ہوا ہے۔ پس اس میں یہ بتایا کہ جس طرح شروع رات میں تو اس خطہ زمین میں روشنی رہتی ہے جس پر غروب سے پہلے سورج چمک رہا ہوتا ہے لیکن جب کچھ دیر ہو جائے اور دن پوری طرح رات میں سے نکل جائے تو لوگ گھپ اندھیروں میں جا پڑتے ہیں اسی طرح نبی کی رحلت کے بعد ہوتا ہے اور اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ہوگا۔ اس لئے لازماً اور نبی کی ضرورت پیش آئیگی۔

چونکہ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ختم ہو جائے گا اس لئے

اس کے بعد فرمایا:-

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَالِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ (۳۹)

(بے شک دن کے رات میں سے نکل جانے پر اندھیرا چھا جاتا ہے
لیکن) سورج اپنے مستقر کی طرف چلتا رہتا ہے۔ خدائے عزیز و علیم کی یہی
تقدیر ہے۔

مطلب یہ کہ جس طرح گردش آفتاب کا ایک منہا تو ہے، وہ اپنے مستقر کی طرف جاتا
رہا ہے لیکن جب تک دنیا ہے اس وقت تک اس کی گردش ختم ہونے والی نہیں ہے اسی طرح
خدائے عزیز و علیم کی تقدیر یہ ہے کہ آفتاب سَمَاءِ روحانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دور بھی
رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

=====

خلافتِ راشدہ کے بارہ میں عظیم الشان پیشگوئیاں

جو کچھ اوپر کہا گیا اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ کا دور آپؐ کے بعد کس طرح
جاری رہے گا یعنی آپؐ کی روشنی کس طرح ہمیشہ لوگوں تک پہنچتی رہے گی اس کا جواب دینے کو اور
اس کے ساتھ بہت سی اور باتیں بتانے کو فرمایا:-

وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ (۴۰)

اور چاند کے لئے ہم نے منازل مقرر کی ہیں (جن کو وہ پوری کرتا رہتا ہے) یہاں تک کہ کجور کے خوشے کے پیچھے رہ جانے والی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے (یا اس کی صورت بن کر عود کر آتا ہے)

اس آیت کو سمجھنے کے لئے چند باتوں کا مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ قمر تیسری رات سے بعد کے چاند کو کہتے ہیں۔ پہلی تین راتوں کا چاند ہلال کہلاتا ہے۔ مگر ہلال کے بغیر قمر کا وجود ممکن نہیں اس لئے اس آیت کا ایک مفہوم ہلال کے ذکر کو قمر کے ذکر میں شامل سمجھ کر لیا جائے گا۔ تاہم چونکہ اسے شروع بہر حال قمر کے لفظ سے کیا گیا ہے اس لئے اس کا ایک مفہوم ہلال کو اس سے باہر رکھ کر بھی لیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ چاند کی منازل مشہور و معروف ہیں اسلئے جب وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ فرمادیا گیا تو بظاہر اس کے بعد کچھ اور فرمانے کی ضرورت نہیں تھی لہذا اس کے بعد جو حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ کے الفاظ لائے گئے تو ضرور ہے کہ اس سے کوئی خاص غرض ہو۔ تیسری بات یہ ہے کہ لفظ عاد کے دو معنی ہیں۔ ایک عود کر آنے کے اور دوسرے صَارَ یعنی ہو جانے کے۔ چاند کا عود کر آنا ہمیشہ تکمیل منازل کے بعد ہوا کرتا ہے۔ اسلئے اگر عاد کے پہلے معنی مراد ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس چاند کا اس آیت میں ذکر ہے اس کے متعلق یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ اپنا ایک دور پورا کریگا اور اس کے بعد پھر نکلے گا مگر ساتھ ہی كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ فرما کر بتایا ہے کہ اس کا دوبارہ نکلنا قابلِ تعریف رنگ کا نہیں ہوگا۔

چونکہ پچھلی آیت میں مادی شمس کا ذکر کر کے روحانی شمس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ کیا گیا تھا اس لئے اگر ہلال کے ذکر کو قمر کے ذکر میں شامل سمجھا جائے تو ماننا پڑیگا کہ اس آیت میں جس چاند یعنی خلافت کا ذکر ہے اس سے وہ چاند یعنی خلافت مراد ہے جو آفتابِ سماء روحانیت کے غروب ہونے یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد طلوع ہونے والا تھا یعنی اس سے خلافتِ راشدہ کا چاند مراد ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس چاند کی ابتدا ہلال سے مشابہ ایک ایسے وجود سے ہوگی جس کا نام لئے بغیر اس کی طرف ذہن جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس کے دور میں محمد رسول اللہ ﷺ کا نور زیادہ نہیں پھیلے گا مگر آئندہ کی ترقیات بلکہ

خود خلافت کی بنیاد بھی اسی سے مستحکم ہوگی اور ہلال کی طرح اس چاند کا ظہور مسلمانوں کے لئے (ترقیات کی) عید کا پیغام لائے گا مگر یہ دور مختصر ہوگا اور ہلال کی طرح جس کی عمر تین راتوں سے زیادہ نہیں ہوتی تین سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گا۔ اور ہلال کا ذکر لفظوں میں نہ کر کے یہ اشارہ کیا کہ خلیفہ اولؓ محمد رسول اللہ ﷺ میں ایسے فنا ہو گئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے دور کو آنحضرتؐ کے دور سے الگ کر کے بیان کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اس کے بعد یہ چاند قمر بن کر یونہی بڑا اور روشن سے روشن تر ہوتا جائے گا اور پھر زوال پذیر ہوگا یہاں تک کہ چاند کی ہر رات کے مقابل پر ایک سال لے کر یعنی ۳۰ سال پورے ہونے تک غروب ہو جائے گا اور اس کے بعد ایک نئے چاند کی صورت میں پھر نکلے گا۔ مگر اس وقت یہ العرجون القدیم کے مشابہہ ہوگا یعنی اگرچہ کہلائے گا چاند یعنی خلافت ہی کا دور مگر اصل خلافت محمدیہ سے اس کی کوئی نسبت نہیں ہوگی کیونکہ اس کی حیثیت کعبور کے خوشے کے پیچھے رہ جانوالی خشک اور میڑھی شاخ بلکہ ایسی قدیم شاخ کی سی ہوگی جس میں اگر وہ اپنے درخت سے کٹ نہ گئی ہو تو ایک گونہ بلندی تو ہوتی ہے مگر نم ذرا سا بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ خلافت تیس سال ہوگی اور اس کے بعد ملکیت آجائے گی تو ہو سکتا ہے کہ اس آیت ہی سے استنباط کر کے فرمایا ہو۔

سبحان اللہ خلافت راشدہ کے بارہ میں کیسی شاندار اور عظیم پیشگوئیاں اس آیت میں کی گئیں جو لفظ بہ لفظ پوری ہوئیں۔ خلافتِ اُولیٰ کا دور ڈھائی سال رہا۔ گویا جیسا کہ بتایا گیا تھا اس کے عین مطابق تین سال کے اندر اندر ختم ہو گیا اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد اور حضرت عثمانؓ کے عہد کے ابتدائی سالوں میں اس چاند کی روشنی بڑھتے بڑھتے اپنے کمال کو پہنچی اور پھر زوال شروع ہوا یہاں تک کہ تیس سال پورے ہونے تک آخری خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور ختم ہو گیا اور اس کے بعد جو خلافت آئی اس کی حیثیت **الْعُرْجُونُ الْقَدِيمُ** سے (جو میڑھی ہوتی ہے اور جس میں نم نام کو بھی نہیں ہوتا مگر ایک گونہ بلندی بہر حال اسے حاصل ہوتی ہے) بڑھ کر نہیں تھی کیونکہ اس میں روحانیت تو ذرہ بھر بھی نہیں تھی مگر ایک گونہ بلندی اسے ضرور حاصل تھی کیونکہ وہ دراصل بادشاہت تھی۔ قرآن کریم کی یہ آیت اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ ۳۰ سال کے بعد جو چیز خلافت کے نام پر قائم ہوئی وہ خلافتِ راشدہ ہرگز نہیں تھی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے ملک کے ایک مصنف نے یزیدِ پلید کی خلافت کو بھی خلافت (کھٹہ) قرار دیا ہے اور

اس کے نام کے اوپر رحمۃ اللہ علیہ کا نشان (رح) ڈال کر اپنے لئے لعنۃ اللہ کو واجب کر لیا ہے
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وہ مصنف یہ کہتا ہے کہ یزید نے وہ کام نہیں کیا تھا مگر میں کہتا
 ہوں کہ اس نے وہ کام نہ کیا ہو پھر بھی کوئی ایسی بڑی بدی اس سے ضرور سرزد ہوئی تھی جو
 خدا تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اس کے نام پر ایک سیاہ دھبہ لگا دیا۔ پس اس ملعون کو مروج
 کہنا خود خدا کی لعنت کے نیچے آتا ہے۔

اس کے بعد جانا چاہیے کہ جب خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ آسمان روحانیت کے شمس
 حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا عہد نبوت رہتی دنیا تک رہے گا اور اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ
 خلافت راشدہ (بلافصل) کا دور تیس سال ہوگا اس سے آگے نہیں بڑھے گا تو چونکہ سورۃ الجمعہ میں
 آپؐ کے ایک اور بعث کی خبر بھی دی گئی تھی اس لئے ایک تو یہ سوال ہو سکتا تھا کہ کیا اس کے بعد
 آپؐ بنفس نفیس دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے؟ چنانچہ حضرت ایلیماء کے متعلق یہود کا اور
 حضرت مسیحؑ کے متعلق نصاریٰ کا بلکہ بہت سے مسلمانوں کا بھی ایسا ہی عقیدہ اب تک ہے۔ دوسرا
 سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر ایسا نہیں ہوگا تو پھر جو تاریکی دور خلافت کے ختم ہو جانے کے بعد جلد
 یا بدیر دنیا پر چھا جائے گی کیا وہ مستقل ہوگی یا عارضی اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الْبَلَدُ سَابِقُ
 النَّهَارِ وَلَا كُلُّ فَلَکٍ يُسْبَحُونَ (۴۱)

نہ سورج کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ پیچھے سے چاند کو آ لے اور نہ رات دن
 پر سبقت لے جا سکتی ہے اور تمام اجرام (فلکی) اپنے اپنے فلک (یعنی
 مدار) میں تیرتے رہتے ہیں۔

مطلب یہ کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس دوبارہ دنیا میں تشریف
 لے آئیں اور خلافت کی جگہ لے لیں اور نہ ایسا ہوگا کہ (دور خلافت کے بعد آنے والی) وہ رات
 (جس کی سورۃ الفجر میں خبر دی گئی ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے تین سو سال بعد شروع ہوگی اور
 ہزار سال تک رہے گی) دن پر سبقت لے جائے یعنی رات ہی چلتی رہے اور دوبارہ دن چڑھنے
 ہی نہ پائے۔

یہاں کُل کا لفظ رکھ کر بتایا کہ جس چاند کا یہاں ذکر ہے وہ کئی چاندوں پر مشتمل ہوگا

اور آسمان روحانیت میں ہر ایک کا اپنا اپنا مقام اور دائرہ عمل ہوگا۔

اب دیکھئے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ عہد نبوت محمد یہ رہتی دنیا تک رہے گا تاہم آپؐ بنفس نفیس دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپؐ کا نور آپؐ کے خلفاء کے ذریعہ جو اس شمس کے لئے بمنزلہ قمر کے ہوں گے دنیا میں پھیلے گا۔ دوسری طرف پہلے دور خلافت کے (جس کے متعلق بتایا گیا کہ وہ کئی چاندوں یعنی کئی خلفاء پر مشتمل ہوگا) صرف تین سال چلنے کی خبر دی جس کے بعد اندھیرے کا چھا جانا ضروری تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی دی کہ یہ رات ختم ہوگی اور دوبارہ بھی دن چڑھے گا جس کا تعلق آفتاب سے ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقدر یہ تھا کہ تاریکی کے موعودہ دس سو سالوں کے بعد ایک ایسا شخص آئے گا جس کی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے تو وہ نسبت ہوگی جو شمس کے ساتھ قمر کی ہوتی ہے یعنی وہ آپؐ کا خلیفہ ہوگا اور آپؐ ہی سے نور لے کر اسے دنیا میں پھیلانے کا لیکن دوسرے خلفاء کے بالمقابل وہ بمنزلہ شمس کے ہوگا یعنی خدا کا رسول ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی المسیح الموعود والہدی المسعود نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا اور یہ بھی فرمایا کہ۔

مے در خشم چوں خور و تابم چوں قرصِ ماہتاب

کور چشمِ آنا نکہ در انکار ہا افتادہ اند

چونکہ ہلال کا ذکر اس آیت میں لفظاً نہیں آیا اس لئے اگر قمر کے ذکر میں اس کے ذکر کو

شامل نہ سمجھا جائے تو پھر دیکھنا ہوگا کہ اس سے کون سی خلافت مراد ہے۔

جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے دوسرے مقام پر واضح کیا ہے سورۃ الفجر میں اسلام کے پہلے تین سالوں کی طرح اس کی پہلی تین صدیوں کو بھی فجر کا زمانہ قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد دس راتیں یعنی دس صدیاں تاریکی کی آئیں گی اور چونکہ چاند کا تعلق رات سے ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں اس آیت میں اس چاند کا ذکر مراد سمجھا جائے گا جو ان راتوں کے شروع ہونے پر قمر یعنی چوتھی رات کا ہو چکا تھا یعنی اس سے خلافتِ منتخبہ مراد نہیں ہوگی بلکہ وہ خلافت مراد ہوگی جس کا ذکر حدیث نبوی **إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَيَّ رَاسًا كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَلِّدُ لَهَا دِيْنَهَا** میں ہے یعنی اس سے خلافت ماموریت یعنی سلسلہ

مجددین مراد ہوگا۔ اس اعتبار سے اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ ان دس تاریک صدیوں کے گزر جانے یعنی ابتداء اسلام سے تیرہ سو سال گزرنے کے بعد جو مجدد آئے گا وہ دوسرے مجددین کے مقابل پر چودھویں رات کے چاند سے مشابہہ ہوگا اور سولہویں صدی کے آخر تک اس کے مشن کو پورا عروج حاصل ہو جائے گا کیونکہ اِتِّسَاقِ قُر کے لئے یہی قانون خداوندی ہے اور بمطابق آیت وَالْقَمَرِ اِذَا تَسَقَّى اس کا وعدہ بھی کیا گیا۔ آگے حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ کے الفاظ لا کر بتایا کہ اس کے بعد پھر خلافت راشدہ کے بعد کے دورِ ملوکیت کی طرح کا ایک دور آسکتا ہے۔ ”آئے گا“ کی بجائے ”آسکتا ہے“ کا لفظ ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ یہ ایک اندازی خبر ہے اور اندازی خبریں خدا تعالیٰ کو خوش کر لینے سے ٹل جایا کرتی ہیں۔ خدا کرے یہ اندازی خبر بھی ٹل ہی جائے۔

=====

سورة الطور سورة النجم اور سورة الرحمن میں ذکر المہدیؑ

سورة طور کے شروع میں بہت سی شہادتیں پیش کر کے آنحضرت ﷺ کو کہا گیا اے رسول تیرے رب کا عذاب یعنی وہ عذاب جو تیری یوما فیوما ترقی کا موجب بنے والا ہے آکر رہیگا۔ اور ظاہر ہے کہ آپؐ کی ترقی کے کمال کا مطلب غلبہ توحید تھا جو آپؐ کی زندگی کا اصل مقصد تھا اور غلبہ توحید اس بات کا متقاضی تھا کہ خواہ عذاب آنے کے بعد ہی ہو لیکن کفارِ مملہ بالآخر ایمان لے آئیں۔ گویا عذاب کی اس خبر میں انکے ایمان لانے کی بشارت بھی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کو طبعاً یہ خواہش ہونی تھی کہ اگر ان کا ایمان مشروط بہ عذاب ہے تو وہ عذاب جلد آئے۔ لیکن جیسا کہ ارشادِ ربّانی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (الانفال ۳۳:۸) اللہ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے جبکہ تو ان میں موجود ہو) سے ظاہر ہے آپؐ کے مملہ میں ہوتے ہوئے اسکا آنا ممکن نہیں تھا۔ اور بغیر اذن ہجرت کرنے سے آپؐ کو ابتدائی زمانہ کی ایک سورة (یعنی سورة القلم ۲۸:۴۹) کے الفاظ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْاُخُوتِ (اپنے رب کے حکم ہجرت کا ممبر کے ساتھ انتظار کر اور صاحبِ الموت یعنی یونسؑ کی طرح نہ بن) میں منع کیا جا چکا تھا۔ اسلئے جب اس عذاب کی خبر دی گئی تو کچھ

درمیان باتوں کے بعد (قرآن کریم کے عام طریق کے مطابق کہ وہ آخر سورۃ میں شروع سورۃ کے مضمون کی طرف ضرور عود کرتا ہے) اس سورۃ (الطور) کے آخر میں وہی سورۃ القلم والے الفاظ ”فَاَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ“ لاکر ایک تو اس حکم کی جو پہلے دیا جا چکا تھا یاد دہانی کرا دی اور اسکی تائید کر دی اور دوسرے یہ بتایا کہ حکم ہجرت بھی ضرور ہوگا اور اسکے ساتھ ہی ”فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا“ کے الفاظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ ہجرت کے سفر میں خطرات ہونگے لیکن اللہ آپ کی حفاظت فرمائیگا۔ اسکے بعد ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ (۴۹)

اے رسول جب تو (سفر ہجرت کے لئے) کھڑا ہو (یعنی جب اسکا عزم کر لے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح کر۔

جیسا کہ سورۃ النصر سے سمجھا جاسکتا ہے حمد کا نصرت الہی اور غلبہ دین کے ساتھ ایک تعلق خاص ہے اس لئے اس آیت میں دراصل یہ بتایا کہ سفر ہجرت آپ کی ترقیات کا موجب ہوگا اور اس کے نتیجہ میں آپ کے مشن کو یوں یوں ترقی و استحکام حاصل ہوگا۔ مگر اس وقت کے حالات میں اس پر دو سوال لائحہ عمل ہو سکتے تھے۔ کفار کی طرف سے یہ کہ اگر محمد (ﷺ) کا اکیلا خدا ان کے سینکڑوں خداؤں پر غالب آکر انہیں ترقیات اور غلبہ سے ہمکنار کر سکتا ہے تو اس وقت وہ شدید مصائب و مشکلات کے اندھیروں میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں کی طرف سے یہ کہ کیا اسلام کا وہ غلبہ جس کی طرف سابقہ آیات میں اشارہ ہے مستقل ہوگا یا نہیں اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ (۵۰)

اے رسول اس رات میں بھی اللہ کی تسبیح کر اور ان ستاروں کے پیٹھ پھیر لینے کے بعد بھی اس کی تسبیح کرنا۔

یعنی مذکورہ بالا میں سے پہلے سوال کا تو یہ جواب دیا کہ اے رسول مصائب و مشکلات کی جو رات اس وقت مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے یہ رات ابھی تاریکی میں اور بڑھے گی یہاں تک کہ النجوم یعنی تیرے صحابہ میں سے اکثر افق مکہ پر غروب ہو جائیں گے یعنی یہاں سے ہجرت کر جائیں گے اور تو قریباً اکیلا رہ جائے گا۔ مگر تجھے چاہیے کہ لوگوں پر واضح کر دے کہ نہ موجودہ

وقت تیرے رب کی کسی کمزوری کی وجہ سے یا اس وجہ سے ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہے اور نہ وہ وقت جب یہ تاریکی انتہا کو پہنچ جائے گی اس کی کمزوری یا احد نہ ہونے کی وجہ سے آئے گا۔ اور دوسرے سوال کے جواب میں یہ بتایا کہ اسلام کے موعود غلبہ کے بعد مسلمانوں پر پھر مصائب کی ایک رات آئے گی اور اس کی تاریکی بھی یوں یوں بڑھتی چلی جائے گی یہاں تک کہ النجوم یعنی علماء اور اولیاءِ امت میں سے کوئی دیکھنے کو نہیں ملے گا مگر اُس رات کا آنا اور اُس کی تاریکی کا انتہا کو پہنچ جانا بھی تیرے رب کی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس کا ثبوت اسی طرح مل سکتا تھا کہ اس کے بعد پھر سے اسلام پر ترقی کا دور آئے۔ پس اسی میں اسلام کے دوبارہ عروج کی پیشگوئی بھی مضمر تھی البتہ یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ عروج کیسے ہوگا چنانچہ اگلی سورۃ (النجم) میں اس کا جواب ہے۔

=====

سورۃ النجم میں مہدی موعود کا ذکر

اوپر کی آیت سورۃ طور کی آخری آیت ہے اس کے بعد سورۃ النجم آتی ہے اس کے شروع میں ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ (۲) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (۳)
وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (۴) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (۵)
میں شہدائے ستارہ کو جب وہ (معنوی طور پر) نیچے آجائیں اس امر کی شہادت کیلئے پیش کرتا ہوں کہ تمہارا ساتھی نہ رستہ بھولا ہے نہ گمراہ ہوا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے کلام کرتا ہے۔ بلکہ وہ (یعنی اس کا پیش کردہ کلام قرآن مجید) صرف خدا کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہے۔

لفظ ہَوَىٰ کے معنی کرنے یا نیچے جانے کے بھی ہیں اور ابھرنے یا اوپر آنے کے بھی ہیں۔ چونکہ سورۃ الطور کی آخری آیات کا تعلق آنحضرت ﷺ کے اپنے حین حیات سے بھی تھا اور آئندہ زمانہ سے بھی تھا اس لئے ان آیات کا تعلق بھی ان دونوں زمانوں سے ہے۔ پس ”النجم“ سے آنحضرت ﷺ بھی مراد ہیں اور اس اعتبار سے وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ میں یہ بتایا گیا کہ

ہجرت کے بعد ایک وقت آئیگا کہ یہ عظیم ستارہ اُفقِ مکہ پر پھر ابھرے گا اور جو اب قسم میں مذکور باتوں پر گواہ ہوگا لیکن اَللّٰل کا ذکر چونکہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ والی آیت کے یعنی اس آیت کے جس میں آنحضرت ﷺ کی آئندہ کی ترقیات کی بشارت تھی بعد آیا تھا اور بتا برائیں اس سے جس طرح ان آیات کے نزول کے وقت چھائی ہوئی رات کی طرف اشارہ تھا اسی طرح اسلام کے غلبہ کے بعد مسلمانوں پر آنوالا مصائب کا زمانہ بھی اس سے مراد ہو سکتا تھا اور اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا وہ زمانہ مستقل ہوگا یا اسلام دوبارہ بھی ترقی کرے گا؟ اس لئے اس کے بعد وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی فرمایا کہ اس وقت پھر ایک عظیم ستارہ آسمانِ روحانیت پر بلند ہوگا اور وہ جواب قسم میں مذکور اُمور پر گواہ ہوگا۔

چونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جسکے بھی پیچھے چلو گے ہدایت پا جاؤ گے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایسا شخص مبعوث کرے گا جو تجدیدِ دین کا کام کرے گا اس لئے وہ مجددِ دین بھی نجوم ہوئے اور پھر آپؐ نے ان مجددین کی تعداد ۱۲ بتائی ہے اور ان کے بعد آنے والے کو عیسیٰ بن مریم کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَہُ نَبِيٌّ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں یعنی میں نبی ہوں اور وہ بھی نبی ہوگا لیکن ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اس لئے موعود نبی النجم یعنی ان نجوم میں سے عظیم ترین نجم ہوگا۔

=====

مسح موعود چودھویں صدی کے سر پر آئیگا

پس ان معنوں کی رو سے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی میں مسح موعود کی پیشگوئی کی گئی اور بتایا گیا کہ پہلے بارہ صدیوں کے بارہ مجدد آئیں گے اور پھر وہ آئیگا۔ یعنی وہ چودھویں صدی کے سر پر آنوالا مجدد ہوگا۔ اور چونکہ النَّجْم سے مراد خود حضرت نبی کریم ﷺ بھی ہیں اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ اس موعود کا آنا ایک اعتبار سے خود محمد رسول اللہ ﷺ کا آنا ہوگا۔ یہی بات سورۃ الْجُمُعَةِ کی آیت وَاٰخِرُ نَبِیِّنَا مِنْہُمْ میں بھی بتائی گئی ہے جس کی تفصیل اس کتاب میں دوسری جگہ دی گئی ہے۔

چنانچہ سورۃ النجم کی بعض آیات یعنی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ. ثُمَّ دَنَىٰ فَقَدَلَىٰ لَكَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بلند مقام کے بیان میں ہیں۔ موعود عیسیٰ بن مریم کو بھی الہام ہوئیں تا اس کی ظلیت کا اظہار ہو۔ چونکہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کے متعلق کافر کہہ سکتے تھے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ محمد ﷺ نے دانستہ کوئی عملی یا اعتقادی غلطی نہیں کی اور نہ آپ کا نطق ہوائے نفس سے ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ انہیں غلطی لگی ہے اور انہوں نے دھوکا کھایا ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ (۱۲) أَفَتُصِرُّوْنَهُ عَلٰی مَا يَرٰی (۱۳)
جو کچھ اس نے (بعین قلب) دیکھا اس کے ذہن نے اسے غلط نہیں سمجھا۔ (اے نادانوں) کیا تم اس چیز کے بارہ میں اس سے جھگڑتے ہو جو (اس نے ایک یا دو بار نہیں دیکھی بلکہ جو) اس کا روز مرہ کا مشاہدہ ہے۔

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰی (۱۴)

اور (یہی نہیں کہ اس کا یہ دیکھنا کہ قرآن فرشتہ اس پر لے کر اترتا ہے حق ہے بلکہ) خدا گواہ ہے کہ اس نے اسے ایک بار اور بھی نازل ہوتے دیکھا ہے۔

یعنی برطابق آیت يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (السجده ۶:۳۲) ایک دفعہ زمین پر نازل ہونے اور اس میں جگہ پالینے کے بعد قرآن آسمان پر چلا جائیگا مگر اس کے بعد ایک بار پھر زمین پر نازل ہوگا۔ رہا یہ کہ کب اور کہاں نازل ہوگا؟ تو سنو

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی (۱۵)

سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی کے پاس

=====

مہدی موعودؑ خاتم الخلفاء ہوگا

عرب میں جو درخت ہوتے ہیں ان میں سدرۃ یعنی بیری کا درخت سایہ کے اعتبار سے بہت عمدہ سمجھا جاتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں نَعْمَاءِ جَنَّت کے بیان میں خصوصیت کے ساتھ سدرہ مخضود کا ذکر آیا ہے (الواقعة ۵۶: ۲۹)۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح عرب لوگ بیری کے درخت تلے دھوپ کی تمازت سے بچتے اور آرام پاتے تھے اسی طرح لوگ خلیفۃ اللہ کے زیر سایہ بھی شیطان کے حملوں سے بچتے اور آرام پاتے ہیں۔ لہذا خلیفۃ اللہ کا وجود بھی مجازی رنگ میں ایک سدرۃ ہی ہوتا ہے۔ یہاں عند سدرۃ المنتہی کے الفاظ ہیں جن سے اِضَافَةُ الشَّيْءِ إِلَى مَكَانِهِ کے مطابق انتہائی دور کی بیری بھی مراد ہو سکتی ہے اور اِضَافَةُ الْمَحَلِّ إِلَى الْحَال کے مطابق انتہا کو پہنچی ہوئی بیری بھی۔ لہذا اس میں ایک اشارہ یہ تھا کہ جبرائیلؑ کا دوسرا نزول سب سے بعد میں آنے والے خلیفہ پر ہوگا اور دوسرا مفہوم یہ تھا کہ اس کا دوسرا نزول سب سے بڑے خلیفہ پر ہوگا۔ مہدی موعودؑ کا سب سے آخری خلیفہ ہونا بہ اس معنی ہے کہ آپؑ پر براہ راست آنے والے خلفاء اسلام یعنی مجددین کا سلسلہ ختم ہو جائیگا اور آئندہ جو بھی آئیگا وہ آپؑ کے قبعین میں سے آئیگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے آپؑ کو آخری قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ وہ آئندہ کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جسکے شروع میں میں ہوں اور آخر میں مسیح موعود۔ اور دوسری طرف آپؑ نے خود فرمایا لَا وَلِيَّ بَعْدِي إِلَّا الَّذِي هُوَ مِنِّي وَعَلَى عَهْدِي یعنی میرے بعد اب کوئی ولی نہیں ہو سکتا مگر وہ جو مجھ میں سے ہو اور میرے طریق پر ہو۔ رہا آپؑ کا سب سے بڑا خلیفہ ہونا تو وہ اس حدیث نبوی کے مطابق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ابوبکرؓ آئندہ میں سب سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ آئندہ کوئی نبی آجائے یعنی جب نبی آجائیگا تو پھر وہی سب سے افضل ہوگا۔

=====

مسیح موعودؑ پر قرآن کا از سر نو نزول ہوگا اور اس کا ظہور

ہندوستان میں ہوگا

پس وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ کے الفاظ میں خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قرآن کریم کا ایک اور نزول بھی ہوگا اور وہ نزول مسیح موعودؑ پر ہوگا۔ حرف عند کے معنی ”پاس“ کے علاوہ ”پر“ کے بھی ہوتے ہیں۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ کے اعداد ۱۳۱۵ ہیں۔ یہ سورۃ ۵۷ نبوی میں نازل ہوئی۔ آٹھ سال قبل از ہجرت کے اس عدد میں سے وضع کئے جائیں تو ۱۳۰۸ بنتے ہیں اور ۱۳۰۷ وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ مسیحیت و مہمدیت جس کا اعلان رسالہ فتح اسلام میں کیا جو ۱۸۹۰ء بمطابق ۱۳۰۸ھ میں تالیف کیا گیا۔

سِدْرَ کے ایک معنی ہیں۔

BEWILDERED, PERPLEXED, DUM FOUNDED. (LANE)

وہ متحیر ہوا اسلئے ابن الخطیب اپنی تفسیر مفتاح الغیب میں لکھتے ہیں کہ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَىٰ هِيَ الْحَيْرَةُ الْقَصْوَىٰ یعنی عِنْدَمَا يَحَارُ الْعَقْلُ حَيْرَةً لَا خَيْرَ لَهَا فَوْقَهَا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انتہائی حیرت کے مقام سے کیا مراد ہے۔ سوچنا چاہیے کہ انسان بالطبع اپنے خالق کے قرب کا اور اسی طرح نجات کا خواہاں ہوتا ہے لیکن جب اسے حصول مقصد کا راستہ نظر نہ آئے یا وہ صحیح راستہ کی تعیین نہ کر سکے تو وہ حیران و سرگرداں ہو جاتا ہے۔ پس عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ میں ایک اشارہ یہ کیا گیا کہ قرآن کریم کا دوسرا نزول اس مقام پر ہوگا جو مذہب عالم کا اکھاڑا بنا ہوا ہوگا اور لوگوں کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی ہوگی کہ وہ کونسا دین اختیار کریں۔ اور کونسا اختیار نہ کریں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے قریباً ایک ڈیڑھ صدی قبل ہندوستان دنیا کا وہ واحد ملک تھا جس میں تمام مذہب عالم کے ماننے والے بکثرت جمع تھے اور ہر کوئی اپنی اپنی بین بجا رہا تھا۔ متلاشیان حق حیران و سرگرداں تھے کہ کون سا مذہب سچا ہے اور کونسا جھوٹا۔ پس یہی انتہائی حیرت کا مقام تھا لہذا عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ کے الفاظ میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ قرآن کے دوسرے نزول

اور مسیح موعودؑ کی بعثت کا مقام ہندوستان ہوگا۔ یہی نہیں قرآن نے اس کے ظہور کی بستی تک کا نام بھی بتا دیا ہوا ہے کہ وہ قادیان ہوگا۔

سورۃ الفتح کے آخر میں اسلام کے دورِ اوّل کی (جس میں آنحضرت ﷺ موجود تھے) اور دورِ ثانی کی (جو آپؐ کی اسمِ احمد کی تجلی کا دور ہے) ترقیات کے بارہ میں بتایا گیا کہ وہ کس طرح پر ہوں گی۔ اگلی سورۃ (الحجرات) میں آنحضرتؐ کے ادب کی تعلیم دے کر یہ اشارہ کیا گیا کہ مسلمانوں کی تمام تر ترقیات آپؐ کے کما حقہ ادب سے وابستہ ہیں (الطریق کُلُّہ ادب) اس کے بعد سورۃ ”ق“ آتی ہے اسکے شروع میں ہے۔

ق ۱ وَالْقُرْآنَ الْمَجِيدَ (۲) بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ
مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ (۳) ءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
تُرَابًا ۚ ذَٰلِكَ رَجْعٌ ۚ يَعْبُدُ (۴)

مضمون ماقبل کی روشنی میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ان الفاظ کا تعلق اسلام کے دونوں دوروں سے ہے۔ والقرآن المجید فرما کر قرآن کو گواہ ٹھہرایا گیا۔ کس بات پر؟ اگلے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے نذیر کی صداقت پر اور حشر بعد الموت پر۔ ان باتوں پر قرآن کس طرح گواہ ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس طرح پر کہ اس مجد بخشنے والی کتاب کے ذریعہ جو محمد رسول اللہ ﷺ لائے اس دنیا میں روحانی مردے زندہ ہو جائیں اور لوگ جان لیں کہ جس طرح قرآن کی بتائی ہوئی یہ بات کہ آپؐ کے ذریعہ روحانی مردے زندہ ہو گئے بظاہر ناممکن نظر آنے کے باوجود سچی نکلی اس طرح قیامت کے دن والی بات بھی سچی نکلے گی۔

اس سے ظاہر ہے کہ ”ق“ کا جو شروع میں آیا ہے تعلق بھی انہی دو باتوں سے ہے یعنی مامور وقت کی صداقت سے اور احیاء موتی سے۔ چنانچہ مفسرین نے اس سے ”(قادر“ کے علاوہ) ”الْقِيَامَةُ حَقٌّ“ بھی مراد لیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ق کے اعداد بحساب مجمل ۱۰۰ ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے ہر سو سال کے بعد ایک ایسے شخص کے آنے کی خبر دے رکھی ہے جو تجدیدِ دین کرے گا۔ یعنی اسلام کو

ایسے رنگ میں پیش کرے گا کہ اس سے پہلے والے ثمرات حاصل ہو سکیں۔ یعنی اس پر عمل کر کے دنیا میں روحانی مردے زندہ ہو سکیں اور حشر بعد الموت کا ثبوت فراہم کریں۔ اسلئے 'ق' کا تعلق بلا شبہ مجدد بن اُمّت محمدیہ سے بھی ہوا (یہ بات کہ 'ق' میں سلسلہ مجددین کی طرف اشارہ ہے حضرت مولوی راجیکی صاحبؒ کو بطور القاء بھی بتائی گئی)۔ اور جب دوسرے مجددین سے اسکا تعلق ہوا تو مجدد اعظم سے تو بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ اور اُمّت محمدیہ میں آنے والے مجددین میں سے مجدد اعظم مہدی موعودؑ ہیں۔ اور انکا ظہور قادیان میں ہوا اور قادیان کا پہلا حرف ق ہے۔ لہذا جطرح موقع کی مناسبت سے اور اس کا پہلا حرف ہونے کے وجہ سے 'ق' سے قادر مراد لینا بجا ہے اسطرح اس سے قادیان مراد لینا بھی بالکل درست ہے۔ پس ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں مہدی موعود کی جائے ظہور کا نام بتا دیا گیا تھا کہ وہ قادیان ہوگا۔ حضرت مہدی موعودؑ نے آیت اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ سے اسکی طرف اشارہ مراد لیا ہے۔ چونکہ اِسْرٰی کہتے ہی رات کے سفر کو ہیں۔ لہذا کا لفظ بڑھا کر اس سفر کے مجازی رات (یعنی معصیت و مصائب کی تاریکی کے اس زمانہ) کا سفر ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا جس نے سورۃ الفجر کے مطابق تیسری صدی کے آخر سے تیرھویں صدی کے آخر تک چلنا تھا بلکہ اسکے آخری حصہ کا سفر ہونے کی طرف کیونکہ یہی وقت لیلة القدر کے حکم میں اور نبی کے آنے کا وقت ہوتا ہے۔ مکانی لحاظ سے مسجد اقصیٰ یعنی دور کی مسجد سے مدینہ کی مسجد اور بیت المقدس کی مسجد مراد ہیں۔ لیکن زمانی لحاظ سے دور کی مسجد سے (جس تک آنحضرتؐ نے اس رات میں پہنچنا مگر اس سے آگے نہیں جانا تھا) وہی مسجد مراد ہو سکتی ہے جس کا تعلق حضور کی بعثت ثانیہ کے زمانہ سے ہو (جو آخر بن اُمّت میں تیرھویں صدی کے آخر میں مہدی موعودؑ کی صورت میں ہونیوالی تھی) پس اس سے مہدی موعود کے حکم سے بننے والی مسجد مبارک مراد ہے اور یہ مسجد قادیان میں ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ قادیان کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

السَّیْدِیُّو کے معنی پانی کے منبع اور نہر کے ہیں۔ (اقرب) اور السَّیْدِرُ کے معنی سمندر کے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی سِدْرۃ المنتہی کے الفاظ حضرت مسیح موعودؑ پر نہایت عمدگی سے چسپاں ہوتے ہیں آپؑ روحانی پانی کا منبع تھے کیونکہ (جیسا کہ ہم اوپر دکھا آئے ہیں) آپؑ کے

بعد کوئی خلیفہ نہیں نہ ولی مگر وہ جو آپ سے فیض حاصل کرنے والا اور اسی فیض کو پھیلانے والا ہو۔ اسی طرح آپ نہر کے حکم میں تھے کہ آپ کا وجود حضرت نبی کریم ﷺ ہی کے دریائے فیوض کی ایک شاخ تھا اور جہاں حضرت نبی کریم ﷺ کے بالمقابل آپ کی حیثیت وہ تھی جو ایک بحر کے بالمقابل نہر کی ہوتی ہے۔ (بلکہ آپ نے تو یہاں تک فرمایا کہ ۔

اِس چشمہ رواں کہ تَخْلُقُ خدا دہم یک قطرہ ز بحر کمال محمدؐ است

وہاں اپنی ذات میں آپ ایک سمندر اور اس شعر کے مصداق تھے کہ ۔ مع

حقائق کا اک قلم بکراں (بخار دل)

پس کھنڈ معراج میں جو آنحضرت ﷺ سُدْرۃ الْمُنْتَهٰی تک پہنچے اور آپؐ نے وہاں جبرائیل کو بھی دیکھا اور خدا تعالیٰ کی بھی نہایت عظیم تجلی کا مشاہدہ کیا تو اس میں علاوہ آپؐ کے اپنے انتہائی بلند مقام کی طرف اشارہ کے جس کا کسی قدر ذکر مخزنِ معارف کی متعلقہ جلد میں ملے گا۔ آپؐ کے مشن کی آئندہ زمانہ کی اور بالخصوص آپؐ کی بعثت ثانیہ کے زمانہ کی ترقیات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا۔

عند سُدْرۃ الْمُنْتَهٰی کے بعد ہے عَنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰی۔ اس میں بتایا کہ اس سُدْرۃ یعنی مسج موعود کے ذریعہ ایک جنتی معاشرہ قائم ہوگا۔ یا یہ کہ اس کے ذریعہ جنت قریب کر دی جائیگی یعنی اس کا حصول آسان ہو جائیگا۔ چنانچہ دوسری جگہ آپؐ کے وقت کی خبر دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا کہ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ (التکویر ۸۱: ۱۳) عَنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰی کے بعد ہے۔

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰی

=====

مہدی موعود کے صحابہؓ اور آپؐ کی جماعت کی تعریف

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰی کے متعلق کئی روایات آتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ سونے کے پروانوں نے اس سُدْرۃ کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے دیکھا کہ اس کے ہر پہنے پر ایک فرشتہ ہے جو خدا تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے اور تیسری روایت میں ہے کہ اسے رُفرف یعنی سبز پرندوں کی ایک جماعت نے ڈھانپا

ہوا تھا۔

اس میں تین پیشگوئیاں کی گئیں۔

نمبر ۱ یہ کہ مسیح موعود کا وجود ایک شمع محفل کی طرح ہوگا اور اس کے ماننے والے پروانوں کی طرح اس پر جان نذا کریں گے۔ (قومِ موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ) نیز یہ کہ وہ پروانے خود بھی نہایت بلند شان اور قیمتی وجود ہوں گے اور جیسے سونے کا حال ہے۔ ان کی چمک دمک کو بھی کم ہی کوئی چیز ماند کر سکے گی اور

نمبر ۲ یہ کہ مسیح موعود کے شجر وجود کے پتوں یعنی اس کی جماعت کے افراد کو تسبیح کرنے والے فرشتوں کی معیت حاصل ہوگی یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ بہت تسبیح کرنے والے ہوں گے کیونکہ ایسے ہی لوگوں کو ایسے فرشتوں کی معیت حاصل ہو سکتی ہے۔

نمبر ۳ یہ کہ اس کی جماعت کے افراد روحانی اعتبار سے بطور یعنی آسمان کی پہنائیوں میں اڑنے والے اور (سبز رنگ کی طرح) آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والے وجود ہونگے یعنی ان کے اوصاف حمیدہ اور مسکراتے ہوئے چہرے دیکھ کر لوگوں کو ایک روحانی مسرت اور کیف حاصل ہوگا۔

=====

سورة رَحْمٰن میں مہدیؑ کا ذکر

اور قرآن کریم، آنحضرت ﷺ اور مہدی موعودؑ میں سے ہر ایک کی

کما حقہ قدر کرنے کی بار بار تلقین

سورة النجم کے بعد سورة رَحْمٰن آتی ہے اس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

الرَّحْمٰنُ (۲) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (۳) خَلَقَ الْاِنْسَانَ (۴) عَلَّمَهُ
الْبَيَانَ (۵)

وہ رَحْمٰن ہے (اس لئے) اس نے قرآن سکھایا ہے اس نے انسان کو پیدا کیا اسے بولنا سکھایا۔

الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ میں رَحْمَن مبتداء ہے اور ما بعد اس کی خبر۔ یا یہ خود مبتداء مخدوف ”اللہ“ یا ”ہو“ کی خبر ہے۔ پہلی صورت میں یہ بتایا کہ خدائے رَحْمَن ہی نے قرآن سکھایا ہے۔ یعنی نہ یہ محمد ﷺ کی اختراع ہے نہ کسی ماسوا اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ اور دوسری صورت میں یہ بتایا کہ چونکہ وہ رَحْمَن ہے اس لئے اس نے قرآن سکھایا ہے۔ یعنی اس کی صفت رحمانیت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ انسان کی ہدایت کا سامان کرتا۔

یہاں عَلَّمَ الْقُرْآن کے الفاظ پہلے ہیں اور خلق الانسان کے بعد میں۔ یعنی قرآن سکھانے کا ذکر پہلے ہے اور ”الانسان“ کے پیدا کیئے جانے کا بعد میں۔ اور چونکہ قرآن کریم سب سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ کو ہی سکھایا گیا اور بنا برائیں آپ کی پیدائش کا ذکر عَلَّمَ الْقُرْآن ہی میں آجاتا ہے۔ اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگلے الفاظ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کا یہ مطلب ہے کہ آئندہ بھی وہ ایک انسانِ کامل پیدا کرے گا۔ اور اسے قرآن کی تفسیر سکھائے گا۔ (بیان کے معنی واضح تشریح اور تفسیر کرنے کی قدرت کے بھی ہوتے ہیں۔ اور ماضی کا میغہ خبر کو یقینی بنانے کے لئے ہے۔ جس کی قرآن کریم میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔) چنانچہ ان میں سے امر ازل کے بارہ میں حضرت مسیح موعود کا ایک الہام ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي يَوْمٍ مُّوْعُوْدٍ (تذکرہ ۳۱۳) ہم نے انسان کو موعود دن میں پیدا کیا۔ اور امر دوم کے بارہ میں آپ نے فرمایا ”مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق و معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا۔“ اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مجھے ”سلطان القلم“ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس اعتبار سے سورۃ الرَّحْمَن کی ان آیات میں خدا تعالیٰ کی تین بڑی نعمتوں کا ذکر ہے۔ ایک قرآن کا۔ دوسرے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ جنہیں قرآن کے الفاظ اور معانی سکھا کر قرآن کا معلم ازل بنایا گیا۔ اور تیسرے مہدی موعود مسیح الموعود کا جنہیں قرآن کی تفسیر سکھائی گئی۔ اور اس کے حقائق و معارف کا غیر معمولی علم اور ان کے بیان کا غیر معمولی ملکہ عطا کیا گیا۔ آگے ہے:-

الْشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (۶) وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (۷)

سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چل رہے) ہیں۔ اور بے ساق کے

پودے بھی اور درخت بھی اس انتظام کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

اوپر یہ بتایا تھا کہ خدائے رحمن ہی نے محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن سکھایا ہے۔ اور آئندہ بھی وہ ایک انسانِ کامل یعنی نبی پیدا کرے گا۔ اور اسے اس کے مطالب سکھائے گا۔ اس کے بعد آیات زیر تفسیر رکھ کر یہ اشارہ کیا گیا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ جنہیں قرآن سکھایا گیا روحانی اعتبار سے شمس ہیں (وَدَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔ الاحزاب ۳۴: ۴۷) اور الانسان یعنی نبی موعود قمر ہوگا جس کا نور نور محمدی کا پرتو ہوگا۔ اس لئے جس طرح مادی شمس کے ساتھ قمر کے ہونے پر اعتراض نہیں ہو سکتا اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی موعود کے آنے پر بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا دائرہ عمل ہے۔ اور ایک کا وجود دوسرے کے لئے مدتو ہے مخالف نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یس ۳۶: ۴۱) نہ سورج کے لئے ممکن ہے کہ چاند کو پکڑ لے نہ رات کے لئے ممکن ہے کہ دن سے آگے نکل جائے تمام (اجرام) ایک ہی فلک میں تیر رہے ہیں۔ باقی جس طرح مادی شمس و قمر کا وجود ایک حساب سے ہے یعنی حکمت و ضرورت کے مطابق ہے اور ان کی حرکات و تقیرات کے ایک حساب اور اندازہ سے ہونے کی وجہ سے بے ساق کے پودے بھی اور تناور درخت بھی خدا کی فرمانبرداری کرتے ہیں یعنی اس کی منشاء کے مطابق جو فائدہ سورج سے براہ راست اٹھانے کا ہے وہ اس سے براہ راست اٹھاتے ہیں اور جو فائدہ قمر کی وساطت سے اٹھانے کا ہے وہ اس کی وساطت سے اٹھاتے ہیں اسی طرح ایسے وجود بھی جو بے ساق کے پودوں کی طرح ہیں اور ایسے وجود بھی جو تناور درختوں کی طرح ہیں یعنی چھوٹے مسکین اور غریب لوگ بھی اور بڑے طاقتور اور بااثر لوگ بھی اس روحانی شمس اور روحانی قمر ہر دو سے فائدہ اٹھائیں گے اور ان دونوں میں سے کسی کا وجود بھی بیکار ثابت نہیں ہوگا۔

یہاں نجم و شجر یعنی بے ساق کے پودوں اور درختوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ ان میں ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے۔ اور یہ منشاء الہی کے مطابق سورج اور چاند کی مدد کے ساتھ زمین سے غذا حاصل کرتے اور نشوونما پاتے ہیں۔ پس ان کا ذکر کر کے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں روحانی زندگی پائی جائیگی اور وہ نجم و شجر ہوں گے یعنی منشاء الہی کے خلاف چلنے والے

نہیں ہونگے بلکہ بے چون و چرا اس کی مرضی پر چلنے والے ہوں گے انکی زندگی خواہ کیسی ہی ادنیٰ یا کیسی ہی اعلیٰ حالت کی ہو وہ اس روحانی شمس اور اس روحانی قمر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس روحانی زمین (قرآن کریم) سے ضرور غذا حاصل کریں گے۔ اور روحانی طور پر نشوونما پائیں گے۔ اور جہم کو (جس کے معنی بے ساق کے پورہ کے ہیں اور جس سے چھوٹے اور کمزور لوگ مراد ہیں) شجر پر (جس سے بڑے اور طاقتور لوگ مراد ہیں) مقدم رکھ کر یہ اشارہ کیا کہ غریب اور کمزور اور چھوٹے لوگ اس معاملہ میں امیر اور طاقتور اور بڑے لوگوں پر سبقت لے جائیں گے۔

=====

محمد رسول اللہ ﷺ کو شمس اور مہدی موعود کو قمر قرار

دینے میں اشارہ

اس جگہ محمد رسول اللہ ﷺ کو الشمس قرار دے کر یہ بتایا کہ آپ کا حسن ذاتی ہے۔ آپ کا مقام تمام انبیاء سے بلند ہے۔ آپ ساری دنیا کے لئے نبی ہیں۔ اور گویا طلوع کے وقت شمس میں بھی تمازت کم ہوتی ہے آپ کا ابتدائی دور جمالی رنگ لئے ہوئے ہوگا۔ مگر عروج کے وقت آپ میں جلالی شان نمایاں ہوگی۔ اس کے بالقابل ”الانسان“ صبح موعود کو القمر قرار دے کر بتایا کہ اس کا حسن محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن ہی کا پرتو ہوگا۔ اور وہ آپ ہی کی تعلیم کو دنیا میں رائج کریگا۔ وہ امت محمدیہ کے تمام بزرگوں سے بزرگ تر یعنی ستاروں میں چاند کی طرح ہوگا۔ ہوگا وہ بھی ساری دنیا کے لئے مگر اسکے رنگ پر جمالی شان غالب ہوگی۔

آگے ان میں سے ہر ایک کی کماحقہ قدر کرنے کی طرف متوجہ کرنے کو فرمایا:-

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (۸) أَلَّا تَطْغَوْا فِي

الْمِيزَانِ (۹) وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا

الْمِيزَانَ (۱۰)

اور اس آسمان کو اس نے بلند کیا ہے اور ایک میزان قائم کر دی ہے۔ تاکہ

تم اس (دوسری) میزان کے بارہ میں افراط و تفریط سے کام نہ لو۔ اور

وزن ٹھیک ٹھیک قائم کرو۔ اور اس (تیسری) میزان کو کم نہ کرو۔

اگر السَّمَاء سے مادی آسمان مراد ہو تو چونکہ وَوَضَعَ الْمِيزَانَ کا تعلق رفع سَّمَاء سے بیان کیا گیا ہے اور اجرام سماوی اپنی اپنی جگہ صرف توازن کے اصول پر قائم ہیں۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے آسمان کو بلند کیا۔ اور ایک میزان رکھ دی۔ یعنی تم پر واضح کر دیا ہے کہ بلند یوں کو پانے اور ان پر قائم رہنے کے لئے باہمی توازن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ تاکہ تم اپنے معاملات میں میزان کو ملحوظ رکھو۔ اور اس میں کمی بیشی نہ کرو۔ طغی حد سے گزرتا ہے جو زیادتی کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور کمی کی طرف بھی۔ فتح القدر میں ہے الطَّغْيَانُ مُجَاوِزَةُ الْحَدِ فَمَنْ قَالَ الْمِيزَانُ أَلْعَدْلُ قَالَ طَغْيَانُهُ الْجَوْرُ وَمَنْ قَالَ الْمِيزَانُ أَلَا لَهِ التِّي يُوزَنُ بِهَا قَالَ طَغْيَانُهُ الْبَخْسُ. وَأَقِمْوُا الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ اور (یہ نہ سمجھ لینا کہ ہر جگہ بے جگہ مساوات قائم کرنا تمہارا کام ہے نہیں بلکہ) تم ہر چیز کا ٹھیک ٹھیک وزن قائم کرو یعنی جس کا جو حق ہے وہ اسے دو۔ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (اور اس کے خلاف کر کے اپنی) میزان (عمل) کو کم نہ کرو۔

لیکن السَّمَاء سے مراد روحانی آسمان بھی ہو سکتا ہے۔

آیت الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ میں یہ بتایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور مسیح موعودؑ میں سے کسی کا آنا رایگاں نہیں جائیگا۔ اور اس کے بعد یہ آیت رکھ کر یہ بتایا کہ صرف قرآن کریم ہی کو کیوں کافی نہیں سمجھا گیا۔ فرمایا اس (رحمن) نے اس روحانی آسمان کو (جس کے محمد رسول اللہ ﷺ مس ہیں اور موعود انسانِ کامل یعنی مسیح موعودؑ قمر) بلند کیا ہے۔ اور ایسا کر کے ایک میزان قائم کر دی ہے اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ تاکہ تم اس (دوسری) میزان یعنی قرآن کریم کے بارہ میں افراط و تفریط کی راہ اختیار نہ کرو۔ آیت اللہ الْبَدِیُّ أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ۔ الشوریٰ ۱۸۰:۳۲۔ کے مطابق یہ کہنا بھی درست ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک تو کتاب اتاری اور اس کے علاوہ ایک میزان اتاری اور خود قرآن کو میزان کہنا بھی درست ہے) وَأَقِمْوُا الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ اور تمہیں چاہیے کہ (اس شمس و قمر کا وزن پورا پورا قائم کرو۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کا صحیح مقام دو۔ (جہاں عدل دو میں انصاف کرنے کو کہتے ہیں وہاں قسط میں یہ شرط نہیں ہوتی بلکہ اس سے حق والوں میں سے ہر

ایک کو اپنی اپنی جگہ پر اس کا حق پورا پورا ادا کرنا مراد ہوتا ہے)۔ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ اور اس (تیسری) میزان کو جسکی طرف وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا (الانبیاء: ۴۸) میں اشارہ ہے (اور جس نے آخرت میں کام آتا ہے) کم نہ کرو۔

وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ (۱۱)

اور اس زمین کو اس نے تمام جانداروں کے لئے وضع کیا ہے۔ جب اوپر محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے قائم ہونے والے روحانی نظام کو سماء قرار دیا تو اس کے بعد یہاں قرآن کریم کو جس پر یہ آسمان بلند کیا گیا ہے الارض کے نام سے موسوم فرمایا۔ اور وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ کہہ کر بتایا کہ اس میں ساری نسل انسانی بلکہ تمام جانداروں کے لئے فائدہ کا سامان رکھا گیا ہے۔

فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ (۱۲) وَالْحَبُّ

ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ (۱۳)

اس میں پھل بھی ہیں اور ٹھونڈے دار کھجوریں بھی۔ اور بھوسے والا غلہ بھی۔ اور پھول بھی۔

جب قرآن کریم کو 'الارض' قرار دیا تو اس کے بعد اس کے کمالات کو زمین سے پیدا ہونے والی اجناس سے تشبیہ دی۔ فرمایا فِيهَا فَاكِهَةٌ اس میں پھل ہیں یہ نہیں فرمایا کہ کون سے پھل ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کے عمدہ پھل ہیں (عمدہ کا استدلال اس سے ہوتا ہے کہ یہ ذکر مقام مدح پر آیا ہے)۔ یعنی تمام آسمانی صحیفوں کا لب لباب اس میں آگیا ہے۔ (فِيهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ) اور تازگی و فرحت بخش روحانی غذائیں ہر زمانہ و ہر طبیعت کے لئے اس میں موجود ہیں۔ (دیکھیں صفحہ ۱۹۹)

وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ کھجور پر خزاں نہیں آتی۔ اس کا پھل عمدہ اور غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ اٹکی جڑیں مضبوط اور اس کا قد عرب میں پائے جانے والے سب درختوں سے اونچا ہوتا ہے۔ اور ذَاتُ الْأَكْمَامِ ٹھونڈے دار کو کہتے ہیں۔ ٹھونڈے نکلنے پر یہ تو نظر آ جاتا ہے کہ اس کھجور سے پھل حاصل ہوگا مگر اسکے حصول میں کچھ مدت درکار ہوتی ہے۔ اور پھر سارا پھل ایک ہی وقت میں نہیں پکتا۔ بلکہ تدریجاً پکتا ہے۔ پس فِيهَا فَاكِهَةٌ کے بعد وَالنَّخْلُ ذَاتُ

الْأَكْمَامُ کہہ کر بتایا کہ قرآن کریم میں سابقہ کتب سماوی ہی جمع نہیں کی گئیں بلکہ اسمیں انکے علاوہ ایسی اور عمدہ تعلیم بھی ہے جس کا مقابلہ کوئی اور کتاب نہیں کر سکتی۔ اسکی جڑیں مغبوطی سے قائم ہیں اور شاخیں آسمان کو چھوتی ہیں۔ یعنی یہ ایک شجرہ طیبہ ہے جو تمام عالم کی اور تمام زمانوں کی ضروریات کو پورا کر نیوالا ہے۔ (اور جس کا ذکر اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً. اربعہ ابرہیم ۱۴: ۲۶، ۲۵ میں بھی آچکا ہے) نیز یہ کہ اسمیں ایسی پیشگوئیاں بھی مخفی ہیں جن کا ظہور اپنے اپنے وقت پر ہوگا۔ اور اسطرح وہ ایمان کی تازگی کا تازہ بتازہ سامان فراہم کرتی رہی گی۔

الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ :- حَبَّ غَلَّةً کو کہتے ہیں جو انسانوں کی غذا ہے اور بیج کے کام بھی آتا ہے۔ اور عصف بھوسہ کو کہتے ہیں جسے جانور کھاتے ہیں۔ اور چونکہ قرآن نے دینی امور کی طرف دھیان نہ دینے والوں کو اَنْعَام (القصص ۲۵: ۴۵) سے تشبیہ دی ہے لہذا اس کے بالمقابل انسانوں سے دین کی طرف دھیان دینے والے لوگ مراد ہوں گے۔ پس اس میں بتایا کہ قرآن کریم میں ایسی باتیں بھی ہیں جو اپنے ظاہری معنوں کے اعتبار سے دنیا داروں کے فائدہ کی ہیں۔ لیکن بطن کے اعتبار سے وہ دین سے تعلق رکھنے والوں کے کام کی ہیں۔ اور نیز یہ کہ اس میں بہت سی صداقتیں ایک بیج کے رنگ میں رکھی گئی ہیں۔

وَالرَّيْحَانُ : ریحان خوشبودار نبات یا پھولوں کو کہتے ہیں۔ پس یہ کہہ کر کہ اس روحانی زمین میں ریحان بھی ہیں یہ بتایا کہ قرآن کریم میں ظاہری حسن و خوبی کا بھی اہتمام کیا گیا ہے نیز یہ کہ جہاں اس میں بہت سے حقائق بیان ہوئے ہیں وہاں اس میں ایسی خوبیاں بھی رکھی گئی ہیں کہ روحانی اندھے بھی ان کو محسوس کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یورپ تک کے بڑے بڑے عربی دانوں نے قرآن کریم کو عربی کا شاہکار قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ مانا ہے کہ توحید کی تعلیم جیسی قرآن کریم میں ہے اور کسی کتاب میں نہیں۔ پس ان آیات کا بیان مجاز کے رنگ میں قرآن کریم کے کمالات اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر وسیع روشنی ڈالنے کے لئے ہے۔ ورنہ اگر صرف یہ بتانا مقصود ہوتا کہ زمین میں تمام جانداروں کے پیٹ بھرنے کا سامان ہے تو بھوسہ کا ذکر آخر میں ہوتا۔ کہ یہ انسانوں کی نہیں جانوروں کی خوراک ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَنِ (۱۴)

سو بتاؤ تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے۔

یہ آیت اس سورۃ میں ۳۱ بار آئی ہے۔ اس کے تکرار کی مختلف توجہیں کی گئی ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ ایک لطیف توجیح ان کے علاوہ ہے جو نیچے لکھی جاتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ”اٰی“ کے معنی ”کس کس“ کے نہیں بلکہ ”کس“ کے ہیں۔ اور ”الاء“ کا لفظ جمع ہے۔ جو کم از کم تین نعمتوں کو چاہتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ مقصود یہ بتانا ہے کہ ان تین نعمتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نعمت نہیں جسے تم جھٹلا سکو یعنی جس کے متعلق تم کہہ سکو کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں اوپر کی آیات میں تین عظیم نعمتوں یعنی نبیؐ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نمبر ۲ مہدی موعود علیہ السلام کا اور نمبر ۳ قرآن کریم کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس ان کی اہمیت کو مد نظر رکھ کر ان ہی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہر بار یہ آیت لائی گئی ہے جس کا ایک ثبوت یہی بات ہے کہ جب تک ان تینوں نعمتوں کا ذکر نہیں ہو گیا اور ان کی ضرورت اور اہمیت ایک حد تک واضح نہیں کر دی گئی اس وقت تک یہ آیت نہیں لائی گئی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اوپر کی آیات میں ان تین نعمتوں کا ذکر ہے تو نہ صرف یہ کہ آیت فَبَايَ الْاٰلَاءِ رَبِّكُمَا نُكَذِّبُہُنِ کا تکرار قابل اعتراض نہیں رہتا بلکہ یہ نہایت ہی بر محل اور پر حکمت ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سورۃ کو اس بیان سے شروع کیا گیا ہے کہ خدا رحمن ہے۔ اس لئے اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن سکھایا ہے اور آئندہ بھی وہ ایک انسانِ کامل یعنی ایک نبی پیدا کرے گا۔ اور اسے قرآن کی تفسیر سکھائے گا (آیت ۲ تا ۴) پھر یہ فرما کر کہ تم اس اور قرصاوں سے چلتے ہیں۔ اور درخت اور بوٹیاں خدا کے اس قانون کی فرمانبرداری کرتے ہیں یہ سمجھایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود کی نسبت تم اس و قرصا کی ہوگی۔ اور بڑے لوگ بھی اور چھوٹے لوگ بھی اپنے رب کی فرمانبرداری میں ان دونوں سے فائدہ اٹھائیں گے (آیت ۷-۸)۔ پھر یہ بتایا ہے کہ وہ آسمان (جس کے محمد رسول اللہ ﷺ اس اور نبی موعود قمر ہوگا) بلند کر کے خدا تعالیٰ نے ایک میزان رکھ دی ہے۔ تاکہ تم دوسری میزان یعنی قرآن میں افراط و تفریط سے کام نہ لو۔ لہذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم ان دونوں کو ان کا صحیح مقام دو۔ اور تیسری میزان یعنی میزان عمل کو کم نہ کرو۔ آیات (۱۱ تا ۱۲)۔ پھر قرآن کو جس پر یہ روحانی آسمان اٹھایا گیا الارض قرار دیتے ہوئے اس کے کمالات کو زمین کی اجتناس کے پیرایہ میں بیان کیا ہے (آیات ۱۱ تا ۱۳)۔ چونکہ اس

بیان سے ظاہر تھا کہ قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود میں سے ہر ایک خدا تعالیٰ کی جسم نعمت ہے اس لئے اس کے بعد یہ فرمایا کہ اب بتاؤ تم اپنے رب کی ان (تین) نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے (آیت ۱۶) پھر بنی آدم کی دو بڑی اقسام الانس اور الجن کی فطرت کا ذکر کر کے آسمانی ہدایت کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا۔ اور اس کے بعد یہی سوال دہرایا ہے کہ تم اپنے رب کی ان نعمتوں میں سے (جن میں سے ہر ایک مجسم ہدایت ہے) کس کو جھٹلاؤ گے (آیات ۱۵ تا ۱۷)۔ پھر یہ بتا کر کہ خدا تعالیٰ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے یہی سوال دہرایا ہے۔ تا اشارہ ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پہلے بعثت کے زمانہ میں بھی اور دوسرے بعثت کے زمانہ میں بھی جو نبی موعود کا زمانہ ہے لوگوں کو مادی کے ساتھ روحانی ترقیات بھی ملنے والی ہیں۔ اور یہ ترقیات قرآن کریم کی تعلیم ہی کی وجہ سے ہوگی۔ پھر تم ان تینوں میں سے کس نعمت (کی ضرورت) کا انکار کرو گے (آیت ۱۸ تا ۱۹)۔ پھر یہ بتا کر کہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کی ربوبیت کے لئے بنیادی طور پر دو سامان مہیا کیے ہیں (ایک بحر عقل اور دوسرا بحر وحی) ان تینوں نعمتوں کی قدر کرنیکی طرف متوجہ کیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم تو خود بحر وحی ہے۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود عقل اور نور وحی سے کامل حصہ پا کر اس سے بدرجہ اتم فیض پانے کی راہیں بتانے والے ہیں (آیات ۲۰ تا ۲۲) پھر ان دونوں سمندروں کے حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر کر کے ان تینوں نعمتوں کی قدر کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے (آیات ۲۳ تا ۲۴) پھر یہ بتایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود کے درمیانی عرصہ میں اور نبی موعود کے بعد کے عرصہ میں بھی خدا تعالیٰ ایسے عظیم وجود پیدا کرتا رہیگا جو لوگوں کو قرآنی بحر وحی کی سیر کروائیں گے۔ اور وہ وجود اسی کی برکت سے بلند مقام حاصل کریں گے۔ اور اسی میں رہیں گے۔ یعنی کبھی بھی اس کی تعلیم کے دائرہ سے باہر نہیں نکلیں گے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود کے تابع اور ان کے خدمت گزار ہوں گے۔ اور اس کے بعد پھر پوچھا ہے کہ اب بتاؤ تم اپنے رب کی ان نعمتوں قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ اور نبی موعود میں سے کس کو جھٹلاؤ گے (آیت ۲۵ تا ۲۶) پھر یہ بتایا ہے کہ ایک دن تمام معبودان باطلہ مٹ جائیں گے۔ اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا رب باقی رہ جائے گا۔ اور جیسا کہ دوسرے مقامات پر وضاحت ہے یہ کام آنحضرت کی دو بعثتوں میں مکمل ہونے والا تھا اور قرآنی تعلیم کے نتیجہ میں مکمل ہونا تھا اس لئے اس ذکر کے بعد قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ

اور نبی موعودؑ کی قدر کی طرف متوجہ کرنے کے لئے پھر یہ فرمایا ہے کہ سواب بتاؤ تم اپنے رب کی (ان نعمتوں) میں سے کس کو جھٹلاؤ گے (آیات ۲۷ تا ۲۹) پھر یہ فرمایا کہ ہر کوئی جو زمین میں بستا ہے خدا تعالیٰ کا محتاج اور بالملح اس کا طالب ہے یہاں تک کہ مقررین بھی زیادہ قرب کے طالب ہیں تو چونکہ یہ جان لینے کے بعد کوئی شخص کسی زمانہ میں بھی اس کی طرف سے آنیوالی ہدایت کے سامانوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے بعد پھر فرمایا کہ اب تم اپنے رب کی (ان) نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے۔ (قرآن کو یا محمد رسول اللہ کو یا نبی موعودؑ کو۔ آیات ۳۰-۳۱) چونکہ بنی آدم کے دونوں گروہ (جن و انس) تمام دوسری مخلوقات پر بھاری ہیں اور نیکی اور بدی کا اختیار رکھنے کی وجہ سے بھاری ہیں اور خدا تعالیٰ نے جہاں انہیں یہ اختیار دیا ہے وہاں نیکی و بدی (یعنی اپنے تک پہنچنے والی اور اپنے سے دور لے جانے والی) راہیں بھی دکھائی ہیں۔ اور اس وقت قرآن کریم کی صورت میں ایک مکمل ہدایت نامہ نازل ہو رہا تھا اس کے بعد انہیں اِیْهَا الثَّقَلَانِ یعنی اے دو بھاری وجود کہہ کر مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے۔ یعنی تکمیل ہدایت کر کے پوری توجہ یہ دیکھنے پر دیں گے کہ تم اس کے بارہ میں کیا رویہ اختیار کرتے ہو۔ اور چونکہ اس کے بعد کوئی عقلمند اس ہدایت نامہ یا اس کے لانے والے رسول یا اس کی تعلیمات کی اشاعت و وضاحت کے لئے آنے والے نبی سے استغناء ظاہر نہیں کر سکتا تھا اس لئے پھر یہ پوچھا ہے کہ اب بتاؤ تم اپنے رب کی ان نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے۔ (قرآن کو یا محمد رسول اللہ ﷺ کو یا نبی موعودؑ کو۔ آیات ۳۲-۳۳) پھر یہ بتا کر کہ مادی ترقیات جتنی چاہو کرو لیکن اگر تم نے دینی ترقیات کی طرف دھیان نہ دیا تو تم اپنے خلاف ایک مُجْتِ قَاتَم کروا لو گے ان نعمتوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ (آیات ۳۵-۳۶) اس کے بعد پہلے ان نعمتوں کی قدر نہ کرینوالوں کو جن جن عذابوں کا سامنا ہو سکتا تھا ان کا ذکر کر کے اور پھر ان کی قدر کرنے والوں کو ملنے والی جتنوں کا حال بتا کر ان نعمتوں کو جھٹلانے سے پرہیز کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ (آیات ۳۶ تا ۷۸) اور آخر میں یہ کہہ کر اس سورۃ کو ختم کیا ہے کہ اے رسول تیرے جلال و اکرام والے رب کا نام بہت برکتوں والا ہے (آیت ۷۹)۔

سورة القف میں مہدی کا ذکر

مسیح موعود کا نام احمد ہوگا اور وہی مہدی موعود ہوگا

جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں وضاحت آچکی ہے قرآن کریم کے بالکل ابتداء میں یعنی سورة الفاتحہ ہی میں یہ بتایا گیا تھا کہ آئندہ بھی ایک احمد رسول آئے گا جو مسیح بھی ہوگا اور مہدی بھی اور مثیل محمد رسول اللہ ﷺ بھی۔ مگر قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ وہ تعریف آیات سے کام لیتا ہے اور اہم امور کو مختلف پیرایوں میں بار بار بیان فرماتا ہے تاکہ اگر کوئی شخص ایک طریق سے نہیں سمجھ سکا تو دوسرے طریق سے سمجھ جائے۔ چنانچہ اس نے یہ مذکورہ باتیں زیادہ کھول کر سورة القف میں بیان فرمائی ہیں۔ اس سورة میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا
بِرَسُوْلِ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اَسْمٰى اَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۷)

اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول (ہو کر آیا) ہوں۔ اس (کتاب) کی جو مجھ سے پہلے (آچکی) ہے (یعنی تورات کی۔ اپنے وجود سے) تصدیق کرنے والا اور ایک نبی کی بشارت دینے والا جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔ سو جب وہ ان کے پاس بیٹات لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو (کھلا) کھلا جادو ہے۔

اس آیت میں عیسیٰ ابن مریم کی زبانی ان کے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت دی گئی ہے اور اس کا نام احمد بتایا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بعد بلا فصل آنے والے رسول حضرت نبی کریم ﷺ تھے۔ آپ محمد کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ خود بھی معابدات وغیرہ میں آپ نے اپنا یہی نام استعمال فرمایا اسی نام سے آپ نے اپنی مہربانوی۔ قرآن میں اور چار جگہ آپ کا

ذکر نام لے کر کیا گیا ہے اور چاروں جگہ یہی نام آیا ہے۔ اس لئے دیکھنا ہوگا کہ اس آیت میں آپؐ کے معروف نام کی بجائے ”احمد“ نام کیوں آیا۔ سو جانا چاہیے کہ قرآنی آیات کی ترتیب ان کے مطالب واضح کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے ہمیں اس آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنی چاہئے۔ سورۃ القف کی اس آیت سے پہلے یہ آیات ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (۳) كَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (۴) إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ
يُقِيمُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ (۵)
وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ لِمَ تُوذُونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي
رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ امر تو اور بھی موجب ناراضگی ہے کہ (کسی بات کے متعلق) جو تم کرتے (بھی) نہیں کہو (کہ تم وہ کرتے ہو یاد رکھو) اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم مجھے کیوں دکھ دیتے ہو حالانکہ تم جان چکے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ سو جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے انکے دلوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ان میں سے پہلی آیت میں مومنوں کو خدمتِ دین کے خالی خولی دعوے کرنے سے جب کہ ان کے ساتھ عمل نہ ہو روکا ہے۔ دوسری آیت میں بتایا ہے کہ بغیر کوئی خدمت بجالائے یہ ظاہر کرنا کہ کوئی خدمت کی ہے۔ اور بھی زیادہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بنتا ہے (کہ) بمطابق آیت ۱۱۱: الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ یہ منافقوں کا طریق ہے) اور تیسری آیت میں حضرت موسیٰ کا اپنی قوم کو یہ کہنا یاد دلا کر کہ اے میری قوم تم کیوں مجھے ایذا دیتے ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ

بتایا ہے کہ یہ تو قومِ موسیٰ کا طریق ہے اور رسول کو (جو عمل چاہتا ہے) دکھ دینے والا طریق ہے۔ اگر تم نے بھی قومِ موسیٰ کی طرح یہ ٹیڑھی روش اختیار کی (اور اسے اپنی عادت بنا لیا) تو ان کی طرح تم بھی ٹیڑھے ہو جاؤ گے (اور جب تمہاری یہ حالت ہوگئی) تو اللہ تمہارے دلوں کو ٹیڑھا کر دے گا (یعنی تم کچے فاسق بن جاؤ گے) اور (سنت) اللہ (یہ ہے کہ وہ) فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یعنی اس صورت میں تم ہدایت سے محروم ہو جاؤ گے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ہدایت سے محروم ہونا دو طرح پر ہوا کرتا ہے ایک اس طرح کہ انسان ہدایت کو قبول تو کر لے مگر اس کی غایت کو نہ پاسکے اور دوسرے اس طرح کہ وہ ہدایت کو قبول ہی نہ کر سکے۔ اسلئے ارشاداتِ مذکورہ کے معا بعد جو اللہ تعالیٰ نے آیت **وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَحِمِیْ** اور اس میں ان لوگوں کو جو آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی ماننے والے تھے یہ یاد دلایا کہ کس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے بعد آنیوالا علیہ السلام کو باوجود اس کے کہ اس نے انکی طرف اللہ کا فرستادہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا (جو ایسا دعویٰ نہیں تھا کہ اسے سنجیدگی سے نہ لیا جاتا) اور یہ کہا تھا کہ میں تو رات کا جو مجھ سے پہلے آچکی ہے مصدق ہوں مجھے نہ مانو تو وہ بھی جھوٹی ٹھہریگی) اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیگا جس کا نام احمد ہوگا۔ سو جب وہ بیانات کیساتھ آیا (جس میں اس کے حق میں تورات کی پیشگوئیاں اور دیگر نشانات جو ال عمران ۵۰:۳ میں مذکور ہیں شامل تھے) تو انہوں نے کہہ دیا **هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ** یعنی بجائے ایمان لانے کے ان نشانات کو سحر اور انکے لانے والے کو ساحر قرار دیا۔ تو ظاہر ہے کہ اس سارے بیان سے غرض انکو یہ سمجھانا تھی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مثیلِ موسیٰ ہیں جس طرح موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی طرف ایک (خاص) رسول آیا جو تورات کا جو اس سے پہلے (موسیٰ پر) اتر چکی تھی مصدق تھا (خود حامل کتاب شریعت نہیں تھا) اور اس کی بعثت کے دو ہی بڑے مقاصد تھے ایک تورات کی تصدیق کرنا اور دوسرا احمد رسول کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا۔ اسی طرح آنحضرت کے بعد ایک رسول آئیگا جو صاحب کتاب (شریعت) نہیں ہوگا بلکہ اس کتاب کا جو اس سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ پر اتر چکی ہوگی یعنی قرآن کا مصدق ہوگا اور اس کی بعثت کے دو ہی بڑے مقاصد ہوں گے ایک قرآن کی تصدیق کرنا دوسرے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف لوگوں کو

☆ یہ استدلال اس سے ہوتا ہے کہ آنحضرت کے تورات کا مصدق ہونے کا ذکر بھی کی جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں سے ہر مقام پر آپ کو کتاب دینے جانے کا ذکر بھی ساتھ ہی موجود ہے۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔

متوجہ کرنا اور یہ بتانا کہ آپ احمد یعنی خدا کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے اور اسکی سب سے زیادہ حمد کے کے مورد یا بالفاظ دیگر افضل الرسل ہیں۔ اگر تم نے قوم موسیٰ والی روش اختیار کی تو خدا تعالیٰ تمہیں ہدایت نہیں دیگا یعنی اس رسول کو ماننے کی توفیق تم اس سے نہیں پاؤ گے۔

=====

مسیح موعودؑ نبی ہوگا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ اور اسکے

درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوگا

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اگر آیت نمبر ۶ میں صرف یہ بتانا مقصود ہوتا کہ صورت مذکورہ میں تم آئندہ آنے والے رسول کو ماننے سے محروم رہ جاؤ گے اور اس کے ساتھ یہ خبر دینا مقصود نہ ہوتا کہ وہ رسول کون ہوگا اور کب آئے گا تو اگلی آیت میں حضرت موسیٰ کے بعد آنیوالے رسولوں کا عمومی رنگ میں ذکر کیا جاتا کیونکہ بنی اسرائیل نے ان سب کو جھٹلایا تھا بلکہ ان کے قتل کے بھی درپے رہے تھے اور ایک کی نسبت بہت سوں کو جھٹلانے کا ذکر اس مطلب کے لئے زیادہ مفید تھا لیکن اس آیت میں ان سب کا ذکر چھوڑ کر صرف عیسیٰ ابن مریم کا جو سلسلہ موسویہ کے آخری رسول تھے ذکر کیا گیا لہذا اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس سے یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ گو (برطابق البقرہ ۲: ۸۸) حضرت موسیٰ کے بعد تو پے درپے رسول آئے اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم آیا لیکن مثیل موسیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد (وہی ہی مدت گزرنے پر جیسی مدت گزرنے پر سلسلہ موسویہ میں عیسیٰ ابن مریم آیا تھا) ایک مثیل عیسیٰ ابن مریم تو آئیگا اور اسی طرح سلسلہ محمدیہ کے آخرین میں آئیگا جس طرح عیسیٰ ابن مریم سلسلہ موسویہ کے آخرین میں آیا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ اور مسیح موعود کے درمیان کوئی اور رسول نہیں ہوگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے یہی فرمایا تھا کہ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ (طبرانی الاوسط والصغير) میرے اور موعود عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ آتے کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم (یعنی مسیح موعود) ہے۔ (عن ابن عباس مرفوعاً قَالَ كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا فِي أَوَّلِهَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِي آخِرِهَا۔ كنز العمال

اِسْمُهُ أَحْمَدُ کی پیشگوئی دراصل دو رسولوں کی پیشگوئی تھی ایک اصل کی اور ایک اس کے بروز کی

اب دیکھئے ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے سورۃ الف کے اس آیت **وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ كَوَيْلٍ مَوْعِدٍ** پر رکھا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس سے غرض مسلمانوں کو یہ سمجھانا تھی کہ جس طرح حضرت موسیٰ کے بعد عیسیٰ ابن مریم آیا تھا اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ایک عیسیٰ آئیگا اور دوسری طرف اس آیت میں آئندہ آنیوالے رسول کا نام احمد بتایا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد آنیوالے جس رسول کی طرف متوجہ کرنے کیلئے یہ آیت لائی گئی اسکا نام احمد بھی ہوگا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے الفاظ **يَأْتِي مِنْ بَعْدِي** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی خود آنحضرتؐ کے بارہ میں تھی کیونکہ حضرت عیسیٰ کے بعد بلا فصل آنے والے رسول آپ ہی تھے۔ اور اس میں بظاہر کھلا کھلا تضاد ہے لیکن کلام اللہ میں تضاد ممکن نہیں۔ اسلئے ماننا پڑیگا کہ یہ پیشگوئی دراصل ایک رسول (یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کی دو بعثتوں کی پیشگوئی تھی یا دو ایسے رسولوں کی پیشگوئی تھی جن میں سے بعد والے (یعنی مسیح موعودؑ) کا آنا پہلے آنیوالے (یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) ہی کا دوبارہ آنا ہوتا تھا۔ یعنی یہ پیشگوئی ایک اعتبار سے ایک اور ایک اعتبار سے دو رسولوں کی پیشگوئی تھی ایک اصل کی اور دوسرے اس کے بروز کی (کیونکہ حضرت مسیحؑ کا قول **يَأْتِي مِنْ بَعْدِي** اسی صورت میں درست ہو سکتا تھا جو اس پیشگوئی کے مصداق دونوں رسول ایک کے حکم میں ہوں)۔ احمد ازل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور احمد ثانی حضرت مہدی موعودؑ کے ایک ہی وجود کے حکم میں ہونے کے بارہ میں اور اشارات بھی قرآن کریم اور آثار میں ملتے ہیں مثلاً سورۃ الفجر کی آیت **وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ** میں انکو الگ الگ ہونے کے باوجود ایک ہی قرار دیا گیا۔ گویا ایک جان دو قالب کہا گیا اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الب ثانیؑ نے یہ فرمایا ہے کہ مہدی کے وقت میں حقیقت محمدیہ حقیقت احمدیہ کے پیرایہ میں ظہور پذیر ہوگی۔

مسیح موعودؑ کو کافر قرار دے کر اسلام کی طرف بلایا جائیگا اور سچے مسیح کی پہچان کا ذکر

جب سورۃ القف کی ان آیات میں خدا تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ عیسیٰ ابن مریم نے اپنے بعد ایک احمد نامی رسول کے آنے کی پیشگوئی کی تھی آنحضرت ﷺ کو عیسیٰ کا مبشر قرار دیا اور اس کے ساتھ یہ اشارہ بھی کیا کہ آئندہ بھی ایک احمد رسول کا ظہور ہونیوالا ہے تو اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص جھوٹے طور پر دعویٰ رسالت کر دے اور اس پیشگوئی کا مصداق بن بیٹھے تو اس کا یا اگر کوئی شخص سچے مدعی رسالت کو جھٹلائے تو اس کا کیا انجام ہوگا۔ چونکہ یہ دونوں صورتیں اِفْتِرَاء عَلَی اللہ کی ہیں اور خدا کا یہ فعل ہے کہ اِفْتِرَاء عَلَی اللہ کرنا لا کامیاب نہیں ہوتا جیسا کہ آیت فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ اس پر دال ہے۔ اسلئے اسکے بعد فرمایا وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر افتراء کیا باندھا در آنحالیکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے۔ یعنی یہ بتایا کہ ایسا شخص اپنے زمانہ کا سب سے بڑا ظالم ہوگا اور اس سے ظالموں والا معاملہ ہوگا یعنی وہ اپنی مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا گویا جھوٹے کے جھوٹ کی پہچان اس کی ناکامی و نامرادی کو اور سچے کے سچ کی پہچان اسے ملنے والی کامیابی و کامرانی کو قرار دیا مگر ایسی کامیابی کو جو ظاہری حالات کے بالکل مخالف ہونے کے باوجود حاصل ہو اور جس میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ نمایاں طور پر نظر آئے لیکن یہاں صرف اِفْتِرَاء عَلَی اللہ کرنے والے کا ذکر نہیں ہے بلکہ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ کی قید بھی لگائی گئی ہے۔ اس لئے مکرین و وحی و رسالت پر چسپاں ہو پھر بھی اور مدعیان وحی و رسالت پر چسپاں ہو پھر بھی اس آیت کا تعلق زمانہ اسلام سے ہوگا پس اِسْمُهُ أَحْمَدُ والی پیشگوئی کے معا بعد یہ آیت (وَمَنْ أَظْلَمُ) لا کر بھی یہ بتایا گیا کہ اِسْمُهُ أَحْمَدُ کی پیشگوئی کا تعلق اسلام کے دو زمانوں سے ہے۔ ایک زمانہ نزول قرآن سے کہ جس میں ایک احمد رسول (ﷺ) موجود ہے اور مکرین و وحی و رسالت کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور دوسرا تعلق اس

آئندہ زمانہ سے ہے جس میں ایک احمد رسول مدنی وحی و رسالت ہو کر آئے گا اور اس کو اسلام کی طرف بلایا جائے گا یعنی کافر قرار دیکر یہ کہا جائے گا کہ اپنے کفر سے باز آ جاؤ اور مسلمان ہو جاؤ۔ وَمَنْ أَظْلَمُ ۚ کے بعد ہے:-

يُرِيدُونَ لِيطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۹)

وہ چاہتے ہیں (یا چاہیں گے) کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں لیکن اللہ اسے پورا کرے گا خواہ کافر اس سے کراہت ہی کریں۔

يُرِيدُونَ مضارع کا مینہ ہے جو حال اور مستقبل دو زمانوں کے لئے آتا ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ اِفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ کرنے والے اس زمانہ یعنی زمانہ نزول قرآن میں بھی اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کسی آئندہ زمانہ میں بھی کریں گے۔ مگر اللہ ان دونوں زمانوں میں اپنے نور کو پورا کرے گا۔

=====

تکمیل دین اور تکمیل اشاعت دین کیلئے دو الگ الگ زمانے مقرر تھے

اد پر نقل کی جانے والی آیت يُرِيدُونَ لِيطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ اپنے نور کو بجھنے نہیں دے گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسے پورا کریگا۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ یہاں نور اللہ سے اللہ کا دین اسلام یا قرآن مراد ہے کیونکہ ذکر رسولوں اور ان کو دکھ دینے والوں کا ہو رہا ہے اور رسولوں کے مخالف دراصل ان کی لائی ہوئی تعلیم ہی کے مخالف ہوا کرتے ہیں اور اسی کو مٹانا چاہتے ہیں اور یہی وہ نور تھا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لیکر آئے تھے اور ان آیات کے نزول کے وقت ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ مگر ایک چیز کی تکمیل تو ایک دفعہ ہوا کرتی ہے اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دوبار تکمیل پذیر ہونے کا جو اشارہ (پہلی آیت کے ساتھ اس آیت کو ملا کر)

کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے۔

سو جاننا چاہیے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے (إِنَّا نَحْنُ
نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ) اس لئے دوبارہ تکمیل کے یہ معنی تو ہونہیں سکتے تھے کہ
ایک بار مکمل ہونے کے بعد اسمیں کوئی کمی آجائےگی اور اس کی کو MAKE UP یعنی پورا کیا جائے
گا۔ اس لئے کچھ اور ہی مراد ہو سکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ آخری اور عالمگیر دین کے لئے دو باتوں
کی ضرورت تھی ایک اس کی کہ وہ خود ہر پہلو سے مکمل ہو اور دوسرے اس کی کہ اس کی اشاعت
پورے طور پر ہو جائے۔ پس اس کے دو زمانوں میں اتمام سے دو پہلوؤں سے اتمام ہی مراد ہو سکتا
تھا اور مطلب یہ تھا کہ پہلے زمانہ میں تکمیل دین ہوگی مگر تکمیل اشاعت دین آئندہ زمانہ میں ہوگی
اور آخر میں وَلَوْ كُفِّرُوا كُفْرًا کے الفاظ بڑھا کر بتایا کہ ان دونوں زمانوں کا تعلق ایسے
وجودوں سے ہوگا جن کے جھٹلانے والے کافر ہوتے ہیں یعنی خدا کے رسولوں سے۔ بہ الفاظ دیگر
یہ کہ جس طرح ایک رسول اس تکمیل دین کے زمانہ میں موجود ہے اور اس کے کافر نہیں چاہتے کہ
اس کے ہاتھ پر دین مکمل ہو اسی طرح ایک رسول اس تکمیل اشاعت دین کے زمانہ میں بھی موجود
ہوگا اور اس کے منکر بھی نہیں چاہیں گے کہ اس کے ہاتھ سے وہ کام ہو۔

اس بات کا ثبوت کہ اتمام نور سے دو چیزیں مراد ہیں ایک تکمیل دین اور دوسرے تکمیل
اشاعت دین قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے بھی ملتا ہے مثلاً خفیف سی تبدیلی الفاظ کے ساتھ
یہ آیت دو جگہ آئی ہے ایک اس سورۃ میں دوسرے سورۃ توبہ میں۔ وہاں پر آئو الے الفاظ یہ ہیں۔
يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورُهُ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (التوبہ ۳۲:۹)۔ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورُهُ کے الفاظ سے (جن
کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہر بات سے انکار کرتا ہے سوائے اس کے کہ اپنے نور کو پورا کرے) ظاہر
ہوتا ہے کہ مخالفین اس نور کی بجائے اس کا کوئی متبادل تجویز کرتے یا کر سکتے تھے لیکن خدا کا فیصلہ
یہ تھا کہ وہی نور جو وہ اتار رہا ہے تکمیل کو پہنچے اور چونکہ متبادل وہ قرآن کریم یا اسلام ہی کا تجویز
کر سکتے تھے بلکہ کرتے تھے جیسا کہ آیت قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّكَ بِقُرْآنٍ غَيْرِ
هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ (یونس ۱۰:۱۶) سے ظاہر ہے اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سورۃ توبہ کی آیت
میں اتمام نور سے مراد تکمیل دین یا تکمیل ہدایت ہے لیکن اس سورۃ میں وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ

نُورُہ کے الفاظ نہیں ہیں صرف وَاللّٰهُ مُتَمُّ نُورِہ کے الفاظ ہیں یعنی متبادل تجویز کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ اس لئے یہاں اس سے تکمیل اشاعت دین یا تکمیل ہدایت مراد ہے۔

مذکورہ بالا فرق کے علاوہ ایک فرق ان آیتوں میں یہ بھی ہے کہ سورۃ توبہ کی آیت میں یُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوْا کے الفاظ ہیں اور اس آیت میں یُرِيدُونَ لِیُطْفِئُوْا کے الفاظ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اس سے پہلے واضح طور پر یہ ذکر تھا کہ نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں مگر ذَالِکَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یہ صرف ان کے منہ کی باتیں ہیں پس وہاں جو یُرِيدُونَ اَنْ یُطْفِئُوْا نُورَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ کے الفاظ لائے گئے تو (چونکہ قرآن نے بِاَفْوَاهِهِمْ کے الفاظ بِالْسِّنَتِہِم کے مترادف معنی میں استعمال کئے ہیں یعنی ایک جگہ یَقُولُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِی قُلُوْبِہِم (آل عمران ۳: ۱۶۸،... الفتح ۱۲: ۲۸) اور جیسا کہ ابن فارس نے لکھا ہے مادہ ل س ن سے مراد کسی چیز کی ایسی لہائی ہوتی ہے جو نہایت لطیف ہو اور منقطع نہ ہو) اسلئے اُس سے مراد یہ تھی کہ وہ عیسیٰ ابن مریم کو ابن اللہ قرار دے کر اپنے منہ کی باتوں سے یعنی علمی دلیل کا رنگ دے کر اللہ کے نور کو بجھانے کی ایک باریک در باریک تدبیر کر رہے ہیں۔ اور یہاں یہ کہا گیا ہے کہ وہ آئندہ کوئی تدبیر اس مقصد کے حصول کے لئے کریں گے۔ اور اگرچہ وہ تدبیر مذکور نہیں لیکن اس موقع پر اس آیت کا لایا جانا یہ ضرور بتاتا ہے کہ جو کچھ اس سے پہلے بیان ہوا وہ اس میں سے کسی بات کو اس مقصد کے لیے استعمال کریں گے۔ اور اس سے پہلے ایک ہی بات ایسی بیان ہوئی ہے جسے غلط رنگ دے کر وہ علمی رنگ میں فائدہ اٹھا سکتے تھے اور وہ بات آئندہ ایک رسول کے (جسے عیسیٰ بن مریم قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ اس نام احمد ہوگا) آنے کی پیشگوئی تھی۔ پس جو چال وہ اُس وقت عملاً چل رہے تھے مگر یہ ظاہر نہیں کر رہے تھے کہ کیوں چل رہے ہیں اسکا تو واضح الفاظ میں ذکر کر کے اسکی غرض بیان کر دی اور جو چال وہ ابھی چل نہیں رہے تھے مگر آئندہ چلنے والے تھے اسکی طرف ایک ایسا اشارہ کر دیا جسے عوام تو نہیں مگر خواص سمجھ سکیں تاکہ نہ تو یہ ہو کہ جس چال کی طرف ان مخالفین کا ذہن ابھی نہیں گیا تھا اس چال کی طرف خواہ مخواہ ان کا ذہن چلا جائے اور نہ یہ ہو کہ جب ان کی طرف سے وہ چال عملاً چلی جائے۔ اس وقت مومنوں میں سے کسی کو علم ہی نہ ہو کہ یہ ان کی طرف سے ایک سازش ہو رہی ہے بلکہ ان کے خواص اس

کو سمجھ جائیں اور یہ جان کر کہ خدا تعالیٰ نے اس کی طرف پہلے ہی سے اشارہ فرمادیا ہوا ہے ان کے ایمان بڑھیں اور وہ ایک تازہ جذبہ کے ساتھ اس کا توڑ کرنے کی سعی کر سکیں گے۔
 فسبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح نصاریٰ کا عیسیٰ ابن مریم کے مقام میں غلو سے کام لیتے ہوئے اسے ابن اللہ قرار دینا اس لئے تھا کہ اس کے بالمقابل محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام حقیر نظر آئے اور وہ لوگوں کے دلوں میں یہ دوسرہ ڈال کر کہ ”ابن اللہ“ (یعنی عیسیٰ) کی بتائی ہوئی راہ ”عبداللہ“ (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ) کی بتائی ہوئی راہ سے بہر حال بہتر ہے انہیں اسلام سے برگشتہ کریں اور اس طرح اس نور کو تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی بجھا دیں اسی طرح اس آیت میں مذکور اشارہ کے مطابق انہوں نے اس سے پہلے بیان ہونیوالی مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی اور اسے بنیاد بنا کر وہ ایک عرصہ تک سادہ لوح مسلمانوں کو یہ دھوکہ دیتے رہے کہ عیسیٰ ابن مریم جو ۱۹۰۰ سال سے آسمانوں میں زندہ بیٹھا ہے محمد (رسول اللہ ﷺ) سے جو فوت ہو کر زیر زمین دفن ہیں بہتر ہے اور اسی کے دین کی اتباع کی جانی چاہیے۔ اور پھر جب اپنے ایک بروز کی صورت میں عیسیٰ کی آمد ثانی ہوئی تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ عیسیٰ نے تو آسمان پر سے آنا تھا یہ زمین سے کھڑا ہونے والا عیسیٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ عیسائی تو عیسائی مسلمانوں نے بھی باوجود اس کے کہ ان کو یہود و نصاریٰ کا رنگ اختیار کرنے سے روکا گیا تھا۔ آیت **وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْکَیْمُ** میں (جو شروع میں لکھی گئی) مذکور پیشگوئی کے مطابق آنے والے موعود عیسیٰ اور موعود احمدؑ کو جو ایک ہی وجود میں اکٹھے ہو گئے تھے جھٹلایا اور اس کے لئے اسی پیشگوئی کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہا کہ جو پیشگوئی احمد رسول کے متعلق تھی وہ آنحضرت ﷺ کے آنے سے پوری ہو چکی۔ (اور جب یہ بتایا گیا کہ وہ پیشگوئی تو دو رسولوں کی پیشگوئی تھی ایک اصل کی اور ایک اسکے بروز کی تو انہوں نے کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا مثل کوئی کیسے ہو سکتا ہے) اور جو پیشگوئی عیسیٰ ابن مریم کے آنے کے متعلق تھی اسکے بارہ میں انہوں نے کہہ دیا کہ اسکے مطابق تو خود عیسیٰ ابن مریم کا آسمان پر سے آنا مقدر کیا گیا ہے۔ زمین سے کھڑا ہونے والا کوئی شخص اس پیشگوئی کا مصداق کیسے ہو سکتا ہے۔ مزید دیکھیں صفحہ ۶۱۵ نوٹ: زیر آیت **وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا**

قَوْمَكَ مِنْهُ يَصِلُونَ (الزخرف ۵۸:۴۳)

آیت یُرِيدُونَ لِيطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ کے بعد ہے:-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۱۰)

وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ
اسے تمام ادیان پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک (اس سے) کراہت ہی
کریں (وہ یہ کام کر کے رہے گا)

آخری جملہ مخدوف جواب 'لَوْ' ہے۔

اسلام کے دوسرے ادیان پر غالب کئے جانے کا واضح ذکر قریباً ایک جیسے الفاظ میں
قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے۔ سورۃ توبہ، سورۃ الحج، اور اس سورۃ میں اور تینوں جگہ محمد رسول اللہ
ﷺ کو "الْهُدَىٰ" اور دین حق کے ساتھ بھیجے جانے کا ذکر ہے کسی ایک جگہ بھی ان میں سے
صرف ایک چیز کا ذکر نہیں۔ اس لئے ان آیات میں ہُدٰی سے دین حق بہر حال مراد نہیں بلکہ
وہ چیز مراد ہے جو رسول کو دین حق سے بھی پہلے دی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ چیز خود ہدایت
یافتہ ہونا اور دوسروں کو ہدایت یافتہ بنانے کی قوتِ قدسیہ کا حامل ہونا ہوتی ہے۔ لہذا ان آیات کا
مطلب یہ ہوا کہ اس نے اپنے رسول کو مہدی اور مہدی تراش بنا کر بھیجا ہے۔ مگر ایک حد تک تو
ہر رسول کو ہی یہ دونوں چیزیں دی جاتی ہیں۔ یہاں چونکہ یہ بات تمام ادیان پر غلبہ کے ضمن میں
کہی گئی ہے اس لئے مراد یہ ہے کہ اس نے آپ کو کامل مہدی اور کامل مہدی تراش بنا کر
بھیجا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ صرف یہ نہیں کہ آپ خود مہدی کامل ہیں بلکہ آپ کی پیروی سے بھی کم
از کم ایک ایسا مہدی ضرور پیدا ہونے والا ہے جیسا اس سے پہلے کسی نبی کی اتباع سے پیدا نہیں
ہوا۔ یعنی وہ نبی ہوگا کیونکہ (آیات سورۃ المہد ۳:۵۷ کے مطابق) صدیق اور شہید تو پہلے نبیوں
کے قبضین میں بھی ہو جاتے رہے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ توبہ میں بھی لائی گئی ہے اور اس سورۃ میں بھی۔
وہاں اس سے پہلے خاص زور تکمیل دین پر تھا اور یہاں اس سے پہلے خاص زور تکمیل اشاعت دین
پر ہے پس اس آیت کا پہلی بار تکمیل دین کے ذکر کے بعد اور دوسری بار تکمیل اشاعت دین کے

ذکر کے بعد لایا جاتا بتاتا ہے کہ اس کا تعلق دو زمانوں سے ہے۔ یعنی مقرر یہ کیا گیا تھا کہ ان دونوں زمانوں میں اسلام کو دوسرے ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا۔ اور دونوں غلبوں کا تعلق اللہ کے رسول سے ہوگا یعنی جس طرح ایک رسول (محمد مصطفیٰ ﷺ) اس تکمیل دین کے وقت میں جو اسلام کے پہلے غلبہ کا زمانہ ہے دنیا میں بھیجا گیا ہے اسی طرح ایک رسول اُس تکمیل اشاعت دین کے زمانہ میں بھی (جو اسلام کے دوسرے غلبہ کا زمانہ ہوگا) بھیجا جائے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

”رسول سے مراد اس جگہ آنحضرت ﷺ بھی ہیں اور مسیح بھی مراد ہے“

(تفسیر حضرت اقدس مضمون صفحہ ۱۱۵)

لیکن جہاں اس آیت کو دو زمانوں کے ذکر کے بعد لائے جانے سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ ان ہر دو زمانوں میں ایک ایک رسول موجود ہوگا وہاں یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں غلبے محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے طفیل اور آپ ہی کے غلبے ہونگے۔ اور ان دو باتوں میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ دوسرا غلبہ آپ کے کسی اُمتی شاگرد اور روحانی بیٹے کے ذریعہ حاصل ہو یا بالفاظ دیگر یہ کہ اس کے ذریعہ حاصل ہو جو آپ کا مہدی یعنی آپ کی برکت سے مقام مہدویت پانے والا ہو اور بنا برائیں اس میں اور آپ میں کوئی دُوی نہ ہو۔ چنانچہ حدیث اِنِّ لِمَهْدِيِّنَا اَيُّتَيْنِ... الخ میں آنحضرت ﷺ نے آنے والے مہدی کو ”ہمارے مہدی“ کے پیارے الفاظ میں یاد فرمایا ہے۔ اور خود حضرت مہدی موعودؑ نے بھی فرمایا ہے کہ:-

”ضرور تھا کہ جیسا کہ تکمیل ہدایت آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے ہوئی ایسا ہی تکمیل اشاعت ہدایت بھی آنحضرت ﷺ کے ذریعہ ہو کیونکہ یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے منصبی کام تھے (پہلے کی طرف اشارہ آیت یَعْلَمُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ میں اور دوسرے کی طرف آیت لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهِ میں ہے ناقل) لیکن سنت اللہ کے لحاظ سے اس قدر خلود آپ کے لئے غیر ممکن تھا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اس خدمت منصبی کو ایک ایسے اُمتی کے ہاتھ سے پورا کیا کہ جو اپنی خو اور روحانیت کی رو سے گویا آنحضرت ﷺ کے وجود کا

ایک کھڑا تھا۔ یا یوں کہو کہ وہی تھا اور آسمان پر ظلی طور پر آپ کے نام کا شریک تھا۔“ (تفسیر حضرت اقدس ص ۱۱۲ بحوالہ تحفہ گزویہ ص ۹۹)

=====

یہ بتایا جانا کہ لَا الْمَهْدِي إِلَّا عِيسَى

اب دیکھئے اوپر کی آیات میں آئندہ زمانہ میں عیسیٰ ابن مریم کے ظہور کی پیشگوئی کی گئی اور اشارہ کیا گیا کہ وہ اسی طرح سلسلہ محمدیہ کے آخرین میں مبعوث ہوگا جس طرح گزشتہ عیسیٰ ابن مریم سلسلہ موسویہ کے آخرین میں مبعوث ہوا تھا۔ اور اس کا نام احمد ہوگا۔ اور اس کے معاً بعد یہ آیت لا کر یہ بتایا کہ تکمیل اشاعت دین کے زمانہ میں اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے ایک محمدی مہدی آئے گا اور اس طرح صاف صاف بتادیا کہ آخری زمانہ میں آنے والا عیسیٰ ابن مریم ہی مہدی موعود ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا کہ وَلَا الْمَهْدِي إِلَّا عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ (ابن ماجہ باب حذۃ الزمان ۲۱۵۷ مصری طبع علیہ ۳۱۳ کنز العمال ۱۸۶:۷)

اس بات کا ثبوت کہ اس آیت کا تعلق دو زمانوں سے ہے سورۃ الفتح سے بھی ملتا ہے وہاں بھی اس آیت سے ملتے جلتے الفاظ ہیں اور ان کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے دو مثالیں دی گئی ہیں پہلی وہ جو توراۃ میں آئی ہے اور دوسری وہ جو انجیل میں آئی ہے پہلی مثال میں انکی جلالی شان دکھائی گئی ہے اور دوسری میں جمالی۔ جس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے لئے دوبار غالب آنا مقرر تھا۔ ایک بار اپنے ابتدائی دور میں (جو تکمیل دین کا دور تھا) جلالی شان کے ساتھ اور دوسری بار اپنے آخری دور میں (جو تکمیل اشاعت دین کا دور ہے) جمالی شان کے ساتھ۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو زمانہ تکمیل دین کا زمانہ تھا نہ کہ تکمیل اشاعت دین کا زمانہ اس میں تمام ادیان پر غلبہ سے ایک محدود علاقہ کے تمام ادیان پر غلبہ ہی مراد ہو سکتا تھا اور وہ علاقہ عرب ہی کا علاقہ ہو سکتا تھا جس میں محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور جس میں مکہ کی

بستی واقع ہے جو اُمّ القریٰ ہے اور اس میں اور اس کے ماحول میں پائے جانے والے ادیان پر غلبہ کا ملنا ایک رنگ میں تمام ادیان عالم پر غلبہ کا مل جانا تھا۔ اور اس غلبہ کا ملنا ضروری بھی تھا کیونکہ جب تک اسلام کا شجرہ طہیہ اَصْلُهَا ثَابِت کا مصداق نہ بننا یعنی اس کی جڑیں مضبوط نہ ہوتیں فَرُغَهَا فِي السَّمَاء (ابراہیم ۱۴: ۲۵) کا یعنی اس کے تمام عالم پر چھا جانے کا زمانہ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم تکمیل اشاعت دین کے زمانہ میں کسی ایک علاقہ کے ادیان پر غلبہ مل جانے سے یہ آیت اپنے پورے مفہوم میں سچی نہیں ہو سکتی تھی بلکہ اسی صورت میں سچی ہو سکتی تھی جو اسلام کو عالمگیر غلبہ حاصل ہو۔ پس جس طرح اس آیت کو ایک مقام پر تکمیل دین کے ذکر کے بعد رکھ کر تکمیل دین کے زمانہ میں جو آنحضرت ﷺ کا زمانہ حیات تھا اسلام کے تمام ادیان عرب پر غالب آنے کی پیشگوئی کی گئی اسی طرح اسے دوسرے مقام پر تکمیل اشاعت دین کے ذکر کے بعد رکھ کر تکمیل اشاعت دین کے زمانہ میں جو مہدی موعود کا زمانہ ہے اس کے تمام ادیان عالم پر غلبہ کی پیشگوئی بھی کی گئی اور چونکہ ان میں سے پہلی پیشگوئی باوجود سخت مخالف حالات کے حضرت نبی کریم ﷺ کے حین حیات ہی میں پوری ہو گئی تھی اس لئے ضرور ہے کہ یہ دوسری پیشگوئی بھی پوری ہو۔ زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر خدا کے نوشتے ٹل نہیں سکتے۔

امام رازی کی تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۳۸ پر لکھا ہے رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ هَذَا وَعَدَ مِنَ اللَّهِ بَأَنَّهُ تَعَالَى يَجْعَلُ الْإِسْلَامَ غَالِبًا عَلَى جَمِيعِ الْأَدْيَانِ وَاتِّمَامُ هَذَا يَتَحَصَّلُ عِنْدَ خُرُوجِ عِيسَى وَقَالَ السُّدِّيُّ ذَلِكَ خُرُوجُ الْمَهْدِيِّ - یعنی حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اس آیت لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرے گا اور اس کی تکمیل حضرت عیسیٰ کے خروج کے وقت میں ہوگی اور سدی نے کہا ہے کہ یہ مہدی کا خروج ہے گویا مہدی ہی عیسیٰ ہوگا چنانچہ جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا حدیث میں صاف طور پر یہی آیا ہے کہ لَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى۔

اسی طرح حضرت اسماعیل شہید فرماتے ہیں:-

”ظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین در زمان پیغمبر ﷺ بوقوع آمدہ و اتمام

آن از دست حضرت مہدی خواہد گروید و ظاہر است کہ تبلیغ رسالت بہ

نسبت جمیع الناس از آنجانب متحقق نہ گشتہ بلکہ امر دعوت از آنجانب شروع
گروید یومنا فیومنا بواسطہ خلفاء راشدین وائمۃ مہدیین رو بہ تزیاد کشید تا اینکه
بواسطہ امام مہدی با تمام خواہد رسید۔“ (منصب امامت صفحہ ۵۶)

یعنی ابتدائے ظہور دین آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں وقوع میں آیا اور اس کا اتمام
حضرت مہدی کے وقت میں ہوگا کہ تمام بنی نوع انسان کی نسبت تبلیغ رسالت آنجانب سے متحقق
نہیں ہوئی بلکہ امر دعوت کا آنجانب سے آغاز ہوا اور خلفاء راشدین اور ہدایت یافتہ ائمہ کے
ذریعہ یومنا فیومنا اس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ مہدی کے واسطہ سے یہ اتمام کو پہنچے گا۔

اب دیکھئے سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۷ میں آنحضرت کو سِرَاجًا مُنِيرًا یعنی سورج قرار
دیا گیا اور سورۃ رحمن کی آیت الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ کے مطابق آسمان روحانیت
کے اس شمس کے لئے ایک قمر کا وجود بھی مقدر کیا گیا اور قمر شمس ہی سے روشنی پاتا ہے اس لئے
ضرور تھا کہ وہ قمر آنحضرت کا اُنحی ہو اور چونکہ انسان کو سورج کے بعد سب سے زیادہ روشنی قمر
ہی سے حاصل ہوتی ہے اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ دیگر تمام اولیاء آسمان سے بلند تر مقام
رکھے والا یعنی نبی ہو اور حدیث لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ کے مطابق اگرچہ آنحضرت اور مہدی
کے درمیان کوئی اور نبی نہیں مگر مہدی نے نبی ہونا تھا اور حدیث لَا الْمَهْدِيَّ إِلَّا عَيْسَى کے
مطابق مہدی اور عیسیٰ ایک ہی وجود ہے لہذا القمر سے مراد وہ وجود ہے جو مسیح موعود اور مہدی بن
کر آنے والا تھا اور چونکہ قمر کے نور کا اتمام چودھویں رات میں ہوتا ہے اس لئے جیسا کہ حضرت
مہدی موعود نے خود بھی فرمایا ”اس آیت میں تصریح سے سمجھایا گیا کہ مسیح موعود چودھویں صدی
میں پیدا ہوگا“ (تخفہ گولڑیہ ص ۲۳) جسہ قرینہ اگلی آیت کے الفاظ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِ بھی ہیں ”کیونکہ اظہار تمام اور اتمام نور ایک ہی چیز ہے۔“ مہدی موعود کے چودھویں صدی
میں ظہور کی تصریح اس سورۃ کی آخری آیت، سورۃ الجمعہ اور سورۃ الفجر میں بھی کی گئی ہے جس کا
ذکر انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔

اوپر کے صفحات میں ہم نے آیت هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے حوالہ سے بتایا تھا کہ قرآن کی رو سے اسلام کا غلبہ دو
دوروں اور دو مہدیوں (یعنی مہدی اوّل حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے نائب مہدی

موعد) کے ذریعہ ہوتا مقدر تھا۔ مگر قرآن کریم نے یہی بتانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے

پہلا غلبہ جلالی رنگ میں ہوگا اور دوسرا جمالی رنگ میں

اور اس سے متعلقہ کچھ اور ضروری باتیں بھی بیان کی ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا آیت زیر نظر سورۃ الفتح میں بھی آئی ہے۔ صرف آخری الفاظ میں فرق ہے (یعنی وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ کی بجائے وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا کے الفاظ ہیں) اور اس سے اگلی آیت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے دو مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی وہ جو تورات میں آئی ہے۔ اور دوسری وہ جو اس کے ۱۳۰۰ سال بعد نازل ہونے والی کتاب انجیل میں آئی ہے۔ پہلی مثال میں انکی جلالی شان دکھائی گئی ہے اور دوسری میں جمالی شان۔ جس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے لئے دو بار غالب آنا مقدر تھا ایک بار اپنے ابتدائی دور میں (جو تکمیل دین کا دور تھا) جلالی شان کے ساتھ اور دوسری بار اپنے آخری دور میں (جو تکمیل اشاعت دین کا دور ہے) جمالی شان کے ساتھ۔ سورۃ الفتح کی وہ آیت یہ ہے:-

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَ
رِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ
شُطْنُهُ فَاَرَزَرَهُ فَأَسْغَلَظَ فَاَسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْقِهِ يُعْجِبُ
الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (۳۰)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار کے خلاف
خدت رکھنے والے اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں تو انہیں اللہ کے
فضل اور رضا کی طلب میں (ہر طرف سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف) جھکے

ہوئے کامل فرمانبرداری کرتے ہوئے اور سجدے بجالاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ان کے چہروں سے سجدوں کے اثرات نمایاں ہیں۔ ان کی ایسی ہی مثال تورات میں بیان ہوئی اور ان کی (دوبارہ ترقی کی) مثال جو انجیل میں (بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی ترقی اس طرح ہوگی) جیسے ایک بچہ ہو جس نے اپنی کونہل نکالی۔ پھر اس نے اس کونہل کو قوت دی پھر وہ کونہل موٹی ہونے لگی۔ پھر اپنی ساق پر مضبوطی سے قائم ہوگئی۔ (اس طرح کہ خود) کسانوں کو بھلی لگتی۔ اور تعجب میں ڈالتی ہے۔ (ان کے اس طرح ترقی پانے کا) نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کفار کو غیظ و غضب میں مبتلا کر دے گا۔ (تاہم) ان میں سے ان کے لئے جو (حسد کرنے کی بجائے) ایمان لائے اور انہوں نے نیک اور مناسب حال عمل کیئے اللہ نے مغفرت اور انتہائی بڑے اجر کا وعدہ دیا ہے۔

اگر اس آیت میں کلام کو اَلْاِنْجِيلِ پر ختم سمجھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے ایسے ہی اوصاف تورات اور انجیل دونوں میں بیان ہوئے ہیں۔ اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ایک جملہ **فِي التَّوْرَةِ** پر ختم ہوا اور **وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ** ”الگ جملہ ہے تو یہ مطلب ہوگا کہ جو اوصاف پہلے بیان ہوئے ہیں وہ تورات میں مذکور ہیں۔ اور جو آگے بیان ہوئے ہیں وہ انجیل میں آئے ہیں۔ گو تو لہذا زبان دونوں صورتوں کے اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن قرآن عبارت دوسری صورت کو حتمین کرتے ہیں۔ کیونکہ **وَمَثَلُهُمْ** کا لفظ دہرایا گیا ہے۔ جس کی پہلی صورت میں ہرگز ضرورت نہیں تھی۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ زمانہ نزول قرآن کے وقت تورات اور انجیل جس شکل میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود تھیں اس شکل میں تو ان کے اندر یہ مثالیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے ظاہری طور پر پائی نہیں جاتیں تھیں۔ مگر اس کے باوجود جو قرآن کریم نے ان مثالوں کو ان کتابوں کے حوالے سے بیان کیا اور صرف یہی نہیں کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی مثال ایسی ہے تو یقیناً اس سے غرض یہ بتانا نہیں تھی کہ چونکہ یہ مثالیں تورات اور انجیل میں آئی ہیں اس لئے ان کو مان لینا چاہیے بلکہ غرض اس امر کی طرف متوجہ کرنا تھی کہ جن

لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان ہوئیں ان کا اور جو کچھ ان مثالوں کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق دو زمانوں سے ہے اسی طرح جس طرح تورات اور انجیل کا تعلق دو زمانوں سے ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے جو ترتیب ظاہری و باطنی کا حد درجہ خیال رکھا ہے ذَلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَةِ کے الفاظ تو متعلقہ مثال بیان کرنے کے بعد رکھے ہیں اور وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کے الفاظ متعلقہ مثال بیان کرنے سے پہلے رکھے ہیں تا سمجھنے والے سمجھ جائیں کہ ان میں سے پہلی مثال تو ان لوگوں کے لئے ہے جو عالم وجود میں آچکے ہیں اور دوسری مثال کسی آئندہ زمانہ میں پیدا ہونے والے لوگوں کے لئے ہے۔

اس پر ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ دوسری مثال میں مُثَمِّلٌ بہ کے متعلق ایک بیج کی سی حالت سے تدریجاً ترقی کرنے کا ذکر ہے۔ اور بیج پودوں ہی سے بنا کرتے ہیں۔ اور ان کے پک کر خشک ہونے کے وقت بنا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ مثال بہر حال ان لوگوں ہی کے متعلق ہو سکتی ہے جنہوں نے اسلام کے پہلے دور کی ترقی کے بعد مسلمانوں پر ضعف کا زمانہ آجانے کے وقت گلشن اسلام کے انہی پودوں (یعنی مسلمانوں) میں سے نکلنے والے اور بیج کی سی صفات رکھنے والے کسی شخص کے پیدا ہونے پر اس میں سے اپنا وجود حاصل کرنا اور بیج میں سے نکلنے والی کوئیل کی طرح جمالی رنگ میں نشوونما پانا اور نشوونما پا کر گلشن اسلام کے ابتدائی پودوں یعنی صحابہؓ کے ہم رنگ بننا یا بہ الفاظ دیگر ان آخرین میں سے ہونا تھا جن کا ذکر سورۃ الجمعہ کی آیت وَآخِرَیْنِ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِہُمْ میں آیا ہے۔

در اصل تورات اور انجیل دونوں ہی اپنی اصل کے اعتبار سے الہامی ہیں۔ لہذا مذکورہ دونوں مثالیں خدا تعالیٰ ہی کی بیان کردہ ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا ایک مثال کو تورات میں بیان کرنا جو ایک آتشیں شریعت ہے اور حضرت موسیٰؑ کی زبانی (جو ایک جلالی نبی تھے) لوگوں تک پہنچانا اور دوسری مثال کو ۱۳۰۰ سال بعد انجیل میں جو ایک جمالی رنگ میں تعلیم الہی ہے بیان کرنا اور حضرت مسیحؑ کی زبانی (جو ایک جمالی نبی تھے) لوگوں تک پہنچانا اور پھر ان دونوں مثالوں کو قرآن کریم میں جو ایک جامع جلال و جمال کتاب ہے بیان کرنا اور ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے متعلق قرار دینا اور دوسری طرف ایسے قرآن بھی ساتھ رکھ دینا جن سے معلوم ہو کہ

ان میں سے پہلی مثال موجود الوقت صحابہ سے متعلق ہے اور دوسری کسی آئندہ زمانہ میں پیدا ہو کر صحابہ میں شمار ہونے والے لوگوں کے متعلق ہے بلا حکت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ کے متوازی پڑا ہوا ہے۔ پس جس طرح حضرت موسیٰ کے بالقابل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آئے ہیں اور تورات کی پیشگوئی کے عین مطابق آپ کی اور آپ کے صحابہ کی جلالی شان ظاہر ہو چکی ہے اسی طرح آپ کے ۱۳۰۰ سال بعد ایک مسیح بھی آئے گا جس کے مقبوع مسیح نامی کی طرح جمالی شان کے حامل ہوں گے اور کزربع والی مثال ان پر صادق آئے گی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خود فرمایا:-

”فَأَشَارَ مُوسَى بِقَوْلِهِ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ إِلَى صَحَابَةِ أَذْرَكُوا صُحْبَةَ نَبِيِّنَا الْمُخْتَارِ وَأَرْوَأْشِدَّةٌ وَغِلْظَةٌ فِي الْمِضْمَارِ وَأَظْهَرُوا أَجْلَالَ اللَّهِ بِالسَّيْفِ الْبُتَارِ وَصَارُوا ظِلَّ اسْمِ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ الْقَهَّارِ عَلَيْهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ.....

وَأَشَارَ عِيسَى بِقَوْلِهِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْنُهُ إِلَى قَوْمٍ آخَرِينَ مِنْهُمْ وَإِمَامِهِمُ الْمَسِيحُ بَلْ ذَكَرَ اسْمَهُ أَحْمَدَ بِالتَّصْرِيحِ“ (تفسیر حضرت اقدس م ص ۳۵۸) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول ”أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ“ کے ذریعہ صحابہ کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے ہمارے نبی المختار کی محبت اٹھائی اور میدان میں سختی اور ہمت دکھائی اور شمشیر برداران کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے جلال کو ظاہر کیا اور وہ محمد رسول اللہ کے نام کے گل ہو گئے..... عیسیٰ نے كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْنُهُ کہہ کر بعد میں آنے والے ایک گروہ اور ان کے امام مسیح موعود کی طرف اشارہ کیا بلکہ آپ نے مراحت سے اس کے نام احمد کا بھی ذکر کر دیا۔

(اعجاز المسح ص ۱۲۶: ۱۲۷)

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب اسلام کے تمام ادیان عالم پر غالب کئے جانے کی پیشگوئی کی گئی تو اس وقت کے حالات کے پیش نظر دو اہم سوال پیدا ہوتے تھے۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی جو حالت اس وقت ہے اسے دیکھتے ہوئے کیسے مان لیا جائے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔ تمام ادیان تو الگ رہے اس وقت تو انہیں مشرکین عرب پر بھی غلبہ ملتا نظر نہیں آتا۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر بغرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ

اور آپ کے ساتھیوں کو عرب میں کامیابی حاصل ہو جائے گی تو کیا اس کے بعد اسلام کے تمام ادیان پر غالب آنے تک مسلمان مسلسل ترقی کرتے چلے جائیں گے یا اس عمل میں کوئی وقفہ بھی ہوگا۔ اور اگر وقفہ ہوتا ہے تو پھر دوسری ترقی کس رنگ میں ہوگی۔ کیا اسی رنگ میں کہ جس رنگ میں پہلی ترقی ہوئی یا اس کا رنگ جدا ہوگا؟۔ ان میں سے پہلے سوال کا جواب اس آیت کے پہلے حصہ میں یعنی پہلی مثال کے پیرایہ میں دیا گیا ہے۔ اور دوسرے سوال کا جواب دوسرے حصہ میں یعنی دوسری مثال کے پیرایہ میں دیا گیا۔

اس کتاب کا موضوع چونکہ ذکر الہدی فی القرآن ہے اس لئے یہاں ہم صرف دوسری مثال کی جس میں دوسرے سوال کا جواب دیا گیا ہے تفصیل بیان کریں گے۔ فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی ایک مثال (تورات کے ۱۳۰۰ سال بعد نازل ہونے والی کتاب) انجیل میں بیان ہوئی ہے۔ اور ان کی مثال جو انجیل میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے:-

كَزَّرَعَ أَخْرَجَ شَطْنَهُ فَأَزْرَهُ یعنی جس طرح کھیتی جب پک جاتی ہے تو خشک ہونے لگ جاتی ہے۔ مگر اس وقت اس میں بیج پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کو زمین میں بویا جائے تو وہ پھر اُگ آتے ہیں۔ اور ازرہ نو کھیتی کی صورت بن جاتی ہے اسی طرح ترقی کا ایک دور پورا کرنے پر مسلمانوں پر متزل کا ایک دور آجائے گا۔ اور ان کی حالت زبوں ہو جائے گی۔ مگر انہی میں سے ایک شخص جو ان کی آئندہ ترقیات کے لئے بمنزلہ بیج کے ہوگا پیدا ہوگا۔ گو دوسرے بعض بیج تو ضائع بھی ہو جاتے ہیں مگر وہ بیج ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنی کوئٹل نکالے گا۔ پھر اس کوئٹل کو طاقت دے گا۔ أَخْرَجَ شَطْنَهُ فَأَزْرَهُ میں ضمیر زرع کی طرف راجع ہے۔ (جس کے معنی کھیتی کے علاوہ بیج کے بھی ہوتے ہیں۔ اور یہاں بیج ہی کے معنی چتے ہیں) مگر اگلے الفاظ فَأَسْتَغْلَظُ میں ضمیر شَطْنَهُ کی طرف راجع ہے۔ اس میں علم نباتات کا ایک عجیب نکتہ بیان ہوا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک عظیم پیشگوئی بھی کی گئی ہے۔

=====

علم نباتات کا ایک اہم نکتہ اور مہدی مسعود المسیح الموعود اور انکی اولاد کے بارہ میں بعض اہم خبریں

سورۃ الفتح کی آیت اُخْرِجْ شَطْنَهُ، فَأَزْرَهُ میں ضمیر کوچ کی طرف پھیر کر اور
فَاسْتَغْلِظْ میں خود شَطْنَهُ کی طرف پھیر کر یہ اشارہ کیا کہ اپنی کونہل نکالنے کے بعد بھی بیج
بالکل ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا کوئی طاقت بخش جزو (جسے اس کی اہمیت کی بنا پر بیج ہی کہنا
چاہیے) باقی رہتا ہے۔ اور اس کونہل کو براہ راست طاقت بخشتا ہے۔ مگر جب وہ کونہل کسی قدر
طاقت پکڑ لیتی ہے تو وہ جو بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس بیج کا کوئی طاقت بخش جزا اپنی اصلی شکل
میں باقی نہیں رہتا۔ اور وہ کونہل اپنے طور پر موٹی ہوتی اور بڑھتی رہتی ہے۔ چنانچہ ماہرین علم
نباتات نے ۱۴۰۰ سال بعد (ہمارے اس زمانہ میں جس سے اس بات کا خاص تعلق ہے) یہ معلوم
کیا ہے کہ بیج کے عام طور پر تین حصے ہوتے ہیں۔ نمبر ۱: RADICLE جو جڑ بناتا ہے۔ نمبر ۲:
PLUMULE جو کونہل کی صورت میں پھوٹتا اور بعد میں تان بناتا ہے۔ اور COTYLADEN
جو کونہل کی نشوونما میں مدد دیتا ہے۔ لیکن کونہل کے کسی قدر قوت پکڑ لینے اور براہ راست جڑ سے
غذا حاصل کرنے کے لائق ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔

چونکہ یہاں بیج کی مثال بیان کر کے مقصد یہ بتانا ہے کہ اپنے ضعف کے زمانے میں
مسلمان ایک مسیح کے آنے پر کس طرح ایک بیج کی سی حالت سے بیج ہی کی مانند ترقی کریں گے۔
اس لئے یہ مذکورہ بالا نکتہ بیان کر کے یہ اشارہ کیا کہ مسیح موعود ایک بیج کی مانند ہوگا جس میں سے
پنپنے اور سرسبز ہونے والی ایک کونہل (جس سے مراد اس کی جماعت ہے) نکلے گی۔ اور اس کے
زمین سے سر نکالنے کے بعد بھی اس بیج کا اپنا ایک خاص الخاص جز باقی رہے گا جو اس کونہل کو غذا
مہیا کرے گا۔ اور طاقت بخشتے گا۔ مگر جب اس کونہل کو کچھ طاقت حاصل ہو جائے گی اور وہ براہ
راست جڑ سے غذا پانے اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے لائق ہو جائے گی تو وہ جز بھی ختم
ہو جائے گا۔ اور اس جز کے ختم ہونے تک اس بیج کا اپنا کوئی اور طاقت بخش جز اپنی اصل شکل
میں باقی نہیں رہے گا۔ لیکن اس بیج سے نکلا ہوا پودا اس کے بعد بھی ترقی کرتا چلا جائے گا۔

چنانچہ دیکھ لیجئے اس پیشگوئی کے عین مطابق حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے۔ پہلے آپ سے جماعت احمدیہ کا پودا لکھا۔ پھر آپ ہی کے بدن کے اہم جزو (آپ کے فرزند ارجمند حضرت محمودؑ) نے (جو آپ کے خلیفہ ثانی بھی بنے اور الہام الہی میں آپ کے مثل بھی کہلائے) اس پودے کو روحانی غذا مہیا کر کے قوت بخشی۔ لیکن جب اس پودے نے کسی قدر طاقت پکڑ لی تو وہ فرزند ارجمند بھی دنیا میں نہ رہا۔ اور جب وہ فوت ہوا اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی اور کوئی زینہ اولاد جو آپ کے کام کو آگے بڑھاتی موجود نہ تھی۔ مگر اس کے بعد بھی یہ پودا جو اس بیج سے لکھا تھا خشک نہیں ہوا بلکہ اس وقت وہ اس قابل ہو چکا تھا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو اور بڑھتا رہے۔ چنانچہ ادھر آپ فوت ہوئے اور ادھر اس کوٹیل نے *فَاسْتَفْلَظَ* کا نظارہ دکھایا۔ جس کا ثبوت جماعت کے بجٹ میں بے پناہ اضافہ اور اس کی مساعی میں بے انداز وسعت سے ملتا ہے۔ اور اب وہ پودا اپنی ساق پر قائم ہو چکا ہے۔ چنانچہ حوادث کی وہ سخت آندھیاں اور مخالفوں کا شدید سیلاب بھی کہ ۱۹۷۲ء اور ۱۹۸۲ء میں دیکھنے میں آئے اس کو اپنی جگہ سے اکھاڑ نہ سکے۔ اور *يُغْجِبُ الزُّرَّاعَ* کے مطابق خود اس پودے کی آبیاری کرنے والے (منتظمین سلسلہ) کو اس کی مضبوطی پر تعجب ہوتا ہے۔ اور *لِيَفْهَيْطَ بِهِمُ الْكُفَّارَ* کا نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کفار اس کی طاقت کو دیکھ کر غیظ و غضب سے بھرے جاتے ہیں مگر کچھ کر نہیں پاتے۔ بیشک اور لوگ بھی اس جماعت کی قوت کا باعث بنے جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؑ کا نام نامی سرفہرست ہے۔ لیکن یہ پیشگوئی اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے آپ کا روحانی فرزند ہونے کے ساتھ جسمانی فرزند بھی ہونا تھا۔ جیسے حدیث *يَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ* میں اور حدیث *لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مَعْلَقًا بِالْشَرِيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ أَوْ رَجَالٌ مِنْ هَؤُلَاءِ* میں صرف اس کی صلی اولاد کی پیشگوئی ہے۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ بعض بیجوں میں دو *COTYLADEN* ہوتے ہیں۔ اس صورت کو لیں تو اس آیت میں حضرت مسیح موعودؑ کے ان دو بیٹوں کی پیشگوئی کی گئی جنہیں آپ کی جماعت کی ترقی میں زیادہ نمایاں خدمات بجالانے کا موقع ملا۔ اسی طرح بعض بیجوں میں ایک تیرا جو *ENDOSPERM* بھی ہوتا ہے۔ جو وہ بھی کوٹیل کو نشوونما دیتا ہے۔ اور اگر اسے بھی شامل کر لیا جائے تو یہ پیشگوئی آپ کے (خدمت کی عمر اور توفیق پانے والے) تینوں بیٹوں پر شامل ہوگی۔ لیکن چونکہ اکثر بیجوں میں صرف ایک *COTYLADEN* ہوتا ہے

اس لئے واضح طور پر اس جگہ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک بیٹے (حضرت المسیح الموعودؑ) ہی کی پیشگوئی ہے۔ جو اپنے الہام اَنَا الْمَسِيحُ الْمَوْعُودُ وَمَثِيلُهُ وَخَلِيفَتُهُ کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کا جزد بدن کہلانے کا ازل نمبر پر مستحق تھا۔ اور جس کا دور ایک رنگ میں حضرت مسیح موعودؑ ہی کا دور تھا۔

=====

سورة التحريم میں مہدیؑ کا ذکر

سورة الفتح کی طرح سورة التحريم میں بھی مہدیؑ کا ذکر آیا ہے۔ اس سورة کے آخر میں پہلے کافروں کے سمجھانے کو دو مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک ”امراة نوح“ کی اور دوسری ”امراة لوط“ کی۔ اور دونوں کا ایک ہی جرم بتایا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ کے جن بندوں کی وہ ماتحت تھیں ان کی انہوں نے خیانت کی۔ اور دونوں کے جرم کا نتیجہ بھی ایک ہی بیاں ہوا ہے۔ جب دونوں کا جرم بھی ایک ہی تھا اور اس کا نتیجہ بھی ایک ہی تھا تو بظاہر ان میں سے ایک ہی کا ذکر کافی تھا۔ مگر ذکر دونوں کا کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوحؑ صاحب شریعت نبی تھے۔ اور حضرت لوطؑ غیر تشریفی نبی تھے۔ پس دونوں کا ذکر فرما کر اشارہ کیا کہ صاحب شریعت نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ایک غیر تشریفی نبی آنے والا ہے۔ اور اس کی خیانت کرنے والوں یعنی اس سے منافقانہ برتاؤ کرنے والوں کا بھی وہی انجام ہوگا جو آنحضرت ﷺ کی خیانت کرنے والوں کا ہوگا اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد ایک عیسیٰؑ کے آنے کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ۔ میں نبی ہوں اور وہ نبی ہوگا مگر ہمارے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔ اور لَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَىٰ فرما کر اسی کو مہدیؑ بھی قرار دیا ہے اس لئے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جس نبی کے آنے کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ غیر تشریفی نبی ہوگا اس سے مہدی موعودؑ ہی مراد ہے اور یہ بتا کر کہ اس کی خیانت کا دیا ہی نتیجہ ہوگا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی خیانت کا یہ سمجھایا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ہی کو پیش کرے گا۔ یہی وجہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے مہدیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے مہدیؑ کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

ان دو مثالوں کے بعد دو مثالیں مومنوں کے فائدہ کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ ایک ”اِمْرَاۃُ فِرْعَوْنَ“ کی اور دوسری مریم بنت عمران کی جس کے الفاظ یہ ہیں:-

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ
رُوحِنَا وَصَدَّقْتَ بِكَلِمَتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ عَلَيْهَا مِنَ الْقَنَاتِ
(الحج ۲۲: ۱۳)

اگرچہ لفظ فرج کے کئی معنی ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے قرآن کریم کی دوسری تمام آیات میں یہ لفظ صرف شرم گاہ کے معنی میں آیا ہے۔ اسی طرح ”نفخ روح“ کے الفاظ ہیں یہ قرآن کریم میں الہام کے معنی میں بھی پیش آئے ہیں۔ مثلاً فرمایا فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوْا اِلَيْهِ سَاجِدِيْنَ۔ مگر حضرت مریم کے تعلق میں یہ الفاظ صرف ایک اور آیت میں آئے ہیں۔ اور وہ آیت وَالَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔ اور آئیں یہ واضح طور پر عیسیٰ کا حمل ٹھہرانے کے معنی میں ہیں چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے خطبہ الہامیہ میں ہے ”لَا شَكَّ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ رُّوحِ هٰهُنَا عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ“ (آئیں شک نہیں کہ اس جگہ روح سے مراد عیسیٰ ابن مریم ہے۔)

لہذا ہم ان معنوں کے مطابق دیکھیں گے کہ ان آیات میں کیا بتایا گیا ہے۔ مگر اس سے قبل چند باتوں کا مد نظر رکھ لینا بھی ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہاں حفاظت فرج کے نہیں احسان فرج کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور یہ دو طرح ہوتا ہے۔ مُحَصِّن کا لفظ جو اسم مفعول ہے اس کیلئے آتا ہے جس کی عصمت نکاح کے ذریعہ محفوظ ہو جائے اور مُحَصِّن (اسم فاعل) اس کیلئے جو بغیر نکاح اپنی عصمت کو محفوظ رکھے۔ یہاں چونکہ احصنت فرجہا کے الفاظ ہیں یعنی حضرت مریم کو احسان کا فاعل قرار دیا گیا ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کنواری رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوحِنَا میں ضمیر ’ہ‘ لائی گئی ہے جو مذکر کے لئے آتی ہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ اشارہ گریبان کی طرف ہے یا فرج کی طرف لیکن نہ حمل گریبان میں یا گریبان کے راستہ ہوا کرتا ہے اور نہ حضرت مریم کا حمل ایسا تھا کہ دوسری توجیہ ہی درست جانی جاسکے۔ دراصل جیسا کہ الانبیاء ۹۲:۲۱ میں فَنَفَخْنَا فِيْهَا فرمایا

جانا اس کا ثبوت ہے یہ ضمیر دراصل حضرت مریم ہی کے لئے ہے۔ پس ان کے لئے ایک جگہ مونث اور دوسری جگہ مذکر کی ضمیر لا کر یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں زنانہ کے علاوہ مردانہ جو ہر بھی تھا یعنی وہ بغیر واسطہ مرد کے حاملہ ہونے کی استعداد رکھتی تھیں اور یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ صرف تبدیلی ضمیر کے ساتھ ایک اہم سائنسی نکتہ بیان کر دیا ہے۔ حضرت مریم کے لئے مذکر کی ضمیر لانے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اس سے یہ اشارہ ہو گیا کہ جس مریم کی اس ذکر سے پیشگوئی مقصود ہے وہ عورت نہیں بلکہ مرد ہوگا۔

=====

یہ خبر کہ ایک حد تک ابن مریم بننے والے اُمت میں بہت ہونگے مگر
کامل طور پر ابن مریم بننے والا اور بنا برائیں یہ نام پانیوالا
ایک ہی ہوگا

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اس آیت میں جو مومنوں کے لئے حضرت مریم کی مثال بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کنواری رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو خدا تعالیٰ نے ان میں اپنی روح پھونک دی یعنی انہیں روح منہ کے مصداق عیسیٰ کا حمل ٹھہرا دیا تو اس سے یہ مراد تو ہونہیں سکتی کہ مومنوں میں سے جو بھی کنواریا رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کرے گا اسے حمل ٹھہرا دیا جائے گا اور وہ حمل بھی عیسیٰ کا ہوگا بلکہ یہی مراد ہو سکتی ہے کہ مریم سے پیش آنے والی جو باتیں ان پر ظاہر میں اطلاق پا سکتی ہیں وہ ظاہر میں اطلاق پائیں گی اور دوسری مجاز اور استعارہ کے رنگ میں اطلاق پائیں گی۔ تاہم اس رنگ میں بھی ہر مومن پر ان کا تمام و کمال اطلاق پانا مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ جب نفع روح سے عیسیٰ کا حمل ٹھہرانا مراد ہوا تو صَدَقَتْ بِكَلِمَتِ رَبِّهَا وَكُنْتُمْ سے بھی لامحالہ ان پیشگوئیوں کو پورا کرنا مراد ہوگا جو اس کی رسولانہ حیثیت کے بارہ میں خدا کے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ پہلے سے کی گئی تھیں اور ہر مومن کے حق میں ایسی پیشگوئیوں کا ہونا ہی ممکن نہیں چہ جائیکہ وہ ان کو پورا بھی کر سکے۔ بلکہ بوجہ اس کے کہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ کا قائم مقام ہے اور سلسلہ موسویہ میں ایک ہی ابن مریم ہوا تھا اور وہ اس سلسلہ کے آخرین میں ہوا تھا اس سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ اُمّت محمدیہ کے آخرین میں آنے

والا کوئی ایک شخص ایسا ہوگا جس پر یہ سب باتیں صادق آئیں گی۔ یعنی تمام وکمال اطلاق ان کا صرف اس ایک شخص پر ہوگا اگرچہ کسی حد تک اطلاق ہزاروں پر ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی فرمایا ہے ”ہر ایک مومن جو تقویٰ و طہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہے اور خدا اس میں اپنی روح پھونک دیتا ہے جو کہ ابن مریم بن جاتی ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”اس سے یہی مراد ہے کہ اس آفت میں ایک ایسا انسان ہوگا جو پہلے صفت مریمیت سے موصوف ہوگا اور پھر اس میں نفع ہو کر صفات عیسوی پیدا ہوں گی.... اگر اس آیت میں صرف مریم کا لفظ ہوتا تو بہت سے افراد ہو سکتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے احسان فرج اور نفع روح کی قید لگا کر بتادیا ہے کہ ایک ہی شخص ہوگا“ دوسری جگہ فرماتے ہیں ”یہ ایک استعارہ تھا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا اس کیلئے یہی وقت مقرر تھا۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ مریم، نفع روح اور میراث نام عیسیٰ رکھنے کے الہاموں میں صرف ۹ یا ۱۰ ماہ کا فاصلہ ہے جو کہ مدت حمل ہے“ (ملفوظات جلد ۴ ص ۳۸۶)۔

ہیں وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا.... وَمَرْيَمَ ابْنَةَ عِمْرَانَ کا مطلب یہ ہے کہ مریم بنت عمران کے قصہ کے پیرایہ میں اللہ تعالیٰ نے تمثیلی طور پر ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا ہے جس کے متعلق پہلے سے علم رکھنا مومنوں کے فائدہ میں ہے یعنی اس ذکر کی وجہ سے ان میں سے سعید الفطرت اس کے آنے پر ٹھوکر کھانے سے بچ سکتے ہیں۔ تاہم بمطابق آیت یَحْسُرَةُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ اکثر لوگ رسولوں کے ساتھ بالعموم استہزاء ہی کیا کرتے ہیں اس لئے ضرور تھا کہ اس وقت بھی ایسا ہی ہو۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسری جگہ فرمایا۔ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؑ نے فرمایا ”لَمَّا اس محل پر آتا ہے جو کام ابھی تک نہ ہوا ہو اور آئندہ ہونے کی توقع ہو۔“ اور ”اِذَا“ اس موقع پر لاتے ہیں جب کسی بات کے اچانک واقع ہونے کا اظہار مقصود ہو۔ پس اس میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے بتایا گیا کہ جب ابن مریم کی مثال بیان کی جائے گی یعنی ایک شخص آکر کہے گا کہ جس طرح سلسلہ موسویہ کے آخر میں ابن مریم آیا تھا اسی طرح سلسلہ محمدیہ کے آخر میں میں آیا ہوں اور میں ہی موعود ابن مریم ہوں اور پہلے ابن مریم کا مثل ہوں۔ تو غیر تو غیر خود تیری قوم (جو پہلے ابن مریم کی منظر ہوگی اور اس کی

راہ تک رہی ہوگی اس کے دعویٰ پر) اچانک اپنے تیور بدل لے گی اور شور مچانا شروع کر دے گی (کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے)۔

ابن مریم کے لئے مثال دوسری جگہ یہ ایں الفاظ بیان ہوئی ہے کہ **إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ**۔ یقیناً اللہ کے نزدیک عیسیٰ یعنی ابن مریم کی مثال آدم کی سی ہے جسے خدا نے تراب سے پیدا کیا پھر کہا ہو جا تو کوننا بعد کون وہ وجود میں آگیا۔ جس چیز سے انسان کی پیدائش ہوئی اس کے لئے قرآن میں دو لفظ آئے ہیں **نُفْرَاطِینَ** (نم دار مٹی) نمبر ۲ تراب (شک مٹی)۔ یہاں **خَلَقَهُ** اور **ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ** فرمایا ہے۔ گویا پیدائش کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ تراب میں قوت نمونہیں ہوتی لیکن جب خدا نے چاہا ایسے تغیرات اس پر لایا کہ اس میں یہ قوت پیدا ہو گئی۔ اور اس سے پہلے تو اس cell یا خلیہ کی تخلیق ہوئی جس میں آدم کا تمام تر نقشہ تھا یعنی آدم کی تمام صفات اس کے اندر latent حیثیت میں (یعنی بالقوہ) موجود تھیں۔ اور پھر اس خلیہ پر نئے تغیرات لایا جس کے نتیجہ میں آدم وجود میں آگیا۔ بعینہ اسی طرح اگرچہ عام طور پر عورت بغیر واسطہ مرد کے بچہ پیدا نہیں کر سکتی لیکن جب اللہ نے چاہا وہ اپنی قدرت کاملہ سے حضرت مریم کے رحم میں ایسا تقیر لایا کہ وہ بغیر واسطہ مرد کے حاملہ ہونے کے لائق ہو گئیں اور انہیں عیسیٰ کا حمل ظہر گیا۔ اور پھر اس پر اور تقیرات لایا جس کے نتیجہ میں عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ پس اس آیت میں حضرت عیسیٰ کو آدم سے تشبیہ دیا جانا بتاتا ہے کہ مقدر یہ تھا کہ موعود ابن مریم کو بھی آدم سے مشابہت ہوگی۔ لیکن جیسا کہ اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں قرآنی آیات کا ظہر بھی ہے اور بطن بھی۔ اگر ایک آیت ایک زمانہ میں ظاہری طور پر اطلاق پاتی ہے تو دوسرے زمانہ میں مجاز کے رنگ میں اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ابوالبشر آدم کی پیدائش پر اس آیت کا اطلاق ظاہری رنگ میں ہوا اور موعود آدم مسیح موعود پر اس کا اطلاق مجاز کے رنگ میں ہونا تھا۔ پس یہ مثال بیان کر کے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جس طرح عورت سے بغیر واسطہ مرد کے بچہ کی پیدائش ناممکن نظر آتی ہے لیکن حضرت مریم سے مسیح پیدا ہو گیا۔ اور مٹی سے انسان کی پیدائش تو اور بھی زیادہ ناممکن نظر آتی ہے لیکن مٹی سے آدم پیدا ہو گیا۔ اسی طرح موعود مسیح یا موعود آدم کے وقت میں اس کی قوم اس بات سے ناامید ہو چکی ہوگی کہ اس میں سے کسی عورت کے پیٹ سے مسیح پیدا ہو سکتا ہے بلکہ اس بات ہی سے ناامید ہو چکی ہوگی کہ

اس کی زمین کی مٹی سے کوئی مسج یا آدم پیدا ہو سکتا ہے اس لئے آنے والا آسمان سے آئے گا۔ اور جب کوئی شخص جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور اس زمین سے وجود میں آیا اور اس نے مثیل ابن مریم ہونے کا دعویٰ کیا تو وہ شور مچا دے گی کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔

بہر صورت سورۃ تحریم کی اس آیت میں بتایا گیا کہ جو کچھ اس میں (حضرت) مریم کے متعلق بیان ہوا ہے وہ آئندہ پیدا ہونے والے شخص کا تمثیلی بیان ہے۔ یعنی جو باتیں ظاہر میں اطلاق پا سکتی ہیں وہ اس شخص پر ظاہر میں اطلاق پائیں گی اور جو ظاہر میں اطلاق نہیں پاسکتیں وہ مجاز کے رنگ میں اس پر اطلاق پائیں گی۔

=====

پہلی پیشگوئی

چنانچہ اس میں پہلی پیشگوئی یہ کی گئی کہ جس طرح حضرت مریم میں بغیر واسطہ مرد کے شخص موصوبہ الہی سے حاملہ ہونے اور عیسیٰ نبی اللہ کی ماں بننے کی استعداد تھی اور پھر وہ اسکی ماں بنیں بھی اسی طرح اُمت محمدیہ میں پیدا ہونے والے مریمی صفت موعود میں ہوگی۔ یعنی وہ کسی ما سوا اللہ سے کسب فیض کئے بغیر مریمی حالت سے عیسوی حالت کی طرف انتقال کر سکے گا اور کریگا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی موعود ابن مریم حضرت مرزا صاحب کی ذات میں پوری ہوئی۔

=====

دوسری پیشگوئی

اس آیت میں حضرت مریم کا ذکر انکے والد کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔ حالانکہ بظاہر اسکی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان کی شہرت ایسی ہے کہ انکے والد کو ان کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ ان کو ان کے والد کی وجہ سے نہیں جانا جاتا۔ لہذا ان کا ذکر انکے والد کے حوالے سے کرنا انکی بشریت کی طرف اشارہ کرنے ہی کے لئے ہو سکتا تھا۔ اور اسکی ضرورت اُسی صورت میں ہو سکتی تھی جو علم الہی میں یہ بات ہوتی کہ لوگ اسے اس سے زیادہ حیثیت دے رہے ہیں یا آئندہ دینے والے ہیں۔ لہذا اس میں یہ بتایا گیا کہ گو بعض لوگ حضرت مریم کو فوق البشر کی حیثیت دیتے ہیں یا دیں گے لیکن درحقیقت یہ انکی تہوراتی مریم ہوگی۔ ورنہ اصل مریم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ اور

چونکہ حضرت مریم کا ذکر آئندہ پیدا ہونے والے ایک مریمی مفت فحش کیلئے بطور پیشگوئی کے ہے اسلئے مقصود اس سے یہ بتانا بھی تھا کہ اس موعود کے زمانہ کے لوگ اپنے تھوڑاتی موعود کو فوق البشر کی حیثیت دے رہے ہونگے۔ مگر اصل موعود بشر ہی ہو گا۔ اسکی زیادہ وضاحت ”سورۃ الجن“ میں ہے۔ جسکے لئے دیکھیں صفحات ۴۱۲ تا ۴۲۱ کتاب ہذا چنانچہ اگرچہ موعود ابن مریم حضرت مرزا صاحب عام انسانوں کی طرح کے ایک انسان تھے۔ اس زمانہ کے لوگ جس ابن مریم کے منظر تھے انہیں وہ انیس سو سال سے آسمان پر بغیر حوائج بشریہ پورے کئے زندہ مان کر فوق البشر کی حیثیت دے رہے ہیں۔

=====

تیسری پیشگوئی

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مریم کی نسبت انکے والد کی طرف ہی نہیں کی گئی اس کا نام بھی لیا گیا ہے۔ اور مریم کے کنواری ہونے اور اسی حالت میں حاملہ ہونے اور پھر بیٹا جننے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ تو چونکہ انکے والد کا نام بھی ان کے جد امجد کی طرح عمران تھا لہذا اس سے یہ اشارہ ہوا کہ مریم کے آباء کا سلسلہ انکے والد پر آکر اپنے ابتدائی نقطہ سے جا ملا تھا۔ یعنی اس کا دائرہ مکمل ہو گیا تھا۔ اور مریم سے ایک نیا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اور یہ تمام ذکر چونکہ بطور پیشگوئی ہے اس میں دراصل یہ بتایا گیا کہ موعود مریم کے آنے پر بھی ایسا ہی ہو گا یعنی اسکے آباء کا سلسلہ (ایک اعتبار سے) منقطع ہو جائے گا اور اس سے ایک نئے سلسلہ کا آغاز ہو گا۔ چنانچہ موعود ابن مریم کو خود بھی پہلے سے الہاماً کہا گیا کہ:-

يَنْقَطِعُ أَبَاؤُكَ وَيُبدَأُ مِنْكَ

تیرے باپ دادوں کا ذکر منقطع ہو جائے گا اور تیرے بعد سلسلہ خاندان

کا تجھ سے چلے گا۔

اور پھر عملاً بھی ایسا ہی ہوا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح پہلے عمران ال عمران کے پہلے نبی حضرت موسیٰ کے والد تھے اس طرح یہ آخری عمران اس سلسلہ کے آخری نبی حضرت عیسیٰ کے ایک رنگ میں باپ تھے۔ کیونکہ عیسیٰ کے سلسلہ آباء میں وہی آخری مرد تھے۔ اور اس طرح ال عمران کے نبی پیدا کرنے والے مردوں کا دائرہ ان کے وجود پر مکمل ہو گیا تھا۔

چوتھی پیشگوئی

پھر حضرت مریم کے متعلق کہا گیا ہے اَلَّتِیْ اُحْصَنَتْ لِرُجْهَآ مَرِیْمَ وہ عورت تھی جس نے کنواری رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کی یعنی ناجائز طریق سے تو درکنار جائز طریق سے یعنی عقد نکاح کر کے بھی کسی ماسوا اللہ کو قریب نہیں آنے دیا اور اپنی کنوارگی کو محفوظ رکھا۔ اور یہ سارا ذکر چونکہ بطور پیشگوئی ہے لہذا چوتھی بات اس آیت میں یہ بتائی گئی کہ جس طرح حضرت مریم کسی کے عقد نکاح میں نہیں آئیں مگر انہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا اسی طرح اسکے ذکر کے ہر ایہ میں جس شخص کے آنے کی پیشگوئی کی جا رہی ہے وہ بھی مجازی معنی میں کنواری ہی رہے گا یعنی نہ کسی سے عقد بیعت استوار کرے گا نہ ویسے کسی ماسوا اللہ سے علوم لَدُنَّیْ اور فیوض روحانی حاصل کرے گا لیکن اس کے باوجود شروع ہی سے صحیح العقیدہ مسلمان ہوگا اور کبھی بھی اپنے عقائد کو خیالات فاسدہ سے آلودہ نہیں ہونے دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

=====

پانچویں پیشگوئی

اَلَّتِیْ اُحْصَنَتْ لِرُجْهَآ کے بعد فرماتا ہے لَفَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (اسے کنواری رہتے ہوئے اپنی عصمت کی حفاظت کی) تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اسے اپنے کلام والہام سے نوازا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اسے رُوحِ مِنْہُ کے مصداق وجود عیسیٰ نبی اللہ کا حمل ٹھہرا دیا۔ پس اس ذکر میں اشارہ کیا گیا کہ موعود ابن مریم کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ جس طرح حضرت مریم کو خدا تعالیٰ نے (لُغِ) روح کے ایک مفہوم کے مطابق) صاحب الہام بنایا اسی طرح موعود مریم حضرت مرزا صاحب کو بھی حالت مریمی ہی میں اپنے مکالمہ مخاطبہ سے نوازا۔ اور جس طرح حضرت مریم کو لُغِ روح کے دوسرے مفہوم کے مطابق عیسیٰ کا حمل ٹھہرایا گیا اور پھر آپ سے عیسیٰ نبی اللہ پیدا ہوا اسی طرح کا معاملہ روحانی طور پر حضرت مرزا صاحب سے ہوا۔ اور اسی طرح آپ عیسیٰ ابن مریم ٹھہرے۔

=====

چھٹی پیشگوئی

لَفَنَحْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا کے بعد ہے وَصَدَقْتُ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَہ اور مریم نے اپنے رب کے کلمات اور اسکی کتابوں کو سچا کیا۔

كَلِمَاتِ رَبِّهَا سے وہ باتیں بھی مراد ہیں جو خدا تعالیٰ نے خود مریم سے کہیں اور وہ بھی مراد ہیں جو دوسرے بزرگوں سے (جو صاحب کتاب تھے یا نہیں تھے) کہیں اور کتبہ سے آسانی صحیفے مراد ہیں۔ اور یہ سارا ذکر چونکہ بطور پیشگوئی ہے نہ کہ بطور قصہ اسلئے اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ موعود مریم کے حق میں یہ باتیں بھی ظہور میں آئیں گی یعنی:-

نمبر ۱ اس سے خدا تعالیٰ براہ راست کلام کرے گا اور اسے غیب کی خبروں سے نوازے گا۔

نمبر ۲ اسکے بارہ میں دوسرے اولیاء اللہ کو بھی خبریں دے گا۔

نمبر ۳ سابقہ الہامی صحیفوں میں بھی اس کے بارہ میں خبریں دی گئی ہیں اور وہ اپنے وجود سے ان سب خبروں کو سچا کرے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا:-

موعود مریم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اس وقت جبکہ آپ ابھی حالت مریمی میں تھے سلسلہ الہام شروع ہوا۔ پھر آپ نبی بنائے گئے۔ اور آپ کو بذریعہ وحی بے شمار اخبار غیبیہ دی گئیں جو ایک ایک کر کے پوری ہوئیں اور ہوتی جا رہی ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر اس کتاب میں دوسری جگہ پر کیا گیا ہے۔ آپ پر اترنے والی وحی قطعی اور یقینی تھی۔ جس کے بیشمار ثبوت ہیں اور آپ نے خود بھی فرمایا:-

”میں شکی اور ظنی الہام کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ یقینی اور قطعی وحی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ میں اس پر ایسا ہی یقین رکھتا ہوں

جیسا کہ آفتاب اور مہتاب پر۔“

(مہلج رسالت ہفتم صلی ۶۳-۶۵)

جہاں تک دوسرے بزرگوں اور ولیوں کا تعلق ہے ان سب کے سردار تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپؐ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کے مصداق ہیں۔ اسلئے آپؐ نے موعود مریم یعنی حضرت مسیح و مہدی موعودؑ کے بارہ میں جو کچھ بھی فرمایا وہ سب بر بنائے وحی تھا۔ ان میں سے چند باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں حضورؐ نے فرمایا:-

نمبر ۱ الْمَهْدِيُّ مِنَّا اَهْلُ الْبَيْتِ رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِي

(غایۃ المقصود جلد ۲ صلی ۱۵۷)

اس حدیث میں آنحضورؐ نے مہدی کو اپنا اُمتی اور اپنے اہل بیت میں سے قرار دیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؑ کے بارہ میں فرمایا سَلَمَانٌ مِّنَّا اَهْلُ الْبَيْتِ۔

نمبر ۲ يُقِيمُ النَّاسَ عَلَىٰ مِلَّتِي وَشَرِيعَتِي وَيَدْعُوهُمْ اِلَىٰ
كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ اطَاعَهُ اطَاعَنِي وَمَنْ عَصَاہُ
عَصَانِي

وہ لوگوں کو میرے دین اور میری شریعت پر قائم کرے گا اور انہیں اللہ عز و جل کی کتاب کی طرف بلائے گا۔ جس نے اس کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی میری نافرمانی کی۔

نمبر ۳ فَاِذَا رَاَيْتُمُوہُ فَبَايِعُوہُ وَلَوْ حَبْوًا عَلٰی الثَّلَجِ فَاِنَّہُ
خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِی

جب تم مہدی کو دیکھو تو اسکی بیعت کرو خواہ گھٹنوں کے بل برف پر چلنا پڑے اسلئے کہ وہ خدا کا خلیفہ ہے جو خدا سے ہدایت یافتہ ہے۔

نمبر ۴ اَنَّ الْعِلْمَ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِیِّہِ لَیْسَتْ لِی
مَهْدِیْنَا کَمَا یَنْبُتُ الزَّرْعُ عَلٰی اَحْسَنِ نَبَاتِہِ

(امام مہدی کا ظہور صلی ۳۳۹)

یعنی کتاب اللہ اور اسکے نبی کی سنت کا علم ہمارے مہدی (کے دل) میں اس طرح اگتا چلا جائیگا جیسے خوبصورت کھیتی اگتی اور پھٹی ہے۔

چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:-

”مجھے اس خدا کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق و معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔“ (سراج منیر صفحہ ۴۱)

پھر آپ نے قرآن دانی اور تفسیر نویسی میں ساری دنیا کو چیلنج دیا مگر کوئی مقابل پر ٹھہر نہ سکا۔ فرمایا:- ۷

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
نمبر ۵ عَصَابَةُ تَغْزُو الْهِنْدَ وَهِيَ تَكُونُ مَعَ الْمَهْدِيِّ اِسْمُهُ اَحْمَدُ
(الانتم الثاقب جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۴۱-۴۲)

ایک جماعت ہندوستان میں جہاد کرے گی وہ مہدی کے ساتھ ہوگی اس کا نام احمد ہوگا۔

احمد نام جمالی شان کا مظہر ہے پس اِسْمُهُ اَحْمَدُ فرما کر حضورؐ نے وضاحت فرمادی کہ یہ جہاد تبلیغ کا جہاد ہوگا نہ کہ سیف کا۔

نمبر ۶ يَخْرُجُ الْمَهْدِيُّ مِنْ قَرْيَةٍ يُقَالُ لَهَا كِدْعَةُ
مہدی اس بستی سے خروج کریگا جسے کدعہ کہا جاتا ہے یا کہا جائیگا۔

(جواہر الاسرار تلمی از شیخ علی حمزہ بن علی تالیف ۸۴۰ ھ)

کدعہ سے قادیان ہی مراد ہے۔ بات یہ ہے کہ اس بستی کا نام پہلے اسلام پور تھا اور چونکہ حضرت مرزا صاحب کے بعض اجداد کو شاہانمغلیہ نے قاضی کا عہدہ سونپا اسے اسلام پور قاضی کہا جانے لگا پھر صرف قاضی اس کا نام رہ گیا اور ضاد کا تلفظ چونکہ دود سے بھی ادا کیا جاتا ہے اس لئے قاضی سے قادی بنا اور قادی سے قادیان ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے اسی حدیث کی بنا پر (جس میں یہ ذکر بھی ہے کہ مہدی موعود کے اصحاب کی تعداد اہل بدر کی تعداد

کے مطابق ۳۱۳ ہوگی جبکہ نام ایک کتاب میں مندرج ہوئے (حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی تصدیق فرمائی کیونکہ حضرت مرزا صاحبؒ کا خروج بھی گدِ عَدۃ یعنی قادیان سے ہوا اور آپ نے اپنی کتاب انجامِ آہنم میں اپنے مخلص ساتھیوں کے نام بھی لکھے ہیں اور وہ ۳۱۳ ہی ہیں۔) (دیکھیں اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۷۰)

اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ یَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ وَرَاءِ النَّهْرِ يُقَالُ لَهُ الْحَارِثُ حَرَاثٌ (مطلوۃ باب اول اشراف السلفہ صفحہ ۴۷)۔ وراء کے معنی درے کے بھی ہوتے ہیں اور پرے کے بھی ہوتے ہیں۔ پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ ایک مرد ایک دریا کے پرے کے اور ایک دریا کے درے کے مقام، یعنی دو دریاؤں کے درمیان کے مقام سے ظاہر ہوگا اور زمیندار کہلائے گا۔ اور قادیان دو دریاؤں ستلج اور بیاس کے درمیان واقع ہے۔ اور آپؐ کا تعلق زمیندار خاندان سے تھا۔

ایک اور روایت میں گدِ عَدۃ کی بجائے کَرَعۃ کا لفظ ہے اور جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۳۹ پر واضح کیا ہے یہ لفظ بھی قادیان پر مجازی معنوں میں پورے طور پر صادق آتا ہے۔ اس ضمن میں ایک اور روایت بھی قابل ذکر ہے۔ حضرت بابا گردنا تک صاحبؒ سے انکے ایک مرید مردانے نے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی کبیر بھگت جیسا ہوا ہے آپ نے فرمایا ”مردانیاں اک جٹلیٹا ہوسی پر اسان تو پچھے چار سو برس توں بعد ہوسی۔“ پھر مردانے نے پوچھا کس جگہ ہوگا تو آپ نے فرمایا ”وٹالے دے پر گئے وچ ہوسی۔“ اور قادیان اسی تحصیل میں واقع ہے۔ یعنی ٹالہ کی تحصیل میں جسے پنجابی میں وٹالہ کہتے ہیں۔

نمبر ۷ آنحضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ”وَالِدَيَّ نَفْسِي بِيَدِهِ لِيُؤْهِكُنْ
أَنْ يُنْزَلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدَلًا فَيَكْسِرَ الصُّلَيْبَ
وَيَقْتُلَ الْخَنَزِيرَ وَيَضَعَ الْجَزْيَةَ وَ يُفِيضَ الْمَالَ حَتَّى لَا
يَقْبَلَهُ أَحَدٌ۔“

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابنِ مریم نازل ہوگا۔ اس حال میں کہ وہ حکم عدل ہوگا صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ جزیہ موقوف کرے گا اور (حقائق

ومعارف کا مال دیکھا اور (اور دیتا چلا جائے گا) یہاں تک کہ کوئی اسے لینے والا نہیں ہوگا۔

یہ سب کی سب علامتیں حضرت مرزا صاحب میں تمام وکمال پوری ہوں گی۔
نمبر ۸ آنحضرت ﷺ نے حضرت مہدی موعودؑ کے متعلق اور بھی کئی باتیں بیان فرمائیں مثلاً :-
 نمبر ۱: یہ کہ اسکا ظہور فلاں سنہ میں ہوگا۔ (مختلف سن بتائے ہیں جو مختلف اعتبار سے ہیں)۔

نمبر ۲: یہ کہ اس کے وقت میں چاند اور سورج کو ایک ہی رمضان کی معینہ تاریخوں میں گرہن لگے گا اور یہ واقعہ دو بار ہوگا۔
نمبر ۳: یہ کہ وہ فارسی اصل ہوگا۔

نمبر ۴: یہ کہ وہ دو زرد چادروں میں ملبوس آئیگا۔ علم تعبیر رویا کے مطابق زرد چادر سے بیماری مراد ہوتی ہے۔ حضرت مہدی موعودؑ کو دو امراض لاحق تھے۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں دوران سر کا مرض اور دوسرا بدن کے اسفل حصہ میں کثرت پیشاب کا مرض۔
نمبر ۵: آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مہدی کا رنگ گندم گول اور بال سیدھے ہونگے (بخاری)۔

نمبر ۶: پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ دجال کو قتل کریگا یعنی فاسد مسیحی عقائد کا رد کر دے گا۔

یہ سب کی سب باتیں بھی آپؐ کے وجود میں پوری ہوں گی۔
 اب ہم مہدی موعودؑ کے متعلق کچھ پیشگوئیاں بزرگان امتؑ کی بھی بیان کر دیتے ہیں جن کا پورا ہونا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے خبر پا کر ہی دی گئی تھیں۔
 حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا:-

نمبر ۱ وہ توام پیدا ہوگا اس سے پہلے ایک لڑکی پیدا ہوگی چنانچہ حضرت مرزا صاحبؑ کی پیدائش بالکل اسی طرح ہوئی۔

نمبر ۲ وزراء مہدی سب عجمی ہوں گے ان میں سے کوئی عربی نہ ہوگا۔ انکے لئے

ایک حافظ قرآن ہوگا جو انکی جنس سے نہیں ہوگا کیونکہ اسنے کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کی ہوگی وہ اس کا خاص وزیر اور بہترین امین ہوگا۔ چنانچہ حضرت حکیم مولوی نور الدین کی ذات میں جو ان تمام خوبیوں کے حامل تھے یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اب تک حضرت مہدی موعود کے چار خلفاء ہو چکے ہیں جو سب کے سب عجبی ہیں۔

نمبر ۳ جب مہدی آئے گا تو فقہاء کے علاوہ کوئی اس کا کھلا دشمن نہیں ہوگا انکے الفاظ یہ ہیں۔ اِذَا خَرَجَ هَذَا الْإِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهُ عَدُوٌّ مُبِينٌ إِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً۔ (موعود اقوام عالم صفحہ ۱۹۱ بحوالہ حج اکرمہ صفحہ ۳۶۳)

نمبر ۴ وَجَبَ نَزْوُهُ لِيُخْرِجَ الزَّمَانَ بِتَعْلُقِهِ بِبَدَنِ آخَرَ (تفسیر عرائس البیان صفحہ ۳۶۳ مطبع مطبع نوکلور)

یعنی آخری زمانہ میں عیسیٰ کا نزول دوسرے بدن کے تعلق سے ہوتا ضروری ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں ”میں ایک عجیب بات خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور اسکے خبر دینے سے جانتا ہوں... آنحضرت ﷺ کی رحلت سے ایک ہزار چند سال بعد ایک ایسا زمانہ آتا ہے جبکہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت کعبہ سے متحد ہو جائیگی (کعبہ چونکہ مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا کا مصداق ہے مطلب یہ ہے کہ آنحضورؐ اپنی جمالی شان کی طرف لوٹینگے۔ ناقل) اور اسوقت حقیقت محمدی حقیقت احمدی کے نام سے موسوم ہوگی اور احمدیت خدا تعالیٰ کی صفت احد کا مظہر ہوگی۔ (موعود اقوام عالم صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۷)

حضرت مولانا رومؒ آنے والے موعود کے متعلق فرماتے ہیں (مثنوی دفتر اول صفحہ ۸۶)

گفت پیغمبر کہ هست از انتم
کہ بود ہم گھر و ہم ہنتم

نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ میری امت سے ہوگا کیونکہ وہ میرا ہم گھر اور ہم ہنتم ہوگا یعنی میرے جیسا اور میرا بروز ہوگا۔

=====

ساتویں پیشگوئی

اس زمانہ میں کلیسیا کی خدمت کے لئے زندگی وقف کرنے والی عورتیں شادی نہیں کیا کرتی تھیں اسلئے اس آیت میں جو حضرت مریمؑ کے بارہ میں یہ کہا گیا کہ اَخْصَنَتْ فَرْجَهَا تو ایسی اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کر رکھی تھی اور چونکہ یہ ذکر بطور پیشگوئی ہو رہا ہے اس میں یہ اشارہ تھا کہ موعود مریمؑ کی زندگی بھی خدمتِ دین کے لئے وقف ہوگی۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی ذات میں پوری ہوئی۔ لیکن جائز اور ضروری تعلقات کو توڑ کر دین کی خدمت کے لئے وقت نکالنا کوئی بڑی خوبی نہیں۔ یہ تو رہبانیت کی ایک قسم ہے جسے اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ یہ تعلقات رکھتے ہوئے انسان ایسا بن جائے کہ گویا اسکا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اور چونکہ حضرت مرزا صاحب نے یہ جائز تعلقات بھی قائم کئے اور پھر دین کے لئے زندگی وقف بھی رکھی اسلئے اس سے آپؑ کی حضرت مریمؑ پر بلکہ حضرت مسیحؑ پر بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے بھی شادی نہیں کی۔ چنانچہ اولیاء اُمّت آپؑ کی اس فضیلت کے قائل تھے۔ غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے:-

افضلیت حضرت امام مہدی علیہ السلام بر حضرت مسیح علیہ السلام

ثابت و واضح است

اس پیشگوئی کے موعود نے خود بھی فرمایا:-

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

=====

آٹھویں پیشگوئی

بظاہر یہاں وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتَاتِ يَا وَكَانَ مِنَ الْقَانِتِينَ کے الفاظ چاہئے تھے مگر الفاظ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ کے ہیں۔ افسوس کہ مفسرین اسکے نحوی جواز کے پیچھے پڑے

ہیں مگر اسکی حکمت بیان نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ پہلی صورت ہوتی تو یہ الفاظ حضرت مریم سے اور دوسری صورت ہوتی تو ابن مریم سے خاص ہو جاتے اور قسالت کی بھی کوئی تخصیص نہ ہوتی لیکن وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ فرما کر جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت فرمانبردار مردوں میں شامل ہو گئی یہ اشارہ کیا گیا کہ وہ ان اعلیٰ درجہ کے فرمانبرداروں میں شامل ہو گئی جو صرف مرد ہوا کرتے ہیں یعنی نبیوں میں۔ گویا یہ بتایا گیا کہ اسکا اپنے رب کے کلمات اور کتابوں کو سچا کرنا صرف اس معنی میں نہیں تھا جس میں ہر سچا مومن انکو سچا کرتا ہے بلکہ اس معنی میں تھا جس میں خواص بلکہ اخص یعنی نبی اسے سچا کرتے ہیں۔ لیکن سابقہ پیشگوئیوں کو سچا تو عیسیٰ نے کیا تھا اور نبیوں میں شامل بھی عیسیٰ ہی ہوا تھا لہذا یہاں جو ان باتوں کو مریم کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو اس میں کوئی خاص حکمت ہونی چاہیے۔

سو جاننا چاہیے کہ یہ سارا بیان چونکہ بطور پیشگوئی ہے اور ان باتوں کے حضرت مریم کی طرف منسوب ہونے کا کوئی جواز بجز اسکے نہیں کہ عیسیٰ کا وجود مریم ہی کے وجود کی PROJECTION تھا اور مریم ہی نے اسکو جنم دیا تھا۔ اسلئے اس میں دراصل یہ بتایا گیا کہ جس شخص کے بارہ میں یہاں پیشگوئی کی جارہی ہے وہ خود ہی مریم ہو گا اور خود ہی ابن مریم یعنی ابتدائی حالت اس کی مریمی حالت ہو گی۔ پھر اس میں مجاز اور استعارہ کے رنگ میں عیسیٰ کی روح کا لُغ ہو گا اور پھر مجاز اور استعارہ کے رنگ میں اس سے عیسیٰ پیدا ہو گا۔ یعنی لُغ روح کے بعد مدت حمل پوری ہونے پر وہ حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کر جائے گا۔

اس موقع پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر كَانَ مِنَ الْقَانِتِينَ میں یہ بتانا مقصود تھا کہ اس طرح وہ نبیوں میں شامل ہو گئی تو وَكَانَتْ مِنَ النَّبِيِّينَ ہی کیوں نہ فرما دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مِنَ النَّبِيِّينَ فرمایا جاتا تو اس سے یہ بات مفہوم نہ ہوتی کہ وہ کس قسم کے نبیوں میں شامل ہوئی۔ مِنَ الْقَانِتِينَ فرمانے میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ وہ فرمانبردار (نبیوں) یعنی ایسے نبیوں میں شامل ہوئی جو اپنے اپنے سلسلوں کے تشریحی نبی کے تابع یعنی امتی ہوتے ہیں۔

حضرت مریم کے متعلق وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ فرما کر جو یہ پیشگوئی کی گئی کہ اس آیت کا موعود خود ہی مریم ہو گا۔ اور خود ہی ابن مریم۔ وہ بھی حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی ذات میں پوری ہوئی۔ کیونکہ ابتدائی حالت آپ کی مریمی تھی۔ اور الہامات میں بھی آپ کا بھی

نام رکھا گیا۔ اس حالت میں آپؐ کو مجاز اور استعارہ کے رنگ میں عیسیٰ کا حمل ٹھہرایا گیا۔ اور پھر مدت حمل (نودس ماہ) گزرنے پر مجاز اور استعارہ کے رنگ میں اس مریم نے عیسیٰ کو جنم دیا۔ یعنی آپؐ نے حالت مریمی سے حالت عیسوی کی طرف انتقال کیا۔ اور ایسا کر کے ان فرمانبرداروں کے زمرہ میں شمولیت اختیار کی جو صرف مرد ہوا کرتے ہیں۔ یعنی زمرہ انبیاء میں۔ مگر جیسا کہ وَكَانَتْ مِنَ النَّبِيِّينَ کی بجائے وَكَانَتْ مِنَ الْقَائِمِينَ فرمانے میں اشارہ تھا۔ ایسے انبیاء کے زمرہ میں جو اپنے سلسلہ کے صاحب شریعت نبی کے تابع ہوتے ہیں یعنی آپؐ نبی تو ہوئے مگر ایک لحاظ سے نبی اور ایک لحاظ سے اُمّی۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

آپؐ فرماتے ہیں کتاب براہین احمدیہ میں ”اول خدا نے میرا نام مریم رکھا۔ اور پھر فرمایا کہ میں نے اس مریم میں صدق کی روح پھونکنے کے بعد اس کا نام عیسیٰ رکھ دیا۔ گویا مریمی حالت سے عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ اور اس طرح میں خدا کے کلام میں ابن مریم کہلایا“ (اور یہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق ہوا جو) سورۃ تحریم میں خاص میرے لئے ہے اور وہ آیت یہ ہے۔

”وَمَرْيَمَ ابْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَيْنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ

مِنْ رُوحِنَا“ (ہیثمہ الوہی صفحہ ۳۳۷، صفحہ ۳۳۸)

آخر میں ایک اور نقطہ خاص بیان کر دینا خالی از فائدہ نہ ہو گا سورۃ تحریم میں چار عورتوں کا ذکر ہے۔ دو بُری تھیں اور دو اچھی۔ ان دو بُری عورتوں میں سے ہِزْأَتِ نوح زیادہ بُری تھی۔ چنانچہ اس نے ابنِ نوح جیسے خراب بیٹے کو جنم دیا۔ گویا خود بھی خراب تھی اور خرابی کو آگے چلانے والی بھی تھی۔ ہِزْأَتِ لوط نسبتاً کم بُری تھی۔ چنانچہ اسکے آگے کسی اور کو خراب کرنے کا ذکر نہیں آیا۔ اسی طرح نیک عورتوں میں سے ہِزْأَتِ فرعون کم نیک تھی۔ اور مریم بنت عمران زیادہ نیک تھی۔ چنانچہ ان میں سے پہلی نے آگے کوئی نیک پیدا نہیں کیا۔ جبکہ دوسری نے کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان مریم بنت عمران کی ہے آپؐ خود مومن تھے آپؐ سے نیک نسل آگے چلی اور آپؐ مومن گر بھی تھے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

”میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے

غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر

ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے
اور خدا اور رسول سے سچی محبت رکھ کر میری پیروی کریگا وہ بھی
خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا۔“ (اربعین نمبر ۱)
چنانچہ ہم نے دیکھا اور ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ حضورؐ کا یہ دعویٰ لفظ بلفظ
درست تھا۔

مہدی موعودؑ سے متعلق سورۃ الف کے ابتدائی دس آیات میں مذکور اشارات کی وضاحت
ہم اوپر کر چکے ہیں ان کے بعد مندرجہ ذیل آیات آتی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدْلٰكُمْ عَلٰى بَحَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ
عَذَابِ اَلَيْمٍ (۱۱) تُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتُجَاهِدُوْنَ فِى
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں اس تجارت کی اطلاع دوں جو
تمہیں درد ناک عذاب سے بچائے گی۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر
ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔
یہ (ایمان و جہاد) تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو (کہ اس میں کتنا فائدہ
ہے تو کبھی اس سے گریز نہ کرو)۔

اس ساری سورۃ میں مخاطب صرف مومن ہیں۔ اگر درمیان میں روئے کفر کی طرف
بھی ہو جاتا تو اور بات تھی مگر جب مومن ہی مخاطب ہیں تو بظاہر ”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا“ کے
تکرار کی ضرورت نہیں تھی مگر یہ الفاظ اس پندرہ آیات کی مختصر سی سورۃ میں تین بار لائے گئے
ہیں۔ جو بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی جگہ ان الفاظ کے مخاطبین کو متحد ہو کر قتال
کرنے کی تحریض دلائی گئی ہے اور آخری جگہ حواریان عیسیٰ کے طریق پر انصار اللہ بننے کی طرف
متوجہ کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی جگہ وہ لوگ مخاطب ہیں جو جلالی شان کے مظہر
تھے اور جنگے لئے جہاد بالسيف رکھا گیا تھا اور آخری جگہ وہ لوگ مخاطب ہیں جو جمالی شان کے
مظہر بننے والے تھے اور جنگے لئے تبلیغ و تلقین کا جہاد رکھا گیا تھا یعنی پہلی جگہ اسلام کے ابتدائی دور

کے اور آخری جگہ آخری دور یعنی دور مسیح موعود کے لوگ مخاطب ہیں کیونکہ جیسا کہ اوپر وضاحت آچکی ہے سورۃ اللّٰح کی آخری آیت میں اسی دور کو جمالی دور قرار دیا گیا ہے اور آنحضرتؐ نے بھی مسیح موعود کے وقت ہی کے متعلق جہاد بالسیف کے رک جانے کی خبر دی ہے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ یہ سورۃ ۴۷ کی ہے اسلئے پہلے یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مخاطب بہر حال ۴۷ کے مومن ہیں اور درمیانی یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مخاطب مومنوں کو عذاب الیم سے نجات پانے کا نسخہ بتایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے مخاطب خاص طور پر اس زمانہ کے مومن ہیں جس میں ان کے لئے عذاب الیم کی صورت پیدا ہونے والی تھی اور یہ صورت جیسی وضاحت کیساتھ بغداد کی عبرتاک تباہی پر پیدا ہوئی اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ تباہی ۶۵۶ھ میں ہوئی اسلئے درمیانی زمانہ ۶۵۶ھ کا زمانہ ہوا اور ۴۷ سے ۶۵۶ھ تک ۶۵۲ سال ہوتے ہیں اسلئے آخری زمانہ جس کے مخاطب آخری یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مومن ہیں ۶۵۶ + ۶۵۲ = ۱۳۰۸ھ بمطابق ۱۸۹۰ء کا زمانہ ہوا اور ٹھیک یہی سال اس عیسیٰ بن مریم کے دعوٰی مسیحیت کا سال ہے۔ جس کی یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہونے والی آخری آیت میں خبر دی گئی۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

اس کے بعد ہم اس سورۃ کی آخری آیت کی طرف آتے ہیں جو یہ ہے۔

یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ عِیْسٰی
ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیْنَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلٰی اللّٰهِ ۚ قَالَ
الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاَمَنْتُ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِیْ
اِسْرَآءِیْلَ وَكَفَرْتُ طَائِفَةٌ ۚ فَاٰیْدُنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی
عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوا ظٰہِرِیْنَ (۱۵)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بنو جس طرح (جب) عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کون (لوگوں کو) اللہ کی طرف (لے جانے میں) میرا مددگار (بننا) ہے حواریوں نے (بلا توقف) کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر بنی اسرائیل کا ایک گروہ (عیسیٰ پر) ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے کفر کیا (اور چونکہ ہم یہی چاہتے تھے کہ وہ ایمان لائیں)

اس لئے ہم نے ان لوگوں کی جو ایمان لائے انکے دشمنوں کے خلاف مدد کی (دوسروں کی مدد نہیں کی) جسکے نتیجہ میں وہ غالب آگئے۔

اس آیت میں کئی اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔

نمبر ۱ باوجود اس کے کہ حضرت عیسیٰ کا ابن مریم ہونا اس سورۃ میں پہلے بیان ہو چکا ہے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے پھر عیسیٰ ابن مریم کے الفاظ رکھے ہیں صرف عیسیٰ نہیں فرمایا اور اس طرح بتایا ہے کہ اس آیت میں عیسیٰ ابن مریم کے ذکر سے جس آئندہ آنیوالے عیسیٰ کا ذکر مقصود ہے وہ اس زمانہ میں کہ جس زمانہ کے مومن اس جگہ مخاطب ہیں یعنی ۳۰۸ھ میں مقام مریمی سے مقام عیسوی کی طرف انتقال کر چکا ہوگا چنانچہ عین اس سنہ میں موعود عیسیٰؑ نے دعویٰ مسیحیت کیا۔

نمبر ۲ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کو خدا تعالیٰ نے من انصاری الی اللہ (کون لوگوں کو اللہ کی طرف لے جانے میں میرا مددگار ہوتا ہے) کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے کون لوگوں کا مددگار ہوتا ہے نہیں فرمایا اور اس طرح اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے سپرد وہ کام تھا جو وہ خود ہی کر سکتے تھے دوسرے خواہ وہ حواریوں جیسے بلند مرتبہ ہی کیوں نہ ہوں اس کام میں (اسکے پیغام کی اشاعت کر کے) صرف مددگار ہو سکتے تھے۔ اور وہ کام جو مِنْ ذُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ صرف نبی اللہ ہی کر سکتا ہے بندوں کو خدا تعالیٰ کی طرف راغب کرنے اور اس سے ملانے کا کام ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ وراہ الوداء ہستی ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ آنکھیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں وہی آنکھوں تک پہنچتا ہے۔ اور آنکھوں تک پہنچنے کے لئے اس کا طریق یہی ہے کہ وہ اپنا کوئی نبی بھیجتا ہے اور اسکے واسطے سے اپنے قرب کی راہیں کھولتا ہے۔ پس اس آیت میں اس نے بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ بندوں کا خدا تعالیٰ سے رشتہ استوار کرنے اور انہیں اس سے ملانے آئے تھے اور چونکہ اس سارے ذکر سے مقصود آئندہ آنے والے عیسیٰ کے لئے پیشگوئی ہے اس لئے اس میں یہ بتایا گیا کہ موعود عیسیٰؑ بھی اسی غرض سے آئے گا اور اپنے وقت میں یہ کام صرف وہ ہی کر سکے گا دوسرے اسکے پیغام کی اشاعت میں اسکے مددگار تو ہو سکیں گے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے خواہ وہ حواریوں کے ہم مرتبہ ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا موعود عیسیٰؑ نے ظاہر ہو کر فرمایا ”وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا میں

اور اسکی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہو گئی ہے اس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں“ (لیکچر لاہور صفحہ ۴۷) پھر فرمایا ”خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا کہ تا میں علم اور خلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے لوگوں کو راہِ راست پر چلاؤں۔ انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے دلائل اسکو ملیں جنکی رو سے اس کو یقین آجائے کہ خدا ہے“ (جریاق القلوب صفحہ ۱۳-۱۴)

نمبر ۳ اس آیت میں صرف یہ نہیں کہا گیا کہ عیسیٰ بن مریم نے آکر مَنْ أَنْصَارِي اِلٰی اللّٰہ کہا بلکہ اس سے پہلے لِلْحَوَارِیْنَ فرمایا ہے۔ حواری کے ایک معنی دھوبی یعنی کپڑوں کو پاک صاف کرنے والے کے ہیں (مفردات راغب) اور چونکہ تقویٰ بھی ایک لباس ہے کَسْبَانِیۃ اس سے تقویٰ کو خالص کر کے اپنے آپ کو پاک کرنے والے بھی مراد ہوتے ہیں۔ پھر اسکے معنی برگزیدہ احباب کے بھی ہیں (غریب القرآن) اسی طرح مددگار اور مرید بھی اسکے معنی ہیں (فوائد الدّرہ) پس خاص طور پر یہ فرما کر کہ انہوں نے حواریوں سے یہ بات کہی اشارہ کیا گیا کہ اس وقت سے پہلے ہی حضرت عیسیٰؑ کو ایسا بزرگی کا مقام حاصل تھا کہ کچھ برگزیدہ لوگ انہیں اپنے سے بزرگ تر جان کر اپنی مرضی سے انکے حواری یعنی عقیدت مند، مخلص، محب، مددگار اور مرید بن چکے تھے لیکن مقام عیسویت پانے کے بعد انہوں نے ان لوگوں کو ایک خاص طور سے مددگار ہونے کو کہا تھا۔ تاہم انہوں نے اپنی دعوت کو اپنے ان ”حواریوں“ تک محدود نہیں رکھا جیسا کہ ان کے مَنْ أَنْصَارِي اِلٰی اللّٰہ مِنْكُمْ نہ فرمالے یعنی مِنْكُمْ کی قید نہ لگانے سے ظاہر ہے۔ اور چونکہ اس ذکر سے آئندہ آنوالے نبی کی پیشگوئی مقصود ہے اس میں یہ بتایا گیا کہ اسکے آنے پر بھی ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چند لوگ جن کے نام آگے آتے ہیں آپ کے دعویٰ سے پہلے ہی آپ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہو چکے تھے لیکن جب آپ نے لوگوں کو نصرت کے لئے بلایا تو اپنی دعوت کو ان تک محدود نہیں رکھا۔

نمبر ۴ اس آیت میں حواری کا لفظ دہرایا گیا ہے حالانکہ قرآن کریم کے عام طریق کے مطابق کہ وہ ضار کا استعمال کثرت سے فرماتا ہے دوسری جگہ بظاہر ضمیر لائی جانی چاہیے تھی۔ اسکی بجائے حواری کا لفظ دوبارہ لا کر بتایا کہ اس دعوت پر انکے حواریوں میں سے جو دراصل

حواری تھے انہوں نے تو انکی آواز پر لبیک کہا جو کچھ تھے وہ گر گئے۔ لیکن اگر حواریوں میں سے انکا ساتھ دینے والے تھوڑے ہوتے تو قَالَ بَعْضُهُمْ فرمایا جاتا۔ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ فرما کر بتایا کہ ان میں سے اکثر نے حضرت عیسیٰؑ کی آواز پر لبیک کہی تھی پیچھے رہ جانے والے تھوڑے سے تھے۔ چونکہ اس ذکر کے پیرایہ میں موعود عیسیٰؑ کے بارہ میں پیشگوئی کی جارہی ہے اس میں اشارہ تھا کہ اسکے وقت میں بھی ایسا ہی ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا دعویٰ سے پہلے حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب، حضرت شیخ محمد حسن صاحب مراد آبادی، حکیم فضل الدین صاحب بھیروی، حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی، حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری، حضرت منشی ظفر احمد صاحب، حضرت منشی ازوڑے خان صاحب، حضرت پیر افتخار احمد صاحب، حضرت پیر منظور محمد صاحب، میر عباس علی صاحب، منشی الہی بخش صاحب اکاؤنٹ اور منشی عبدالحق صاحب اکاؤنٹ وغیرہ آپکے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ آپ کے دعویٰ مسیحیت پر ان میں سے اکثر نے حضور کے دعویٰ پر لبیک کہا مگر جن تین کے نام آخر میں لکھے گئے ہیں انہوں نے ٹھوکر بھی کھائی۔ اور اس طرح ماننے والوں کا بھی ایک گروہ ہوا اور ٹھوکر کھانے والوں کا بھی ایک گروہ ہوا لیکن حسب پیشگوئی ماننے والے بہت زیادہ ہوئے۔

نمبر ۵ حواریوں کے قول نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ کے بعد ہے فَأَمَنْتُ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کے نتیجہ میں ان کے حواری ان کے پیغام کی تبلیغ میں لگ گئے تھے جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے اور کچھ کفر کے مرتکب ہوئے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے صرف اپنے پیغام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے مدد مانگی تھی اور انکا جہاد تبلیغ کا جہاد تھا سکوار کا نہیں تھا کیونکہ اسی صورت میں یہ ہو سکتا تھا کہ کچھ لوگ اپنی مرضی سے ایمان لے آتے اور کچھ اپنی مرضی سے کفر کی راہ اختیار کرتے پس اس ذکر کے ذریعہ بتایا گیا کہ آئندہ آنے والا عیسیٰؑ بھی لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرے گا تبلیغ تک اپنی کوششوں کو محدود رکھے گا۔ تاہم اپنے پیغام کی اشاعت کے لئے لوگوں کو نصرت کی دعوت دے گا اور انکی اپنی اور ان لوگوں کی جو اس دعوت کو قبول کریں گے مساعی کے نتیجہ میں مثلاً بنی اسرائیل یعنی اس زمانہ کے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ اپنی مرضی سے اس پر ایمان لے آئیں گے اور کچھ کفر کے مرتکب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی

ہوا۔ تاہم خدا تعالیٰ کا عیسیٰ کے ماننے والوں اور انکا کفر کرنیوالوں دونوں کے لئے جملہ فعلیہ استعمال کرنا جو حدوث کے معنے دیتا ہے جملہ اسمیہ جو دوام کے معنے دیتا ہے استعمال نہ کرنا یعنی یہ فرمانا کہ وہ ایمان لائے یا انہوں نے کفر کیا مگر انکو مومن یا کافر قرار نہ دینا بتاتا ہے کہ وہ صاحب شریعت نبی نہیں تھے اور چونکہ انکے ذکر سے مقصود آنیوالے عیسیٰ کی پیشگوئی ہے اسلئے انہیں یہ بتایا گیا کہ آئندہ آنیوالا عیسیٰ بھی صاحب شریعت نہیں ہوگا۔ مسلمانوں میں سے اسے نہ ماننے والوں کے بارہ میں یہ تو کہا جائے گا کہ انہوں نے کفر کیا مگر انکو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ موعود عیسیٰ نے آکر صاف صاف لکھا کہ میں نبی ہوں مگر صاحب شریعت نہیں بلکہ ایک پہلو سے نبی ہوں اور ایک پہلو سے اُمتی۔ نیز فرمایا: ”ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔ ضال اور جادہ صواب سے منحرف ضرور ہوگا۔“ (مرزا غلام احمد بحوالہ تریاق القلوب)

نمبر ۶ اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی دعوت پر ایمان لے آنیوالوں اور کفر کرنیوالوں دونوں کیلئے طائفہ کا لفظ رکھا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی زندگیوں میں ان کی تبلیغ کا دائرہ محدود رہا تھا اتنا وسیع نہیں ہوا تھا کہ ان سب لوگوں پر جن کی طرف وہ بھیجے گئے اتمام حجت ہو سکے اسلئے ایمان لانے والے بھی ایک طائفہ کے حکم میں یعنی تھوڑے ہی لوگ تھے اور باقیوں میں سے (جو بہر حال ایک بڑی تعداد میں تھے) مرکب کفر کہلانے کے لائق بھی تھوڑے ہی لوگ تھے کیونکہ بہت زیادہ لوگوں پر اتمام حجت نہیں ہو سکا تھا۔ اور آیت کے الفاظ **فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰلِمِيْنَ** بتاتے ہیں کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ اور انکے ابتدائی ساتھیوں کی زندگیوں میں تو بہت زیادہ لوگ ایمان نہیں لائے مگر انکے بعد انکے ذریعہ ایمان لانیوالوں کی خدا تعالیٰ نے مدد کی (دوسرے نبی اسرائیل کی مدد نہیں کی) اسلئے وہ اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے یعنی انکی کوششیں بار آور ہوئیں اور دشمن انکے مقابلہ پر میدان چھوڑ گئے اور انکے عہد میں لوگ بکثرت ایمان لے آئے اور اس طرح اشارہ کیا کہ آئندہ آنیوالے عیسیٰ کے آنے پر ان سب باتوں کا اعادہ ہوگا۔ چنانچہ جب وہ عیسیٰ آیا تو اس کے ابتدائی حواریوں یعنی مخلص ساتھیوں میں سے اکثر کی زندگیوں میں اس کے ماننے والوں کی تعداد کوئی بہت زیادہ نہیں ہوئی لیکن جب انکا زمانہ ختم ہوا تو ان لوگوں کی تبلیغ کے نتیجہ

میں جو ان حواریوں کے ذریعہ ایمان لائے تھے آپ کے ماننے والوں کی تعداد میں یکھت حیرت انگیز اضافہ شروع ہو گیا اور ان کے مقابلہ میں تو دشمنان اسلام ہر جگہ اور ہر موقع پر شکست پر شکست کھانے لگے لیکن دوسرے مسلمانوں کو نہ خدا تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوئی نہ دشمنوں پر غلبہ ملا بلکہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں دن بدن ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ تاہم جیسا کہ مسیح کے وقت ہوا خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کیا کہ انکے ماننے والوں کو بغیر کچھ کئے غلبہ دے دے بلکہ انکی کوششوں میں برکت ڈالی اور اسطرح دکھا دیا کہ مسلمانوں کا یہ خیال کہ عیسیٰ مسیح آکر ان کے سب دشمنوں کو ہلاک کر دیگا اور انکو بیٹھے بٹھائے غلبہ مل جائیگا درست نہیں تھا۔

آخر میں جاننا چاہیے کہ جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا باوجود اس کے کہ یہ ایک مختصر سی سورۃ ہے اور ساری سورۃ میں مومن ہی مخاطب ہیں اس میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ تین جگہ لائے گئے ہیں اور اسطرح اشارہ کیا گیا ہے کہ اس میں اسلام کے تین زمانوں یعنی اسکے ابتدائی زمانہ۔ درمیانی زمانہ۔ اور آخری زمانہ کے (جس کی ابتداء ۱۳۰۸ھ سے ہونا مقدر تھی) مومن مخاطب ہیں اور آخری جگہ مومنوں کو حواریان عیسیٰ کے طریق میں انصار اللہ بننے کا حکم فرما کر بتایا گیا ہے کہ اس زمانہ میں ایک عیسیٰ کا ظہور ہوگا اور مومنوں کو چاہیے کہ اس کے انصار بن جائیں کیونکہ انکی نصرت گویا خدا تعالیٰ کی نصرت ہوگی۔ اس پر مزید یہ کہ ایک طرح سے اس عیسیٰ کا نام بھی بتا دیا گیا ہے۔ اور وہ اسطرح کہ قرآن کریم کا یہ طریق ہے اور سارے قرآن میں اس کا التزام ہے کہ وہ آخر سورۃ میں شروع سورۃ کے مضمون کی طرف ضرور عود کرتا ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں یہ بتایا گیا تھا کہ جس طرح ایک احمد رسول اس وقت (یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں) موجود ہے اسی طرح ایک احمد رسول آخری زمانہ میں بھی آئیگا۔ پس اس سورۃ کی اس آخری آیت میں اس زمانہ میں ایک عیسیٰ کے آنے کی خبر دے کر بتایا کہ موعود احمد ہی عیسیٰ ہوگا یعنی موعود عیسیٰ کا نام احمد ہوگا اور چونکہ یہ اشارہ بھی اس سورۃ کے شروع میں کیا گیا ہے کہ وہ احمد احمد اول آنحضرت ﷺ کا غلام ہوگا اسلئے دوسرے لفظوں میں یہ بتایا کہ وہ عیسیٰ غلام احمد ہوگا۔ اور عجیب بات ہے کہ وہ عیسیٰ معنا ہی غلام احمد نہیں ہوا بلکہ حکمت الہی نے اسکے والدین سے بھی اسکا نام غلام احمد رکھوایا۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

سورة الجمعة میں ذکر المہدیؑ

سورة القف کے بعد سورة الجمعة آتی ہے اس کے شروع میں ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكُ
الْقَدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي
الْاُمَمِ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳)

تسبیح کرتا ہے اللہ کی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ
بادشاہ، پاک، غالب، حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے انہوں میں انہی
میں سے سے ایک رسول کھڑا کیا ہے جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنا
اور انہیں پاک کرتا اور انہیں یہ عظیم کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ اس
سے پہلے وہ کھلی کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔

سورة القف کے آخر میں مومنوں کو انصار اللہ بننے کو کہا گیا تھا اس پر مشرک کہہ سکتے
تھے کہ اگر خدا تعالیٰ کو بندوں کی مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے تو ہمارے معبودوں کی بدرجہ اولیٰ ہوگی
اس لئے اس سے ہمارے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے اور اگر ایسا نہیں اور اس کے شریک ٹھہرا کر ہم
بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے بادشاہ تو اپنی بادشاہت میں کسی باغی کا
وجود برداشت نہیں کرتے خدا تعالیٰ ہمارا وجود برداشت کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ ان کا آنحضرت
ﷺ کے (جو قیام توحید کے لئے آئے تھے) خلاف خفیہ مشورے کرنا اور پھر اپنے دلوں میں یہ کہنا
کہ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (المجادلہ ۹:۵۸) ایسے ہی خیالات کی بنا پر تھا۔ پس اس
سورة کے شروع میں آیت يُسَبِّحُ لِلّٰهِ ... الخ لا کر خدا تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا اور بتایا
کہ بیشک خدا تعالیٰ کی بادشاہت جیسی آسمانوں پر ہے اس وقت زمین پر ویسی تسلیم نہیں کی جارہی
اور اس کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے اس کے ماسوا کو خدائی کا درجہ دے کر اس کے شریک
ٹھہرایا جا رہا ہے لیکن اگر کوئی دیکھے تو جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ بھی اور جو کچھ زمین میں ہے وہ

بھی بزبان حال اللہ کا ہر قسم کی کمزوری اور شرک سے پاک ہونا ثابت کر رہا ہے۔ رہا یہ کہ وہ اپنی بادشاہت میں باغیوں کا وجود کیوں برداشت کئے ہوئے ہے اور وہ کیوں سب سے اپنا واحد بادشاہ ہونا منوانہیں لیتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسا ملک یعنی بادشاہ ہے جو قدوس بھی ہے اور ایسا عزیز یعنی غالب ہے جو حکیم بھی ہے۔ مطلب یہ کہ دوسرے بادشاہ بغاوت کو اس لئے برداشت نہیں کرتے کہ ان کو اپنی بادشاہت کے ہاتھ سے نکل جانے اور پھر ذلیل بلکہ ہلاک تک کئے جانے کا ڈر ہوتا ہے جو ایک کمزوری اور عیب ہے مگر خدا تعالیٰ میں کوئی کمزوری اور عیب نہیں اس لئے اسے ایسا ڈر نہیں ہو سکتا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ اس کی حکومت کو فی الحقیقت کوئی دوسرا چھین ہی نہیں سکتا رہا اس کا تسلیم نہ کیا جاتا تو اس کی فکر بھی اسی کو ہوتی ہے جسے اس کی احتیاج ہو جو ایک نقص ہے مگر خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اپنی بادشاہت کبھی منواتا ہی نہیں۔ منواتا ہے۔ مگر حکمت کے ساتھ کیونکہ وہ ایسا عزیز ہے جو حکیم بھی ہے۔

یہ باتیں چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائی جا رہی تھیں جو مدعی رسالت تھے اس لئے اسی میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آپؐ کا بھیجا جانا ہی وہ حکیمانہ اقدام ہے جو اس مقصد کے حصول کے لئے اس کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اس لئے کفار کی طرف سے یہ سوال ہو سکتا تھا کہ کیا خدائے حکیم اپنی بادشاہت اور اپنا غلبہ منوانے کے لئے اُنہوں کے اندر کسی آدمی کو رسول بنا کر بھیج سکتا ہے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ کیا اسی نے محمد ﷺ کو بھیجا ہے؟ نمبر ۲: یہ کہ اگر مذکورہ صفات اربعہ سے مُتَّصِفِ خدا ہی نے آپؐ کو بھیجا ہے تو آپؐ کی رسالت کا کیا ثبوت ہے۔ اور نمبر ۳: یہ کہ سورۃ القف کی آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے مطابق آپؐ کی بعثت کا تعلق تو تمام ادیان پر اسلام کو غالب کرنے یعنی ساری دنیا سے خدا تعالیٰ کی بادشاہت منوانے سے ہے کیا یہ مقصد آپؐ کی زندگی میں حاصل ہو سکے گا اور اگر نہیں تو پھر کب اور کیسے حاصل ہوگا۔ اگلی آیت هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ..... الخ میں ان میں سے پہلے دوسوالوں کا اور اس سے اگلی آیت وَآخَرِينَ مِنْهُمْ... الخ میں تیسرے سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

فرمایا وہ خدا ہی ہے جس نے اُنہوں کے اندر ان میں سے رسول بھیجا ہے اور اس کا

ثبوت کہ اسی نے اسے بھیجا ہے اس کے کام ہیں۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔
يَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ۔ یہ ان ائمہوں پر خدا تعالیٰ کی آیات پڑھتا ہے اور بادشاہ کے احکام بادشاہ کا
رسول ہی لایا کرتا ہے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ پھر یہ ان کو پاک کرتا ہے۔ جو صدیوں کے گڑے ہوئے
تھے اس کے ہاتھ سے پاک ہو رہے ہیں چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے آپؑ کو ہی مخاطب کر کے
عرض کی ۛ

اٰخِیَّتْ اَمْوَآتِ الْقُرُوْنَ بِجَلْوَةِ مَاذَا يُمَالِکُ بِهٰذَا الشَّانِ

اور تُو تُو قدسیہ یعنی پاک کرنے کی طاقت اُسی میں ہو سکتی ہے جو خدائے قدوس کا بھیجا
ہوا ہو۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ پھر یہ ان کو الکتاب کی یعنی ان قوانین و احکام کی تعلیم دیتا ہے
جن پر عمل پیرا ہو کر یہ سب اہل ادیان پر غالب آسکتے ہیں اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جسے خدائے
عزیز نے بھیجا ہو اور اسے اس کی تائید حاصل ہو۔ وَالْحِكْمَةُ پھر یہ حکمت کی باتیں سکھاتا ہے
ہر حکم جو دیتا ہے مبنی بر حکمت ہر تعلیم جو دیتا ہے حکمت سے پُر۔ جو اسی صورت میں ممکن ہے
جو اسے خدائے حکیم نے بھیجا ہو ۛ

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر
زیر چہ باشد تجھے روشن ترے

مطلب یہ کہ اُمّی ہو کر یہ سب کام کرنا تو اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ اسے تعلیم دیتا
ہے یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ رہا یہ کہ اسے ائمہوں کی طرف کیوں بھیجا گیا تو یہ بھی کوئی
جائے اعتراض نہیں کیونکہ معلم کی ضرورت ائمہوں کو ہی ہوتی ہے اور اس کے معلم برحق ہونے کا
ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے بیشک کھلی کھلی گمراہی میں (جو جہالت کا خاصہ ہے) پڑے ہوئے تھے
لیکن اس رسول سے تعلیم پا کر ان کی حالت بدل چکی ہے اور اب یہ وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔
چنانچہ وہی اُمّی ایک دنیا کے معلم بنے۔

=====

مسلمانوں کے لئے حصول غلبہ کا واحد طریق

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے جو کام بیان ہوئے ہیں وہ علی الترتیب خدا تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات اربعہ الملک۔ القدوس۔ العزیز اور الحکیم کے بالمقابل بیان ہوئے ہیں اور چونکہ 'القدوس' کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے اس لئے اس کے بالمقابل "وَيُزَكِّيهِمْ" کو بھی دوسرے نمبر پر جگہ دی گئی ہے اور چونکہ يَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ کا الْمَلِک کے يُزَكِّيهِمْ کا الْقُدُّوس کے اور يُعَلِّمُهُمْ.... الْحِكْمَةَ کا الحکیم کے بالمقابل آتا ہر شبہ سے بالا ہے۔ اس لئے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کے الفاظ "العزیز" کے بالمقابل آئے ہیں۔ پس يُزَكِّيهِمْ کو دوسرے نمبر پر رکھ کر جس سے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کے الفاظ العزیز کے بالمقابل آگئے ہیں۔ اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے حصول غلبہ کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ قرآن کا علم حاصل کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ اور قرآن کا علم صرف حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ آپؐ کے لئے دو بعث مقدر کئے گئے ہیں (جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے)۔ یعنی ایک حقیقی اور دوسرا بروزی۔ اس لئے علم قرآن آپؐ کے پہلے زمانہ بعث میں آپؐ سے براہ راست اور دوسرے زمانہ بعث میں آپؐ کے بروز کی وساطت سے حاصل ہو سکتا ہے اور بنا براین جس طرح آپؐ کے پہلے بعث میں آپؐ سے قرآن سیکھنا ضروری ہے آپؐ کے دوسرے بعث میں اس شخص سے قرآن سیکھنا ضروری ہوگا جس کے وجود میں آپؐ کا وہ بعث ہونے والا ہے۔

اس کے بعد تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:-

وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۴)

لفظ اٰخِرِيْنَ کا عطف اٰتَمِنَ پر بھی ہو سکتا ہے اور يُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر منسوب پر بھی (بیضادی)۔ پہلی صورت میں دو باتیں بتائیں۔ نمبر ۱: یہ کہ اللہ ہی نے انہوں میں ان میں سے رسول مبعوث کیا ہے جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ان کا تذکرہ کرتا اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور آخرین میں بھی (اس رسول کو) مبعوث کرے گا۔ نمبر ۲: یہ کہ اللہ ہی نے انہوں میں ان میں سے ایک رسول مبعوث کیا ہے جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے..... اور ان کے آخرین میں

بھی ان میں سے ایک رسول مبعوث کرے گا اُنّی هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رُسُلًا مِّنَ الْأُمَمِينَ وَبَعَثَ فِي آخِرِينَ رُسُلًا مِّنْ آخِرِينَ. فَكُلُّ أُمَّةٍ لَهَا رَسُولٌ مِّنْ نَّفْسِهَا وَهَؤُلَاءِ الرُّسُلُ هُم رُسُلُ الْإِسْلَامِ فِي الْأُمَمِ مِثْلَ أَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَآئِيلَ هُم رُسُلُ التَّوْرَةِ فِي بَنِي إِسْرَآئِيلَ.

(کتاب فی حروف اوائل السور مولفہ موسیٰ جار اللہ ص ۱۳۳)

ان میں سے پہلی صورت میں یہ بتایا کہ آنحضرتؐ کا ایک بعث آئندہ بھی ہونے والا ہے اور دوسری صورت میں یہ بتایا کہ آئندہ آنے والا رسول انہی لوگوں میں سے ہوگا جن کی طرف وہ مبعوث ہوگا۔ اور اس طرح بالکل کھول دیا کہ جو لوگ صحابہ کرامؓ سے نہیں ملے مگر آئندہ ملنے والے ہیں۔ ان سے جسمانی طور پر ان سے ملنے والے یعنی تابعین مراد نہیں ہو سکتے کہ ان میں حضورؐ کا دوسرا بعث نہیں ہوا بلکہ روحانی طور پر ان سے ملنے والے مراد ہیں۔ چنانچہ اُمت کے ۷۳ فرقوں میں سے واحد ناجی فرقہ (انہی آخرین) کے متعلق آنحضورؐ نے فرمایا مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جس چیز پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں وہ بھی اس پر قائم ہوں گے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میری زندگی ہی میں آئندہ اسلام لا کر میری محبت اختیار کرنے والے مراد ہیں اور پھر مَا عَلَيْهِ أَصْحَابِي بھی نہیں فرمایا بلکہ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي فرمایا اور اس طرح بتایا کہ مراد ان لوگوں سے ہے جن میں پہلے آپؐ کا کوئی بروز ظاہر ہوگا اور پھر اس سے فیض پانے والے صحابہ کے ہم رنگ ہوں گے۔ چنانچہ اگلی آیت ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اس مفہوم پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے۔ عظیم کا لفظ عرب اگر کسی چیز کے متعلق استعمال کریں تو اس سے اس نوع کی سب سے اعلیٰ چیز جس سے بڑھ کر متصور نہ ہو سکے مراد ہوتی ہے اور کسی نبی کے لئے بروز محمد رسول اللہ ﷺ ہونے سے اور اس کے متبعین کے لئے بروز صحابہ کرامؓ ہونے سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔ پس یہ آیت حضرت مہدی موعودؑ اور آپؐ کے صحابہؓ دونوں کے نہایت بلند مقام پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سورۃ الجمعہ کے نزول کے وقت ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے۔ جب آپؐ اس سورۃ کی تلاوت کرتے ہوئے وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ پر پہنچے تو ایک شخص نے عرض کی يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِأَنَا یہ لوگ جو ابھی ہم میں شامل نہیں ہوئے (لیکن آئندہ ہونے والے ہیں) کون ہیں۔

آپؐ خاموش رہے پھر سوال کیا گیا پھر خاموش رہے۔ تیسری بار سوال کیا گیا تو آپؐ نے جواب دیا۔ (پہلے دوبار جواب کیوں نہیں دیا؟ بات یہ ہے کہ آپؐ آیت مَآ يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کے مصداق تھے۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہنا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی طرف جواب کے لئے متوجہ تھے۔ جب اس نے راہنمائی فرمادی تو آپؐ نے بھی جواب دے دیا۔ زیادہ دیر انتظار بھی نہیں کروایا صرف دوبار کے سوال کا وقفہ ہوا۔ اس سے آپؐ کے مقام قرب کا بھی کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ آپؐ نے جو جواب دیا وہی بتاتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھا کیونکہ وہ عظیم الشان غیب کی باتوں پر مشتمل تھا اور پھر پورا بھی ہوا۔) بہر حال تیسری بار سوال کیا گیا تو آپؐ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسیؓ کی (جو اس وقت پاس بیٹھے تھے) پشت پر رکھا اور فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تو ان (فارسی الاصل) لوگوں میں سے ایک شخص (یا اشخاص) اسے پالیں گے (یعنی پاکر واپس لے آئیں گے ورنہ صرف ان کے اسے پالینے سے امت کو کیا حاصل)۔

اب دیکھئے بظاہر سوال گندم جواب چنا والی صورت نظر آتی ہے۔ پوچھا کچھ گیا تھا جواب آپؐ نے کچھ دیا۔ مگر ایسا نہیں آپؐ تو سب حکیموں سے بڑے حکیم ہیں۔ بات یہ تھی کہ اگرچہ سائل نے صرف ایک بات پوچھی مگر اس آیت پر کئی سوال پیدا ہوتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپؐ کی زبان حکمت ترجمان سے سب کا جواب دلوا دیا۔ اس آیت پر مندرجہ ذیل اہم سوال پیدا ہوتے تھے۔

نمبر ۱ یہ کہ کیا محمد رسول اللہ ﷺ خود دوبارہ مبعوث ہوں گے۔

نمبر ۲ یہ کہ اگر آپؐ نہیں تو پھر کون مبعوث ہوگا

نمبر ۳ یہ کہ وہ کس غرض سے اور کب آئے گا

نمبر ۴ یہ کہ اسے کس حد تک کامیابی حاصل ہوگی اور

نمبر ۵ یہ کہ وہ اکیلا ہی اپنا کام کرے گا یا اسے بھی مددگاروں کی ضرورت ہوگی۔

آپؐ نے جو کچھ اس شخص کو فرمایا اس میں ان سب باتوں کا جواب آجاتا ہے۔

یہ الفاظ فرما کر حضورؐ نے پانچ باتیں بتائیں۔

نمبر ۱ یہ کہ آخرین میں آپؐ خود نہیں کوئی اور مبعوث ہوگا۔

- نمبر ۲ یہ کہ وہ مبعوث ہونے والا فارسی الاصل ہوگا مگر اسکا آنا آپ ہی کا آنا ہوگا۔
- نمبر ۳ یہ کہ وہ اس وقت آئے گا جب ایمان زمین پر سے اٹھ چکا ہوگا یعنی اس وقت جب حدیث لَا یَنْقُضُ مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا یَنْقُضُ مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ (مشکوٰۃ کتاب العلم) کے مطابق قرآن کریم کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے عمل نہیں رہے گا۔
- نمبر ۴ یہ کہ آنے والا اسے دوبارہ زمین پر لائے گا۔ اور
- نمبر ۵ یہ کہ اس کے ساتھ اس کی اولاد بھی اس کی مہمات میں شریک ہوگی۔
- یہ پیشگوئی لفظاً بلفظاً پوری ہوئی ہے۔ ائمہ محمدیہ کے آخرین میں حضرت نبی کریم ﷺ خود مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپ کا ایک بروز مبعوث ہوا۔ وہ ابنائے فارس میں سے تھا۔ وہ ایسے وقت میں آیا جب قرآن پر سے عمل بالکل اٹھ چکا تھا اور عملاً قرآن ثریا پر جا چکا تھا۔ وہ اسے دوبارہ زمین پر لانے میں کامیاب ہوا۔ اور اس کے ساتھ اس کی اولاد میں سے بھی کئی ایک اس کام میں اس کے شریک ہوئے۔ چنانچہ تین کو تو خلافت کا منصب جلیل بھی عطا ہو چکا ہے۔

=====

مہدی موعودؑ کے کام

اس کے بعد سورۃ الجمعہ کی زیر نظر آیات کے بارہ میں ایک سوال باقی رہ جاتا تھا اور وہ یہ کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے کام تو بیان ہو گئے آئندہ آنے والا رسول آکر کیا کام کرے گا۔ اس سوال کا جواب دینے کو اس آیت کے الفاظ ایسے رکھے کہ آخرین کا عطف جس طرح اُنہیں پر ہو سکتا ہے اُسی طرح وَیَعْلَمُهُمْ کی ضمیر ہُمْ پر بھی ہو سکتا ہے اور اس طرح بتایا کہ رسول موعود کے بھی وہی چار کام ہوں گے جو آنحضور ﷺ کے ہیں۔ یعنی اسے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے براہ راست آیات یعنی نشان دئے جائیں گے۔ جن کا وہ اعلان کرے گا۔ اسے بھی دلوں کو پاک کرنے کی قوت بخشی جائے گی۔ جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو گناہوں اور وسوسوں سے پاک کرے گا اور شک و شبہات کی تاریکیوں سے نکالے گا۔ وہ بھی لوگوں کو الکتاب یعنی قرآن اور قرآن کے وہ اصول جن پر عمل پیرا ہو کر وہ سر بلند ہو سکتے ہیں سکھائے گا اور حکمت کی باتیں تعلیم کرے گا۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ قرآن ہی اس کی کتاب ہوگی۔ اسے اس کے سر بستہ رازوں کا علم

دیا جائے گا اس کی حکمتوں پر آگاہی بخشی جائے گی اور یہ خزانے وہ آگے تقسیم کرے گا۔ اور جیسا کہ **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا** سے یعنی **هُوَ الَّذِي** کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا خدا تعالیٰ خود گواہ ہے یعنی سابقہ الہامی کتب کی پیشگوئیاں اور تازہ بہ تازہ تائیدات سماوی اور خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت آپ کے حق میں ہیں اور آپ کو سچا ثابت کر رہی ہیں اسی معیار پر رسول موعود کی صداقت کو پرکھا جاسکے گا۔

عجیب بات ہے کہ **اٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** کے اعداد بحساب نمل (لَمَّا کی مَعْدُوْدٌ 'م' کو دو بار شمار کرتے ہوئے پورے ۱۳۰۹ ہیں۔ اور جیسا کہ اوپر کے صفحات میں سورۃ القف کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے ۱۳۰۸ھ میں عیسیٰ ابن مریم کے ظہور کی خبر دی گئی تھی اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس کا نام احمد ہوگا۔ پس اس آیت میں وہی زمانہ آنحضرت کے دوسرے ظہور کا زمانہ بتا کر (جو حضور کے اپنے ارشاد کے مطابق ایک فارسی الاصل شخص کے وجود میں ہونے والا تھا) نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھا دیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانیہ اور عیسیٰ کا دوبارہ ظہور ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ **لسبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم**۔ رہا ۱۳۰۸ اور ۱۳۰۹ کا فرق تو یہ کوئی فرق نہیں کیونکہ اگرچہ اس پیشگوئی کے موعود کو اپنے مسیح موعود ہونے کی خبر ۱۳۰۸ھ میں دی گئی۔ مگر اس کا اعلان آپ نے اپنے رسالہ فتح اسلام میں کیا جو اس سال کے آخر میں چھپا اور ۱۳۰۹ھ تک لوگ اس سے پوری طرح متعارف ہوئے۔ پس یہ ایک ہی چیز کو دو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا فرق ہے نفس الامر میں کوئی فرق نہیں۔

الغرض اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے نہایت وضاحت سے بتایا کہ بیشک اس واسطے کہ اسکی بادشاہت جیسی آسمانوں پر ہے دہی زمین پر بھی تسلیم کی جانے لگے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ اس غرض سے کہ دین حق کو تمام دنیا پر غلبہ حاصل ہو اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے لیکن اس نے مقدر یہ بھی کیا ہے کہ یہ کام دو دوروں میں ہو۔ یعنی اس کا اتنا حصہ جو ابتداء میں ہونا ضروری ہے آپ کے اپنے ہاتھ سے ہو جائے اور باقی آخر میں آنوالے آپ کے اس امتی اور بروز کے ذریعہ ہو جو آپ کی محبت اور اطاعت میں ایسا فتا ہو کہ اس کا آنا آپ ہی کا آنا ہو۔ یعنی تکمیل دین اور دین کا اتنا غلبہ کہ جس سے اسکی جڑیں مضبوطی سے قائم ہو جائیں آپ کے پہلے بعث کے دور میں ہو جائے۔ اور تکمیل اشاعت دین اور دین کا عالمگیر غلبہ آپ کے

دوسرے بعث کے دور میں ہو کیونکہ حکمت کا تقاضی یہی ہے کہ آخری غلبہ عالمگیر غلبہ ہو۔ اور جب تک اصلہا ثابت والی بات نہ ہو جائے فرعہا فی السماء والی بات جس کا سورۃ ابراہیم ۱۳: ۲۵ میں ذکر ہے ممکن نہیں۔

=====

مہدیؑ کو نہ ماننے والے علماء کی مثال گدھے کی ہوگی جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہو

آیت ذلک فضل اللہ.... کے بعد یہ آیت آتی ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ
الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِنَسْ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (۶)

ان لوگوں کی مثال جن پر (عمل با) التوراة کی ذمہ داری ڈالی گئی پھر انہوں نے اسے نبھایا نہیں اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔ بہت ہی بری ہے حالت ان لوگوں کی جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہود کو تو رات دی گئی تھی مگر اسکا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اسے صرف ہاتھوں میں اٹھائے پھریں یا اونچے اونچے طاقتوں کی زینت بنائیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ اس پر عمل کریں۔ لیکن انہوں نے اسے صرف ظاہر میں اٹھائے پھرنا کافی سمجھ لیا۔

اوپر کی آیت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے اور آئندہ بروز ریگ میں دوبارہ مبعوث کئے جانے کا ذکر تھا اسکے بعد یہ آیت لا کر بتایا کہ جس طرح اوپر کی آیت میں (اور قرآن کے دوسرے مقامات پر) آئندہ ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے اسی طرح تو رات میں بھی حضرت موسیٰ کے بعد نبیوں کے آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ بالخصوص سلسلہ موسویہ کے آخر میں ایک مسیح کے آنے کی اور اسکے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے کی مگر یہود نے مسیح کو ماننا حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو مانا۔ جس کی وجہ سے انکی مثال گدھے کی

سی ہو گئی جو بعض دفعہ کتابیں تو اٹھائے پھرتا ہے مگر ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ پس اے مسلمانوں اگر تم نے بھی قرآنی پیشگوئیوں کے باوجود آئندہ آنیوالے نبی کو نہ مانا تو تمہاری مثال بھی گدھے جیسی ہوگی۔ چونکہ اول نمبر پر حامل کتاب علماء ہی ہوا کرتے ہیں اسلئے اس آیت میں بتایا کہ آنیوالے نبی یعنی مہدی موعود اسحٰی الموعود کو نہ ماننے والے مسلمان اور بالخصوص انکے علماء خدا تعالیٰ کے نزدیک حمار شمار ہونگے۔ اور اسکی نشانی یہ ہوگی کہ چونکہ وہ ایک مرسل من اللہ کا انکار کر کے ظلم کے یعنی وَضَعَ الشَّيْءَ عَلَى غَيْرِ مَحَلِّهِ کے مصداق بنیں گے اسلئے خدا انہیں اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔ یہ پیشگوئی اتنی وضاحت اور اتنی شان سے پوری ہوئی ہے کہ اندھا بھی اسکا انکار نہیں کر سکتا۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے مخالف علماء میں سے کوئی ایک بھی نہیں جو صاحب کشف والہام ہو یا مستجاب الدعوات ہو بلکہ وہ تو وحی والہام کا دروازہ ہی کھلا نہیں مانتے۔ جو اس نعمت سے کلیۃً مایوس ہو جانے کی کھلی کھلی دلیل ہے۔ جبکہ آپ کے ماننے والوں میں ابتدا سے تائیں دم لاکھوں مستجاب الدعوات اور صاحب کشف والہام ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

=====

مہدی موعود کی طرف سے علماء کو مباہلہ کا چیلنج دیا جائیگا اور

وہ اس سے راہ فرار اختیار کریں گے

مندرجہ بالا آیت کے بعد ہے:-

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنكُمُ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ
ذُنُوبِ النَّاسِ فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ. وَلَا
يَتَمَنُّونَهُ أَبَدًا بِمَا قَلَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
بِالظَّالِمِينَ (۸۰، ۷۷)

کہہ اے لوگو جو یہودی بنے ہو اگر تم زعم رکھتے ہو کہ لوگوں میں سے بس تمہی اللہ کے دوست ہو تو اس موت کی (جو مومن اور کافر میں فرق کر دیتی ہے) تمنا کرو۔ اگر تم سچے ہو (تو تم ضرور ایسا ہی کرو گے)۔ لیکن (یاد رکھو) وہ اس کی کبھی تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان بد عملیوں کے جن کا

ارٹکاب وہ کرچکے ہیں۔ اور اللہ خالموں کو خوب جانتا ہے۔

یہودی نبیوں کے انکار پر دلیری اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ انہیں خدا تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاجِبَاؤُهُم اللّٰہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں اس لئے دوسرے لوگوں پر ہمارا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے خدا کی نافرمانی کریں تو بیشک سزا پائیں گے مگر ہم سے اس کا معاملہ دوستوں والا ہوگا۔ اس لئے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان کے اس خیالِ باطل کا رد فرمایا اور ایسا کر کے نبی موعود یعنی مہدی موعود علیہ السلام کے وقت کے علماء اور پیروں فقیروں کو سمجھایا کہ اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ تم قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے نبی کو نہ مانو پھر بھی تم پر گرفت نہیں ہوگی تو اس کا فیصلہ اس آیت میں مذکور طریق پر کرلو۔ اس آیت کو قل کے لفظ سے شروع کیا گیا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ یہودی بننے والوں کو یہ چیلنج دیں۔ عمومی رنگ میں تو چیلنج اس آیت کے ذریعہ ہو گیا لیکن خصوصیت کے ساتھ حضور کا مسیحیوں کے ایک وفد کو مہلبہ کا چیلنج دینا تو ثابت ہے مگر یہودیوں کو چیلنج دینا ثابت نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت میں آئندہ کے لئے پیشگوئی تھی۔ یعنی جب شروع سورۃ میں آنحضرت ﷺ کے ایک بعث کا ذکر کیا گیا تو اس کے بعد اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ اس بعث کے زمانہ میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو یہودی تو نہیں مگر یہودیوں والے کام کرنے والے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس سے آئندہ محمدیہ کے وہ افراد مراد ہیں جن کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ پیشگوئی کروائی گئی کہ وہ بالکل یہود کے نقش قدم پر چلیں گے۔ پس قل کے لفظ سے اس آیت کو شروع کر کے یہ بتایا گیا کہ وہی زمانہ آپ کی بعثتِ ثانیہ کا زمانہ ہوگا اور جس شخص کے وجود میں آپ کا دوسرا بعث ہوگا آپ کا وہ بروز اس حکم کی تعمیل میں ان مسلمانوں کو یعنی ان کے علماء کو جو یہودی تو نہیں مگر یہودیوں جیسے بن چکے ہوں گے یہ چیلنج دے گا۔ مگر ان میں سے کم ہی کوئی مقابلہ پر آئے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یوں تو موت کی تمنا کرنا ایک ناپسندیدہ امر ہے اور حضرت نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور قرآن نے بھی لَا تَلْفُتُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ ۲: ۱۹۶) فرمایا ہے مگر یہاں اس کی آرزو کرنے کو کہا گیا ہے اس لئے یہاں اَلْمَوْتُ کا ال تخصیص کے لئے ہے اور مراد اس سے وہ موت ہے جو حق و باطل میں اور جموٹے اور سچے میں تمیز

کردے خواہ مہبلہ ہو کہ فریقین مد مقابل ہو کر دعا کریں یا ایک فریق اپنی جگہ یہ دعا کرے کہ
 خدایا اگر میں تیرے ولیوں میں سے نہیں اور تو جانتا ہے کہ میں درحقیقت گندے لوگوں میں سے
 ہوں تو تو مجھے اس دنیا سے اٹھالے تا دنیا کسی دھوکہ میں پڑنے سے بچ جائے۔ چنانچہ اس
 پیشگوئی کے عین مطابق مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے مخالف
 مسلمان علماء کو مہبلہ کا چیلنج دیا مگر کم ہی کوئی مقابلہ پر آیا اور اگر کسی نے بظاہر یہ چیلنج قبول بھی کیا
 تو ایسی شرائط لگا دیں کہ عملاً مہبلہ کا موقع نہ آئے۔ اس پر آپ نے یکطرفہ طور پر اپنے حق میں یہ
 دعا مانگی کہ

اے قدیر و خالق ارض و سما	اے رحیم و مہربان و رہنما!
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر	اے کہ از تو نیست چیزے مستر
گر توے بنی مرا پرفق و شر	گر تو دیدستی کہ ہستم بد گھر
پارا پارا گن من بدکار را	شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
بر دل شان ابر رحمت ہابار	ہر مراد شان بفضل خود برار
آتش افشاں بردرو دیوار من!	دشمنم باش وجہ کن کار من
ور مرا از بند گانت یافتی	قبلہ من آستان یافتی
در دل من آں محبت دیدہ	کز جہاں آں راز را پوشیدہ
بامن از روئے محبت کار کن	اند کے افشائے آں اسرار گن!

”یعنی اے قادر اور آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! اے رحیم مہربان اور رستہ
 دکھانے والے! اے وہ جو کہ دلوں پر نظر رکھتا ہے! اے وہ کہ تجھ سے کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں
 اگر تو مجھے نافرمانی اور شرارتوں سے بھرا ہوا دیکھتا ہے اور اگر تو نے دیکھ لیا ہے کہ میں بد گھر ہوں تو
 مجھ بدکار کو کھڑے کھڑے کر ڈال اور میرے دشمنوں کے گردہ کو خوش کر دے ان کے دلوں پر اپنی
 رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے ان کی ہر مراد پوری کر میرے درود دیوار پر آگ برسا میرا
 دشمن ہو جا۔ اور میرا کاروبار تباہ کر دے۔ لیکن اگر تو نے مجھے اپنے بندوں میں شمار کیا ہے اور اپنی
 بارگاہ کو میرا قبلہ مقصود بنایا ہے اور میرے دل میں وہ محبت دیکھی ہے کہ دنیا سے تو نے اس راز کو
 چھپایا ہے تو محبت کی رو سے مجھ سے پیش آ اور ان اسرار کو تھوڑا سا ظاہر کر دے۔“

آیت زیر نظر میں ”اے یہود“ کی بجائے اے لوگو جو یہودی ہوئے کے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ یہ اسی لئے ہے کہ اس آیت کا اطلاق مسیح موعودؑ کا انکار کر کے عملاً یہودی بن جانے والے مسلمانوں پر بھی ہو سکے۔

شاید کوئی کہے کہ اس آیت میں تو لَا يَتَمَنَّوْنَہُ اَبَدًا کے الفاظ ہیں اور حضرت مرزا صاحب کے مقابل پر آکر تو بعض لوگوں نے موت کی دعا کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ البقرہ میں جہاں عام موت کا ذکر ہے وہاں وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ اَبَدًا کے الفاظ ہیں کیونکہ اس کی تمنا انہوں نے کبھی نہیں کرنی تھی یہاں حرف لَنْ کی جگہ لَا اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں استثنا ہو سکتی تھی۔

اگلی آیت میں یہ فرمانے کے بعد کہ تمہارا مہلہ سے فرار دراصل موت سے فرار ہے لیکن تم موت سے بیشک بھاگو موت تمہیں بہر حال آلے گی۔ پھر تمہیں غیب اور حاضر کے جاننے والے خدا کے حضور حاضر کیا جائے گا جو تمہیں بتائے گا کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو یعنی یہ بتائے گا کہ نبی وقت کی مخالفت کر کے جو تم سمجھتے تھے کہ بڑا کارِ ثواب کر رہے ہو۔ وہ کارِ ثواب تھا یا کارِ عذاب۔ فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ
فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۱۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن ”الصَّلَاة“ کے لئے پکارا جائے تو ذکر اللہ کی طرف جلدی بڑھو اور بیع کو چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو (کہ کتنا بہتر ہے تو یقیناً ایسا ہی کرو)۔

لفظ صَلَاة سے صرف مسلمانوں کی معروف نماز ہی مراد نہیں بلکہ یہ لفظ ہر قسم کی عبادت پر شامل ہے چنانچہ آیت قُلْ إِنْ صَلَّوْا وَسَلُّوْا وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ میں صَلَّوْا کے بالقابل مَحْيَايَ کا لفظ رکھ کر بتایا ہے کہ آنحضور ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ ہر سکون اور ہر حرکت ایک طرح کی نماز ہی تھی۔ اس آیت میں بھی إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَيْهِ نہیں فرمایا بلکہ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ فرمایا ہے اور اس

طرح بتا دیا ہے کہ اس وقت کی سب سے بڑی صلوة خدا کا ذکر بلند کرنا ہوگی اور اسی کی طرف وہ موعود بلائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مزید دیکھیں زیر آیت ۱۱

اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ آئندہ بھی ایک رسول آنے والا ہے جس طرح یہود نے تورات میں مندرج پیشگوئیوں کے باوجود حضرت موسیٰ کے بعد آنے والے موعود رسولوں یعنی حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا اور ایسے گدھے کی مثل ہو گئے جس پر کتا ہیں لاد دی گئی ہوں (نہ انہیں سمجھتا ہو نہ ان پر عمل کرتا ہو) تم موعود رسول کو (جو مثل مسیح بھی ہوگا اور بروز محمد رسول اللہ ﷺ بھی) جھٹلا نہ بیٹھنا۔ اس کے بعد یہ آیت لا کر اشارہ کیا کہ نبی موعود کا وقت ایک یوم الجمعہ ہوگا۔ جس طرح جمعہ کے روز سارے شہر کے لوگ خدائے واحد کی عبادت کے لئے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ وہ وقت ساری دنیا کے لوگوں کو دین واحد پر جمع کرنے کا وقت ہوگا۔ پس وہ نبی آکر خدا کا نام بلند کرنے کے لئے جن دینی خدمات کی دعوت دے انکی طرف دوڑو۔ وَذَرُوا السَّبْعَ اور بیع کو چھوڑ دو۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تجارتیں وغیرہ دنیا کے کاروبار اس کی آواز پر لپیک کہنے میں حائل نہ ہوں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ نفع نقصان کے خیال سے بالاتر ہو کر صرف اس خیال سے کہ وہ خدا کا ذکر بلند کرنے کے لئے بلاتا ہے اس کی طرف دوڑو اور دیر نہ کرو۔

وَذَرُوا السَّبْعَ کو فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ کے بعد رکھا ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ جو کاروبار تمہیں خدا اور رسول کی باتوں سے روکے اسے ترک کر دو اور قال اللہ اور قال الرسول کو مقدم رکھو۔ یہ معنی بھی اس کے ہو سکتے ہیں کہ رسول کے مقابلہ پر اور سب بیعتیں توڑ دو۔ حضرت حافظؒ نے خوب کہا ہے:-

چوں عہد تو در بستم عہد ہماں بشکستم

بعد از تو روا باشد نقض ہماں پیاں ہا

صرف یہ ہے کہ انہوں نے ”روا باشد“ کہا ہے جبکہ اس آیت کی رو سے یہ فرض ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اس سورۃ کے شروع میں آنحضرت ﷺ کی دو بعثتوں کا ذکر تھا جس سے ظاہر ہے کہ لوگوں کے علّٰی دین واحد جمع کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے مد نظر جو پروگرام تھا اس کے دو مرحلے تھے۔ پہلے مرحلہ میں جس کا تعلق آپؐ کی بعثتِ اولیٰ سے ہے بحیثیت دین ہوئی

اور اس کام کی بنیاد رکھ دی مگر لیکن تکمیل اشاعت دین کے لئے یعنی تمام متفرق دین رکھنے والوں کو ایک دین برحق پر جمع کرنے کے لئے دوسرا مرحلہ جس کا تعلق آپ کی بعثت ثانیہ سے ہے مقرر تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ جو جمعہ کے دن دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور ان دو کے درمیان بیٹھ جایا کرتے تھے تو اس سے کم از کم ایک غرض اسی اہم امر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ یہ کام دو مرحلوں میں ہونے والا ہے اور ان میں سے پہلے مرحلہ کے بعد آپ کچھ وقت کے لئے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۱۱)

اور جب الصلوٰۃ ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل چاہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

یہاں إِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فرمایا ہے اِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ نہیں فرمایا یعنی یہ فرمایا ہے کہ جب صلوٰۃ ادا ہو جائے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم اسے ادا کر چکو۔ پس اس میں سمجھایا کہ ذکر اس کام کا ہو رہا ہے جو خصوصیت کے ساتھ خدا کے فضل سے سرانجام پائے گا تم اپنی طاقت سے وہ کام نہیں کر سکو گے۔ دراصل جیسا کہ اوپر لکھا گیا لفظ صلوٰۃ سے صرف نماز مراد نہیں ہوتی بلکہ ہر عبادت مراد ہوتی ہے۔ اور نبی کے وقت کی سب سے بڑی عبادت ذکر اللہ کا بلند کرنا ہوا کرتی ہے۔ جیسی حضرت مہدی مسعود اسحٰی الموعود کو خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ”تیری نمازوں سے تیرے کام افضل ہیں“ (تذکرہ صفحہ ۱۸۲) اور آپ نے اپنے متبعین سے فرمایا ”وَإِنْ أَنْفَسَ الْقُرْبَاتِ إِعْلَاءُ كَلِمَةِ الْإِسْلَامِ وَهَذَا وَقْتُهُ فَلَا تُضَيِّعُوا وَقْتَكُمْ وَقَوْمُوا كَالْخَادِمِينَ“ یعنی سب الہی عملوں سے جو خدا تعالیٰ کی قربت کے لئے کئے جاتے ہیں کلمہ اسلام کی بلندی چاہنا زیادہ ثواب کا موجب ہے پس اپنے وقتوں کو ضائع نہ کرو اور خادموں کی طرح اٹھ کھڑے ہو (روح العرفان صفحہ ۲۰۷ بحوالہ نور الحق حصہ اول) اور جس طرح حضرت مسیح نے آکر یہ کہا کہ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ اِسِي طَرَحَ سِجِّ مَوْعُودَیْ بِمَنْیَ اَکْرَبِیْ کہتا تھا کہ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ اس لئے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جب نبی موعود آجائے اور اس کی زبانی تمہیں یہ بتایا جائے کہ اس وقت کی سب سے بڑی عبادت (الصلوٰۃ) کیا ہے اور اسے کس طرح ادا کرنا ہے

یعنی ذکر اللہ کے بلند کرنے کے لئے تمہیں کیا طریق اختیار کرنا چاہیے تو اس سے ہدایت پا کر تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل چاہو۔ یعنی قریہ قریہ پھر اور اس کے بتائے ہوئے طریق پر لوگوں کو حق کی طرف بلاؤ اور کوشش کرو کہ اللہ اپنے فضل سے اسلام کو غلبہ عطا کر دے **وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ مطلب یہ کہ تمہاری کامیابی دعاؤں سے ہوگی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہی بتایا گیا کہ ”جو کچھ ہوگا دعا سے ہوگا“۔ یہی الفاظ **وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا** جہاد بالسیف کے تعلق میں بھی آئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے تبلیغ کا جہاد بالخصوص مراد ہے۔ آیت زیر نظر کے بعد ہے:-

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَاتِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (۱۲)

اور جب انہوں نے تجارت یا لہو (کی کوئی بات) دیکھی تو متفرق ہو کر اس کی طرف اٹھ بھاگے اور تجھے (کھڑے کا) کا کھڑا چھوڑ گئے (یعنی یقیناً ایسا کریں گے۔ انہیں) کہہ جو اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اس آیت کو **وَإِذَا رَأَوْا** سے شروع کیا گیا ہے اور اس کی ترکیب ظاہر کر رہی ہے کہ جن لوگوں کا اس میں ذکر ہے ان کے متعلق پہلے کوئی بات کہی گئی ہے یا کہی جا رہی ہے اور اس آیت میں اسے مکمل کیا گیا ہے لیکن کلام ماسبق میں ایسا کوئی جملہ نظر نہیں آتا جس کے ساتھ اس آیت کے الفاظ کا تسلسل قائم ہو سکے۔ گویا ایک طرف اس آیت کو حرف عطف سے شروع کیا گیا ہے اور دوسری طرف ماقبل میں ایسا کوئی جملہ نہیں جس پر اس کا عطف پڑ سکے۔ اسی میں اس آیت کے حل کی کئی ہے۔

بات یہ ہے کہ جس شخص سے گفتگو ہو رہی ہو کبھی اس کے جملہ کے ساتھ بھی جملہ ملا دیا جاتا ہے اور یہاں بھی یہی صورت اختیار کی گئی ہے جب اوپر یہ کہا گیا کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ** تو اس پر حضرت نبی

کریم ﷺ کے دل میں یہ خیال آنا ایک طبعی بات تھی کہ گو فَاَسْعَوْا کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ ظاہراً دوڑ کر ذکر اللہ کی طرف آؤ لیکن منافق جو خِيُوكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰہ کے مصداق ہیں ضرور یہی کریں گے کہ اگر آپؐ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرماتا ہوا تو اپنا اخلاص جتانے کے لئے دوڑ کر آئیں گے اور چونکہ خدا تعالیٰ کے لئے انسان کے دل کا خیال ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ اس نے منہ سے بات کہہ دی اس لئے اس نے آپؐ کے دل کی اس آواز کے ساتھ اپنا یہ جملہ ملا دیا کہ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ ابْجَارَةً اور اس طرح اظہار پیار کرنے اور اس بات کا تازہ ثبوت دینے کے علاوہ کہ وہ دل کے خیالات تک کو جانتا ہے یہ بھی بتا دیا کہ اے رسول تیرا ڈر بجا ہے یہ واقعی ایسا کریں گے ”اور (ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ) جب انہوں نے اچانک تجارت یا لہو (کی کوئی بات) دیکھی ہے تو اس کی طرف متفرق ہو کر دوڑ پڑے ہیں (یعنی ایک دوسرے کی بھی پرواہ نہیں کی) اور تجھے (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ گئے ہیں۔“ مطلب یہ کہ یہ ضرور ایسا کریں گے۔ اس صورت میں ”و“ حالانکہ کے معنی میں بھی لی جاسکتی ہے۔ اور اس بات کا نہایت قوی قرینہ کہ ذکر منافقوں ہی کا ہے یہ ہے کہ اگلی سورۃ کو شروع ہی ان کے ذکر سے کیا گیا ہے اور یہ کہنے کی بجائے کہ منافق ایسا کہتے ہیں یہ کہا گیا ہے کہ اے رسول منافق جب تیرے پاس آتے ہیں تو ایسا کہتے ہیں پس آیت زیر تفسیر دراصل پہلی آیات اور اگلی سورۃ کے درمیان ایک جملہ معترضہ یا برزخ کے طور پر ہے لیکن ایسا جملہ معترضہ جس نے اس سورۃ کا اُس سورۃ سے ربط قائم کر دیا ہے۔ اوپر مومنوں کو کہا گیا تھا کہ یوم الجمعہ میں یعنی دین واحد پر اجتماع کے وقت جب تمہیں تمہارے فرائض منصبی کی طرف بلایا جائے تو تم ذکر اللہ (یعنی نبی وقت) کی طرف دوڑو اور بیچ کا خیال چھوڑ دو۔ چونکہ پہلے اس آنے والے کی بعثت کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت قرار دیا گیا تھا اور اس وقت آپؐ کے صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ آپؐ پر جان دیتے اور آپؐ کے ہر حکم کو دل و جان سے عزیز جانتے تھے اس لئے جب خاص طور پر وَذَرُوا الْبَيْعَ کہا گیا تو آنحضرت ﷺ کے دل میں اس سوال کا پیدا ہونا طبعی بات تھی کہ کیا اس وقت میری امتؓ کی یہ حالت ہو جائے گی کہ بیچ جیسی حقیر چیز انکی توجہ کو اس شخص سے ہٹالے گی جس کا آنا میرا آنا ہوگا۔ اسلئے یہاں مومنوں کی بجائے آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ ابْجَارَةً أَوْ لَهْوًا بِالْفُتُورِ إِلَيْهَا وَتَرَكَوْكَ فَاِئْتَا (اس وقت تیری امتؓ کی حالت یہ ہو جائے گی کہ) اگر وہ تجارت بلکہ لہو (کی کوئی بات)

بھی دیکھیں گے تو اس کی طرف دوڑ پڑیں گے اور (تیرا بروڑ کیا) اگر تو خود بھی اس موقع پر موجود ہو تو تجھے کھڑے کا کھڑا چھوڑ جائیں گے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ تجھے نہیں پہچانیں گے۔ چنانچہ آجکل کے مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّزَاقِيْنَ: آخر میں یہ الفاظ رکھنا بتاتا ہے کہ پہلے جن دو باتوں کا ذکر ہوا ہے وہ حصولِ رزق ہی کے ذرائع ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تجارت تو بیشک حصولِ رزق کا ذریعہ تھا مگر لہو کا نہیں تھا۔ ہاں آپ کی بعثتِ ثانیہ کے زمانہ یعنی ہمارے اس زمانہ میں ضرور یہ حصولِ رزق کا ذریعہ بننے والا تھا۔ پس یہ بھی ایک قرینہ ہے اس پر کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی بعثتِ ثانیہ کے زمانہ کے مومن کہلانے والوں کا حال بیان ہوا ہے اور اس میں پیشگوئی ہے کہ اس زمانہ میں لوگ کھیل کود اور دیگر لہو کاموں سے بھی پیسے کمائیں گے۔ چنانچہ آجکل ایسا ہی ہو رہا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس پیشگوئی کا تعلق اسی زمانہ سے ہے۔

=====

اسلام کے عروج اسکے بعد زوال اور اسکے دوبارہ عروج کا پر حکمت تذکرہ، اور دوبارہ عروج سے مہدی موعود کا تعلق

سورۃ الملك کے شروع میں ہے:-

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲)

بڑی برکتوں والا ہے وہ (خدا) جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ

ہر چیز پر (جو وہ کرنا چاہے) قادر ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے بعض جگہ مَالِکُ الْمُلْکِ بعض جگہ لَهُ الْمُلْکُ یا لِلّٰهِ الْمُلْکُ کے اور یہاں بِيَدِهِ الْمُلْکُ کے الفاظ آئے ہیں۔ جہاں مَالِکُ الْمُلْکِ فرمایا ہے وہاں ساتھ ہی تُوْبٰی الْمُلْکِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ (۱) عمران ۳: ۲۷) فرما کر واضح کر دیا ہے کہ اس سے دنیوی بادشاہت مراد ہے۔ (جو بظاہر ہوتی ہی غیر اللہ کے ہاتھ میں ہے)۔ اور جہاں لَهُ الْمُلْکُ (البقرہ ۲-۱۰۸) یا لِلّٰهِ الْمُلْکُ (۱) عمران ۳: ۱۹) فرمایا ہے وہاں آسمان اور زمین دونوں کا ذکر ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہاں اس

کائنات کے انتظام و انصرام کو بادشاہت کا نام دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ بادشاہت اللہ کی ہے اور اس کا حق ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے۔ یعنی یہ الفاظ **لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْصُّورِ** یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا بادشاہت اس کی ہوگی فرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ لٹخ صور کا دن آنے سے قبل لوگ اس بادشاہت میں بھی ماسوا اللہ کو شریک ٹھہراتے رہیں گے۔ لہذا یہاں جو **بِيَدِهِ الْمُلْكُ** فرمایا ہے تو اس سے وہ بادشاہت مراد ہے جو ان دونوں بادشاہتوں سے الگ ہے۔ جسے اللہ نے کھیت اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے یعنی جسے وہ اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت ایسے وجودوں کے ذریعہ قائم کرتا ہے جو اس میں کھیت فنا ہونے کی وجہ سے اس کے غیر نہیں ہوتے۔ یعنی اس سے روحانی بادشاہت مراد ہے جو اللہ اپنے رسولوں کے ذریعہ قائم کرتا ہے اور جس میں کبھی ماسوا اللہ کو شریک نہیں ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ سورۃ الحدید میں نبوت کو خاص فضل الہی قرار دیتے ہوئے فرمایا **أَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ** (الحدید ۵۷: ۳۰) یہ عظیم فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے اس سے بہرہ ور کر دیتا ہے۔ پس سورۃ الملک کی اس آیت میں یہی بتایا گیا کہ خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ایک روحانی بادشاہت قائم کرنے والا ہے اور جو لوگ بحالت ایمان اس سے وابستہ ہو جائیں گے وہ بڑی بڑی برکتیں پائیں گے اور دوسرے ان سے محروم رہیں گے۔

چونکہ اس بادشاہت سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونیوالی کتاب قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق ایک پاک معاشرہ کا قیام تھا۔ لیکن جب بھی آسمانی کتاب کی بات ہو لوگوں کا ایک طبقہ کہہ دیا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ بندوں کے کاموں میں دخل دے (مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ۔ الانعام ۶: ۹۲) اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب و کتاب نازل نہیں کی۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

بِالْبَدْيِ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَوَةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ (۳)

وہی ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تا تمہیں آزمائے (اور ظاہر کرے) کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہ (ایسا)

غالب (ہے جو) بخشنے والا (بھی) ہے۔

اَلَّذِیْ مُبْتَدَاً مَّحْذُوفٌ اللّٰهُ یَا هُوَ کی خبر ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہی نے تمہارے امتحان کے لئے موت و حیات کا عظیم سلسلہ قائم کیا ہے تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ تمہیں یہ بھی بتائے کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ پس یہی بتانے کو وہ پہلے بھی رسولوں کے ذریعہ اپنی کتب بھیجتا رہا ہے اور اب بھی اس نے قرآن بھیجا ہے۔

جب کتاب اور رسول کی ضرورت واضح کی تو اس پر کہا جاسکتا تھا کہ اگر اللہ کی طرف سے ہدایت نامہ اور رسول آتا تھا تو چونکہ اللہ انسان کی جملہ ضروریات اور حالات سے آگاہ ہے صرف ایک ہی رسول آتا اور ایک ہی مذہبی نظام قائم ہونا چاہیے تھا بار بار اور نئی نئی تعلیمات لے کر (جن میں درجات کا فرق بھی ہے) رسولوں کا آنا کیا معنی؟ اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَوٰتٍ طِبَاقًا مَّا تَرٰ فِیْ خَلْقِ
الرُّحْمٰنِ مِنْ تَفْوُتٍ فَاَرْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ
فُطُوْرٍ (۴) ثُمَّ اَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتِیْنِ يَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ
خَاسِئًا وَهُوَ حَسِیْرٌ (۵)

وہی ہے جس نے سات آسمان درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے مطابق بنائے ہیں۔ تو رُحْمٰن کی تخلیق میں کوئی عدم تناسب نہیں پائے گا۔ اپنی نگاہ پھیر کیا تو (ان میں سے کسی میں) کوئی نقص پاتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ کو پھیر نگاہ تیری طرف خیرہ ہو کر لوٹ آئے گی درآنحالیکہ وہ درماندہ ہوگی۔

طِبَاقًا کے معنی ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے یا ایک کے اوپر ایک کے ہیں۔ دوسرے مفہوم میں اس میں ان کے درجات کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس میں بتایا کہ جس طرح اللہ نے کئی مادی آسمان درجہ بدرجہ بنائے ہیں لیکن اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور ان میں ایک تو ازن پایا جاتا ہے۔ بلکہ آسمان تو آسمان خدائے رُحْمٰن کی صنعت میں کوئی چیز بھی دوسری سے عدم مطابقت رکھنے والی نہیں۔ پھر انفرادی حیثیت میں بھی ان میں سے کسی میں کوئی نقص یا خلل نہیں۔ یہی حال اللہ کی طرف سے قائم ہونے والے روحانی نظاموں کا ہے گو ان میں درجات ہیں لیکن اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے ہر ایک بے نقص ہے

یعنی جس زمانہ میں جس تعلیم کی ضرورت تھی اسی پر مبنی کتاب اتاری گئی اور اسی کے مطابق روحانی نظام قائم کیا گیا لہذا یہی نہیں کہ ایسے نظاموں کا قائم کیا جانا قابل اعتراض نہیں بلکہ ضروری تھا۔ جب یہ ثابت کر دیا کہ دکتا فوٹا کئی روحانی نظاموں کا قائم کیا جانا قابل اعتراض نہیں کیونکہ ان میں کوئی تفاوت نہیں اور اپنی ذات میں بھی ان میں سے ہر ایک بے نقص تھا تو اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر آخر میں اتاری جانے والی کتاب اور سابقہ کتب میں یا آخر میں قائم کئے جانے والے روحانی نظام اور سابقہ روحانی نظاموں میں ماہہ الامتياز کیا ہے اور اسے ان پر کیا فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا
لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (۶)

اور یقیناً زینت دی ہے ہم نے قریب ترین آسمان کو چراغوں سے اور انہیں شیطان کے لئے پتھراؤ (کا ذریعہ) بنایا ہے اور ہم نے ان کے لئے آگ کا عذاب تیار کیا ہے۔

مطلب یہ کہ اسلام کا سابقہ روحانی نظاموں سے ماہہ الامتياز جو اس کے لئے وجہ ترجیح ہے یہ ہے کہ جس طرح زینت دی ہے اللہ نے السَّمَاءَ الدُّنْيَا کو ایسے اجرام سے جو فی ذاتہا افروختہ اور روشن ہیں (اور یہ زینت دائمی ہے کیونکہ اگر ان میں سے کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو اس کی جگہ نئے ستارے پیدا ہو جاتے ہیں) اسی طرح اسلام کے روحانی نظام کو بھی اس نے ایسے وجودوں سے زینت دی ہے اور آئندہ بھی دیتا رہے گا جو مصابیح یعنی چراغوں کی طرح ہیں یعنی جو سرتا پامحبت ذاتیہ الیہ سے افروختہ ہو کر خود ہی منور نہیں ہیں (یا نہیں ہوں گے) بلکہ ہاذہ تعالیٰ اپنے اس کمال کو کم کئے بغیر دوسروں کو بھی اس سے منصف کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ہیں (یا ہوں گے) لیکن یہ چیز اب کسی سابقہ روحانی نظام کو حاصل نہیں ہے جو اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اب صرف اسلام کی پیٹھ پر ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (۱) (مرآن ۳: ۲۰) اللہ کے نزدیک اب قابل اتباع دین صرف اسلام ہی ہے چنانچہ یہ وجود جو خدا تعالیٰ نے اسلام کو دیئے ہیں شیاطین کے لئے مجسم پتھراؤ کے حکم میں ہیں۔ یعنی أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے مصداق بن کر یہ ان کے حملوں کا قلع قمع کرنے کو ہر وقت مستعد

رہتے ہیں اور عملاً قلع قمع کرتے رہتے ہیں اور کسی دوسرے روحانی سلسلہ کو یہ سعادت حاصل نہیں۔

اس کے بعد اس روحانی سلسلہ سے وابستہ ہونے والوں کے انعام اور اس سے باہر رہنے والوں کی سزا کا ذکر کیا اور کچھ متعلقہ باتیں بیان کیں۔ مگر اس وقت کفار محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہی سمجھتے تھے کہ یہ شخص صحیح راہ سے بھٹک گیا ہے نہ اس کے پاس مال ہے نہ جتنہ ہے اسے غلبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے اس لئے آخر سورۃ میں فرمایا:-

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ اٰمَنًا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳۰)

(اے رسول کفار سے) کہو وہ رحمن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ سو تم عنقریب جان لو گے کہ کون کھلی کھلی گمراہی میں ہے (تم یا ہم)۔

مطلب یہ کہ وہ خدا جس نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے جس نے یہ قرآن اتارا ہے اور یہ رسولؐ بھیجا ہے وہ رحمن ہے۔ اپنی جن ضروریات کا مہیا کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہوتا ہے وہ ضروریات وہ خود اس کے لئے مہیا کر دیتا ہے پس بیشک ہمارے پاس غلبہ کے سامان نہیں ہیں مگر اس کے پاس تو ہیں اور ہمیں اس پر بھروسہ ہے۔ کہ جب اس نے محض اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت یہ سلسلہ قائم کیا ہے تو اس کی مدد بھی کرے گا۔ فرمایا:-

قُلْ اَرَاۤءَ يَتُّمُّ اِنْ اَصْبَحَ مَائِكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاتِيْكُمْ بِمَآءٍ مُّعِيْنٍ (۳۱)

اے رسولؐ انہیں کہہ بتاؤ تو سہی اگر تمہارا پانی سطح زمین سے بہت نیچے اتر جائے تو تمہیں سطح زمین پر بہنے والا تازہ پانی کون لا کر دے گا۔

مطلب یہ کہ قرآن کی صورت میں اترنے والے آسمانی پانی کا زمین میں جگہ پالینا یا بہ الفاظ دیگر شروع سورۃ میں مذکور روحانی بادشاہت کا قائم ہو جانا تو ایک امر یقینی ہے۔ ایک دن آئے گا کہ تم خود بھی اسے قبول کر لو گے لیکن اس کے بعد کہ تم اسے اپنا پانی یعنی اپنے لئے ذریعہ حیات یقین کرنے لگو گے تمہارا یہ پانی سطح زمین سے بہت نیچے چلا جائے گا یعنی تم میں اور اس

میں بُخد واقع ہو جائے گا۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس وقت کون تمہیں سطح زمین پر بننے والا تازہ پانی لا کر دے گا۔ مطلب یہ کہ اس وقت تو تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ یہ آسمانی پانی زمین میں جگہ ہی نہیں پاسکتا اور اُس وقت تم اس غلط فہمی میں ہو گے کہ تم از خود اسے سطح زمین پر بننے والے چشمہ کی صورت پر لا سکتے ہو۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ خدائے رحمن ہی ایسا سامان کرے تو کرے۔ بلکہ وہ ضرور اس کا سامان کرے گا کیونکہ اس کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے اگر اس کی نشاء یہ نہ ہوتی کہ آئندہ بھی بنی آدم کی روحانی زندگی کے لئے یہی پانی کام دے تو وہ اسے خشک کر دیتا غور کرنے پر اکتفا نہ کرتا۔

=====

اسلام کے مستقبل کے متعلق تین عظیم الشان پیشگوئیاں

پس اس آیت میں تین عظیم الشان پیشگوئیاں کی گئیں۔ پہلی پیشگوئی یہ کہ قرآن کو زمین میں مقبولیت حاصل ہوگی اسلام غالب آئے گا اور وہ روحانی بادشاہت جس کا اس سورۃ (الملک) کے شروع میں ذکر تھا قائم ہوگی۔ دوسری پیشگوئی یہ کہ اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ قرآن موجود تو ہوگا لیکن مسلمانوں تک کی دسترس سے دور ہو جائے گا یعنی اس میں اور مسلمانوں میں بُخد واقع ہو جائے گا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ اس روحانی بادشاہت پر ضعف کا زمانہ آجائے گا۔ اور تیسری پیشگوئی یہ کہ خدا تعالیٰ اس وقت بھی محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم پر حرف نہیں آنے دے گا بلکہ اپنی صفیہ رحمانیت کے ماتحت ایسے سامان ضرور کر دے گا کہ یہ آپ حیات پھر چشمہ رواں کی صورت سطح زمین پر بننے لگے اور اس سے استفادہ آسان ہو جائے۔ اور چونکہ ایسا سامان ہمیشہ مامور من اللہ کے ذریعہ ہوا کرتا ہے اشارہ اس میں یہ ہوا کہ وہ کسی کو مامور کر کے اس کام کے لئے کھڑا کرے گا۔ چنانچہ امام ابی عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ **فَمَنْ يَأْتِيَكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ** سے مراد یہ ہے کہ **فَمَنْ يَأْتِيَكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ** یعنی اس آیت میں **مَاءٍ مَعِينٍ** سے مراد امام جدید ہے۔ اور صاحب بحار الانوار اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ پانی کے لفظ کا علم کے لئے کنایہ ہونا محال نہیں کیونکہ ان دونوں میں زندگی دینے میں اشتراک ہے ایک جسم کی زندگی کا موجب ہے اور دوسرا روح کی زندگی کا (امام مہدی کا ظہور ص ۳۲۸)۔

سورة القلم میں مہدیؑ کا ذکر

سورة الملک کے بعد سورة القلم آتی ہے اس کے شروع میں ہے۔

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ (۲) مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ
بِمُحْضَنُونَ (۳)

ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں (یا لکھیں گے)۔ اپنے رب
کی نعمت (دہی) سے (مُحْضَنُونَ) تو محزون نہیں۔

مفسرین نے 'ن' کو قسم میں شامل بھی کیا ہے اور اس سے باہر بھی رکھا ہے۔ اسی طرح
یہ بھی جائز مانا ہے کہ ن کسی نام یا لفظ کا پہلا حرف ہو اور یہ بھی جائز مانا ہے کہ یہ آخری حرف
ہو۔ یہ کوئی نئی اور عجیب بات نہیں قرآنی مقطعات کے بارہ میں بھی یہی موقف اختیار کیا گیا ہے
اور اگر ن کو کسی نام یا لفظ کا پہلا یا آخری حرف سمجھا جائے تو اس سے بہر حال کوئی ایسا نام یا لفظ
ہی مراد لیا جاسکتا ہے جس کا سیاق و سباق کلام کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ صرف یہ جان لینے سے کہ
اس نام کے شروع یا آخر میں ن آتا ہے۔ ذہن کا انتقال اس کی طرف ہو سکے۔

ایسا پہلا نام جس کے آخر میں ن آتا ہے اور صرف اسی علامت سے اس کی طرف ذہن
جاسکتا ہے بلاشبہ رَحْمٰن ہے کیونکہ سورة القلم سے پہلے سورة الملک ہے اور اس کے آخر میں بلکہ اس
کی دوسری کئی آیتوں میں بھی یہ نام بار بار آیا ہے۔ اور اگر ن کو رَحْمٰن کا قائم مقام سمجھیں تو اس
آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خدا جس نے قرآن اتارا ہے رَحْمٰن ہے۔ مطلب یہ کہ گو اس میں
شبہ نہیں کہ سورة سابقہ کے آخر میں مذکور اشارہ کے مطابق ایک زمانہ آئے گا کہ یہ روحانی پانی
غسوراً ہو جائیگا اور اس وقت کسی اور کی طاقت میں نہیں ہوگا کہ اسے چشمہ رواں کی صورت پر لا
سکے لیکن وہ رَحْمٰن جو اس کا نازل کرنے والا ہے اپنی صفیٰ رحمانیت کے ماتحت یعنی سراسر موصیٰ
کے طور پر اس وقت اس کے لئے کوئی ایسا سامان کر دے گا کہ جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہوتا
ہے نہ ہو سکتا ہے یعنی کوئی رسول مبعوث کر دے گا۔

=====

قرآنی علوم کو پھیلانے کیلئے ایک سلطان القلم کے ظہور کی پیشگوئی

’ن‘ کے بعد ہے وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ : جس طرح تنق خود کچھ نہیں کرتی جو کچھ کرتا ہے تنق زن کرتا ہے۔ اسی طرح قلم کوئی چیز نہیں اصل چیز صاحب القلم ہوتا ہے۔ پس یہاں دراصل ایک صاحب القلم کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ امام رازی اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس جگہ قلم سے صاحب القلم مراد لیا ہے اور یہ جائے تعجب نہیں کیونکہ قرآن کریم میں حذف مضاف کی بے شمار مثالیں ہیں۔ مثلاً فرمایا وَسُئِلَ الْقُرَيْبَةُ (یوسف ۸۲:۱۲) اُنْی اَهْلُ الْقُرَيْبَةِ پس اس میں بتایا کہ جب قرآن کی صورت میں اترنے والا پانی غودراً ہو جائے گا اس وقت خدا تعالیٰ ایک ایسا صاحب القلم پیدا کر دے گا جس کا نام لینے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ (بائبل کے الفاظ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے کے مطابق) اس کے کام خود بتادیں گے کہ یہی قرآن کا موعود ہے۔ اور (جیسا کہ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ فرمانے یعنی دو چیزوں کی قسم کھانے میں اشارہ ہے) اول اس کی ذات جو اب قسم میں مذکور امور پر شاعد ہوگی یعنی وہ صرف ایک صاحب القلم نہیں ہوگا بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جو برطابق آیت یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال ۲۳:۸) روحانی زندگی بخشنے والے ہیں قوتِ قدسیہ کا جیتا جاگتا ثبوت بھی ہوگا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ آپ کا اُمّتی اور آپ ہی کے ہاتھوں بے مثال روحانی زندگی پانے والا اور اس طرح امور مذکورہ پر گواہ ہوگا۔ دوسرے کو وہ شروع میں اکیلا ہوگا لیکن خدا تعالیٰ اسے اکیلا رہنے نہیں دے گا بلکہ ایک جماعت بتادے گا اور اس کی اور اس کے ساتھیوں کی تحریریں بھی امور مذکورہ پر گواہ ہوں گی۔ یعنی ان کے ذریعہ قرآنی علوم پھر دنیا میں پھیلیں گے پھر ان سے استفادہ آسان ہو جائے گا اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جنہوں نے اسلام کے غلبہ کے بعد تنزل کی اور تنزل کے بعد دوبارہ غالب آنے کی پیشگوئیاں کیں اور یہ کتاب پیش کی جس میں یہ پیشگوئیاں ہیں وہ مجنون نہیں تھے۔ پھر ساری دنیا کے اصحاب القلم میں سے صرف ایک کا ذکر کرنا اور اس کا کام قرآنی علوم کو دوبارہ چشمہ رواں کی صورت میں زمین پر پھیلا دینا بیان کرنا بتاتا ہے کہ یہاں کسی معمولی صاحب القلم کا

نہیں بلکہ سلطان القلم کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے موعود حضرت مہدی مسعود علیہ السلام نے فرمایا:-

”اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو
ذوالفقار علی فرمایا۔“ (تذکرہ ص ۴۰۸)

لیکن اس کے بعد مَا یَسْطُرُونَ میں جمع کا صیغہ لانا بتاتا ہے کہ اس کی اولاد اور اس کے قبیلین بھی اس کی شاگردی میں یہ خدمت بجالائیں گے۔

اس جگہ پانی کے غوراً ہو جانے یعنی سطح زمین سے دور تک نیچے اتر جانے کے بعد اسے چشمہ رواں کی صورت سطح زمین پر لانے کے لئے ایک سلطان القلم کی پیشگوئی کا کیا جانا صاف بتاتا ہے کہ یہاں ماء یعنی پانی کا لفظ علم کے لئے کنایہ ہے اور مراد یہ ہے کہ اس وقت قرآن کے علوم میں اور مسلمانوں میں بُغد ہو جائے گا ورنہ اس کے الفاظ محفوظ ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ ”لَا يَقْضَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَقْضَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ“ اسلام میں سے سوائے اس کے نام کے کچھ باقی نہیں رہے گا اور قرآن میں سے سوائے رسم کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اور جیسا کہ اوپر بھی لکھا گیا صاحب بحار الانوار امام ابی عبد اللہ نے بھی اس جگہ لفظ ماء کو علم کے لئے کنایہ قرار دیا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ علم کے فقدان کے وقت ایسے فتنہ کی اصلاح کے لئے جو فقدان علم سے پیدا ہو کسی صاحب العلم ہی کو بھیجا جانا چاہیے اور چونکہ نزول قرآن کے وقت ہی یہ بتا دیا گیا تھا کہ آئندہ علم قلم کے ذریعہ پھیلے گا (الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - اعلق ۵:۹۶) اس لئے وہ صاحب العلم صاحب القلم ہی ہونا چاہیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات میں اس کی پیشگوئی کی گئی۔

عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں ایک طرف قرآن کی صورت میں اترنے والا پانی غوراً ہو گیا یعنی اس میں اور مسلمانوں میں بعد واقع ہو گیا اور دوسری طرف خدا تعالیٰ نے ایک شخص مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو ”سلطان القلم“ بنا کر اور قرآنی علوم سے بہرہ ور کر کے کھڑا کر دیا اور اس نے علی الاعلان فرمایا کہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے روحانی زندگی پائی ہے۔

إِنِّي لَقَدْ أَخْيَيْتُ مِنْ إِخْيَائِهِ
وَاهَا لِأَعْجَازٍ لِمَا أَخْيَانِي

اور ہر چند کہ دعویٰ کے وقت وہ بالکل اکیلا تھا خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے عین مطابق اس کو اکیلا نہیں رہنے دیا بلکہ ایک جماعت دے دی اور جماعت بھی اسلام کی عظیم الشان علمی خدمات بجالانے والی۔ چنانچہ اس کے اپنے وجود اور پھر اس کی اور اس کے شاگردوں کی تحریرات نے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت کر دی کہ محمد رسول اللہ ﷺ نعت وحی سے مُتَلَبِّس تھے مجنون نہیں (بلکہ نہایت دانشمند) تھے (کیونکہ نور وحی وہیں نازل ہوتا ہے جہاں نور عقل پہلے سے موجود ہو)۔

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یُخْرِجُ الْمَهْدِيَّ مِنَ قَرْيَةٍ يُقَالُ لَهَا كَرْعَةٌ (بخار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۹) مہدی اس بستی سے ظاہر ہوگا جسے کَرْعَةٌ کہا جائے گا۔ کَرْعَ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں آسمان کا پانی جمع ہو جاتا ہے اور آگے لوگ اس پانی سے اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ مجمع البحار جلد ۳ ص ۲۰۷ پر ہے إِنَّ رَجُلًا سَمِعَ قَائِلًا فِي سَحَابَةٍ إِسْقِي كَرْعَ فُلَانٍ أَرَادَ مَوْضِعًا يَجْتَمِعُ فِيهِ مَاءُ السَّمَاءِ فَيَسْقِي صَاحِبُهُ زَرْعَهُ یعنی ایک آدمی نے کسی کو بادل کو کہتے ہوئے سنا کہ تو فلاں کرم کو سیراب کر اور مراد اس کی کرم سے وہ جگہ تھی جس میں آسمان کا پانی جمع ہوتا تھا پھر اس کا مالک وہاں سے کھیتی کو ہلاتا تھا۔ قادیان کی بستی جہاں سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے مسیح اور مہدی اور سلطان القلم ہونے کا دعویٰ کیا آپ کے دعویٰ کے وقت ایک ایسی بستی تھی کہ اس پر ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے یہ پیشگوئی صادق آتی تھی۔ یعنی اس میں بڑی بڑی ڈھائیں بھی تھیں جن میں بارش کا مادی آسانی پانی جمع ہوتا رہتا تھا اور علوم و معرفت کے مجازی و روحانی پانی کے ذخائر تو اب بھی ہیں بلکہ اسی بناء پر ایک طرف عیسائی متاد کھلم کھلم اعتراف کر چکے ہیں کہ اسلام اور مسیحیت کی جنگ قادیان کی بستی میں لڑی جائے گی۔ اور دوسری طرف بڑے بڑے علماء باوجود مخالفت کے قادیان سے پھوٹنے والے علوم پُر اچرا کر اپنی تقریروں اور تحریروں میں پیش کر رہے ہیں۔

’ن‘ کے ایک معنی سَنَف کے ہوتے ہیں۔ یہ معنی لیں اور ’ن‘ کو قسم میں شامل کریں تو چونکہ سورۃ سابقہ میں اسلام کے دو دوروں کے متعلق پیشگوئی تھی اس کے مد نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اسلام کے پہلے دور میں تلواریں اور دوسرے دور میں ایک صاحب القلم اور جو کچھ وہ اور اس کے ساتھی یا جو کچھ تمام لکھنے والے لکھیں گے جو اب قسم میں مذکور امور پر گواہ ہونگے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کے دور ثانی کا جہاد قلم کا جہاد ہوتا مقرر تھا نہ کہ

سیف کا۔ چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے مہدی کے بارہ میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ تَضَعُ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (طبرانی الاوسط والصغیر) اسکے وقت میں جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی۔ ایک دوسری روایت میں وَيَضَعُ الْحَرْبُ کے الفاظ ہیں۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم) یعنی یہ کہا گیا ہے کہ وہ جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مہدی موعودؑ نے بھی فرمایا ۔

کیوں بھولتے ہو تم ”يَضَعُ الْحَرْبُ“ کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر

=====

اسلام کے دورِ اوّل کے پہلے ۵۰ سال اور دورِ ثانی کے پہلے

۲۰۱ سال میں عظیم ترقیات کی پیشگوئی

عربی میں حروف کی عددی قیمت بھی ہوتی ہے۔ ان کے اعداد بحساب جمل ۵۰ ہیں اور اقلّم کے اعداد ۲۰۱۔ چونکہ تحریر کا ذکر وَمَا يَسْطُرُونَ میں الگ آگیا ہے اس لئے اگر ہم ن سے اس کی عددی قیمت کی طرف اشارہ مراد لیں تو اقلّم سے بھی اس کی عددی قیمت کی طرف اشارہ مراد لیا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اسلام کے دورِ اوّل کے پہلے ۵۰ سال اور دورِ ثانی کے پہلے ۲۰۱ سال اور جو کچھ ان ادوار کے متعلق لکھنے والے لکھیں گے وہ اس بات کو ثابت کرے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جنہوں نے غلبہ اسلام کے متعلق مذکورہ پیشگوئیاں کیں مجنون نہیں تھے بلکہ نہایت درجہ زیرک اور باخدا انسان تھے۔

=====

عظیم الشان بادشاہوں کے حلقہ بگوش احمدیت ہونیکی پیشگوئی

چونکہ ’ن‘ کی عددی قیمت کے مطابق جو ۵۰ ہے اسلام کے دورِ اوّل کے پہلے پچاس سال میں اسلام دُور دُور پھیل گیا تھا اور اس کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں۔ اس لئے اقلّم کی عددی قیمت کے لحاظ سے جو ۲۰۱ ہے اس کی قسم کھانے میں یہ پیشگوئی تھی کہ اسلام کے دورِ ثانی میں جو مسیح موعود علیہ السلام کا دور ہے (یعنی یہی دور جو اب گزر رہا ہے اور جس کے ابھی صرف سو سال بیتے ہیں) ۲۰۱ سال کے اندر احمدیت کو دورِ دراز کے ممالک تک غلبہ حاصل ہو چکا

ہوگا اور بہت سی عظیم الشان بادشاہتیں احمدیت میں داخل ہو چکی ہوں گی۔ راستہ میں اتلاہ آسکتے ہیں مصائب کی آندھیاں چل سکتی ہیں اموال و نفوس کے نقصان ہو سکتے ہیں۔ لیکن آسمان کے نوشتے ٹل نہیں سکتے ع

ہے یہ تقدیر خداوند کی تقدیروں سے
اسی کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا یہ اعلان تھا کہ احمدیت کی دوسری صدی غلبہ اسلام کی صدی ہوگی۔ چنانچہ صرف پچھلے صرف ایک دو سالوں میں کروڑوں لوگوں کے داخل احمدیت ہونے سے اس کے واضح آثار نظر آنے لگے ہیں۔

حضرت مہدی موعود کو الہام ہوا میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے پرکت ڈھونڈیں گے۔ اور آپؐ نے فرمایا عالم کشف میں مجھے وہ بادشاہ دکھائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور کہا گیا ”یہ وہ ہیں جو اپنی گردنوں پر تیری اطاعت کا جوا اٹھائیں گے اور خدا انہیں برکت دے گا (تجلیات الہیہ ص ۳۱) ایک روایا میں آپؐ کو یہ بھی بتایا گیا کہ ان میں سے بعض اس ملک میں سے ہوں گے بعض بلاد شام میں سے بعض روم میں سے اور بعض ان بلاد میں سے جنہیں آپؐ پہچانتے نہیں اور پھر حضرت غیب سے آواز آئی ”یہ وہ ہیں جو تیری تصدیق کریں گے اور تجھ پر درود بھیجیں گے اور میں تجھے برکت پہ برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت پائیں گے۔“ (تذکرہ ص ۱۱)

=====

یاجوج ماجوج کے دنیا پر محیط ہو جانے کی پیشگوئی

حرف 'ن' کے معنی حوت کے بھی ہوتے ہیں روایات میں آیا ہے کہ اس سے مراد وہ مچلی ہے جس کا سر مشرق میں اور دم مغرب میں ہے۔ ن سے یہ مراد لیں تو اس میں دجالی اقوام کی طرف اشارہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جس طرح ن کا حلقہ اس کے نقطہ کے گرد محیط ہو جاتا ہے اور صرف ایک طرف سے اس کا منہ کھلا ہوتا ہے اسی طرح ایک زمانہ آئے گا کہ سمندروں میں بسنے والی اقوام ساری دنیا پر محیط ہو جائیں گی اور ان کی گرفت سے بچ نکلنے کا صرف ایک راستہ ہوگا اور وہ اسلام کا راستہ ہوگا۔ اس وقت خدا تعالیٰ ایک عظیم صاحب القلم کو پیدا

کرے گا۔ اور اس صاحب القلم کا اپنا مقدس وجود اور جو کچھ وہ اس کے ساتھی لکھیں گے وہ جواب قسم میں مذکور امور کو حق ثابت کر دیں گے۔

ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا ان اقوام کے دنیا پر محیط ہو جانے کا ذکر کرنا اور اس کے ساتھ ایک صاحب القلم کے پیدا کئے جانے کی پیشگوئی کرنا دراصل یہ بتانا تھا کہ یہ قومیں اسلام پر علمی رنگ میں حملہ آور ہوں گی۔ مسلمان از خود ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس لئے خدا تعالیٰ اپنی طرف سے ایک شخص کو علوم لدنی سے بہرہ ور کر کے کھڑا کرے گا اور وہ ان کا مقابلہ کرے گا۔ اور ان کو مغلوب کر دے گا۔ پس اس اعتبار سے بھی ان آیات میں ایک مسیح اور مہدی کی پیشگوئی کی گئی۔

بہر صورت سورۃ الملک میں اسلام کی روحانی بادشاہت کے قائم ہونے کی خبر دینے کے بعد یہ بتایا گیا تھا کہ قرآن کی صورت میں اترنے والا روحانی پانی زمین میں جگہ تو پالے گا لیکن اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا کہ یہ غوراً ہو جائے گا مگر خدا تعالیٰ پھر اسے سطح زمین پر لانے کا سامان کرے گا اور سورۃ القلم کے شروع میں بتایا گیا کہ یہ پیشگوئیاں کرنے والے محمد رسول اللہ ﷺ مجنون نہیں ہیں۔ جس کے ثبوت میں منجملہ دوسری بہت سی پیشگوئیوں کے ایک پیشگوئی یہ کی گئی ہے کہ اس پانی کے غوراً ہو جانے کے وقت خدا تعالیٰ ایک عظیم صاحب القلم کو پیدا کرے گا جو اس آب حیات کو پھر سطح زمین پر چشمہ رواں کی صورت بہائے گا اور اسلام کو ادیان باطلہ پر غالب کر دے گا۔

نزول قرآن کے زمانہ میں ان پیشگوئیوں پر یقین اس سے ہو سکتا تھا کہ انہی آیات میں اسلام کے دور اوّل کے بارہ میں بھی غلبہ اسلام کی بنیاد بننے والے ایک عظیم واقعہ کی پیشگوئی کی گئی تھی جس کا پورا ہونا اس بات پر گواہ بننے والا تھا کہ دوسری پیشگوئیاں بھی جو ان آیات میں کی گئی ہیں یقیناً پوری ہوں گی۔

سورۃ القلم کی اگلی آیات میں خدا تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو ان باتوں سے جو آسمانی بادشاہت کے قیام میں روک بن سکتیں تھیں پرہیز کرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد پہلے اصحاب الجہنم کی ایک تمثیل بیان کر کے سمجھایا کہ ملہ والے مسلسل مختلف قسم کے عذابوں کا شکار ہوں گے جس کی وجہ سے بالآخر ان کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ ایمان لے آئیں گے اور پھر یہود کے

متعلق بتایا کہ وہ جتلے عذاب ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور آخر میں یہ بتایا کہ ان دونوں کو تدریجاً ان کے اس موعودہ انجام کی طرف لے جایا جائے گا۔ ان سب پیشگوئیوں کی تفصیل انشا اللہ کتاب مخزن معارف کی متعلقہ جلد میں ملے گی۔

=====

سورة الحاقة میں مہدی موعود کا ذکر

سورة القلم کے بعد سورة الحاقة آتی ہے اس کے شروع میں خدا تعالیٰ نے ان باتوں کو (جن کا اوپر ذکر ہوا) ہو کر رہنے والی باتیں قرار دیا اور پھر حکایۃ عن الغیور کے حیرانہ میں مشرکین مکہ اور یہود پر آنے والے عذابوں کی نوعیت بیان کی اور بتایا کہ ان کے بعد مشرکین میں سے کوئی دیکھنے کو نہیں ملے گا اور یہود بھی ایسے عذاب میں مبتلا ہوں گے جو بڑھتا ہی چلا جائے گا (آیات ۶۹ تا ۱۱) ظاہر ہے کہ ان قوموں کا اس طرح عذاب اور ہلاکت کی طرف لے جایا جانا قرآن سے دور رہنے ہی کی وجہ سے ہوتا تھا اور چونکہ اس سے پہلے یعنی سورة الملک کی آخری آیت قُلْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا میں یہ خبر دی گئی تھی کہ غلبہ کے بعد اسلام پر ضعف کا بھی ایک زمانہ آنے والا ہے۔ جب کہ قرآن اور مسلمانوں میں بعد واقع ہو جائے گا اس لئے اس موقع پر خدا سے ڈرنے والے مومنوں کے دل میں لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب یہ صورت پیدا ہوگی یعنی قرآن کی صورت میں اترنے والا آسمانی پانی غوراً ہو جائے گا (جس کے نتیجہ میں معصیت و گناہ کے ایک طوفان عظیم کا برپا ہونا لازمی بات ہے) اس وقت ان کے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔ ہر چند کہ اس کا جواب آیت ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ میں پہلے بھی آچکا تھا لیکن تاکید کا فائدہ حاصل کرنے اور کچھ زائد باتیں بتانے کے لئے فرمایا:-

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (۱۲) لِنَجْعَلَهَا

لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (۱۳)

یقیناً جب پانی میں طغیانی آئی ہم نے تمہیں ایک مسلسل رواں دواں رہنے والی (کشتی) میں اٹھالیا تاکہ اسے تمہارے لئے یاد دہانی بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ طَغَا کے معنی حد سے گزر جانے کے ہیں جو افراط کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور تفریط کی طرف بھی (جیسا کہ الرحمن ۹:۵۵ میں) اور جہاں مادی پانی کا افراط اس کا طَغَا ہے وہاں روحانی پانی کی تفریط اس کا طَغَا ہے اور چونکہ سورۃ الملک کی محولہ بالا آیت میں قرآن کی صورت میں اترنے والے روحانی پانی کے غوراً ہو جانے یعنی اس کی تفریط کا ذکر کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں معصیت و گناہ کے ایک طوفان کا برپا ہونا لازمی تھا جس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس وقت مومنوں کے بچنے کی کیا صورت ہوگی اس لئے اس سوال کے جواب میں پانی کے طَغَا ہی کا ذکر کیا اور اس طرح اس آیت کے سورۃ الملک کی اس آیت سے ربط کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ چنانچہ آگے لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً کے الفاظ لا کر بتایا کہ کچھ پہلے کوئی بات کہی گئی تھی۔ درمیان میں اور مضمون آگیا تھا اور یہاں سے پھر اس پہلی بات کی طرف کلام کا رخ پھیر کر اس کی وجہ بتائی گئی ہے اور اس کے بعد وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَاَعِيَةٌ کے الفاظ بڑھا کر بتایا کہ وہ بات ہے بھی آئندہ سے تعلق رکھنے والی بات۔

پس اس جگہ یہ آیت اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ رَكَّهَ خُذَاتُ الْوَالِدِ نے مومنوں کو تسلی دلائی کہ بیشک ایک زمانہ میں مسلمان بگڑ جائیں گے اور آیت قُلْ اَرْنَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا الخ کے مطابق ان میں اور قرآن میں ایک بُغْد واقع ہو جائے گا جسکے نتیجہ میں معصیت و گناہ کے طوفان کا برپا ہونا لازمی بات ہے لیکن تم مایوس نہ ہونا خدا تعالیٰ اس وقت بھی تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔ بلکہ جس طرح اس نے ایک گزشتہ زمانہ میں اس وقت جب پانی حد سے گزر گیا تھا تم کو الجاریہ یعنی کشتی نوح میں اٹھالیا تھا اُسی طرح اس آئندہ برپا ہونے والے طوفانِ معصیت و گناہ میں بھی وہ تم کو ایک جاریہ میں اٹھالے گا۔

=====

آئندہ زمانہ میں ایک نوح کے مبعوث ہونے اور اسکے ہاتھ

سے ایک روحانی کشتی کے تیار کئے جانے کی پیشگوئی

یاد رکھنا چاہیے کہ منقولہ بالا آیت کے لفظ جاریہ پر ال آیا ہوا ہے جو تخصیص کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور کشتی نوح کی خصوصیات میں سے پہلی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ”الواح“ اور ”دسر“ سے بنی ہوئی تھی (القر ۵۴:۱۳) اور چونکہ اس وقت کا طوفان مادی تھا اسلئے وہ الواح و دسر بھی مادی ہی

تھے۔ اور اس کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اسے حضرت نوحؑ نے وحی الہی کے ماتحت بنایا تھا (ہود:۳۸)۔ اور تیسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ خدا کی حفاظت میں تھی (القر:۵۴:۱۵)۔ اور چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ”بسم اللہ“ کے ساتھ تھا (ہود:۴۲)۔ اور پانچویں خصوصیت یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے اسے ایک آیت بنایا تھا (العنکبوت:۱۶:۲۹)۔ اور چھٹی خصوصیت یہ تھی کہ وہ پہاڑ جیسی موجوں میں سے سلامتی کے ساتھ گزرتی چلی جاتی تھی (ہود:۴۳:۱۱)۔ اور ساتویں خصوصیت یہ تھی کہ جب طوفان تھا وہ ایک بلند مقام پر مضبوطی سے قائم ہو چکی تھی (ہود:۴۵:۱۱)۔ پس اس میں بتایا کہ آنے والے طوفان سے بچانے کے لئے بھی خدا تعالیٰ تمہارے لئے ایک کشتی مہیا کرے گا جو الواح دوسرے مصنوع ہوگی (لیکن چونکہ وہ طوفان معصیت و گناہ کا طوفان ہوگا اس لئے ظاہر ہے کہ وہ الواح دوسرے روحانی ہوں گے) اور اس کشتی کو بھی ایک نوح ہی تیار کرے گا اور وحی الہی کے ماتحت تیار کرے گا اور وہ بھی خدا کی حفاظت میں ہوگی۔ اس کے راستہ میں پہاڑ جیسی عظیم روکیں آئیں گی لیکن وہ ان سے بھیرت گزر جائے گی۔ وہ خدا کا ایک مجسم نشان ہوگی اور شروع سے آخر تک اس کے ساتھ ”بسم اللہ“ کا تعلق ہوگا اور مذکورہ طوفان کے تھمنے تک وہ ایک بلند مقام پر مضبوطی سے قائم ہو چکی ہوگی۔ پس اس میں صراحت سے یہ پیشگوئی کی گئی کہ آئندہ زمانہ میں جب بشمولیت مسلمانوں کے تمام انسانوں اور قرآن میں بُخند واقع ہوجانے کی وجہ سے ایک عالمگیر طوفان معصیت و گناہ برپا ہوگا اس وقت خدا تعالیٰ ایک نوح کو مبعوث کرے گا اور اپنی وحی کے ماتحت اس کے ہاتھ سے ایک روحانی کشتی تیار کروائے گا۔ اور چونکہ اس سے پہلے اُسی زمانہ کے متعلق ایک ”سلطان القلم“ کے مبعوث کئے جانے کی پیشگوئی کی گئی ہے اس لئے اس میں دراصل یہ اشارہ کیا گیا کہ موعود ”سلطان القلم“ کا ایک نام نوح بھی ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مبعوث کیا۔ انہیں سلطان القلم قرار دیا اور نوح بھی ان کا باپ رکھا اور ان کے ہاتھ سے اپنی وحی کے ماتحت ایک کشتی تیار کروائی جو روحانی الواح دوسرے سے تیار ہوئی کیونکہ اسے قرآن کریم کی واضح ہدایات کو (جنہیں الواح الہدیٰ کہنا چاہیے) دلائل و براہین کی میخوں کے ساتھ جوڑ کر بنایا گیا تھا اس کشتی کی (جو نوح وقت کے الفاظ میں خالص اسلام کی کشتی تھی) ابتداء بھی بسم اللہ سے تھی اور انتہا بھی

بسم اللہ سے بلکہ ہمیشہ ہی اس کے ساتھ بسم اللہ کا تعلق رہا کیونکہ اس کی اصل قرآن کریم ہے جس کی ہر سورۃ کے شروع میں ”بسم اللہ“ کے الفاظ آتے ہیں اور جس کی تعلیم کا لب لباب اللہ ہی اللہ ہے۔ اس کشتی کی راہ میں پہاڑوں جیسی بڑی بڑی رکاوٹیں آئیں مگر یہ ان میں سے سلامتی کے ساتھ گزرتی گئی اور گزرتی چلی جاتی ہے۔ یہ کشتی خدا تعالیٰ کی ایک مجسم ”آیت“ ہے اور اس کے لئے یہی مقدر ہے کہ جس طوفان سے بچانے کے لئے یہ بنائی گئی ہے اس کے تھمنے تک یہ ایک بلند مقام پر مضبوطی سے قائم ہو جائے کیونکہ اس کے صنّاع کو خدا تعالیٰ نے اس کے مبعوث ہونے سے بھی قبل بطور پیشگوئی کے الہاماً فرمایا تھا ع

وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد

=====

اس زمانہ کی کشتی نوح سے مراد خالص اسلام کی کشتی

یہ باتیں جو اوپر بیان کی گئیں ذوقی نہیں بلکہ ان پیشگوئیوں کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام سے یہ مذکورہ نام دیئے اور آپؒ نے خود فرمایا: ”اس (خدا) نے سلسلہ کے قائم کرنے کے وقت مجھے فرمایا کہ زمیں میں طوفانِ صلاّت برپا ہے تو اس طوفان کے وقت یہ کشتی تیار کر جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے بچایا جائے گا اور جو انکار میں رہے گا اس کے لئے موت درپیش ہے۔“ (فتح اسلام ص ۴۲)

نیز فرمایا:-

”اس طوفان کے وقت خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو مامور کیا اور فرمایا وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِّينَا یعنی تو ہمارے حکم سے اور ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی تیار کر۔ اس کشتی کو اس طوفان سے کچھ خطرہ نہ ہوگا اور خدا کا ہاتھ اس پر ہوگا۔ سو وہ خالص اسلام کی کشتی یہی ہے جس پر سوار ہونے کے لئے میں لوگوں کو بلاتا ہوں۔“

(آئینہ کلمات اسلام ص ۲۴۱ حاشیہ)

حضورؐ نے جو اس کشتی کو ”خالص اسلام کی کشتی“ قرار دیا اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں سفینہ کے عام لفظ کی جگہ جاریہ کا لفظ رکھا گیا کیونکہ اس لفظ میں تیزی کے ساتھ چلنے اور جاری رہنے یعنی Continuity کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور اسلام نے رہتی دنیا تک چلنے چلے جانا ہے۔

پس یہ لفظ رکھ کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ بیشک سورۃ الحافۃ ہی کی آیات وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكُتْ بِالْخَاطِئَةِ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخَذَةً رَابِيَةً (۱۱۰:۶۹) کے مطابق جب بھی لوگ خطا کار ہو جاتے رہے ہیں خدا تعالیٰ ان کی طرف اپنا رسول بھیجتا رہا ہے۔ لیکن جو ہدایت وہ رسول لے کر آتے تھے وہ دائمی ہدایت نہیں ہوتی تھی (کشتی کہ حضرت نوحؑ کی شریعت بھی صرف ہزار سال تک کے لئے تھی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ جو ہدایت لے کر آئے ہیں وہ دائمی ہدایت ہے اس لئے آئندہ جو رسول آئے گا وہ اسی جاریہ پر لوگوں کو سوار کرائے گا۔ پس اس کا روحانی کشتی بنانا اسلام کو غیر اسلامی عناصر سے پاک کر کے خالص شکل میں پیش کرنا ہوگا نہ کہ کسی الگ دین کی راہ دکھانا۔

بہر صورت جب یہ بتایا کہ اسلام کے ضعف کے زمانہ میں یعنی اس وقت جب قرآن کریم کی صورت میں اترنے والا روحانی پانی غوراً ہو جائے گا یعنی سطح زمین سے بہت دور نیچے اتر جائے گا اس وقت خدا تعالیٰ اپنی صفتِ رحمانیت کے ماتحت ایک عظیم صاحب القلم کو پیدا کرے گا تا اس آبِ حیات کو پھر سے چشمہ رواں کی صورت سطح زمین پر لے آئے اور وہ اس صاحب القلم کو اکیلا نہیں رہنے دے گا بلکہ ایک جماعت بنا دے گا اور نیز یہ بتایا کہ اس آسانی پانی کے غوراً ہو جانے کے نتیجہ میں جو طوفانِ معصیت و گناہ برپا ہونے والا ہے اس کے برپا ہونے کے وقت خدا تعالیٰ مومنوں کو بچانے کے لئے اپنے الہام کے ماتحت ایک کشتی تیار کر دے گا۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا اس صاحب القلم کے جو نوح وقت بھی ہوگا آنے کے ساتھ ہی اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے گا یا اس پر کچھ وقت لگے گا اور اگر وقت لگے گا تو پھر یہ غلبہ کب اور کیسے واقع ہوگا۔ آگے اس کا جواب ہے

=====

اسلام کا عالمگیر غلبہ عالمگیر ایٹمی جنگ سے وابستہ ہے

فرمایا:-

فَإِذَا نَفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ (۱۴) وَ حُمِلَتِ
الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً (۱۵) فَيَوْمَئِذٍ
وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱۶)

پھر جب یکا یک (جنگ کا) بگل بجایا جائے گا۔ اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے۔ پھر یکبارگی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ تو اس دن واقعہ ہونے والی موعودہ بات واقع ہو جائے گی۔

لفظ الصُّورِ صورۃ کی جمع ہے اور اس کے معنی اس بگل کے بھی ہیں جو جنگ کے وقت بجایا جاتا ہے۔ پس نَفِخَ فِي الصُّورِ سے نفوس میں نئی روح کا پھونکا جانا بھی مراد ہو سکتا ہے اور لشکر کشی کیا جانا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

سورۃ الواقعہ کے شروع میں ہے إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لَوْفَعَتِهَا كَذِبٌ (جب واقعہ ہونے والی موعودہ بات واقع ہو جائے گی تو اس کے واقعہ ہونے کو کوئی جھٹلا نہیں سکے گا۔) اس سے ظاہر ہے کہ الواقعہ سے کوئی ایسی چیز مراد ہے کہ گو خود اس چیز کو جھٹلانے والے تو اس کے واقع ہو جانے پر بھی ہونے تھے۔ لیکن اس کے واقعہ ہو جانے کو جھٹلانے والا کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا الواقعہ سے غلبہ اسلام مراد ہے۔ پس ان آیتوں میں بتایا گیا کہ جب وہ روحانی کشتی جس کا اوپر ذکر ہوا بن چکے گی تو کچھ عرصہ کے بعد یعنی اس کشتی میں سوار ہونے والوں کو اس میں سوار ہونے کا موقع ملے اور دوسروں پر اتمامِ حجت ہو جانے کے بعد اچانک ایک جنگ کا بگل بجایا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے اور اس کے بعد اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔

پہاڑوں اور زمین کا اپنی جگہ سے اٹھایا جانا یا تو ان کے نیچے دھماکہ ہونے سے ممکن ہے یا ان کے اوپر خلا واقع ہو جانے سے جس کے نتیجے میں یہ اوپر Suck کر لئے یعنی کھینچ لئے جائیں۔ بہر حال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اول وہ جنگ اچانک ہوگی دوسرے وہ ایسے

ہتھیاروں سے ہوگی جو زمین کے بڑے بڑے حصوں بلکہ پہاڑوں تک کو اپنی جگہ سے اٹھا اٹھا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں اس زمانہ کے ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعہ ممکن ہو چکی ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کبھی ممکن نہیں تھیں۔ پس اس میں اس زمانہ کی متوقع ایٹمی جنگ ہی کی پیشگوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس جنگ کا آخری دن عالمگیر غلبہ اسلام کا پہلا دن ہوگا۔ یعنی لوگوں کا افواج اسلام میں داخل ہونا اس کے بعد شروع ہوگا۔ چنانچہ گو ان آیات سے استدلال کر کے تو نہیں لیکن یوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بھی اپنے ایک سفر یورپ میں بالکل یہی بات بیان فرمائی تھی دیکھیں کتابچہ ایک حرفِ انتباہ۔ بہر حال فِیَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ کے بعد ہے:-

وَأَنشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ (۱۷) وَالْمَلَكُ
عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ
ثَمِينًا (۱۸)

اور آسمان پھٹ جائے گا سو اس دن وہ بودا (ثابت) ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن تیرے رب کے عرش کو (آٹھ) اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

یہاں آسمان کے پھٹنے کا ذکر پہلے ہے اور بودا ہونے کا بعد میں لہذا مراد یہ ہے کہ اس دن اس کا بودا ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

=====

یہ پیشگوئی کہ آخری زمانہ میں مہدی موعودؑ اور اسکے سات
خلیفوں کے ذریعہ شانِ خداوندی کا ظہور ہوگا

اس سے پہلے سورۃ رحمن میں اسلام کے روحانی نظام کو ”السَّمَاءُ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں السَّمَاءُ سے کفار کا جھوٹا مذہب مراد ہے جو اس وقت ان کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان حائل ہو رہا ہوگا اور بتایا یہ گیا ہے کہ غلبہ اسلام کے مذکورہ وقت کے آنے پر اس مذہب کا پردہ چاک ہو جائے گا اور گو اس سے پہلے اس میں بڑی قوت و مصلابت نظر آتی ہوگی مگر اس وقت

وہ بودا ثابت ہوگا یعنی نہایت آسانی سے کلڑے کلڑے ہو جائے گا (حضرت الموعودؑ نے اس آیت کے تحت فرمایا اس وقت کا روحانی نظام درہم برہم ہو چکا ہوگا۔ الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۲۸)۔

وَالْمَلِكُ عَلٰی اَرْجَائِهٖا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔ یعنی ادھر جھوٹے مذہب یا مذاہب و توہمات کا پردہ چاک ہوگا ادھر فرشتے جو گویا پاس ہی موجود ہوں گے دلوں میں اسلام کے حق میں تحریک کرنا شروع کر دیں گے اور ان کو اس کی طرف لے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؑ نے فرمایا ”فرشتے اس لئے آسمان کے کناروں پر کھڑے نہ ہوں گے کہ درمیان میں کھڑا رہنے کی جگہ نہ رہے گی بلکہ اس لئے کہ دوبارہ اس نظام کو قائم کریں۔“ (الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۲۸)۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ فَمَآ يَنبِئُ اور اے محمدؐ اس وقت یعنی اس زمانہ میں تیرے رب کے عرش کو (جس سے اسلام بھی مراد ہو سکتا ہے کہ بادشاہوں کے عرش کی طرح یہ بھی خدا تعالیٰ کی جلالی و جمالی صفات کی جلوہ گاہ ہے) آٹھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کی بنیادی صفات جو قرآن کریم میں بیان ہوئیں چار ہیں اور ہر صفت کے اظہار پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ پس یہ جو فرمایا کہ اس دن خدا کے عرش کو آٹھ اٹھائے ہوئے ہوں گے تو اگر یہ آٹھ فرشتے ہوں تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ اس دن خدا تعالیٰ کی ان صفات اربعہ کا دوہرا ظہور ہوگا (ایک مادی رنگ میں اور ایک روحانی رنگ میں) اور اگر انسان مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت دین اسلام کی سر بلندی کا سہرا آٹھ وجودوں کے سر ہوگا۔ اور چونکہ مہدی موعودؑ کا کام جو خدا نے انہیں سونپا یہ تھا کہ يُسْحِي الْمَيِّتِينَ وَيُفْقِمُ الشَّرِيعَةَ وہ دین کو زندہ کریگا اور شریعت کو قائم کرے گا اس لئے وہ آٹھ مہدی اور اس کے خلیفے ہی ہو سکتے ہیں۔ جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ائمہ کے مشہور بزرگ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کو کشف میں مہدی موعود علیہ السلام کے سات وزرا کے کوائف بتائے گئے۔ پس آٹھ سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام اور آپ کے سات موعود خلفاء ہیں۔

=====

مہدی موعودؑ کے وقت میں آنیوالے عالمگیر عذاب کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کی تشویش اور اسکے بارہ میں خدا تعالیٰ کا جواب

اب ہم ایک بار پھر پہلے کلام کی طرف عود کرتے ہیں۔ سورۃ القلم میں دو عذابوں کی خبر تھی ایک مشرکین ملکہ پر آنے والے عذاب کی اور دوسرے یہود پر آنے والے عذاب کی۔ ملکہ والوں کے متعلق بتایا گیا تھا کہ وہ عذاب آنے پر ایمان لے آئیں گے گویا عذاب کا آنا ان کے لئے اچھا ہوگا۔ اور یہود کے متعلق بتایا گیا تھا کہ وہ حقیقت اسلام کے بالکل کھل جانے پر اور عذاب کے آنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اگلی سورۃ الحاقہ میں ان آنے والے عذابوں کی کیفیت پر روشنی ڈالی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک تیسرے عالمگیر عذاب کی خبر دی گئی تھی۔ چونکہ مشرکین ملکہ نے عذاب آنے پر ایمان لے آنا تھا اور یہود نے آخر تک ایمان نہیں لانا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کو زیادہ فکر آخری زمانے میں آنے والی عذاب ہی کی ہو سکتی تھی چنانچہ اگلی سورۃ ”المعارج“ کی ابتداء میں اس عذاب کے بارہ میں حضور کی تشویش کا جواب ہے۔ فرمایا:-

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ (۲) لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ
دَافِعٌ (۳) مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ (۴) تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ
وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ
سَنَةٍ (۵) فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا (۶)

ایک سائل نے واقع ہو کر رہنے والے عذاب کے بارہ میں سوال کیا ہے
(ہمارا جواب یہ ہے کہ) کافروں کیلئے کوئی بھی اسکا دور کر نیوالا نہیں ہے۔

قرآن میں کفار کی طرف سے مطالبہ عذاب کا ذکر بہت جگہ آیا ہے اور ہر مقام پر سائل کا ذکر بعینہ جمع آیا ہے۔ اس کے برعکس یہاں اس کا ذکر بعینہ واحد ہے اور لفظ سائل کو کفرہ رکھا گیا ہے۔ جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہاں کوئی ایسا منفرد حیثیت رکھنے والا سائل مراد ہے کہ جواب سن کر خود بخود ذہن اس کی طرف جاسکتا ہے اور چونکہ جواب اس کے سوال کا یہ دیا گیا ہے کہ کافروں سے اس عذاب کا ٹلانے والا کوئی نہیں۔ اس لئے اس سے ظاہر ہے کہ سائل نے

پوچھا یہ ہے کہ کیا کوئی اس عذاب کو ٹلانے والا بھی ہو سکتا ہے؟۔ (گویا ایک لطیف پیرایہ میں اس نے شفاعت کی اجازت چاہی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ سائل سے رحمت اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں)۔ اور جواب یہ دیا گیا کہ ہے کہ کافروں سے اس کا ٹلانے والا کوئی نہیں۔ یعنی اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ لوگ رجوع الی اللہ کریں اور کفر سے باز آجائیں۔ آگے اس کی وجہ بتائی ہے کہ ملائکہ اور الروح یعنی وہ روح انسانی جو ثواب و عذاب کی مورد ہو سکتی ہے خدا تعالیٰ کی طرف یعنی اس کے مقصد کی تکمیل کی طرف آہستہ آہستہ چڑھتی ہے۔ ایسے وقت یا زمانہ میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ بات یہ ہے کہ جیسے ہمارے آدم سے شروع ہونے والا یہ دور سات ہزار سالہ دور ہے ایسے سات سات ہزار سال کے سات دوروں یعنی قمری لحاظ سے پچاس ہزار سال کا یا شمسی اعتبار سے قریباً اُنچاس ہزار سال کا ایک بڑا دور ہوتا ہے۔ پس اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جو کام کرنے کا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے وہ اس (یا اسی قسم کی) آسمانی سکیم کا حصہ ہے جو پچاس ہزار سال میں جا کر پوری ہوتی ہے۔ لہذا یہ ممکن نہیں کہ وہ عذاب جس کا آنا بمطابق ارشاد ربانی **فَإِذَا نْفَخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةً وَاحِدَةً وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ** (الحجہ ۶۹: ۱۳ تا ۱۶) اس مقصد کی تکمیل کے لئے بطور ایک شرط کے ہے ٹل جائے (سوائے اس کے کہ لوگ کفر سے باز آجائیں)۔ اس لئے اے رسول تو اس الہی فیصلہ پر صبر جمیل سے کام لے۔ چونکہ اس عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی راہ تھی اور وہ راہ کفر سے باز آجانے کی راہ تھی اس لئے اس کے بعد اس کی ہیبت طاری کرنے کیلئے خدا تعالیٰ نے اس کے یقینی ہونے پر زور دیا اور اس کی کچھ تفصیل بیان کیں اور آخر سورۃ میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دلائی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو خدا تعالیٰ ان سے بہتر لوگ لے آئیگا۔ اسلام بہر حال مشارق و مغارب میں پھیل جائیگا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا **وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا** (الزمر ۷۰: ۳۹) اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔

=====

سورة نوح میں مہدی موعود کا ذکر

سورة المعارج کے بعد سورة نوح آتی ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ:-

موعود عالمگیر عذاب کے آنے سے پہلے ایک نوح کو بھیجا
جائیگا لوگوں کو حالت غفلت میں پکڑا نہیں جائیگا

فرمایا:-

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ
يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۲)

یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس حکم کے ساتھ) کہ تو
اپنی قوم کو ہوشیار کر اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آجائے۔

مطلب یہ کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ بیشک اس عالمگیر عذاب کو جس کا پچھلی سورة
(المعارج) میں ذکر ہوا کوئی ٹلا نہیں سکتا اور اس سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ لوگ کفر سے
باز آجائیں۔ تاہم ہمیں تیری تشویش کا پاس ہے اور تیری تسلی کیلئے ہم بتائے دیتے ہیں کہ جس
طرح ابتدائی زمانہ کے عالمگیر عذاب سے قبل ہم نے نوح کو بھیجا تھا تاکہ اپنی قوم کو ہوشیار
کردے اسی طرح ہم اس موعودہ عالمگیر عذاب سے پہلے بھی ایک نوح کو بھیجیں گے انہیں حالت
غفلت میں نہیں پکڑیں گے۔ پس سورة الحاقة کی آیت إِنَّا لَمَعَا طَغَاءَ الْمَاءِ حَمَلْنَاكُمْ فِي
الْجَارِيَةِ میں خدا تعالیٰ نے جو بات اشارۃً بتائی تھی یہاں کھول کر بیان کر دی۔ فرق یہ ہے کہ
وہاں تو یہ بتایا تھا کہ معصیت و گناہ کے طوفان سے بچانے کے لئے خدا تعالیٰ تمہیں ایک کشتی میں
اٹھالے گا۔ یعنی ایک نوح کو بھیج کر تمہارے لئے بچنے کا سامان فراہم کر دے گا اور یہاں یہ بتایا
ہے کہ جسمانی تباہی سے بچاؤ کا موقعہ دینے کیلئے وہ ایک نوح کو بھیجے گا اور اس طرح واضح کر دیا
ہے کہ اُس زمانہ میں معصیت و گناہ کے طوفان سے بچنے کی بھی اور جسمانی تباہی سے بچنے کی بھی
ایک ہی راہ ہوگی اور وہ راہ نوح وقت کی اطاعت کی راہ ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے موعود

حضرت مہدی معبود نے مبعوث ہو کر فرمایا ع

ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

نیز فرمایا:-

”اس تاریکی کے زمانہ کا نور میں ہوں جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ

ان گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائے گا جو شیطان نے تاریکی میں چلنے

والوں کے لئے تیار کیئے ہیں۔“ (سج ہندوستان میں)

اس سے اگلی آیات میں حضرت نوحؑ ہی کی زبانی یہ بتایا کہ انہوں نے اپنی قوم کو کس

طرح تبلیغ کی اور قوم کا کیا ردِ عمل رہا تا اشارہ ہو کہ آنے والا نوح بھی وہی رنگِ تبلیغ اختیار کرے

گا اور اس کی قوم کا بھی قومِ نوح والا ردِ عمل ہوگا۔ فرمایا:-

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ (۳) اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيعُوْا (۴)

نوح نے کہا اے میری قوم یقیناً میں تمہارے لئے (خدا کی طرف سے)

ایک کھلا کھلا نذیر ہوں (یعنی جو اندازی خبریں میں دیتا ہوں وہ پوری

ہوتی جاتی ہیں اس لئے میرے اس منصب میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور

میں تمہیں کہتا ہوں) کہ اللہ کی عبادت کرو اس کا تقویٰ اختیار کرو اور

میری اطاعت کرو۔

نذیر کا منصب تو بُری باتوں کے بد انجام سے ڈرانا ہوتا ہے اس لئے انہوں نے اپنے

نذیر ہونے کے ذکر کے معاً بعد جو یہ کہا کہ تم اللہ کی عبادت کرو تو اس کا مطلب سوائے اس کے

کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ جس طرح تم اس وقت اس کی عبادت کر رہے ہو وہ موجبِ ثواب ہونے

کی بجائے موجبِ عذاب دارین ہے سچی عبادت کے لئے ضروری ہے کہ تم خدا سے ڈرو (یعنی

اس کے ڈر سے مجھ پر جو اس کا فرستادہ ہوں ایمان لاؤ) اور (نہ صرف ایمان بلکہ) میری

اطاعت کرو (پھر سچی عبادت ہو سکے گی یعنی میں تمہیں بتاؤں گا کہ عبادت کیا ہوتی ہے اور کس

طرح ہو سکتی ہے)۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ

أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۵)
 (اگر تم میری اطاعت کرو گے تو اسی دنیا میں دیکھ لو گے کہ) خدا تمہیں
 گناہوں اور لغزشوں سے مغفرت عطا کر دے گا (یعنی تمہاری نجات یقینی
 بنا دے گا) اور تمہیں عمر کی آخری مقررہ حد تک مہلت دے گا (یعنی
 تمہاری عمر بھی ممکنہ حد تک لمبی کر دے گا تاکہ اور زیادہ زادِ راہِ آخرت
 اکٹھا کر سکو تاہم تم کو ایمان لانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ) یقیناً اللہ
 کی (طرف سے آنے والی) اجل (یعنی سامعِ موت) جب آجائے تو
 موخر نہیں کی جاتی۔ کاش کہ تم جانو (کہ یہی سنت اللہ ہے)۔

فرمایا اس کے باوجود اس کی قوم نے اس کی نہ سنی تو!

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا (۶) فَلَمْ يَزِدْهُمْ
 دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا (۷) وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ
 جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصْرَوْا
 وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا (۸)

نوح نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی پکارا اور دن
 کو بھی (یعنی ہاں وقت اس کام میں لگا رہا لیکن انہوں نے سمجھا کہ اس
 میں میری کوئی ذاتی غرض ہے) سو میرے پکارنے نے ان کو دور بھاگنے
 کے علاوہ کسی بات میں زیادہ نہیں کیا (یعنی جتنا زیادہ میں نے ان کو
 ہدایت کی طرف بلایا اتنا ہی زیادہ وہ بدظنی کا شکار ہو کر مجھ سے متنفر ہوتے
 چلے گئے) اور جب کبھی میں نے ان کو پکارا (اپنے فائدہ کے لئے نہیں
 بلکہ) اس لئے کہ تو ان کو مغفرت عطا کرے انہوں نے اپنی اٹھیاں
 کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور (کفر پر) اصرار کیا
 اور بہت بڑے تکبر سے کام لیا۔

ان لوگوں کے کانوں میں اٹھیاں دے لینے کے ذکر سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح پہلے
 بھی ان کو اونچی آواز ہی میں سمجھایا کرتے تھے۔ اس لئے اس ذکر کے بعد جو انہوں نے یہ کہا کہ

”پھر میں نے ان کو جبراً پکارا تو یہ اونچی آواز میں پکارنے کے معنی میں نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ تجاہر بالامر کے اصل معنی کھلے طور پر ظاہر کر دینے کے ہوتے ہیں۔ پس یہ لفظ بتا رہا ہے کہ کوئی بات تھی جو ان کی دعوت سے متعلق تھی وہ بات بھی انہوں نے قوم سے کہی تو تھی مگر زیادہ کھول کر نہیں کہی تھی لیکن جب ان کی قوم نے انکار پر اصرار کیا تو (سنت انبیاء کے مطابق کہ مخالفت زیادہ ہونے پر وہ قدم اور آگے بڑھاتے ہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی مصلح موعود کے متعلق جب یہ شور مچا کہ یہ پیشگوئی غلط نکلی ہے تو آپ نے انہی دنوں میں لوگوں کو بیعت کی دعوت دی) انہوں نے وہ بات بھی جس پر پہلے زور نہیں دے رہے تھے کھول کر کہہ دی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ بات کیا تھی؟ اس آیت کے ماقبل سے ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے آپ کو نذیر اور بشیر کے طور پر پیش کیا قوم کو عبادت الہی تقویٰ اختیار کرنے اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ جس میں ان کے نبی ہونے کی طرف بھی اشارہ تھا کیونکہ بشیر و نذیر ہونے کا منصب اول نمبر پر انبیاء ہی کا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے نبی ہونے پر زور نہیں دیا یہی بتانے کو خدا تعالیٰ نے اس بات کو جو انہوں نے کہی اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کے الفاظ میں بیان کیا ہے اِنِّیْ لَکُمْ مِنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کے الفاظ میں بیان نہیں کیا۔ لہذا اِنِّیْ دَعَوْتُہُمْ جَہْرًا کے الفاظ ان کی طرف منسوب کر کے خدا تعالیٰ نے یہی بتایا کہ اگرچہ اپنا نذیر و بشیر ہونا بیان کر کے انہوں نے اپنے نبی ہونے کا اشارہ تو قوم کو پہلے بھی دیا تھا مگر زیادہ زور اس پر نہیں دیا تھا لیکن جب ان کی قوم نے ان کی طرف توجہ نہ دی تو انہوں نے اپنی موت کا بھی کھول کر اظہار کر دیا۔

ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَہُمْ وَاَسْرَرْتُ لَہُمْ اِسْرَارًا (۱۰)

پھر ان کے فائدہ کے لئے میں نے اس کا اعلان بھی کیا۔ (یعنی اس کی تشہیر بھی کر دی تاکہ سب تک بات پہنچ جائے اور جو ایمان لانے والے ہیں وہ اس سے محروم نہ رہیں)۔ پھر میں نے ان کے فائدہ کے لئے رازداری سے بھی کام لیا (یعنی اگر کسی نے چاہا کہ اس کے ایمان لانے کو مخفی رکھا جائے تو یہ سہولت بھی اس کو دے دی)۔

یہ سارا ذکر چونکہ آئندہ آنے والی نوح (یعنی مہدی موعودؑ) کے لئے بطور پیشگوئی ہے اس لئے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ سب باتیں اس موعود پر بھی صادق آئیں گی چنانچہ ان میں سے

ایک ایک آپ پر صادق آئی۔

نمبر ۱ آپ بھی حضرت نوحؑ کی طرح نذیر مبین ہو کر آئے جو جو غیب کی خبریں آپ دیتے پوری ہوتی جاتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کے نذیر ہونے میں کسی عقلمند کو شک نہیں ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ کوئی نری ہٹ دھری سے کام لے۔

نمبر ۲ آپ نے لوگوں کو عبادت کی حقیقت سمجھائی۔ نمونے کے طور پر صرف ایک اقتباس پیش ہے۔ فرمایا:-

انسان خدا کی پرستش کا دعویٰ کرتا ہے مگر کیا پرستش صرف بہت سے سجدوں اور رکوع اور قیام سے ہو سکتی ہے یا بہت مرتبہ تسبیح کے دانے پھیرنے والے پرستار الہی کہلا سکتے ہیں؟ بلکہ پرستش اس سے ہو سکتی ہے جس کو خدا کی محبت اس درجہ پر اپنی طرف کھینچے کہ اس کا اپنا وجود درمیان سے اٹھ جائے۔ اول خدا کی ہستی پر پورا یقین ہو اور پھر خدا کے حسن و احسان پر پوری اطلاع ہو۔ اور پھر اس محبت کا تعلق ایسا ہو کہ سوزِش محبت ہر وقت سینہ میں موجود ہو۔ اور یہ حالت ہر ایک دم چہرہ پر ظاہر ہو اور خدا کی محبت دل میں ایسی ہو کہ تمام دنیا اس ہستی کے آگے مُردہ مصعور ہو اور ہر ایک خوف اُسی کی ذات سے وابستہ ہو۔ اور اس کی درد میں لذت ہو اور اس کی خلوت میں راحت ہو اور اس کے بغیر دل کو کسی کے ساتھ قرار نہ ہو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو اس کا نام پرستش ہے۔ مگر یہ حالت بغیر خدا تعالیٰ کی خاص مدد کے کیونکر پیدا ہو اسی لئے خدا نے یہ دعا سکھائی اِیْسَاکَ نَعْبُدُ وَ اِیْسَاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی ہم تیری پرستش تو کرتے ہیں۔ مگر کہاں حق پرستش ادا کر سکتے ہیں جب تک تیری طرف سے خاص مدد نہ ہو۔ خدا کو اپنا حقیقی محبوب قرار دے کر اُس کی پرستش کرنا یہی ولایت ہے جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ مگر یہ درجہ بغیر اس کی مدد

کے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے حاصل ہونے کی یہ نشانی ہے کہ خدا کی عظمت دل میں بیٹھ جائے اور خدا کی محبت دل میں بیٹھ جائے۔ اور دل اس پر توکل کرے اور اُسی کو پسند کرے اور ہر چیز پر اس کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کا مقصد اُسی کی یاد کو سمجھے اور اگر ابراہیم کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد کو ذبح کرنے کا حکم ہو یا اپنے تئیں آگ میں ڈالنے کا اشارہ ہو تو ایسے سخت احکام کو بھی محبت کے جوش سے بجالائے اور رضا جوئی اپنے آقا کریم میں اس حد تک کوشش کرے کہ اس کی اطاعت میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ یہ بہت تنگ دروازہ ہے اور یہ شربت بہت ہی تلخ شربت ہے۔ تھوڑے لوگ ہیں جو اس دروازہ میں داخل ہوتے ہیں اور اس شربت کو پیتے ہیں۔ زنا سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں اور کسی کو ناحق قتل نہ کرنا بڑا کام نہیں۔ اور جھوٹی گواہی نہ دینا کوئی بڑا ہنر نہیں مگر ہر ایک چیز پر خدا کو اختیار کر لینا اور اس کی سچی محبت اور سچے جوش سے دنیا کی تمام تلخیوں کو اختیار کرنا بلکہ اپنے ہاتھ سے تلخیاں پیدا کر لینا یہ وہ مرتبہ ہے کہ بغیر صدیقیوں کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ عبادت ہے جس کے ادا کرنے کے لئے انسان مامور ہے۔“ (ہیچہ الوہی - صفحہ ۵۱-۵۲)

نمبر ۳ حضرت نورح کی طرح آپ نے بھی صرف آخرت میں نجات دلانے کے وعدے ہی نہیں کئے بلکہ اپنے ماننے والوں کو دنیا ہی میں گناہوں سے مغفرت کی نہ صرف بشارت دی بلکہ گناہوں سے پاک کر کے دکھا بھی دیا۔

نمبر ۴ آپ بھی دعوت الی اللہ کا فرض منصبی ادا کرنے میں ساری عمر دن رات کوشاں رہے مگر بدظنی کرنے والوں نے یہ سمجھا کہ اس میں آپ کی کوئی ذاتی غرض ہے اس لئے وہ دور سے دور ہٹتے گئے کفر پر اصرار کیا اور نہایت درجہ تکبر کا مظاہرہ کیا۔

نمبر ۵ اگرچہ آپ کو ماموریت کی ابتداء ہی سے نبی بنایا گیا تھا اور آپ نے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا مگر اس پر زیادہ زور نہیں دیا تھا لیکن جب خدا نے آپ پر آپ کے مسیح ہونے

کا انکشاف فرمایا اور آپؐ نے اس کا اعلان کیا اور اس پر آپؐ کی پُر زور مخالفت شروع ہوئی تو گھبرا جانے یا قدم پیچھے ہٹانے کی بجائے آپؐ نے قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے اپنی نبوت کا بھی اعلان فرما دیا۔

=====

یہ پیشگوئی کہ آئیوا لے نوحؑ یعنی مہدی موعودؑ کے وقت میں لوگ کسی مامور من اللہ کے مبعوث کئے جانے سے مایوس ہو چکے ہونگے اور انکی مذمت

چونکہ حضرت نوحؑ کی دعوت پر ان کی قوم کی اکثریت کا رد عمل وہ نہیں تھا جو ہوتا چاہیے تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نبی کے آنے ہی سے مایوس تھے اور علم الہی میں تھا کہ آئندہ آنے والے نوح کے زمانہ کے لوگوں کا بھی یہی حال ہوگا اس لئے اس کے بعد اس نے نوح موعود کی قوم سے جو اس کی نگاہ میں حاضر کی طرح تھی مخاطب ہو کر فرمایا:-

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (۱۴) وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا (۱۵)

(اے لوگو) تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ سے ”وقار“ کی اُمید نہیں رکھتے حالانکہ

اس نے تمہیں طوڑا بعد طور پیدا کیا ہے۔

’ل‘ مِنْ کی جگہ بھی آجاتا ہے اس لئے ایک معنی اس کے یہ ہیں کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اس وقار کی اُمید نہیں رکھتے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ یوں تو اگر ایک شخص مثلاً ناجائز ذرائع سے روپیہ حاصل کر کے امیر بن جاتا ہے تو جو وقار اسے دولت پا کر ملتا ہے بوجہ اس کے عِلَّتِ الْعِلْلِ ہونے کے وہ بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کا سامان اس نے نہیں کیا ہوتا وہ اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا لہذا یہاں اس قسم کا وقار مراد نہیں بلکہ وقار کا مضاف مخدوف ہے اور معنی یہ ہیں کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اس متاع وقار یعنی سامان عزت و شرف کی اُمید نہیں رکھتے جو صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے ماسوائے اس میں مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ اور جیسا کہ ارشاد رہانی تَبَرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ سے اور اسی طرح آیت اَنْ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ سے سمجھا جاسکتا ہے آسانی بادشاہت یعنی رسالت ہی ایسی

چیز ہے جسے خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ وہ سامانِ شرف بھی ہے اور اس قوم کیلئے کہ جس میں سے رسول پنا جاتا ہے مجسم شرف بھی۔ لیکن جیسا کہ سورۃ یونس کی آیت اَنَّ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ سے سمجھا جاسکتا ہے جب کسی نبی کے آنے کا وقت ہوتا ہے اس وقت خود وہ قوم جس میں سے اس نے آنا ہوتا ہے اپنے میں سے نبی کے آنے سے مایوس ہو چکی ہوتی ہے۔ اور یہی حال آنے والے نوح کے وقت قوموں کا ہوتا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اللہ سے اس سامانِ شرف کی کیوں اُمید نہیں رکھتے جو اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ حالانکہ اس نے تمہیں طوڑا بعد طور یعنی بار بار پیدا کیا ہے۔ بار بار پیدا ہونا بار بار مرنے کو چاہتا ہے اور عام معنی میں انسان ایک ہی دفعہ مرتا ہے۔ پس یہاں مجازی موت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تم روحانی طور پر کئی بار مرے اور ہر بار خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے سامانِ وقار مہیا کر کے یعنی رسول بھیج کر تمہیں پھر زندہ ہونے اور عزت کا مقام حاصل کرنے کا موقعہ دیا ہے تو اب اس سے مایوس کیوں ہوتے ہو۔ اس پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ اگر روحانی عزت و شرف کا سامان خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا کرتا ہے تو پھر مختلف وقتوں میں مختلف روحانی نظام کیوں قائم کئے گئے اور اگر کئے بھی گئے تو کم از کم اب تو کہ قرآن کریم کے مطابق دین مکمل ہو چکا ہے یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے پھر آئندہ ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کیوں کی گئی ہے؟ آگے اس سوال کا جواب ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَکْثَفَ خَلْقَ اللّٰهِ سَبْعَ سَمَوٰتٍ طِبَاقًا (۱۶) وَجَعَلَ

الْقَمَرَ فِیْہِنَّ نُوْرًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا (۱۷)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ کس طرح اللہ نے سات آسمان ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے بنائے ہیں۔ اور ان میں چاند کو مستعار روشنی والا بنایا ہے اور سورج کو (بمزلہ) چراغ بنایا ہے۔

مطلب یہ کہ جس طرح مادی عالم میں اللہ تعالیٰ نے درجہ بدرجہ سات یا کئی آسمان بنائے ہیں (سات کا عدد کثرت کے لئے بھی آتا ہے) جو ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے ہیں اور اس وجہ سے ان کی کثرت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اسی طرح اس نے درجہ بدرجہ کئی روحانی نظام بھی قائم کئے ہیں لیکن چونکہ وہ بھی ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے ہیں اس لئے ان

پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ رہا آئندہ نبی کا آنا تو جس طرح مادی آسمانوں میں اس نے چاند کو مستعار روشنی والا اور سورج کو بمنزلہ چراغ بنایا ہے اسی طرح جو روحانی سلسلے اس نے قائم کئے ہیں ان میں سے ہر ایک میں بھی آخری رسول کو بمنزلہ قمر اور پہلے رسول کو بمنزلہ شمس بنایا ہے۔ پس جب ہمیشہ سے یہ سلسلہ جاری ہے تو اب اس سنت اللہ میں تبدیلی کیونکر ہو سکتی ہے۔ شمس سے ہم نے پہلا رسول اس لئے مراد لیا ہے کہ اس کے بغیر قمر کی کوئی حیثیت نہیں اور قمر سے آخری اس لئے مراد لیا ہے کہ یہاں صرف دو رسولوں کا ذکر ہے جو اسی صورت میں مناسب ہو سکتا ہے جو ان میں سے ایک سلسلہ کا پہلا اور دوسرا آخری رسول ہو کیونکہ ان دو کا ذکر ہو جائے تو درمیانی رسل اس میں خود ہی آجاتے ہیں۔ رہا قمر کو شمس سے مقدم رکھنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اصل ذکر ہی اس رسول کا ہو رہا ہے جس نے شمسِ سماءِ روحانیت (محمد رسول اللہ ﷺ) کے لئے بمنزلہ قمر کے ہونا تھا۔ اور اس رسول کو قمر قرار دے کر یہ بھی بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ تکمیلِ ہدایت ہو جانے کے بعد اس کا آنا تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کے لئے ہو گا اور وہ اپنی طرف سے دنیا کو کچھ نہیں دے گا جو کچھ دے گا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا مال ہو گا چنانچہ اس موعود نے آکر یہی کہا کہ ۷

اِس چشْمِ رواں کہ بَخْلَقَ خُدا دہم
 یَکَ قَطْرَۃً زَہْرَ کَمالِ مُحَمَّدٍ است
 اِس اَتمِّمَ زَآتِہِں مہرِ مُحَمَّدی است
 وَاِیْنِ آبِ مَن زِ آبِ زَلالِ مُحَمَّد است

(درشین ۱۳۰)

اس نبی کو چاند قرار دے کر یہ بھی بتایا کہ اس کا دور جمالی دور ہو گا۔

=====

نوح موعودؑ اور آپکی جماعت کے بارہ میں ہجرت کی پیشگوئی جو پہلی دفعہ آپ کے بیٹے مثیل اور دوسرے خلیفہ کے وقت میں پوری ہوئی

اور پر کی آیات میں ایک نبی کے آنے کی خبر دینے کے بعد فرمایا:-

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا (۲۰) لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا
فِجَا جَا (۲۱)

اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو وسیع بنایا ہے۔ تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چلو۔

لفظ سبل سبیل کی جمع ہے جس کے معنی بنے ہوئے راستے کے ہوتے ہیں اور وسیع اور بنے ہوئے راستوں کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب چلنے والے بہت ہوں اور ایسی سواریوں پر سفر کرنے والے ہوں جو صرف بنے ہوئے راستوں پر چل سکتی ہوں۔ پس اس میں یہ اشارہ کیا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جس سامان وقار کے مہیا کئے جانے یعنی جس نوح کے آئندہ مبعوث کئے جانے کی پیشگوئی کی جارہی ہے اسے مان کر فوراً ہی تمہاری ساری مصیبتیں دور نہیں ہو جائیں گی۔ بلکہ تمہیں ہجرت بھی کرنا پڑے گی۔ ہجرت بہت سے لوگ کریں گے جو مختلف راستوں پر سے سفر کریں گے اور ایسی سواریاں بھی استعمال کریں گے جو صرف بنے ہوئے راستوں پر چل سکتی ہیں۔ چنانچہ نوح موعود یعنی حضرت مہدی مسعود کے زمانہ میں بھی ان کے اپنے الہام داغ ہجرت (تذکرہ ص ۷۷۲) کے ذریعہ ہجرت مقدر کی گئی اور آپ کے دوسرے خلیفہ کے (جسے الہام الہی نے آپ کا مثیل قرار دیا ہے) وقت میں آپ کی جماعت کو جس کا بڑا حصہ ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں بستا تھا بالکل اسی طرح پر ہجرت کرنا پڑی جس طرح پر کہ اس آیت میں بتایا گیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا:-

قَالَ نُوحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ
وَوَلَدُهُ الْاٰخِسَارَ (۲۲) وَمَكْرُوْا مَكْرًا كُبٰرًا (۲۳) وَقَالُوْا
لَا تَدْرُنَّ الْهَيْكَلَكُمْ وَلَا تَدْرُنَّ وُدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَفْعُوْثُ

وَيَعُوقُ وَنَسْرًا (۲۴)

نوح نے کہا اے میرے رب یقیناً انہوں نے میرا کہا نہیں مانا اور ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال و اولاد نے انہیں گھائے کے سوا کسی چیز میں نہیں بڑھایا۔ اور (وہ اس طرح کہ) ان (مال و اولاد والے) لوگوں نے (مال و اولاد کے زور پر) بہت بڑی تدبیر کی۔ اور کہا اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ”کڈ“ کو چھوڑنا اور نہ ”سواع“ کو اور نہ ”یعوق“ کو اور نہ ”نسر“ کو۔

=====

ان آیات میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ نوح موعودؑ جہاں مبعوث ہوگا وہاں کے لوگ ظاہراً یا معنا پانچ قسم کے بتوں کو پوج رہے ہونگے

جیسا کہ آیت اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا (النجم ۵۳: ۲۴) سے ظاہر ہے بُت پرست اپنے بتوں کے جو نام رکھتے ہیں وہ ان صفات کی بنا پر رکھتے ہیں جو وہ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پس یہ ذکر کر کے یہ اشارہ کیا گیا کہ نوح موعود کے مخاطب بھی ان صفات والے بتوں کو پوجنے والے ہوں گے۔

لفظ ”وَدَّ“ ”وَدَّ“ سے ہے وَدَّہ کے معنی ہیں اس نے فلاں سے محبت کی۔ وَدَّعَت اور خواہش کا دیوتا تھا یہ دیوتا مرد کی شکل پر تھا۔

سواع سَاع سے ہے۔ سَاعُ الشَّيْءِ کے معنی ہوتے ہیں چیز ضائع ہوگئی یہ دیوتا عورت کی شکل پر تھا۔ زنانہ حسن کے اظہار کے لئے۔

یعوق اغاۃ سے ہے۔ اغاۃ کے معنی ہیں اس نے اس کی مدد کی۔ یہ حاجت روائی اور فریاد رسی کا دیوتا تھا۔

یعوق عاق سے ہے عاق عن کذا کے معنی ہیں اس نے اسے فلاں چیز سے بچایا۔ یہ مصیبتوں اور دشمنوں کو روکنے کا بُت تھا۔

نَسْرًا نَسْرًا سے ہے نَسْرَ الطَّيْرِ کے معنی ہیں پرندے نے اسے چونچ سے پھاڑ دیا۔ یہ طویل عمر کا دیوتا تھا جو عقاب کی شکل پر تھا لمبی زندگی اور تیز نظر کے اظہار کے لئے۔ پس یہ سارے نام لے کر خدا تعالیٰ نے دراصل یہ بتایا کہ قصہ نوح کے پیرایہ میں جس نوح کے آئندہ زمانہ میں آنے کی پیشگوئی کی جارہی ہے اس کے زمانہ میں بھی کسی نہ کسی رنگ میں اسی قسم کے بُت پائے جائیں گے اور اِنْمَةُ الْكُفْرِ بزبانِ قائل یا حال ان سے چپے رہنے کی تلقین کر کے لوگوں کو اس کی اتباع سے روکیں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات ظاہر و مجازاً ہر دو اعتبار سے پوری ہوئی ہے۔ نوح موعودؑ کا ظہور ہندوستان میں ہوا جس کی آبادی کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے اور ہندوؤں کے ہاں وَدّ سِوَا عِیْصَی یَعُوْثُ اور نَسْرًا میں سے ہر ایک کے ہم صفت ایک بُت موجود ہے جن کے نام جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؒ نے فرمایا انہوں نے اپنی زبان میں علی الترتیب ۱۔ برہما، ۲۔ بشن، ۳۔ اندر، ۴۔ شنگھ اوتار وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔

گذشتہ نوح کی طرح اس زمانے کے نوح نے بھی لوگوں کو اُغْبِذْ وَاللّٰہُ یَعْنِیْ خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلایا مگر ہندو پنڈتوں نے اپنے قول و عمل سے لوگوں کو اس کا کہا نہ ماننے اور اپنے ان بتوں سے چپے رہنے کی تلقین کی۔

نوح موعود کے دوسرے بڑے مخاطب مسلمان کہلانے والے تھے جو ظاہری طور پر تو بُت پرست نہیں تھے لیکن ان کے صحن سینہ میں معنوی یا مجازی بتوں کی کوئی کمی بھی نہیں تھی چنانچہ ان میں سے اِنْمَةُ الْکُفْرِ نے اس نوح کے خلاف تدبیر یہ کی کہ عوام کا لانا نام کو یہ کہہ کر اس کی اتباع سے روکا کہ لَا تَذَرُنَّ الْہِتَمُکُمْ دیکھو اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا۔ یعنی (خواہ وہ ٹھیک کہیں یا غلط) تم اس بات پر اڑے رہنا جو تمہارے بڑے مولوی یا پیر وغیرہ کہیں وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سِوَاہَا اور محبت کے دیوتا کو چھوڑنا نہ عورت کو۔ یعنی اگر تم اس شخص کے ساتھ تعلق قائم کرو گے تو تمہیں اپنے سب پیاروں سے جُکھ اپنی بیویوں بلکہ جانوں تک سے ہاتھ دھونا پڑے گا مگر دیکھنا ایسا نہ کرنا۔ (نوح موعود کے ماننے والوں کے بارہ میں مولویوں کا یہ کہنا کہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ ان کی بیویوں کو ان پر حرام ٹھہرانا اور ان کے واجب القتل ہونے کے فتوے دینا اس پیشگوئی کے عین مطابق ہے) وَلَا یَعُوْثُ وَیَعُوْثُ وَنَسْرًا اور نہ ان کو چھوڑنا جو تمہارے فریاد رس ہیں اور نہ ان کو جو تمہارے محافظ یا تمہارے لئے سواری کی طرح ہیں۔ یعنی تمہارا بوجھ اٹھانے

والے ہیں اور نہ ان کو جو باز کی طرح ہاں وقت تم پر نگاہ رکھتے ہیں مطلب یہ کہ وہ لوگوں کو افسروں کی ناراضگی سے بھی ڈرائیں گے اور ماتحتوں اور عوام الناس کی ناراضگی سے بھی۔ یہ مطلب نہیں کہ لازماً منہ ہی سے ایسا کہیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ اگر کوئی ماتحت اس نوح پر ایمان لانا چاہے تو اسے ڈر ہو کہ اس کے افسر اسے تنگ کریں گے اور کوئی افسر ایمان لانا چاہے تو اسے ماتحتوں کا ڈر ہو اور اسی طرح ہر ایک کو عام پبلک کی لعن طعن کا ڈر بھی ہو۔

نوح موعود کے تیسرے بڑے مخاطب عیسائی تھے اور یہ لوگ روح القدس مسیح اور مریم وغیرہ کو معبود سمجھنے والے ہیں پس ان کے پادریوں نے اس نوح کے خلاف تدبیر کے طور پر ایک طرف لوگوں کو اپنے ان معبودوں سے چٹے رہنے کی تلقین کی اور دوسری طرف گندے لڑچجر وغیرہ کے ذریعہ ایسی فضا پیدا کی کہ مسلمان بھی اور عیسائی بھی ماسوائے اللہ کی محبت میں گرفتار اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جائیں اور گویا وہ اور سواع سے ایسا تمسک اختیار کر لیں کہ نوح موعود کی طرف ان کی توجہ ہی نہ ہو اور پھر لَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا کے مطابق انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش بھی کی کہ ان کے اصل فریاد رس محافظ و خادم اور نگران تو عیسائی حکومتیں ہیں لہذا انہیں ہر قیمت پر ان سے چٹے رہنا چاہیے۔ جس خدا کی طرف انہیں بلانے والا بلا رہا ہے اس سے انہیں کیا ملے گا۔

چونکہ شرک بنیادی گناہ ہے اور جو اس کا مرتکب ہو اور نبی کے سمجھانے پر بھی اس سے باز نہ آئے وہ ان بہت سی غلط باتوں سے جس میں وہ مبتلا ہوتا ہے نجات نہیں پاسکتا۔ اس لئے اگلی آیات میں یہ ذکر کیا کہ نوح کے مخاطب اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کئے گئے اور پھر آگ میں ڈالے گئے یعنی ایسے عذاب میں مبتلا کئے گئے جس میں پانی کی کثرت کا بھی تعلق تھا اور آگ کا بھی تا اشارہ ہو کہ آنے والے نوح کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوگا سیلاب بھی آئیں گے اور زلزلے بھی جن کے نتیجہ میں زمین سے لاوا نکلے گا اور آگ برے گی لیکن زلازل کا صاف طور پر ذکر نہیں کیا تا اشارہ ہو کہ نوح موعود کے زمانہ میں صرف زلازل کے ذریعہ ہی نہیں اور ذرائع سے بھی آگ کا عذاب نازل ہوگا۔

یہ پیشگوئی کہ گونوح موعودؑ کی قوم شرک میں مبتلا ہوگی لیکن وہ خود مؤجد گھرانے کا فرد اور پیدائشی مسلمان ہوگا

جب نوحؑ گذشتہ کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ آنے والا نوح ایسے ملک میں مبعوث ہوگا جس کے بسنے والے اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہوں گے تو اس پر سوال ہو سکتا تھا کہ وہ خود کن لوگوں میں سے ہوگا؟ اس لئے اگلی آیات میں نوحؑ کی ایک دعا کا ذکر کر کے نہایت لطیف ہدایہ میں اس سوال کا جواب دیا۔ فرمایا عذاب آ کر ختم ہو جانے کے بعد جب قوم از سر نو آباد ہونے لگی تو حضرت نوحؑ نے پہلے تو یہ دعا کی کہ خدایا اس جگہ ایسے انصاف الٰہی کو جو دوسروں کو بھی گمراہ کیا کرتے ہیں بسنے نہ دینا لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات سنت اللہ کے خلاف ہے کہ ایسے لوگوں سے ساری دنیا پاک ہو جائے اس لئے اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایسے لوگوں کی شرارتوں سے بچنے کے لئے یہ دعا بھی کی کہ

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَجْعَلْ لِي ظَلَمِينَ إِلَّا تَبَارَكَ (۲۹)

اے میرے رب مجھے اور میرے والدین کو اور جو میرے گھر میں مومن ہونے کی حالت میں داخل ہو (اسے) اور (تمام) مومنوں اور مومنات کو مغفرت عطا کر لیکن ان ظالموں کو سوائے تباہی کے کسی چیز میں نہ بڑھانا۔

کسی کے بارہ میں اغفر لہ کہا جائے تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں ایک یہ کہ خود اسے مستقبل کی لغزشوں سے یا ماضی کی لغزشوں کے بد نتائج سے بچا لیا جائے اور دوسرے یہ کہ اس کی خاطر دوسروں کو مغفرت عطا ہو یعنی وہ اسکے بارہ میں کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔ اِنَّصَمُ الْكُفْرُ کی شرارتوں سے بچنے کے لئے یہ دعا دوسرے معنی میں تھی لیکن نبی کے پیش نظر آخرت، ہر وقت رہتی ہے اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ پڑھنے والا اس دعا سے بہر حال یہ مفہوم لے سکتا تھا کہ حضرت نوحؑ نے اپنے والد کی مغفرت کے لئے یعنی اگلے جہاں میں بخشے جانے کے لئے دعا کی خداتعالیٰ کا اس دعا کو نقل کرنا اور حضرت نوحؑ کے والد کا ذکر ان کے اور مومنوں کے ذکر کے

درمیان رکنا بتاتا ہے کہ گو انہیں حضرت نوحؑ پر عملاً ایمان لانے کا موقعہ تو نہیں ملا تھا تاہم وہ غیر مومن بھی نہیں تھے جو اسی صورت میں ممکن ہے جو وہ حضرت نوح کے دعویٰ سے پہلے فوت ہو گئے ہوں لیکن ان سے پہلے کے نبی کو ماننے والے ہوں یا اگر ان سے پہلے کوئی نبی وہاں نہیں ہوا تو کم از کم مؤخّر ہوں۔ اور چونکہ توحید نبی سے حاصل ہوتی ہے اور کافۃ للنّاس کی طرف مبعوث ہونے والے نبی کے بعد کوئی شخص اس سے باہر رہ کر صحیح معنی میں مؤخّر نہیں ہو سکتا اور یہاں گزشتہ نوح کا ذکر کر کے آئندہ آنے والے نوح کے متعلق پیشگوئی کی جارہی ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اس ذکر میں یہ اشارہ تھا کہ نوح موعود یعنی مہدی مسعود کے والد بھی گو اس کے دعویٰ سے پہلے فوت ہو چکے ہوں گے تاہم ان کا شمار مومنوں میں ہوگا یعنی وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والوں میں سے ہوں گے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ نوح پیدائشی طور پر مسلمان ہوگا اور اس کا تعلق کسی مشرک گھرانہ سے نہیں ہوگا۔

=====

یہ خبر کہ نوح موعودؑ کے (روحانی) اہل بیت عذاب کے وقت خدا کی پناہ میں رہیں گے اور بچائے جائیں گے

مذکورہ بالا دعا کے الفاظ وَمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا سے یہ بھی اشارہ ہوتا ہے کہ (باوجودیکہ نوح موعودؑ کی بہت مخالفت ہوگی لیکن) ایسے بھی ہوں گے جو اسے قبول کریں گے اور باہر سے آکر اس کے روحانی اہل بیت میں شامل ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ اس کی دعائے مغفرت سے مستفید ہوں گے۔ اور عذاب کے وقت بچائے جائیں گے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے ملک میں سخت طاعون پھیلنے کی پیش از وقت خبر دی اور اس کے ساتھ فرمایا۔ اس (خدا) نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ

”میں ہر ایک ایسے شخص کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا جو (تیرے)

اس گھر کی چاردیواری میں ہوگا بشرطیکہ وہ اپنے تمام مخالفانہ ارادوں سے

دست کش ہو کر پورے اخلاص اور اطاعت اور انکسار سے سلسلہ بیعت میں

داخل ہو۔“ (کشتی نوح)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے متبعین بمقابلہ دوسروں کے طاعون سے بچائے گئے۔ جہاں دوسروں میں ہزارہا اموات طاعون سے ہوئیں ان میں شاذ و نادر کے علاوہ کوئی موت نہیں ہوئی۔

=====

نوح وقت مہدی موعودؑ کی سیرت کے درخشاں پہلوؤں میں سے ایک

تائیدِ الہی پر یقینِ کامل

چونکہ حضرت مہدی موعودؑ کو خدا تعالیٰ نے نوح وقت قرار دیا ہے اس لئے ضرور تھا کہ آپ کی سیرت اور حضرت نوحؑ کی سیرت میں کوئی مناسبت اور قدرِ مشترک ہو۔ سورۃ یونس کی ایک آیت سے حضرت نوحؑ کی سیرت کے ایک خاص پہلو پر روشنی پڑتی ہے اور وہ پہلو یہ ہے کہ انہیں خدا پر پورا توکل تھا اور یقین تھا کہ دشمن ان کے خلاف جتنی چاہیں کوششیں کر لیں بالآخر وہی کامیاب ہوں گے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَنْقُومُ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذَكِيرِي بَايْتُ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ

اے رسول انہیں وہ عظیم الشان خبر سنا جب نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تم پر میرا (خدا داد) مرتبہ اور میرا تمہیں آیات اللہ کے ذریعہ نصیحت کرنا گراں ہے تو (یاد رکھو) میں اللہ پر توکل رکھتا ہوں (اور وہ میرا مددگار ہوگا) لہذا تم اور تمہارے معبود (میرے خلاف) اپنے تمام مخالفانہ منصوبے جمع کرلو۔ اور یہی نہیں اس بات کا اہتمام بھی کر لو کہ تمہاری تدبیر کا کوئی پہلو تم پر مبہم نہ رہ جائے پھر اسے مجھ پر وارد کرو اور مجھے (کچھ بھی) مہلت نہ دو۔ (پھر دیکھو خدا تمہیں کیسا ناکام اور مجھے کیسا کامیاب کرتا ہے)۔

چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ کا بھی بالکل یہی حال تھا۔ آپ نے دشمنوں کو للکار کر کہا کہ تم

جتنی مرضی بددعائیں میرے خلاف کرلو وہ تمہارے ہی منہ پر ماری جائیں گی۔ (اصل حوالہ دوسری جگہ درج کر دیا گیا ہے)۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ:-

”ہر ایک مخالف کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو اس سلسلہ کو تابود کرنے کے لئے کوشش کرے اور تانوں تک زور لگا دے اور پھر دیکھے کہ انجام کار وہ غالب ہوا یا خدا..... پس یقیناً سمجھو کہ صادق ضائع نہیں ہو سکتا۔

(ضمیمہ برائین احمدیہ صفحہ ۱۲۸-۱۲۹)

=====

کثرتِ نو مبائعین کی خوشی کے ساتھ موجودہ وقت بہت بڑی

فکر کا وقت بھی ہے

چونکہ نوح ازل کے ذکر کے پیرایہ میں نوح ثانی حضرت مہدی موعودؑ کے بارہ میں پیشگوئیوں کا بیان ہو رہا ہے اسلئے ایک پیشگوئی کا جو اسی طریق پر سورۃ ہود میں کی گئی ہے ذکر بھی اس جگہ کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ اس سورۃ کی آیت ۳۷-۳۸ میں ہے کہ ”نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو ایمان لاچکے ہیں اب کوئی اور ایمان نہیں لایگا۔ سو جن لوگوں نے ظلم کیا انکے بارہ میں مجھے مخاطب (کر کے رحم کی اپیل) نہ کرنا وہ ضرور غرق کئے جائیں گے“ یعنی اُنہر ضرور عذاب آئیگا۔

چونکہ دنیا میں عذاب آتا ہی اس لئے ہے کہ وہ لوگ بھی کہ جو عذاب دیکھے بغیر ایمان لانے والے نہیں ایمان لے آئیں جیسا کہ سورۃ ہود ہی کی آیت ۴۹ میں طوفان کے تھم جانے پر سلامتی کے ساتھ کشتی نوح سے اترنے کا حکم پانے والوں کو ”امتیں“ قرار دے کر اسکی طرف اشارہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ دوسروں کے اُن میں شامل ہو جانے سے وہ ایک ایک سے کئی کئی بن جائیں گے اسلئے آیات ۳۷-۳۸ میں جو کچھ کہا گیا اسیں یہ اشارہ تھا کہ جس طرح نوح ازل کے زمانہ میں ایک وقت آگیا تھا کہ جتنے لوگ عذاب سے پہلے ایمان لانے والے تھے ایمان لے آئے تھے اور مزید لوگوں کے دائرہ ایمان میں داخل ہونے کا دروازہ بند ہو گیا تھا اور دوبارہ عذاب کے بعد کھلا تھا ایسا ہی نوح ثانی کے وقت میں ہوگا۔

چنانچہ اس وقت جو نوح مانی حضرت مہدی موعودؑ کا پیغام ساری دنیا تک پہنچانے کا سامان کر کے خدا تعالیٰ تمام بنی نوع انسان پر اتمامِ نوحہ کر رہا ہے اور کثرت سے لوگ آپؑ پر ایمان لارہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت بھی بالکل نزدیک آگیا ہے۔ جو لوگ عذاب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں وہ سب اب جلد ایمان لے آئیں گے اور اسکے بعد رحمت کا یہ دروازہ بند ہو جائیگا اور پھر اس عالمگیر عذاب کے آنے کے بعد کملی کا جس کے ساتھ عالمگیر غلبہ اسلام وابستہ کیا گیا ہے۔ پس یہ وقت جہاں خوشی کا وقت ہے کہ لوگ بکثرت ایمان لارہے ہیں وہاں حد درجہ فکر کا وقت بھی ہے کہ یہ عالمگیر عذاب کی آمد آمد کی خبر دے رہا ہے۔

سورة الجن میں مہدیؑ کا ذکر

نوح موعود ہی مسیح اور مہدی ہوگا۔ کسرِ صلیب اسکا ایک خاص کام ہوگا۔ اور یہ کام وہ دلائل و براہین کی تلوار سے سرانجام دیگا

جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے سورة نوح میں گذشتہ نوح کے ذکر کے ہمراہ یہ آئندہ زمانہ میں ایک نوح کے آنے کی پیشگوئی تھی اور جہاں یہ بتایا گیا تھا کہ باوجود اس کی مخالفت کے کئی لوگ اسے مانیں گے اور باہر سے آکر اس کے روحانی اہل بیت میں شامل ہوں گے وہاں یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ بعض لوگ آخر تک ظالمانہ رویہ اختیار کئے رہیں گے۔ اس کے معاً بعد سورة الجن آتی ہے۔ اس کے شروع ہی میں یہ بتا کر کہ آئندہ زمانہ میں مسیحوں کے بڑے بڑے لوگ ایمان لائیں گے اور ایمان لا کر بر ملا یہ اظہار کریں گے کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ احقانہ عقیدہ تھا جو ایک شخص واحد کی اختراع تھا۔ یہ اشارہ کیا گیا کہ جس موعود کو سورة نوح میں نوح قرار دیا گیا ہے وہ رائج الوقت مسیحی مذہب کا رد کرے گا اور اس کام میں اسے کامیابی ہوگی۔ یعنی گو نوح گذشتہ کی طرح اس کا عمومی مشن لوگوں کو اللہ کی عبادت اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دینا ہی ہوگا۔ لیکن اس کا خاص مشن کسرِ صلیب ہوگا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہی وہ موعود مسیح اور

مہدی ہوگا (علیہ السلام) جس کے آنے کی حضرت نبی کریم ﷺ نے پیشگوئی کی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ یُکْسِرُ الصَّلِیْبَ وہ صلیب کو توڑیگا۔ اور چونکہ اس سے پہلے سورۃ القلم میں اسے صاحب القلم قرار دیا گیا ہے اس لئے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا صلیب کو توڑنا دلائل وبراہین کی تلوار سے ہوگا نہ کہ لوہے کی تلوار سے جیسا کہ آج کل کے علما کہلانے والے مجہلاء کا خیال ہے۔

اس سورۃ (الجن) میں ہے:-

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا (۲) يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا (۳) وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا (۴) وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا (۵) وَآنَا ظَنَنَّا أَنَّ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (۶) وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا (۷)

(اے رسول) کہہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے (اے) سنا پھر (اس سے متاثر ہو کر اپنی قوم سے کہا) ہم نے یقیناً ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ سیدھی راہ دکھاتا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے اور (آئندہ) ہم کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور حق یہ ہے کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے نہ اس نے کوئی بیوی اختیار کی ہے نہ بیٹا۔ اور یقیناً ہمارے بیوقوف اللہ کے متعلق دور از حقیقت باتیں کیا کرتے تھے اور (ہم ان کی باتوں میں اس لئے آگئے کہ) ہم یہ گمان رکھتے تھے کہ انسان اور جن اللہ پر جھوٹ نہیں بولیں گے (مگر انہوں نے جھوٹ بولا)۔ اور انسانوں میں سے بعض مرد جنوں میں سے بعض مردوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو اس بات نے انہیں سرکشی میں بڑھا دیا۔

سورة الاحقاف میں بھی جنوں کا ذکر ہے مگر وہاں ایسا کوئی قرینہ نہیں جس سے ظاہر ہو کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو ان جنوں کے آنے کا علم نہیں تھا۔ بلکہ صَرَفْنَا إِلَيْكَ اور يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ - اور فَلَمَّا حَضَرُوهُ کے الفاظ سے جو ان کے متعلق لائے گئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن پڑھنے کے مقام پر جہاں آپ اس وقت عملاً قرآن پڑھ رہے تھے آپ کے پاس آئے تھے۔ اور چونکہ یوں تو قرآن پڑھنے کا کوئی خاص مقام مقرر نہیں لیکن مساجد میں یہ خاص طور پر پڑھا جاتا ہے اس لئے اس کے پڑھے جانے کے مقام کے ذکر سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کے پاس کسی مسجد میں آئے تھے اور اس وقت آئے تھے جب آپ با آواز بلند تلاوت قرآن فرما رہے تھے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضور کے وقت میں مساجد ہی میں وفد سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ پس گمان غالب یہی ہو سکتا ہے کہ نہ صرف آپ نے بلکہ دوسرے حاضرین نے بھی ان کو دیکھا ہوگا۔ لیکن جن بخت کا یہاں ذکر ہے نہ تو ان کے آپ کے پاس آنے کا ذکر ہے اور نہ کوئی اور قرینہ ہی ایسا رکھا گیا ہے جس سے معلوم ہو کہ آپ کو ان کے قرآن سننے کا علم تھا۔ اس کے برعکس قُلْ أَوْحَى إِلَيَّ کے الفاظ صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ آپ کو علم نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ نے علم دیا۔ پھر سورة الاحقاف والے جنوں نے جو باتیں کیں وہ ان سے جو اس سورة میں مذکور جنوں نے کیں مختلف ہیں۔ نیز سورة الاحقاف والے جن تاریخی شہادتوں کی رو سے بھی اور سورة کی اندرونی شہادتوں کی رو سے بھی یقینی طور پر یہودی تھے لیکن اس سورة میں جن جنوں کا ذکر ہے ان کے مذکورہ عقائد ان کا مسخ ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ گو قرآن نے کہا ہے کہ یہود عزیر کو ابن اللہ قرار دیتے تھے لیکن اِتَّخَذُوا وَلَدَ کے الفاظ جو یہاں آئے ہیں قرآن نے بلا استثناء ہر جگہ صرف اور صرف مسیحیوں کے لئے استعمال کئے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی صلیب ہونے کا عقیدہ بھی مسیحی عقیدہ ہے کیونکہ انہی کے ہاں خدا باپ خدا بیٹے اور خدا ماں (MOTHER OF GOD) کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہود کے ہاں ایسا کوئی تصور نہیں ملتا۔

ان دلائل سے ثابت ہے کہ سورة الاحقاف میں اور جنوں کا ذکر تھا اور اس سورة میں اور جنوں کا ذکر ہے۔ وہاں یہودی جنوں کا ذکر تھا اور یہاں مسیحی جنوں کا ذکر ہے۔ اور چونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس نصیحتیں کے یہود میں سے بڑے لوگوں کے ایک وفد کا آنا۔ قرآن

سنا اور واپس جا کر اپنی قوم میں اس کی تبلیغ کرنا تاریخ سے ثابت ہے لیکن مسیحیوں کے بڑے آدمیوں (جثات) کے کسی وفد کے متعلق یہ باتیں ہرگز ثابت نہیں اسلئے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ جثات سے متعلق سورۃ الاحقاف کی آیات تو ایک واقعہ شدہ بات کے بیان پر مشتمل ہیں لیکن سورۃ الجن کی یہ آیات بطور پیشگوئی کے تھیں اور ان میں ماضی کا صیغہ یقینی مستقبل کی خبر دینے کیلئے لایا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے وقت میں مشرکین مکہ کے بعد یہودی اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اس لئے سورۃ الاحقاف میں یہود میں سے بعض کے قرآن سننے کا ذکر کیا گیا لیکن آئندہ زمانہ یعنی نوح موعود یا مہدی موعود کے زمانہ میں اسلام کے بڑے دشمن مسیحیوں نے ہوتا تھا اس لئے اُس سورۃ کے بعد میں رکھی جانے والی اس سورۃ میں یہ بتایا گیا کہ ایک دن وہ بھی قرآن کی خوبیوں کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔

نَفَسْر کا لفظ انسانوں کے گروہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس اس لفظ اور رَجَال کے لفظ کا استعمال اور ان کے قرآن پر ایمان لانے کا ذکر (جبکہ قرآن هٰذِي لِلنَّاسِ ہے) بتاتا ہے کہ یہاں جنوں سے انسان ہی مراد ہیں نہ کہ کوئی غیر مَرئی مخلوق اور بتایا یہ گیا ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں گے اور اس کی خوبیوں کا اقرار کریں گے اور یہ اقرار بھی کریں گے کہ ایمان لانے سے پہلے وہ شرک میں مبتلا رہے تھے اور خدا کی صاحبہ اور بیٹا ہونے کے قائل تھے۔ اور یہ عقیدہ ان میں ایک بیوقوف شخص سے آیا تھا۔ چنانچہ یہ بات اس زمانہ میں مکمل ہے کہ تثلیث کا عقیدہ شخص واحد پولوس کی اختراع ہے۔

چونکہ ان کے مندرجہ بالا قول پر ان جنوں سے سوال ہو سکتا تھا کہ اگر تثلیث کا عقیدہ ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ تم اب کہہ رہے ہو تو پہلے تم خود اسے کیوں مانتے رہے ہو اس لئے وہ جن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے کہ وَأَنَا ظَنَنَّا أَنَّ لَنَا قَوْلَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا. وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا۔ لفظ جن کے برعکس جس کے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں انس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ بعض نے ”انسان“ کو ”انس“ سے مانا ہے جس کے معنی محبت اور ملنساری کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ دراصل انسیان بروزن افغان ہے۔ اس کو ذمہ دار بتایا گیا تھا مگر وہ اپنی ذمہ داری کو بھول گیا اس لئے انسان کہلایا۔

لہذا ان کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ ہم تو حسن ظن میں مارے گئے ہمارا خیال تھا کہ انس ہوں یا جن یعنی عوام ہوں یا خواص۔ وہ لوگ ہوں جن پر شریعت کی ذمہ داری ڈالی گئی اور وہ اسے بھول گئے یا شریعت سے سرکشی برتنے والے ہوں یعنی مسلمان ہوں یا عیسائی خدا پر دانستہ جھوٹ بہر حال نہیں بولیں گے۔ لیکن ان دونوں نے جھوٹ بولا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ یعنی شریعت سے انس رکھنے والے یعنی مسلمانوں میں سے کچھ لوگ رِجَالٌ مِّنَ الْجِنِّ یعنی شریعت سے سرکشی کرنے والوں (یعنی مسیحیوں) میں سے کچھ لوگوں کی (دینی و دنیوی معاملات میں) پناہ لینے لگ گئے تھے۔ پس اس بات نے ان جنوں کو سرکشی میں بڑھا دیا۔

=====

یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کے وقت میں مسیحی بھی اور مسلمان بھی یہ سمجھ رہے ہونگے کہ مسیح ناصری آسمان سے اترے گا۔ زمین پر سے اب کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ مگر خود مسیحیوں کی تحقیق اس خیال

کو غلط ثابت کر گئی

اوپر کی آیات کے بعد ہے:-

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا (۸)
اور ان لوگوں (رجال من الانس یعنی مسلمانوں) نے (بھی) گمان کیا
جیسا کہ تم (رجال من الجن) گمان کرتے ہو کہ (آئندہ) اللہ اس زمین
سے کسی کو بھی (نبی بنا کر) کھڑا نہیں کرے گا۔

مطلب یہ کہ جس طرح تم (مسیحی) یہ سمجھتے ہو کہ مسیح آسمان پر بیٹھا ہے اور وہاں سے دوبارہ اترے گا ورنہ اس زمین کے باسیوں میں سے اب کسی کو نبی بنا کر کھڑا نہیں کیا جائے گا۔
بعینہ یہی عقیدہ ان مسلمانوں کا ہے۔

چنانچہ دیکھ لیجئے مسلمانوں کا یہی باطل عقیدہ تھا جس کی وجہ سے مسیحی ان پر چھا گئے اور انہوں نے ان میں سے لاکھوں کو عیسائی بنا لیا۔ اور جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اب مسلمان اس ذلت سے بچ جائیں تو اس نے مسیح ہی کے نام پر اپنا مامور بھیجا جس نے آکر مسلمانوں کو

سمجھایا کہ ”مسیح کو مرنے دو تا اسلام زندہ ہو“۔ نیز فرمایا ”خوب یاد رکھو کہ بجز موت مسیح صلیبی عقیدہ پر موت نہیں آسکتی اس کو مرنے دو تا یہ دین زندہ ہو“۔ (کشتی نوح ص ۱۷) اسی طرح فرمایا ”تم عیسیٰ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے“۔ (ملفوظات جلد ۱۰ ص ۴۵۸) خدا فرماتا ہے اس کے بعد وہ جن کہیں گے:-

وَاِنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَهَا مِلْثَ حَرَسًا شَدِيدًا
وَشُهَبًا (۹)

لیکن ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے زبردست محافظوں اور شہب سے بھرا ہوا پایا۔

یوں تو ہر مٹلاشی اور جستجو کرنے والے کو متمسکہ دیتے ہیں لیکن لس کے اصل معنی ہاتھ سے چھونے کے ہیں اور چونکہ آسمان کے حالات کی جستجو بھی جیسے اس زمانہ میں ہوئی کہ کڑوڑوں میل پر واقع اجرام فلکی تک انسان کے بنائے ہوئے آلات نے پہنچ کر وہاں کی تصویریں بھیجی ہیں اور مختلف معلومات فراہم کی ہیں یہاں تک کہ پھونے والی بات میں بھی کسر نہیں رہی کہ چاند تک تو انسان بنفس نفیس بھی پہنچا ہے اسلئے جہاں تک ان کے ظہر کا تعلق ہے یہ آیات جیسی ہمارے اس زمانہ پر چسپاں ہوتی ہیں اور کسی زمانہ پر چسپاں نہیں ہوتیں۔ بہر صورت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ جن کہیں گے کہ بیشک مسیحی اور مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اب کوئی پیغمبر زمین سے مبعوث نہیں ہوگا اور نبی کی ضرورت پورا کرنے کیلئے آسمان پر سے مسیح اُترے گا لیکن ہم نے آسمان کے حالات معلوم کئے ہیں بلکہ ایک طرح سے اس کو پھو کر دیکھ لیا ہے وہ تو زبردست پھرے داروں یعنی شہب سے بھرا ہوا ہے یعنی وہاں کے حالات ایسے ہیں کہ کسی انسان کا (بغیر اس قسم کے انتظامات کے جس قسم کے انتظام کر کے ہم گئے ہیں) وہاں تک جانا بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ وہ وہاں پہنچ کر سینکڑوں سال سے زندہ سلامت بیٹھا ہوا ہو۔ پس جب کسی کا بغیر خاص انتظامات کے وہاں رہنا بلکہ جانا بھی ممکن نہیں تو پھر وہاں سے اُترنے کا عقیدہ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

وَاِنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ لَمَنْ يُسْمِعِ الْاَنَ
يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا (۱۰)

اور (وہ جن یہ کہیں گے کہ) پہلے تو ہم سننے کے لئے اس کی بیٹھنے کی

جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے (اور کچھ باتیں سن لیا کرتے تھے لیکن اب حالات بدل چکے ہیں) سو جواب سنتا ہے وہ ایک شہاب کو گھات میں پاتا ہے۔

بریکٹ کے اندر کی عبارت مخدوف ہے جس پر اگلے الفاظ فَمَنْ يَسْمِعُ اَلَا نِ دال ہیں۔ مِنْهَا کی ضمیر سَمَاء کی طرف جاتی ہے جس کا ذکر سابقہ آیت میں تھا لیکن اس سے پہلی آیت میں ان جنوں ہی کی زبانی یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ انسان کا (بغیر خاص سامانوں کے) آسمانوں تک جانا ممکن نہیں ہے اس لئے یہاں مَقَاعِدُ السَّمْعِ سے مجازی آسمان کے مقامات یا وہ مقامات ہی مراد ہو سکتے ہیں جنہیں محاورہ میں آسمان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔

جیسا کہ صاحب فتح القدر نے بھی لکھا ہے لِلْسَّمْعِ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں پہلی یہ کہ یہ نَقْعُدُ سے متعلق ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ لَا جِلَّ السَّمْعِ یعنی سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری یہ کہ یہ مضر سے جو مقاعد کی صفت ہے متعلق ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ان مقامات پر بیٹھا کرتے تھے جو سننے کے لئے مقرر ہیں۔

اس کے بعد جانا چاہیے کہ سورۃ الحجر میں ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ. وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ. اِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ (۱۷ تا ۱۹) اور سورۃ الصافات میں ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ اِنْ الْكُوَاكِبِ. وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ. لَا يَسْمَعُونَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ. دُخُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ. اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۷ تا ۱۱) ان آیات میں اس زمانہ کا ذکر ہے جس میں ایک شہاب جس سے نبی مراد ہے موجود ہوتا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے وقت میں اگر شیاطین مَلَائِکَہِ الْاَعْلٰی کی باتوں میں سے کوئی بات چُرا لیں تو شہاب اس کے پیچھے لگ جاتا ہے یعنی ان کی چوری کا پردہ فاش کر دیتا اور انہیں اس بات کے غلط استعمال میں کامیاب ہونے سے روک دیتا ہے لیکن زیرِ نظر آیات میں دو زمانوں کا ذکر ہے ایک نبی کے آنے سے کچھ پہلے کے زمانہ کا جس میں مَلَائِکَہِ الْاَعْلٰی کی باتیں چرانے والوں پر پکڑ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور دوسرے اس زمانہ کا جس میں ایک نبی موجود ہوتا ہے۔ اور نبی سے کچھ پہلے کا جو زمانہ

ہوتا ہے اس میں سابقہ اہل کتاب میں سے دو قسم کے لوگ دنیا میں پائے جایا کرتے ہیں۔ ایک وہ جو روحانیت سے بالکل کورے ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے تئیں ریاکاری کی راہ سے ظاہر روحانی اور بزرگ آدمی کرتے ہیں اور دوسرے وہ جنہیں ایک حد تک روحانیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس آیت کے الفاظ ایسے رکھے گئے ہیں کہ اس میں ان ہر دو قسم کے لوگوں کا ذکر آگیا ہے۔ **لِلسَّمْعِ** کی جو دو صورتیں اوپر بیان کی گئیں ہیں ان میں سے پہلی صورت (**لَا جِلَّ السَّمْعِ**) کے مطابق اس میں ازل الٰہی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے اور دوسری صورت کے مطابق موخر الذکر قسم کے لوگوں کا۔ اور ایسا ہی ہونے چاہیے تھا کیونکہ آیت **وَأَنَا مِنَ الصَّالِحِينَ وَمِنَا ذُوْنَ ذَالِكِ** سے ان میں دونوں قسم کے لوگوں کا پایا جانا ثابت ہے۔

بہر حال ان الفاظ کے پہلے مفہوم کے مطابق ان جنوں نے اپنے شیاطین کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے تو ہم آسمان کی بیٹھنے کی جگہوں پر یعنی عبادت گاہوں میں جو اللہ کے گھر کہلاتی ہیں اور اس طرح آسمان کی طرف منسوب ہوتی ہیں سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے (اور وہاں بیٹھنے والوں سے **مَلَا اَعْلٰی** کی کوئی سنی سنائی بات سن لیا کرتے تھے) لیکن جواب سنا ہے وہ ایک شہاب کو گھات میں پاتا ہے یعنی وہ دیکھتا ہے کہ ایک ایسا وجود جسے شہاب کہنا چاہیے اس کا پول کھولنے اور اس کے پلید ارادوں کو ناکام بنانے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ یعنی ایک نبی موجود ہے جس کی وجہ سے ہماری دال گلنے نہیں پاتی۔

رہا الفاظ زیر تفسیر کا دوسرا مفہوم تو اس کے مطابق ان جنوں نے اپنے نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قوم سے یہ کہا (یعنی کہیں گے) کہ پہلے تو ہم آسمان کی ان جگہوں پر جو **مَلَا اَعْلٰی** کی باتیں سننے کے لئے مقرر ہیں بیٹھا کرتے تھے۔ یعنی ہمیں وہ روحانی مقامات حاصل تھے جن کے حاصل ہونے سے لوگ خدا کا الہام پالیتے ہیں اور مذہبی اصطلاح میں مختلف آسمانوں پر یا آسمان کے مختلف مقامات پر بیٹھا کرتے تھے۔ (آنحضرتؐ نے جو کھفِ معراج میں مختلف نبیوں کو مختلف آسمانوں پر دیکھا اس سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے) لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ لہذا جواب سننے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک شہاب کو نگران پاتا ہے یعنی یہ دیکھ لیتا ہے کہ ایک ایسا وجود جسے شہاب کہنا چاہیے بطور نگران کے بیٹھا ہے۔ جب تک ہم اس سے پروانہ حاصل نہ کریں ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ یعنی جو بھی پہلے صلحاء یا اولیاء صاحب

کشف والہام و رویہ تھے موعود مسیح کا انکار کرنے سے وہ اس نعمتِ مکالمہ مخاطبہ سے محروم ہو جائیں گے۔ صرف ماننے والوں کو یہ انعام ملے گا۔

پس جہاں سابقہ آیت کے الفاظ میں ان جنوں نے اپنی قوم کو یہ کہا (یعنی کہیں گے) کہ انسان کا بجمہ غنصری (بغیر خاص سامانوں کے) آسمانوں تک پہنچنا محال ہے (چہ جائیکہ وہ وہاں جا کر صدیوں رہے اور پھر لوگوں کی ہدایت کے لئے نزول کرے) وہاں اس آیت کے الفاظ میں یہ بتایا کہ اب ان کے لئے روحانی اعتبار سے آسمانوں تک پہنچنے کے راستے بھی مسدود ہو چکے ہیں بلکہ وہ چوری چھپے بھی مَلَا اَعْلٰی کی باتیں سن کر کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اب ان کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ اس فحش کا دامن پکڑیں جسے خدا تعالیٰ نے شہاب بنا کر کھڑا کیا ہے۔

الغرض ان آیات میں جہاں یہ بتایا گیا کہ آئندہ زمانہ میں مسیحی اقوام میں سے بڑے بڑے لوگ بھی اسلام لائیں گے وہاں یہ بھی بتایا گیا کہ اس وقت مسلمان یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کی ہدایت کے لئے آسمان سے کوئی فحش (یعنی مسیح) آئے گا زمین سے کوئی مبعوث نہیں ہوگا لیکن ان کا اس خیال کو خود مسیحیوں کی سائنسی تحقیق غلط ثابت کر دے گی۔

=====

یہ خبر کہ جو مسیحی موعود کی اتباع کریں گے ان میں

سے بھی صاحب الہام ہوں گے

اس سورۃ (الجن) کی اگلی آیات (۱۳ تا ۱۸) میں پہلے یہ ذکر ہے کہ وہ جن اپنی قوم کو سمجھائیں گے کہ اس ملک میں اللہ کی مرضی بہر حال پوری ہوگی۔ جن کو وہ ہدایت دینا چاہتا ہے وہ ہدایت پائیں گے اور جن کو وہ سزا دینا چاہتا ہے وہ سزا سے بچ نہیں سکیں گے لیکن ہم نے ان باتوں کا انتظار نہیں کیا بلکہ ہدایت کی طرف بلانے والے کی آواز سنتے ہی اسے مان لیا ہے۔ اور پھر بتایا گیا ہے کہ ان مسیحیوں میں سے بھی ان کو جو طریق اسلام پر استقامت دکھائیں گے آسانی پائی یعنی وحی والہام سے حصہ وافر دیا جائے گا۔ مگر اس میں ان کی آزمائش بھی ہوگی اور جو اس پر پورے نہیں اتریں گے وہ جلائے عذاب کئے جائیں گے پھر یہ فرما کر کہ: اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا یہ اشارہ کیا ہے کہ ان کے ممالک میں بھی مساجد تعمیر ہوں گی۔

اور چونکہ بعض لوگوں کو یہ خیال بھی ہو سکتا تھا کہ جب قرآن موجود ہے تو اب کسی رسول کی ضرورت نہیں اور صرف قرآن کی تبلیغ و اشاعت سے یہ بھات وغیرہ ایمان لے آئیں گے۔ اس لئے آخر سورۃ میں اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کو فرمایا عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبَةٍ أَحَدًا إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ اپنے غیب کو یعنی غیب کی ان باتوں کو جو انسان کے لئے خدا نمائی کا کام دیتی اور خدا کی طرف راہنمائی کرتی ہیں خدا ہی جانتا ہے۔ ہر کس و تا کس جان نہیں سکتا۔ اور اس کی سُنّت یہی ہے کہ وہ اپنے غیب پر یعنی غیب کی ان مذکورہ باتوں پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اسے جسے (اس کام کے لئے) پسند کرے یعنی جو اس کا رسول ہو۔ لہذا صرف کتاب کافی نہیں ہوا کرتی اس کے ساتھ ایک رسول کی بھی حاجت ہوتی ہے۔ اور چونکہ اُس زمانہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو آئے ہوئے عرصہ گزر چکا ہوگا اس لئے ایک رسول کا آنا ضروری ہوگا۔ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں مساجد کے اندر بھی ماسوا اللہ سے مانگا جائے گا۔ اور ایسے دوسرے کام بھی کئے جائیں گے جو خدا کو پسند نہیں اور مساجد میں ان کا کرنا خصوصیت کے ساتھ منع کیا گیا ہے مثلاً انہیں خالصۃً عبادت الہی کے لئے استعمال کرنے کی بجائے فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنایا جائے گا۔ چنانچہ آثار میں یہ سب باتیں مہدی کے وقت کی علامات کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔

مساجد میں نماز ختم ہوتے ہی بعض لوگوں کا کھڑے ہو کر با آواز بلند بھیک مانگنا تو ہر کسی کا ذاتی مشاہدہ ہوگا۔ فساد کے متعلق ایک حوالہ پیش ہے۔ لکھا ہے:-
 ”مساجد میں دنگے ہو رہے ہیں جو تے چل رہے ہیں ستمگمتمی ہو رہی ہے۔“

(مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ صفحہ ۱۱۸ از سید ناظر حسین)

اور اب تو مساجد میں اندھا دھند فائرنگ اور قتل و غارت کے بے شمار واقعات بھی آئے دن ہونے لگے ہیں۔ بلکہ بدکاری اور فاحشہ عورتوں کے رقص بھی بعض جگہ ہوئے ہیں۔

=====

سورة المزمل میں مہدی موعود کا ذکر

سورة الجن کے بعد سورة المزمل آتی ہے اسے یٰٰٓأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے الفاظ سے شروع کیا گیا ہے۔ مُزَّمِّلُ کے کئی معانی ہیں۔ لین نے اس کے معنی بارگراں اٹھانے والے کے لکھے ہیں اور صاحب کشاف نے عکرمہ کے حوالہ سے اس سے امر عظیم اٹھانے والا اور صاحب روح المعانی نے باریت اٹھانے والا مراد لی ہے۔ زَمَلَهُ عَلٰی الْبَعِیْرِ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس نے اونٹ پر اپنے پیچھے اپنے جیسے شخص کو بٹھایا تاکہ اس پر متوازن بوجھ پڑے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زم ل کے مادہ میں اٹھانے کے علاوہ جمع کرنے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو یٰٰٓأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ فَمِ الْاَیْلِ اِلَّا قَلِیْلًا کے الفاظ میں مخاطب کیا تو گویا یہ کہا کہ اے نبوت کے بار عظیم اٹھانے والے اور اقوام عالم کو ایک نقطہ (یعنی نقطہ توحید) پر جمع کرنے والے تو ناذر امت کی پیٹھ پر اپنے پیچھے اپنی مثل ایک اور وجود کو بٹھانے والا ہے۔ پس بیشک تو نے نبوت و شریعت کا بارگراں اٹھالیا ہے لیکن اقوام عالم کو توحید پر جمع کرنے کا سارا کام اکیلے تو نے ہی نہیں کرنا بلکہ کچھ تو نے اور کچھ اس نے کرنا ہے جو تیری تربیت کے نتیجے میں تیرے بعد آنے والا ہے اس لئے فَمِ الْاَیْلِ اِلَّا قَلِیْلًا تو قیام لیل کی مشقت بیشک اٹھایا کر مگر کچھ دیر آرام بھی کر لیا کر۔

=====

سیح موعود کا کام تکمیل اشاعت ہدایت ہے

جو کچھ اوپر لکھا گیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ سورة الجن کے بعد اس سورة کا لایا جانا اور اس کا ان مذکورہ الفاظ سے شروع کیا جانا یہ بتانے کو تھا کہ سابقہ سورتوں میں جس شخص کے آئندہ زمانہ میں آنے کی قرآن نے خبر دی اور جسے سورة القلم میں صاحب القلم اور سورة نوح میں نوح اور سورة الجن میں سیح قرار دیا گیا۔ اس کے لئے یہ بھی مقدر تھا کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے تربیت پاکر اور آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر آپ ہی کے مشن کی تکمیل کے لئے اور آپ کا بوجھ بٹانے کے لئے آئے گا۔ اور چونکہ تکمیل ہدایت کا کام آنحضرت ﷺ کے اپنے صحنِ حیات ہی میں

تمام وکمال پورا ہو چکا تھا۔ جیسا کہ آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ ۴:۵) اس پر شاہد ناطق ہے۔ اس لئے اس موعود کا آنا تکمیل اشاعت ہدایت ہی کے لئے ہو سکتا تھا نہ کسی اور کام کے لئے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا آنا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا شاگرد ہو اور آپ کے مشن کی خدمت و تکمیل کے لئے آپ کے چاکر کی حیثیت میں آئے نبوت محمدیہ کی شان کے اظہار کا موجب تو یقیناً ہوگا لیکن اس کی ہنک کا موجب نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے جو (ایک روایت کے مطابق) خود آنحضرت ﷺ نے اسے سلام کہنے کی اور دوسری روایت کے مطابق اس کی بیعت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضور کے الفاظ یہ ہیں فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَسَابِقُوهُ وَلَوْ حَبَوًّا عَلَى الثَّلَجِ فَإِنَّهُ خَلِيفَةُ اللَّهِ الْمَهْدِي (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۱) یعنی جب تم اس کو دیکھو تو اس کی بیعت کرو اگرچہ گھٹنوں کے بل برف پر چلنا پڑے اسلئے کہ وہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے۔ نیز فرمایا يُقِيمُ النَّاسَ عَلَى مِلَّتِي وَشَرِيْعَتِي وَيَدْعُوهُمْ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ مَنْ أَطَاعَهُ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَاهُ عَصَانِي (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۷) وہ لوگوں کو میرے دین اور میری شریعت پر قائم کرے گا اور انہیں اللہ عز وجل کی کتاب کی طرف بلائے گا جس نے اس کی اطاعت کی میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی میری نافرمانی کی۔

اگلی آیات میں کفار مکہ کے عوام و خواص کی طاقت کے ٹوٹ کر ختم ہو جانے کا ذکر ہے اور پھر فرمایا ہے:-

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (۱۶) فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا (۱۷) فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يُجْعَلُ الْوِلْدَانُ شِيبًا (۱۸)

یعنی ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے اسی طرح جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ چنانچہ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس پر نہایت سخت گرفت کی سو تم کیسے بچو گے اگر تم نے کفر کیا۔ اس دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ فِي طَرَفٍ مِّنْكُمْ ضَمِيرًا كَافِرًا كِي يَكْفُرَ بِكُمْ مِّمَّنْ هُمْ أَثَرُ مُنْقَلَبٍ ۚ وَنَسُوهُنَّ حَتَّىٰ جَاءَهُنَّ الْمَوْتُ ۚ وَأَنَّهُنَّ كَذِبَتُنَّ ۚ وَإِنَّكُمْ لَفِي قَوْمٍ مِّنْهُنَّ ۚ

آرسلنا ایلینک میں تم کی طرف بھی پھر سکتی ہے اور مسلمانوں کی طرف بھی۔ پہلی صورت ہو تو ان آیات میں کفار ملکہ کو یہ بتایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ مثیل موسیٰ ہیں اور اسی طرح تم پر گواہ ہیں جس طرح حضرت موسیٰ فرعون پر گواہ تھے۔ لہذا جب فرعون باوجود بادشاہ ہونے کے موسیٰ کی نافرمانی کر کے سزا سے بچ نہیں سکا (کیونکہ موسیٰ کی شہادت اس کے خلاف تھی) تو اگر تم کفر پر قائم رہے تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ تمہارے کفر کے گواہ ہوں گے۔ اِنْ کُفَرْتُمْ کے ایک معنی یہ ہیں کہ اِنْ بَقِیْتُمْ عَلٰی کُفْرِکُمْ۔ فتح القدیر۔

اگر دوسری صورت ہو یعنی الیکم کی ضمیر کا مرجع مسلمان ہوں تو شاہد اعلیٰکم کے قرینہ سے کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا کَ بَعْدِ وَهُوَ شَٰهِدٌ عَلٰی قَوْمِهٖ (یا علیٰ بَنی اِسْرَآئِیْل) کے الفاظ محذوف سمجھے جائیں گے اور ان آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے مسلمانوں ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے اسی طرح جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا جو بنی اسرائیل پر گواہ تھا۔ مطلب یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ مثیل موسیٰ ہیں جس طرح حضرت موسیٰ کی بعثت کا اصل مقصد بنی اسرائیل کی نیکی بدی پر گواہ ہونا اور ان کی نگرانی کرنا تھا اور بنا برائیں فرعون کی ہلاکت کے بعد بھی ان کا یہ کام خلفاء کے ذریعہ جاری رہا اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے تم پر شاہد ہونے کا سلسلہ بھی ان کے روحانی خلفاء کے ذریعہ جاری رہے گا۔

فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کُفَرْتُمْ یَوْمًا یُجْعَلُ الْوِلْدَانُ شِیْبًا: اس میں یہ فرمانا کہ اِنْ کُفَرْتُمْ ”اگر تم نے کفر کیا“۔ ظاہر کرتا ہے کہ آئندہ زمانہ میں ان آیات کے مخاطبین کے لئے (جو مسلمان تھے) پھر کفر و ایمان کا سوال پیدا ہوگا۔ یعنی پھر کوئی نئی مبعوث ہوگا اور یہ فرمانا کہ فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کُفَرْتُمْ یَوْمًا تم کیسے بچو گے اگر تم نے اس دن کفر کیا۔ ظاہر کرتا ہے کہ اس زمانہ کے کفر کی شاعت اس سے متصل پہلے کے زمانہ کے کفر سے زیادہ ہوگی۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اور اس نبی کے درمیان کوئی اور نئی نہیں ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت نے صبح موعود کے بارہ میں یہی فرمایا کہ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُ نَبِیٌّ۔ اور یہ جو فرمایا کہ یَوْمًا یُجْعَلُ الْوِلْدَانُ شِیْبًا تو اس کے متعلق جانا چاہیے کہ ضرب کی طرح جعل کا لفظ قریباً ہر فعل کیلئے استعمال ہو جاتا ہے اور اس کے معنی موقع اور محل کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

یہاں اس کے تین معنے ہو سکتے ہیں۔

نمبر ۱: وہ دن بچوں کو بوڑھا بنادے گا (بوجہ زیادتی علم کے)

نمبر ۲: وہ دن بچوں کو بوڑھوں میں شامل کر دے گا (بوجہ مرد و زمانہ کے)

نمبر ۳: وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا (بوجہ اپنے ہول کے)۔

پس اس میں بتایا کہ اول وہ ایسی علمی ترقی کا زمانہ ہوگا کہ جو باتیں اس سے پہلے زمانہ میں لوگ عرصہ گزار کر سیکھتے تھے اس وقت بچوں کو معلوم ہوں گی۔ یعنی وہ علوم ظاہری کی انتہائی ترقی کا زمانہ ہوگا اور علوم باطنی کی بھی انتہائی ترقی کا زمانہ یا بہ الفاظ دیگر ایک نئی کا زمانہ ہوگا۔

دوم وہ امت محمدیہ کا آخری زمانہ ہوگا اور بتائیں افراد امت جو اپنی قومی زندگی کے اعتبار سے اس وقت گویا بچے ہیں اس وقت بڑھاپے کو پہنچ چکے ہوں گے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی نگاہ سلسلہ انبیاء کے اول و آخر پر زیادہ ہوا کرتی ہے جیسا کہ آیات **ثُمَّ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُمَّ مِّنَ الْآخِرِينَ** سے اور آیت **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ** سے سمجھا جاسکتا ہے اس لئے اس زمانہ کے کفر کی شاعت زیادہ ہوگی اور سوئم وہ زمانہ انسانی قویٰ کو اس حدت سے متاثر کرنے والی آفات کا زمانہ ہوگا جو بچوں کو گویا بوڑھا کر دیں گی۔ یعنی خدا تعالیٰ کا غضب اس زمانہ میں بھڑک رہا ہوگا۔ اس لئے بھی اس زمانہ کے کفر کی شاعت اس سے پہلے کے زمانوں سے زیادہ ہوگی۔

=====

امت محمدیہ کے آخری زمانہ میں عیسیٰ بن مریم کے آنیکی پیشگوئی اور

یہ اشارہ کہ اسکے منکر مرتکب کفر تو ہونگے کافر نہیں کہلائیں گے

پس سورۃ الْمُزَّمِّل کی زیر نظر آیت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ امت محمدیہ کے آخری زمانہ میں جو ایک طرف علوم ظاہری و باطنی کی انتہائی ترقی کا زمانہ ہوگا۔ اور دوسری طرف انتہائی بڑے عذاب کا زمانہ بھی ہوگا۔ (جس سے ظاہر ہے کہ وہ انتہائی اخلاقی انحطاط کا زمانہ بھی ہوگا)۔ تمہارے لئے پھر کفر و ایمان کا سوال پیدا ہوگا یعنی پھر ایک نئی مبعوث ہوگا جو ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے خلفاء میں سے آخری ہوگا۔ اور چونکہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ کا مثیل

ٹھہرایا گیا ہے۔ جس طرح اس سلسلہ کے پہلے نبی سلسلہ موسویہ کے پہلے نبی کے مثل ہیں اسی طرح وہ آخری نبی سلسلہ موسویہ کے آخری نبی کا مثل ہوگا۔ اور اس کے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔ اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک عیسیٰ بن مریم کے آنے کی خبر دی ہے اور اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ میں اسے امتی قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُ نَبِیٌّ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں اس لئے اس میں لاریب عیسیٰ بن مریم کا نام پاکر آنے والے نبی ہی کی خبر دی گئی۔ جس پر ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے ایک نبی کا زمانہ پانے والوں کے بارہ میں یہ اشارہ تو کیا ہے کہ ان میں سے بعض کفر کے مرتکب ہوں گے مگر انہیں کافر قرار نہیں دیا۔ اور بعینہ یہی صورت سورۃ القف میں بنی اسرائیل کے متعلق اختیار کی گئی ہے یعنی یہ تو کہا گیا ہے کہ عیسیٰ بن مریم کے آنے پر ان میں سے کچھ اس پر ایمان لائے اور کچھ نے کفر کیا مگر ان کو کافر کا لقب نہیں دیا گیا (کیونکہ وہ اپنے سلسلہ کے تشریحی نبی حضرت موسیٰ کو ماننے والے تھے) اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نبی موعود سے مراد مثل عیسیٰ بن مریم ہے جو عیسیٰ بن مریم کی طرح غیر تشریحی نبی ہوگا اور بنا برائیں اس کے مکر کفر کے مرتکب تو ہوں گے مگر انہیں کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ اپنے سلسلہ کے صاحب شریعت نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے ہوں گے۔ چنانچہ خود حضرت مہدی موعود نے فرمایا:-

”ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔ ضال اور جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہوگا۔“ (تریاق القلوب)

اس جگہ یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ قرآن کریم کی لہجہ صریح ہے کہ خدا کی طرف سے جب بھی کوئی عذاب آتا ہوتا ہے تو اس سے پہلے رسول ضرور آتا ہے (مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نُبْعَثَ رَسُوْلًا) پس ان آیات میں جو انتہائی بڑے عذاب کی خبر دی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اس وقت مسلمانوں کے لئے بھی کفر کرنے یا ایمان لانے کا سوال پیدا ہوگا۔ تو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اس وقت خدا کا کوئی رسول آئے گا۔ پس ان آیات میں کئی طریق پر امت محمدیہ کے اندر آخری زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی خبر دی گئی۔

مثلاً ایک مقام پر خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے:-

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ
وَشَهِدَ شَاهِدَيْنِ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَأَمَّا
وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

(الاحقاف ۴۶: ۱۱)

”اے رسول ان سے کہہ کیا تم نے غور کیا اگر یہ رسول اللہ کی طرف سے
ہو اور تم نے اسکا کفر کیا (تو حشر کے دن تمہارا کیا عذر ہوگا) بالخصوص جبکہ
بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ (یعنی موسیٰ) نے گواہی دی کہ اس جیسا ایک
رسول آیا ہوا ہے پس وہ تو اس پر ایمان لایا اور تم نے تکبر (کی راہ سے
اسکا انکار) کیا یقیناً اللہ ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔“

ظاہر ہے کہ اس آیت میں اِنْ كَانَ اظہار شک کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ بتانے کیلئے ہے
کہ حضرت محمد ﷺ ہی وہ رسول ہیں جن کے آنے کی حضرت موسیٰ نے خبر دی تھی۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اس آیت میں عَلٰی مِثْلِهِ سے مماثلت تامہ مراد ہے نہ کہ
مماثلت ناقصہ کیونکہ مماثلت ناقصہ تو سب نبیوں کو حضرت موسیٰ سے حاصل تھی۔ اور بنا برائیں
اس کا ذکر خالی از فائدہ تھا۔ اور مماثلت تامہ چاہتی تھی کہ مماثلت صرف مماثلت فی الالات نہ
ہو۔ بلکہ مماثلت فی الانعامات بھی ہو۔ یعنی یہی نہ ہو کہ حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰ کی طرح
صاحب شریعت اور جلالی نبی ہوں جنگی دشمنوں سے جنگیں ہوں اور فتح پائیں بلکہ یہ بھی چاہتی تھی
کہ جس طرح حضرت موسیٰ کے بعد ملہم من اللہ خلفاء کا ایک لمبا سلسلہ چلا اور آخر میں مسیح ابن
مریم آئے جو جمالی رنگ کے نبی تھے ایسا ہی یہاں بھی ہو۔

(منہج تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۴)



سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ میں مہدی موعود کا ذکر

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ کے بعد سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ آتی ہے۔ اس کے شروع میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حضور کی عظیم ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ ایک دن جنگ کا بل بکے گا یعنی کفار کے خلاف جنگ کا آغاز ہوگا اور اُس کے بعد اُن کی مشکلات بڑھتی ہی چلی جائیں گے اور اس کے بعد فرمایا ہے۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (۱۲)

مجھے اور اس (دشمن) کو جسے میں نے منفرد پیدا کیا ہے (آپس میں پنپنے کے لئے) تنہا چھوڑ دے۔

=====

آئندہ زمانہ میں ایک بے مثل دشمن اسلام کے پیدا ہونے کی پیشگوئی

مفسرین نے زیر نظر آیات میں مذکور دشمن وحید سے وحید بن مغیرہ یا بعض دوسرے ائمۃ الکفر مراد لئے ہیں۔ لیکن یہاں چونکہ کسی ایک شخص کی تعین نہیں ہے اور لَوْاحَةٌ لِلْبَشَرِ کے الفاظ بھی جو اس دشمن وحید پر آنے والے عذاب کے لئے استعمال ہوئے ہیں عموم کو چاہتے ہیں اس لئے اگر خَلَقْتُ وَحِيدًا کے الفاظ کو زمانہ نزول قرآن ہی سے متعلق سمجھیں تو ان سے اسلام کے سب سے بڑے دشمن یعنی مشرکین ملکہ بحیثیت مجموعی مراد ہوں گے لیکن اس صورت میں بھی لفظ بشر کو جو اسم جنس ہے ایک حد تک محدود کرنا پڑے گا اور ستر کا لفظ بھی مجازی معنی میں لینا پڑے گا کیونکہ اُس زمانہ میں کوئی ظاہری آگ ایسی نہیں تھی جو ساری جنس بشر کو یا کم از کم تمام مشرکین ملکہ ہی کو جھلس سکے۔ لیکن ایسا کرنے کا جواز تو صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جو ایسی ظاہری آگ کا جو جنس بشر کو جھلس کر رکھ دے آئندہ بھی وجود میں آنا ممکن نہ ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی ہتھیاروں اور مہلک شعاؤں کی صورت میں ایسی آگ کا سامان عملاً وجود میں آچکا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے عہد نبوت کے اندر ہی وجود میں آچکا ہے کیونکہ آپ کا عہد قیامت تک ہے اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا کے الفاظ بطور پیشگوئی

بھی ہیں یعنی گو ان کا اطلاق اُس وقت کے مشرکینِ مکہ پر بھی ہو سکتا ہے لیکن ان میں آئندہ کے متعلق بھی خبر دی گئی اور خَلَقْتُ کا لفظ بصیغہ ماضی اس لئے لایا گیا کہ خدا تعالیٰ کے علم میں وہ مستقبل بھی واقعہ شدہ امر کی طرح تھا اور نیز اس لئے کہ مشرکینِ مکہ پر بھی اس آیت کا اطلاق ہو سکے۔ لہذا دیکھنا یہ ہے کہ اس آیت میں کس کے بارہ میں پیشگوئی تھی اور یہ پیشگوئی اس موقع پر کس وجہ سے بیان کی گئی۔ سو جاننا چاہیے کہ سابقہ آیات میں یہ فرمانے کے ساتھ کہ آئندہ ایک دن آئے گا کہ جنگ کا بگل بجایا جائے گا یعنی عہدِ نبوی کی جنگوں کا آغاز ہوگا یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ **فَإِذَا لَكَ يَوْمَئِذٍ نُّوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ**۔ وہ دن بڑی مشکل کا دن ہوگا اور کافروں کے لئے آسان نہ ہونے والا دن ہوگا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا آئندہ کفر کبھی سر نہیں اٹھائے گا اور اگر اٹھائے گا تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس لئے اس آیت سے شروع کر کے خدا تعالیٰ نے اس اہم سوال کا جواب دیا اور بتایا کہ کفر آئندہ بھی سر اٹھائے گا بلکہ ایک ایسا دشمنِ اسلام پیدا ہوگا کہ پہلے زمانوں میں اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محمدؐ کے اپنے بس کی بات نہیں ہوگی مگر خدا تعالیٰ خود اس سے پتہ لے گا۔ اگلی آیات میں اس کی حالت کا بیان ہے اور اس کے انکار کی وجہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پھر فرمایا ہے:-

سَأُضِلِّيهِ سَقَرٌ (۲۷) وَمَا أَذْرُكَ مَا سَقَرٌ (۲۸) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (۲۹) لَوَاحِةٌ لِلْبَشَرِ (۳۰)

میں اسے ستر میں ڈالوں گا۔ اور تجھے کیا چیز سمجھائے کہ وہ ستر کیا ہے (یعنی اس وقت تک ایسی کوئی چیز وجود میں نہیں آئی جس کے ساتھ اسے تشبیہ دی جاسکے) نہ تو وہ (کسی کو جو اس میں پڑے غلطی کا باعث بنے) باقی رہنے دے گی اور نہ وہ (کسی کو جو اس کا مستحق ہو اپنی پیٹ میں لئے بغیر) چھوڑے گی۔ وہ جس بشر کو مجلس دینے والی (آگ) ہوگی۔

یہاں جس بشر کو مجلس دینے والی آگ کے ذکر سے ظاہر ہے کہ وہ دشمنِ وحید جس کا اوپر ذکر ہوا ساری دنیا کے لوگوں کو اپنے زیر اثر ایسے کاموں میں لگانے والا ہوگا جو ان کو موردِ قہرِ الہی بنادیں گے۔ اور چونکہ ارشادِ ربانی **حَتَّىٰ إِذَا فُصِّحَتْ يَأْجُوجُ وَمَاجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ** (الانبیاء: ۹۷) کے مطابق ایک زمانہ میں یا جوج ماجوج کا دنیا پر چھا جانا

مقدر تھا۔ اور اس نے زمین کو فساد سے بھر دینا تھا اور آیت **وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ** (الکہف ۱۸:۱۰۰) کے مطابق انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنی تھی اور اس جنگ کے بعد ایک انقلاب عظیم برپا ہوتا تھا اور اس کے بعد ان سب کو جمع کیا جاتا تھا۔ لہذا وہی زمانہ عالمگیر عذاب کا زمانہ ہو سکتا ہے پس **وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا** سے دراصل یا جوج و ماجوج ہی مراد ہیں کیونکہ یہی قومیں ہیں جو سب سے زیادہ آگ سے کام لینے والی ہیں اور یہی قومیں ہیں جو سب سے زیادہ آگ کے عذاب کی مستحق ہو چکی ہیں اور انہی کے خروج کی طرف سورۃ اہلکم کے شروع میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ بہر حال سورۃ المدثر کی ان آیات کے بعد ہے:-

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ

اس پر انیس ہوں گے۔

=====

یہ پیشگوئی کہ عالمگیر ایٹمی جنگ انیس ایٹمی طاقتوں کے

وجود میں آنے پر ہوگی

یہ انیس جن کا مندرجہ بالا آیت میں ذکر ہے کون ہوں گے؟ مفسرین نے ان سے مراد فرشتے لئے ہیں لیکن اس آیت میں اس کی تخصیص نہیں ہے۔ لہذا یہ انیس انسان بھی ہو سکتے ہیں اور اس سے انیس کا عدد بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ہے:-

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً

اس میں ستر کا لفظ نہیں ہے النار کا لفظ ہے۔ یعنی لفظ بدل دیا گیا ہے اور قرآن میں تبدیلی الفاظ ہمیشہ تبدیلی مفہوم کے لئے ہو ا کرتی ہے۔ لہذا ستر سے اور عذاب مراد ہے اور النار سے اور۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے النار کے داروغے فرشتوں کو بنایا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ فرشتوں کے علاوہ کسی کو نہیں بنایا۔ پس اس میں اشارہ کیا کہ جہاں ”النار“ یعنی اس آگ پر جس میں کفار ملے پڑنے والے ہیں صرف فرشتوں کا کنٹرول ہوگا وہاں ”ستر“ یعنی اس ”آگ“ پر جس میں آئندہ زمانہ کے مخالفین اسلام نے پڑنا ہے (اور جس کے متعلق **لَوْ اَحَدٌ لِّلْبَشَرِ** کے قرینہ سے اور ان دوسری باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو اس عذاب

کے متعلق سورۃ الحاقہ میں اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر بیان ہوئی ہیں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس سے ہمارے اس زمانہ کے ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعہ آنے والا عالمگیر عذاب مراد ہے (باطن فرشتوں کا کنٹرول ہونے کے علاوہ ظاہر انیس غیر فرشتوں کا کنٹرول ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کے علاوہ اس قسم کے کام کا اختیار انسان ہی کو ہو سکتا ہے۔ لیکن ساری دنیا کو ٹھلس دینے والی آگ پر کسی ایک انسان کا کنٹرول ممکن نہیں۔ لہذا اس سے انیس حکومتیں یا انیس حکومتوں کے سربراہ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ پس عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ کے الفاظ یہ بتانے کے لئے رکھے گئے ہیں کہ جب تک دنیا میں انیس ایٹمی طاقتیں پیدا نہ ہو جائیں اس وقت تک موعود عالمگیر عذاب نہیں آئے گا لیکن جب انیس ایٹمی طاقتیں پیدا ہو جائیں گی تو پھر سمجھو کہ اب وہ عذاب آیا کہ آیا۔ کیونکہ بیسویں ایٹمی طاقت ابھی وجود میں نہیں آئے گی کہ وہ جنگ شروع ہو جائے گی۔ پس خدا تعالیٰ نے بار بار سمجھانے کے علاوہ اس عذاب کی آخری علامت بھی بیان کر دی تاکہ جب لوگ دنیا کو اس علامت کی طرف بڑھتے ہو دیکھیں تو اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوں یا کم از کم جب وہ علامت ظہور میں آجائے تو اس وقت ہی رجوع الی الحق کر کے اس عذاب سے بچ جائیں۔ پس عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ میں ایک بہت ہی بڑا حرف انتباہ ہے کاش کہ دنیا سمجھ جائے۔ اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ بندے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف مخلصانہ رجوع کریں ورنہ جیسا کہ المعارج ۷۰: ۱۸ کے الفاظ تَلْعُوهَا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى میں جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر اس شخص کو اپنی طرف کھینچ لے گی جو اس سے بھاگنا چاہے گا۔ اور اس سورۃ کی آیت ۲۹ کے الفاظ لَا تَبْقَىٰ وَلَا تَذَرُ میں جس کے معنی یہ ہیں کہ نہ وہ کسی کو جسے وہ چھوئے گی زندہ رہنے دے گی نہ کسی قابلِ سزا کو چھوئے بغیر چھوڑے گی اور سورۃ المعارج کے الفاظ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ میں کھول کر بتا دیا گیا ہے کفر پر اصرار کرنے والوں کے لئے اس عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ جب یہ جنگ خدا کی طرف سے عذاب بن کر آنے والی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ انسان اپنی تدابیر کے ساتھ اس سے بچ جائے۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا کی تمام حکومتیں اس سے بچاؤ کی صرف ظاہری تدابیر پر زور دے رہی ہیں اور کرنے کا جو اصل کام ہے یعنی تقویٰ اللہ سے کام لینا اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔

ایٹلی جنگ سے پہلے آئیوالے موعود نبی کا نہایت بلند مقام

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ قرآن کریم کی نص صریح ہے کہ نبی بھیجے بغیر خدا تعالیٰ عذاب نہیں بھیجتا (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا بنی اسرائیل ۱۷:۱۷) لہذا جب ایک عالمگیر عذاب کی خبر دی گئی تو اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اس وقت ایک عالمگیر مشن رکھنے والا نبی بھی بھیجا جائے گا۔ اور بنا برائیں لَوْ اَحَدٌ لِّلْبَشَرِ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس بشر کامل کی خاطر وہ آگ (دنیا کو) جلا دینے والی ہوگی۔ مطلب یہ کہ وہ ایسے بلند پایا کا نبی اور خدا تعالیٰ کا ایسا مقرب ہوگا کہ اس ایک کی خاطر وہ ساری دنیا کو آگ میں جمونک دینے سے بھی نہیں ہچکچائے گا۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبَهَا اور اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرے گا کہ ان پر کیا گزرتی ہے اور ان کے ہمسامگان کا کیا انجام ہوتا ہے۔

=====

ایک مزید اشارہ کہ نبی موعود عیسیٰ بن مریم کا نام پائیگا اور نیز یہ اشارہ کہ وہ اُنیسویں صدی میں ظہور کریگا

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں تِسْعَةَ عَشَرَ سے اُنیس کا عدد بھی مراد ہو سکتا ہے اور اگر اس سے اُنیس کا عدد مراد لیں تو چونکہ (صفحہ ۵۶۹ پر مندرج وضاحت کے مطابق) سورۃ النجر میں اسلام کے دورِ اوّل کے ہر سال کے بالمقابل دورِ ثانی کے ہر سال کو رکھا گیا ہے اسلئے عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ میں جہاں اسلام کے دورِ اوّل سے متعلق اُنیسویں سال کی طرف اشارہ ہوگا وہاں اس کے دورِ ثانی سے متعلق اُنیسویں صدی کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور چونکہ اسلام کے دورِ اوّل کے اُنیسویں سال میں (صلح حدیبیہ کی صورت میں) صلحِ واشتی سے تعلق رکھنے والا ایک ایسا عظیم واقعہ ہوا جو جنگوں کو معرض التواء میں ڈال کر اسلام کی یونما فیوما ترقی کا اور کفار کے بالآخر (کامل مغلوبیت کے) عذاب ستر میں (یعنی ایسے عذاب میں جسے مجازاً ستر کہا جاسکتا ہے) پڑنے کا ذریعہ بنا اس لئے اس کے مطابق اسلام کے دورِ ثانی کی اُنیسویں صدی میں بھی صلحِ واشتی سے تعلق رکھنے والا ہی کوئی ایسا واقعہ ہونا چاہیے تھا جو مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے اسلام کی

یونما فیوما ترقی اور کفار کے مغلوب ہونے اور (اس لفظ کے مجازی معنوں کے مطابق) ستر میں پڑنے کا ذریعہ بنے۔ اور چونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے تمام خلفاء میں سے صرف عیسیٰ بن مریم کے نام پر آنے والے خلیفہ ہی کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ یَصْنَعُ الْحَرُوبُ (بخاری)۔ وہ جنگ کو روک دے گا۔ اس لئے یہ واقعہ اسی کے ظہور کا واقعہ ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انیسویں صدی کے اندر ہی خدا تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم کے نام پر ایک رسول کو مبعوث کیا اور اس نے آکر یہ اعلان فرمایا کہ ع

دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اور پھر اس کے دعویٰ کے دن ہی سے اسلام یونما فیوما ترقی کر رہا ہے اور کفر کی فوجیں شکست کھاتی ہوئی پناہ گاہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہیں اور کفار اسلام کو ترقی کرتا ہوا دیکھتے ہیں مگر ان کی کچھ پیش نہیں جاتی اور یہ صورت حال ان کے لئے ستر میں پڑنے سے کسی صورت کم نہیں۔ لیکن اگر اسی پر بات ختم ہو جاتی اور اسلام کے دونوں دوروں میں کفار کا ستر میں پڑنا صرف مجازی رنگ میں ہوتا تو اس پیشگوئی پر انگشت اعتراض اٹھ سکتی تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے یہی مقدر کیا کہ اسلام کے اس دور ثانی میں وہ ظاہری ستر میں بھی ڈالے جائیں۔ چنانچہ اب اس کے سامان پیدا ہو رہے ہیں۔ جس میں سے پہلا تو یہی ہے کہ خدا کا ایک رسول مبعوث ہو گیا ہے جس کے آنے سے خدا کے غضب کے مخفی ارادے ظاہر ہو گئے ہیں اور اس کی حکومت کے باغیوں پر عذاب کا آنا واجب ہو گیا ہے چنانچہ اس نبی حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ظاہر ہو کر فرمایا:-

”وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک

قیامت کا نظارہ دیکھے گی..... یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا

کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے

دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر

ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو

ایک مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے ہیں۔“

(ہفتۃ الوحی صفحہ ۲۶۸)

اور عجیب بات ہے کہ وہ رسول جس کا آنا عذاب کا گویا ظاہری سبب بن رہا ہے (یعنی

مہدی موعودؑ وہ عَلَیْهَا بِسْعَةَ عَشَرَ کے عین مطابق انیسویں صدی میں ظاہر ہوا ہے اور اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ بِسْعَةَ عَشَرَ کے الفاظ سے جو یہ اشارہ ہے کہ اس آگ پر انیس ایٹمی طاقتیں کا کنٹرول ہوگا وہ بھی پورا ہوگا۔

بہر صورت جب ان آیات میں کفار کے ستر میں ڈالے جانے کی خبر دی گئی اور یہ فرمایا گیا کہ عَلَیْهَا بِسْعَةَ عَشَرَ تو جیسا کہ اس سورۃ کی آیت وَيَقُولُ الدِّينُ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا میں ایسی صورت کا ذکر بھی ہے اس پر کفار نے اعتراض کرنا اور کہنا تھا کہ ایسی (نعوذ باللہ) مہمل بات کہنے سے کیا حاصل ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

كُلًّا وَالْقَمَرَ (۳۳) وَاللَّيْلَ إِذَا أَذْبَرَ (۳۴) وَالصُّبْحَ إِذَا
أَسْفَرَ (۳۵) إِنَّهَا لَا خَذَى الْكَبِيرِ (۳۶) نَذِيرًا
لِّلْبَشَرِ (۳۷) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ (۳۸)
ان کا خیال ہرگز درست نہیں قسم ہے موعودؑ قمر کی۔ اور (قسم ہے) رات کی
جب وہ پیٹھ پھیر لے۔ اور صبح کی جب وہ اچانک روشن ہو جائے۔ یقیناً
یہ بڑی بڑی خبروں میں سے ایک منفرد خبر ہے۔ انسان کو ہوشیار کرنے
والی۔ (یعنی) اس شخص کے لئے جو قدم آگے بڑھانا چاہے۔ یا جو پیچھے
رہنا چاہے۔

قمر رات کو روشن تو پیش کرتا ہے مگر رات کے پیٹھ پھیرنے کا تعلق شمس سے ہی ہوتا ہے
قمر سے نہیں ہوتا مگر یہاں قمر کے ساتھ رات کے پیٹھ پھیرنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح رات کا پیٹھ
پھیرنا اور صبح کا روشن ہونا ساتھ ساتھ واقع ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں
لیکن یہاں ان میں سے پہلی بات کو ”اذ“ اور دوسری کو ”اذا“ کے ساتھ بیان کر کے ان میں
وقفہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لہذا اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں کسی مجازی قمر اور مجازی
رات ہی کا ذکر ہے یعنی قمر سے مراد کوئی ایسا وجود ہے جو ایک پہلو سے قمر اور ایک پہلو سے
شمس ہوگا اور لیل سے مراد ظلمات اور مصائب کی رات ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ خبر دی گئی ہے کہ اسلام کو ترقی اور غلبہ

حاصل ہوگا مگر اس کے بعد اس پر ایک تنزل کا دور آئے گا جس میں گمراہی پھیل جائے گی اور اس کے بعد اسے دوبارہ غلبہ حاصل ہوگا جو عالمگیر غلبہ ہوگا چنانچہ اس ضمن میں سورۃ الفجر میں اسلام کی پہلی تین صدیوں کو فجر کا زمانہ قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد دس تاریک راتیں یعنی مصائب و مشکلات کی دس صدیاں آئیں گی اور چونکہ ان میں کسی وقفہ کا ذکر نہیں ہے اس لئے ان سے ایک لمبی رات بھی مراد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سورۃ الفجر ہی میں اس زمانہ کو ایک رات بھی شمار کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ رات رخصت ہو جائے گی۔ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بِسْرًا جَا مُنِيرًا (الاحزاب ۳۳:۳۷) یعنی آسمانِ روحانیت کا شمس قرار دیا گیا ہے اور سورۃ الرحمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس آسمان کے آپ شمس ہیں اس پر ایک قمر بھی جلوہ نما ہوگا یعنی ایک ایسا وجود بھی اسلام کو ملے گا جو محمدی انوار کو جمالی رنگ میں یعنی نرمی کے ساتھ دنیا میں پھیلائیگا اور جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں واضح کر آئے ہیں يٰۤاَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ میں بھی اس کی طرف اشارہ تھا۔ پس ان آیات میں اَلَيْسَ سے اسلام پر آنے والی مصائب کی دس سو سالہ رات اور القمر سے وہ موعود مراد ہے جس کے ذریعہ اس رات میں محمدی انوار کا دنیا میں دوبارہ پھیلنا مقدر کیا گیا ہے۔ اور ان میں بتایا یہ گیا ہے کہ کفار کا خیال کہ عَلَیْهَا بِسْعَةٌ عَشْرٌ میں کوئی اہم خبر نہیں دی گئی بالکل غلط ہے آئندہ ایک قمر یعنی وہ شخص جسے دوسری جگہ آسمانِ روحانیت کے شمس محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قمر کی نسبت دی گئی ہے ظاہر ہوگا اور اس کے آنے سے اسلام کے مصائب کی رات پٹھ پھیر لے گی لیکن غلبہ اسلام کی صبح کے روشن ہونے میں ابھی کچھ وقت ہوگا۔ اس وقفہ میں ایک ایسی بات ہوگی جس کے واقع ہونے پر غلبہ اسلام کی صبح اچانک روشن ہو جائے گی اور ثابت ہو جائے گا کہ عَلَیْهَا بِسْعَةٌ عَشْرٌ میں جو خبر دی گئی وہ بڑی بڑی خبروں میں سے بھی ایک منفرد خبر تھی معمولی خبر نہیں تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں القمر کے ظہور کا زمانہ اور اس دوسری چیز کی (جس کے ساتھ اسلام کا غلبہ وابستہ کیا گیا ہے) علامت بتائی گئی ہے اور جیسا کہ ہم اوپر واضح کر آئے ہیں سورۃ الحاح کی آیات لَمَّا نَفَخْ فِي الصُّورِ نَفْخَةً وَاحِدَةً. وَ حُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً. فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ۔ کے مطابق اسلام کا عالمگیر غلبہ ایک بہت بڑی جگہ یعنی ایٹمی جگہ سے وابستہ کیا گیا ہے اس لئے ان الفاظ میں اسی کے

قرب کی علامت بتائی گئی ہے اور ستر سے وہی جنگ مراد ہے یعنی ایک اشارہ اس میں اس جنگ کی طرف بھی ہے اور چونکہ نبی جہاں رحمت ہوتا ہے وہاں اس کا وجود قرب عذاب کی پہلی علامت بھی ہوتا ہے کہ اس کے آنے سے اتمامِ حُجّت ہو کر عذاب کا آنا واجب ہو جایا کرتا ہے اور مسیح موعودؑ کے متعلق تو واضح طور پر **إِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ** (الزخرف ۴۳:۴۴) کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ یعنی یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ قیامت کا نشان ہوگا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کا لفظ انقلابِ عظیم کے لئے بھی آتا ہے۔ نبی کے وقت میں قوموں کا احیاء اور امات ہوتی ہے اسی لئے مہدی علیہ السلام کو قیامت کی علامت قرار دیا گیا ہے بلکہ صاحب نور الانوار نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جو اکثر علاماتِ قیامت بیان ہوئی ہیں وہ زمانہ مہدی سے متعلق ہیں۔ کیونکہ مہدی کا زمانہ قیامتِ صغریٰ کا زمانہ ہے۔ اس لئے جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے **عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ** میں نبی موعود یعنی القم کا زمانہ بتایا گیا کہ وہ اُنیسویں صدی عیسوی میں آئے گا اور دوسرے اس کے زمانہ کے عالمگیر عذاب کی علامت بتائی گئی کہ اُنیس ایشی طاقتیں وجود میں آنے تک وہ عذاب رکا رہے گا اور بیسویں طاقت کے وجود میں آنے سے قبل وارد ہو جائے گا اور اس میں کیا شبہ ہے کہ **إِنَّهَا لَأُحْذَى الْكِبَرِ** یہ خبر بڑی بڑی خبروں میں سے ایک منفرد خبر ہے جو فلذیراً **لَلْبَشَرِ** یعنی تمام بنی نوع انسان کو ہوشیار کر دینے والی ہے۔ کیونکہ جب انسان دیکھے گا کہ وعدوں کے مطابق اُنیسویں صدی میں مسیح بھی آگیا اور وہ چیز جو پہلے کبھی انسان کے واہمہ میں بھی نہیں آئی تھی یعنی ایٹم بم بھی بن گئے ہیں اور باوجودیکہ دنیا کئی بار ایشی جنگ کے کنارے پر پہنچی ہے اشارہ ایشی طاقتوں کے وجود میں آنے تک جنگ نہیں ہوئی اور اب اُنیسویں طاقت بھی وجود میں آگئی ہے تو اس سے ساری دنیا کے لوگوں میں ایک ہلچل مچ جائے گی کہ جب باقی سب خبریں ایک ایک کر کے پوری ہو گئیں تو اگر اب بھی انہوں نے داعی الی اللہ کی بات نہ سنی تو عالمگیر ایشی جنگ والی آخری بات بھی پوری ہو جائے گی اس لئے عذاب سے پہلے ایمان لانے کی استعداد رکھنے والے ایمان لے آئیں گے اور اس کے بعد وہ جنگ دنیا کو اپنی پلیٹ میں لے لے گی۔

سورۃ المدثر کی اگلی آیات میں نبی وقت کو مان کر اصحابِ الیمین یعنی اس کے داہنے ہاتھ والے (جس سے مددگار مراد ہیں) بننے والوں کا اجر بتایا ہے اور اس سے الگ رہنے والوں کے بد انجام کی خبر دی ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے:-

فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذِكْرَةِ مُغَرِّضِينَ (۵۰) كَانَتْهُمْ حُمْرٌ
مُسْتَنْفَرَةً (۵۱) فَرِثَ مِنْ قَسْوَرَةٍ.

سو انہیں کیا ہے کہ وہ اس تذکرہ سے اعراض کرنے والے ہیں گویا کہ وہ
بد کے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگے ہوں۔

=====

مہدی موعود شیر خدا ہوگا اور اس کے مخالف کالجِ حمار

مندرجہ بالا آیت کے الفاظ فَمَالَهُمْ یعنی انہیں کیا ہے۔ یا ان پر کیا آفت آئی ہے۔
ظاہر کر رہے ہیں کہ ذکر ان لوگوں کا ہو رہا ہے جن سے امید یہ کی جاتی تھی کہ وہ تذکرہ سے
اعراض نہیں کریں گے مگر اس کے باوجود انہوں نے اعراض کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص احیاء
اسلام کے لئے آئے گا اسے ماننے کی سب سے زیادہ توقع مسلمانوں اور ان میں سے بھی ان
کے علماء ہی سے ہو سکتی تھی۔ اس لئے اس میں یہ بتایا کہ اس زمانہ کے مسلمان بالعموم اور ان کے
اَئِمَّة بالخصوص ماننے کی بجائے اس سے اس طرح بھاگیں گے جیسے وہ گدھے ہوں جو شیر کو دیکھ
کر بھاگے ہوں۔

اس میں نہایت لطیف ہدایہ میں یہ بتایا کہ جہاں مسیح موعودؑ کی حیثیت خدا کے شیر کی
ہوگی وہاں اس کے زمانہ کے علماء کی مثال گدھے کی ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت
مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے ایک خاص موقع پر فرمایا ”میں شکار نہیں ہوں شیر
ہوں اور شیر بھی خدا کا۔“ (حیاتِ طیبہ ص ۳۳۸) اور چونکہ سورۃ الجمعہ آیت ۲ میں یہود کے
متعلق کہا گیا ہے کہ انکی مثال گدھے کی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں۔ اسلئے اس میں جہاں
یہ بتایا ہے کہ باوجود کتابیں پڑھے ہوئے ہونے کے وہ مغز دین سے بالکل ناواقف اور جاہل محض
ہوں گے وہاں یہ بھی بتایا کہ وہ مسیح ناصریؑ کا انکار کرنے والے یہود کے ہمرنگ ہوں گے۔
چنانچہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے علماء کی صدیقی حالت ہے۔ تقویٰ نام کی کسی چیز سے یہ
آشنا نہیں۔ جموٹ بولنا فریب دینا اور دینی کتب میں تحریف کرنا ان کا شیوہ بن چکا ہے۔ حدیث
مسلم کتاب الفتن میں آنوالے ابن مریم کو چار بار نبی اللہ کہا گیا ہے مگر اب اس کتاب کا ایک

ایڈیشن شائع کیا گیا ہے جس میں نبی اللہ کے الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں۔ وجہ یہ کہ یہ لوگ مسیح موعودؑ کو ماننا نہیں چاہتے خواہ اس کیلئے محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی چھوڑنا پڑے۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ اس طرح تحریف کے مرتکب ہو کر یہ اپنے مثیلانِ یہود ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔ لیکن جہاں ہمیں ان علما کی حالت پر افسوس ہے وہاں یہ بات ہمارے ایمانوں کو بڑھاتی بھی ہے کیونکہ یہ باتیں قرآن کریم اور آنحضرتؐ نے سینکڑوں سال پہلے ہی سے بتا دی تھیں۔ صدق اللہ ورسولہ۔

ائمہ سلف نے بھی یہ خبر دی تھی کہ علماء وقت مہدی کا انکار کریں گے چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں ”وَإِذَا خَرَجَ هَذَا الْإِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهُ عَدُوٌّ مُبِينٌ إِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً فَإِنَّهُ لَا يَبْقَى لَهُمْ رِيَاسَةٌ وَلَا تَمِيزٌ عَنِ الْعَامَّةِ“ (فتوحات مکہ جلد ۲ ص ۳۷۴) یعنی جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو ان کے کھلے کھلے دشمن اس زمانہ کے علماء اور فقہاء کے سوا کوئی نہ ہوگا اور وہ اس لئے دشمن ہوں گے کہ اگر وہ مہدی کو مان لیں تو انہیں عوام پر سرداری اور امتیاز باقی نہ رہے گا۔

=====

مہدی موعودؑ پر یہ اعتراض ہوگا کہ اسکے متعلق صحفِ سابقہ میں کوئی واضح پیشگوئی نہیں ہے حالانکہ پیشگوئیاں تو ہوں گی مگر اہل نظر کیلئے

فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ كَانَهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (الدھر ۷۴: ۵۱، ۵۰) کے بعد ہے :-

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا مُنَشَّرَةٌ (۵۳)
كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ (۵۴)

(بات یہ نہیں ہوگی کہ انہیں آنے والے نبی کی پہلے سے خبر نہیں دی گئی ہوگی) بلکہ (بات یہ ہوگی کہ) ان میں سے ہر کوئی چاہے گا کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں (لیکن اصل وجہ انکار یہ بھی نہیں ہوگی) بلکہ (یہ ہوگی کہ) وہ آخرت کا خوف رکھنے والے نہیں ہوں گے۔

مطلب یہ کہ آنے والے نبی کے متعلق قرآن اور دوسرے صحیفوں میں پیشگوئیاں تو موجود

ہوں گی مگر ان میں سے ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے صحیفوں کی طرح نہیں ہوں گی۔ یعنی تقویٰ شعار رَاسُخُونَ فِی الْعِلْمِ یا جن پر خدا کا خاص فضل ہو جائے۔ ان کو تو یہ پیشگوئیاں نظر آجائیں گی (جس کا ایک ثبوت یہ کتاب ہے) مگر ہر کسی کو نظر نہیں آئیں گی۔ لیکن ان کا مطالبہ یہ ہوگا کہ ایسی پیشگوئیاں دکھائی جائیں جو ان میں سے ہر کسی کے لئے کھلے ہوئے صحیفوں کی طرح ہوں حالانکہ ایسا ہوتا تو ایمان کی کوئی قیمت ہی نہ رہتی۔ فرمایا ان کے انکار کی اصل وجہ یہ نہیں کہ انہیں اس موعود کے متعلق واضح پیشگوئیاں نہیں ملیں گی بلکہ اصل وجہ آخرت کے خوف کا نہ ہونا ہوگی۔ مطلب یہ کہ ایسی پیشگوئیوں کا مطالبہ وہ آخرت کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے کریں گے۔

اب دیکھ لیجئے یہ پیشگوئی بھی کس صفائی سے پوری ہوئی ہے آخرت سے ڈرنے والے بہتوں نے قرآن حدیث اور دوسرے صحیفوں میں مہدی مسعود المسعود کے متعلق پیشگوئیوں کو دیکھا اور جان لیا کہ ان کا مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی ہیں لیکن جو آخرت کا خوف نہیں رکھتے وہ دیکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (الاعراف: ۷: ۱۹۹) کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:-

كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرَةٌ (۵۵) فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ (۵۶) وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (۵۷)

(ان کا یہ خیال کہ قرآن میں آنے والے نبی کے متعلق کوئی یاد دہانی یعنی پیشگوئی اور کوئی نصیحت موجود نہیں) ہرگز (درست) نہیں بلکہ یہ ایک تجسم یاد دہانی ہے۔ اس لئے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے (ہاں یہ ضرور ہے کہ نصیحت حاصل کرنا خدا کا ایک فضل اور انعام ہے اسلئے) سوائے اسکے کہ اللہ چاہے (یعنی وہ انہیں ہدایت کا اہل پائے) وہ نصیحت حاصل نہیں کر سکیں گے وہ اس بات کا اہل ہے کہ اس کا تقویٰ اختیار کیا جائے اور وہی اس بات کا اہل ہے کہ اس سے مغفرت طلب کی جائے۔

مطلب یہ کہ جو تقویٰ شعار ہوتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں وہ ان کی کمزوریاں ڈھانپ دیتا ہے اور انہیں قبول ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے لیکن جو تقویٰ شعار نہیں ہوتے انہیں وہ اس

سعادت سے محروم رکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں ہوتے یہی وجہ ہے جو قرآن کو صرف متقیوں کے لئے ہدایت قرار دیا گیا (البقرہ ۳:۲)۔ چنانچہ ان پیشگوئیوں کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے فرمایا۔ ع
جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار

=====

سورة القیامة میں ذکر المہدیؑ

جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے سورة المدثر کی مندرجہ بالا آیات میں بتایا گیا تھا کہ قرآن میں آنے والی یاد دہانیوں اور نصائح کے باوجود بعض مسلمان کہلانے والے بھی آنے والے رسول کو نہیں مانیں گے اور ان کا یہ ماننا آخرت کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ چونکہ عدم خوف عدم یقین کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اس لئے اگلی سورة القیامة کے شروع میں فرمایا:-

لَا أَقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ (۲)

نہیں میں قسم کھاتا ہوں القیامة کے دن کی۔

جب کسی چیز کا ذکر ہو رہا ہو اور آپ کہیں کہ نہیں میں قسم کھاتا ہوں فلاں چیز کی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی وہ اس پر شاہد ہے کہ حقیقت اس بات کے برعکس ہے جس کی نفی کی گئی۔ لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ لوگوں کا یہ خیال کہ کوئی قیامت نہیں آئی غلط ہے میں دنیا میں برپا ہونے والی قیامت کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ اخروی قیامت بھی ضرور آئیگی۔ اس پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ دنیا میں برپا ہونے والی قیامت سے کیا مراد ہے اور کیا لوگ اس دلیل کو مان لیں گے یعنی یہ یقین کر لیں گے کہ دنیا میں ایسی قیامت برپا ہونے والی ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا:-

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نُّجْمَعَهُ عِظَامَهُ (۴) بَلَىٰ قَدَرِینَ

’علیٰ اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهُ‘ (۵)

کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے۔ بیشک (ہم ضرور کریں گے) ہم قادر ہیں کہ اس کی پور پور کو درست کر دیں۔

یہاں ہڈیوں کے جمع کرنے اور (جیسا کہ بَلٰی قَدَرِیْنِ عَلٰی اَنْ تُسَوِّیَ بَنَانَهُ سے ظاہر ہے) بغرض اصلاح جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن اُخروی قیامت کے دن تک تو انسان کی ہڈیاں موجود ہی نہیں ہوں گی اس لئے یہ جمع کرنا اس دن نہیں ہو سکتا اور دنیا میں جب انسان کی حالت ایسی ہو جائے کہ اس کی صرف ہڈیاں رہ جائیں اور وہ بھی بکھر جائیں تو اس وقت وہ یقیناً مر چکا ہوتا ہے اور اس کی کسی اصلاح اور درستی کا سوال باقی نہیں رہتا۔ لہذا یہاں عظام یعنی ہڈیوں کے الفاظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں اور ہر فرد کی ہڈیوں کے بکھر کر الگ الگ ہو جانے کا ذکر نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کے مختلف افراد کا ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جانا یعنی ان میں افتراق و انتشار کا پیدا ہو جانا مراد ہے۔ اور بتایا یہ گیا ہے کہ جس طرح اس وقت (یعنی ان آیات کے زوال کے وقت) انسان اپنی اصلاح سے مایوس ہو چکا ہے ایسا ہی آئندہ ایک زمانہ میں بھی ہوگا۔ یعنی اس زمانہ میں بھی جنس انسان کے روحانی جسم کا گوشت پوست جس سے اس کا سارا حسن ہوتا ہے بالکل اتر چکا ہوگا۔ اور جو ہڈیاں رہ جائیں گی وہ بھی بکھر چکی ہوں گی یعنی لوگوں میں روحانی و اخلاقی انحطاط کے علاوہ باہمی افتراق و انتشار بھی واقع ہو چکا ہوگا۔ اور وہ اپنی اصلاح سے اس حد تک مایوس ہو چکے ہوں گے کہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ اب ان کی اصلاح ممکن ہی نہیں۔ جو دراصل خدا تعالیٰ کے اس پر قادر ہونے میں شک کے مترادف ہوگا۔ لیکن یہ ان کی غلطی ہوگی کیونکہ خدا تعالیٰ ان کی ہڈیوں کو جمع ہی نہیں کرے گا وہ ان کی پور پور کو درست کرنے پر بھی قادر ہے۔ یعنی جہاں وہ معاشرہ کی عمومی اصلاح کا سامان کرے گا وہاں بعض افراد معاشرہ کو کامل انسان بھی بنادے گا۔ گویا جس طرح سورۃ البقرہ کی آیت اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلٰی قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰی غُرُوفِهَا۔ میں ایک مردہ بستی کے زندہ کرنے کا ذکر ہے اور اسے ہڈیوں کے جمع کرنے اور پھر ان پر گوشت چڑھانے سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح ان آیتوں میں ہڈیوں کے جمع کرنے اور انسان کی پور پور کے درست کرنے سے روحانی اور اخلاقی طور پر مردہ لوگوں کو زندہ کرنا اور ان کا تسویہ کرنا مراد ہے۔ فرمایا:-

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجَرَهُ آمَامَهُ (۶)

بات یہ نہیں بلکہ بات یہ ہوگی کہ انسان چاہیگا کہ اس (قیامت کے آنے) سے پہلے فسق و فجور ہی میں مبتلا رہے۔

ظہور مہدئی کی ایک علامت جنسی بے راہ روی کا حد سے گزرتا

ان آیتوں میں بتایا گیا کہ گو اس وقت انسان بظاہر خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے انہاء اور اصلاح معاشرہ کے سامان ہونے سے مایوسی کا اظہار کرے گا لیکن درحقیقت وہ اصلاح چاہے گا ہی نہیں۔ وہ چاہے گا کہ آئندہ بھی فسق و فجور میں مبتلا رہے۔ دوسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ وہ چاہے گا کہ جو موقعہ اس وقت اسے منیر ہے اس میں فسق و فجور میں مبتلا رہے اور اپنی اصلاح کو فردا پر اٹھا رکھے۔ یہ بھی اس کے معنی ہیں کہ اس وقت انسان بدیوں اور بے حیائیوں کا ارتکاب چھپ کر نہیں کرے گا۔ انسان انسان کے سامنے کھلم کھلا بدیاں کرے گا اور شرمائے گا نہیں۔ یعنی قوم لوط کی طرح وَلَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ الْمُنْكَرَ (العنکبوت ۲۹:۳۰) کا مصداق ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس زمانہ میں یورپین ممالک میں بلکہ ہمارے یہاں بھی بعض ہٹلوں وغیرہ میں کھلے بندوں شرا میں لپی جاتی ہیں اور بدکاریاں ہوتی ہیں۔ مردوں کے مردوں سے بیاہ گرجوں میں ہو رہے ہیں۔ SWINGING CLUBS بنی ہوئی ہیں جن میں لوگ وقتی طور پر اپنی بیویاں دوسروں سے بدل لیتے ہیں۔ ہم جنسی کے حق میں جلوس نکل رہے ہیں اور بین الاقوامی سطح پر ہم جنس پرستوں کے ”اس حق“ کے تحفظ کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ناطقہ سرگرمیاں کہ اسے کیا کہئے

خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھئے

امریکہ کی ایک عورت نے ان حالات کو اپنی سمجھ کے مطابق بہ اس الفاظ بیان کیا ہے کہ ”اگر اہل امریکہ پر عذاب نہ آیا تو خدا تعالیٰ کو سدوم کی بستی سے معذرت کرنا پڑے گی۔“ مطلب یہ کہ وہ بدی جو اہل سدوم یعنی قوم لوط میں پائی جاتی تھی ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مگر امریکہ پر بس نہیں دوسرے بہت سے ممالک کی جنسی بے راہ روی کا اس وقت یہی حال ہے۔ پس یہ بھی ایک علامت ظہور مہدئی کی تھی جو پوری ہو چکی ہے۔

فرمایا جب اخروی قیامت کے ثبوت میں دنیا ایک قیامت کے برپا ہونے کی تحدی کی جائیگی تو

يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ (۷)

انسان پوچھے گا وہ قیامت کا دن کب آئے گا؟

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (۸) وَخَسَفَ الْقَمَرُ (۹) وَجُمِعَ الشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ (۱۰)

سو جب آنکھ چندھیا جائے گی اور چاند گہنا جائے گا اور سورج اور چاند جمع
کیئے جائیں گے (اس وقت وہ قیامت آئے گی)۔

=====

مہدی موعود کے وقت میں شمس و قمر کو گرہن میں جمع کئے جانکی پیشگوئی

بَرِقَ بَصَرُهُ کے معنے ہوتے ہیں اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور حیرت و دہشت کے
باعث یا تیز روشنی کے باعث وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہ رہا۔ پس مندرجہ بالا آیت میں خدا تعالیٰ
نے بتایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ ایک طرف دنیا میں نہایت محیر العقول اور دہشت ناک واقعات
ہوں گے اور دوسری طرف ایک ایسی تیز روشنی نمودار ہوگی کہ نظریں اسے دیکھنے کی تاب نہیں
لا سکیں گی اس وقت قمر کو گرہن لگے گا اور شمس و قمر جمع کیئے جائیں گے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ بمطابق آیت لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ
(یس ۳۶:۴۱) ظاہر میں سورج اور چاند جمع نہیں ہو سکتے لہذا یہ جمع ہونا گرہن ہی میں ہو سکتا
ہے۔ لیکن قانون قدرت یہ ہے کہ چاند کو ہمیشہ قمری مہینہ کی تیرہویں چودھیں یا پندرہویں رات کو
اور سورج کو بھی قمری مہینہ کی ہی ستائیسویں اٹھائیسویں اور اُنیسویں دن میں سے ایک دن گرہن
لگا کرتا ہے۔ اس لئے اس اجماع سے یہ مراد بھی ہو سکتی کہ ایک ہی دن گرہن لگے گا۔ ہاں
کسی ایک ہی مہینہ میں دونوں کو گرہن لگنا مراد ہو سکتا ہے۔ لیکن کوئی بھی مہینہ ایسا نہیں ہوگا جس
میں چاند اور سورج کبھی نہ کبھی گرہن میں جمع نہ کیئے گئے ہوں اس لئے یہ اجماع بھی قرب
قیامت کی علامت صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جو اس کے ساتھ کوئی اور شرط بھی وابستہ ہو۔
اور وہ شرط إِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ میں موجود ہے۔ چونکہ اس میں ایسے زمانہ کی خبر دی گئی ہے جس
میں ایک طرف نہایت مُحْجِرُ الْعُقُول اور دہشت ناک واقعات ہوں گے اور دوسری طرف ایسی
تیز روشنی بھی نمودار ہوگی جو جنس انسان کی آنکھوں کو خیرہ کر دے گی۔ مادی روشنی تو کوئی ایسی ممکن
نہیں جو ساری دنیا کی آنکھیں بیک وقت خیرہ کر دے اور اگر ہو بھی تو وہ محیر العقول واقعات میں

شامل ہوگی اس لئے اس سے روحانی روشنی ہی مراد ہو سکتی ہے۔ اور سب سے زیادہ روحانی روشنی یعنی نور کے حامل وجود انبیاء ہی کے ہوتے ہیں پس اس میں ایک عالمگیر نبی کی خبر ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد صرف ایک نبی کے آنے کی خبر دی ہے اور اسی کا نام مہدی رکھا ہے اس لئے یہ خبر اسی کے بارہ میں ہو سکتی ہے اور بتایا یہ گیا ہے کہ پہلے مہدی کا ظہور ہوگا پھر قمر اور شمس کے گرہن میں جمع کئے جانے کا واقع ہوگا اور اس کے بعد قیامت برپا ہوگی یعنی عالمگیر سطح پر روحانی مُردوں کا اِخْیاء ہوگا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا کہ اِنَّا لَمَهْدِيْنَا اَيُّتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مِنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لَآوَلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ۔ (امام مہدی کا ظہور بحوالہ بحار الانوار و اکمال الدین و دارقطنی) کہ ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں۔ جب سے زمین و آسمان بنے یہ نشانیاں کسی اور زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئیں اور وہ نشانیاں یہ ہیں کہ قمر کو رمضان میں گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات اور سورج کو گرہن کے دنوں میں سے درمیانے دن گرہن لگے گا۔ یہ واقعہ دو دفعہ ہوگا اور محمدی مہدی کے وقت میں ہوگا اس سے پہلے کسی مہدی کے وقت میں کبھی نہیں ہوا۔

عجیب بات ہے کہ ۱۸۸۹ء میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے موعود مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد ۱۳۱۱ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں یہ نشان مشرق میں اور ۱۸۹۵ء میں مغرب میں ظاہر ہوا۔ ازہر یونیورسٹی کے ایک نابغہ روزگار علامہ محمد حسین نے اپنی کتاب المہدویۃ فی الاسلام کے صفحہ ۲۷۱ پر تسلیم کیا ہے کہ چاند سورج کے گرہن کا یہ نشان اگر کسی مدعی مہدویت کے زمانہ میں پورا ہوا تو وہ بانی سلسلہ احمدیہ ہیں۔ (جدید علم کلام کے عالمی اثرات صفحہ ۳۲) جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ کے یہ معنی بھی ہیں کہ یہ باتیں اس وقت ہوں گی جب ایک ہی وجود میں شمس و قمر جمع ہوں گے یعنی ایک ایسا شخص ظاہر ہوگا جو ایک اعتبار سے شمس اور ایک اعتبار سے قمر ہوگا۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو آفتاب روحانیت کے شمس ہیں اسے قمر کی نسبت ہوئی لیکن بوجہ نبی اللہ ہونے کے وہ شمس بھی ہوگا۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے وجود میں یہ پیشگوئی تمام و کمال پوری ہوئی اور آپ نے خود بھی فرمایا ع
ی درخشم چوں قمر تاہم چوں قمر آفتاب

مہدی کے وقت لوگ سمجھیں گے کہ وہ آزاد ہیں جو چاہیں کریں

اگلی آیات میں کچھ ضمنی مگر نہایت ضروری باتیں بیان کرنے کے بعد سورۃ کے اصل موضوع کی طرف عود کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى (۳۷)

کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے۔

مطلب یہ کہ نزولِ قرآن کے زمانہ کے انسان کی طرح اُس زمانہ کا انسان بھی جو بمطابق آیت بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ بے حیائی میں اتنا بڑھ چکا ہوگا کہ کھلے بندوں بدیوں کا ارتکاب کرے گا اور شرمائے گا نہیں۔ وہ سمجھے گا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے کسی ہادی کے آنے اور اس پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی سوال نہیں وہ آزاد ہے جو چاہے کرے مگر یہ اس کی غلطی ہوگی بے مہار تو اُونٹ کو بھی نہیں چھوڑا جاتا انسان کو بے قید کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیات میں اُسے محمدیہ کے اندر رسول کے آنے کی ضرورت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا:-

الْم يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُُمْنَىٰ (۳۸) ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً

فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ (۳۹) فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

وَالْأُنثَىٰ (۴۰)

کیا انسان قطرہ منی نہیں تھا جو (رحمِ مادر میں) ڈالا گیا۔ پھر وہ عَلَقہ بنا تو

اس نے اس کی تشکیل کی پھر اس کا تسویہ کیا۔ پھر اس میں سے دو صنفیں

بنائیں نر اور مادہ۔

فرمایا انسان کو سوچنا چاہیے کہ کیا وہ ایک قطرہ منی نہیں تھا جو ڈالا گیا۔ ”ڈالا گیا“ کے الفاظ ڈالنے والے کو چاہتے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ پہلی دفعہ نطفہ کا ڈالنے والا خود نطفہ کی پیدائش نہیں ہو سکتا۔ لہذا يُمْنَىٰ کا لفظ رکھ کر جو مضارع کا صیغہ ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے جہاں یہ بتایا کہ جب ایک دفعہ نطفہ سے انسان کی پیدائش ہوئی تو اس وقت سے یہی طریق

پیدائش جاری ہے وہاں اس میں انسان کی پیدائش کے طریق میں تبدیلی کی طرف بھی اشارہ کیا اور بتایا کہ پہلے جو انسان وجود میں آیا وہ کسی کا نطفہ نہیں تھا۔ مگر بعد میں نطفہ سے پیدائش ہونے لگی۔ پھر اس میں یہ اشارہ بھی کیا کہ گو نطفہ میں انسان بننے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے لیکن نہ تو یہ صلاحیت کسی کو نظر آتی ہے اور نہ وہ از خود انسان بن سکتا ہے بلکہ وہ اس مقام کی طرف جو اس کی ابتدائی نشوونما کے لئے ضروری ہے یعنی رحمِ مادر کی طرف از خود ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ پہلی بار بھی یہی ہوا کہ نطفہ کو ڈالا گیا یعنی اس مقام تک جو اس کی نشوونما کے لئے ضروری تھا لے جایا گیا جو ظاہر ہے کہ ابوالبشر آدم ہی کے ذریعہ (جو خود نطفہ کی پیدائش نہیں تھا) ہوا پھر وہ عِلْقَہ بنا۔ نطفہ کا عِلْقَہ میں تبدیل ہونا دراصل خدا تعالیٰ کے فعل سے ہوتا ہے جیسا کہ قرآنی الفاظ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عِلْقَہ (المومنون ۱۵:۲۳) سے ظاہر ہے لیکن یہاں اسے انسان کی طرف منسوب کیا ہے تا اشارہ ہو کہ یہاں جسمانی سلسلہ سے روحانی سلسلہ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کیونکہ روحانی سلسلہ میں اس کے مقابل پر جو مرحلہ ہے اس میں انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال اس میں بتایا کہ جب وہ نطفہ عِلْقَہ بن گیا یعنی اس نے اس مقام سے جو اس کی نشوونما کے لئے ضروری تھا اتصال پکڑ لیا فَخَلَقَ فَمَسْوٰی تو خدا تعالیٰ نے (سورۃ المومنون کے مطابق مختلف مراحل میں سے گزار کر) اسے پیدا کیا (یعنی انسانی صورت دی) پھر اس کا تسویہ کیا۔ یا یہ کہ جب اس نے اس مقام سے اتصال پکڑ لیا تو خدا تعالیٰ نے اس کی استعدادوں کا جو اس میں ہونی چاہئیں اندازہ کیا اور اس کے مطابق اسے تکمیل کو پہنچایا۔ (لفظ خَلَقَ کے معنی اندازہ کرنے کے بھی ہوتے ہیں)۔ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثٰی پھر اس میں سے دونوں صنفیں پیدا کیں مرد بھی اور عورت بھی۔ یہی حال انسان کی روحانی پیدائش کے اس سلسلہ کا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوا۔ جس طرح وہاں ابتداء میں ایک مرد تھا جو کسی کا نطفہ نہیں تھا لیکن اس کے بعد جو انسان پیدا ہوئے وہ نطفہ سے پیدا ہونے لگے۔ یہاں بھی ابتداء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے یعنی ایسے رجل سے ہوئی جو روحانی اعتبار سے کسی کا نطفہ نہیں یعنی وہ اپنا روحانی وجود پانے کے لئے کسی اور کا مرہون منت نہیں ہوا لیکن اس کے بعد اس کی روحانی نسل بھی اس کی زینہ روحانی اولاد ہی سے چلی اور وہ لوگ جو روحانی اعتبار سے بمنزلہ اثاث کے تھے زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں صرف مددگار ہو سکے تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اس

زمانہ میں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی روحانی نسل کے ساری دنیا میں پھیلا دینے اور غالب کر دینے کا زمانہ ہے وہ صرف ان لوگوں پر جو روحانی اعتبار سے زمرہ اثاث میں سے ہیں اس کام کو چھوڑ دیتا اور کوئی مرد کھڑا نہ کرتا۔ یا کھڑا تو کرتا لیکن وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی روحانی نسل میں سے نہ ہوتا۔ بلکہ ضرور تھا کہ وہ اس کام کے لئے آپ کی روحانی اولاد میں سے کوئی مرد کھڑا کرتا بلکہ مرد ہی کھڑا نہ کرتا کام کی وسعت اور اہمیت کے مد نظر کوئی غیر معمولی طاقتوں والا مرد یعنی رجل کامل یا بہ الفاظ دیگر عظیم الشان نبی کھڑا کرتا۔

=====

مہدی موعود محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمّتی اور روحانی فرزند ہوگا

پس ان آیات میں انسانی نسل کی جسمانی پیدائش کی مثال دیتے ہوئے نہایت خوبصورت ہدایہ میں یہ سمجھایا گیا کہ گو اسلام کے روحانی سلسلہ کے ابتدائی نبی محمد رسول اللہ ﷺ کسی کے اُمّتی نہیں تھے لیکن آئندہ کے لئے حکیم الہی نے یہی چاہا ہے کہ اس سلسلہ کی اصلاح اور ترقی آپ کی روحانی زینہ اولاد کے ذریعہ ہو۔ یعنی جو شخص بھی اس مقصد کے لئے کھڑا کیا جائے وہ آپ کا اُمّتی اور روحانی فرزند ہو۔

چنانچہ سورۃ الکوثر میں بھی آنحضرت ﷺ کو ایک عظیم روحانی فرزند کا وعدہ دیا گیا (دیکھیں صفحہ ۷۰۲ کتاب ہذا) بلکہ آنحضرت ﷺ نے صاف فرمایا ہے اَلْمَهْدِيُّ وَلَدِي اِسْمُهُ اِسْمِي وَكُنْيَتُهُ كُنْيَتِي۔ یعنی مہدی میرا بیٹا ہے اس کا نام میرا نام ہے اور اس کی کنیت میری کنیت ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا جو مہدی موعود بن کر آئے اصل نام آنحضرت ﷺ کے نام کی طرح احمد تھا۔ رہی کنیت تو آنحضرت ﷺ کی کنیت ابو القاسم تھی اور مہدی کے متعلق آپ ہی نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ وہ اتنا مال تقسیم کرے گا کہ لینے والے تھک جائیں گے اور اس اعتبار سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب یقیناً ابو القاسم تھے۔ یہی نہیں کہ حدیث میں مہدی موعود کا اپنا نام بتایا گیا بلکہ آپ کے والد کا نام بھی بتایا گیا۔ حضرت عبداللہ علیہ السلام سے داؤد (راوی) نے پوچھا مَا اِسْمُهُ مہدی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا اِسْمُهُ اِسْمُ النَّبِيِّ وَاسْمُ اَبِيهِ اِسْمُ الْوَصِيِّ اس کا نام نبی کریم ﷺ کے نام ہے یعنی محمد اور

احمد اور اس کے والد کا نام وصی یعنی حضرت مولا مرتضیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ اس حدیث کے مطابق آپ کے والد کا نام مرتضیٰ ثابت ہوتا ہے اور خاندانی نام غلام ساتھ ملا لیں تو غلام مرتضیٰ اور یہی ان کا نام تھا۔

(موعود اقوام عالم ۱۷)

پس یہ خیال کہ گذشتہ صبح ابن مریم آکر امت محمدیہ کی اصلاح کرے گا صریحاً غلط ہے۔ جس نے آنا تھا امت میں سے آنا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاف فرمایا اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ تمہارا امام تم میں سے ہوگا باہر سے نہیں آئے گا۔

=====

سورة الدھر میں مہدی موعود کا ذکر ظہور مہدی کے وقت کی بعض علامتیں

جب امت محمدیہ میں رسول کے آنے کی ضرورت کو واضح کر دیا گیا (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) تو اس کے بعد یہ بتانے کو کہ جہاں اُس زمانہ میں بعض لوگ نبی کی ضرورت کے قائل نہیں ہوں گے وہاں بعض دوسرے لوگ جو اس کی ضرورت کے قائل ہوں گے یا ان دلائل کو سن کر قائل ہو جائیں گے وہ اس کے آنے کے لئے بے قراری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ نبی موعود کب آئے گا وہ آتا کیوں نہیں۔ نیز یہ جاننا چاہیں گے کہ وہ کن لوگوں میں سے آئے گا ان میں سے پہلے سوال کا جواب دینے کے لئے اگلی سورة یعنی سورة الدھر کے شروع ہی میں فرمایا:-

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا
مَّذْكُورًا (۲)

کیا اس لیے زمانہ میں جو انسان کی پیدائش پر گزرا ہے اس پر وہ وقت آگیا ہے جب وہ کوئی شی مذکور نہیں رہا۔

مطلب یہ کہ جب انسان بحیثیت جنس ایسا کمالِ انعام بلْہُمْ أَضَلُّ کا مصداق ہو جائیگا کہ اسے دوسرے جانداروں پر کوئی شرف حاصل نہیں رہے گا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ بنی نوع انسان کی اکثریت روحانی اعتبار سے مردہ ہو جائیگی تو وہ وقت موعود رسول کے آنے کا وقت ہوگا۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ. نَبْتَلِيهِ فَبَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (۳)

اگر وہ وقت آگیا ہے تو سمجھ لو کہ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ ہم نے اس انسان کو بھی (جو جنس بھی ہوگا اور قمر بھی اور مہدی موعود بھی اور جس کے ہاتھ پر روحانی مردوں کا احیاء مقدر ہے یعنی موعودہ قیامت برپا ہونی ہے) پیدا کر دیا ہے (مطلب یہ کہ وہ وقت آنے پر ہم اسے ضرور بالضرور پیدا کریں گے)۔

گویا پہلی آیت میں الْإِنْسَانَ سے مراد جس انسان ہے اور دوسری آیت میں اس سے مراد وہ حاشر ہے جس کے ہاتھ پر آئندہ زمانہ میں روحانی مردوں کا احیاء مقدر کیا گیا۔ چنانچہ جب اس موعود نے ظہور کیا تو اس پیشگوئی کی تصدیق میں اسے الہام ہوا "إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ لِيَوْمِ مَوْعُودٍ" (تذکرہ طبع سوم صفحہ ۲۱۲) یقیناً ہم نے الْإِنْسَانَ کو یوم موعود میں پیدا کیا ہے۔ اور چونکہ اصل حاشر حضرت نبی کریم ﷺ ہی ہیں جیسا کہ حضور کے قول اِنَّا الْحَاشِرُ الْاَلَدٰی يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمٰی سے ظاہر ہے اس لئے رجل موعود کو یہ نام دینے میں اس کے بروز محمد رسول اللہ ﷺ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے جو مجدد صدی تھے ان کے متعلق فرمایا "هُوَ شَرْحٌ لِلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِيِّ وَنُسْخَتُهُ مَنَسْخَةٌ مِنْهُ (الخیر الکثیر) کہ وہ اسم جامع محمدی کی شرح ہوگا اور اس کے نسخہ کی نقل ہوگا۔ پھر فرمایا یَنْعَكِسُ فِيْهِ اَنْوَارُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ (ﷺ)۔ اس میں سید المرسلین (ﷺ) کے انوار منعکس ہوں گے۔"

چونکہ اس جگہ لفظ انسان کو دہرایا گیا ہے دوسری آیت میں ضمیر نہیں لائی گئی اس لئے ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی آیت میں الْإِنْسَانَ سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہوں (یہ مفہوم مولانا عبداللطیف صاحب بہاولپوری نے اپنی تفسیر سورۃ القیلۃ والدر میں لیا ہے) اور

دوسری آیت میں اس سے مراد وہی موعود ہو جس کے ہاتھ پر آئندہ زمانہ میں روحانی مُردوں کا احیاء مقدر کیا گیا۔ اور استفہام کے پیرایہ میں یہ بتایا گیا ہو کہ جب ایسا وقت آجائے گا کہ انسان کامل محمد رسول اللہ ﷺ کی مذکور نہیں رہیں گے یعنی وہ مقام شرف جو آپ کو درحقیقت سب اولین و آخرین سے زیادہ حاصل ہے دشمنوں کے جھوٹے پراپیگنڈہ کی وجہ سے دنیا کی نگاہ میں حاصل نہیں رہے گا۔ یعنی برطابق آیت إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اس سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور مسلمان بھی تبلیغ سے غافل ہو کر آپ کی شخصیت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا چھوڑ دیں گے۔ اور دنیا اس بات کو بھول جائے گی کہ آپ ہی وہ موعود ہیں جن کا تمام سابقہ کتب سماوی میں ذکر تھا۔ تو سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے وہ شخص بھی پیدا کر دیا ہے (یعنی ضرور پیدا کر دے گا) جس کے ہاتھ پر سورۃ سابقہ میں مذکور روحانی انقلاب کا جو ایک قیامت کا نمونہ ہوگا آنا مقدر ہے اور جس کے آنے پر اَلْاِنْسَانُ یعنی انسان کامل محمد رسول اللہ ﷺ کو آپ کا صحیح مقام دوبارہ مل جائے گا۔

=====

مہدی موعود کا تعلق مختلف خاندانوں سے ہوگا اور اسکے وجود میں تمام نبی جمع ہونگے

دوسرا سوال یہ تھا کہ نبی موعود کن لوگوں میں سے ہوگا اس کا جواب مِنْ نُطْفَةِ اَمَشَاج کے الفاظ میں دیا گیا۔ اَمَشَاج مَشِیْج کی جمع ہے جس کے معنی مرکب کے ہیں۔ پس نُطْفَةِ اَمَشَاج کے معنی مرکبات سے مرکب نطفہ کے ہوئے۔ اس میں بتایا کہ اس موعود کے شجرہ نسب میں مختلف خاندانوں کا پیوند ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ایک طرف فارسی الاصل تھے دوسری طرف آپ کی بعض نانیاں اور دادیاں سادات میں سے تھیں۔ تیسری طرف آپ کے شجرہ طہیہ کی شاخیں ترکی اقوام کے خاندان مغلیہ تک پھیلی ہوئیں تھیں۔

لفظ نطفہ کا استعمال مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ہو تو مِنْ نُطْفَةِ اَمَشَاج کے الفاظ میں یہ اشارہ کیا گیا کہ رحل موعود میں تمام نبیوں کے خواص جمع ہوں گے۔ چنانچہ اسی کے مطابق خدا تعالیٰ نے اپنے الہام میں اسے ”جَبْرِی اللّٰہِ فِی حُلُلِ الْاَنْبِیَاء“ قرار دیا یعنی خدا کا رسول

نبیوں کے پیروں میں۔ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُفْتَتِحَتْ میں بھی اسی طرف اشارہ قرآنی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو جعفرؑ کی ایک لمبی روایت میں ہے کہ مہدی جب آئے گا تو آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، محمد رسول اللہؐ اور دیگر کئی نبیوں کے نام لے کر کہے گا کہ جو ان کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مجھے دیکھ لے کہ میں وہی ہوں۔ چنانچہ مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے آکر یہی فرمایا کہ:-

آنکہ داد است ہر نبی راجام
داد آل جام را مرا بتمام
زندہ شد ہر نبی بہ آمدنم
ہر رسولے نہاں بہ پیرانم

بہر حال اس آیت کے یہ معنی لیں تو نَبْتَلِيْہ کا مطلب یہ ہوگا کہ موعود انسان کو خدا تعالیٰ نے نطفہ امشاج سے اس ارادہ کے ساتھ پیدا کرے گا کہ پہلے اسے آزمائے اور جب وہ اس آزمائش پر پورا اترے تو اسے سمیع و بصیر بنا دے یعنی صاحب الہام بنا کر صاحب بصیرت بنا دے۔ چنانچہ جب وہ موعود یعنی مہدی مسعود علیہ السلام ظاہر ہوا تو اس نے خود لکھا کہ ”میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ (جسمانی و روحانی) دونوں قسم کی سختی سے میرا امتحان لیا گیا۔“

رہا سمیع و بصیر ہونا تو اس کے متعلق آپؑ فرماتے ہیں

”میں ہلکی اور ظنتی الہام کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ یقینی اور قطعی وحی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں..... مجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے دلائل قاطعہ سے یہ علم دیا گیا ہے اور ہر ایک وقت دیا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی القاء ہوتا ہے اور جو وحی میرے پر نازل ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے نہ شیطان کی طرف سے میں اس پر ایسا ہی یقین رکھتا ہوں جیسا کہ آفتاب اور ماہتاب کے وجود پر۔“

=====

مہدیؑ کو مان کر استقامت دکھانے والے سمیع و بصیر یعنی صاحب کشف والہام بنائے جائیں گے

نَبَیِّہ کے یہ معنی بھی ہیں کہ ہم موعود انسان کامل کو اس ارادہ سے پیدا کریں گے کہ جس انسان کو آزمائیں اور اگر وہ آزمائش میں پورا اترے تو اسے سمیع و بصیر یعنی براہ راست کلام الہی کو سننے والا صاحب بصیرت بنا دیں۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

”میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے اور خدا اور رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا مگر یاد رکھو کہ تمام مخالفوں پر یہ دروازہ بند ہے۔“

اور پھر آپ کے ذریعہ عملاً سینکڑوں نہیں ہزاروں جو پہلے بہرے تھے سننے لگے اور جو پہلے اندھے تھے دیکھنے لگے اور ایسے ایسے صاحب کشف والہام پیدا ہوئے کہ اگر انہیں آسمان روحانیت کے ستارے قرار دیا جائے تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔ وہ یقیناً حدیث نبوی عَلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاُنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْل کے مصداق تھے۔

=====

سُورَةُ الْمُرْسَلَتِ میں مہدی موعودؑ کا ذکر

(یہ خبر کہ اسلام کے دونوں موعود غلبے ضرور واقع ہوں گے اور دوسرا غلبہ ایک ایسے رسول کے ذریعہ حاصل ہوگا جو بہت سے رسولوں کا نام پا کر آئے گا۔ سورۃ الدھر اور اس سے پہلی سورتوں کے علاوہ سورۃ المرسلات میں بھی بیان ہوئی ہے اور اس میں بھی آنے والے رسول کے آنے کو تمام رسولوں کا آنا قرار دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں ہے:-

وَالْمُرْسَلَتِ غُرْفًا (۲) فَالْعَصْفَتِ عَصْفًا (۳) وَالنَّشْرَتِ
نَشْرًا (۴) فَالْفَرْقَتِ فَرْقًا (۵) فَالْمُلْقِيَتِ ذِكْرًا (۶) غُذْرًا
أَوْ نُذْرًا (۷) إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعَ (۸)

قسم ہے نری اور بھلائی کے ساتھ بھیجی جانے والی پھر تیزی سے (خس
و خاشاک کو) اڑا دینے والی ہستیوں کی۔ (پھر) قسم ہے (خیر کو دور دور)
پھیلا دینے والی پھر حق و باطل میں اچھی طرح فرق کر دینے والی۔ پھر
موجب نصیحت باتوں کو (لوگوں تک) پہنچا دینے والی ہستیوں کی۔ خواہ (یہ
پہنچانا) اتمامِ نجات کیلئے ہو یا اس لئے کہ لوگ اپنی روٹیں بد کے انجام سے
آگاہ ہو جائیں۔ یقیناً جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ پورا ہونے والا ہے۔

اس جگہ حرفِ قسم 'و' کے ساتھ صرف دو آیتیں شروع ہوئی ہیں۔ وَالْمُرْسَلَتِ غُرْفًا
میں ایک قسم ہے اور فَالْعَصْفَتِ عَصْفًا اسکے تابع ہے یعنی اس میں المرسلات کی بعد کی حالت
بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح وَالنَّشْرَتِ نَشْرًا میں دوسری قسم ہے اور عبارت فَالْفَرْقَتِ فَرْقًا
فَالْمُلْقِيَتِ ذِكْرًا اس کے تابع ہے اور اس میں النشرات کی بعد کی حالتوں کا بیان ہے۔
جواب قسم میں یہ کہا گیا ہے کہ جس بات کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے وہ واقع ہو کر رہے گی جس سے
صاف ظاہر ہے کہ سابقہ آیات میں کوئی وعدہ دیا گیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ وعدہ کیا تھا۔

سو جاننا چاہیے کہ سورۃ سابقہ کی آخری آیات میں سے ایک آیت نمبر ۲۹ نَحْنُ
خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا هِنَّا بَدَلْنَا أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا میں یہ بتایا گیا تھا کہ
خدا تعالیٰ جب چاہے گا (زمانہ نبوی کے) کفار کی حالت کو تبدیل کر دے گا یعنی جہاں اس وقت وہ
کفر پر فخر کرتے ہیں پھر اسلام پر فخر کرنے لگیں گے۔ ایک تو یہ وعدہ تھا۔ پس ان آیات میں بتایا
گیا کہ یہ وعدہ کیسے پورا ہوگا۔ دوسرے جیسا کہ ہم بار بار وضاحت کر چکے ہیں کئی سورتوں میں اور
انیمویں پارہ کی (جس کی یہ سورۃ ہے) تو ہر سورۃ ہی میں اسلام کے دو غلبوں کا ذکر ہو رہا ہے
ایک اس کا جو اسلام کے دورِ اوّل میں واقع ہوتا تھا اور دوسرا اس کا جو اس کے آخری دور میں ہونا
مقدر تھا پس ان آیات میں دو الگ الگ قسمیں کھا کر ان دو غلبوں کے واقع ہونے کے لئے
شہادتیں پیش کی گئیں۔ جس کا ثبوت ایک اہم تاریخی واقعہ سے بھی ملتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا کہنا ہے کہ ایک دن وہ اور کچھ اور صحابہؓ مقام منیٰ پر ایک غار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ پر اس سورۃ (المرسلات) کا نزول ہوا۔ اس وقت ایک سانپ نمودار ہوا اور آنحضرت ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ اسے مار دو۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اسے مار ڈالتے وہ غائب ہو گیا اس پر حضورؐ نے فرمایا وہ تمہارے ”شر“ سے محفوظ رہا ہے جس طرح تم اس کے ”شر“ سے محفوظ رہے ہو۔“ (فتح القدیر) یہ واقعہ محض اتفاقی نہیں تھا بلکہ اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ایک تمثیلی زبان میں صحابہؓ کو یہ سمجھایا تھا کہ ان کا ایک دشمن ہے جس کا تعلق اس سورۃ کے مضمون یعنی غلبہ اسلام سے ہے۔ وہ ان کے وقت میں بھی سر نکالے گا اور انہیں چاہیے کہ پورے طور پر اس کا قلع قمع کر دیں لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو جس طرح وہ اس سے محفوظ رہیں گے اسی طرح وہ دشمن بھی ان سے محفوظ رہے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آئندہ کسی وقت دوبارہ اپنا سر نکالے گا اور اس چیز میں جس کا اس سورۃ میں خصوصیت سے ذکر ہے یعنی غلبہ اسلام کی مہم میں مزاحم ہوگا۔ پس اس میں ہمارے اس زمانہ کے مسیحی فتنہ کی طرف اشارہ تھا۔ اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے اس سانپ کو مارنے کا صحابہؓ کو حکم دیا تھا اور محبوب خدا کا حکم دینا بے کار نہیں جاسکتا تھا اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اس دشمن کے دوبارہ سر نکالنے کے وقت صحابہؓ کے مثل دنیا میں موجود ہوں گے جو اس ”سانپ“ کو مارنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قسم کے رنگ میں صحیفہ قدرت کے بدیہات کو شریعت کے اسرار و دقیقہ کے حل کرنے کے لئے اور اسی طرح ان امور کے ثبوت میں جو کفار کے نزدیک محل نظر تھے بار بار پیش کیا ہے اس لئے اگر الْمُرْسَلَات اور الْعَاصِفَات وغیرہ سے ہوائیں مراد لیں تو یہ بھی درست ہے اور چونکہ ملائکہ کے ذریعہ ہمیشہ ہی انبیاء کی تائید ہوتی رہی ہے اس لئے اگر ان سے ملائکہ مراد لیں تو اس میں بھی ہرج نہیں لیکن اگر کسی خاص بات کا وقوع پذیر ہونا ثابت کرنا مقصود ہو اور وہ بات ایسی ہو کہ اس کی مثل کوئی اور بات دنیا میں پہلے بھی واقع ہوتی رہی ہو تو اس بات پر یقین دلانے کے لئے کہ وہ ضرور واقع ہوگی اس سے بہتر طریق اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ماضی میں جو اسی قسم کی بات بار بار واقع ہوتی رہی ہو اس کی مثال پیش کی جاوے۔ یا اسے گواہ بنایا جائے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ لفظ ’عرف‘ کے معنی نرمی کے بھی ہیں اور بھلائی کے بھی ہیں

اور اس لفظ میں یکے بعد دیگرے اور پیہم آنے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں جَاءَ الْقَوْمُ عَرَفًا عرفاً اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ یکے بعد دیگرے آئے۔“ (لین) اور اللہ تعالیٰ نے جو رسول دنیا میں بھیجے ہیں وہ بھی سب کے سب بھلائی کے ساتھ اور بھلائی کے قیام کے لئے آتے رہے ہیں اور گو ابتداء میں ان میں سے ہر ایک کے سلسلہ کو آہستہ آہستہ ترقی ملی ہے لیکن پھر ایک ایسا وقت بھی آگیا ہے کہ اس نے یکنخت بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے اور اس کی صورت اکثر یہ ہوتی رہی ہے کہ اگرچہ ابتداء میں ان سب رسولوں نے نرمی کا طریق اختیار کیا ہے لیکن جب لوگوں نے ان کے مشن کو بزورِ شمشیر مٹانے کی کوشش کی ہے تو کچھ عرصہ گزرنے پر خدا تعالیٰ نے انہیں تلوار کے مقابل پر تلوار اٹھانے کی اجازت دے دی ہے اور اس کے ساتھ ہی انہیں ایسی طاقت بخش دی ہے کہ اِنْ مُرْسَلَاتٍ عُرِفًا نَعَصِفَا عَصْفًا بن کر کفر کے خس و خاشاک کو آن کی آن میں اڑا دیا ہے۔ پس اَلْمُرْسَلَاتِ عُرِفًا فَالْعَصِفُ عَصْفًا میں گزشتہ رسولوں کی زندگیوں کو کفار کے سامنے پیش کر کے یہ بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ بھی سابقہ رسل کی طرح کے ایک رسول ہیں۔ بھلائی کا پیغام لے کر اور بھلائی کے قیام کے لئے آئے ہیں اور نرمی سے پیغام حق پہنچا رہے ہیں لیکن اگر تم نے بزورِ شمشیر ان کے مشن کو ناکام بنانے کی کوشش کی تو جس طرح سابقہ رسل کے زمانوں میں ہوتا رہا ہے ایک وقت آئے گا کہ خدا تعالیٰ انہیں بھی تلوار کے مقابل پر تلوار اٹھانے کی اجازت دے دے گا اور اس کے ساتھ غیر معمولی قوت بھی عطا کر دے گا اور تم دیکھو گے کہ جس طرح آدمی آن کی آن میں خس و خاشاک کو اڑا دیتی اور بھوسے کو دانوں سے الگ کر دیتی ہے اسی طرح یہ بھی تمہارے بے بنیاد کفریہ عقائد کو تھوڑے ہی عرصہ میں ہبَاءَ مَسْثُورًا بنادیں گے اور پھر حق ہی حق جو ہماری اور غیر متزلزل ہوتا ہے باقی رہ جائے گا اور اس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں اسلام دنیا میں قائم ہو جائیگا (اِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ۔ الذاریات ۵۱: ۷)۔ رہا اسلام کے دوسرے غلبہ کا سوال تو اس کے متعلق سنو۔ وَالنَّشِرَاتِ نَشْرًا فَالْفَارِقَاتِ فَرَقًا فَالْمُلْقِيَتِ ذِكْرًا عَذْرًا اَوْ تُنْذَرًا اِنَّمَا تُرْعَدُونَ لَوَاقِعٌ۔

نَاشِرَاتِ کے معنی کھول دینے والی یا پھیلا دینے والی یا حیات تازہ بخشنے والی ہستیوں کے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے عرف کے ساتھ انسان کی طرف بھیجے جانے والے سب سے

اول درجہ پر حامل شریعت انبیاء خود ہوتے ہیں مگر سلت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ ان کا کام ابھی ادھورا سا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو واپس بلا لیتا ہے اور ان کے پیغام کی پورے طور پر اشاعت ان کے بعد ان کے خلفاء کے ذریعہ ہوتی ہے جن میں سے بعض مامور اور بعض غیر مامور ہوتے ہیں گویا اصل نَاسِرَاتِ شَارِعِ نَبِی کے روحانی خلفاء ہی ہوتے ہیں۔ بیشک شارع نبی خود بھی خدا کا پیغام نشر کرتے ہیں لیکن اول ان کا بنیادی کام صرف حتم ریزی کرنا ہوتا ہے دوسرے یہ کبھی نہیں ہوا کہ وہ عَاصِصَاتِ عَصْفَا بن کر ضلالت و گمراہی کے خس و خاشاک کو تو پہلے اڑا دیں اور خدا تعالیٰ کا پیغام بعد میں نشر کرنے لگیں۔ مگر ان آیات میں وَالنَّشِیْرَاتِ نَشْرًا کے الفاظ فَالْعَاصِصَاتِ عَصْفَا کے بعد رکھے گئے ہیں اس لئے ان میں نَاسِرَاتِ سے خود شریعت والے انبیاء بہر حال مراد نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے خلفاء ہی مراد ہوں گے اور خصوصیت کے ساتھ اسلام کے دور تنزل کے آخر میں آنے والے خلفاء کیونکہ ناسرات دراصل ان زندگی بخش ہواؤں کو کہتے ہیں جو خزاں کے بعد چلتی اور بہار نو کی نوید لاتی ہیں چنانچہ نَشْرَتِ الْأَرْضِ نَشُورًا کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ موسم بہار آنے سے مردہ زمین میں پھر سے جان آگئی۔

الغرض وَالْمُرْسَلَاتِ غُرَفًا میں گزشتہ حامل شریعت نبیوں کو اور وَالنَّشِیْرَاتِ نَشْرًا میں ان نبیوں کے روحانی خلفاء کو (جن میں انہی کی شریعت کو پیش کرنے والے مامور بھی شامل ہیں) اس بات پر گواہ ٹھہرایا گیا کہ اسلام کے دونوں موعود غلبے ضرور واقع ہوں گے اور یہ اشارہ کیا گیا کہ ان میں سے پہلا غلبہ تو حضرت نبی کریم ﷺ کے حین حیات ہی میں واقع ہو جائے گا لیکن دوسرا غلبہ آپ کے بعد آپ کے کسی خلیفہ کے ذریعہ واقع ہوگا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ

اسلام کا دوسرا غلبہ کب اور کس خلیفہ کے ذریعہ حاصل ہوگا

اگلی آیات میں اس کا جواب ہے فرمایا:-

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ (۹) وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ (۱۰)

وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۱۱) وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِثَتْ (۱۲)

جب ستارے مانند کئے جائیں گے اور جب آسمان پھاڑا جائے گا اور

جب پہاڑ اڑائے جائیں گے اور جب رُسُل مقررہ پر لائے جائیں

گے (اس وقت یہ بات ہوگی)۔

اس موقع پر یاد رکھنا چاہیے کہ جیسا کہ ہم نے اسی کتاب میں اس سے پہلے واضح کیا ہے جس پارہ کی یہ سورۃ ہے اس کی پہلی سورۃ یعنی سورۃ الملک میں روحانی نظاموں کو سکوت۔ اور قرآن کے ذریعہ قائم ہونے والے روحانی نظام کو ان میں سے قریب ترین سماء قرار دیا گیا ہے۔ اور سورۃ رحمن میں آنحضرت ﷺ کو اس سماء روحانی کا شمس اور صبح موعود کو اس کا قمر بتایا گیا ہے۔ اس لئے جب روحانی نظاموں کو مجموعی حیثیت میں لیا جائے گا تو کوکب (یعنی افروختہ بڑے بڑے ستاروں) سے مراد سابقہ تشریحی نبی اور نجوم سے مراد سابقہ غیر تشریحی نبی ہوں گے۔ اور چونکہ بمطابق حدیث نبوی عَلَمَاءُ اُمْتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ علماء اُمت محمدیہ سابقہ نبیوں کی مانند ہیں۔ اس لئے جب قریب ترین روحانی آسمان (یعنی اسلام کے روحانی نظام) کا ذکر ہوگا تو نجوم سے مراد علماء اُمت لئے جائیں گے۔ یعنی اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ کے مصداق علماء اور ظاہر ہے کہ یہی علماء اولیاء اللہ بھی ہوں گے۔ حدیث اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اَقْتَدِیْتُمْ اِهْتَدِیْتُمْ سے اس کی تائید ہوتی ہے اور چونکہ نجوم کے بالمقابل جو آسمانوں میں ہوتے ہیں۔ جبال یعنی پہاڑ زمین میں ہوتے ہیں اس لئے جب نجوم سے علماء اور اولیاء اُمت مراد ہوئے تو جبال سے علماء ظاہر اور دنیوی رنگ میں بڑے لوگ یعنی بادشاہ اور امراء وغیرہ مراد ہوں گے۔

طَمَسَ کے معنی ہیں وہ مٹا دیا گیا۔ طَمَسَ النّجْمَ کہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ ستارہ اپنی روشنی کو بیٹھا یا اس سے محروم کر دیا گیا اور طَمَسَ الْغَیْمُ النُّجُوْمَ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بادلوں نے ستاروں کو ڈھانپ لیا (لین و اقرب)۔

(پس ان آیات میں بتایا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ اس میں اولیاء اور علماء اُمت میں سے بعض مٹا دیئے جائیں گے۔ یعنی شہید کر دیئے جائیں گے بعض اپنی روشنی خود کو بیٹھیں گے یا انہیں اس سے محروم کر دیا جائے گا اور بعض کی روشنی اور دیکھنے والوں کے درمیان ایک قسم کا بادل حائل ہو جائے گا۔ یعنی ظلمات و گمراہی کی ایسی گھٹا آئے گی کہ گو اس وقت بھی کچھ رہائی لوگ موجود تو ہوں گے مگر اس گھٹا کی موجودگی میں ان کی روشنی لوگوں کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہوگی۔ دوسری اہم بات یہ ہوگی کہ اس آسمان روحانی یعنی اسلام کے روحانی نظام کو پھاڑا جائے گا

اور تیسری بات یہ ہوگی کہ اس وقت مسلمان بادشاہوں اور امراء کو ان کی جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے گا۔ جب یہ سب مصیبتیں اسلام کے لئے اکٹھی ہو جائیں گی تو وہ وقت تمام ان رسولوں کے جن کے دوبارہ دنیا میں آنے کی پیشگوئیاں ہیں ظاہر ہونے کا وقت مقررہ ہوگا۔ چنانچہ اس وقت وہ سب رسول دنیا میں لائے جائیں گے اور وہی وقت اسلام کے دوسرے اور عالمگیر غلبہ کا وقت ہوگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ رُسل (بصیغہ جمع) کے وقت مقررہ پر آنے کے ذکر سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ اس وقت تمام رسول بنفس نفیس ظاہر ہو جائیں گے۔ کیونکہ مقصود اسلام کے لئے بشارت ہے اور اگر تمام ادیان کے حامل رسول ایک ہی وقت میں ظاہر ہو جائیں تو بجائے فائدہ کے اسلام کو نقصان پہنچے گا کیونکہ اس صورت میں رسولوں کا آپس میں مقابلہ شروع ہو جائے گا۔ لہذا اس پیشگوئی سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک رسول جو اسلام کو دوبارہ سر بلند کرنے کے لئے آئے گا اسے تمام رسولوں کا نام دیا جائے گا۔ اور تمام رسولوں کے اوصاف اس میں جمع کئے جائیں گے۔ چنانچہ بحار الانوار جلد ۵۱ صفحہ ۵۲ پر لکھا ہے **ظُهُورُهُ بِمَنْزِلَةِ ظُهُورِ الْجَمِيعِ** یعنی اس کا ظہور بمنزلہ تمام انبیاء کے ظہور کے ہوگا۔ مزید دیکھیں موعود آخر الزماں مصنفہ محمد عثمان شاہد ص ۱۰، ۱۱۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ وہ تمام عیوب و گناہ جن کی اصلاح کے لئے متفرق انبیاء دنیا میں آئے اس ایک ہی زمانہ میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ مثلاً قوم ابراہیم کی طرح بت پرستی بھی ہو رہی ہوگی، قوم شعیب کی طرح لین دین کے معاملات بھی خراب ہو چکے ہوں گے، قوم لوط کی طرح ہم جنسی کا عیب بھی عام ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق اٹھارویں صدی کے اواخر میں ملک ہند میں جو تمام مذاہب کے ماننے والوں کی آماجگاہ ہے یہ سب باتیں ظاہر ہو گئیں۔ بلکہ اب تو ساری دنیا میں یہ باتیں عام ہو چکی ہیں۔ اسی طرح ایک طرف بعض بڑے بڑے اولیاء اُمت کو شہید کیا گیا۔ سینکڑوں علماء دین اپنی کسی اندرونی بیماری کی وجہ سے ایمان کھو کر اسلام سے مرتد ہو گئے یا انہیں لالچ دے کر مرتد کر دیا گیا۔ جو سابق اولیاء اُمت تھے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ذاتی مفادات۔ دنیا پرستی اور حرص و ہوا کا غبار اس طرح بادل بن کر حائل ہوا کہ وہ ان کے پھیلانے ہوئے نور سے بھی محروم ہو گئے اور اس طرح **إِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ** میں مذکور ساری باتیں ایک ایک کر کے پوری

ہو گئیں۔ اِذَا السَّمَاءُ فُتِحَتْ کے مطابق اسلام کے روحانی نظام یعنی قریب ترین روحانی آسمان کا سینہ اس بری طرح سے چاک کیا گیا کہ اس کی مثال کسی سابقہ زمانہ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ ایک طرف مسیحیوں اور آریہ لوگوں نے سینکڑوں نہیں ہزاروں اعتراضات قرآن کریم کی پاک تعلیمات اور بانی اسلام ﷺ کی پاک ذات پر کر کے انہیں بکثرت شائع کیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے قرآن کی من مانی تاویلات شروع کر دیں۔ یہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ اپنے عقائد ہی کو اصل قرآنی تعلیم قرار دینے لگا اور اس طرح خود مسلمان اَلَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ (الحجر ۱۵: ۹۲) اور كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَٰئِهِمْ فَرِحُونَ (الزوم ۳۰: ۳۳) کے مصداق بن کر قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے یا بہ الفاظ دیگر اسلام کے روحانی نظام یعنی قریب ترین روحانی آسمان کو پھاڑنے والے ٹھہرے۔ پھر وَاِذَا لُجِبَالٌ تُسِفَّتْ کے مطابق ان مصائب کے ساتھ ایک اور مصیبت یہ جمع ہو گئی کہ مسلمان بادشاہوں اور رُؤَسَاء کو بھی مخالفوں نے جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور دنیوی اعتبار سے بھی مسلمان ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ مگر اس وقت خدا تعالیٰ نے جو اَصْدَقُ الْوَعْدِ ہے اور جس کا سورۃ النحل میں محمد رسول اللہ ﷺ سے وعدہ تھا کہ جب اسلام پر مصائب کا زمانہ آئے گا اس زمانہ میں بھی وہ آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا اپنا وعدہ پورا کیا اور وَاِذَا الرُّسُلُ اقْتَتَتْ کے مطابق ان تمام مصائب کے جمع ہو جانے اور تمام تاریکیوں کے چھا جانے کے وقت اپنے ایک برگزیدہ بندے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے امتیسی اور غلام مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جَبْرِی اللّٰہِ فِیْ حُلُلِ الْاَنْبِیَاء بنا کر یعنی تمام نبیوں کا جامہ پہنا کر کھڑا کر دیا اور اسلام کے دوسرے اور عالمگیر غلبہ کی داغ بیل ڈال دی۔ جس کی وضاحت اگلی آیات میں یوں آتی ہے۔

لَاۤیَ یَوْمٌۭ اُجِلَّتْ (۱۳) لَیْوْمُ الْفَصْلِ (۱۴)

یعنی اس وقت اسلام پر ایسے ایسے مصائب آئیں گے کہ ہر دردمند دل رکھنے والا پکار اٹھے گا کہ نبی موعود یعنی مہدی موعود کی آمد کے وعدوں کو آخر کس دن پر اٹھا رکھا گیا ہے۔ وہ آ کیوں نہیں چلتا؟ سو سنو لَیْوْمُ الْفَصْلِ اس کے آنے کو فیصلہ کے دن پر اٹھا رکھا گیا ہوگا۔ یعنی وہ حق و باطل کی آخری جنگ اور طاغوتی طاقتوں اور سچائی کی قوتوں کے درمیان آخری اور فیصلہ کن معرکہ کے وقت ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب

قادیانی ظاہر ہوئے تو آپ نے فرمایا:-

”یہ ایسا زمانہ آگیا ہے کہ شیطان اپنے تمام ذریعات کے ساتھ مانتوں تک زور لگا رہا ہے کہ اسلام کو نابود کر دیا جائے۔ اور چونکہ بلاشبہ سچائی کا جھوٹ کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے اس لئے یہ زمانہ بھی اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اس کی اصلاح کے لئے خدا کا مامور آوے۔ پس وہ مسیح موعود ہے جو موجود ہے۔“ (چشمہ معرفت صفحہ ۹۴:۹۵)

وَمَا أَذْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ (۱۴) وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِينَ (۱۵)

اور تجھے کیا چیز سمجھائے کہ یوم الفصل کی کیا شان ہے۔ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے حسرت (ہی حسرت) ہوگی۔

مطلب یہ کہ بیشک وہ موعود بڑے انتظار کے بعد آئے گا لیکن جس دن کا آنا اس کے آنے سے وابستہ ہے یعنی یوم الفصل وہ ایسا عظیم دن ہوگا کہ اس کی شان کا الفاظ احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ کوئی دن اس کی مثل اس دنیا میں پہلے آیا ہے جو اس سے اسے تشبیہ دی جائے کیونکہ اس دن تمام ادیان عالم کے باہمی تنازعات کا فیصلہ ہو جائے گا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (بنی اسرائیل ۸۲:۱۷) حق آجائے گا اور باطل بھاگ جائیگا اور أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا (الزمر ۷۰:۳۹) کے مطابق ساری زمین اپنے رب کے نور یعنی نور اسلام سے جگمگانے لگے گی۔ اور اس دن جھٹلانے والوں کے لئے سوائے حسرت اور ندامت کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ اے کاش اے کاش اے کاش کہ ہم بھی وہ دن دیکھیں۔

=====

سورۃ النبأ میں اسلام کے دو غلبوں کی تحدّی۔ درمیانی زمانہ ضعف اور اسکے اسباب کا ذکر۔ یہ بیان کہ اس ضعف کا علاج عام علماء دین یا ولیوں سے نہیں ہوگا بلکہ ایک نبی اللہ کے ہاتھ سے ہوگا اور وہ نبی آکر روحانی عیش کا سامان فراہم کریگا

سورۃ النبأ سے پہلے کئی سورتوں میں اسلام کے دو غلبوں کی خبر دی گئی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو چونکہ اس وقت نہ اقتدار حاصل تھا نہ جتنا مال و دولت اس لئے کفار کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپ کو غلبہ کیسے حاصل ہو جائے گا اور اگر بفرض محال ایک دفعہ حاصل ہو بھی گیا تو اس کے پیچھے آنے والے زمانہ ضعف کے بعد (جس کی خبریں خود قرآن نے دی ہیں) اسے دوبارہ غلبہ کیسے ملے گا۔ کیا آپ کے مخالف ان باتوں کا سدّ باب نہیں کر لیں گے۔ جس کی وجہ سے آپ کو پہلی دفعہ غلبہ حاصل ہوا ہوگا۔ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے ان کے سوالوں کا جو استفہام انکاری کا رنگ رکھتے تھے ذکر فرما کر انکا رد کیا فرمایا۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (۲) عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ (۳) الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (۴) كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (۵) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (۶)

النَّبَاِ بڑی خبر کو کہتے ہیں یہاں اس کے ساتھ عظیم کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس لئے مراد بڑیوں میں بڑی خبر ہے۔ یوں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے غلبہ ہر نبی کا مقدر ہوتا ہے۔ (كَتَبَ اللَّهُ لَا غَلِبِينَ اَنَا وَرُسُلِي۔ المجادلہ ۲۳:۵۸) اور اس کی پہلے سے خبریں بھی دی جاتی ہیں ورنہ یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ یہ غلبہ خدا کی طرف سے ملا ہے کوئی امر اتفاقی نہیں۔ مگر اسلام کے بارہ میں نہایت نامساعد حالات میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ غالب آئے گا۔ اس کے بعد اس پر ضعف کا ایک لمبا زمانہ آئے گا اور اس کے بعد اسے پھر غلبہ حاصل ہوگا۔ جو عالمگیر غلبہ ہوگا۔ اور یہ خبر بلا شبہ ایک نباء عظیم یعنی بڑیوں میں سے بڑی خبر تھی۔ پس ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وہ کس چیز کا سوال کے پیرایہ میں انکار کرتے ہیں

کیا (اسلام کے دو زمانوں میں غالب آنے کی) بڑیوں میں سے بڑی خبر کے بارہ میں جس کے بارہ میں وہ خود مختلف الخیال ہیں۔ یعنی اگرچہ بعض اسے ناممکن خیال کرتے ہیں۔ بعض اس سے خائف بھی ہیں یا یہ کہ مومن اور کافر مختلف الخیال ہیں۔ مومن اسے یقینی جانتے ہیں اور کافر ناممکن۔ فرمایا۔ کَلَّا کفار کا یہ خیال کہ اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوگا ہرگز درست نہیں سَيَعْلَمُونَ وہ عنقریب جان لیں گے کہ یہ خبر سچی تھی۔ ثُمَّ کَلَّا سَيَعْلَمُونَ پھر دوسرے غلبہ کا وقت آنے پر بھی وہ جلد جان لیں گی کہ ضرور وہ واقع ہونے والا ہے۔

اس پر بات ختم کردی جاتی تو کفار کہہ سکتے تھے کہ یہ تو پہلے دعویٰ کے ثبوت میں ایک اور دعویٰ کر دیا گیا ہے۔ جس کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اس کے بعد ان قرآن کی طرف متوجہ کرنے کو جنہیں دیکھ کر اس دعویٰ پر یقین آسکتا تھا فرمایا:-

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا (۷) وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا (۸)

کیا ہم نے اس زمین کو میار کی ہوئی جگہ کی طرح نہیں بنایا اور (کیا ہم نے) ان پہاڑوں کو میخوں کی طرح (مضبوطی سے گڑے ہوئے) نہیں بنایا۔

کسی بڑے اور نیک انقلاب کے واقع ہونے کے لئے بنیادی طور پر تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نمبر ۱ تائید الہی کی نمبر ۲ اس بات کی کہ اس انقلاب کے لئے زمین ہموار ہو اور نمبر ۳ اس بات کی کہ وہ لوگ کہ جن کے ہاتھ سے اس انقلاب کا برپا کیا جانا مقدر ہے صاحب عزم و مصمم ہوں۔ چنانچہ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا میں یہی بتایا گیا کہ غلبہ اسلام کے لئے یہ تین باتیں میسر ہیں۔ یعنی فَعْل جَعَلَ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کر کے یہ سمجھایا کہ منشاء الہی یہ ہے کہ یہ انقلاب برپا ہو۔ اور مِهْدًا کے لفظ میں یہ بتایا کہ زمین اس مقصد کیلئے میار ہے کیونکہ مِهْد کے معنی تیار کرنے کے ہیں۔ جیسے ارشاد ربانی وَمِهْدٌ لَهُ تَمْهِيْدًا میں اور أَلْمِهَادُ تیار کی ہوئی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور أَلْمِهْدُ گہوارے کو۔ اسی طرح وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا میں جس کے معنی یہ ہیں کہ ”اور کیا ہم نے پہاڑوں کو مضبوطی سے نہیں گاڑا“ یہ بتایا کہ اگر تم آنکھوں سے کام لو تو جہاں تمہیں یہ نظر آجائے گا کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی منشاء ہی یہ ہے کہ وہ باتیں قبول کی جائیں جن کی طرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں اور اس نے انہیں قبول کرنے کے لئے زمین تیار کر رکھی ہے وہاں یہ بھی نظر آئیگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ

اور آپؐ کے ساتھی اپنی شخصیت و کردار و اخلاق کی بلندی اور فیض رسانی اور ثبات قدم یعنی عزم و استقلال میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ جس کی وجہ سے کوئی لالچ انہیں اپنی جگہ سے ہٹا سکتا ہے نہ خوف۔ اس لئے ضرور ہے کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔ اور انہی کے ہاتھوں پر حاصل ہو۔

=====

پہلی بار کے غلبہ اسلام کے بعد مسلمانوں پر تنزل کا دور آنہی وجہ کا اور اس دور کی کیفیت کا بیان

اگلی آیات یہ ہیں:-

وَحَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (۹) وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (۱۰)
وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا (۱۱) وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۱۲)

اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام اور راحت کا سامان بنایا ہے۔ اور ہم نے رات کو لباس بنایا ہے۔ اور ہم نے دن کو طلب معاش (اور عیش) کا وقت بنایا ہے۔

یہ ساری آیتیں انداز بیان کے اعتبار سے ایک ہی قسم کی ہیں مگر ان کی ترتیب بظاہر عجیب ہے پہلی آیت میں انسان کے ازدواج پیدا کئے جانے کا ذکر ہے۔ دوسری میں نوم یعنی نیند کا۔ حالانکہ بظاہر ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ اس سے اگلی آیت میں رات کا ذکر ہے حالانکہ بظاہر اس کا ذکر نیند سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔ مگر یہی ترتیب ان آیات کے صحیح مفہوم کی نشان دہی کرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کو ازدواج یعنی جوڑا جوڑا پیدا کرنے کا اصل مقصد (جیسا کہ سورۃ النساء کی دوسری آیت سے واضح ہے) افزائش نسل ہے پس پہلی دو آیتوں اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْنًا۔ وَ الْجِبَالَ اَوْتَادًا میں ان باتوں کی طرف متوجہ کرنے کے بعد جن سے ہر چشم یتامہ رکھنے والا سمجھ سکتا تھا کہ اسلام کو ضرور غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ یہ آیات لا کر مسلمانوں کو بتایا کہ اس غلبہ کے بعد تمہاری تعداد میں یوں یوں اضافہ ہوتا جائے گا لیکن ساتھ ہی ساتھ تم پر ایک قسم کی نیند بھی طاری ہوتی جائے گی یعنی تم اپنے فرائض منصبی سے غافل ہوتے جاؤ گے۔ جس کی وجہ سے تم پر تنزل اور مصائب کی ایک رات چھا جائے گی۔ اس کا سبب کیا ہوگا؟ اس کی طرف اشارہ بھی

انہی آیات میں کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ:

مسلمانوں پر تنزل آنے کا ایک بڑا سبب دعوتِ اِلی اللہ سے غفلت ہوگی

بات یہ ہے کہ نبی کے قبعین کی تعداد دو طرح بڑھتی ہے۔ ایک تو تناسل کے عام طریق پر اور دوسرے اس طرح کہ اس کے قبعین میں سے قوتِ مؤخرہ رکھنے والوں کی تبلیغ سے دوسرے لوگوں میں سے جو قوتِ متاثرہ رکھنے والے ہوتے ہیں اس کے ماننے والوں میں شامل ہوتے رہتے ہیں ان میں سے اول الذکر بمنزلہ رجل کے اور مؤخر الذکر بمنزلہ ان کی زُوج کے ہوتے ہیں۔ گویا ان کا ازواج پیدا کیا جانا ظاہراً بھی ہوتا ہے اور مجازاً بھی۔ تبلیغ کرنے والے کو چونکہ اپنا نمونہ بھی اچھا بنانا پڑتا ہے اور اپنی اولاد اور دوسرے زیرِ اثر لوگوں کی تربیت کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ جب تک کسی نبی کے قبعین اپنی تعداد میں اضافہ کے اس دوسرے طریق سے غافل نہیں ہوتے ان کی اعلیٰ روحانی اقدار ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان کی اعلیٰ حالت کا زمانہ لمبا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس طرف سے غافل ہو جاتے ہیں تو ان میں کمزوری آ جاتی ہے۔ پس ان آیات میں یہی اشارہ کیا گیا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تم اپنی افزائش تعداد کے اس اعلیٰ طریق سے غافل ہو جاؤ گے یعنی تم پر ایک طرح کی نیند طاری ہو جائے گی۔ لیکن قو میں جب اپنے فرائض منصبی سے غافل ہو جاتی ہیں اور ان پر ایک قسم کی نیند طاری ہو جاتی ہے تو کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ یہ حالت نیند اتنی لمبی ہو جاتی ہے کہ ان کے قوائے روحانیہ بالکل مر جاتے ہیں۔ اور کبھی جیسے مادی جسم نیند سے ایک طاقت حاصل کرتا اور وہ پھر کام کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ بھی از سر نو روحانی ترقیات کے قابل ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اس کے بعد مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ان کی نیند کا کیا نتیجہ نکلے گا فرمایا:

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا - ”وَجَعَلْنَا النَّوْمَ سُبَاتًا“ نہیں فرمایا بلکہ نَوْمُكُمْ فرمایا ہے تا اشارہ ہو کہ اگرچہ بعض قومیں جب سوتی ہیں تو سوتی ہی رہ جاتی ہیں۔ یعنی اسی حالت میں مر جاتی ہیں۔ (فَيُمْسِكُ إِلَيْهِ قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ - الزمر ۴۲:۴۳) لیکن جنہیں خدا تعالیٰ

مرنے نہیں دے گا تمہاری نیند صرف آرام پانے کا ذریعہ ہوگی۔ اور وہ اندر ہی اندر تم میں از سر نو دین کی خاطر قربانیاں دینے اور روحانی ترقیات حاصل کرنیکی طاقت پیدا کر دیگا۔ تاہم لفظ سُبَاتَا کے ایک معنی چونکہ دھر کے بھی ہوتے ہیں اس میں یہ اشارہ بھی کیا کہ تمہاری نیند کا یہ زمانہ اس سے پہلے کی بیداری کے زمانہ سے بہت زیادہ لمبا ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں کی پہلی ترقیات کا زمانہ ۳۰۰ سال کا اور اس کے بعد کا ضعف کا زمانہ ہزار سال کا ہوا۔ اور یہ دوسری جگہوں پر دی جانے والی خبروں کے عین مطابق تھا (دیکھیں نوٹ زیر سورۃ الفجر صفحہ ۵۶۹)۔ اس کے بعد ہے وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا اور ہم نے رات کو لباس بنایا ہے۔ رات کا ذکر نیند کے ذکر کے بعد کر کے بتایا کہ یہاں نیند سے مجازی نیند یعنی حالت غفلت مراد ہے جس کے نتیجے میں قوموں پر رات یعنی مصائب کا زمانہ آجاتا ہے اور اسے لباس یعنی پردہ پوش قرار دے کر یہ اشارہ کیا کہ اس وقت دوسری قوموں کا بھی تمہارے جیسا حال ہی ہوگا۔ اس لئے تمہاری کمزوریوں پر پردہ پڑا رہے گا۔

جب کوئی قوم صرف غافل ہی نہیں ہوتی۔ صرف سوتی ہی نہیں بلکہ اتنی دیر تک سوتی رہتی ہے کہ مر ہی جاتی ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ اپنا انعام نبوت اس سے لے کر کسی دوسری قوم کی طرف منتقل کر دیا کرتا ہے۔ جیسے نبی اسحاق سے نبی اسماعیل کی طرف منتقل کیا اور اس سے اس قوم کے سب پردے چاک ہو جاتے ہیں یعنی یہ بات بالکل کھل جاتی ہے کہ اس میں روحانیت کی کوئی رتق باقی نہیں رہی۔ اس لئے وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا کے بعد آیت وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا رکھ کر یعنی یہ فرما کر کہ ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ہے۔ مسلمانوں کو یہ بتایا کہ تمہاری حالت نوم چونکہ اتنی لمبی نہیں ہوگی کہ تمہارے قوائے روحانیہ بالکل مردہ ہو جائیں اس لئے تمہاری اس حالت میں بھی انعام نبوت کسی اور قوم کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ اسلام کی جگہ کوئی دوسرا دین لے لے یا انبیاء اسلام کے لئے باہر سے کوئی نبی آئے۔

=====

آئندہ ایک نبی کے آئینکی پیشگوئی اور یہ اشارہ کہ اسکا آنا ایک طرح سے محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا آنا ہوگا

وَجَعَلْنَا الْيَلَّ لِبَاسًا كَے بعد ہے وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ جب نوم اور لیل کے الفاظ مجازی معنی میں آئے تو نہار اور معاش کا لفظ بھی مجازی معنی ہی میں سمجھا جائے گا۔ پس اس میں بتایا کہ مسلمانوں پر چھا جانے والے رات مستقل نہیں ہوگی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ پھر ایک دن نکالے گا یعنی پھر ایک نبی بھیجے گا جس کا آنا ایک طرح سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا آنا ہوگا۔ (کیونکہ رات کے بعد جب دن چڑھتا ہے تو وہی پہلے والا سورج پھر چڑھتا ہے) لیکن مجازی سورج یعنی آنحضرتؐ کے لئے بوجہ بشر ہونے کے یہ امر محال تھا کہ دنیا سے جانے کے بعد بنفس نفیس پھر دنیا میں آئیں اس لئے اس سے آپؐ کی رحمت شخصی نہیں۔ رحمت بروز ہی مراد ہو سکتی تھی اور چونکہ سورۃ الجمعہ میں جب آپؐ کے ایک بروزی ظہور کی خبر دی گئی تو اس پر آپؐ نے یہ اشارہ فرمایا کہ یہ ظہور ایک فارسی الاصل شخص کے وجود میں ہوگا جس سے مراد دوسرے اشارات کی روشنی میں (جس کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ کی گئی ہے) مہدی مسعود المسیح الموعودؑ سے تھی۔ اس لئے یہاں وہی مراد ہے۔

=====

آئندہ آنیوالے نبی مہدی موعودؑ کی آمد سے لوگوں کیلئے روحانی عیش کا سامان مہیا ہوگا اور اسکا وقت ضائع نہیں کیا جائیگا

یہاں نہار کی صفت میں معاش کا لفظ لاکر جس کے معنی مُلْتَمِسًا لِلْعِيش کے بھی ہیں (اقرب) یہ اشارہ بھی فرمایا کہ جس طرح مادی دن مادی سامان زندگی یا مادی عیش کے سامان حاصل کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ ایسا ہی اس روحانی دن میں جو نبی موعود کے ظہور سے چڑھے گا روحانی زندگی اور روحانی عیش کے سامان فراہم ہوں گے۔ یعنی جو شخص اس نبی کی اتباع کرے گا۔ اسے حقائق و معارف کا رزق دیا جائے گا۔ اور اتنا دیا جائے گا کہ وہ عیش کرے گا۔

چنانچہ اس بارہ میں کہ نبی موعود روحانی عیش کا سامان فراہم کرنے آیا اس موعود ہی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:-

”میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے سچا خدا اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچانتا اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا۔ پس اس قدر دولت پا کر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے مریں اور میں عیش کروں یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا دل ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر کباب ہو جاتا ہے ان کی تاریکی اور تنگ گزرانی پر میری جان گھٹتی جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے ان کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے جواہر ان کو اتنے ملیں کہ ان کے دامن استعداد پر ہو جائیں۔“ (اربعین نمبر ۱ صفحہ ۳۴۳-۳۴۵)

چونکہ نبی نبی کی بعثت کے مقصد کا پورا ہونا ضرورت ہوتا ہے اس لئے مہدی موعود کے وقت کو روحانی عیش کا وقت قرار دے کر ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی کیا گیا کہ اس کا وقت ضائع نہیں جائے گا چنانچہ آپ کا اپنا الہام ہے اَنْتَ الشَّيْخُ الْمَسِيحُ الَّذِي لَا يُضَاعُ وَفُتُّهُ تَوَدُّهُ بَرْكَ سَجِّہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔

اور چونکہ تھوڑے سے مال سے عیش نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وہ نبی لوگوں کو بہت دیگا۔ اسی کے مطابق حدیث نبوی میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ وہ اتنا دے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ اور نبی موعود حضرت مہدی علیہ السلام نے خود بھی فرمایا:-

”جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبت کے ملک کی بادشاہت اور معارف الہی کے خزانے ہیں جن کو بفضلہ تعالیٰ اتنے دوں گا کہ لوگ

لیتے لیتے تھک جائیں گے۔“ (ازالہ اوہام صفحہ ۴۶۶)

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا کے بعد ہے:-

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (۱۳) وَجَعَلْنَا سِرَاجًا
وَهَاجًا (۱۴)

اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (.....) بنائے ہیں اور ہم نے
(سورج کو) تیز روشنی اور حرارت دینے والا (جلتا ہوا) چراغ بنایا ہے۔

ان آیتوں کو حرف عطف ’و‘ سے شروع کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ انکا مضمون سابقہ
آیات کے تسلسل میں ہے لہذا ان سے وہی مفہوم لینا چاہیے جسکا سابقہ آیات کے مضمون کے
ساتھ ربط ہو۔

لفظ شِدَادًا شدید کی جمع ہے جس کے بہت سے معانی ہیں نمبر: ۱۔ رفیع۔ نمبر: ۲۔ قوی۔
نمبر: ۳۔ دیش۔ نمبر: ۴۔ شجاع۔ نمبر: ۵۔ بخیل اور نمبر: ۶۔ شیر۔ سَبْعًا شِدَادًا سے سات آسمان بھی مراد
لئے گئے ہیں اور ہمارے نظام شمسی کے سات معروف سیارے بھی۔ اور چونکہ زمانہ نزول قرآن
میں رات کے سفروں میں رہنمائی انہی ستاروں سے حاصل کی جاتی تھی اور قرآن نے بھی
وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (النمل ۱۶: ۱۷) فرمایا ہے۔ اس لئے جہاں تک رہنمائی کے مضمون کا
تعلق ہے سَبْعًا شِدَادًا سے یہ سیارے ہی مراد لئے جائیں گے۔ چونکہ سِرَاجًا وَهَاجًا
یعنی سورج آسمانوں کا ایک جز ہے۔ لیکن یہاں اسے سَبْعًا شِدَادًا سے الگ کیا گیا ہے۔ اس
لئے بھی یہاں سَبْعًا شِدَادًا سے آسمانوں کی بجائے ستاروں کا مراد لینا ہی اولیٰ ہے۔

لفظ سِرَاج کے معنی چراغ کے ہیں نیز سورج کے اور وَهَجَ ایسے گرم اور روشن وجود کو
کہتے ہیں جس کی گرمی اور روشنی دور سے محسوس ہو سکے۔ وَهَاج اس سے مبالغہ کا صیغہ ہے اسلئے
سِرَاجًا وَهَاجًا سے مراد ایسا چراغ یا سورج ہے جو اپنی ذات میں بہت روشن اور بہت گرم ہو
اور جس کی روشنی اور گرمی بہت دور سے بھی محسوس ہو سکے۔

سَبْعًا شِدَادًا سے معروف سیارے مراد لیں تو لفظ شِدَادًا کے پہلے تین معنی (قوی،
رفیع اور دیش) تو ان پر بیشک صادق آتے ہیں لیکن بقیہ معانی ان پر صادق نہیں آتے صرف
انسانوں پر صادق آسکتے ہیں۔ پس سَبْعًا کی صفت شِدَادًا بیان ہونا صاف بتاتا ہے کہ یہاں

سیاروں کا ذکر بطور مثال کے ہے اور مقصود اس سے انسانوں کے بارہ میں کوئی استدلال کرنا ہے۔ یہ بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ زیر نظر دو آیتوں میں سے پہلی میں **بَسْنَيْنَا** کا لفظ ہے اور دوسری میں **جَعَلَ** کا۔ **جَعَلَ** کا لفظ **بَسْنَيْنَا** سے وسیع تر مفہوم دیتا ہے۔ مثلاً اس کے معنی **فَعَلَ** یا **صَنَعَ** کے علاوہ کسی کو ایک خاص حیثیت دینے کے بھی آتے ہیں جیسے خدا کے قول **أَلَدْنِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا** میں۔ اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو عنقریب یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں غلبہ مل جائے گا۔ اس کے بعد ان کی تعداد تو بڑھتی رہے گی لیکن یومنا فیومنا وہ اپنے فرائض منصبی سے غافل ہوتے جائیں گے اور ان کی یہ حالت نیند معائب کی ایک رات پر منتج ہوگی تاہم خدا تعالیٰ ان کی حالت نیند کو اتنا لمبا نہیں ہونے دے گا کہ وہ اسی حالت میں مرجائیں اور پھر کبھی دن کا منہ نہ دیکھیں۔ چنانچہ وہ اس رات کو دن میں بدلے گا انہیں ایک بار پھر بیدار کرنے کا سامان کرے گا اور ان کے لئے پھر ترقیات کا زمانہ لائے گا۔

=====

اس غلط فہمی کا ازالہ کہ مسلمانوں کی دوبارہ ترقی کیلئے انکے علماء کی رہنمائی ہی کافی ہوگی

چونکہ اس زمانہ میں بعض لوگوں کو خیال ہوتا تھا کہ ان کے علماء ہی سے ان کی رہنمائی اور تجدید دین کا کام ہو جائے گا۔ اور انہی کی رہنمائی سے وہ دوبارہ ترقیات حاصل کر لیں گے۔ اس لئے اس غلط فہمی کے دور کرنے کو فرمایا اور (دیکھو) ہم نے تمہارے اوپر سات رافع قوی اور وثیق (ستارے) بنائے ہیں۔ یعنی اگرچہ ستارے تو جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے ان گنت ہیں مگر اس وقت ہم تمہیں ان میں سے ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ **وَبَسْنَيْنَا فَوْقَكُمْ** کہنے کے ساتھ صرف ان کی تعداد کا ذکر کر دیا جائے کہ وہ سات ہیں تو تمہارا ذہن انہی کی طرف جائے گا یعنی اس نظام شمسی کے معروف سیاروں کی طرف بیشک ان میں رفعت بھی ہے۔ مضبوطی بھی ہے مگر وہ وثیق یعنی (ایک طرح سے) بندھے ہوئے بھی ہیں۔ اپنے مدار سے باہر نہیں کھل سکتے یہی حال علماء و حکماء کا ہوتا ہے۔ بیشک ان میں (علم کی) ایک رفعت ہوتی ہے۔ قوت بھی ہوتی ہے (جو علم کا لازمہ ہے) اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے تم ان کے مقابلہ سے اس طرح ڈرتے ہو کہ گویا وہ کوئی

شیر ہیں۔ پھر رات کی تاریکی کے وقت یعنی زمانہ فترت وحی میں تم ان سے کسی قدر رہنمائی بھی حاصل کرتے ہو۔ لیکن یہ اس ماں ان کی اپنی LIMITATIONS یعنی حد بندیاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے دائرہ علم سے (جو بہر حال محدود ہوتا ہے) باہر نہیں نکل سکتے (کیونکہ انہیں صرف عقل کی دود آمیز اور ناکافی روشنی حاصل ہوتی ہے۔ وحی کی مصطفیٰ اور کامل روشنی حاصل نہیں ہوتی) پس اس لئے کہ خود ان کے پاس محدود علم ہوتا ہے۔ وہ آگے اس کے دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور عَمَدًا ایسا نہ بھی کریں پھر بھی ان کی رہنمائی ایک بخیل کی رہنمائی کی طرح ہوتی ہے۔ اور تمہاری ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔ ان کے بالمقابل بعض انسانوں کو ہم اپنی قوم یا بستی کے لئے سِرَاجًا وَهَّاجًا کی حیثیت دے دیتے ہیں یعنی تیز گرمی اور روشنی والے ایسے وجود کی حیثیت جو فطری طور پر خدا کے عشق کی آگ اور بندوں کے عشق کی آگ میں (یعنی ان کی ایسی بچی ہمدردی و عنخواری میں جو عشق کی حد تک پہنچی ہوئی ہو) اس طرح جل رہے ہوتے ہیں جس طرح سورج اپنی ہی آگ میں جل رہا ہے (یعنی ہم انہیں نبی بنا دیتے ہیں جیسا کہ ہمارے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو سِرَاجًا مُنِيرًا قرار دینے سے تم بخوبی سمجھ سکتے ہو پس ان کے وجود سے جو ہدایت کی روشنی اور روحانی زندگی کی حرارت مل سکتی ہے وہ عام علماء و حکماء سے ہرگز نہیں مل سکتی اور چونکہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ سے پاتے ہیں جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ وہ ہدایت کے دینے میں بخیل بھی نہیں ہوتے جیسا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہو کہ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ) لہذا دنیا میں لاکھ علماء و حکماء ہوں وہ ان کا بدل نہیں ہو سکتے۔ بیشک یہ آیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہے مگر اس سے دوسرے نبیوں کے بارہ میں بھی استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ سب نبیوں کا فطری جوہر ایک سا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

”نبیوں میں روحانی طور پر نہایت درجہ پر اتحاد ہوتا ہے اور جو ہر ایمانی کی

مناسبت انہیں غایت درجہ پر ہے۔“ (تفسیر حضرت اقدس سورۃ انبیاء صفحہ ۲۹۱)

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا (۱۵) لِّنُخْرِجَ بِهِ

حَبًّا وَنَبَاتًا (۱۶) وَجَنَّتٍ أَلْفَافًا (۱۷)

اور ہم نے ہمیشہ پانی سے لدے ہوئے بادلوں ہی سے بننے والا پانی

برسایا ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ دانے اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغات بھی۔

اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ جب قوموں کی غفلت کی وجہ سے ان پر ایک قسم کی رات چھا جاتی ہے تو اس وقت علماء ظاہر کی رہنمائی ان کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اس لئے نبی کی ضرورت ہوتی ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ اس پر دو سوال ہو سکتے تھے ایک یہ کہ دنیا میں صاحب الہام بھی تو کئی ہوتے ہیں ان میں سے بعض کے سینکڑوں مرید بھی ہوتے ہیں جن کی وہ رہنمائی کرتے ہیں مگر نبی اکثر کسی گناہم شخص کو بنا دیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ یعنی انتخابِ نبوت میں کس خاص بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے؟ دوسرا یہ کہ اگر پہلے زمانوں میں انبیاء کی ضرورت تھی بھی تو چونکہ اب دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا عہد نبوت تا قیامت ہے اس لئے آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ ان آیتوں میں ان سوالات کا جواب دیا گیا۔

فرمایا دیکھو جب زمین ایک دفعہ آسمانی پانی سے سیراب ہونے کے بعد خشک ہو جائے تو دوبارہ آسمانی پانی ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ زور سے بہہ پڑنے والا پانی ہمیشہ مُعْصِرَاتٍ یعنی ایسے بادلوں ہی سے برساتا ہے جو پانی سے ایسے لدے ہوئے ہوتے ہیں کہ پانی خود بخود ان سے ٹپک پڑنے کے قریب ہوتا ہے۔ اور وہ ان بادلوں سے پانی اس لئے برساتا ہے کہ زمین سے حب اور نبات اور گھنے باغات یعنی ہر وہ چیز اگائے جس کے اگانے کی اس میں قابلیت ہوتی ہے۔ اور جس کی انسانوں کو ضرورت ہو۔ اسی طرح جب وہ کسی قوم کے بارہ میں اس کے جملائے غفلت ہو جانے کے بعد یہ ارادہ فرماتا ہے کہ دوبارہ اس کی تمام صلاحیتوں کا ظہور ہو اور وہ نشوونما پائیں تو وہ ہمیشہ ایسے وجودوں کے ذریعہ روحانی پانی زمین پر اتار کر بہاتا ہے جو اس پانی سے ایسے لدے ہوئے یعنی SATURATED ہوں کہ پانی خود بخود ان سے ٹپک پڑنے کے قریب ہو یعنی جو عام درجہ کے مُلْهَم جنہیں کبھی کبھار کوئی الہام ہو جاتا ہو نہ ہوں بلکہ کثرت مکالمہ مخاطبہ الہیہ سے مشرف ہوں یعنی نبی ہوں کیونکہ کلام الہی اکثر امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اپنے غیب یعنی غیب کی ان باتوں پر جو انسان کو خدا کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں وہ ہمیشہ اپنے نبیوں ہی کو غالب کرتا ہے یعنی انہی کو اس سے بکثرت حصہ دیتا ہے لہذا

آئندہ بھی وہ اس کام کے لئے کوئی نئی ہی بھیجے گا۔ بلکہ آئندہ چونکہ ہر ملک و قوم کے لوگوں کے لئے خود مسلمانوں میں بھی خرابی واقع ہو جانے والی ہے۔ اس لئے جس طرح اس وقت (یعنی زمانہ نزول قرآن میں) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کی کیفیت پیدا ہونے پر اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو كَافَّةً لِلنَّاسِ کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اس وقت بھی کوئی عالمگیر مشن رکھنے والا رسول بھیجے گا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے رسول ہیں اس لئے ضرور ہے کہ وہ موعود آپ کا اہلی اور غلام ہو اور اس کی نبوت آپ ہی کی نبوت کا عمل ہو اس کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ جس طرح مادی بارش کا اثر مختلف زمینوں پر ان کی حسب قابلیت مختلف ہوتا ہے کوئی زمین حب اگاتی ہے کوئی نبات کوئی گھنے باغات اسی طرح وحی الہی کے پانی کا اثر بھی مختلف قوموں یا افراد پر ان کی حسب استعداد مختلف ہوتا ہے سب پر یکساں اثر نہیں ہوتا (اس کی مزید وضاحت سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۵ میں ہے)۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:-

”جب دنیا میں کوئی امام الٰہی آتا ہے تو ہزار ہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انتشار روحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے اس کو الہام شروع ہو جاتا ہے اور جو شخص فکر اور غور کے ذریعہ سے دینی تعلقہ کی استعداد رکھتا ہے اس کے تدبر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے اور جس کو عبادات کی طرف رغبت ہو اس کو تعبد اور پرستش میں لذت عطا کی جاتی ہے اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے اس کو استدلال اور اتمام حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔“ (ضرورۃ الامام ۴۷۳-۴۷۵)

اس آیت میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ خدا کی تازہ وحی کے نتیجہ میں جو مہدی موعود پر ہوگی بعض علاقوں سے ایسے لوگ ایمان لائیں گے جو اگرچہ تھوڑے ہوں یا بظاہر بے حیثیت ہوں مگر وہ بیچ کے مانند ہوں گے یعنی ان سے آگے ان جیسے کئی صاحب ایمان پیدا ہو سکیں گے اور

بعض صورتوں میں تو ان سے شان و عظمت میں بہت بڑھے ہوئے وجود بھی پیدا ہوں گے جیسے بعض چھوٹے چھوٹے بیجوں سے بڑے بڑے درخت پیدا ہو جاتے ہیں (خواہ ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں ایسا ہو یا ان کی اولاد میں ایسے لوگ جنم لیں) اسی طرح بعض ایسے لوگ ایمان لائیں گے جو نبات کے مشابہ ہوں گے یعنی اگرچہ روحانی اعتبار سے بہت زیادہ قد آور نہ ہوں مگر جیسے نباتات کا سبزہ دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے وہ بھی اپنے حسن روحانی اور حسن اخلاق و کردار سے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والے ہوں گے۔ اور بعض علاقوں سے تو جَنَّاتِ الْفَافَا نکلیں گے۔ یعنی بکثرت ایسے لوگ ایمان لائیں گے جو روحانی اعتبار سے بہت قد آور بھی ہوں گے اور ایک دوسرے سے پوری طرح ہم آہنگ بھی اور ایک دنیا کے لئے سایہ رحمت بھی۔ یہ سب باتیں اس زمانہ میں پوری ہو رہی ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آخر میں فرمایا:-

إِنَّ يَوْمَ الْفُضْلِ كَانَ مِيقَاتًا (۱۸)

یقیناً حق و باطل میں تمیز کرنے والا دن اپنے وقتِ مقررہ پر آئیگا ہے۔

يَوْمَ الْفُضْلِ کے معنی حق و باطل میں تمیز کر دینے والے دن کے ہیں۔ اور مِيقَاتًا کے معنی ایسے وعدہ کے ہیں جس کا وقت مقرر کر دیا گیا ہو۔ اوپر کی آیات میں آئندہ ایک نبی کے آنے کی ضرورت واضح کی گئی تھی اور اس کے فوائد بتائے گئے تھے نبی آئے اور اس بات میں تمیز نہ ہو کہ اس میں اور اس کے مخالفوں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر تو اس کا آنا بے کار ہو جائے اور یہ تمیز کھلے کھلے طور پر اسے غلبہ کے ملنے پر ہی ہو سکتی ہے اس لئے اُن آیات کے بعد یہ آیات رکھ کر بتایا کہ نبی موعود کے آنے پر غلبہ اسلام کا دن ضرور آئے گا اور اپنے وقتِ مقررہ پر آئے گا اس میں تاخیر نہیں ہوگی۔ حضرت مہدی موعود فرماتے ہیں:-

”اس زمانہ کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالاتفاق یہودیوں کے قدم پر قدم رکھا ہے ان سب کو آسمانی سیف اللہ دو ٹکڑے کرے گی اور یہودیت کی خصلت مٹا دی جائے گی۔ اور ہر ایک حق پوش و دجال دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا حجت قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا اور سچائی کی فتح ہوگی۔ اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو

پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔“

(فتح اسلام صفحہ ۱۰۰۹)

=====

سورة التکویر میں

مہدی موعودؑ کے وقت کی بعض اہم علامتوں کا ذکر

سورۃ النہا میں خدا تعالیٰ نے آئندہ زمانہ میں نبی کے آنے کی ضرورت بیان کی تھی اور سورۃ التکویر میں نبی موعود کے وقت کی بعض نشانیاں بیان کی ہیں فرمایا:-

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۲)

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔

اس آیت میں شمس کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے کیونکہ اگر یہ واقعہ ظاہر میں ہو تو اگلی آیات میں مذکور بہت سی باتوں کا ظہور ممکن ہی نہیں رہتا۔

قرآن میں آنحضرتؐ کو سِرَاجٌ مُنِيرٌ کہا گیا ہے جو شمس ہی کا دوسرا نام ہے بلکہ سورۃ رجن میں آپؐ کے لئے شمس کا لفظ بھی آیا ہے اس لئے یہاں بھی اس سے آنحضورؐ مراد ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم دونوں کیلئے ایک ہی لفظ 'ذکر' استعمال فرمایا ہے اسلئے جس طرح شمس سے آنحضورؐ مراد ہیں اس سے قرآن کریم یا وحی الہی بھی مراد ہو سکتی ہے۔

كُوِّرَتْ كُوِّرَ سے مجہول کا صیغہ ہے جس کے معنی لپیٹنے یا گرا دینے کے ہوتے ہیں اور كُوِّرَ الْمَتَاعُ کہیں تو مراد گھڑی کی طرح باندھ کر رکھ دینا ہوتی ہے۔

شمس کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی تمام اطراف سے یکساں روشن ہے اور اس کی روشنی ذاتی ہے چاند کی طرح مستعار نہیں پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ ایک وقت آئے گا کہ نمبر ۱ باوجودیکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کا ہر پہلو حسین ہے۔ اس سورج کو لپیٹ دیا جائے گا یعنی دشمنوں کی طرف سے آپؐ کی ہر خوبی پر پردہ ڈالنے اور آپؐ کو آپؐ

کے مقام بلند سے گرانے کی کوشش کی جائے گی۔ (ظاہری طور پر اس سے خاص مگر بن بھی مراد ہو سکتا ہے)

نمبر ۲ قرآن مجید کو گھڑی کی طرح باندھ کر رکھ دیا جائے گا یعنی ظاہر میں اس کی حفاظت اور احترام کیا جائے گا مگر عمل اس پر نہیں رہے گا۔

نمبر ۳ آفتاب وحی کو لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ وحی جو اترنی تھی اتر چکی آئندہ کے لئے اس کا دروازہ بند ہے۔

نمبر ۴ چونکہ صداقت بھی ایک آفتاب ہے کہ اس کی روشنی میں چلنے والا ٹھوکروں سے بچ جاتا ہے اس لئے یہ مراد بھی اس آیت سے ہے اس وقت آفتاب صداقت کو لپیٹ دیا جائے گا یعنی ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا معاشرہ کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہوگی۔

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (۳)

اور جب ستارے دھندلے ہو جائیں گے۔

نجم کے معنی ستارہ کے یا بے جز کی بوٹی کے اور کسی چیز کی اصل کے ہوتے ہیں۔ انْكَدَرَتْ کسی چیز کے بکھر جانے والے تھیر کو کہتے ہیں۔

اوپر کی آیت میں مجہول کا صیغہ تھا مگر اس آیت میں معروف کا صیغہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں شمس کے لفظ سے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ تھا اور اس میں نجوم کے لفظ سے علماء قوم کی طرف اشارہ ہے۔ پس یہ فرق رکھ کر بتایا کہ آنحضرتؐ میں حقیقتاً کوئی خرابی واقع نہیں ہوگی آپؐ کی طرف جھوٹے طور پر خرابی منسوب کی جائے گی مگر اس وقت کے آنے پر جس کا یہاں ذکر ہے علماء خود بکڑ جائیں گے ان کی باطنی حالت مکدر ہو جائے گی۔ وہ تیزی سے نیچے کی طرف جھکنے (یعنی تقویٰ کی بلندیوں کی بجائے دنیا داری کی پستیوں کو اپنے لئے پسند کرنے) لگیں گے۔ اعلیٰ اخلاق اور کردار کی جگہ ادنیٰ اخلاق اور گھٹیا کردار اہانے لگیں گے۔ کہلائیں گے عالم لیکن باتیں جاہلوں والی کریں گے اور حدیث نبویؐ عَلَمًاؤْهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدْنِیْمِ السَّمَاءِ کے مصداق ہو جائیں گے۔ نیز یہ کہ وہ بکھر جائیں گے یعنی مختلف فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ یہ سب باتیں اس زمانہ کے علماء پر صادق آتی ہیں۔

انْكَدَرَتْ کے معنی تناثر کے بھی ہوتے ہیں اس لئے یہ مراد بھی ہے کہ اُس وقت

بکثرت سقوطِ شہب ہوگا۔ چنانچہ ۲۸ نومبر ۱۸۸۲ء کی رات اس کثرت سے شہب گرے کہ اخباروں نے ایک عجوبہ سمجھ کر اس کا بکثرت ذکر کیا۔ احادیثِ نبویہ کے مطابق بھی یہ مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی نشانی تھی۔

لفظ نجم بمعنی ’اصل‘ ہو تو اس میں بتایا کہ اس زمانہ میں ”اصل“ میں بگاڑ آجائے گا یعنی اونچی ذاتوں والے اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے ذلیل ہو جائیں گے اور نیچی ذاتوں والے جموٹے طور پر اونچی ذات والے بن بیٹھیں گے۔ چنانچہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ میراثی قریشی اور ایک دردی والے خواہ ذات کے جولاہے ہی کیوں نہ ہوں شاہ یعنی سید کہلانے لگ جاتے ہیں۔

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (۴)

اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

جبل کے معنی پہاڑ کے ہیں۔ نیز سردار قوم یا بڑے آدمی کے سَيَّرَتْ سَيَّر سے ہے جس کے معنی چلانے کے ہیں۔ سَيَّرَهُ مِنْ بَلَدِهِ کہا جائے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ اسے اس کے شہر سے نکال دیا۔ پس اس میں بتایا کہ ایک تو اس زمانہ میں پہاڑوں کو اڑایا جائے گا۔ چنانچہ آجکل ڈائنامائٹ سے ان کو اڑا کر سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔ دوسرے بڑے لوگوں کو چھوٹا کیا جائے گا (اور چھوٹوں کو بڑا۔ دوسری جگہ خَالِصَةُ رَالِيعَةُ آیا ہے) تیسرے بعض سردارانِ قوم یا بادشاہوں کو ان کے ملکوں سے نکال دیا جائے گا اس حال میں کہ وہ پھر بھی بادشاہ یا سردار ہی کہلائیں گے۔ پہلی باتوں کے علاوہ یہ بات بھی ہمارے اس زمانہ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنے ملک سے نکالا جاتا ہے تو وہ دوسری جگہ جا کر جلا وطن حکومت بنا لیتا ہے اور بادشاہ ہی کہلاتا رہتا ہے۔

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۵)

اور جب دس ماہ کی گامھن اونٹیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی۔
زمانہ نزولِ قرآن میں اونٹ عرب میں ہار برداری لقل و حمل گوشت اور دودھ کے لئے بہت اہمیت کا حامل تھا اور بنا برائیں عشر یعنی دس ماہ کی گامھن اونٹنی کی خاص قدر تھی۔
عُطِّلَ کے معنی کسی چیز کو ضائع ہونے کے لئے چھوڑ دینے کے ہیں پس اس آیت میں بتایا کہ اس زمانہ میں جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے:-

نمبر ۱ عشر کو بے کار کرنے والی تیز رفتار سواریاں نکل آئیں گی۔

نمبر ۲ ایسی سواریاں نکل آئیں گی جو ہر قسم کی خوراک باہر سے عرب میں لائیں گی اس لئے گوشت اور دودھ کے لئے بھی اونٹ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

نمبر ۳ ”اس زمانہ کی سواریاں ہر لحاظ سے اونٹ سے بہتر ہوں گی۔ کیونکہ جو بدل اختیار کیا جائے مُبَدِّل مِنْهُ سے بہتر ہوتا ہے۔“ (حضرت مسیح موعودؑ)

حدیث مسلم میں مسیح موعودؑ کے وقت کی ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ یُسْتَوَكُ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعَى عَلَيْهَا (اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی اور کوئی ان پر سوار نہیں ہوگا)۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں مہدی مسعود المسیح الموعودؑ ہی کے زمانہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ یہی وہ زمانہ ہے کہ اس میں ایک طرف ایک مہدی اور مسیح ہونے کا دعوے دار کھڑا ہوا اور دوسری طرف یہ بات وقوع میں آئی۔

لفظ مسیح کے معنی سیاح کے ہیں۔ اگرچہ مسیح نامی نے بھی سیاحت کی۔ فلسطین سے چل کر کشمیر تک آئے مگر ان کا مشن بہر حال بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو اکٹھا کرنے تک محدود تھا۔ جبکہ مسیح موعودؑ نے تمام اقوام عالم کے لئے نبی ہو کر آنا تھا اس لئے اس کے زمانہ کے لئے تیز رفتار سواریوں کا ایجاد ہونا مقدر کیا گیا۔ پس جس طرح خسوف کسوف مہدی موعود کے وقت کا ایک آسمانی نشان ہے اس طرح اونٹوں کا بے کار ہونا اور تیز رفتار سواریوں کی ایجاد اس کے وقت کا ایک زمینی نشان ہے۔

وَإِذَا لُوحُوشٌ حُشِرَتْ (۶)

اور جب وحوش کو اکٹھا کیا جائے گا۔

وحوش ان جنگلی جانوروں یا چوپایوں کو کہتے ہیں جو انسان سے مانوس نہ ہوں۔ اوپر کی آیات میں ایک معروف پالتو چوپائے اونٹنی کے بے کار چھوڑے جانے کا ذکر تھا۔ اس کے برعکس یہاں جنگلی چوپایوں کے اکٹھے کئے جانے کا ذکر ہے پس اس میں جہاں اس زمانہ میں چڑیا گمروں کے وجود میں آنے کی طرف اشارہ ہے وہاں اس زمانہ کی سواریوں کے ایسی بڑی بڑی اور زوردار ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ وحشی جانوروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکیں۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں وحشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کریں

کی اور ارازل دنیوی مراتب اور عزت سے ممتاز ہوں گے اور بیاعث دنیوی علوم و فنون پھیلنے کے شریفوں اور رزیلوں میں کچھ فرق نہیں رہے گا اور رزائل غالب آئیں گے یہاں تک کہ کلید دولت اور عنان حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگی۔“ (شہادت القرآن)

حشر کے معنی ہلاک کرنے کے بھی ہیں اور جلا وطن کرنے کے بھی۔ اس اعتبار سے اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وحشی انسانوں کو ہلاک کر دیا جائے گا یا جلا وطن کیا جائے گا چنانچہ یہ دونوں باتیں بھی ہمارے اس زمانہ میں وقوع پذیر ہو چکی ہیں۔

وَ إِذَا الْبَحَارُ سُجِّرَتْ (۷)

اور جب سمندر پھاڑے (یا ملائے) جائیں گے۔

بحر کے معنی ہیں سمندر۔ بڑا یا کسی بھی اعتبار سے وسعت رکھنے والا وجود یا وسیع العلم فخص، اور سُجِّرَتْ سُجْرًا سے ہے جس کے معنی ہیں پھاڑنا ملانا بھر دینا۔ اس میں نئی موعود کے زمانہ کی کچھ اور علامتیں بیان کیں اور بتایا کہ اس زمانہ میں

نمبر ۱ دریاؤں کو پھاڑ کر ان سے نہریں نکالی جائیں گی۔

نمبر ۲ سمندروں کو آپس میں ملایا جائے گا۔ چنانچہ یہ ہمارا زمانہ ہی ہے کہ اس میں دریاؤں سے نہریں بکثرت نکالی گئی ہیں اور نہر سوئز کے ذریعہ بحر قلزم اور بحر روم کو اور نہر پانامہ کے ذریعہ بحراوقیانوس اور بحرالکابل کو آپس میں ملایا گیا ہے اور اسی زمانہ میں مہدی موعود کا ظہور ہوا ہے۔

بحر سے وسیع العلم فخص مراد ہو تو اس میں بتایا کہ اس زمانہ میں وسیع العلم لوگوں کے باہمی رابطوں کے سامان کئے جائیں گے یا یہ کہ ایسے سامان ہوں گے کہ ایسے لوگ خواہ کتنے ہی دور دور ہوں ایک دوسرے کے علمی کارناموں سے استفادہ کر سکیں گے نیز یہ کہ انہیں علوم سے بھر دیا جائے گا۔ چنانچہ آجکل مختلف موضوعات پر معلومات کو اکٹھا کرنے کے مختلف طریق رائج ہوئے ہیں۔ جن میں سر فہرست کمپیوٹر ہے، بلیوگرافیاں انسائیکلو پیڈیا وغیرہ ہیں اور اب انٹرنیٹ ہے ان سے علمی ذوق رکھنے والے گویا علم سے بھر دیئے جاتے ہیں۔

وَ إِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (۸)

اور جب لوگوں کو آپس میں ملا دیا جائے گا۔

فرمایا: اس زمانہ میں ایسے سامان میسر ہوں گے کہ دور دور سے آنے والے لوگ آپس میں مل سکیں گے چنانچہ پہلے ریلوں دھانی جہازوں اور ہوائی جہازوں سے یہ بات میسر آئی پھر فون سے پھر ریڈیو اور ٹیلیوژن سے پھر ڈش انٹینا اور سینا لائٹس۔ انٹرنیٹ، E-MAIL وغیرہ سے اور بھی زیادہ لوگ قریب ہو گئے ہیں اور اب تو یہ بھی ہو گیا ہے کہ ایک شخص ایک بات لکھ کر مشین میں ڈالتا ہے تو دنیا کے دوسرے کونے میں بیٹھا ہوا شخص اسی وقت اسی کے خط میں وہ تحریر اپنے سامنے پاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ اور سن بھی سکتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا کہ اس زمانہ میں مختلف مذاہب اور مختلف اقوام کے لوگوں کی آپس میں شادیاں ہوں گی۔ نیز یہ کہ ہم خیال لوگوں کے جتنے اور پارٹیاں بنیں گی۔ یہ آخری معنی سیدنا حضرت عمرؓ کے بیان فرمودہ ہیں۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ (۹) بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (۱۰)

اور جب زندہ درگور کی جانے والی کے بارہ میں پوچھا جائے گا کہ اسے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا۔

آیت وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ کے بعد یہ آیتیں لاکر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جب مختلف اقوام و مل کے لوگوں کا آپس میں ملاپ ہوگا تو حقوق انسانی کا سوال پیدا ہوگا اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکے گا کہ یہ میری لڑکی تھی اگر میں نے اسے زندہ دفن کر دیا ہے تو تم پوچھنے والے کون ہو بلکہ اس فعل کا مرتکب مجرم گردانا جائے گا اور اس سے اس جرم کی باز پرس ہوگی چنانچہ ۱۸۷۲ء میں انگریزوں کی حکومت نے اس کے خلاف باقاعدہ قانون بھی بنایا۔

مَوْءُودَةُ زندہ درگور کی جانے والی لڑکی کو کہتے ہیں زمانہ نزول قرآن میں بھی لڑکیوں کی پیدائش کو اپنے لئے قابل شرم سمجھنے والے سب لوگ انہیں زندہ دفن نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اکثر پہلے انہیں مار کر پھر قبر میں ڈالتے تھے۔ یہاں زندہ درگور کی جانے والیوں کا ذکر ایک تو اس جرم کے مرتکب ہونے والوں کی انتہا درجہ کی شقاوت قلبی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے دوسرے یہ بتانے کو کہ اس زمانہ میں جس کا ذکر ہو رہا ہے ظاہری رنگ ہی میں نہیں اور طرح بھی انہیں زندہ درگور کیا جائے گا۔ چنانچہ جو لوگ بچیوں کو گھروں میں بند رکھتے ہیں اور حصول تعلیم کے لئے بھی باہر نکلنے نہیں دیتے۔ اگلے بدے کے بے معنی اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انہیں

ناموزوں رشتوں میں ہاندھ دیتے ہیں وہ انہیں زندہ درگور ہی کرتے ہیں۔ پھر جو لوگ کم سن بچیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں وہ بھی انہیں زندہ درگور ہی کرتے ہیں۔ پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس زمانہ میں یہ باتیں بکثرت ہوں گی۔

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (۱۱)

اور جب صحیفے (دنیا میں) پھیلانے جائیں گے۔

نُشِرَتْ نُشَرَ سے ہے نَشَرَ الْبَحْرُ نُشْرًا کے معنی ہیں اِذَا عَظْمُ اِسْتَفْصَلَ اِسْتَفْصَالًا دیا۔ نشر الكتب کے معنی ہیں اس نے کتابوں کو کھولا اور نَشَرَ الْمَوْتُ کے معنی ہیں اس نے مردہ کو زندہ کیا لہذا اس آیت میں بتایا کہ اُس زمانہ میں نمبر ۲ صحیفوں کی اشاعت بکثرت ہوگی۔

نمبر ۲ صحیفے کھولے جائیں گے اور

نمبر ۳ مردہ صحیفے زندہ کئے جائیں گے۔ چنانچہ اِس زمانہ میں یہ ساری باتیں پوری ہوئی ہیں جدید مطبع خانوں فوٹوٹائپ مشینوں اور مائیکروفلم وغیرہ کی ایجاد سے اور ذرائع رسل وسائل کی کثرت کے نتیجہ میں پرانی کتب پر ریسرچ ہو رہی ہے اور ان کے مندرجات کی چھان پھنگ ہو رہی ہیں۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ انہیں کھولا جا رہا ہے۔ اور آثارِ قدیمہ والوں نے تو پرانی اور ایک طرح سے مردہ کتب ہی نہیں لائبریریاں تک باہر نکال کر رکھ دی ہیں۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ (۱۲)

اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی۔

اس میں دو باتیں بتائیں۔ نمبر ۱ یہ کہ اس وقت علم ہیئت میں غیر معمولی ترقی ہوگی نمبر ۲ یہ کہ اس وقت آسمانی مذاہب عالم کی بات بات پر تنقیدی نظر ڈالی جائے گی یعنی جب آیت وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کے مطابق اشاعت کتب بہت ہوگی اور علوم پھیلیں گے اور نئی نئی باتیں لوگوں کے سامنے آئیں گی تو ان کی روشنی میں آسمانی کہلائے جانے والے مذاہب کی چھان پھنگ بھی ہوگی۔

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ (۱۳)

اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔

جہنم کوئی خارجی چیز نہیں ہے انسانی بد اعمالیاں ہی دنیا یا آخرت میں جہنم کی صورت اختیار کر لیتی ہیں پس اس میں بتایا کہ اس زمانہ میں جہنمی کام یعنی خدا تعالیٰ کے غضب کی آگ کو بھڑکانے والے کام بکثرت ہوں گے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کھلے عام بدکاری شراب نوشی دوسری منشیات کا استعمال۔ اکل حرام۔ دنگا فساد۔ رشوت ستانی دروغ گوئی دوسروں کی حقوق تلفی طرح طرح کا شرک جس کثرت سے آجکل ہے پچھلے کئی سو سالوں میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی لہذا یہی زمانہ ہے جس کی ان آیات میں خبر دی گئی۔

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْلِفَتْ (۱۴)

اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔

نماز روزے وغیرہ عام نیکیاں تو اس وقت لوگ پہلے بھی بجالا رہے ہوں گے اس بات کو اذا کے ساتھ بیان کرنا بتاتا ہے کہ کسی ایسی بات کے بجالانے کا موقع اس وقت پیدا ہوگا جس کے بجالانے کا موقع اس سے پہلے کے لمبے زمانہ میں ویسا پیدا نہیں ہوا ہوگا جیسا کہ اس وقت ہوگا۔ پس اس میں دین کے لئے غیرت دکھانے اور اس کی خاص خدمات بجالانے کے مواقع میر آنے کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت اسلام پر کثرت اعتراضات کی وجہ سے اور اسلام کے دفاع کیلئے ایک نئی آنے سے پیدا ہونے والا تھا۔ فرمایا:-

عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ (۱۵)

ہر شخص جان لے گا جو (لے کر وہ) حاضر ہوا۔

اس آیت کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا عَمِلْتُ بلکہ یہ ہیں کہ عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ۔ مَّا أَحْضَرْتُ کے یہ معنی نہیں کہ جو اعمال اس نے حاضر کئے بلکہ معنی یہ ہیں کہ جو کچھ لے کر وہ خود حاضر ہوا۔ حاضر ہونے کا لفظ بھی اس لئے استعمال کیا گیا کہ یہاں نبی کی حضوری کا ذکر ہے۔

چونکہ نتیجہ اعمال کے بہام و کمال نکلنے کے لئے اگلا جہان رکھا گیا ہے۔ جو شخص جہنم بھڑکانے والے کام کرتا ہے اس کو بھی یقین نہیں ہوتا کہ جو کام وہ کر رہا ہے وہ اسے جہنم میں لے جائیں گے اور جو شخص نیک کام کر رہا ہوتا ہے اسے بھی یقین نہیں ہوتا کہ اس کے کام واقعی ہر پہلو سے قابل قبول ہیں اور وہ ضرور ہی جنت کو پالے گا لیکن نبی کے آنے پر ایک نمونہ قیامت کا دنیا

ہی میں قائم کیا جاتا ہے اور یہ دونوں قسم کے لوگ اپنے اپنے اعمال کے نتائج دیکھ لیتے ہیں۔ بالخصوص نبی کی مخالفت پر کمر بستہ ہونے والے اور اس کے انصار میں شامل ہونے والے تو ضرور ہی اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھ لیتے ہیں پس اس آیت میں جو جواب اذہا کے طور پر آئی ہے صاف طور پر بتا دیا گیا کہ جب یہ سب باتیں وقوع میں آجائیں گی تو سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کا کوئی فرستادہ ظاہر ہو چکا ہے اور کسی پاک وجود پر الہام کی بارش ہو گئی ہے چنانچہ حضرت مہدی موعود آئے تو آپؑ نے فرمایا:-

”وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی..... اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے وہ واحد و یگانہ مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔“

پھر اس کے بعد وہ مخفی ارادے کبھی زلازل اور کبھی طاعون اور کبھی سیلابوں اور کبھی جنگوں کی صورت میں عملاً ظاہر ہو گئے۔ اسی طرح جنت کے قریب کئے جانے کی پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ آپؑ نے تازہ تازہ نشانات دکھا کر خدا کی ہستی پر یقین پیدا کیا۔ اس کے حسن و احسان کی طرف متوجہ کر کے اس کی محبت سے دلوں کو گرمایا۔ یہ بتا کر کہ ”وہ لعل لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے“ اس کے پانے کا شوق دلوں میں پیدا کیا۔ یہ فرما کر کہ ”تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔“ ناامیدیوں کو امید میں بدلا۔ اور پھر وہ راہیں بتائیں جن پر چل کر اس کا قرب حاصل ہو سکتا ہے اور اس طرح یہ حقیقی جنت آپؑ کے آنے سے قریب کر دی گئی۔

فَلَا أَقْسَمُ بِالْخُنُوسِ (۱۶) الْجَوَارِ الْكُنُوسِ (۱۷) وَاللَّيْلِ
إِذَا عَسَفَ (۱۸) وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (۱۹) إِنَّهُ لَقَوْلُ

رَسُولٌ كَرِيمٌ (۲۰)

ان آیتوں کی ابتدا **فَلَا** یعنی ف اور لا سے کی گئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان سے پہلی آیتوں میں جو بات بیان ہوئی اس کی بنا پر یعنی اس سے نتیجہ نکالتے ہوئے اس زمانہ کے لوگوں کی جس سے وہ آیات متعلق ہیں خیال کی نفی کی گئی ہے۔ اور جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے ان آیتوں میں ایک آنے والے نبی کے آنے کی خبر دی گئی تھی اور اس کے وقت کی علامتیں بیان کی گئی تھیں پس اس کے بعد یہ لفظ (**فَلَا**) لاکر بتایا کہ باوجود نبی کے آجانے کے اس زمانہ کے لوگ سمجھیں گے کہ کوئی نبی آہی نہیں سکتا لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں ہوگا۔ بات یہ ہے کہ جب ایک بات عملاً ظہور میں آجائے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتی سراسر حق ہوتا ہے۔ لیکن دیکھ لیجئے اس پیشگوئی کے عین مطابق باوجودیکہ اس زمانہ میں ایک نبی (مہدی موعودؑ) مبعوث ہو چکا اور قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی حدیث **إِنَّا لَمُهْدٍدِينَآئِينَ** میں مذکور اس کے ظہور کی علامتیں مدت ہوئی ظاہر ہو چکیں اور اس کا سلسلہ ایک چھوٹی سی گناہم بستی سے نکل کر دنیا کے ۱۶۹ سے زیادہ ممالک میں پھیل چکا اور ہر دن ترقی پذیر ہے مگر پھر بھی اس زمانہ کے علماء کہلانے والے (جنہیں قرآن کریم نے ان کی جاہلانہ باتوں کی وجہ سے حصار قرار دیا ہے) یہی رٹ لگائے جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ **خَاتَمُ النَّبِيِّينَ** ہیں اس لئے کوئی نبی آہی نہیں سکتا (جبکہ اسی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک سابقہ نبی مسیح ابن مریم نے دوبارہ آنا ہے) حالانکہ عقلمند کا کام یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص دعویٰ نبوت کرے تو اسے نبوت کی کسوٹی پر پرکھے اگر سچا ثابت ہو تو قبول کر لے اور اپنے ظنون فاسدہ کی پیروی نہ کرے جیسا کہ سورۃ المؤمن ۳۸:۴۰ میں حضرت موسیٰ کے زمانہ کے ایک رَجُلِ مومن کا ذکر فرما کر خدا تعالیٰ نے سمجھایا ہوا ہے اور حضرت حکیم مولانا نور الدینؒ جیسے عالم بے بدل اور رلی کامل کے ایک مشہور ارشاد سے بھی ثابت ہے۔

بہر حال چونکہ اس زمانہ کے لوگوں نے اس خیال کا اظہار کرنا اور اپنے اس خیال باطل کو تقویت دینے کے لئے کہ نبی آہی نہیں سکتا یہ کہنا تھا کہ نبی کی ضرورت ہی نہیں اور اگر ضرورت ہے بھی تو کم از کم یہ شخص جو اس وقت مدعی نبوت بن کر میدان میں اترا ہے نبی نہیں کیونکہ اس کے آنے سے نہ تو مسلمانوں پر چھائی ہوئی مصائب کی رات رخصت ہوئی ہے اور نہ ان کی نشاۃ

ثانیہ کا دن چڑھا ہے۔ حالانکہ بمطابق ارشاد ربانی لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقْبَرٍ ہر اہم خبر کے پورا ہونے کا ایک وقت ہوتا ہے اور ہر نبی کا سلسلہ کمزوری اور غربت کی حالت ہی سے ابتداء کر کے آہستہ آہستہ ترقی پایا کرتا ہے۔ اور پھر دنیا کے ۱۶۹ سے زائد ممالک میں حضرت مہدی موعود کے غلاموں کی جماعتوں کا قائم ہوجانا۔ مسیحی پادریوں کا آپ کے غلاموں کے ہاتھوں پر شکست پر شکست کھانا اور آپ کی اتباع سے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں ایک پاک انقلاب کا آجانا صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اسلام کی نفاۃ ثانیہ کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے۔ بہر حال چونکہ یہ اعتراض ہونے تھے اس لئے پہلے تو 'فَلَا' فرما کر خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے خیالات کو غلط قرار دیا اور اس کے بعد ان آیات میں پہلے تو نبی کی ضرورت بیان کی اور پھر یہ بتایا کہ (نبی موعود کے آئے سے) مسلمانوں پر چھا جانے والی رات ضرور رخصت ہوگی اور ان کی ترقیات کا دن بھی ضرور چڑھے گا اور جب یہ باتیں پوری ہوں گی تو ان سے اس بات کا ثبوت ملے گا کہ قرآن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نہیں رسول کریم کا قول ہے یعنی وہ باتیں ہیں جو خدا کے منہ سے نکلیں اور آنحضور ﷺ نے بطور اس کے رسول بلکہ رسول کریم ہونے کے بیان کیں۔ کریم کا لفظ جب کسی شخص کے لئے آئے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس منصب کے شخص میں جتنے بھی کمالات ہونے چاہئیں وہ سب اس میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ رسول کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مُرسل کی بات بخوبی سمجھنے والا، اسے یاد رکھنے والا اور من و عن آگے پہنچانے والا ہو اس لئے قرآن کو رسول کریم کا قول قرار دے کر بتایا گیا کہ ان باتوں کا پورا ہونا ثابت کرے گا کہ یہ باتیں جس طرح قرآن میں بیان شدہ ہیں بالکل اسی طرح خدا تعالیٰ نے وحی فرمائی تھیں یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ قرآن لفظ بلفظ خدا کا کلام ہے کیونکہ ایسا نہ ہوتا تو اس میں ۱۳۰۰ سال پہلے بیان ہونے والی باتیں من و عن پوری نہیں ہو سکتی تھیں بس اس طرح نہایت خوبصورت انداز میں بتایا کہ نبی موعود یعنی مہدی مسعود کوئی نئی کتاب لے کر نہیں آئے گا۔ قرآن ہی اس کی کتاب ہوگی اور اس کے بھیجے جانے کی غرض یہی ہوگی کہ قرآن کے ہر لفظ کا کلام اللہ ہوتا اور حضرت اقدس محمد ﷺ کا رسول کریم ہونا ثابت ہو۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ لفظ خُنُسُ خَائِسُ کی جمع ہے اور خُنَاس کی بھی جمع ہے خَائِسُ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو (مقابلہ کے وقت) پیچھے ہٹ جاتا یا چھپ جاتا یا بُری باتیں

کہنے لگ جاتا ہے۔ اور پیچھے ہٹنے والے ستاروں کو بھی خُنُس کہتے ہیں۔
 الجوار جاریہ کی جمع ہے اس کے کئی معنی ہیں نمبر ۱ کشتیاں۔ نمبر ۲ لوغیاں۔
 نمبر ۳ لڑکیاں۔ نمبر ۴ سورج۔ اور نمبر ۵ سانپ
 کُنُس کائنس کی جمع ہے۔ الْکَانِسُ اس ہرن کو کہتے ہیں جو اپنی غار میں داخل
 ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ کُنِیسِیۃ کا اسم منسوب بھی ہے۔ کُنُس البیت کے معنی ہیں گھر میں
 جھاڑو دیا۔

=====

آئندہ زمانہ میں نبی کی ضرورت پر ایک محکم دلیل اور یہ اشارہ کہ آنے والا مسیح موعود ہوگا

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور سے ثابت ہے لفظ خُنُس کے ایک معنی پیچھے ہٹ جانے
 والے کے الجوار کے معنی آگے بڑھتے چلی جانے والی ہستیوں کے اور کُنُس کے معنی اپنی پناہ
 گاہ میں گھس جانے والوں کے ہیں۔ مفسرین نے ان سب سے ستارے مراد لئے ہیں۔ مگر پناہ گاہ
 میں گھس جانا ظاہری ستاروں کا کام نہیں اور نہ وہ کبھی آگے چلتے چلتے پیچھے ہٹتے ہیں۔ اس لئے یہ
 معنی لیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ سب الفاظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں اور ان آیات میں بتایا گیا ہے
 کہ اس زمانہ میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے مسلمانوں کی یہ حالت ہو جائے گی کہ ایک طرف ان
 کے ستارے یعنی علماء اپنے اصل مقام سے (جو تمسک بالقرآن کا مقام ہے) پیچھے ہٹ جائیں گے
 یعنی قرآن سے استدلال و استنباط چھوڑ دیں گے۔ دوسری طرف بغیر سوچے سمجھے آگے بڑھتے
 جائیں گے یعنی قرآن کے مغز کو چھوڑ کر قشر پر زور دینے لگیں گے اور رکی اسلام کو پیش کرتے
 چلے جائیں گے۔ اور تیسری طرف جب دشمن قرآن پر اعتراضات کرے گا تو ان کا مردانہ وار
 جواب دینے کی بجائے ڈر کر گھروں میں گھس جائیں گے۔ اس لئے ضرورت ہوگی کہ خدا تعالیٰ اپنا
 کوئی مامور بھیجے جو قرآن کا زندہ اور قابل عمل کلام الہی ہونا ثابت کرے۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا لفظ خُنُس خُنُس کی بھی جمع ہے۔ الجوار کے معنی بڑی بڑی
 کشتیوں والوں کے ہیں۔ اور کُنُس کُنِیسِیۃ کا اسم منسوب ہے یعنی کنِیسِیہ والا۔ ”عربی

میں اسم منسوب عام طور پر تو یائے نسبی لگانے سے بنتا ہے جیسے عرب سے عربی مدینہ سے مدنی مگر کبھی اسم جامد کو فاعل کے وزن پر لانے سے بھی اسم منسوب بنالیا جاتا ہے جیسے لبن سے لابن حطب سے حاطب جمل سے جامل اس لحاظ سے کنسیسیہ کا اسم منسوب کانس اور اس کی جمع کنس ہے۔“ (حضرت مولوی عبداللطیف بہا پوریؒ) ان معنوں کے اعتبار سے ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اس زمانہ میں جس کا اوپر ذکر ہوا خناس یعنی شیطان کے بہت سے مظاہر (خُنس) وجود میں آجائیں گے۔ ان کی پہچان یہ ہوگی کہ وہ اصحاب الجوار یعنی بڑی بڑی کشتیوں والے، ذوات الکناس یعنی گرجوں والے اور (مسلمانوں کے حق میں) سراسر سانپ ہوں گے۔ یعنی وہ وہ اژدہا ہوں گے جس کا مکافضہ یوحنا میں ذکر آیا ہے۔ یا یہ کہ وہ لڑکیاں ہوں گی جو مسلمان نوجوانوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس کر گمراہ کریں گی۔ ”الْجَوَارِ الْكُنَّسِ“ سے مراد ایسی جدید سواریاں (جو چلتے ہوئے پیچھے جھاڑو دیتی چلی جاتی ہیں یعنی ان کے پیچھے ہوا کے شدید دباؤ یا خلا کی وجہ سے گرد و غبار اڑتا ہے جیسے موٹر کار وغیرہ) بھی ہو سکتی ہیں۔ (پروفیسر محمد سلطان اکبر)۔ پس ان آیات میں دجال کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف بڑی گھناؤنی چالیں چلنے والا دھوکہ سے کام لینے والا اور اس کے ساتھ اتنی بڑی مادی طاقت کا حامل ہوگا کہ تمام سمندروں پر اس کا قبضہ ہوگا (جیسا کہ صرف اس کو صاحب الجوار قرار دینے سے اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے)۔ اس اعتبار سے ان آیات میں یہ بتایا کہ اس زمانہ میں مسلمان مادی ذرائع سے اپنے دشمنوں کا (جو مسیحی ہوں گے) مقابلہ نہیں کر سکیں گے صرف روحانی ذرائع سے کر سکیں گے۔ لیکن ان کے علماء چونکہ خود دشمن سے خوف زدہ اور اس کے مقابلہ سے گریز کرنے والے ہوں گے اس لئے ضرورت ہوگی کہ خدا تعالیٰ اس کام کے لئے اپنا کوئی مامور بھیجے۔ پس ہر دو معنوں کے اعتبار سے ان آیتوں میں یہ بتایا گیا کہ اس وقت نبی کی ضرورت ہوگی اور اس وقت کے بڑے دشمنوں کا مسیحی ہونا ظاہر کر کے یہ اشارہ بھی کر دیا گیا کہ آنے والا نبی مسیح موعودؑ ہوگا اور نیز یہ کہ وہ مسیح نامری سے افضل ہوگا کیونکہ مسیحی فتنہ یعنی مسیحیوں کے مسیح کو ابن اللہ قرار دینے سے غرض اسے محمد رسول اللہ ﷺ سے افضل ثابت کرنا ہے۔ اور اس کا رد اس سے بہتر کسی اور طریق سے نہیں ہو سکتا تھا کہ آنحضرتؐ کے کسی غلام کو مسیح اور مسیح نامری سے افضل مسیح بنا دیا جاتا۔

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ (۲۱) مُطَاعٌ ثَمَّ

أَمِينٍ (۲۲)

(جو) قوت والا (خدائے) ذوالعرش کے نزدیک صاحب مرتبہ ہے۔

مطاع ہے وہاں امین (شمار ہوتا) ہے۔

ذِي قُوَّةٍ کے معنی موصوف کے مطابق مختلف ہوتے ہیں مثلاً پہلوان کیلئے آئے تو اس لفظ کے اور معنی ہوں گے۔ جرنیل کے لئے آئے تو اور بادشاہ کے لئے آئے تو اور۔ خدا کے رسول کا کام چونکہ اس کا پیغام پہنچانے کے علاوہ تزکیہ نفس کرنا بھی ہوتا ہے اسے قوتِ جاذبہ اور قوتِ قدسیہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ دلوں کو اپنی طرف کھینچے اور پاک کرے اس لئے آنحضرتؐ کے حق میں اس کے یہی معنی ہیں کہ آپ کو قوتِ قدسیہ (غیر معمولی) دی گئی۔

ذِي قُوَّةٍ کے بعد ہے عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثُمَّ أَمِينٍ اس میں ثُمَّ کا لفظ نہیں ثُمَّ کا لفظ ہے جو اسم مکان ہے اور اس سے پہلے جس مقام کا ذکر ہوا وہ عرش ہے اس لئے ثُمَّ أَمِينٍ کا مطلب یہ ہوا کہ عرش پر وہ امین شمار ہوتا ہے یعنی خدا ہی نہیں ملائک بھی اسے امین سمجھتے ہیں۔ یہاں ثُمَّ مُطَاعٍ أَمِينٍ نہیں فرمایا بلکہ مُطَاعٍ ثُمَّ أَمِينٍ فرمایا ہے پس مُطَاع کا لفظ ذِي قُوَّةٍ سے متعلق ہے اور امین کا لفظ دوسرے جملہ سے متعلق ہے اور ترکیب عبارت یوں ہے کہ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ أَمِينٍ

سورۃ یوسف میں یہ ذکر ہے کہ حضرت یوسف کو بادشاہ نے اپنے پاس بلایا اور کہا إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ۔ آج تو ہمارے نزدیک صاحب مرتبہ اور امین ہے اور جیسا کہ حضرت یوسف کے جواب سے ظاہر ہے اس نے ساتھ ہی یہ اشارہ کیا کہ وہ انہیں اپنی حکومت کا کوئی اونچا عہدہ دینا چاہتا ہے اور انہی سے یہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ کونسا عہدہ پسند کریں گے چنانچہ حضرت یوسف نے کہا اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے (یعنی ان کی حفاظت اور ان کا استعمال میرے ذمہ لگا دیجئے) یقیناً میں حفیظ و عظیم ہوں (یعنی ان کی حفاظت کرنا بھی جانتا ہوں اور ان کا صحیح مصرف بھی جانتا ہوں) بالکل وہی الفاظ یہاں آسمانی بادشاہ خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں استعمال فرمائے ہیں۔ وہ بادشاہ ایک زمینی بادشاہ تھا اور اپنے محدود علم کی بنیاد پر خود حضرت یوسفؑ سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ اپنے لئے کیا پسند کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اُس کی توفیق کے مطابق اس

سے خزان الارض پر اختیار مانگا لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا معاملہ اپنے آسمانی بادشاہ سے تھا جو عَلَیْہِمْ بِذَاتِ الصُّدُور ہے اور خوب جانتا تھا کہ آپ خزان السَّمَاوِی کو پسند کرنے والے ہیں ان کی حفاظت کی استعداد بھی رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انہیں کہاں اور کیسے خرچ کرنا ہے۔ (بائبل کے محاورہ کے مطابق) موتیوں کو سوروں کے سامنے ڈالنے والے نہیں ہیں۔ اس لئے اس نے آپ سے اس بارہ میں کوئی سوال تو نہیں کیا لیکن وہی الفاظ جو بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے کہے تھے آپ کے بارہ میں بصیغہ غائب فرما کر قارئین قرآن کو یہ سمجھا دیا کہ آپ اس کے حضور ایسے صاحب مرتبہ ہیں اور اس کے اور اس کے فرشتوں کے نزدیک ایسے امین ہیں کہ اس نے آپ کو آسمانی خزانوں یعنی اپنی معرفت اور اپنے غیب (یعنی اپنی طرف رہنمائی کرنے والے غیب) کے خزانوں کا امین بنا دیا ہے پس آئندہ جو کوئی بھی ان خزانوں کو حاصل کرنا چاہے آپ ہی کی وساطت سے حاصل کر سکتا ہے اس کے بغیر نہیں۔ ۷

وَاللّٰہُ اِنَّ مُحَمَّدًا
وَبِہِ الْوُصُولُ بِسُوءِ السُّلْطَانِ

مہدی موعودؑ کا آنا آنحضرتؐ کی قوتِ قدسیہ کا ثبوت ہوگا اور آپ ہی اس کے مطاع ہوں گے

پس جہاں آیت اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ میں خدا تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ قرآن میں پہلے سے دی جانے والی خبروں کے مطابق تغیرات کا واقع ہونا اور ایک نبی کی ضرورت کا پیش آنا اور ضرورت کے وقت اس کا بھیجا جانا اور اس کے آنے پر مسلمانوں کے مصائب کی رات کا رخصت ہونے لگنا اور ان کی ترقیات کی صبح کا نمودار ہونا اس امر کی دلیل ہوگی کہ قرآن محمد (ﷺ) کا اپنا کلام نہیں بلکہ خدا کے منہ سے نکلے ہوئی باتیں ہیں جو آپ نے رسول کریم ہونے کی حیثیت میں مِنْ دَعْنِ بیان کی ہیں وہاں اسکے بعد ذِی قُوَّة (مطاع) فرما کر یہ بتایا کہ نبی موعود کا آنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبردست قوتِ قدسیہ کا ثبوت ہوگا یعنی وہ آپ ہی سے فیض یاب ہو کر مقام نبوت پائے گا اور آپ ہی اس کے مطاع ہوں گے۔ چنانچہ اس

نبی مہدی مسعود المسعود نے خود اس حقیقت کا اعتراف یہ اس الفاظ کیا کہ

ہم ہوئے غیر اُنم تھ سے ہی اے غیر رسل

تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

پھر اس کے ساتھ یہ بتا کر کہ آپ کو اس کی معرفت کے اور غیب کے خزانوں کا امین بنایا گیا ہے خدا تعالیٰ نے یہ سمجھایا کہ یہی نہیں کہ آپ کی اتباع سے ایک شخص مقام نبوت پالے گا بلکہ یہ بھی ہے کہ آئندہ آپ سے فیض حاصل کئے بغیر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے ان خزانوں میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ دوسرے تو دوسرے خود اہل کتاب کے بارہ میں فرمایا:-

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ

وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ (المائدہ ۶۹:۵)

کہہ اے اہل کتاب جب تک تم تورات اور انجیل پر اور اس وحی پر جو

(بصورت قرآن) تمہارے رب کی طرف سے تم پر اتری ہے قائم نہیں

ہوتے تمہارے ایمان کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس کے بعد فرمایا:-

وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ (۲۳)

اور (یاد رکھو) تمہارا صاحب مجنون نہیں۔

جب کسی اچھے بھلے آدمی کے بارہ میں کسی بدی کا نام لے کر کہا جائے کہ وہ ایسا نہیں مثلاً یہ کہا جائے کہ وہ کوئی دروغ گو نہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا حال تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہمارے وقت تمہارے ساتھ رہتے ہیں۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ مجنون نہیں ہیں بلکہ حد درجہ کے زیرک انتہائی بااخلاق اور سچے انسان ہیں اس لئے یہ سب باتیں جو آپ عالم الغیب خدا کی طرف منسوب کر کے بیان کر رہے ہیں اپنے وقت پر ضرور پوری ہوں گی۔

=====

مہدی موعودؑ کا ظہورِ مملہ کے مشرق میں واقع مقام سے ہوگا

چونکہ زیرِ آدی کو بھی بعض باتوں میں غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لئے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمُعْجُزٍ کے بعد فرمایا:-

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ (۲۴)

اور یقیناً اس نے اس (ہونے والے واقع) کو افقِ مبین پر دیکھا ہے۔

افق اس مقام کو کہتے ہیں جہاں حدِ نظر آسمان اور زمین کو ملنے ہوئے دیکھتی ہے۔ ایسی ہر جگہ افق تو ہوتی ہے افقِ مبین نہیں ہوتی۔ افقِ مبین صرف مشرقی افق ہی ہوتی ہے جدھر سے سورج نکلتا ہے پس جہاں اوپر کی آیات میں زمانہ بعید کی طرف اشارہ تھا اس آیت میں مشرق بعید کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ جس نبی کے آئندہ زمانہ میں آنے کی پیشگوئی پہلی آیات میں کی گئی تھی اس کا ظہور اس سورۃ کی جائے نزول یعنی مملہ سے مشرق کی طرف کے ایک مقام پر ہوگا۔ حدیثِ نبویؐ عَصَابَةُ تَغْزُو الْهِنْدَ وَهِيَ تَكُونُ مَعَ الْمَهْدِيِّ اسْمُهُ أَحْمَدُ عین اس کے مطابق ہے۔ (مزید دیکھیں صفحہ ۳۱۱)

سورۃ النجم میں ہے وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ خداتعالیٰ افقِ اعلیٰ پر تھا پس افقِ اعلیٰ اور افقِ مبین کے الفاظ ایک دوسرے کے مفسر ہیں۔ سورۃ النجم میں یہ بھی آتا ہے کہ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کو (یعنی قرآن کریم، جبرائیل یا خداتعالیٰ کو ایک اور بار۔ یا یہ کہ ایک اور ہی شان میں) بھی نازل ہوتے دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ (پر یا اس) کے پاس۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ کے ایک معنی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ کے ہیں یا سدرۃ المنتہیٰ کے ایک معنی افقِ مبین پر ہونے والی تجلی الہی کے ہیں۔ پس اس میں بتایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو تو وہ جگہ تک دکھا دی گئی ہے جہاں آئندہ نبی نے مبعوث ہوتا قرآن کریم نے دوبارہ نازل ہونا اور خداتعالیٰ نے پھر تجلی کناں ہونا ہے پس آپؐ تو علیٰ وجہ البصیرت ہو کر بات کر رہے ہیں اور تم بغیر دیکھے اور بغیر جانے ان پر اعتراض کر رہے ہو۔ (هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں)۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ

اور وہ غیب کے معاملے میں بخیل نہیں۔

جس طرح حضور کے بارہ میں یہ فرما کر کہ آپ مجنوں نہیں یہ بتایا تھا کہ اس کے برعکس آپ نہایت زیرک انسان ہیں اسی طرح یہاں یہ فرما کر کہ آپ الغیب کے معاملہ میں بخیل نہیں یہ بتایا کہ اس معاملہ میں آپ بہت سخی ہیں۔ مگر اس سے پہلے آپ کو خدا تعالیٰ کے غیب کے خزانوں کا امین بھی قرار دیا گیا۔ اور امین کا فرض ہوتا ہے کہ جس چیز کا اسے امین بنایا گیا ہو وہ چیز مناسب جگہ پر اور مناسب مقدار میں خرچ کرے لہذا اس سے پہلے آنے والے الفاظ ذی قوۃ اور مطاع کے ساتھ ملا کر اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنی قوتِ قدسیہ کے فیض سے ہر اس شخص کو جو آپ کا مطیع ہو (خواہ اس کا تعلق زمانہٴ حال سے ہو یا آئندہ کے کسی زمانہ سے بِإِذْنِهِ تَعَالَى) بقدر اس کی اطاعت و استعداد کے اس نعمت سے بہرہ ور فرمانے والے ہیں۔ یعنی جو سب سے زیادہ آپ کا مطیع ہوگا (بشرطِ استعداد) وہ سب سے زیادہ اس نعمت سے حصہ پائے گا۔ یعنی اظہار علی الغیب سے سرفراز کیا جائے گا یعنی (نبی کا وقت نہ ہونے کی صورت میں نبی کا نام پانے والا بیشک نہ ہو مگر) مقام نبوت پانے والا ضرور ہوگا۔ اور نبی کا وقت ہو تو نبی کا نام بھی پائے گا۔ یعنی نعمت اظہار علی الغیب پانے کی وجہ سے نبی اللہ کہلائے گا اور اس کی طفیل دوسرے بھی اس نعمت سے حصہ پائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اُمّتِ مسلمہ میں ظاہر ہونے والے نبی حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

”اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ میں آنحضرت ﷺ کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرتِ مکالمہ و مخاطبہ الہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔“ اسی طرح فرمایا: ”میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارقِ عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے اور خدا اور رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا مگر یاد رکھو تمام مخالفوں

کے لئے یہ دروازہ بند ہے اور اگر دروازہ بند نہیں تو کوئی آسانی نشانوں میں مجھ سے مقابلہ کرے اور یاد رکھیں کہ ہرگز نہیں کر سکیں گے پس یہ اسلامی حقیقت اور میری حقانیت کی ایک زندہ دلیل ہے“ (اربعین نمبر ۱)

=====

سورة الانفطار میں مہدی موعودؑ کا ذکر

سورة التکویر کے بعد سورة الانفطار آتی ہے۔

سورة مریم میں فرمایا گیا تھا کہ تَكَاذِلُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَذَا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں اس وجہ سے کہ انہوں نے (خدائے) رحمن کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس سورة میں خدا تعالیٰ نے اس وقت کا ذکر کیا ہے جب آسمان عملاً پھٹ جائے گا اور اس کو سورة تکویر کے بعد رکھا ہے (جس میں مسیحی فتنہ کا بھی ذکر ہے اور ایک نبی کے آنے کا بھی ذکر ہے) اس لئے اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس نبی کے آنے اور خدا کا بیٹا قرار دینے والوں پر تمام جہنم جہنم کے بعد وہ عذاب جسے آسمانوں کے پھٹنے سے تعبیر کیا گیا عملاً وارد ہو جائے گا۔ آگے اس عذاب کی تفصیل ہیں اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَّ وَأَخْرَثَ۔ ظاہر ہے کہ اس میں نفس کی تکفیر و تحقیر کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب آنے پر ان انتہائی گندے لوگوں کو جن کا نام لئے بغیر ان کی طرف ذہن جاسکتا ہے یعنی خدا کا بیٹا قرار دینے والے مسیحیوں کو سمجھ آجائے گی کہ انہیں کیا نہیں کرنا چاہیے تھا جو انہوں نے کیا اور کیا کرنا چاہیے تھا جو انہوں نے نہیں کیا یعنی ان کو شرک کرنے اور توحید اختیار نہ کرنے یا مسیح کے مقام میں غلو سے کام لینے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام کو نہ پہچاننے کی غلطی کا احساس ہو جائے گا اور وہ دین توحید اسلام کی طرف رجوع کریں گے۔

=====

آخری زمانہ میں ایک جلالی شبیہ کی صورت میں مسیح کے تیسرے ظہور کی پیشگوئی

جاننا چاہیے کہ انقطاع کے معنے صرف پہننے کے نہیں بلکہ پہلی بار پہننے کے ہیں۔ لہذا اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ کے الفاظ میں صرف آسمان کے پہننے ہی کی پیشگوئی نہیں کی گئی بلکہ یہ پیشگوئی بھی کی گئی تھی کہ یہ واقعہ ایک دفعہ ظہور پذیر ہونے کے بعد کسی وقت دوبارہ بھی ہوگا اور چونکہ اس کا سبب خدائے رحمن کا بیٹا قرار دینا بتایا گیا اس لئے اس میں دراصل یہ اشارہ کیا گیا کہ مذکورہ عذاب آنے کے بعد بے شک مسیحی قوم کو خدا کا بیٹا قرار دینے کی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا اور وہ دین توحید اسلام کی طرف رجوع کرے گی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ فتنہ پھر سر اٹھائے گا پھر شرک دنیا میں پھیلے گا اور پھر اسی قسم کا مگر پہلے سے بڑھ کر عذاب آئے گا۔ تاہم چونکہ خدا تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ مَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا اس لئے اس عذاب سے پہلے بھی ایک رسول آئے گا۔ اور چونکہ دنیا میں جب بھی کسی نبی کے نام پر شرک پھیلے تو اس کی روحانیت اپنے ایک بروز کا ظہور چاہتی ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس ظلم کا ازالہ ہو اس لئے جس طرح پہلی بار مسیح کے نام پر شرک پھیلا اور مسیح کی روحانیت کے اپنے بروز کا ظہور چاہنے پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا (جو جامع جلال و جمال نبی تھے) اور دوسری دفعہ ایسی ہی صورت کے پیدا ہونے پر مہدی مسعود المسعود کا ایک جمالی رنگ میں ظہور مقدر کیا گیا (جو اب ہو چکا ہے) اسی طرح اس وقت جب تیسری بار مسیح کے نام پر شرک پھیلے گا تو تیسری بار مسیح کی روحانیت بروزی رنگ میں اپنا ظہور چاہے گی جو ایک جلالی شبیہ کی صورت میں ہوگا کیونکہ جب جمالی مسیح کے سنوارے ہوئے بگڑے تو حکمت جلالی مسیح کے ظہور کی مقتضی ہوگی۔ اور اس کے ذریعہ احرام حجت ہو جانے کے بعد وہ عذاب وارد ہو جائے گا چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:-

”.... خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بات بھی مجھ پر کھلی ہے کہ ایک زمانہ

گزرنے کے بعد کہ خیر اور صلاح اور غلبہ توحید کا زمانہ ہوگا پھر دنیا میں

فساد شرک اور ظلم عود کر آئے گا اور بعض بعض کو کیرڑوں کی طرح

کھائیں گے اور جاہلیت غلبہ کرے گی اور دوبارہ مسیح کی پرستش شروع ہو جائے گی اور مخلوق خدا کو خدا بنانے کی جہالت پھر سے زور سے پھیلے گی اور یہ سب فساد عیسائی مذہب سے اس آخری زمانہ کے آخری حصہ میں دنیا میں پھیلیں گے۔ تب پھر مسیح کی روحانیت جوش میں آکر جلالی طور پر اپنا نزول چاہے گی تب ایک قہری شبیہ میں اس کا یعنی مسیح کا نزول ہو کر اس زمانہ کا خاتمہ ہو جائے گا تب آخر ہوگا اور دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی۔“ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۶)

=====

سورة الْمُطَفِّفِينَ میں ایک پیشگوئی مہدی موعودؑ کے متعلق

سورة انفطار کے بعد سورة الْمُطَفِّفِينَ آتی ہے۔ اس میں ابرار کے لئے یہ بشارت ہے کہ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مُّخْتَلَمٍ خِتْمُهُ مُسْكٌ۔ انہیں سر بہر شراب پلائی جائیگی۔ جس کی مہر مشک کی ہوگی۔ (یا جس کے آخر پر مشک ہوگی)۔ اس تعلق میں جاننا چاہیے کہ بعض دفعہ کسی چیز کے بکثرت استعمال کرنے والے کو اس چیز کا نام دے دیا جاتا ہے عمارہ زبان میں بھی اور رویا میں بھی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے رویا میں دیکھا کہ مسجد میں دو تختے پڑے ہیں اور مراد اس سے دو بکثرت کھٹے پینے والے مہمانوں سے تھی۔ اس اعتبار سے یہ فرما کر کہ اس (شراب) کی مہر مشک کی ہوگی یا یہ کہ اس کے آخر میں مشک کی ہوگی۔ یہ اشارہ فرمایا کہ آخری زمانہ میں قرآن کا محافظ وہ شخص ہوگا جو بکثرت مشک استعمال کرنے والا ہوگا۔ اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ اُمت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر پر ابن مریم (جس سے مسیح و مہدیؑ مراد ہیں) اس لئے اس میں دراصل موعود مہدی یا مسیح کی ایک ظاہری علامت بتائی گئی کہ وہ مشک کا بکثرت استعمال کرنے والا ہوگا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کے وجود میں پوری ہوئی۔

=====

سورة الانشقاق میں ذکر المہدیؑ

سورة الانفطار میں مسیحیوں کے اس ظلم کا ذکر تھا جو وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دے کر اس کے بارہ میں روا رکھتے تھے اور سمجھایا گیا تھا کہ آئندہ زمانہ میں وہ اس میں اتنی ہدایت اختیار کر لیں گے کہ آسمان (جو بمطابق آیت تَكَاذُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرُونَ) انکے اس ظلم کی وجہ سے پھٹنے کے قریب ہے عملاً) پھٹ جائے گا۔ یعنی عذاب الہی کے وعدے ان کے حق میں پورے ہو جائیں گے۔ اگلی سورة الْمُطَفِّفِينَ کے شروع میں یہ ذکر فرما کر کہ مُطَفِّفِينَ کے لئے عذاب ہے یہ سمجھایا گیا تھا کہ یہ قوم خدا تعالیٰ ہی کی حق تلفی کی نہیں بندوں کی حق تلفی کی بھی مرتکب ہوگی اور اس وجہ سے بھی مستحق عذاب ہوگی اور چونکہ اُس سورة میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ عذاب آنے پر ہی ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہوگا کہ کیا کام نہ کرنے کے تھے جو انہوں نے کئے اور کیا کام کرنے کے تھے جو انہوں نے نہیں کئے یعنی اس کے بعد ہی انہیں خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ نہ ہونے کی غلطی کا احساس ہوگا اور اس کے بعد ہی وہ اسلام لائیں گے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ تو تمام انسانوں کی طرف رسول ہو کر آئے ہیں مسیحی تو انسانی آبادی کے ایک چوتھائی حصہ سے بھی کم ہیں۔ اگر وہ عذاب آنے سے پہلے ایمان لانے والے نہیں تو نہ سہی دوسرے لوگ جو ہماری اکثریت میں ہیں یا بہ الفاظ دیگر انسان بحیثیت جنس کب ایمان لائے گا؟ اسلئے سورة الْمُطَفِّفِينَ کے بعد سورة الانشقاق لائی گئی اور اس کی آیات ۶ تا ۱۲ کو حرف 'اذا' سے شروع کر کے اس سوال کا جواب دیا گیا۔ اور چونکہ یہ آیات ایک مُعْتَمِن سوال کے جواب میں لائی گئی تھیں بوجہ ضرورت بیان نہ ہونے کے جواب اذا کو مخدوف رکھا گیا۔ فرمایا:-

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۖ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۖ

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے رب کی طرف کان دھرے گا اور

اس کا حکم بجالائے گا۔

اگر ظاہری آسمان پھٹ جائے تو نظام عالم قائم نہیں رہ سکتا اور اگلی آیات میں جو باتیں کہی گئیں وہ پوری نہیں ہو سکتی تھیں اس لئے إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ میں سَمَاء کا لفظ مجازاً

استعمال ہوا ہے۔ سَمَاء کے معنی چھت کے ہیں اور چھت پھٹنے پر جو کچھ اسکے اوپر ہوتا ہے نیچے آجاتا ہے۔ چونکہ دوسری جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ وَلِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (آسمانوں میں تمہارے لئے رزق بھی ہے اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب بھی) اس لئے آسمان کے پھٹنے کا ذکر کنایہ ہے خدا کے رحم اور اس کے عذاب (اور بہت بڑے عذاب) کے لئے۔ یوں تو مکافاتِ عمل کا سلسلہ ہر وقت جاری ہے اور ایک حد تک خدا کا رحم بھی اور اس کا عذاب بھی ہر وقت ہی نازل ہوتا رہتا ہے لیکن یہاں چونکہ انشقاقِ سماء کا ذکر 'اِذَا' کے ساتھ کیا گیا ہے اس لئے اس سے ہر وقت نازل ہونے والی رحمت یا عذاب مراد نہیں ہو سکتا بلکہ رحمت خاص اور عذاب خاص کا نزول یا رحمت اور عذاب کا خصوصی نزول جو وسیع پیمانہ پر ہوتا ہے مراد ہے اور یہ نزول ہمیشہ نبی کے آنے پر ہوا کرتا ہے چنانچہ عذاب کے بارہ میں آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا اور رحمت کے بارہ میں سورۃ القدر کی آیات اور آیت وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ اور دوسری کئی آیات دلیل ہیں۔ اس لئے ان آیات کو جو 'اِذَا' کے ساتھ شروع کیا گیا تو اس سے مقصود سوائے یہ سمجھانے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ بے شک ایک نبی بلکہ افضل الانبیاء ﷺ ان آیات کے نزول کے وقت بھی موجود ہیں اور خدا تعالیٰ کی رحمت خاص کا نزول ہو رہا ہے اور اس کے عذاب خاص کا نزول بھی (جیسا کہ دوسری آیات میں بوضاحت ذکر ہے) ہونے والا ہے لیکن اس کے بعد رحمت خاص اور عذاب خاص کا یہ نزول یا رحمت اور عذاب کا خصوصی نزول ایک مدت تک کے لئے رک جائے گا۔ اس کے بعد پھر اچانک ایک نبی برپا ہوگا اور اس کے آنے پر پھر یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ چھت پھٹنے پر جو کچھ اوپر ہو وہ نیچے تو بے شک آجاتا ہے لیکن بے ہنگم طور پر آتا ہے یعنی ضروری نہیں ہوتا کہ جس چیز کو جہاں آکر ٹھہرنا چاہیے وہ وہیں آکر ٹھہرے اس لئے إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ کے بعد فرمایا وَادْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔ اور وہ یعنی آسمان یعنی آسمان والے یعنی فرشتے اپنے رب کی طرف کان دھریں گے اور اس کا حکم بجالائیگی یعنی جس تک وہ چاہے گا اسی تک اس کی رحمت اور جس تک وہ چاہے گا اسی تک اس کا عذاب پہنچائیگی۔ اسی طرح اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ملائکہ نبی وقت کی تائید میں اور اس کے دشمنوں کو ناکام و نامراد کرنے میں لگ جائیں گے کیونکہ ان پر یہی فرض ہے (کہ اپنے رب کی مرضی کریں)۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے یہ الہام کیا **يَنْصُرُهُ الْمَلَايِكَةُ** ملائکہ اس کی مدد کریں گے اور آپ نے خود بھی فرمایا:-

”مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے سو میں صلیب کے توڑنے اور خزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ میں آسمان سے اترتا ہوں ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے جن کو میرا خدا جو میرے ساتھ ہے میرا کام پورا کرنے کے لئے ہر ایک مستعد دل میں داخل کرے گا بلکہ کر رہا ہے اور اگر میں چپ بھی رہوں اور میری قلم لکھنے سے رکی بھی رہے تب بھی وہ فرشتے جو میرے ساتھ اترے ہیں اپنا کام بند نہیں کر سکتے۔“

اس کے بعد ہے:-

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ (۴) وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ (۵)
وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (۶)

لفظ مُدَّتْ مد سے ہے جس کے کئی معانی ہیں۔ پھیلا نا، فریاد سننا، مدد دینا، کھاد ڈالنا وغیرہ۔ الارض کا ال جنس کا بھی ہو سکتا ہے اور تخصیص کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ارض سے یہ زمین بھی مراد ہو سکتی ہے اور اہل ارض بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ظاہری معنی میں آیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجازی معنی میں آیا ہو۔

پس پہلی بات اس آیت میں (الارض کے ال کو جنس کا لے کر) یہ بتائی گئی کہ آئندہ ایک زمانہ آئے گا کہ یہ زمین پھیلا دی جائے گی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا یہ زمانہ ہی وہ زمانہ ہے جس میں سمندروں کو خشک کر کے اور جنگلوں کو صاف کر کے قاتل رہائش بنایا جا رہا ہے اور اس طرح زمین وسیع کی جا رہی ہے۔ پھر یہی وہ زمانہ ہے کہ زمینی سامانوں کے ساتھ انسان چاند پر جا پہنچا ہے۔ اور ستاروں تک اس کی بنائی ہوئی مشینیں پہنچنا شروع ہو گئی ہیں۔ اور اس طرح بھی زمین وسیع ہو رہی ہے۔ پھر یہی وہ زمانہ ہے جس میں ذرائع رسل و رسائل کی ایسی ترقی ہو گئی ہے کہ ایک آدمی دنیا کے ایک کنارے پر بیٹھا ہوا دنیا کے دوسرے کنارہ کے انسان سے باتیں کر سکتا

ہے۔ ساتھ ساتھ اسے دیکھ بھی سکتا ہے اور چند گھنٹوں میں اس تک پہنچ بھی سکتا ہے اور اس طرح اس کے رہنے کی زمین دنیا کے دوسرے کنارہ تک وسیع ہوگئی ہے۔ پس اس میں اسی زمانہ کا ذکر ہے اور یہ آیت اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ ان ہاتوں کے ظہور میں آنے سے پہلے نبی موعود کا ظہور ہو چکا ہے۔

اس کے بعد وَالْقَتَّ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ کے الفاظ میں بتایا کہ وہ زمانہ آنے پر جس کا اس سے پہلی آیتوں میں ذکر ہے زمین اپنے خزانے اس کثرت کے ساتھ اُگلے گی کہ یوں لگے گا کہ وہ خالی ہوگئی ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے پٹرول، گیس، یورینیم اور دوسری ریڈیو ایکٹو (RADIOACTIVE) دھاتیں جن سے ایٹمی ایندھن تیار ہوتا ہے اسی زمانہ میں زمین سے نکلی ہیں۔ پھر انسان کی ذہنی استعدادوں نے جو کمالات اور جولانیاں اس زمانہ میں دکھائی ہیں اور سائنسی اور دوسرے علوم نے جو ترقیات اس زمانہ میں کی ہیں وہ پہلے کہاں تھیں۔

چونکہ لفظ مذ کے معنی فریاد رسی کے بھی ہوتے ہیں اور یہ آیت اس آیت کے معا بعد لائی گئی ہے جس میں آئندہ زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی خبر دی گئی اس لئے اس آیت میں دوسری بات (الارض سے اہل الارض مراد لے کر) یہ بتائی گئی کہ آئندہ ایک زمانہ آئے گا کہ اہل الارض روحانی بھوک اور پیاس سے پریشان ہو کر آسمانی ماندہ کے لئے فریاد کریں گے۔ جسے سن کر خدا تعالیٰ اس ماندہ کو ان تک پہنچانے کا سامان کر دے گا جو اس نے اس نبی کو (جس کا اس سے پہلی آیت میں ذکر ہوا) دے کر بھیجا ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اگرچہ ریڈیو اور T.V پہلے بھی تھے مگر اب اچانک جماعت احمدیہ کو ان کے استعمال کی سہولت جو پہلے نہیں تھی حاصل ہوگئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ڈش انٹینا، ٹیلیکس اور کمپیوٹر وغیرہ کی ایجاد اور جماعت کو ان سے استفادہ کی سہولت بھی میسر آگئی ہے اور اس طرح اس آسمانی ماندہ کو ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچانے کا سامان میسر آگیا ہے۔ اور ساری دنیا کی مذہبی جماعتوں میں سے صرف جماعت احمدیہ کو اس بات کی توفیق کا ملنا کہ ان سامانوں کو اشاعت اسلام کے لئے استعمال کر سکے اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ سب سامان اول نمبر پر جماعت احمدیہ ہی کے لئے کئے گئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی یہی قضاء ہے کہ اب اس کے ذریعہ اسلام پھیلے۔

لفظ مذ کے معنی زمین میں نئی مٹی اور کھاد ڈالنے کے بھی ہوتے ہیں پس (الارض کو

مجازی معنی میں لے کر) اس آیت میں بتایا گیا کہ آئندہ کے اس زمانہ میں جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اسلام کی زمین میں نئی مٹی اور کھاد ڈالی جائے گی۔ نئی مٹی اور کھاد کی ضرورت چونکہ پہلی مٹی اور کھاد کے کم یا خراب ہو جانے پر ہی ہوا کرتی ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت ایک طرف اسلام کی اصل تعلیم کو بگاڑ دیا جائے گا اور دوسری طرف کچھ پرانے لوگ تو دائرہ اسلام سے نکل ہی جائیں گے اور کچھ اس کے لئے کھاد کا کام دیتا یعنی اس کے احیاء کے لئے اپنا سب کچھ کھو دیتا چھوڑ دیں گے سو ان کی جگہ خدا تعالیٰ نئے لوگ لائے گا جو یہ کام کریں گے۔ اور وہ ان کی قربانیوں کو ضائع نہیں ہونے دے گا بلکہ جس طرح کسی زمین میں جب نئی مٹی اور کھاد پڑے تو وہ بہتر فصل دینے لگ جاتی ہے اسی طرح اس وقت ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لو جب اس زمانہ میں کئی لوگ اسلام سے مرتد ہو کر دہریہ، مسیحی یا ہندو وغیرہ ہو گئے تو کس طرح خدا تعالیٰ نے حقیقی اسلام یعنی احمدیت میں کئی نئے لوگ داخل بھی کئے پھر کس طرح ان کو جانی اور مالی قربانیوں کی توفیق دی اور کس طرح ان کی قربانیوں سے کہیں بڑھ کر عمدہ پھل ان کو عطا کئے۔

چونکہ ان آیات میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ بنی نوع انسان کی اکثریت کب اسلام لائے گی اور زیر نظر آیت کو ان آیتوں کے بعد رکھا گیا ہے جن میں آئندہ ایک نبی کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ اس لئے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کی غرض اس آیت کو اس موقع پر لانے سے یہ بتانا تھی کہ نبی موعود کے آنے کے ساتھ ہی لوگوں کی اکثریت اسلام میں داخل نہیں ہو جائے گی بلکہ پہلے وہ باتیں جو اس آیت اور اگلی آیتوں میں بیان کی گئی ہیں ظہور میں آئیں گی اس کے بعد عالمگیر عذاب آئے گا (کیونکہ اس کے آنے سے پہلے اتمامِ حجّت ضروری ہے) اور اس کے بعد لوگوں کی اکثریت اسلام لائے گی۔

جو باتیں اس آیت میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے کچھ کی تفصیل تو اوپر آچکی ہے اور کچھ کی آگے بیان کی جاتی ہے۔

اگر الارض کا اُن حصّے کا ہو تو چونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آئندہ ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کی گئی ہے الارض سے اس نبی کی جائے ظہور قادیان بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ میں لفظ مُدَّتْ کے مختلف معانی کے (جو اوپر بیان ہو چکے ہیں) مدّ نظر یہ بتایا گیا کہ بنی نوع انسان کی اکثریت کا ایمان لانا ارض

قادیان کے وسیع ہو جانے یعنی اس کی حدود کے پھیل جانے اور اس کی برکات اور اس کے باسیوں اور اس سے بلند ہونے والی آواز کے ساری دنیا تک پہنچ جانے اور اس کے باسیوں اور ان لوگوں کے جو خواہ بظاہر کسی اور جگہ پر رہ رہے ہوں مگر ان کے دل اسی زمین میں اٹکے ہوئے ہوں یعنی احمدیوں کے اپنی تمام استعدادیں ظہور اور بروز میں لے آنے اور اپنی ساری جان اور سارے دل کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہو جانے اور اپنا سب کچھ اس راہ میں قربان کر دینے اور کچھ باقی نہ رکھنے کے ساتھ وابستہ ہوگا۔ اس کے مطابق سیدنا حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے جو بعد میں حضورؐ کے خلیفہ اذل منتخب ہوئے حضرت مہدی موعودؑ کو لکھا کہ ”میرا جو کچھ ہے وہ میرا نہیں آپ کا ہے“ اور حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب نے نہایت دلیری کے ساتھ آپ کی راہ میں جان قربان کی اور ان کے بعد اور بہت لوگوں نے بے نظیر قربانیاں جان، مال، وقت اور عزت کی پیش کیں۔ نبی موعودؑ یعنی حضرت مہدی موعودؑ نے جو اشاعہ اسلام ہی کے لئے مبعوث کئے گئے خود فرمایا:-

”اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ سخت محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزازِ اسلام کے لئے ساری دولتیں قبول نہ کر لیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔“ (فتح اسلام صفحہ ۱۰)

وَأَلَقْتُ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ كَعْدِهِ۔ وَأَذِنْتُ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ لِعَبْدِهِ۔
استعدادیں ظہور و بروز میں لے آنے کے بعد بھی وہ لوگ اپنے رب کی رضا کے لئے اس کے رسول (یا خلیفۃ الرسول) کی طرف کان دھرنے والے ہوں گے یعنی اس بات کے متحضر رہیں گے کہ کب کسی نئی خدمت کے لئے بلایا جاتا ہے تا وہ اسے بھی فی الفور بجالائیں۔

وَحُقِّقْتُ کے دو معنی ہیں!

نمبر ۱ یہ کہ ان پر یہی فرض ہوگا یعنی خدا نے جو فضل نبی بھیج کر ان پر کیا اس کا تقاضی یہی ہوگا۔

نمبر ۲ یہ کہ وہ اس حکم کو جو انہیں ملے گا بجا لائیں گے (اے) وَجُعِلَتْ حَقِيقَةُ بِالِاسْتِمَاعِ وَالْإِنْقِيَادِ۔ بیضاوی)

=====

أَرْضِ حَرَمِ كَعَادِيَانِ تَك وَسِيعِ هُونِ كِي پيشگوئی

وَ إِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ فِي أَلْ تَخْصِيسِ كَا هُوَ تَوَالَارِضِ سَ اَرْضِ حَرَمِ بِي مَرَادِ هُوَ سَكْتِي هَے اُور اُكْرَ وَه مَرَادِ هُوَ تَوَا سَ آيَتِ كُو اِس مَوْقِعِ پَر لَا كَرِ يَه بَتَايَا مَيَا كَه بَنِي نَوْعِ اِنْسَانِ كِي اَكْثَرِيَتِ اِس وَقْتِ اِسْلَامِ مِي دَاخِلِ هُوْگِي جَبْ عِلَاوَه اِن دُوسَرِي بَاتُوں كَه جَوَا نَ آيَاتِ مِي بَيَانِ كِي مَنِي هِيں يَه بَاتِ بِي وَاقِعِ هُوْ جَايْ كِي كَه اُچَا كَ اَرْضِ حَرَمِ وَسِيعِ هُوْ جَايْ كِي۔ اُور چُونَكِه اَرْضِ حَرَمِ كِي اَصْلِ حُرْمَتِ اِس سَ حَاصِلِ هُونِ وَا لِي بَرَكَاتِ كِي وَجِهَ سَ هَے اِس لَئِي مَطْلَبِ يَه هُوَا كَه يَه بَاتِ اِس وَقْتِ هُوْگِي جَبْ دُنْيَا كَ كُي اُور مَقَامِ سَ بِي وَسِي عِي بَرَكَاتِ حَاصِلِ هُونِ لَكِيں كِي جِيسِي اِس وَقْتِ (كَه مَحْمُودُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْجُوْدِ هِيں) اَرْضِ حَرَمِ سَ حَاصِلِ هُو رِي هِيں۔ مَكْرُ اَرْضِ حَرَمِ كِي بَرَكَاتِ دُو طَرَحِ كِي تَمِيں اِيَكِ وَه جَوَا سَ لَئِي تَمِيں كَه مِثْلًا دِهَاں بِيْتِ اللّٰهِ هَے۔ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمِ هَے۔ اَنْخَفَرَتِ كَ مَبَارَكِ قَدَمِ اِس پَر پڑَے هِيں۔ دِهَاں مَسْجِدِ نَبَوِي هَے يَه بَرَكَاتِ دَاكِي اُور اَرْضِ حَرَمِ كَ سَا تَه خَا صِ تَمِيں نَه كُي دُوسَرِي مَقَامِ تَك پَحِيْلِ سَكْتِي تَمِيں اُور نَه كُي اَرْضِ حَرَمِ اِن سَ خَالِي هُو سَكْتِي تَمِيں۔ دُوسَرِي بَرَكَاتِ وَه تَمِيں جَوَا تَا زَه بَتَا زَه وَحِي اِلّٰهِي كَ نَزُوْلِ كِي وَجِهَ سَ تَمِيں جَسِ كَا مَهِيْطِ اِس وَقْتِ اَنْخَفَرَتِ ﷺ تَمِيں يَهِي بَرَكَاتِ تَمِيں جَوَا كُي دُوسَرِي مَقَامِ تَك وَسِيعِ بِي هُو سَكْتِي تَمِيں اُور جَن سَ اَرْضِ حَرَمِ كِي آئِنْدَه زَمَانَه مِي (اَنْخَفَرَتِ سَ بُعْدِ كِي وَجِهَ سَ) خَالِي بِي هُو سَكْتِي تَمِيں۔ اُور چُونَكِه اَكْلِي آيَتِ مِي اِس كَ اِن سَ خَالِي هُونِ كَا بَوْضَا حَتِ ذَكْرِ هَے اِس لَئِي اِس آيَتِ مِي اِنْمِي بَرَكَاتِ كِي طَرَفِ اِشَارَه هَے۔ يَعْنِي اِس مِي بَتَايَا يَه مَيَا كَه آئِنْدَه كُي زَمَانَه مِي اُچَا كَ وَسِي عِي بَرَكَاتِ جِيسِي اِس وَقْتِ حَضْرَتِ اَقْدَسِ مَحْمُودِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ پَر تَا زَه بَتَا زَه وَحِي كَ نَا زِلِ هُونِ كِي وَجِهَ

۲

سے ارضِ حرم سے حاصل ہو رہی ہیں دنیا کے کسی اور مقام سے حاصل ہونے لگیں گی۔ یعنی کسی اور مقام سے بھی کوئی ایسا شخص ظاہر ہوگا جس پر وحی نازل ہوگی۔ جس کی وجہ سے اس کی جائے ظہور سے بھی ارضِ حرم سے حاصل ہونے والی برکات جیسی برکات حاصل ہونے لگیں گی اور اس طرح ارضِ حرم اُس نبی کی جائے ظہور تک پھیل جائے گی۔ مگر یہ کہنا کہ ارضِ حرم اس نبی کی جائے ظہور تک پھیل جائے گی اسی صورت میں درست ہو سکتا تھا جو مقدر یہ ہوتا کہ نبی موعودؑ آنحضرتؐ کا غلام اور روحانی فرزند اور حضورؐ ہی کے فیض سے مقام نبوت پانے والا ہو۔ نیز اس صورت میں جو اس نبی کے مبعوث ہونے کے وقت تک ارضِ حرم سے بھی ایک حد تازہ بتازہ وحی کی برکات حاصل ہونے کا سلسلہ جاری ہوتا یعنی اس وقت تک اس میں بھی کچھ نہ کچھ صاحب الہام لوگوں نے پایا جانا ہوتا۔ کیونکہ اگر اس وقت وہاں صاحب الہام لوگ بالکل ہی موجود نہ ہوتے تو نبی موعودؑ کی برکات ظاہر کرنے والے مقام کو ارضِ حرم کی EXTENSION کہنا درست نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اگر اس وقت اس میں کثرت سے صاحب الہام لوگ ہوتے تو نبی کی ضرورت ہی نہیں ہو سکتی تھی۔

پس اگر الارض سے ارضِ حرم مراد ہو تو آیت وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ میں دو پیشگوئیاں کی گئیں۔ ایک یہ کہ کسی آئندہ زمانہ میں کسی اور مقام کے کسی شخص پر جو آنحضرتؐ کا غلام اور حضورؐ ہی سے فیض یاب ہوگا وحی نازل ہونے لگے گی جس کی وجہ سے اس مقام سے بھی ویسی ہی برکات حاصل ہونے لگیں گی جیسی اس وقت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونے کی وجہ سے ارضِ حرم سے حاصل ہو رہی ہیں اور دوسری یہ کہ اس کے ظہور کے وقت تک ارضِ حرم میں بھی کچھ نہ کچھ صاحب الہام لوگ پائے جاتے ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مثلاً حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب کے (جو بعد میں خلیفہ المسیح اول ہوئے) مکہ میں ایک مرشد شاہ عبدالغنی صاحب تھے جو صاحب الہام تھے اور اس کے بعد آیت وَالْقَتُّ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ رُكْحُ کر بتایا کہ لیکن جب یہ بات ظہور میں آجائے گی تو اس کے بعد ارضِ حرم جو کچھ (اس جنس یعنی تازہ بتازہ وحی کی برکات میں سے) اس کے اندر باقی ہوگا اسے (باہر) پھینک دے گی اور (خود) اس سے خالی ہو جائے گی۔ بظاہر 'وَالْقَتُّ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ' میں سے ایک بات فرمانا کافی تھا مگر فرمائی دو باتیں مگنی ہیں۔ پس اس میں بتایا کہ یہ مجبوری حالات مُلہمین ارضِ حرم میں سے وہاں جا

بنے والے یا اس کی برکت سے وہیں رہتے ہوئے یہ مقام پالینے والے خال خال صاحب الہام لوگ تو باہر کے دوسرے مقامات پر پھر بھی پائے جائیں گے مگر خود ارض حرم ان سے خالی ہو جائے گی۔ یہ بلا وجہ نہیں ہوگا بلکہ اس میں ایک خاص حکمت ہوگی اور وہ یہ کہ ایک طرف دنیا یہ جان لے کہ اب فناء الہی یہی ہے کہ آنحضرت کی برکات جو اب تک ارض حرم سے حاصل ہو رہی تھیں آئندہ نبی موعودؑ کے واسطے سے اس کے مقام ظہور سے حاصل ہوں گی اور دوسری طرف ارض حرم سے باہر جو صاحب الہام لوگ ہوں وہ بر بنائے الہام اس نبی کے بارہ میں بشارتیں اور گواہیاں دیں۔ چنانچہ نبی موعودؑ یعنی حضرت مہدی معبود کو الہام ہوا **يَنْصُرُكَ رَجَالٌ نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ** ایسے جو اندر تیری مدد کریں گے جنہیں ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا اس کے بعد ارض حرم صاحب الہام وجودوں سے ہمیشہ خالی ہی رہے گی اور آئندہ کبھی اس سے براہ راست برکات حاصل نہیں ہوں گی؟ اس لئے اس کے بعد **وَإِذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ** فرما کر اس کا جواب دیا اور بتایا کہ ایک وقت آئے گا کہ ارض حرم یعنی اس کے باشندے اپنے رب کی طرف کان دھریں گے یعنی اس کے مرسل نبی موعود حضرت مہدی علیہ السلام کی آواز سنیں گے اور اس کا حکم بجالائیں گے اور چونکہ اس کی نبوت حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی نبوت کے ثابت کرنے اور اسی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے ہوگی ان لوگوں کو خدا تعالیٰ پر اور آنحضرتؐ پر ایک نیا ایمان حاصل ہوگا اور پھر سے ان میں صاحب الہام لوگ پیدا ہونے لگ جائیں گے اور ارض حرم سے براہ راست برکات کے حاصل ہونے کا سلسلہ پھر سے جاری ہو جائے گا۔

اگر الارض سے مادی زمین مراد ہو اور اس کا ال جنس کا ہو تو **وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ** کے بعد جو **وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ** کے الفاظ لائے گئے ہیں ان کا ایک اور اہم مفہوم بھی ہوگا۔ اگر ساری زمین جو کچھ اس کے اندر ہے وہ سب اگل دے اور خالی ہو جائے تو پھر یہ انسان کے رہنے کے قابل نہیں رہ سکتی اس لئے اس صورت میں **مَا فِيهَا** کو محدود کرنا پڑے گا یعنی **وَإِذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ** کے قرینہ کے مد نظر اس سے مراد وہ چیز لی جائے گی جو اہل الارض کو حکم الہی سننے اور اسے بجالانے کی طرف مائل کرنے والی ہوگی اور چونکہ خدا تعالیٰ کا حکم بنیادی طور پر اس کی توحید اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حکم ہوا کرتا ہے اور نبی قیام توحید ہی کے

لے آتا ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شرک کی جس قسم کا ازالہ نبی موعود کا خاص کام ہوتا ہے اس کے (یعنی مسیحی عقائد کے) خلاف پڑنے والا بہت سا مواد زمین میں دفن پڑا ہے جو اس وقت سارے کا سارا اس سے برآمد ہو جائے گا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس زمانہ میں ایک طرف ایک شخص کو مسیح بنا کر اس زمین سے کھڑا کیا گیا اور دوسری طرف زمین کے اندر دفن صحائف قمران نکل آئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ناصری نے جسے مسیحی خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں خود اپنے آپ کو خدا کا عبد قرار دیا ہے۔ اسی طرح سری نگر کشمیر کے محلہ خانپار میں موجود قبر مسیح دریافت ہوئی ہے جس سے ثابت ہو گیا ہے کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا بلکہ اس سے زندہ اتر ا اور کشمیر میں آکر طبعی موت مرا اور ان باتوں کے ثابت ہو جانے سے الوہیت مسیح اور مسیح کے کفارہ ہونے کے عقیدہ کا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ علاوہ ازیں یہ باتیں مسلمانوں میں رائج حیات مسیح کے مشرکانہ عقیدہ کو بھی غلط ثابت کرنے والی اور مسیح موعود پر ایمان کی راہ ہموار کرنے والی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا

فَمُلَاقِيهِ (۷)

اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ انسان بحیثیت جنس اس وقت اسلام میں داخل ہوگا جب آئندہ ایک نبی آئے گا اور وہ دوسری باتیں بھی وقوع میں آجائیں گی جو ان آیات میں بیان ہوئیں۔ اس کے بعد یہ آیات لا کر خدا تعالیٰ نے اس نبی کے زمانہ کے انسانوں کو جو اس کی نظر میں حاضری طرح تھے مخاطب کیا اور بتایا کہ تمہارا صرف نبی وقت پر ایمان لے آنا کافی نہیں ہوگا بلکہ مقصد حیات پانے کے لئے (جو قرب الہی اور نجات کا حصول ہے) کدح یعنی سخت محنت اور مشقت سے کام لینا بھی ضروری ہوگا۔ چنانچہ اس نبی مہدی موعود علیہ السلام نے ایمان لانے والوں کو بار بار سمجھایا کہ صرف بیعت کر لینے سے تم کو کچھ حاصل نہیں ہوگا جب تک ساتھ عمل نہ ہو۔ لیکن محنت خواہ کسی ہی سخت ہو اگر وہ صحیح رنگ اور صحیح جہت میں اور موقع اور محل کے مطابق نہ ہو تو منزل مقصود تک پہنچانے کی بجائے اس سے دور لے جایا کرتی ہے اس لئے کدح سے کام لینے کی تلقین کے ساتھ ہی وضاحت کردی کہ یہ کدح الہی رِبْک ہونی چاہیے یعنی:

نمبر ۱ مقصود صرف اور صرف اپنے رب کے قرب کا حصول ہونا چاہیے۔

نمبر ۲ یہ کدح اپنے رب کی منشاء کے مطابق ہونی چاہیے جیسے قال الہی مہاجرو

إِلَىٰ رَبِّهِ فِي الْإِلَهِیِّ كَالِ اسْتِعْمَالِ اِی مَعْنٰی مِی ہوا ہے۔

مطلب یہ کہ ایک تو کدح خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے طریق کے مطابق ہونی چاہیے دوسرے جس بات کو وہ زیادہ اہمیت دینا پسند کرے اسے زیادہ اہمیت دینی چاہیے اور جسے کم اہمیت دینا پسند کرے اسے نسبتاً کم اہمیت دینی چاہیے۔ جیسے جہاد کے وقت روزہ نہ رکھنے کو آنحضرتؐ نے روزہ رکھنے سے بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ مہدی موعودؑ کے وقت کا جہاد چونکہ تبلیغ اسلام کا جہاد ہے اس لئے اس کے وقت کی بڑی نیکی اسلام کی تبلیغ کرنے اور اس کی اشاعت کے لئے کوشاں ہونا ہے۔

چونکہ انسان ضعیف الہیمان ہے۔ باوجود سخت محنت اور کوشش کے اس کے عمل میں خامیاں رہ جاتیں ہیں اس لئے اگلی آیتوں میں اسے تسلی دلانے کو فرمایا:-

فَإِمَّا مَنُّ أَوْتَىٰ كِتَابَهُ بِإِيمَانِهِ (۸) فَسَوْفَ يُحَاسَبُ
حِسَابًا يُسِيرًا (۹) وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا (۱۰)

اسلام نے نیک اور پاک کاموں کے لئے دائیں ہاتھ کے استعمال پر زور دیا ہے۔ اور دائیں ہاتھ کا استعمال قوت کے استعمال پر بھی کنایہ ہوتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ اسی کو دیا جائے گا جو دائیں ہاتھ کو بر محل استعمال کرنے والا ہوگا۔ پس اس میں بتایا کہ جو شخص اپنی ساری قوت منشاء الہی کے مطابق نبی وقت کی مدد کرنے یعنی اس کے انصار میں سے بنے اور نیک نمونہ پیش کرنے اور تبلیغ اسلام کرنے میں صرف کرے گا اس کا حساب آسان لیا جائیگا۔ یعنی اس کی کوتاہیوں اور بشری کمزوریوں سے خدا تعالیٰ صرف نظر فرمائے گا۔ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی جزا اعمال سے مناسبت رکھنے والی ہوتی ہے آخری آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اگر تلوار کے جہاد کا تقاضی ہو تو وہ شخص اس کے لئے اور اگر تبلیغ کے جہاد کا تقاضی ہو تو اس کے لئے اپنے اہل کو چھوڑ کر چلے جانے والا ہوگا اس لئے جَزَاءٌ وَفَاقًا کے طور پر حشر کے دن اسے ایسی خوشی پہنچائی جائے گی جیسے انسان جب کہیں باہر سے کامیاب ہو کر اپنے اہل کے پاس لوٹے تو اس وقت اسے خوشی ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا:-

وَأَمَّا مَن أَوْتَىٰ كِتَابَهُ وَرَأَىٰ ظَهْرَهُ (۱۱) فَسَوْفَ

يَدْعُوا بُؤْرًا (۱۲) وَيَصْلَى سَعِيرًا (۱۳)

جسے اس کا اعمال نامہ اس کی پینہ کے پیچھے سے دیا جائیگا (وہ جان لیگا کہ اسے سزا ملنے والی ہے) سو وہ ہلاکت کو پکارے گا (مگر ہلاک کیا نہیں جائیگا) بلکہ آگ میں داخل کیا جائیگا۔

مطلب یہ کہ جو نبی وقت اور اس کے پیغام کی طرف پینہ پھیرے گا جزاء و نفاق کے طور پر اس سے یہ سلوک ہوگا۔ پس ان آیات میں نبی موعود کے آنے پر اس کے انصار بننے کی زبردست تلقین کی گئی۔ مگر خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اسکے زمانہ کے مسلمان کچھ تو اپنے قومی حالات کے سنورنے سے ناامید ہونے کی وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ اگر یہ مدعی نبوت سچا ہے تو اسکے آتے ہی اسلام کو ترقی اور غلبہ کیوں حاصل نہیں ہو گیا اس کی طرف التفات نہیں کریں گے۔ اسلئے اگلی آیات میں اس نے ان کے خیالات کا رد فرمایا اور یقین دلانے کو قسم کھا کر بتایا کہ اس نبی کے ذریعہ اسلام کا نور لازماً دوبارہ دنیا میں پھیلے گا اور مسلمانوں کے حالات لازماً بدلیں گے۔ فرمایا:-

فَلَا أَقْسِمُ بِالشَّفَقِ (۱۷) وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ (۱۸)

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ (۱۹) لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۲۰)

جیسا کہ پہلے سورۃ یس کے حوالہ سے بتایا جا چکا ہے آنحضرت ﷺ کے بعد دو قسم کی خلافت (یعنی آسمان روحانیت کے اس آفتاب کے لئے دو قسم کے چاندوں کا ظہور مقرر تھا)۔ ایک خلافتِ نتیجہ کے چاند کا اور دوسرے خلافتِ ماموریت کے چاند کا جسے آنحضورؐ کے بعد آنوالی چوتھی صدی شروع ہونے تک چوتھی رات کا ہو چکا ہوتا یعنی ہلال سے قمر بن چکا ہوتا تھا۔ اِتَّسَقَ الْقَمَرُ کے معنی ہوتے ہیں چاند نے اپنی روشنی پوری کر لی اور وہ چودھویں رات کا یعنی بدر ہو گیا۔

چونکہ اِتَّسَقَ قمر کی ابتدا تیرہویں رات سے ہوتی ہے لیکن قمر کے معنی چودھویں رات کے چاند کے بھی ہیں۔ اور اِتَّسَقَ قمر کا زمانہ سولہویں رات تک چلتا ہے اس لئے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں مامور خلیفوں میں سے اس خلیفہ کا ذکر ہے جس نے تیرہویں رات یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد آنے والی تیرہویں صدی کے آخر میں ظاہر ہو کر چودھویں رات یعنی چودھویں صدی ہجری میں چودس کا چاند بن کر آسمان روحانیت پر چمکنا تھا اور اس کی روشنی نے۔

آب و تاب میں کمی آئے بغیر۔ سولہویں رات یعنی سولہویں صدی کے آخر تک دنیا کو متور کرتے رہنا تھا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی شخص یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں جنہوں نے ۱۸۸۲ء یعنی ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں ماموریت کا پہلا الہام پایا اور چودہویں کا چاند بن کر آسمان روحانیت پر جلوہ گر ہوئے اور خدا سے خبر پا کر یہ اعلان فرمایا کہ سولہویں صدی کے آخر تک آپ کا سلسلہ پوری دنیا پر چھا جائے گا۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

”ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت ناامید اور بد ظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دینگے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک ختم ریزی کرنے کے لئے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ ختم بویا گیا اور اب بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔“

پس آپ ہی اس قرآنی پیشگوئی کے مصداق اور مہدی موعود ہیں۔ اور فَلَا أُقْسِمُ بِالْشَفَقِ سے شروع ہونے والی زیر نظر آیتوں میں خدا تعالیٰ نے آپ ہی کے زمانہ کے مسلمانوں کے ان غلط خیالات کا جو وہ آپ کے بارہ میں رکھنے والے ہوں گے رد کیا ہے یعنی پہلے تو ’فلا‘ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ جب اس کے انصار بننے والوں سے خدا تعالیٰ نرم سلوک کرنے والا ہے اور اس کی طرف پیٹھ پھیرنے والوں کو آگ میں داخل کرنے والا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا یہ فیصلہ پڑھ کر ہی ان کو سمجھ جانا چاہیے کہ اس کے بارہ میں ان کے خیالات صحیح نہیں۔ اور اس کے بعد فرمایا:-

میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان سب چیزوں کی جنہیں اس نے اکھٹا کر لیا (یعنی کر لگی) اور قر کی جب وہ اپنا نور مکمل کر لے کہ تم غالباً بعد حال ارتقاء کی منازل طے کرو گے۔ (ترجمہ آیات ۱۷ تا ۲۰)

مطلب یہ کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا خدا تعالیٰ نے قرآن میں پہلے سے یہ خبر نہیں دے دی تھی کہ پہلے ایک شفق کا زمانہ آئے گا یعنی آسمان روحانیت کے آفتاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی لائی ہوئی روشنی میں کی آجائے گی اور ایسی حالت

ہو جائے گی جیسے غروب آفتاب کے بعد شفق کے وقت ہوتی ہے (یہ زمانہ سورۃ الفجر میں دی جانے والی خبر کے مطابق تین سو سال چلے گا)۔ پھر یہ شفق بھی نہیں رہے گی اور رات چھا جائے گی یعنی فیج اموج کا زمانہ آجائے گا (جو سورۃ الفجر کے مطابق ہزار سال چلے گا) اور یہ رات ان تمام مصائب کو جمع کر لے گی جو رات کا خاصہ ہیں۔ پس مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی حالت کا بگڑ جانا اور ان کا مصائب میں گرفتار ہو جانا تو اسلام کی صداقت کا ثبوت ہے نہ کہ اس سے بدل ہونے کی کوئی وجہ۔ جس وقت یہ تنزل اور ادبار کی خبریں دی گئیں اس وقت کون سوچ سکتا تھا کہ کبھی یہ پوری بھی ہوں گی لیکن پوری ہوئیں کیونکہ یہ عالم الغیب خدا کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں تھیں پس جس طرح یہ خبریں پوری ہوئیں یہ خبر بھی کہ اس زمانہ میں ظاہر ہونے والا چودھویں کا چاند سوہویں رات یعنی سوہویں صدی کے اختتام سے پہلے پہلے ساری دنیا کو مقرر کر دیگا ضرور پوری ہوگی۔ کیونکہ انسانی قریحیں رات سے شروع ہو کر سوہویں رات تک چلتا ہے۔ جو قومیں ایک رات یا ایک سال یا ایک سو سال سوتی رہیں اور انہوں نے اس چاند کو نہ دیکھا وہ اس کے بعد کے سو سال کے عرصہ میں دیکھ لیتی اور جو اس عرصہ میں بھی نہ دیکھ پائیں وہ اس کے بعد کے سو سال میں دیکھ لیتی اور اسے پہچان لیں گی اور اس کے بعد تو صرف لاعلاج اندھے ہی اس سے محروم رہ سکیں گے۔ پس نہ کسی کے مایوس ہونے کی کوئی وجہ ہے اور نہ کسی کے لئے اس اعتراض کی کوئی گنجائش کہ اس نبی کے آتے ہی محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ساری دنیا میں کیوں پھیل نہیں گیا اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے لئے تین سو سال کا زمانہ پہلے سے مقرر کر رکھا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ پورے کے پورے تین سو سال گزر جانے کے بعد ہی یہ کام ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تین سو سال آخری حد ہے اس وقت تک اس نبی کے مشن کو جتنی ترقی ملنی ہے تمام وکمال مل چکی ہوگی۔

زیر نظر آیات کے بعد ہے:-

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (۲۱) وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا
يَسْجُدُونَ (۲۲)

سو انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے وہ سجدہ بجا نہیں لاتے۔

قرآن پڑھا جانے پر ظاہراً و باطناً سجدہ بجالانے کا حکم جس کا دوسری آیت میں ذکر ہے چونکہ مسلمانوں کے لئے ہے اس لئے یہ آیتیں اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ اوپر کی آیتوں میں مسلمانوں ہی کے غلط خیالات کا رد ہو رہا تھا اور انہی کو سمجھایا جا رہا تھا۔

فرمایا جب اس نبی کے انصار میں سے بننے کا فائدہ اور اس کی طرف پیٹھ پھیرنے کا نقصان بھی بیان ہو چکا اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اسے ماننے کے سلسلہ میں جو عذر کئے جاتے ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہیں تو پھر ان لوگوں کو کیا ہے کہ (اس پر) ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت میں اِذَا يَقْرَءُ الْقُرْآنُ نہیں فرمایا بلکہ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ فرمایا۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ جب وہ قرآن پڑھیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جب ان پر قرآن پڑھا جائے گا پس اس میں یہ اشارہ کیا کہ نبی موعود کے زمانہ کے مسلمان اوّل قرآن پڑھیں گے نہیں اور پڑھیں گے تو سمجھیں گے نہیں مگر خدا تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اسے سمجھیں گے اور انہیں اس قسم کی باتیں جیسی اوپر کی آیات میں بیان ہوئیں اس میں سے نکال نکال کر دکھائیے اور اس طرح ان پر اتمام حجت ہو جائیگا۔

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ میں بتایا کہ جب نبی موعود کے بارہ میں قرآن نے خبریں دے رکھی تھیں اور اگر وہ خود انہیں سمجھ نہیں بھی پائے تھے تو اہل علم نے انہیں قرآن سے وہ خبریں نکال کر دکھا دی تھیں تو ان کا فرض تھا کہ:-

نمبر ۱ اس کی ایسی اطاعت کرتے کہ گویا سجدہ کر رہے ہیں اور

نمبر ۲ خدا تعالیٰ کے حضور سجداتِ شکر بجالاتے کہ اسے عین ضرورت کے وقت ان کا

ہاتھ تمام لیا ہے۔ اور انہیں غرق ہونے سے بچا لیا ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:-

”اگر تم ایماندار ہو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ

زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گزر گئے....

وہ وقت تم نے پالیا۔“ (فتح اسلام)

آگے ہے:-

بَلِ الدِّينِ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ (۲۳)

بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکذیب کرتے ہیں۔

مہدی موعودؑ کے منکر دراصل آنحضرتؐ کے ملکہ ب ہوں گے

جو شخص کسی مدعی نبوت کو نہیں مانتا فی الحقیقت وہ اسے جھوٹا ہی جانتا ہے اور یہ بات ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اس لئے یہ فرمانا کہ بَلِ الْاٰیٰتِیْنَ کَافِرُوْا یُکَذِّبُوْنَ بلا ضرورت ہوتا سوائے اس کے کہ کفر کسی اور کا ہو اور اس کے نتیجہ میں تکذیب کسی اور کی ہو ہی ہو۔ پس یہ بات کہہ کر اور اسے حرفِ 'بل' سے شروع فرما کر قرآن نے یہ بتایا کہ جو لوگ قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کا کفر کریں گے وہ اس کا کفر نہیں کریں گے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو جن پر قرآن نازل ہوا جھٹلائیں گے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

”جس شخص پر میرے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں خدا کے نزدیک اتمام

نُجْت ہو چکا وہ قابلِ مواخذہ ہوگا کیونکہ خدا کے فرستادوں سے دانستہ منہ

پھیرنا ایسا امر نہیں ہے کہ اس پر کوئی گرفت نہ ہو۔ اس گناہ کا داد خواہ

میں نہیں ہوں بلکہ ایک ہی ہے جس کی تائید کے لئے میں بھیجا گیا یعنی

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ میرا نہیں بلکہ اس کا

نافرمان ہے جس نے میرے آنے کی پیشگوئی کی۔“

(ہدیۃ الوحی صفحہ ۱۷۸-۱۷۹)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوعُوْنَ (۲۳)

اور اللہ اسے جو وہ (دلوں میں) چھپائے ہوئے ہیں خوب جانتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ اس نبی کے انکار کا بہانہ اور بتائیتے اور اصل سبب اس کا جو وہ ظاہر نہیں کریں گے اور ہوگا۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ مہدی کے زمانہ کے علماء اس لئے اس کا انکار کریں گے کہ انہیں اپنی گدی کے چھنے کا ڈر ہوگا (وَإِذَا خَرَجَ هَذَا الْإِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهُ عَدُوٌّ مُّبِينٌ إِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى لَهُمْ رِیَاسَةٌ وَلَا تَمِيزٌ عَنِ الْعَامَّةِ - فتوحات مکیہ جلد ۳ صفحہ ۳۷۴) یعنی جب یہ امام مہدی ظاہر ہوگا تو سوائے علماء و فقہاء کے کوئی اس کا کھلا کھلا دشمن نہیں ہوگا (اور ان کی دشمنی اس لئے ہوگی کہ) ان کی عوام پر سرداری اور حکومت باقی نہیں رہے گی۔

چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ ظاہر ہوئے تو اس پیشگوئی کے عین مطابق آپؑ کو فرماتا پڑا
 ”اے نفسانی مولویو! اور خشک زاہدو! تم پر افسوس کہ تم آسمانی
 دروازوں کا کھلنا چاہتے ہی نہیں بلکہ چاہتے ہو کہ ہمیشہ بند ہی رہیں اور تم
 پیر مغال بنے رہو“
 (ازالہ ادہام حصہ اول صفحہ ۵)

ایک آیت میں یہود کے بارہ میں آتا ہے کہ اِتَّخَذُوا اٰخْبَارَهُمْ وَرُءَسَا نَهُمْ
 اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ۔ یعنی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو اپنا رب بنا رکھا
 ہے۔ جس کی تشریح آنحضورؐ سے یہ مروی ہے کہ جس غلط بات کو وہ درست کہتے تھے یہ بھی
 درست کہنے لگتے تھے اور جس صحیح بات کو وہ غلط کہتے تھے یہ بھی غلط کہنے لگتے تھے۔ یعنی ان کی
 اندھی تقلید کرنے کو انہیں اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ بنانے سے تعبیر کیا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے
 متعلق آنحضورؐ نے یہ خبر دی تھی کہ وہ بالکل یہود کے مشابہ ہو جائیں گے اور ان کے نقش قدم پر
 چلیں گے۔ اس لئے اس آیت کے مطابق دوسرا سبب ان کے انکار موعود کا اپنے علماء و مشائخ کی
 اندھی تقلید ہوگی۔

تیسرا سبب قربانی سے دریغ اور کسل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان یہ امید لگائے بیٹھے تھے
 کہ مسیح آئے گا تو کفار کو قتل کر دے گا اور انہیں بیٹھے بٹھائے بغیر کچھ کئے کفار پر غلبہ مل جائے
 گا۔ لیکن جب اس کی بجائے ایسا مسیح آگیا جس نے ان سے قربانیوں کا مطالبہ کیا تو انہوں نے
 اس کا انکار کر دیا مگر منہ سے یہ نہیں کہا کہ وہ قربانیوں سے ڈرتے ہیں بلکہ اور اور بہانے بنائے۔
 مثلاً یہ کہہ دیا کہ مسیح نے تو آسمان سے آنا تھا یہ زمین سے کھڑا ہونے والا مسیح کیسے ہو گیا۔ یا یہ
 کہہ دیا کہ اس کے والد کا نام تو عبد اللہ ہونا تھا اور اس نے تو آنحضور ﷺ کی قبر میں دفن ہونا تھا
 حالانکہ یہ سب استعارے تھے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوعُوْنَ میں یہ بھی بتایا کہ خدا ان کے ان ارادوں کو بھی جانتا
 ہے جو اس کے موعود کے بارہ میں وہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۳۵)

سو انہیں درد ناک عذاب کی بشارت دے

اس خدا کی طرف سے جس کی رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ کے ذریعہ

بحسب رحمت کتاب قرآن کریم کی زبان میں عذاب کی وعید پہنچائی جا رہی ہے اور اس کے لئے لفظ بشارت کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس طرح بتایا ہے کہ جسے خدا نے رطمن نے رحمت للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کو پھیلانے کے لئے اور قرآن کی تعلیم ان تک پہنچانے کے لئے بھیجا ہے اس کے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ یہ لوگ اس کی اتباع کر کے خدا تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں سے حصہ پائیں لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو پھر ان کو عذاب الیم کی بشارت ہو۔ یعنی جس طرح ایک بیمار کے فائدہ کے لئے طبیب کو اس کے جسم کی چیز پھاڑ کر تپڑتی ہے اسی طرح انہیں دردناک عذابوں میں مبتلا کیا جائے گا تاکہ اگر وہ پیار کی زبان نہیں سمجھتے تو یہ سختی کی زبان ہی سمجھ لیں اور آخر دی زندگی کے جو دائی ہے عذاب سے بچ جائیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے مہدی موعودؑ کے آنے کے بعد سے مسلمان کس طرح کبھی طاعون اور کبھی زلازل اور کبھی جنگوں اور کبھی خانہ جنگیوں وغیرہ کے دردناک عذابوں میں مبتلا کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ اسی طرح ہوش کے ناخن لیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ وہ ان مصائب کے ظاہری اسباب کی تلاش اور ان کے ازالہ کی طرف تو متوجہ ہوتے ہیں لیکن اصل سبب اور اس کے علاج کی طرف ان کی چنداں توجہ نہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ
مَمْنُونٍ (۳۴)

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے کہ ان کے لئے غیر منقطع اجر ہے۔

اس میں نبی موعودؑ کے ماننے والوں کو جہاں بشارت دی وہاں یہ بھی سمجھایا کہ صرف منہ کا ایمان کافی نہیں ہوگا اس کے ساتھ نیک اور مناسب حال اعمال کا بجالانا بھی ضروری ہوگا۔ ہاں اگر اس شرط کو انہوں نے پورا کیا تو پھر انہیں اس دنیا میں بھی اجر ملے گا اور مرنے کے بعد بھی اس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ چنانچہ اس نبی نے آکر خود بھی اس بات پر بار بار زور دیا کہ صرف بیعت کر لینا کسی کام نہ آئے گا جب تک کہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا نہیں کی جاتی اور مناسب حال اعمال بجا لائے نہیں جاتے۔ نشے از خروارے کے طور پر صرف ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔ فرمایا:-

”یہ مت خیال کرو کہ صرف بیعت کر لینے سے ہی خدا راضی ہو جاتا

ہے۔ یہ تو صرف پوست ہے۔ مغز تو اس کے اندر ہے..... پس نرے
دعویٰ پر ہرگز کفایت نہ کرو اور خوش نہ ہو جاؤ وہ ہرگز فائدہ رساں
چیز نہیں۔ جب تک انسان اپنے آپ پر بہت سی موتیں وارد نہ کرے اور
بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات میں سے ہو کر نہ نکلے وہ انسانیت کے اصل
مقصد کو نہیں پاسکتا۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۱۶)

=====

سورة البروج میں ذکر المہدیؑ

سورة الانشقاق کے بعد سورة البروج آتی ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ (۲) وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ (۳)
وَشَٰهِدٍ وَّ مَّشْهُودٍ (۴) قِيلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ (۵)
النَّارِ ذَاتِ الْوُقُودِ (۶) إِذْهُمْ عَلَيْهَا فُوعُودٌ (۷)
قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور موعود دن کی اور شاہد اور مشہود کی کہ
خندقوں والے ہلاک ہو گئے یعنی سلگتے ہوئے ایندھن والی آگ (والے)
جب وہ اس پر (دھرنا مار کر) بیٹھ رہتے تھے۔

پچھلی سورة کے آخر میں ان لوگوں کے لئے جو نبی موعود کے بارہ میں بد ارادے دلوں
میں چھپائے ہوئے ہوں گے عذاب الیم کی بشارت دی گئی تھی اس کے بعد یہ آیت لا کر سمجھایا
کہ اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انبیاء کے دشمنوں کے اور بالخصوص سلسلہ کے پہلے اور آخری
نبی کے دشمنوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی معاملہ ہوتا رہا ہے۔

بروج سے آنحضرت ﷺ نے کواکب مراد لئے اور قرآن نے بھی کواکب ہی مراد لئے ہیں۔
کواکب ایسے ستارے کو کہتے ہیں جو فی ذلیم روشن ہو۔ چونکہ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ
کے اس انجام سے جو جواب قسم میں بیان ہوا ہے ظاہری کواکب کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے
ماننا پڑے گا کہ یہاں بروج یعنی کواکب کا لفظ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے اور مراد اس سے
انبیاء ہیں۔ پس اس جگہ بروج یعنی کواکب والے آسمان کی یوم موعود کی اور شاہد اور مشہود کی قسم کھا

کر اور جوابِ قسم میں قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ فرما کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ آسمانِ روحانیت کے کواکب یعنی انبیاء میں سے جب بھی کوئی نئی دنیا میں آتا ہے تو اس کی مخالفت ہوتی ہے۔ اور مخالفت دو طرح کی ہوتی ہے۔ کچھ تو مخفی جیسے کوئی خندق میں بیٹھ کر دوسرے پر وار کرے اور کچھ ظاہر جیسے کوئی جنگ کی یا دوسری آگ بھڑکا کر اپنے حریف کو اس میں پڑنے پر مجبور کر دے۔ مگر نہ تو نئی کے مخالف فوراً پکڑے جاتے ہیں اور نہ اس کے ماننے والوں کو فوزِ ابی غلبہ حاصل ہوتا ہے بلکہ ان باتوں کے لئے ایک خاص وقت مقرر کیا جاتا ہے ہاں اس یومِ موعود کے آنے پر کافروں کو ہلاک کر کے ان میں اور مومنوں میں ضرور فرق کر دیا جاتا ہے اور یہ معاملہ ہر صاحبِ شریعتِ نبی کے عہد میں کھلے کھلے طور پر دو دفعہ پیش آتا ہے۔ ایک دفعہ اس کے عہدِ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں جو اس کا اپنا حسینِ حیات یا اس کے قریب کا زمانہ ہوتا ہے اور دوسری دفعہ اس کے عہد کے آخری حصہ میں جب ایک ایسا نبی مبعوث ہوتا ہے جس کا اس صاحبِ شریعتِ نبی کے ساتھ شاہد اور مشہود کا تعلق ہوتا ہے یعنی ایک اعتبار سے ان میں سے دوسرا مشہود اور پہلا شاہد ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے ان میں سے دوسرا شاہد اور پہلا مشہود ہوتا ہے۔ پس ان آیات میں بتایا گیا کہ چونکہ ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے ضرور ہے کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسا ہو۔ یعنی پہلے آپ کے حسینِ حیات کے کافروں سے ایسا ہی سلوک ہو پھر آپ کے عہد کے آخرین میں ایک نبی مبعوث ہو اور اس کے مخالفین سے بھی ایسا ہی سلوک ہو۔ چنانچہ سورۃ ہود کی آیت ۱۸ (يَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبْتُ مُوسَىٰ) میں بتایا گیا کہ آنحضرت کے بعد بھی ایک نبی آئے گا جس کی سچائی پر آپ شاہد ہوں گے اور جو اپنے وجود میں آپ کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا اور آپ کی صداقت کا شاہد ہوگا۔ چنانچہ جس طرح آنے والے نبی کے شاہد ہونے کا ذکر سورۃ ہود کی محولہ بالا آیت میں کیا گیا ہے اسی طرح آنحضرت کے شاہد ہونے کا واضح ذکر آیت اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا (الفح ۹:۳۸) میں کیا گیا ہے۔

چونکہ مہدی موعود حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے شاہد بن کر آئے ہیں اور آپ کے مشہود بھی ہیں یعنی آنحضور نے بھی آپ کی صداقت پر گواہی دی ہے اس لئے ضرور تھا کہ جس طرح آنحضور کے کھلے اور مخفی دونوں قسم کے دشمن ہلاک ہوئے مہدی موعود کے دونوں

قسم کے دشمن بھی ہلاک ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

دوسری جگہ وَكَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بھی آیا ہے اس لئے شاہد سے خدا تعالیٰ اور مشہود سے نبی موعود یا اس کے برعکس صورت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے اس میں بتایا کہ جس طرح وہ نبی آکر خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفاتِ حسنہ پر ایک زندہ گواہ ہوگا اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اس کی صداقت پر گواہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے عین مطابق اس پیشگوئی کے موعود حضرت احمد قادیانیؒ کو خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا ”دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا مگر خدا اسے قبول کرے گا اور زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا“ اور اس کے بعد طاعون۔ اور زلازل اور جنگوں اور آپ کے مقابل پر آنے والے دشمنوں کی ہلاکتوں کے ذریعہ اور آپ کو دی جانے والی اخبارِ غیبیہ کو پورا کرنے کے ذریعہ اس نے بار بار آپ کی سچائی کو ظاہر فرمایا۔

وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ (۸)

اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کرتے ہیں اس پر وہ خود گواہ ہوتے ہیں۔

مطلب یہ کہ:-

نمبر ۱ وہ مومنوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ زیادتی کر

رہے ہیں۔

نمبر ۲ وہ مومنوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے پھرتے ہیں کہ ہم

نے ایسا کیا ہے۔

نمبر ۳ وہ مومنوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں (اور کریں گے) اور اس کا نتیجہ چھٹم

خود دیکھ لیں گے۔

يَفْعَلُونَ مَضَارِعَ كَامِيغْہ ہے جو حال اور مستقبل کے لئے آتا ہے پس اس میں اشارہ کیا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حینِ حیات کے دشمنوں کا بھی یہ وطیرہ ہے اور آنے والے شاہد کے دشمنوں کا بھی یہی وطیرہ ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لو شاہد موعود حضرت مہدی علیہ السلام کے آنے پر آپ اور آپ کی جماعت پر یہ الزام لگایا گیا کہ یہ لوگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خَاتَمُ النَّبِيِّينَ نہیں مانتے۔ یا یہ الزام لگایا گیا کہ یہ لوگ جب لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کہتے ہیں تو ان کے دل میں مرزا غلام احمد ہوتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ دونوں

الزام سراسر من گھڑت اور بکواس محض ہیں۔ اسی طرح وہ احمدیوں پر زیادتیاں کرتے ہیں اور پھر لوگوں کے سامنے فخر سے ان کا ذکر کرتے ہیں جیسے بھٹو نے احمدیوں کو اسمبلی سے Not Muslim for the purpose of law قرار دلوایا اور پھر بار بار ہر جگہ یہ کہتا پھرتا رہا کہ میں نے (احمدیوں کا) نوے سالہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔ مگر یہ مسئلہ ایسا حل ہوا کہ بھٹو صاحب تو تختہ دار پر لٹکائے گئے اور احمدی اس وقت سے اب تک کیا بلحاظ تعداد اور کیا بلحاظ وسائل اور کیا بلحاظ ساکھ کے پہلے سے کئی گناہ ترقی پا چکے ہیں۔

وَمَا نَقْمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (۹)
الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (۱۰)

اور انہوں نے مومنوں کے ساتھ سوائے اس کے کسی وجہ سے دشمنی نہیں کی کہ وہ عزیز و حمید اللہ پر ایمان لائے۔ جس کی (اور جس کے لئے) آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے مگر اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔

اوپر کی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو صاف ظاہر ہوگا کہ ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ ہر سلسلہ کے دو نبیوں (شاہد اور مشہود) کے زمانہ میں یہ بات خصوصیت سے دیکھی جاتی ہے کہ ان کے متبعین کو صرف اس وجہ سے دکھ دئے جاتے ہیں کہ وہ عزیز و حمید خدا پر ایمان لائے اور اسی کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت والا جانا اور ایسا ہی زمانہ اسلام میں ہوگا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے سارے زمانہ اسلام میں صرف دو دور ایسے آئے ہیں کہ صرف اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ کو عزیز یعنی سب پر غالب اور حمید یعنی تمام تعریف کے لائق سمجھا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے ایسا سمجھنے والوں کو مصائب اور جبروت کا تخیل مشتق بنایا گیا۔ ایک حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے صحن حیات میں اور ایک مہدی موعود کے آنے پر۔ اُس پہلے دور میں بھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے اور اس پر ایمان رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کو مظالم کا تخیل مشتق بنایا جاتا تھا اور اس دوسرے دور یعنی حضرت مہدی موعود کے دور میں بھی آپ کو ماننے والوں میں سے بہت ساروں پر صرف اسی وجہ سے مظالم ڈھائے گئے اور ڈھائے جا رہے ہیں۔ مگر جس طرح اس پہلے دور میں ثابت ہو گیا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی یعنی دین اور دنیا کی بادشاہت اللہ ہی کی

ہے یعنی دینی لحاظ سے بھی مسلمان غالب آگئے تھے اور دنیوی بادشاہتیں بھی ان کے قبضہ میں آگئیں تھیں اسی طرح اس دوسرے دور میں بھی ہوگا۔ زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدائی تقدیریں ٹل نہیں سکتیں۔

بات یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے اقتدار کے نشہ میں مومنوں سے یہ چاہنے لگتے ہیں کہ وہ (باوجود کراہت کے) ایسے عقائد رکھنے کا اظہار کر دیں جو وہ لوگ ان کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ اور جن باتوں کو وہ جزو ایمان سمجھ کر ان پر عمل کر رہے ہوتے ہیں ان پر عمل چھوڑ دیں۔ لیکن مومن چونکہ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عزیز ہے ہر شخص پر خواہ وہ کیسا ہی صاحب اقتدار ہو غالب ہے اس لئے وہ اس کے حکم کے خلاف ان لوگوں کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ اور چونکہ وہ یہ ایمان بھی رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ حمید یعنی حمد کے لائق ہے اس لئے جو احکام بجالانے کا اس نے ان کو حکم دیا ہے وہ یقیناً ان کے لئے مفید ہوں گے اس لئے وہ ان احکام پر عمل ترک کرنے کو بھی میار نہیں ہوتے۔ پھر اس کی یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ ان کو یہ ایمان بھی حاصل ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت خدا تعالیٰ کی ہے۔ اسی کے لئے ہے اور اسی کے اختیار میں ہے۔ آج نہیں تو کل وہ صاحب اقتدار لوگوں کے (جو اپنے آپ کو ناحق مالک الملک سمجھے بیٹھے ہیں) ہاتھ سے اقتدار چھین کر مومنوں کو دے دیگا اور آسمانی اور زمینی یعنی دینی و دنیوی دونوں بادشاہتیں ان کے ہاتھ میں ہوں گی کیونکہ اللہ ان صاحب اقتدار لوگوں کے بد اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے اور مومنوں کے نیک اعمال کا مشاہدہ بھی کر رہا ہے۔ مگر مومنوں کی یہی روش ان لوگوں کو غصہ دلاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ایک صاحب اقتدار نے مخالفت کی تو اسی وجہ سے کہ خدا نے اسے بادشاہت دی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کی فرعون نے مخالفت کی تو بادشاہت کے نشہ میں۔ آنحضرت ﷺ اور حضورؑ کے ماننے والوں کی ابو جہل اور ابولہب وغیرہ نے مخالفت کی تو طاقت ہی کے زعم میں۔ اور ان آیات میں یہ اشارہ کیا گیا کہ آئندہ آنے والے نبی کے (جس کو آنحضورؑ سے شاہد اور مشہود کی نسبت ہوگی یعنی مہدی موعودؑ کے) وقت میں بھی کچھ صاحب اقتدار لوگ اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر اس کی یا اس کے ماننے والوں کی مخالفت کرینگے جو انہی وجوہ کی بناء پر ہوگی۔ چنانچہ بھٹو اور ضیاء الحق نے احمدیوں سے جو کچھ کیا وہ طاقت کے نشہ میں اور انہی وجوہ کی بناء پر کیا۔ اس کے بعد ہے:-

إِنَّ الدِّينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتَوَبُّوا
فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ (۱۱)

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جتلائے عذاب کیا اور پھر (باوجود مہلت پانے کے) توبہ بھی نہیں کی تو ان کے لئے (آخرت میں) جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے (دنیا میں بھی) جلتے رہنے کا عذاب ہے۔

اگرچہ صرف کفر کرنے کی سزا آخرت میں ملتی ہے لیکن مخالفینِ انبیاء کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے بالخصوص ائمہ الکفر کو تا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ آنحضرت ﷺ کے صحنِ حیات میں ائمہ الکفر نے دیکھا کہ انہوں نے اشاعتِ اسلام کو روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر اسلام پھیلتا ہی گیا اور یہ بات ان کے لئے عذابِ الحریق سے کم نہ تھی۔ جنگوں میں جو ہزیمت ان کو اٹھانا پڑی۔ اسی طرح شاہِ حبشہ کے دربار میں جو نامرادی ان کے حصہ میں آئی یہ سب باتیں ان کے لئے عذابِ الحریق ہی تھیں۔ اور چونکہ ان آیات میں یہ اشارہ تھا کہ شاہد اور مشہود دونوں کے وقت میں ان کے دشمنوں سے ایسے معاملات ہوتے ہیں اس لئے ضرور تھا کہ مہدی موعودؑ کے وقت میں بھی جس کو آنحضرتؐ کے ساتھ شاہد اور مشہود کی نسبت تھی ایسا ہی ہوتا۔ چنانچہ عملاً بھی ایسا ہی ہوا۔ آپ کے صحنِ حیات میں دشمنوں کی تمام تر مخالفانہ کوششوں کے باوجود آپ کو خدا نے ترقی پر ترقی دی۔ آپ کے دشمن ہلاک ہوئے۔ آپ کے غلاموں پر ان گنت فضل ہوئے۔ آپ کے خلفاء کے زمانہ میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے زمانہ میں احرار کا انجام، خلیفہ ثالث کے زمانہ میں بھٹو کا انجام اور خلیفہ رابع کے زمانہ میں ضیاء الحق کا انجام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

مسٹر بھٹو نے احمدیوں کو Not Muslim for the purpose of law قرار دیا لیکن پھر اس کے ساتھ کیا ہوا۔ حضرت مہدی موعودؑ کے ایک غلام حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری نے اس راقم الحروف کو بتایا کہ ان کو الہام ہوا ہے۔ ”بھٹو بھٹی میں“۔ اس الہام کو خدا تعالیٰ نے ایسی شہرت دی کہ میں جس شہر میں جاتا وہاں اس الہام کا تذکرہ سنتا۔ اس کے بعد بھٹو نہ صرف کرسی اقتدار سے اتارا گیا بلکہ جیل میں ڈالا گیا اور پھر جیل کی کال

کوٹھری میں فخل کیا گیا جو اس کے لئے بھی سے کم نہ تھی اور ایک عرصہ تک اس میں پڑا رہنے کے بعد (بھی اس نے توبہ نہ کی تو) تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ **فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ**۔ اسی طرح ضیاء الحق کو حضرت امام جماعت احمدیہ رابع نے بار بار اپنی روش بد سے رجوع کرنے کی طرف توجہ دلائی مگر وہ باز نہ آیا تو بالآخر ہوائی حادثہ میں جل کر مرا یہاں تک کہ اس کے جڑے کے علاوہ کچھ بھی نہ بچا۔ اور مرنے سے پہلے اس نے دیکھ لیا کہ خلافت احمدیہ کے مٹانے اور جماعت احمدیہ کی ترہی کو روکنے کیلئے جتنی بھی کوششیں اس نے کی تھیں سب کی سب ناکام ہو گئیں اور اس طرح وہ جل جل کے جیا اور جل کر ہی مرا۔ اور **”وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ“** کی وعید ظاہری لحاظ سے بھی پوری ہوئی۔ کیونکہ اس ظالم نے احمدیوں کو نہ صرف جگ کیا، بلکہ اذائیں بند کیں۔ کلمہ طیبہ مٹایا۔ خلیفہ وقت کو ہلاک کر نیکی منظم شازش کی اور حضرت مسیح موعودؑ کے **الهامِ ذُرُونِيْ اَقْتُلْ مُوسٰى فَلْيَدْعُ رَبَّنَا** کے مطابق فرعونؑ وقت ثابت ہوا۔

=====

سورة الطارق میں ذکر المہدیؑ

سورة البروج کے بعد سورة الطارق آتی ہے۔ اس کے شروع میں ہے:-

**وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ (۲) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ (۳)
النَّجْمُ الثَّاقِبُ (۴) اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (۵)**

لفظ طارق کے کئی معنی ہیں۔ نمبر ۱: کوکب صبح۔ نمبر ۲: رات کو آنے والا۔ (پہلے معنی کو ساتھ ملا لیں تو رات کے آخری حصہ میں آنے والا)۔ نمبر ۳: مارنے پینے والا (الْمِطْرَقَةُ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ رُوئی دھکی جاتی ہے۔ نیز ہتھوڑے کو)۔ نمبر ۴: کھٹکھٹانے والا۔ کیونکہ طَرَقَ الثَّبَابُ کہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ نمبر ۵: بڑا آدمی یا سردار قوم۔ اور نمبر ۶: نجومی جو کھنکر مار کر نتائج اخذ کرے۔

انجم الثاقب کے معنی ہیں تیز روشنی والا ستارہ جو تاریکی کو چھید دے۔

یہاں پہلے طارق کی قسم کھائی ہے اور پھر اسے **النَّجْمُ الثَّاقِبُ** قرار دیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں انجم الثاقب ہی کی قسم نہیں کھائی گئی؟ تو جاننا چاہیے کہ جیسا کہ اگلی سطور سے واضح

ہو جائے گا جو صورت اختیار کی گئی ہے اس سے جہاں طارق کے ایک معنی منہا ہو گئے ہیں وہاں دوسرے معانی میں بہت وسعت بھی پیدا ہو گئی ہے۔

طارق کی قسم کھا کر اور اسے النجم الثاقب قرار دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ یہاں طارق کے معانی میں سے نجم والے معنی مراد ہیں یا بڑے آدمی یا سردار والے معنی (کیونکہ ان کو بھی نجم کہتے ہیں) نجومی والے معنی مراد نہیں۔ جیسا کہ آگے وضاحت آئے گی یہاں الطارق سے نبی وقت مہدی موعود مراد ہے اور نبیوں کو لوگ کا بن یا نجومی بھی کہا کرتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے طارق کے نجومی والے معنوں کی نفی فرمادی۔ تا اشارہ ہو کہ مہدی موعود پر نجومی ہونے کا الزام لگایا جائے گا مگر وہ درست نہیں ہوگا۔

سورة البروج میں آخری روحانی نظام کو جو خدا کی طرف سے قائم کیا گیا السَّمَاء قرار دیا گیا تھا اور آخر سورة میں بتایا گیا تھا کہ قرآن (جس پر یہ آسمان مبنی ہے) لوح محفوظ میں ہے لہذا اس کے بعد آنے والی اس سورة کے شروع میں جو وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ فرمایا گیا تو اس میں بھی السَّمَاء سے وہی آسمان مراد ہے جس کا وہاں ذکر تھا یعنی قرآن پر مبنی آخری شرعی نظام۔ اس آسمان کے آفتاب حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اس وقت زندہ، سلامت موجود تھے اس لئے اس آیت میں جو الطارق یعنی صبح کے ستارہ کی قسم کھائی گئی تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے آئندہ آنے والے کسی وجود کی پیشگوئی مقصود ہے اور اسی آنے والے کی قسم کھائی گئی ہے۔

پس السَّمَاء اور الطَّارِق کی قسم کھا کر اور طارق کو النجم الثاقب قرار دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ جب عالم اسلام پر ایک رات چھا جائے گی تو اس رات کے آخری حصہ میں ایک ستارہ ظاہر ہوگا۔ مگر وہ عام معنی میں ستارہ نہیں ہوگا بلکہ ایک ایسا بڑا آدمی اور سردار اُمت ہوگا جو اُس معصیت و مصائب کی رات میں نجوم کی طرح لوگوں کے لئے رہنما ہوگا اور بوجہ صبح کا ستارہ ہونے کے یہ نوید لائے گا کہ اب پھر سے آسمان روحانیت کے آفتاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی روشنی دنیا کو متور کرنے والی ہے۔ اور اگرچہ اس آفتاب کے مقابل پر اس کی حیثیت ایک نجم کی ہوگی مگر وہ خود بھی ظلمات کو چھید دینے والا یعنی نبی اللہ ہوگا (کیونکہ پردہ ظلمات کو سب سے زیادہ پھاڑنے والا وجود نبی ہی کا ہوتا ہے)۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق حضرت مہدی موعود سورة الفجر میں بیان ہونے والی دس راتوں کے یعنی تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں بلکہ

ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں خلعتِ ماموریت سے سرفراز کئے گئے۔ اور آپؐ نے آکر بابِکِ دہل یہ اعلان کیا کہ اب محمد رسول اللہ ﷺ کا بول بالا ہوگا۔ آپؐ کی آنحضورؐ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو سورج کے ساتھ ستاروں کی یا چاند کی ہوتی ہے مگر بہ اس ہاں آپؐ نبی اللہ بھی تھے۔

چونکہ طارق کے ایک معنی مارنے پینے والے کے بھی ہوتے ہیں اور سورۃ الصُّفَّت میں بتایا ہے قریب ترین (روحانی) آسمان کو کو اکب کے ساتھ مزین کیا جاتا ہے اور ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنایا جاتا ہے..... لیکن اگر کوئی خَطْفَہ یعنی سیاق و سباق سے کئی ہوئی بات کو اُچک لے یعنی اسے لے کر غلط فائدہ اٹھاتا چاہے تو اس کے پیچھے ایک شہابِ ثاقب لگ جاتا ہے۔ اس لئے یہاں جو طارق کو (جس کے معنی کوکب کے بھی ہیں) النجم الثاقب قرار دیا گیا تو اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ وہ موعود ایسے وقت میں آئے گا جب شریر لوگ (مسلمانوں کی قرآن و حدیث سے ناواقفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اور قرآن کریم کی سیاق و سباق سے کئی ہوئی باتیں پیش کر کے ان میں گمراہی پھیلائیں گے۔ اور اس آسمانی نظام کو نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ مگر وہ موعود تیزی کے ساتھ ان کا تعاقب کر کے ان کی سرکوبی کرے گا اور انہیں بھسم کر دے گا۔ (یعنی سورۃ فتح کی آخری آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے مطابق وہ آنحضورؐ کی معیت رکھنے والا اور أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق ہوگا)۔

یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سورۃ الصُّفَّت میں تو شہابِ ثاقب کے الفاظ ہیں یہاں النجم الثاقب کے الفاظ کیوں لائے گئے یعنی شہاب کی جگہ نجم کا لفظ کیوں رکھا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الشعب ایسے سفید رنگ کو کہتے ہیں جس میں کسی قدر سیاہی کی آمیزش ہو جبکہ نجم میں یہ بات نہیں ہوتی۔ سورۃ الصُّفَّت کی محولہ بالا آیت میں چونکہ ایک قاعدہ کلیہ کا ذکر تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ جب بھی شیاطین اس جرم کے مرتکب ہوں تو ایک شعلہ یا ستارہ ان کے پیچھے لگ جاتا ہے اس لئے وہاں شہابِ ثاقب کے الفاظ رکھے تھے اور یہاں چونکہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب تاریکی نے انتہا کو پہنچ چکی ہوتی تھا اور بنا برائیں شیاطین کی کاروائیاں بھی حد سے بڑھ چکی ہونی تھیں اس لئے یہاں النجم الثاقب کے الفاظ رکھے ہیں تا اشارہ ہو کہ تقاضائے حکمت کے عین مطابق جب تاریکی نسبتاً کم ہو اس وقت اسے دور کرنے کے لئے کھڑے کئے جانے والے وجود نسبتاً کم درجہ

کے یعنی عام دلی یا مجذد وغیرہ ہوتے ہیں جن کے دامن پر ذنوب کے قلیل داغ ہونا ممکن ہے مگر تاریکی کے انتہا کو پہنچ جانے کے وقت جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے کھڑا کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ نبی اللہ ہوتا ہے جو گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اور جس کے آنے کی ان آیات میں پیشگوئی کی جارہی ہے وہ بھی نبی اللہ ہوگا۔ سبحان اللہ کیسا عجیب کلام ہے کہ اس میں چھوٹی سے چھوٹی بات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ایک اور لطیف بات بھی ان آیات میں بتائی گئی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے طَرَقُ الْبَابِ کے معنی دروازہ کھٹکھٹانے کے ہوتے ہیں۔ اس لئے طارق کے ایک معنی کھٹکھٹانے والے کے بھی ہیں۔ اور چونکہ یہاں اس کے ساتھ آسمان کا ذکر ہے اس جگہ اس کے معنی آسمان کا دروازہ کھٹکھٹانے والے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ان معنوں کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ان آیات میں ہی یہ اشارہ موجود ہے کہ موعود طارق نبی اللہ ہوگا۔ اور آسمان کا یا بہ الفاظ دیگر خدا تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانے والے سب سے بڑھ کر انبیاء ہی ہوتے ہیں۔ اور انبیاء خدا تعالیٰ کی طرف سے معلّم بنا کر بھیجے جاتے ہیں تا جو باتیں خدا تعالیٰ انہیں سکھائے وہ آگے دوسروں کو سکھائیں۔ چنانچہ آنحضورؐ کے متعلق لکھا ہے يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ وہ انہیں کتاب سکھاتا ہے اور وہ حکیمانہ طریقے سکھاتا ہے جن سے وہ کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ لہذا ان آیات میں یہ بھی بتایا گیا کہ موعود طارق یعنی مہدی موعودؑ خود بھی ہر ضرورت کے وقت اور بار بار خدا کا دروازہ کھٹکھٹانے والا ہوگا اور اپنے متبعین کو بھی اس کی تعلیم دے گا اور اس کا طریق سکھائے گا۔ چنانچہ آپؐ نے ساری عمر مختلف طریق سے بار بار یہ تعلیم دی کہ ”جو کچھ ہوگا دعا سے ہوگا۔“ اور ساتھ ہی قبولیت دعا کے گز بھی سکھائے۔

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”ہم نے تو پہلے ہی خدا تعالیٰ کو پہچانا تھا اور یہاں تک کہ خدا کے دروازہ کی کنڈی بھی کھٹکھٹائی تھی۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ.... نے ہمیں ترکیب کھٹکھٹانے کی بتلا دی ہے... کہ اس طرح کھٹکھٹاؤ گے تو کھولا جائے گا۔“ (حضرت شہزادہ سید عبداللطیف شہید مرتبہ مولانا دوست محمد شاہ صفحہ ۹۸)

سورۃ الطارق کی زیر نظر آیات میں السَّمَاءُ اور الطَّارِقُ کی قسم کھا کر جواب قسم میں یہ فرمایا ہے کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر محافظ (مقرر) نہ ہو۔ یعنی ہر اس وجود پر کہ جس پر لفظ نفس

کا اطلاق ہوتا ہے محافظ مقرر ہوتا ہے اور چونکہ لفظ نفس کا اطلاق سماء اور طارق پر بھی ہوتا ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ جس طرح السَّمَاء یعنی سَمَاء الدُّنْيَا یعنی قریب ترین روحانی آسمان یعنی آخری شرعی نظام کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح انتہائی تاریکی کے زمانہ میں اس آسمان کی خصوصی حفاظت کرنے والے وجود الطارق کی بھی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور چونکہ طارق صبح کے ستارے کو کہتے ہیں جو طلوع آفتاب کی نوید لاتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ ہر روحانی سلسلہ کے آفتاب یعنی پہلے نبی کی بدرجہ اولیٰ حفاظت ہو۔ لہذا ان آیات سے اشارہ یہ نکلا کہ ہر نئے شرعی نظام کے پہلے اور آخری نبی کی ضرور حفاظت کی جاتی ہے کیونکہ اگر پہلے نبی کی حفاظت نہ ہو تو وہ نظام قائم ہی نہ ہو اور اگر آخری نبی کی حفاظت نہ ہو تو وہ باغ دوبارہ سرسبز ہونے سے رہ جائے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

”اگر چہ قتل ہونا مومن کے لئے شہادت ہے لیکن عادت اللہ اسی طرح ہے کہ دو قسم کے مُرْسَل من اللہ قتل نہیں ہوا کرتے۔ ایک وہ نبی جو سلسلہ کے اوّل پر آتے ہیں جیسا کہ سلسلہ موسویہ میں حضرت موسیٰؑ اور سلسلہ محمدیہ میں ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت ﷺ دوسرے وہ نبی اور مامور من اللہ جو سلسلہ کے آخر پر آتے ہیں جیسے سلسلہ موسویہ میں حضرت مسیح علیہ السلام اور سلسلہ محمدیہ میں یہ عاجز۔“

(تذکرۃ الشہادین صفحہ ۶۹-۷۰)

چنانچہ جس طرح آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے قرآن میں یہ فرمایا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ اسی طرح سورۃ الطارق کی اس آیت میں مذکور وعدہ کے مطابق حضرت مہدی موعودؑ کو بھی اس نے الہاماً یہ بشارت دی کہ يَعْصِيكَ اللّٰهُ۔ اللہ تجھے (دشمنوں سے) بچائے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یوں تو ہر زمانہ ہی میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو وحی کی ضرورت کے قائل نہیں ہوتے اور عقل ہی کو اپنی رہنمائی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن جس نبی کے آئندہ زمانہ میں آنے کی اوپر کی آیات میں پیشگوئی کی گئی اس کے زمانہ میں بنی نوع انسان کی کثرت نے اس غلطی میں مبتلا ہونا تھا اس لئے یہ بتانے کو کہ روحانی ترقیات تو الگ رہیں روحانی

پیدائش بھی نبی کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔ یعنی اس منزل کی طرف پہلا قدم بھی اس کے بغیر نہیں اٹھ سکتا۔ فرمایا:-

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ (۶) خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ ذَافِقٍ (۷)
يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (۸)

سو انسان کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا۔ جو پیٹھ اور چھاتیوں کے درمیان میں سے (ہو کر) نکلتا ہے۔

خُلِقَ مِنْ فُلَانٍ محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ اچھل کر اوپر اٹھنا یا آگے بڑھنا انسان کی فطرت میں ہے اس لئے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے اس طبعی تقاضے کی تسکین کا سامان کیا ہو۔ لیکن جس طرح جسمانی پیدائش کے لئے انسانی خم کو ایک خاص راستہ سے جو صلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے گزرنا پڑتا ہے۔ جب تک وہ پانی (ماءِ ذافِق) جس میں وہ خم ہوتا ہے موجود نہ ہو یا وہ پانی تو موجود ہو مگر اس راستہ سے نہ گزرا ہو اس وقت تک انسان وجود میں نہیں آسکتا کیونکہ خدا نے اس کی پیدائش کے لئے یہی طریق وضع کیا ہے اسی طرح جب تک انسان کی اس روحانی پانی پر بنیا نہ ہو جو خدا تعالیٰ نے اس کی روحانی پیدائش کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے اور پھر اس پانی کو اس راہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو جو خدا تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کی ہے اس وقت تک وہ روحانی وجود حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ روحانی پانی آسمانی شریعت ہے اور اس پانی سے استفادہ کی راہ مامور وقت کی اتباع کی راہ ہے۔ پس جو اس روحانی پانی کے بغیر یا اسے اس راہ سے حاصل کیے بغیر روحانی ترقی کرنا چاہے وہ کبھی با مراد نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو یہ راہ اختیار کرے وہ جلدی جلدی ترقیات حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی کی اتباع کرنے والوں نے قرب کے بڑے بڑے مراتب پائے ہیں جبکہ آپ سے دور رہنے والے خدا تعالیٰ کی جناب سے بہت دور کر دیئے گئے ہیں۔

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ سے یہ مفہوم بھی لیا گیا ہے کہ انسان مرد کے صلب سے نکلتا اور ماں کی چھاتیوں سے پرورش پاتا ہے۔ چونکہ نبی بمنزلہ رجل کے اور اس

کے خلفاء اس کے لئے بمنزلہ زوج کے ہوتے ہیں اس آیت میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ روحانی سلسلہ کا آغاز نبی کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس کی نشوونما خلفاء کے ذریعہ ہوتی ہے اور آئندہ (یعنی مہدی موعود کے وقت میں) بھی ایسا ہی ہوگا۔ لہذا اگر مہدی موعود علیہ السلام کی جماعت ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ نظام خلافت کے ساتھ مخلصانہ وابستگی میں کبھی جھول نہ آنے دے۔

=====

سورة الاعلیٰ میں ذکر المہدیؑ

اس اعتراض کا جواب کہ آنحضرتؐ کے بعد نبی کا آنا آپؐ کیلئے موجب توہین ہوگا اور یہ اشارہ کہ موجب توہین نہیں

موجب افتخار ہوگا

پچھلی سورة (الطارق) میں آئندہ زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی خبر دی گئی تھی اور یہ بھی کہا گیا تھا کہ قرآن قولِ فصل ہے یعنی ایسا کلام ہے جو سب سے اعلیٰ اور فائق ہے اور جس کے بعد کسی اور کلام کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ ہر کتاب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو اپنے زمانہ کے لئے ایسی ہی ہوتی ہے لیکن قرآن کریم کے بارہ میں اِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ کے بعد وَمَا هُوَ بِاَلْهٰزِلِ کے الفاظ بھی لائے گئے تھے۔ یعنی یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ (سابقہ الہامی کتب کے برعکس) یہ کتاب کبھی ناکارہ نہیں ہوگی اور ہر زمانہ کی ضرورت کو پورا کرتی رہے گی۔ بالفاظ دیگر اسے آخری الہامی کتاب قرار دیا گیا تھا مگر اسی بات کو بہانہ بنا کر نبی موعود کے زمانہ کے لوگوں نے (جو خدا تعالیٰ کی نظر میں حاضر کی طرح تھے) اعتراض کرنا اور کہنا تھا کہ جس نبی پر آخری کتاب نازل ہوئی وہ آخری نبی ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کے بعد بھی کوئی نبی آئے گا اس کی توہین ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس سورة کو اس اعتراض کے جواب سے شروع کیا۔ فرمایا:-

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی (۲)

اس کے دو معنی ہیں نمبر ۱ یہ کہ اے رسول اپنے رب کے اعلیٰ نام کی تسبیح کر اور نمبر ۲ یہ کہ

اے رسول اپنے رب کے نام کی جو اعلیٰ ہے تسبیح کر۔ چونکہ جھوٹے نبی کو تو خدا تعالیٰ بربطابق آیت لَوْ تَقُولُ عَلَيْنَا (الحجہ: ۶۹) تباہ کر دیا کرتا ہے اور سچا نبی اپنے آپ نہیں آسکتا خدا تعالیٰ کے بھیجے سے ہی آسکتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اور نبی کا آنا بھی خدا تعالیٰ ہی نے مقدر کیا تھا اس لئے اس آیت کے پہلے معنوں کی رو سے اس میں یہ بتایا کہ جب نبی کا آنا خدا تعالیٰ نے مقدر کیا ہے تو یہ اعتراض اس کے آنے کا عقیدہ رکھنے والوں پر نہیں خود خدا پر پڑتا ہے مگر خدا ہر عیب سے پاک ہے اس لئے یہ اعتراض سراسر کم فہمی بلکہ کج فہمی ہے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ جب نبی موعود ظاہر ہوا اور لوگوں نے اس کے دعویٰ پر یہی مذکورہ بالا اعتراض کیا تو اس نے اپنے معترضین کو یہی جواب دیا کہ ۔

مامور و مراچہ در ایں کار اختیار
رو ایں سخن بگو بہ خداوندِ آمرم

میں مامور ہوں میرا اس معاملہ میں کیا اختیار ہے جاؤ یہ بات میرے خدا سے کہو جس نے مجھے مامور کیا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ کے دوسرے معنوں کے اعتبار سے خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہ اشارہ فرمایا کہ اے رسول ان معترضین کو کہہ کہ رب تو اصل میں میرا رب ہے اور پھر میرے ساتھ اس کا سلوک بھی صرف رب کا نہیں رب اعلیٰ کا ہے یعنی ایک تو اس نے یہ ساری کائنات میرے ہی لئے پیدا کی ہے دوسرے وہ میری ربوبیت اس اعلیٰ درجہ کی فرما رہا ہے کہ کسی اور کی ربوبیت اس نے اس طرح کی نہیں کی اور نہ کوئی اور ربوبیت کرنے والا ایسی ربوبیت کر سکتا ہے لیکن اگر ایک طرف وہ میری ایسی عزت افزائی کرے کہ مجھے آخری کتاب دے اور دوسری طرف کوئی ایسا قدم اٹھائے جو میرے لئے موجب توہین ہو تو اس سے اس کی شان ربوبیت پر حرف آئے گا مگر وہ ہر عیب سے پاک ہے اس لئے اس کی طرف سے ایسا اقدام ممکن نہیں پس میرے بعد نبی کا آنا چونکہ خود اس نے مقدر فرمایا ہے اس لئے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کا آنا میری توہین کا باعث ہو۔ وہ تو لازماً میرے لئے باعث افتخار ہی ہوگا۔

یہ بات چونکہ اسی صورت میں ممکن تھی جو ایک تو آنے والا نبی کوئی نئی شریعت لے کر آنے والے نہ ہو اور دوسرے باہر سے آنے والا نہ ہو بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں میں سے

ہو اس لئے اس آیت میں نہایت خوبصورت پیرایہ میں ایک تو یہ بتایا کہ آئندہ آنے والا نبی کوئی نئی کتاب لے کر نہیں آئے گا قرآن ہی اس کی کتاب ہوگی اور دوسرے یہ بتایا کہ نہ تو وہ پہلے سے نبی ہوگا اور نہ محمد رسول اللہ ﷺ سے فیض حاصل کئے بغیر مقام نبوت پائے گا بلکہ آپ کا غلام اور آپ ہی کی اتباع کی برکت سے یہ مقام پانے والا ہوگا چنانچہ اس نبی حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے واضح طور پر اعلان فرمایا کہ قرآن آخری کتاب ہے آپ اسی کی خدمت کے لئے مامور ہوئے ہیں۔ اور آپ نے جو کچھ پایا ہے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے پایا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:-

”میں نے خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الورئی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی راہوں کی پیروی نہ کرتا سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا۔“

(ہیئتہ الوحی صفحہ ۵۷ تا ۶۸)

الغرض اس آیت میں خود حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان سے اس بات کا رد کرایا گیا کہ آپ کے بعد نبی کے آنے کا عقیدہ آپ کے لئے موجب توہین ہے اور اس طرح بتایا گیا کہ جب وہ رسول ﷺ جس کے لئے تم اس عقیدہ کو موجب توہین قرار دیتے ہو اسے موجب توہین نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس میں اس کی عزت افزائی ہے تو تم اسے موجب توہین قرار دینے والے کون ہو۔

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی تو اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ اے رسول لوگوں کو بتا کہ نبی موعود تیرے رب کا اسم اعلیٰ ہوگا اور جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہو یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے منصب کے لحاظ سے اس میں کوئی عیب ہو۔

یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ لوگوں کو اپنی صفات کا علم ہمیشہ اپنے نبیوں کے ذریعہ دیتا ہے اور انہی کے فیض سے وہ صفات الہیہ پر ایمان لاتے ہیں (جیسی کہا جاتا ہے کہ توحید کی ماں نبوت ہے) اور اہل علم جانتے ہیں کہ جو کوئی کسی چیز کا بطور خاص سبب بنے بعض دفعہ اسے اس

چیز کا نام دے دیا جاتا ہے جیسے دوسرے بتوں کے توڑے جانے کا سبب بننے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے ان میں سے بڑے بت کے بارہ میں فرمایا کہ **بَلْ فَعَلَهُ** یعنی اسے ان کا توڑنے والا قرار دیا۔ لہذا آئندہ آنوالے نبی مسیح موعودؑ کو جو خدا تعالیٰ نے اپنا اسم اعلیٰ (جو اُخَد ہے) قرار دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اسکی صفت اُخَدِیت کا مظہر ہوگا اور اس کے منوانے کا ذریعہ یعنی اس کا مظہر بنے گا۔ مگر قیام توحید تو تمام نبیوں کی بعثت کا بنیادی مقصد ہوا کرتا ہے اس لئے خاص طور پر جو مسیح موعودؑ کے بارہ میں یہ بات کہی گئی تو اسکا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ اسکے وقت میں شرک بہت زیادہ پھیل چکا ہوگا اور اسکے پھیلانے والے بھی بڑے طاقتور لوگ ہوں گے۔ اس لئے وہ اس کام کیلئے خدا کی طرف سے غیر معمولی قوت دیا جائیگا۔ چنانچہ وہ آکر اس شرک کو مٹائیگا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی توحید کو قائم کریگا اور یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ کی صفت اُخَدِیت کو لوگوں سے وہی منوا سکتا ہے جس کے دل میں اس کیلئے بے پناہ جوش ہو اور ایسا جوش اسی کے دل میں ہو سکتا ہے جسے اس صفت سے ایسا پیار ہو جیسا خود خدا کو ہے اور جو صفات الہیہ کے بارہ میں ایسا ہو اسے خدا تعالیٰ اپنی ان صفات کا حامل قرار دے دیا کرتا ہے جیسا کہ اسکے آنحضور کو نور اور حامی اور رؤف و رحیم اور رحمتہ للعالمین وغیرہ قرار دینے سے سمجھا جا سکتا ہے پس خدا تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کو اپنا اسم اعلیٰ (جو اُخَد ہے) قرار دیکر یہ اشارہ بھی فرمایا کہ اسے خدا تعالیٰ کی صفت اُخَدِیت ایسی پیاری ہوگی جیسی خود اسے پیاری ہے اور بتا برائیں وہ خدا کے نزدیک بمنزلہ اسکی توحید و تفرید کے ہوگا۔

عجیب اور بہت ہی عجیب بات ہے کہ اس قرآنی آیت کے نزول کے سینکڑوں سال بعد حضرت مہدی موعودؑ کا ظہور ہوا اور آپؑ کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے بعینہ یہی الفاظ فرمائے کہ **أَنْتَ إِسْمِیَ الْأَعْلٰی** تو میرا اسم اعلیٰ ہے اور پھر یہ فرمایا کہ **أَنْتَ مِنْنِیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیدِیْ وَ تَفْرِیدِیْ** تو میرے لئے بمنزلہ میری توحید اور تفرید کے ہے اور اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ **أَنْتَ مِنْنِیْ وَأَنَا مِنْکَ** تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

=====

ارسالِ رُسل کے بارہ میں سنت اللہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت رسول ضرور آتا ہے نئی شریعت کی ضرورت ہو تو شریعت لے کر اور موجود شریعت کی یاد دہانی کی ضرورت ہو تو اسکی یاد دہانی کیلئے

وائی قول فصل کے آنے بعد نبی کے آنے پر اعتراض کے مندرجہ بالا جواب کے بعد اگلی دو آیتوں میں کلام الہی اور انبیاء کے بارہ میں سنت اللہ کا ذکر کیا تا اشارہ ہو کہ خدا تعالیٰ نے ہمیشہ ہی انسان کی استعداد اور ضرورت کے مطابق اس کے لئے ہدایت بھیجی ہے اس لئے ضرور تھا کہ آئندہ بھی یہی طریق جاری رہے فرمایا:- (اپنے اس رب کی تسبیح کر)

اَلَّذِي خَلَقَ فَسُوًى (۳) وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدًى (۴)

جس نے (انسان کو) پیدا کیا پھر اس کا تسویہ کیا اور جس نے اندازہ کیا (یا تعین کی) پھر ہدایت دی۔

لفظ سَوًى کے معنی کسی چیز کو تقاضائے حکمت کے مطابق تکمیل تک پہنچانے کے ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ سَوًى کو لفظ خلق کے بعد رکھا گیا ہے اس لئے اس سے اعضائے بدن کا مکمل کرنا مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تخلیق میں شامل ہے بلکہ پروان چڑھاتے ہوئے اس مقام تک پہنچا دینا ہی مراد ہو سکتا ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنی تخلیق کا مقصد حاصل کرنے کے لائق ہو جائے۔ اور انسان کی پیدائش کا مقصد جو اس کے خالق نے مقرر کیا ہے کہ وہ یہ ہے کہ وہ اس کا عہد بنے یعنی اس کی صفات کا نقش اپنے اندر لے اور اس کا قرب حاصل کرے) اور اس مقصد کا حصول بغیر سچی معرفت کے ممکن نہیں اور سچی معرفت بغیر الہام کے ممکن نہیں۔ اس لئے مقصد تخلیق پانے کے لئے انسان کے واسطے خدا کا الہام پانے کے لائق ہونا ضروری ہوا اس لئے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اَلَّذِي خَلَقَ فَسَوًى میں یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے درجہ بدرجہ ترقی دیتے ہوئے اس مقام تک پہنچا دیا کہ وہ بحیثیت جنس اس کا الہام پانے کے لائق ہو گیا۔ دوسری جگہ اپنے قول لَإِذَا سَوَّيْتُهُ، وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ میں تسویہ کے بعد نفخ روح یعنی الہام کا ذکر فرما کر خدا تعالیٰ نے اس

مضمون کو اور بھی کھول دیا ہے۔ لیکن صرف اپنی اس استعداد کے بل پر کوئی انسان اپنی پیدائش کے مقصد کو پانہیں سکتا تھا بلکہ اس کے ساتھ اسے خدا تعالیٰ کی رہنمائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اگلی آیت میں اس نے اسے ہدایت دینے کا ذکر فرمایا لیکن درمیان میں قَدَر کا لفظ بھی رکھ دیا تا اشارہ ہو کہ ہدایت ہمیشہ بقدر تسویہ دی جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان بقدر اپنے تسویہ یعنی بقدر اپنی الہام پانے کی استعداد کے ہی خدا کا قرب حاصل کر سکتا تھا اور کسی زمانہ میں جتنا قرب پانے کی استعداد اس میں تھی اُسی کے مطابق اسے ہدایت دی جانی چاہیے تھی لیکن ہر دوسرے روز نیا ہدایت نامہ بھیجتا بھی قرین حکمت نہیں تھا اس لئے جب تک اس کی یہ استعداد کامل نہ ہو جاتی یا یوں کہہ لیجے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کا قرب پانے کے لائق نہ ہو جاتا اس وقت تک یہی ہو سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ اس کے لئے جو ہدایت نامہ بھیجے وہ محدود مدت تک کے لئے ہو لیکن اس محدود مدت تک تمام ضروریات کو پوری کرنے والا ہو اور اس مدت تک محفوظ بھی رہے۔ البتہ اگر لوگ اس پر عمل چھوڑ دیں یا اس کے احکام کی حقیقت کو بھلا دیں یعنی قشر سے چٹے رہیں لیکن مغز کو نظر انداز کر دیں تو جس طرح اس نے اس ہدایت نامہ کے لئے نبی بھیجا تھا اس کے احیاء کے لئے بھی نبی بھیجے۔ لیکن جب وہ ہدایت نامہ انسان کی بڑھی ہوئی ضروریات پوری کرنے کے لائق نہ رہے تو اسے منسوخ کر کے اس کی جگہ نیا ہدایت نامہ نازل فرمادے۔ اس لئے جب ایک حد تک انسان کا تسویہ ہو گیا یعنی اس میں الہام الہی پانے کی استعداد پیدا ہو گئی تو چونکہ اس استعداد ہی کی نسبت سے وہ خدا کا قرب حاصل کر سکتا تھا اور جتنا قرب حاصل کر سکتا تھا اسی کے مطابق ہدایت اسے ملنی چاہیے تھی خدا تعالیٰ نے جب بھی اس کے لئے ہدایت نامہ بھیجنے کا ارادہ کیا تو پہلے اس کے تسویہ کا بھی اندازہ کیا اور ہدایت کا بھی اندازہ کیا۔ یعنی ایک طرف یہ دیکھا کہ اس کا تسویہ کس درجہ کا ہے اور کب تک ایسی سطح پر قائم رہنے والا ہے کہ جو ہدایت نامہ اسے آج دیا جائے وہ اس مدت تک کے لئے موزوں و مناسب ہو۔ اور دوسری طرف یہ دیکھا کہ اس درجہ کے تسویہ والے انسان کو کن باتوں پر مشتمل ہدایت نامہ کی ضرورت ہے اور اگر وہ اس مدت کے اندر جس کے لئے اسے ہدایت نامہ دیا جا رہا ہے اس کی حقیقت کو بھلا دے تو اسے اس کی طرف واپس لانے کے لئے کیا تعلیم دی جانی چاہیے اور کس مجسم ہدایت وجود کے ذریعہ دی جانی چاہیے کیونکہ اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام ۶: ۱۲۵) اللہ ہی بہتر

جاتا ہے کہ کسے اپنا رسول بنائے۔ پس جب تک انسان کی الہام پانے کی استعداد ترقی پذیر رہی خدا تعالیٰ محدود مدت کے لئے ہدایت نامے بھیجتا رہا اور جب اس مدت کے اندر کہ جس کے لئے کوئی ہدایت نامہ بھیجا گیا لوگوں نے اس کی حقیقت کو بھلا دیا تو انہیں اس کی طرف واپس لانے کے لئے اس نے اپنا کوئی نئی بھیج دیا لیکن جب اس کی یہ استعداد کامل ہوگئی یعنی وہ خدا تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ قرب پانے کے لائق ہو گیا تو اس نے اس کے لئے سب سے کامل اور ہمیشہ کار آمد رہنے والا ہدایت نامہ بھیج دیا۔ اور جب محدود مدت تک کے لئے بھیج جانے والے ہدایت ناموں کی یاد دہانی کے لئے بوجہ اس کے کہ اپنے اپنے زمانہ کے لئے وہ بھی کامل اور قولِ فضل تھے اس نے نئی بھیجے تو ایسے قولِ فضل کی یاد دہانی کے لئے جو ہمیشہ قولِ فضل رہنے والا تھا (اگر لوگ اسے بھلا دیں) نئی بھیجتا تو اور بھی ضروری تھا اس لئے قرآن کریم کے خاتمِ الکتاب ہونے کی بنا پر اس کے زمانہ کے اندر جو قیامت تک ہے اور نئی کے آنے پر اعتراض نری جہالت ہے اور کچھ نہیں۔

اس حقیقت کو آیت مَانَسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا (البقرة ۲: ۱۰۷) میں زیادہ کھول کر بیان کیا گیا ہے اس میں نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا کے الفاظ مَانَسَخْ مِنْ آيَةٍ کے مقابل پر اور مِثْلَهَا کے الفاظ نُنسِهَا کے مقابل پر لائے گئے ہیں۔ آیت سے شریعت مراد ہے جو مجموعہ آیات ہونے کی وجہ سے ایک عظیم آیت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے لفظ آیت کو نکرہ لاکر اس کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ فرما کر کہ ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے مگر اس سے بہتر لے آتے ہیں یہ بتایا کہ خدا تعالیٰ کسی شریعت کو اس وقت تک کہ اس سے بہتر کی ضرورت نہ پڑے یعنی اس وقت تک کہ وہ ضرورت زمانہ کو پوری کرنے کے ناقابل نہ ہو جائے منسوخ نہیں کرتا اسی وقت منسوخ کرتا ہے جب وہ ضرورت پوری نہ کر سکے۔ اسی طرح جب وہ کسی آیت یعنی شریعت کو بھلا دیتا ہے تو اس کی مثل لے آتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کو دوبارہ لے آتا ہے تا ایک تو یہ اشارہ ہو کہ جس مدت تک کے لئے کوئی شریعت بھیجی جاتی ہے اس مدت تک اس کے الفاظ کی حفاظت کی جاتی ہے اس لئے اسی کو دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور دوسرے یہ اشارہ ہو کہ اس مدت کے اندر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ لوگ اس کے قشر سے تو چپے رہتے ہیں مگر اس کے مغز سے دور جا پڑتے ہیں۔ ظاہر میں تو اس پر

عمل کر رہے ہوتے ہیں مگر حقیقت میں عمل نہیں کر رہے ہوتے بلکہ اس کے خلاف چل رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں ایسی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی مثل ہو بعینہ وہی نہ ہو۔ یعنی ایسی تعلیم کی جو ظاہر میں اس شریعت کی تعلیم سے مختلف نظر آئے لیکن دراصل مختلف نہ ہو بلکہ اسی مقصد کو پورا کرنے والی ہو جس کو وہ شریعت پورا کرتی تھی یعنی وہ اس چیز کے خلاف ہو جسے اس وقت کے لوگ نادانی سے شریعت تھک کا نام دے رہے ہوتے ہیں لیکن اصل شریعت کے مطابق ہو۔ مثلاً حضرت موسیٰ کی دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک کی تعلیم سے حضرت مسیحؑ کی ایک گال پر تھپڑ پڑنے کی صورت میں دوسرا گال آگے کر دینے کی تعلیم بظاہر مختلف تھی لیکن درحقیقت مختلف نہیں تھی۔ کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا یعنی طبائع کو اعتدال پر لانا اس لئے حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ میں نوشتوں کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ اسی طرح زمانہ اسلام میں جب مسلمانوں نے جہاد بالشیف کا غلط مفہوم لینا شروع کیا تو خدا تعالیٰ نے مہدی مسعود حضرت مسیح موعودؑ کو بھیج کر اس کے التواغ کی اور اس کی بجائے جہاد بالقلم کی تعلیم دی جو بظاہر پہلی تعلیم کے مخالف تھی لیکن درحقیقت مخالف نہیں تھی۔ کیونکہ غرض دونوں سے یہ تھی کہ لوگوں کو خود سوچ سمجھ کر اپنی مرضی سے جو دین وہ چاہیں اختیار کرنے کا موقع دیا جائے۔

زیر نظر آیتوں کے بعد ہے:-

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ (۵) فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ (۶)

اور جس نے چارہ نکالا پھر اسے سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔

مرعی کے معنی جانوروں کے چارہ یا چراگاہ کے ہوتے ہیں۔ اوپر ذکر ہدایت (نامہ) کا ہوا تھا جس کا تعلق بہر حال انسان سے ہے اس کے معا بعد چارہ کا (جس کا تعلق جانوروں سے ہے اور جو ایک خوراک ہے) ذکر کیوں آگیا؟ بات یہ ہے کہ اس سورۃ میں پچھلی سورۃ پر پیدا ہونے والے سوالوں کا جواب دیا جا رہا ہے۔ اُس سورۃ میں قرآن کے بارہ میں اِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ وَ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ فرمانے کے بعد یہ فرمایا گیا تھا کہ اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَاَكِيدُ كَيْدًا فَمَهْلِي الْكُفْرَيْنِ اَمْ هَلْهُمْ رُوِيْدًا یعنی کافروں کی مخالفانہ تدابیر کا ذکر کر کے یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ انہیں کچھ مدت تک اپنی کاروائیاں کرنے کی مہلت دی جائے گی لیکن انہیں مہلت دینے کا مطلب چونکہ بظاہر یہ تھا کہ قول فصل کی اشاعت میں روک پڑے اس لئے سوال پیدا ہوتا

تھا کہ انہیں مہلت دینے کا فیصلہ کیوں کیا گیا؟ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اور بتایا کہ آسمانی ہدایت نامہ بھی مومنوں کے لئے بمنزلہ روحانی غذا کے ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ چونکہ جانوروں کا بھی رب ہے اس لئے جب وہ مومنوں کے لئے ہدایت نامہ بھیجتا ہے تو کفار کا لانا نعام کیلئے بھی ایک قسم کا چارہ نکالتا ہے یعنی مخالفتوں اور جموٹے اعتراضات اور تکذیب کا موقع پیدا کر دیتا ہے۔ (ذَلِّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ - وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ - الواقعة ۵۶: ۸۳) مگر اس لئے نہیں کہ اس سے نبی وقت کو یا اس ہدایت نامہ کو جو وہ لے کر آتا ہے کوئی نقصان پہنچے بلکہ اس لئے کہ جس طرح چارہ جب گل سڑ جاتا ہے تو کھاد بن جاتا ہے اس طرح وہ مخالفتیں بے نتیجہ رہ کر اور وہ اعتراضات جموٹے ثابت ہو کر نبی کے سلسلہ کے لئے کھاد کا کام دیں یعنی اس کی ترقی کا موجب ہوں۔

=====

آنحضرتؐ اور نبی موعودؑ کے مخالفین کے بارہ میں یہ زبردست پیشگوئی کہ ان میں سے جو زیادہ گندے ہیں وہ گھسے پٹے اعتراضات پیش کرتے چلے جائیں گے

اس میں ایک لطیفہ بھی ہے اور وہ یہ کہ غُصَاءُ اُھْوٰی کا بھی آخر کچھ نہ کچھ وجود تو ہوتا ہے لہذا ان آیتوں میں جو ان باتوں کو جو جانوروں کی خوراک بننے والے چارہ کی طرح کفار کا لانا نعام کی روح کی غذا ہوتی ہیں بالکل معدوم کئے جانے کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ غُصَاءُ اُھْوٰی بنائے جانے کا ذکر کیا گیا تو اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیے اور یقیناً ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ غُصَاءُ اُھْوٰی یعنی گل سڑ کر سیاہ ہو جائیو الا کوڑا کرکٹ گندگی کے کیڑوں کی غذا ہوتا ہے پس اس میں بتایا کہ اگرچہ ان باتوں کا جن سے کفار کا لانا نعام نبیوں پر اعتراضات کرنے اور انکے خلاف شرارتیں کرنے کا فائدہ اٹھاتے ہیں ناقابل اعتراضات ہونا جلد کھل جاتا ہے اور اس سے انکے اعتراضات اپنے منہ کی رونق کھو بیٹھتے ہیں اور نبیوں کی صداقت پر مہر لگ جاتی ہے مگر کفار میں سے جو زیادہ ذلیل اور بالکل گندگی پر پلنے والے کیڑوں کی طرح ہوتے ہیں پھر بھی شرارتوں سے باز نہیں آتے

بلکہ وہ اپنے ان کہے پٹے اعتراضات کو اس کے بعد بھی پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں اشارہ تھا کہ یہی کچھ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے لوگ اور یہی کچھ آئندہ آنے والے نبی کے زمانہ کے لوگ کریں گے۔ چنانچہ اس کے عین مطابق سید المطہرین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضرت زینبؓ سے نکاح پر یا حضرت عائشہؓ کے ایک جنگی قافلہ سے پیچھے رہ جانے پر (حالانکہ خدا تعالیٰ نے خود ان کی بریت کر دی تھی)۔ سبکی لوگ اب تک اعتراض کرنے سے باز نہیں آتے۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ جس پر وہ اعتراض کرتے ہیں اس نے تو شادی شدہ ہونے کے باوجود کسی بچہ کو جنم نہیں دیا اور جس کو وہ خدا تعالیٰ کی ماں بنائے بیٹھے ہیں اس نے باوجود شادی شدہ نہ ہونے کے بچہ جنا۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ہم حضرت مریمؑ کے بارہ میں حسن ظن سے کام لیں تو وہ کیوں حضرت عائشہؓ کے بارہ میں جو ہمارے لئے ہماری ماؤں سے اور حضرت مریمؑ سے زیادہ معزز ہیں حسن ظن سے کام نہیں لیتے۔ مہدی موعودؑ کے زمانہ کے کفار کا بھی یہی حال ہے چنانچہ دیکھ لیجئے عبداللہ انصاریؒ کی ہلاکت کے بارہ میں یا محمدی بیگم سے نکاح کے بارہ میں یا اصلاح الموعود کے نو سال کے اندر پیدا ہونے کے بارہ میں جو پیشگوئیاں تھیں درمیان میں پیش آنے والے بعض واقعات کی بنا پر دشمن نے ان پر اعتراض کیا تاہم وہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں اور ثابت ہو گیا کہ وہ سچی اور منجانب اللہ تھیں لیکن آپؐ کے دشمنوں میں سے جو زیادہ ذلیل لوگ ہیں وہ اب تک پہلے والے اعتراضات جن کا بودا ہونا اور بے بنیاد ہونا اظہر من الشمس ہو چکا ہے پیش کر کے خلق خدا کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

=====

آنحضرتؐ کو یہ بتایا جانا کہ آپؐ کے بعد عملاً نبی کی ضرورت پیش
آئیوالی ہے مگر آپؐ کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپؐ کی امت
کے قرآن پر عمل ترک کر دینے کی وجہ سے

اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد نبی کا آنا آپؐ کے لئے
موجب توہین نہیں ہوگا اور ضرورت پڑنے پر نبی آسکتا ہے اس کے بعد یہ بتانے کو کہ یہ ضرورت
پیش آنے والی ہے یا نہیں اور اگر پیش آنے والی ہے تو کس وجہ سے فرمایا:-

سَنَقِرُنْكَ فَلَا تَنْتَسِي (۷)

اے رسول ہم تجھے (قرآن) پڑھائینگے سو تُو بھولے گا نہیں۔

فائدہ نتیجہ کے لئے ہوتا ہے۔ مگر ہم تجھے پڑھائینگے سے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا گیا کہ تُو بھولے گا نہیں؟ بات یہ ہے کہ معلم یا معلم دونوں میں یا ان میں سے ایک میں کوئی نقص ہونے کی وجہ سے پڑھنے والا بھولتا ہے چونکہ پڑھانے والا خدا تعالیٰ تھا اور پڑھنے والے محمد (ﷺ) اس لئے یہ نتیجہ نکال کر بتایا کہ استاد بھی کامل ہے اور شاگرد بھی کامل اس لئے وہ پڑھا ہوا بھولے گا نہیں۔

نسیان حفظ کے مقابل کا لفظ ہے جس چیز کا خیال رکھنا انسان کے سپرد کیا جائے اسے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے بھول جاتا بھی اس سے مراد ہوتا ہے اور دانستہ اس کا خیال ذہن میں نہ آنے دینا اور اس پر عمل ترک کر دینا بھی اس سے مراد ہوتا ہے پس فَلَا تَنْتَسِي کے دو معنی ہیں یہ بھی کہ تو اس کے الفاظ نہیں بھولے گا اور یہ بھی کہ تُو اس پر عمل ترک نہیں کرے گا۔

سَنَقِرُنْكَ فَلَا تَنْتَسِي کے بعد ہے إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔ بالعموم اس کے معنی یہ کہے گئے ہیں کہ ”سوائے اس کے جو اللہ چاہے“۔ یہ معنی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اے رسول ہم تجھے قرآن پڑھائیں گے اور تو اسے بھولے گا نہیں لیکن جو (الفاظ) اللہ چاہے وہ بھول جائے گا یا یہ کہ اس میں سے جس بات پر عمل کا ترک کرنا اللہ تجھ سے چاہے گا اس پر تو عمل ترک کر دے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں درست نہیں ہو سکتیں کیونکہ الفاظ کا بھلانا اللہ اس لئے نہیں چاہ سکتا تھا کہ اس نے خود حفاظتِ قرآن کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اور آنحضرت کے لئے اس پر عمل کا ترک کرنا اس لئے نہیں چاہ سکتا تھا کہ اس نے قرآن پر عمل کو سب سے زیادہ آنحضرت پر ہی فرض کیا تھا اور اس بارہ میں آپ کو اسوہ حسنہ ٹھہرایا تھا۔

بات یہ ہے کہ إِلَّا کے معنی صرف ’سوائے‘ کے نہیں ہوتے ’مگر‘ کے بھی ہوتے ہیں۔ دوسرے یہاں إِلَّا مَا يَشَاءُ اللَّهُ نہیں فرمایا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ فرمایا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ جو اللہ چاہے گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو اللہ نے (پہلے سے) چاہا ہوا ہے۔ پس سَنَقِرُنْكَ فَلَا تَنْتَسِي إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ کے معنی یہ ہیں کہ اے رسول ہم تجھے (قرآن) پڑھائیں گے سو تُو اسے بھولے گا نہیں (یعنی نہ اس کے الفاظ بھولے گا نہ اس پر عمل ترک کرے گا) مگر جو اللہ نے چاہا ہوا ہے

(وہ بھی ضرور پورا ہوگا) یعنی خدا نے جو چاہا ہے کہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ مکافاتِ عمل کا جو قانون اس نے جاری فرمایا ہوا ہے وہ بھی اپنا رنگ ضرور دکھائے گا یعنی جب تک تیرے ماننے والے ظاہر و باطن قرآن سے وابستہ رہیں گے قرآن کا بھی ظہر و بطن دونوں ان کے ہاتھ میں رہیں گے لیکن جب ان کا اس سے تعلق صرف ظاہر میں رہ جائے گا اس وقت خدا بھی اس کے الفاظ ان کے پاس رہنے دے گا اس کی روح کو ان کے اندر سے اٹھالے گا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تو نہیں مگر ایک وقت آئے گا کہ تیری اُمت قرآن پر عمل چھوڑ دے گی اس وقت قرآن بھی ان کو چھوڑ دے گا یعنی جیسا کہ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مُّعِينٍ (الملک ۶۷:۳۱) میں اشارہ کیا گیا ہے یہ روحانی پانی غوراً ہو جائے گا یعنی سطح زمین سے اتنی دور نیچے اتر جائے گا کہ سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ خود اس کا سامان کرے کسی کے لئے ممکن نہیں ہوگا کہ اسے پھر سے سطح زمین پر لا کر چشمہ کی صورت بہا دے یعنی پھر اس سے استفادہ آسان بنا دے۔ پس اس میں بتایا کہ آپؐ کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں مگر آپؐ کی اُمت کے عمل بالقرآن کو ترک کر دینے کی وجہ سے نبی کی ضرورت پیش آئے گی۔ ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی خدا تعالیٰ اپنا نبی بھیجے گا بھی کیونکہ اگر اس نے اس روحانی پانی کو پھر سے سطح زمین پر نہ لانا ہوتا تو اسے خشک کر دیتا غوراً نہ کرتا۔ اس کے بعد ہے:-

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ (۹)

اور ہم تیرے لئے آسانی میسر کریں گے۔

ادھر سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْتَسِي فرمایا تھا یعنی یہ کہ اے رسول ہم تجھے قرآن پڑھائیں گے سو تو نہ اس کے الفاظ بھلائے گا نہ اس پر عمل چھوڑے گا اور آیت بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ کے مطابق دوسروں تک قرآن کا پہنچانا اور ان کے ذہن نشین کر دینا بھی آپؐ پر فرض کیا گیا تھا جو نہایت مشکل کام تھا اس لئے بظاہر آسانی میسر کرنے کا ذکر اس سے پہلے ہونا چاہیے تھا مگر اسے بیان میں موخر کیا گیا۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ خواہ کیسی ہی مشکلات پیش آئیں تو قرآنی احکام پر عمل کرتا رہے گا لیکن ہم تجھے مشکل میں ڈالنا نہیں چاہے (مَا أُنْزِلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ - طہ ۲۰:۳) اس لئے ہم تیرے لئے ہر قدم پر آسانی میسر کر دیں گے چنانچہ خدا تعالیٰ نے پہلے آپؐ کو نہایت مخلص انصار کی ایک جماعت دے

دی پھر سارے عرب کو آپؐ کے ہاتھ پر فتح کرادیا پھر خلفاء کرام کے زمانہ میں اسلامی حکومت کو اور بھی وسعت دے دی۔ اس کے بعد مجددین کا سلسلہ جاری فرما دیا اور اس زمانہ میں جب آپؐ کی اُمت قرآن سے زیادہ ہی دور جا پڑی تو اس نے بروزی رنگ میں آپؐ ہی کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا یعنی ایک ایسے وجود کو جو آپؐ کی محبت اور اطاعت اور غلامی میں بالکل فنا تھا آپؐ کی طفیل نبی اور مہدی وقت بنا کر آپؐ کے مشن کی خدمت کے لئے مبعوث فرمادیا۔

=====

آنحضرتؐ کو یہ حکم کہ آئندہ آنے والے نبی کو ماننے کی

اُمت کو تاکید فرمادیں

آگے ہے:-

فَلَذِكْرُ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى

فَلَذِكْرُ سے عمومی رنگ میں نصیحت کرنا بے شک مراد ہے لیکن ماقبل کی روشنی میں ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں آنحضورؐ کو آئندہ آنے والے نبی (مہدی موعودؑ) کو ماننے کی نصیحت کرنے اور اس کی یاد دہانی کرواتے رہنے کا حکم بالخصوص فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ نصیحت کرنا ضرور فائدہ مند ہوگا۔ یہی وجہ ہے جو حضور ﷺ نے اس نبی کے بارہ میں بار بار اور تواتر سے ذکر فرمایا اور یہاں تک حکم دیا کہ اگر اس تک پہنچنے کے لئے برف پر گھٹنوں کے بل چل کر بھی جانا پڑے تو جاؤ (اس پر ایمان لاؤ) اور اسے میرا سلام کہو۔ فرمایا:-

سَيَذْكُرُ مَنْ يُخَشِى (۱۱) وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقٰى (۱۲)

الَّذِى يَصْلٰى النَّارَ الْكُبْرٰى (۱۳) ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيْهَا وَلَا

يَخْيٰى (۱۴)

جو خشیت (اللہ) رکھتا ہے وہ ضرور نصیحت حاصل کرے گا اور وہی اس

سے اجتناب کرے گا جو (ازلی) بد بخت ہے اور اس کے لئے بڑی آگ

میں داخل ہونا مقدر ہے۔ پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ چلے گا۔

یعنی چونکہ دنیا میں وہ بظاہر (روحانی) زندوں میں تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مانتا تھا

لیکن دراصل مردہ تھا کیونکہ اس نے نبی وقت کو نہیں مانا اس لئے وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا۔
فرمایا:-

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (۱۵) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى (۱۶)

نبی وقت کو صرف مان لینا کافی نہیں ہوگا۔ فلاح وہی پائے گا جو اس کی نصائح پر عمل کر کے اپنے نفس کو اونچا اٹھائے گا اور اپنے رب کے نام کی تبلیغ کریگا اور اس کے ساتھ دعائیں بھی کریگا۔ فرمایا! اے لوگو! جو اس پر ایمان نہیں لاتے یا اس کی تعلیم کے مطابق خدا کا نام بلند کرنے کی کوشش نہیں کرتے یہ نہیں کہ تمہارے پاس اسکے لئے کوئی جائز عذر ہے۔

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۱۷) وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى (۱۸)

بلکہ بات یہ ہے کہ تم دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت (اس سے) بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے (جبکہ دنیا فانی ہے)

=====

سورة الغاشیہ میں مہدیؑ کا ذکر

غلبہ اسلام کی نوعیت اور وسعت اور اسکے اثرات اور

امام الزمان کی ضرورت اور اس کی پہچان کا بیان

سورة الطارق اور اس سے پہلی سورتوں میں آنحضرت ﷺ کے بعد ایک نبی (مہدی علیہ السلام) کے آنے کی خبریں دی گئی تھیں۔ ان خبروں پر پیدا ہونے والے سوالات کا جواب پچھلی سورة (الاعلیٰ) میں دیا گیا تھا اور آخر سورة میں آنحضورؐ کو فرمایا گیا تھا کہ آنے والے نبی کو ماننے کی نصیحت امت کو کرتے رہیں۔ چونکہ بمطابق آیت کَتَبَ اللَّهُ لَا غَلِبِينَ أَنَا وَرُسُلِي غلبہ ہر نبی کا مقدر ہوتا ہے۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا تھا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو اور نبی موعود کو ملنے والے غلبوں کی کیا نوعیت ہوگی اور ان کی مخالفت کرنے والوں پر ان غلبوں کے کیا اثرات مرتب ہوں گے اور ان کے لئے سستی کرنے والوں پر کیا۔ اور یہ سوال سب سے پہلے آنحضورؐ ہی کے دل میں پیدا ہوتا تھا اس لئے اس سورة کو اس سوال کے جواب سے شروع کیا گیا اور حضورؐ ہی کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ:-

هَلْ أَلَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ (۲)

(اے رسول) کیا تیرے پاس الغاشیہ کی خبر نہیں آئی۔

مطلب یہ کہ تو تصدیق کرے گا کہ یہ خبر آچکی ہے اور تیرے سوال کے جواب میں ہم تجھے اس خبر ہی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

سورۃ یوسف میں ہے اَلَا مَنُوءَا اَن تَاٰیٰہُمْ غَاشِیَۃٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰہِ اَوْ تَاٰیٰہُمْ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً وَہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (آیت ۱۰۸) کیا انہوں نے اطمینان حاصل کر لیا ہے کہ ان پر اس کے عذابوں میں سے غاشیہ نہیں آجائے گا یا السَّاعَۃُ اچانک نہیں آجائے گی اس حال میں کہ انہیں خبر بھی نہ ہو۔ غاشیہ اور السَّاعَۃ کا اکٹھا ذکر ان میں مناسبت کو چاہتا ہے۔ لہذا اگر السَّاعَۃ سے قیامت مراد ہو تو الْغَاشِیَۃ سے بھی ایک قسم کی قیامت ہی مراد ہوگی یعنی ایسی چیز جو وسیع پیمانہ پر لوگوں کو متاثر کرے اور کفار کے لئے عذاب کے حکم میں ہو۔ اور اگر السَّاعَۃ سے نوح مکہ کی گھڑی مراد ہو تو الْغَاشِیَۃ سے بھی کوئی اسی قسم کی چیز مراد ہوگی پس دونوں صورتوں میں اس سے غلبہ اسلام مراد ہے۔

غاشیہ کے معنی ڈھانپ لینے والی چیز کے ہیں یہاں اس بات کی تعیین نہیں کی گئی کہ موعودہ غاشیہ کس کو ڈھانپ لینے والی ہوگی ہاں السَّاعَۃ سے مناسبت کی وجہ سے اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ایک رنگ میں سب کو ڈھانپ لینے والی ہوگی۔ بات یہ ہے کہ پچھلی سورتوں سے ذکر دو نبیوں کا شروع ہے ایک حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا اور دوسرے آئندہ زمانہ میں حضور کی غلامی میں مقام نبوت پانے والے فیض مہدی موعود کا۔ آنحضور کا حلیٰ حیات تکمیل ہدایت اور قیام ہدایت کا زمانہ تھا اور مہدی موعود کا زمانہ تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ ہوتا تھا ان میں سے پہلے مقصد کے لئے اسلام کا ملک عرب میں پورے طور پر غالب آجاتا کافی تھا لیکن دوسرے مقصد کے لئے اس کا تمام دنیا پر غلبہ ضروری تھا اس لئے ان غلبوں کو غاشیہ کے لفظ سے تعبیر کیا جس کا اطلاق ان ہر دو غلبوں پر ہو سکتا ہے۔ دو زمانوں میں حاصل ہونے والے ان غلبوں کے لئے ایک ہی لفظ رکھ کر ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی کیا گیا کہ یہ دونوں غلبے ایک ہی غلبہ کے دو جز اور ایک ہی رسول (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کے دو غلبے ہوں گے۔ اس کے بعد ہے:-

وَجُوعُهُ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (۳) غَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (۴) تَصْلِيَةٌ نَازًا
حَامِيَةٌ (۵) تُسْقَىٰ مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ (۶) لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا
مِنْ ضَرِيْعٍ (۷) لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ (۸)

اس دن (غلبہ اسلام کو نزدیک دیکھ کر کچھ) بڑے بڑے لوگوں (ائمۃ الکفر) کی آنکھیں (فرط ندامت سے) جھکی ہوئی ہوں گی (مگر پھر بھی اسے روکنے کے لئے) وہ ہاتھ پاؤں مارنے والے (لیکن بالآخر) تھک ہار جانے والے ہوں گے۔ (اس وقت وہ حسد کی) دہکتی ہوئی آگ میں جلیں گے۔ وہ کھولتے ہوئے چشمہ سے پلائے جائیں گے۔ (یعنی وہ منتظر تو یہ خبر سننے کے ہوں گے کہ اسلام کو فلاں جگہ ذق پہنچی اور فلاں جگہ نقصان ہوا لیکن جس طرح چشمہ کا پانی کبھی دور سے آتا ہے اور کبھی دور تک چلا جاتا ہے اسی طرح اسلامی فتوحات کی خبریں دور دور سے آئیں گی یا وہ اسلام کو ایسی فتوحات ملتی دیکھیں گے جو دور دور تک پھیلتی چلی جائیں گی اور یہ امر ان کے لئے ایسا ہوگا جیسے کسی ٹھنڈے پانی کی اشتہا والے کو کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے۔ ان کیلئے کوئی طعام بجز ضریع یعنی تھوہر کے نہیں ہوگا جو نہ موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک ہی مٹاتا ہے۔

طعام کا پہلا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ جزو بدن بن کر قوت دے یا کم از کم ضائع شدہ قوت کو بحال کرے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بھوک مٹائے۔ اور طعام کبھی تو انسان اپنی محنت سے حاصل کر لیتا ہے اور کبھی اس کو کسی کی طرف سے مل جاتا ہے۔ پس اس میں بتایا کہ اس وقت نہ وہ اپنی محنت سے اپنی قوت کو بحال کر سکیں گے اور نہ کسی خارجی مدد کے نتیجہ میں ایسا کر سکیں گے۔

=====

غلبہ اسلام کے وقت مسلمانوں کو ملنے والی روحانی جنت کا نقشہ

آگے مومنوں کی حالت اور جنت کا بیان ہے۔ فرمایا:-

وَجُوعُهُ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (۹) لَيْسَ فِيهَا رَاضِيَةٌ (۱۰)
کچھ چہرے اسدن ہشاش بشاش ہونگے۔ اپنی سعی (کے ثمرات) پر راضی۔

اوپر فرمایا تھا وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ اس لئے بظاہر یہاں وَوُجُودُهُ کے الفاظ چاہئے تھے۔ لیکن ابتداء میں دُ نہیں ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگرچہ اوّل الذکر بھی ظاہری وجاہت کی وجہ سے وجوہ کہلا سکتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت وجوہ یعنی قابلِ عزّت و احترام وہ مومن ہی ہوں گے۔ جو اس دن اس آیت اور اگلی آیات کے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات ۱۳:۴۹) اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ قابلِ اکرام وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

نَاعِمَةٌ کے معنی ہشاش بشاش کے علاوہ صاحبِ نعماء کے اور حسین کے بھی ہوتے ہیں۔ پس اس میں بتایا کہ اس دن مسلمان اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے بظاہر خوبصورت نہ بھی ہوں تو خوبصورت نظر آئیں گے۔ اور بظاہر صاحبِ دولت نہ بھی ہوں تو روحانی نعمتوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر رونق و بشارت ہوگی۔ صحابہؓ پر ایک زمانہ ایسا آیا تھا کہ ان کے اموال لوٹ لئے گئے تھے مگر قرآنی حقائق و معارف پا کر وہ اتنے خوش تھے جیسے انہیں سب کچھ مل گیا ہو۔

نَهَبَ اللَّيْثَامُ نُسُوْبَهُمْ وَعَقَارَهُمْ فَتَهَلَّلُوا بِجَوَاہِرِ الْفُرْقَانِ

اس میں بتایا کہ یہی حال مہدی موعود کے مخلصین کا ہوگا۔ انسان اپنی سعی پر پوری طرح راضی اس وقت ہوتا ہے جب وہ اس مقصد کو پالے جس کے لئے اس نے سعی کی۔ پس یہ فرما کر کہ اس دن (جس دن الغاشیہ وقوع پذیر ہوگی) وہ اپنی سعی پر راضی ہوں گے۔ خدا تعالیٰ نے بتایا کہ ان کی سعی الغاشیہ کے وقوع پذیر ہونے کے لئے ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ اخروی قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی کوشش کوئی نہیں کیا کرتا اس لئے جہاں تک دنیا کا تعلق ہے الغاشیہ سے غلبہ اسلام ہی مراد ہے۔ ہاں قیامت کے دن سرخ رو ہونے کی کوشش ہر عقلمند انسان ضرور کرتا ہے۔ اس لئے اگر الغاشیہ سے اخروی قیامت مراد ہو تو اس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا کہ سچے مومنوں کا غلبہ اسلام کے لئے کوشش کرنا بھی حکومت یا دولت کی حرص میں نہیں ہوگا بلکہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے ہوگا۔ یعنی وہ سَعَى لَهَا سَعِيَهَا (الاسراء ۲۰:۱۷) کے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ قیامت کے دن انہیں اس کا اجر ملے گا اور اتنا ملے گا کہ وہ اس پر راضی ہوں گے اور اگر ان میں سے کوئی غلبہ اسلام کو دیکھ لینے سے پہلے فوت ہو جائے تو بھی اس دن وہ اپنی سعی پر خوش ہوگا۔ چنانچہ ایک صحابیؓ شہید ہوئے تو خدا تعالیٰ نے انہیں کہا مانگ جو کچھ مانگنا ہے تو انہوں نے عرض

کی کہ مجھے پھر زندہ کرتا میں تیری راہ میں پھر مارا جاؤں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اپنی سی پر خوش ہو جانے ہی کی وجہ سے ہو سکتی تھی۔ دوسری جگہ فرمایا: **فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ** (ال عمران ۱۷۱:۳)
فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (۱۱) لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً (۱۲)
 بلند (شان) جنت میں۔ جس میں وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔

جَنَّةٍ عَالِيَةٍ سے یہاں عالی مرتبہ یعنی روحانی جنت مراد ہے کیونکہ مادی جنت کے ساتھ لغو نہ سننے کا کوئی تعلق نہیں۔ پس اگرچہ مسلمانوں کو باغات اور چشموں والے علاقے بھی ملے مگر جہاں تک دنیا کا سوال ہے یہاں اسلام کا کامل غلبہ جو دراصل روحانی اقتدار ہی کا غلبہ ہوتا تھا مراد ہے۔ چنانچہ جب سارے عرب میں اسلام غالب آگیا تو ایک تو اس وجہ سے کہ اس وقت اکثر لوگ اسلام لے آئے تھے اور اسلامی تعلیم لغویات سے روکتی ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ مسلمان حاکم ہو گئے تھے غیر بھی ان کے سامنے لغو باتیں کرنے سے ڈرتے تھے اس لئے ان میں سے کوئی لغو بات نہیں سنتا تھا۔ ضمناً اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ مسلم ریاست میں غیر مسلموں کو بھی کم از کم پبلک مقامات پر لغو باتوں کے ارتکاب سے روکا جانا چاہیے۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (۱۳) فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ (۱۴)
وَأَكْوَابُ مَوْضُوعَةٌ (۱۵) وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ (۱۶)
وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ (۱۷)

اس میں ایک جاری چشمہ ہوگا۔ اس میں عالیشان تخت بھی ہوں گے۔ اور سلیقے سے رکھے ہوئے جام اور قطار در قطار لگے ہوئے عکے اور بھی ہوئی مسندیں۔

ان آیات میں پہلے ایک چشمہ کا ذکر ہے پھر تختوں کا پھر اکواب کا پھر نمارق یعنی عکیوں کا اور پھر زرابی یعنی مسندوں کا حالانکہ بظاہر اکواب کا ذکر چشمہ کے ساتھ اور نمارق کا ذکر سُرُر کے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ یہ ترتیب بتا رہی ہے کہ یہاں مادی چیزوں کا ذکر نہیں بلکہ استعاراتاً بعض چیزوں کے یہ نام رکھے گئے ہیں۔ پس عین سے قرآنی علوم و معارف کا چشمہ مراد ہے اور اسے جاریہ قرار دے کر بتایا گیا کہ یہ چشمہ کبھی خشک نہیں ہوگا۔ اس کے بعد **فِيهَا سُرُرٌ** کے الفاظ ہیں

حالانکہ بظاہر چشمہ کے ساتھ تختوں کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تخت سے صاحب تخت مراد لینا عام محاورہ ہے پس اس موقع پر یہ الفاظ لاکر بتایا کہ مذکورہ چشمہ جن لوگوں کے ہونٹوں سے بہہ رہا ہوگا انہیں قوم میں عزت کا ایک خاص مقام حاصل ہوگا۔ اور وہ لوگ گویا دلوں پر حکومت کریں گے۔ مگر ایک حد تک عزت کا مقام تو دنیوی علوم رکھنے والوں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے سر کے ساتھ مَرْفُوعَةً کا لفظ (جو مجہول کا صیغہ ہے) بھی بڑھا دیا اور اس طرح بتایا کہ ان کو جو بلند مقام حاصل ہوگا وہ خاص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یعنی ان کا علم کشفی والہامی ہوگا کسی نہیں ہوگا۔

فِيهَا سُرُورٌ مَرْفُوعَةٌ کے بعد وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ کے الفاظ ہیں۔ کُوب بغیر دتی کے پیالہ کو کہتے ہیں۔ دتی والا پیالہ وہاں رکھا جاتا ہے جہاں یہ اشارہ مقصود ہو کہ یہ شراب سے بھرا ہوا برتن پڑا ہے اس میں سے جو چاہے اپنا پیالہ خود بھر لے لیکن بغیر دتی کا پیالہ ہوتا اگلیاں مشروب کو آلودہ کر سکتی ہیں اس لئے جہاں ایسے پیالے رکھے جائیں وہاں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ تم اپنے پیالے لے کر آؤ اور ساتی سے بھر دو۔ پس فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ کے بعد فِيهَا سُرُورٌ مَرْفُوعَةٌ فرما کر تو یہ بتایا تھا کہ مومنوں کو ملنے والی روحانی جنت میں قرآنی علوم و معارف کا ایک چشمہ جاری ہوگا۔ اور جن لوگوں کے ہونٹوں سے یہ چشمہ جاری ہوگا انہیں خدا داد عالی مرتبہ حاصل ہوگا اور وہ دلوں پر حکومت کریں گے اور اس کے بعد وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ کے الفاظ لاکر بتایا کہ وہ لوگ بخیل نہیں ہوں گے کہ اپنے علم کو اپنے تک ہی محدود رکھیں بلکہ وہ خود لوگوں کو موقع دیں گے کہ ان سے کسب فیض کریں۔ ہاں یہ لوگوں کا کام ہوگا کہ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ یعنی اپنے خالی پیالے لے کر ان کے پاس جائیں ورنہ ان میں ایک شاہانہ استغنا بھی ہوگا۔ ان میں سے پہلے مضمون کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہاں فلاح پانے والوں کا ذکر ہے اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر ۱۰:۵۹)۔

وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ کے بعد ہے وَنَمَارِقٌ مَصْفُوفَةٌ وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ میں یہ اشارہ تھا کہ موعودہ جنت میں مومنوں کے لئے قرآنی علوم و معارف حاصل کرنے کے مواقع ارزاں ہوں گے۔ اس کے بعد یہ آیت کیوں لائی گئی؟ بات یہ ہے کہ نمارق یعنی نیچے سہارا لینے

کے لئے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ جب کسی کو کوئی علمی نکتہ سمجھانا ہوتا ہے تو سند کی ضرورت پیش آتی ہے گویا اس کا سہارا لینا پڑتا ہے اور علمی امور میں سند کتب ہی سے ملا کرتی ہے اس لئے اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس جنت میں ترتیب کے ساتھ رکھی ہوئی کتب ہوں گی۔ جس کا سہارا لے کر وہ اصحابِ سُورِ لوگوں کی علمی پیاس بجھائیں گے۔ گویا اس میں لائبریریوں کے میٹر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اپنے غلبہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے بڑے بڑے کتب خانے اور لائبریریاں بنائیں۔ اس کے بعد ذَرَابِیْ مَبْشُورَةٌ کے الفاظ ہیں۔ مسند پہلے بچھائی جاتی ہے۔ اور نیچے اس کے اوپر رکھے جاتے ہیں مگر یہاں نکیوں کا ذکر پہلے ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں مجاز کا کلام ہے۔ مسندیں وہاں بچھائی جاتی ہیں جہاں معزز لوگوں نے بیٹھنا ہو پس وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ میں تو یہ بتایا تھا کہ اس جنت میں مومنوں کے لئے لائبریریاں میٹر ہوں گی اور اس آیت میں یہ بتایا کہ علمی مباحث کے لئے معززین کے اجتماع کا سامان بھی اس میں ہوگا۔ یہ سب باتیں غلبہ اسلام کے زمانہ میں بالخصوص جب اسلام عرب سے باہر پھیلا مسلمانوں کو میٹر تھیں اور اس کے غلبہ ثانیہ کے زمانہ میں جس کی بنیاد حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے ہاتھ سے رکھی جا چکی ہے تو یہ اور بھی زیادہ میٹر ہیں۔

=====

ضرورة الامام کا بیان اور سچے امام کی پہچان

اوپر والی آیات کے بعد ہے:-

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (۱۸) وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ (۱۹) وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ (۲۰) وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (۲۱)

کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسا پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ اسے کیسی رفعت دی گئی ہے۔ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ انہیں کیسا گاڑا گیا ہے۔ اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ اسے کیسا بچھایا گیا ہے۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ یعنی کیا وہ دیکھتے نہیں کے الفاظ سے ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے پھر غیب کا صیغہ بھی اسی کا تمناز ہے۔ پس ان الفاظ کا اشارہ کمزور ایمان والوں کی طرف ہے۔

بات یہ ہے کہ اوپر کی آیات میں کامل غلبہ اسلام کا ذکر تھا جو آنحضرت کے صحن حیات میں سارے عرب پر اور مہدی موعود کے زمانہ میں ساری دنیا پر محیط ہونے والا تھا اسی لئے اسے الغاشیہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن غلبہ بغیر جہاد کے ممکن نہیں اور کامیاب جہاد (خواہ سیف کا ہو یا قلم کا) بغیر اطاعتِ امام کے ممکن نہیں۔ بلکہ جہاد ہے ہی نہیں کیونکہ ارشاد نبوی الْأَعْمَامُ جُنُودُ يُقَاتِلُ مِنْ وَرَائِهِ کے خلاف ہے۔ مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ امام کی ضرورت تسلیم نہیں کرتے یا امام وقت کو امام ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ اور یہ کمزوری مہدی موعود کے وقت میں (جس نے خاص طور پر امام کا نام پا کر آتا تھا) خود مسلمانوں میں پائی جانی تھی۔ اس لئے ان آیات میں خدا تعالیٰ نے ضرورتِ الامام پر روشنی ڈالی اور سچے امام یا بالفاظ دیگر مہدی موعود کی پہچان بتائی۔ اور اس غرض کیلئے اونٹوں کی مثال اس لئے دی کہ زمانہ نزول قرآن میں صحرا کے سفر اونٹوں پر کیئے جاتے تھے اور قرآن کے پہلے مخاطب جن سے باقی دنیا نے قرآن سیکھنا تھا اونٹوں کی عادات و خصائل سے خوب واقف تھے اور اونٹوں میں اطاعتِ امام کا مادہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمایا باوجود اس کے کہ عربی میں اونٹ کے لئے ہزار سے زیادہ الفاظ ہیں۔ یہاں خدا تعالیٰ نے اہل کا لفظ جو اسم جمع ہے رکھا۔ ”اونٹوں کی ایک لمبی قطار ہوتی ہے ان کے آگے بطور امام اور پیش رو وہ اونٹ ہوتا ہے جو راستہ سے واقف ہوتا ہے اور دوسرے سب اس کے پیچھے برابر رفتار سے چلتے چلے جاتے ہیں اور کوئی قطار توڑ کر دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ گویا جس طرح ان کا امام ان کو چلاتا ہے اسی طرح وہ اس کے پیچھے چلتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ منزل پر پہنچ جاتے ہیں دوسرے اونٹ میں مشقت برداشت کرنے کا مادہ ہوتا ہے۔ تیسرے اس کا خاصہ یہ ہے کہ وہ لمبے سفروں میں کئی کئی دنوں کا پانی جمع رکھتا ہے غافل نہیں ہوتا۔ پس کَيْفَ خُلِقَتْ میں خدا تعالیٰ نے اسکی ان تمام خصوصیات کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ جس طرح اونٹوں کی سرشت میں اطاعتِ امام کا مادہ ہے اور وہ اپنے امام کے پیچھے جو راستہ سے واقف ہو بلا چون و چرا چلتے چلے جاتے ہیں جس سے وہ صحرا کے مشکل ترین راستوں کو قطع کر لیتے ہیں۔“ اور صرف وہی اونٹ جس کا دماغ چل گیا ہو اپنے

امام کی ضرورت تسلیم نہیں کرتا اور اس سے الگ راستہ اختیار کرتا ہے اسی طرح سوائے اس شخص کے جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہو کوئی دوسرا اپنے روحانی سفر کے لئے امام کی ضرورت کا انکار نہیں کر سکتا۔

افزون کی جو صحرا کے مسافر ہیں مثال اس لئے بھی دی کہ صحرا کے سفر اور انسان کے روحانی سفر میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ دونوں سفر جہاں از حد مفید ہوتے ہیں وہاں از حد خطرناک بھی ہوتے ہیں کیونکہ جس طرح اُس زمانہ میں صحرا کا سفر اکثر پانی والے مقام کی طرف پانی کی تلاش میں کیا جاتا تھا جو مادی زندگی کا سرچشمہ ہے اسی طرح روحانی سفر خدا تعالیٰ کے قرب کے روحانی مقام کی طرف جو اس کے الہام و کلام کا مقام ہے یعنی روحانی پانی کی طرف جو روحانی زندگی کا سرچشمہ ہے اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح صحرا کا سفر انسان پرانہ کر پائے (خواہ راستہ بھٹک جانے کی وجہ سے یا زادِ راہ نہ ہونے کی وجہ سے) تو یقینی ہلاکت کا سامنا ہوتا ہے اسی طرح روحانی سفر بھی اگر منزل پر پہنچنے سے پہلے چھوڑ دیا جائے تو یقینی ہلاکت پر منتج ہوتا ہے۔ اس لئے ان سفروں کے لئے امام کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ راستہ سے بھٹکنے نہ دے۔ اپنا نمونہ دکھا کر زادِ راہ ہمراہ لے کر چلنے اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کی تلقین کرتا رہے اور ہمت بڑھا بڑھا کر راستہ میں رہ جانے سے محفوظ رکھے۔ مگر ایسے امام کی ضرورت ہوتی ہے جسے خدا تعالیٰ نے خاص اس غرض کے لئے پیدا کیا ہو کیونکہ یہ سفر خدا کی طرف اختیار کیئے جاتے ہیں اور ان میں رہنمائی بھی وہی کر سکتا ہے جو خود خدا تک پہنچا ہوا ہو اور اسے دوسروں کو اپنے ساتھ اس شاہ کے دربار میں لے جانے کا پروانہ بھی حاصل ہو۔

اگرچہ آیت **اَفَلَا يَنْظُرُونَ اِلٰى الْاٰیٰتِ الْاُولٰٓئِیِّ کَیْفَ خُلِقَتْ** میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے امام کی ضرورت اور اہمیت و افادیت واضح کر دی گئی لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ امام کی ضرورت کو تو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن امام وقت کے بارہ میں انہیں تسلی نہیں ہوتی کہ یہ واقعی خدا کا فرستادہ ہے۔ اس لئے اگلی آیت **وَالِی السَّمٰوٰتِ کَیْفَ رُفِعَتْ** میں سچے امام کی پہچان بیان کی اور بتایا کہ دیکھو جس طرح خدا تعالیٰ نے آسمان کو (تمہاری حفاظت کا اور تمہیں روشنی اور گرمی اور رزق مہیا کرنے کا ذریعہ بنانے کا ارادہ کیا تو اسے) زمین کے مقابل پر ظاہری و معنوی رفعت بھی عطا کی (کیونکہ اس کے بغیر یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا) اسی طرح وہ جسے تمہارا

امام بناتا ہے اسے دوسرے سب لوگوں پر ظاہری و باطنی رفعت بھی عطا کرتا ہے۔ یعنی اسے خاندانی و جاہلی اخلاقی فاضلہ۔ دیانت و امانت۔ تقوی اللہ۔ زہد و عبادت۔ خدا کی محبت مخلوق کی ہمدردی۔ نور عقل۔ نور وحی۔ قوت قدسی۔ علم و حکمت۔ استجابت دعا معارف کتاب اللہ۔ قوت امامت۔ بسط علم۔ قوت عزم وغیرہ سب ضروری چیزوں میں دوسرے سب ہم عمروں پر برتری بھی عطا کرتا ہے اور اسی علامت سے تم اس کو پہچان سکتے ہو۔

یہاں آسمان کی (جس کا فیض سارے جہان اور سارے زمانہ کو پہنچتا ہے) مثال چونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے لئے بیان ہوئی ہے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ان دونوں کے امام الزمان ہونے کی طرف بھی ہے۔ بعض لوگ خدا کی طرف سے امام کے بھیجے جانے کی ضرورت بھی تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کے دل یہ گواہی بھی دے رہے ہوتے ہیں کہ فلاں مدعی امامت واقعی خدا کا فرستادہ ہے لیکن اس کی شدید مخالفت اور ظاہری کمزور حالت کو دیکھ کر وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ طوفان مخالفت کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور ہم اس کے ساتھ لگ کر مارے جائیں اور اس وجہ سے وہ اس پر ایمان نہیں لاتے (یا اگر ایمان لے بھی آئیں تو کھل کر اس کے انصار میں سے نہیں بننے) اس لئے اگلی آیت میں پہاڑوں کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ کیا یہ لوگ پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے (مضبوطی کے ساتھ) گاڑے گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ قائم رہیں اور لوگوں کو ان سے فوائد حاصل ہوتے رہیں اس نے انہیں اپنی جگہوں پر مضبوطی سے قائم کیا ہے۔ اسی طرح ہر امام کو جسے خدا امام بناتا ہے اور اس کے ساتھیوں کو وہ پہاڑوں جیسا غیر معمولی ثبات قدم عطا کرتا ہے اور یہ استقامت بذات خود ایک کرامت اور ایک بڑی دلیل اس کی صداقت کی ہوتی ہے۔ پس اس کی زبردست مخالفت تو (اگر وہ اس کے قدم ڈمگنا نہ سکے) تمہیں اس کی طرف کھینچنے کا موجب ہونی چاہیئے نہ کہ اس سے دور رکھنے کا موجب۔ یہ بھی اشارہ اس میں ہے کہ تمہارے ساتھ نہ دینے سے اس کے قدم ڈمگنا نہیں جائیں گے چنانچہ اس تعلق میں نبی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ فرمایا:-

”اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو آخر وقت تک

مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے

چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعا کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ مثل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنے گا اور نہیں رکے گا جب تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کر لے۔ اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہوں گے اور اگر تم گواہی چھادو تو قریب ہے کہ پھر میرے لئے گواہی دیں۔“

(تخذہ کولنز دیہ صفحہ ۵۰)

بعض لوگ ضرورتاً امام کو بھی مان لیتے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ جو شخص مدعی امامت ہے وہ سچا ہے۔ اس کے فوق العادت عزم و استقلال سے بھی متاثر ہوتے ہیں لیکن (اس کے ابتدائی زمانہ میں) یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگوں کی اکثریت اس پر ایمان نہیں لائی اس سے دور رہتے ہیں اس لئے آخر میں یہ فرما کر کہ **وَالِی الْأَرْضِ کَیْفَ سَطَحَتْ** اور کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح (یا کیسی) بچھائی (یا ہموار کی) گئی ہے بتایا کہ جس خدا نے آسمان کو رفعت دی اور پہاڑوں کو اپنی جگہوں پر منظبوطی سے قائم کیا تا زمین کو ان سے فیوض پہنچیں اس نے زمین کو بھی بچھایا اور ہموار کیا تا کہ وہ ان فیوض کو حاصل کر سکے۔ لیکن تم جانتے ہو کہ یہ بچھانا اور ہموار کرنا عمومی رنگ میں ہوتا ہے ہر کمرہ زمین اس قابل نہیں ہوتا یا نہیں رہتا کہ وہ ان فیوض کو حاصل کر سکے۔ اور جو کمرے ان کو حاصل کر سکتے اور کرتے ہیں وہ سب بھی نہ یکساں مقدار میں حاصل کرتے ہیں اور نہ ایک جیسی مدت میں حاصل کرتے ہیں اسی طرح جب خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کسی کو امام الناس بنا کر بھیجتا ہے تو دلوں کی زمین کو بھی اس کے قبول کرنے کو بچھا دیتا ہے لیکن یہ عمل عمومی رنگ ہی میں ہوتا ہے نہ تو سب لوگ اس سے فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں اور نہ فائدہ اٹھانے والے سب ایک جیسا اور ایک جیسی مدت کے اندر فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اگر شروع میں اس امام پر زیادہ لوگ ایمان نہ لائیں تو اس کی وجہ سے اس سے بدگمان ہونا یا اس کا حلقہ بگوش نہ ہونا درست نہیں ہو سکتا لیکن **وَالِی الْأَرْضِ کَیْفَ سَطَحَتْ** میں آنوالے لفظ الارض (جو اسم جنس ہے) سے تمہیں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ نبی موعود پر لوگ بکثرت ایمان لائیں گے۔ چنانچہ اس نبی نے آ کر فرمایا:-

”میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں۔“ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۳۰۳)

آگے ہے:-

فَذِكْرُ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ (۲۲) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ (۲۳)

اے رسول جب ہم نے امام الزمان کی ضرورت بھی بیان کر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے پہچانا کیسے جاسکتا ہے تو اب تیرا کام صرف یہ ہے کہ اُمت کو اسے ماننے کی نصیحت کر دے تو ان پر داروغہ نہیں۔

اِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ (۲۴) فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ (۲۵)

مگر یہ بھی نہیں کہ ان کا امام وقت کو ماننا نہ ماننا برابر ہوگا۔ جس نے اس سے روگردانی کی اور ایسا کر کے تیرا کفر کیا اللہ اسے دنیا میں بہت بڑا عذاب دے گا۔

اس میں تولیٰ کو پہلے رکھا ہے اور وکفر کو بعد میں پس مطلب یہ ہے کہ جس نے نبی موعود سے روگردانی کی اس نے دراصل محمد رسول اللہ ﷺ کا کفر کیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اپنے انکار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”اس گناہ کا واد خواہ میں نہیں ہوں بلکہ ایک ہی ہے جس کی تائید کیلئے میں بھیجا گیا یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ میرا نہیں بلکہ اس کا نافرمان ہے جس نے میرے آنے کی پیشگوئی کی۔“

اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ (۲۶) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (۲۷)

(یاد رہے کہ) ان کا لوٹنا ہماری طرف ہے پھر ان کا حساب (ہمیں)

ہمارے ذمہ ہے۔

مطلب یہ کہ جس کا حساب دنیا میں نہ چکایا گیا آخرت میں چکا دیا جائے گا۔

=====

ان مراحل کا ذکر جن میں سے گزر کر غلبہ اسلام حاصل

ہونا مقدر کیا گیا

سورة الغاشیہ کے بعد سورة الفجر آتی ہے جس کی ابتداء میں ہے:-

وَالْفَجْرِ (۲) وَلَيَالٍ عَشْرٍ (۳) وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۴)
وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ (۵)

تسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور شفع اور وتر کی اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے (کہ الغاشیہ یعنی غلبہ اسلام کی خبر ضرور پوری ہوگی)

یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی فجر ایسی نہیں ہوتی جس کے بعد مسلسل دس راتیں آئیں اور نہ کوئی دس راتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بعد شفع اور وتر کا کوئی واقعہ ہو پس جس ترتیب سے زیر نظر آیات رکھی گئی ہیں وہ ظاہر کرتی ہے کہ ان میں استعارہ کا استعمال ہوا ہے یعنی ظاہری فجر یا راتیں مراد نہیں بلکہ استعارۃ کسی زمانہ کو فجر اور کسی کو لَیَالٍ عَشْرٍ قرار دیا گیا ہے۔

سورة سابقہ میں الغاشیہ یعنی سب کو ڈھانپ لینے والی چیز یعنی کامل غلبہ اسلام کے وقوع پذیر ہونے کی پیشگوئی کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ میں کہ جن سے اصل میں غلبہ کا وعدہ ہے اور آپ کے ساتھیوں میں جو آپ کے ہمراہ ہیں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو حصول غلبہ کے لئے ضروری ہیں اور دلوں کی زمین بھی قبول اسلام کے لئے تیار ہے اور اس کے ساتھ لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضْطَرٍ فرما کر یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ یہ غلبہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے صحن حیات میں واقع ہو جائے گا اور ایسا کامل غلبہ ہوگا کہ اگر چاہیں تو آپ کفار پر جبر بھی کر سکیں گے۔ تاہم چونکہ اس سورة کے (جو ابتدائی زمانہ نبوی کی ہے) نزول کے وقت کفار کو اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے وہ ان باتوں کی وجہ سے آنحضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) مجنون قرار دیتے تھے اس لئے اس کے بعد زیر نظر آیات لا کر ان میں پہلے ایک ایسی چیز (یعنی الفجر) کو بطور گواہ پیش کیا جو اس وقت وقوع میں آچکی تھی اور اس کے بعد ان چیزوں کو پیش کیا جو یکے بعد دیگرے وقوع میں آنے والی تھیں تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ جب ہر وہ بات جو پہلے بتائی گئی تھی من

و عن پوری ہوگئی تو غلبہ اسلام والی پیشگوئی بھی ضرور پوری ہوگی۔ اور چونکہ ان چیزوں کی قسم غلبہ اسلام کی پیشگوئی ہی کے ضمن میں کھائی گئی تھی۔ یعنی انہیں اس کے لئے گواہ ٹھہرایا گیا تھا اس لئے جواب قسم کو (کہ الغاشیہ یعنی غلبہ اسلام کا وقوع ضرور ہوگا) مخدوف رکھا گیا۔

محققین کے نزدیک یہ سورۃ آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کے تیسرے سال کے آخر یا چوتھے سال کے شروع میں نازل ہوئی اور چونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن نے سراجاً منیراً کہہ کر آسمانِ روحانیت کا آفتاب قرار دیا ہے اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات میں آپؐ کی بعثت کے ان پہلے تین سالوں کو فجر کا زمانہ قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ آپؐ کے ظہور کے ساتھ ہی شرک اور معصیت کی تاریکی کے خلاف اور توحید اور نیکی کے حق میں ایک ہوا چلنے لگی ہے جو اس بات پر شاہد ہے کہ اب شرک کے مٹنے اور توحید کے دن کے زیادہ سے زیادہ روشن ہوتے چلے جانے کا یا بالفاظ دیگر غلبہ اسلام کا جو خالص توحید کا دین ہے وقت آ رہا ہے۔ کیونکہ سورج جب طلوع ہو تو اس کا نصف النہار تک پہنچنا یقینی ہوتا ہے۔

وَلَيْسَالِ عَشْرِ : قرآن کریم میں یوم کا لفظ ایک دن کے لئے بھی آیا ہے ایک سال کے لئے بھی۔ سو سال کے لئے بھی اور اس سے زیادہ عرصہ کے لئے بھی۔ چونکہ سورۃ الغاشیہ میں بتایا گیا تھا کہ غلبہ اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حین حیات ہی میں واقع ہو جائے گا اس لئے جہاں تک حضورؐ کی بعثتِ اولیٰ کے زمانہ اور حضورؐ کے حین حیات کا تعلق ہے **لَيْسَالِ عَشْرِ** کے الفاظ میں بتایا گیا کہ مسلمانوں کو مذکورہ غلبہ پھولوں کی بیج پر چل کر اور فوراً ہی حاصل نہیں ہوگا بلکہ دس سال ان کے لئے ایسی سخت مصیبت کے سال ہوں گے کہ انہیں دن کی بجائے راتیں کہنا زیادہ بر محل ہوگا۔ بلکہ یہ ایسے سال ہوں گے کہ ان میں مصائب بڑھتے ہی چلے جائیں گے (یہ استدلال اس سے ہوتا ہے کہ آگے رات کے رخصت ہونے کا ذکر ہے اور رات ہمیشہ اپنی انتہا کو پہنچ کر ہی رخصت ہوا کرتی ہے)۔ اور چونکہ ہر نبی کی شروع میں سب سے زیادہ مخالفت اس کے ہم وطنوں ہی کی طرف سے ہوا کرتی ہے جیسی مسیح علیہ السلام کو کہنا پڑا کہ ”نبی رسوا نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں۔“ اور صاحب شریعت انبیاء کے ساتھ خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ جب اپنے وطن میں انہیں زیادہ تکالیف دی جائیں اور ان کے مصائب حد سے گزر جائیں تو وہ انہیں اذن ہجرت فرما دیتا ہے اور یہی ہجرت ان کے مصائب کے اختتام اور ان کی ترقیات کا پیش خیمہ بن جاتی

ہے اس لئے وَلَيَالٍ عَشْرٍ اور وَالْيَلِ إِذَا يُسْرٍ کے الفاظ کے درمیان یعنی مصائب کی راتوں اور ان کے رخصت ہونے کے ذکر کے درمیان جو وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کے الفاظ لائے گئے تو ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ان کا تعلق آنحضورؐ کی ہجرت سے تھا۔

وتر اکیلے یعنی طاق کو کہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ إِنَّ اللَّيْلَةَ وَتْرٌ وَيُحِبُّ الْوَتْرَ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ 'شفع' کے معنی زوج یعنی جفت کے ہوتے ہیں۔ اور امام راغب کے نزدیک شفیع کسی چیز کو اسی جیسی کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینے کو کہتے ہیں۔ پس وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کی آیت اس موقع پر لا کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ مکہ والوں کی طرف سے تکالیف دہی کے حد سے گزر جانے پر محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنا پڑے گی سفر ہجرت میں آپؐ کا ایک ساتھی ہوگا جو آپؐ کا ہم مزاج اور ہم خیال اور آپؐ کی طرح اللہ کا برگزیدہ بندہ ہوگا ان دونوں کو جو شفیع کے حکم میں ہوں گے ایک وتر یعنی خدا تعالیٰ کی مَعْنِیٰ حاصل ہوگی (اس لئے اگرچہ یہ سفر نہایت خطرناک ہوگا مگر یہ دونوں ہر شر سے محفوظ رہیں گے اور یہ سفر بخیریت تمام ہوگا) اس کے بعد مصائب کی رات رخصت ہونا شروع ہو جائے گی۔ چونکہ اس سے پہلے گزرنے والے مصائب کے دس سال جنہیں دس راتیں قرار دیا گیا بوجہ مسلسل ہونے کے ایک لمبی رات کے حکم میں تھے اس لئے وَالْيَلِ إِذَا يُسْرٍ میں لیل سے یہ سارا زمانہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور ایک الگ سال بھی مراد ہو سکتا ہے لہذا مطلب یہ ہوا کہ ایک اعتبار سے سفر ہجرت کے مکمل ہونے کے ساتھ ہی مصائب کا دس سالہ زمانہ جسے لَيَالٍ عَشْرٍ قرار دیا گیا ہے رخصت ہونا شروع ہو جائے گا اور ایک اعتبار سے مصائب کا ایک سال اور آئے گا اور اس کے بعد یہ رات رخصت ہونے لگ جائے گی اور اسلام یومنا فیومنا ترگی کرتا چلا جائے گا۔ چنانچہ دیکھ لیجیے اگرچہ اس وقت کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں یعنی تیسرے سال نبوت کے آخر تک حضورؐ کی کوئی خاص مخالفت نہیں ہوئی تھی مگر ان آیات کے نزول کے بعد جب آپؐ کو فَاصْذَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کا حکم ہوا اور آپؐ نے اپنا پیغام عام کرنا شروع کیا تو مکہ والے آپؐ کے دشمن ہو گئے اور آپؐ کے ساتھیوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے اور یہ مصائب بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ دس سال گزرنے پر آنحضورؐ کو خدا تعالیٰ نے مکہ سے ہجرت کا اذن فرما دیا اور جب آپؐ نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے ساتھ ہجرت کے لئے تیار تھے۔ آنحضورؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ

کے مزاج اور خیالات کی کامل ہم آہنگی کسی سے دھکی چھپی چیز نہیں۔ پس ان دونوں پر شفع کا لفظ ان کی ہمرنگی کی وجہ سے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ سفر ہجرت کے دوران جو ایک نادر سفر تھا یہ دونوں بزرگ ہستیاں غار ثور میں اکٹھی تھیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے لئے ثانی اثنین یعنی دو میں سے دوسرے کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ بظاہر یہ الفاظ حضرت ابوبکرؓ کے لئے آنے چاہئے تھے کیونکہ ان کا حضور ﷺ کے ساتھ ہونا ان کے لئے زیادہ موجب شرف تھا حضورؐ کے ساتھ ان کا ہونا حضورؐ کے لئے ویسا موجب شرف نہیں تھا۔ لیکن یہ الفاظ حضورؐ کے لئے اس لئے لائے گئے کہ ان کے اطلاق میں کسی غلطی کی گنجائش نہ رہے۔ کیونکہ جب یہ فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ غار میں دو میں سے دوسرے تھے تو اس سے یہ اشارہ ہو گیا کہ آپؐ سے پہلے کوئی اور اس میں داخل ہو چکا تھا اور چونکہ حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی اور اس میں آپؐ سے پہلے داخل نہیں ہوا تھا اس لئے اس سے پہلے کی تعیین بھی ہو گئی اور اس موقع پر جو حضورؐ نے اپنے ساتھی سے یہ فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا غم نہ کھا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے تو اس سے حضرت ابوبکرؓ کے کامل فی الایمان ہونے اور آنحضرتؐ کے ہمرنگ ہونے کی طرف اشارہ بھی ہو گیا۔ اور چونکہ مستقبل کے لئے خوف کا لفظ آتا ہے حزن کا لفظ ماضی کے لئے آتا ہے اس لئے اس موقع پر جو حضورؐ کے منہ میں لَا تَخَفْ کے نہیں لَا تَحْزَنْ کے الفاظ ڈالے گئے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو نہ تو آنحضرتؐ کے بارہ میں یہ خوف تھا کہ کہیں دشمن آپؐ کو شہید نہ کر دے۔ (کیونکہ آپؐ کی حفاظت کے خدائی وعدوں پر ان کو کامل یقین تھا) اور نہ ہی اپنی موت کا خوف تھا بلکہ ماضی کی باتوں کے متعلق ایک غم تھا (جو خدا کا پسندیدہ غم تھا جیسا اس نے آپؐ کے ساتھ بھی معیت کا اظہار فرمایا) یعنی آپؐ کو یہ فکر نہیں تھی کہ اب دشمن مجھے قتل کر دیگا۔ بلکہ فکر یہ تھی کہ میں حضور ﷺ کی اور اسلام کی وہ خدمت بجا نہیں لاسکا جو ان کا حق تھا اور یہ ایسا غم تھا جو آپؐ کی اعلیٰ شان کو ظاہر کرنے والا تھا۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کے مومن ہی کی شان ہے کہ سب کچھ کر کے بھی یہی سمجھتا رہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ ع

ہر کہ عارف تراست ترساں تر

=====

ابتدائے اسلام میں ہونیوالے واقعات کے اعادہ اور اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق عظیم الشان پیشگوئیاں

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ كَذَلِكَ هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّدَىٰ حُجُورٍ (۶)

ہل فی ذلک قسم لیدی حجوٰر (۶)

کیا اس میں عقلمندوں کے لئے شہادت ہے یا نہیں۔

قسم شہادت کے لئے ہوتی ہے اور شہادت سے مقصود ایک چیز کو پیش کر کے دوسری کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اور چونکہ مستقبل میں ہونے والے امور بھی خدا تعالیٰ کی نظر میں حاضر کی طرح ہوتے ہیں وہ مستقبل میں واقع ہونے والی بعض چیزوں کی قسم بھی کھا لیتا ہے۔ پس اس آیت میں اس نے بتایا کہ جو باتیں اس سے پہلی آیات میں بیان ہوئی ہیں وہ ایک رنگ میں پوری ہو کر گواہی دیں گی کہ ایک دوسرے رنگ میں وہ آئندہ بھی پوری ہونے والی ہیں۔ یعنی ان سے مشابہ حالات آئندہ بھی مسلمانوں کو پیش آئیں گے۔ اور انہیں عقلمندوں کے لئے قسم قرار دے کر سمجھایا کہ مصائب کی جو راتیں آئندہ آنے والی ہیں ان میں مسلمانوں کی اپنی غفلتوں اور حماقتوں کا دخل ہوگا۔ اور یہ باتیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حین حیات سے بعد کو چاہتی تھیں اس لئے اس میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ ان آیات میں مذکور پیشگوئی کا دوسرا اطلاق حضور ﷺ کی قومی زندگی پر کیا جانا چاہیے۔ لیکن قومی زندگی کا پیمانہ شخصی زندگی والا نہیں ہوا کرتا اور آنحضرت کا عہدِ نبوت تو قیامت تک کے لئے ہے اور آپ نے خود اپنی قومی زندگی کا شمار صدیوں میں کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث خیر القرون قرنی اس پر دال ہے لہذا اگر ان آیات کو حضور کی قومی زندگی پر چسپاں کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان میں سے پہلی تین صدیوں کو فجر کا زمانہ قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ اس کے بعد مسلسل دس راتیں آئیں گی یعنی دس صدیاں ایسی آئیں گی جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مصائب اور تاریکی کی صدیاں ہوں گی۔ اس کے بعد شفق اور وتر کا ایک واقعہ ہوگا۔ ایک رات یعنی شدید مشکلات کی ایک صدی تو اس کے بعد بھی رہ جائے گی لیکن وہ آخری صدی ہوگی اور اس کے ختم ہونے پر مصائب کی وہ شدت جس کو رات سے تعبیر کیا جاسکے

باقی نہیں رہے گی اور غلبہ اسلام کا دن روشن سے روشن تر ہونا شروع ہو جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد آنے والی دس راتوں سے دس صدیاں مراد لیتا اس لئے بھی درست ہے کہ سورۃ سجدہ کی آیت نمبر ۶ **يُدْبِرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ** کے مطابق علم الہی میں تھا کہ امر شریعت زمین میں قائم ہوگا اور پھر آہستہ آہستہ آسمان کی طرف اٹھنا (یعنی دلوں کی زمین سے محو ہونا) شروع ہو جائے گا اور انحطاط کا یہ عمل ہزار سال یعنی دس صدیاں جاری رہے گا۔ اور چونکہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ **خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ** کہ بہترین صدی میری صدی ہے اس کے بعد تابعین کی اور اس کے بعد تبع تابعین کی اس لئے دس صدیوں کا شمار پہلی تین صدیوں کے قریباً اختتام سے ہوگا جس پر خود لفظ فجر کے اعداد جو بحساب حمل ۲۸۳ بنتے ہیں شاہد ہیں۔ اور چونکہ اسلامی سن کا شمار ہجرت سے ہوتا ہے۔ اور ہجرت حضور کے دعویٰ نبوت کے قریباً ۱۳ سال بعد ہوئی اس لئے ۲۸۳ کے عدد کا مطلب ۲۷۰ ہوا۔ گویا فجر کے لفظ میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ جس فجر کا یہاں ذکر ہے وہ مُعْتَمِن طور پر ۲۷۰ تک چلے گی۔ اور عجیب اور بہت ہی عجیب بات ہے کہ عین ۲۷۰ کا سال ختم ہونے پر یعنی ۲۷۰ھ میں چین کے مسلمان بادشاہ نے ایک عیسائی حکومت کے ساتھ معاہدہ کیا کہ وہ بغداد کی اسلامی حکومت کو کچلنے کے لئے اس کا ساتھ دے گا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے زوال کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

یہی بات سورۃ الزمرد میں بیان کی گئی وہ سورۃ سخت انذاری خبروں پر مشتمل ہے۔ اور اسکے شروع میں آنوالے مقطعہ **الْحَمْدُ** کے اعداد بھی ۲۷۱ ہیں۔ اور ۲۷۰ھ میں مسلمانوں کے تزلزل کی بنیاد پڑی۔ یعنی قرآن کی رو سے فجر کا زمانہ مُعْتَمِن طور پر ۲۷۰ھ تک یعنی آنحضرت کے دعویٰ نبوت سے شروع ہو کر پورے ۲۸۳ سال تک رہا (جو لفظ فجر کے اعداد بلحاظ حمل ہیں) یعنی قریباً تین صدیاں۔

الغرض سورۃ الفجر کی ان آیات میں بتایا گیا کہ اسلام کی پہلی تین صدیوں کے بعد جو (اچھی صدیاں ہوں گی) دس صدیاں مصیبت و گمراہی کی آئیں گی اور ان کے بعد فطع اور وتر کا ایک واقعہ ہوگا جس کے بعد اسلام کے دن پھرنا شروع ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر چھا جانے والی مصائب کی رات رخصت ہونے لگ جائے گی۔ اگرچہ اس کے بعد بھی ایک رات یعنی ایک صدی مشکلات کی ہو سکتی ہے مگر وہ ایک ہی صدی ہوگی جس کے بعد اسلام کا قدم ترقی پر ترقی اور

غلبہ ہی کی طرف اُٹھے گا یہاں تک کہ وہ ساری دنیا پر محیط ہو جائے گا۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا شفع کے معنی زوج یعنی بھٹ کے ہوتے ہیں اور جیسا کہ مفردات راغب سے ثابت ہے کسی چیز کو اسی جیسی دوسری چیز سے ملا دینے کو شفع کہتے ہیں لہذا اس میں بتایا گیا کہ اُس وقت ایک ایسا شخص ظاہر ہوگا جو وتر ہونے کے باوجود حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شفع کی نسبت رکھنے والا ہوگا۔ یعنی ہوگا تو وہ الگ وجود لیکن اپنی خوبو اور اپنے مقصدِ حیات اور اپنے کاموں کے لحاظ سے آنحضورؐ کے ساتھ کامل ہم آہنگی رکھنے والا اور ایسا فانی الرسولؐ ہوگا کہ اس کا اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا باہمی تعلق ایک جان دو قالب والا ہوگا۔ چنانچہ خطبہ الہامیہ میں اس موعودؑ کی زبان سے یہ الفاظ بھی ادا ہوئے کہ مَنْ فَرَّقَ بَيْنِي وَبَيْنَ الْمُصْطَفَىٰ لَمَّا عَرَفْنِي وَمَا رَأَىٰ (ص ۳۵۹) جس نے مجھ میں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں فرق کیا اس نے مجھے نہیں پہچانا اور نہ دیکھا۔

یہ بھی اس میں بتایا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اور اس موعودؑ کو جو آپس میں شفع کی نسبت رکھنے والے ہوں گے ایک وتر یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی المسح الموعودؑ کی خدا تعالیٰ نے ہر قدم پر نصرت فرمائی اور آپؑ پر چڑھنے والے ہر نئے دن نے آپؑ کو پہلے دن کی نسبت ترقی کے زینہ پر اوپر ہی اوپر جاتے ہوئے پایا۔ پس ان آیات میں حضرت نبی کریم ﷺ کے ایک بروزِ کامل کی یا بالفاظ دیگر آپؑ ہی کی بعثتِ ثانیہ کی خبر دی گئی اور اس طرح جو پیشگوئی سورۃ الجمعہ کی آیت وَآخِرِينَ مِنْهُمْ میں آئی ہے اس کے ظہور کا ٹھیک ٹھیک وقت بتا دیا گیا۔

چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق ٹھیک ۱۳۰۰ھ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا بروز ہو کر ظہور فرمایا اور ایک حد تک آپؑ کے ظہور کے ساتھ ہی اس سے پہلے کی دس سو سالہ راتِ رخصت ہوئی شروع ہو گئی یعنی اسلام پر بہار کے دن آنے لگ گئے جس کا اعتراف آپؑ کے کئی مخالفوں نے بھی کھلے لفظوں میں کیا اور اب تو باوجود اس کے کہ ابھی آپؑ کے ظہور پر صرف سو سال گزرے ہیں۔ وَالْيُسْلُ إِذَا يُسْرُ کا نظارہ اور بھی شان کے ساتھ ہونے لگا ہے چنانچہ ایک طرف دیوار برلن ٹوٹی ہے جس سے اسلام کے روس میں نفاذ کا راستہ کھلا ہے دوسری طرف روسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ مکمل ہوا ہے۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح رابع کے خطبات کو ساری دنیا میں LIVE دیکھنے اور سننے کے سامان ہو گئے ہیں۔ کم و بیش ۱۶۹ ممالک میں جماعت احمدیہ قائم ہو چکی ہے۔ اور بہت سی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہو چکے ہیں نئے نئے مشن کھل رہے ہیں۔ گزشتہ ایک سال میں چار کروڑ سے زیادہ لوگ حلقہ جگوش احمدیت ہوئے ہیں۔ غرض آپؑ کے سلسلہ کو غیر معمولی ترقی کے ملنے کے یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ غلبہ اسلام کے آثار یومنا فیمونا واضح سے واضح تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رات کا رخصت ہونا طلوع آفتاب کو چاہتا ہے اس لئے ان آیات کے مطابق ابتدائے اسلام سے ۱۳۰۰ سال گزرنے پر آنے والے نبی کا نام آسمان پر شمس رکھا گیا لیکن چونکہ ازل درجہ پر اس نام کا مستحق صرف ایک ہی ہے یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود باجود اور نبی موعودؑ نے آپؑ ہی کی روشنی کو دنیا میں پھیلانا تھا اس لئے قرآن میں اسکا نام قمر بھی رکھا گیا اور آیت **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** میں بتایا گیا کہ آئندہ ایک شخص ظاہر ہوگا جس کے وجود میں شمس و قمر جمع کیئے جائیں گے۔ یعنی وہ ایک پہلو سے شمس اور ایک پہلو سے قمر ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مہدی موعودؑ کو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام میں ”القمس“ کہہ کر بھی پکارا اور ”قمر“ کہہ کر بھی پکارا۔

سورۃ الفجر کی اگلی آیات میں بعض گزشتہ مخالفین انبیاء کی ہلاکت کا ذکر ہے تا اشارہ ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کا بھی ایسا ہی انجام ہو سکتا ہے اور آخر سورۃ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۸) ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً (۲۹) فَأَدْخُلِي فِي عِبَادِي (۳۰) وَادْخُلِي
جَنَّتِي (۳۱)

اے اطمینان یافتہ نفس اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ تو
(اس سے) راضی ہے اور (اس کا) رضا یافتہ بھی ہے۔ سو میرے بندوں
میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر سورۃ کے آخر کا اس کے شروع کے ساتھ خوبصورت ربط ضرور ہوتا ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں (ان کے ایک مفہوم کے مطابق)

غلبہ اسلام کا مضمون تھا اس لئے ان آخری آیات کا بھی (ان کے ایک مضمون کے اعتبار سے) غلبہ اسلام سے تعلق ضروری ہے۔ پس ان میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں جو سب سے زیادہ صاحبِ نفْسِ مُطْمَئِنَّہ اور ان آیات کے پہلے مخاطب تھے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ (غلبہ اسلام کے بارہ میں آپؐ کی بے قراری اس سے مخفی نہیں) وہ آپؐ پر ایسا فضل فرمائے گا کہ آپؐ اس کے بارہ میں مطمئن دل لے کر دنیا سے جائیں گے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ آنحضرتؐ کَمَا فَتَى لِّلنَّاسِ کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے (نہا ۲۹:۳۳)۔ اس لئے ضرور تھا کہ آپؐ ساری دنیا میں غلبہ اسلام چاہیں چنانچہ آیت قُلْ اِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام ۶:۱۶۳) سے ظاہر ہے کہ آپؐ کی نماز اور قربانی یعنی دعائیں اور طرح طرح کی قربانیاں صرف اس لئے نہیں تھیں کہ ملک عرب مسلمان ہو جائے بلکہ اس لئے تھیں کہ ساری دنیا اپنے رب کو پہچاننے لگے یعنی عالمگیر غلبہ اسلام کے لئے تھیں۔

مگر اسی آیت سے یعنی اس کے الفاظ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي سے ظاہر ہے کہ یہ کام تمام وکمال آپؐ کی زندگی میں پورا ہونے والا نہیں تھا۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی کام کے بارہ میں کہے کہ میرا تو جینا ہی اس کیلئے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس کام کو اپنی زندگی میں پورا ہوتے دیکھ لینا چاہتا ہوں لہذا اگر قُلْ اِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کے الفاظ ہوتے تو چونکہ یہ الفاظ خدا تعالیٰ نے آپؐ سے کہلوائے ان کا مطلب لازماً یہ ہوتا کہ یہ کام آپؐ کی زندگی ہی میں پورا ہو جائے گا۔ لیکن اس آیت میں وَمَحْيَايَ کے بعد وَمَمَاتِي کے الفاظ بھی ہیں یعنی حضورؐ کی زبان حق ترجمان سے یہ بھی کہلویا گیا کہ میرا جینا ہی نہیں مرنا بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے ہے حالانکہ اگر یہ مقصد آپؐ کی زندگی ہی میں حاصل ہو جانے والا تھا تو ان الفاظ کا اضافہ درست نہیں ہو سکتا تھا پس یہ الفاظ بڑھا کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہ کام ایک حد تک آپؐ کی زندگی میں ہو جائے گا لیکن مکمل آپؐ کے بعد ہوگا یعنی آیت اِنَّ الْاٰلٰہَی فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَآرَآذَکَ اِلٰی مَعَادٍ (القصاص ۸۶:۲۸) کے مطابق ملک عرب میں تو اسلام کا غلبہ آپؐ کی زندگی میں واقع ہو جائے گا لیکن اس کا عالمگیر غلبہ آپؐ کے دنیا سے جانے کو چاہے گا اور آپؐ کے بعد واقع ہوگا۔ لیکن مرنا تو انسان کے

اختیار میں نہیں (وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ۔ ال عمران ۳: ۱۴۶) لہذا خدا تعالیٰ نے جو آپؐ سے یہ کہلوایا کہ میرا مرنا بھی اس مقصد کے لئے ہے تو اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ آپؐ کو موت اور زندگی میں سے جو چیز چاہیں منتخب کرنے کا اختیار دیا جائے گا۔ اس وقت آپؐ موت کو پسند کریں گے اور یہ پسند کرنا بھی اللہ رب العالمین کے لئے ہوگا۔ یعنی اس لئے ہوگا کہ اس کے دین کو عالمگیر غلبہ حاصل ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا جو اس وقت آپؐ قرآنی اشارات سے سمجھ چکے ہوں کہ جتنا کام آپؐ کی شخصی زندگی میں ہونے والا تھا وہ ہو چکا ہے اور باقی ماندہ کام الہی سکیم کے مطابق آپؐ کے بعد ہونا مقدر ہے اور اس کا آغاز آپؐ کے دنیا سے جائے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب لوگ انوفاجا اسلام میں داخل ہونے لگ گئے اور سارے عرب میں اسلام غالب آگیا تو خدا تعالیٰ نے آپؐ سے یہ فرمایا کہ چاہیں تو کچھ عرصہ اور دنیا میں رہ لیں اور چاہیں تو اپنے رب کے پاس واپس آجائیں تو اس وقت آپؐ نے دوسری صورت کو پسند فرمایا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو اپنے قرب وفات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا سو اے عزیزو..... ”تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی تمکین مت ہو..... کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے..... اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں..... سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔“

(رسالہ الوصیت صفحہ ۳۰۵)

بہر حال اس آیت قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ وَنُسُكِي سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر بلند ہونے کی اتنی خواہش رکھتے تھے کہ آپؐ کی تمام تر تفرعات اور قربانیاں اسی غرض سے تھیں اور آپؐ کی شدید آرزو تھی کہ یہ کام جتنا زیادہ ممکن ہے اپنی زندگی ہی میں ہوتا دیکھ لیں مگر آپؐ یہ بھی جان چکے تھے کہ عالمگیر غلبہ اسلام کے متعلق الہی سکیم یہ ہے کہ وہ آپؐ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حاصل ہو اور آپؐ نے اسی میں خدا تعالیٰ کی مرضی دیکھتے ہوئے راضیہ بن کر اس صورت کو قبول کر لیا ہوا تھا اس لئے اس بارہ میں آپؐ کے اطمینان کے لئے ضروری تھا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو بشارتیں ملتیں وہاں جتنا کام آپؐ کی

زندگی میں ہونے والا تھا اس کے بارہ میں بتایا جاتا کہ وہ فلاں فلاں مراحل میں سے گزر کر پورا ہوگا اور جو کام آپ کے بعد ہونے والا تھا اس کے بارہ میں بھی بتا دیا جاتا کہ وہ کن کن مراحل میں سے گزر کر سرانجام پائے گا اور پھر آپ کی زندگی میں ہونے والا کام اس اطلاع کے عین مطابق ہوتا چلا جاتا تا آپ کو تسلی ہوتی کہ جس طرح وہ تمام پیشگوئیاں جو آپ کی زندگی سے تعلق رکھتی تھیں یکے بعد دیگرے پوری ہو گئیں اسی طرح وہ پیشگوئیاں بھی جو آپ کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں اپنے وقت پر پوری ہوتی چلی جائیں گی۔ یہاں تک کہ اسلام ساری دنیا میں غالب آجائے گا۔

اب دیکھئے جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں اس غلبہ اسلام کی خبر بھی دی گئی تھی جو آنحضرت کے صحنِ حیات میں حاصل ہونیوالا تھا اور بتایا گیا تھا کہ وہ کن کن مراحل میں سے گزر کر حاصل ہوگا اور پھر انہی آیات میں (انکے دوسرے مفہوم کے مطابق) اسلام کے عالمگیر غلبہ کی بھی خبر دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ وہ کن کن مراحل میں سے گزر کر اور کس زمانہ میں اور کس کے ہاتھ پر حاصل ہوگا پس اُن آیات کے بالمقابل آخر سورۃ میں آیت **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً** لاکر بتایا گیا کہ غلبہ اسلام کے تعلق میں جن باتوں کے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے صحنِ حیات میں وقوع پذیر ہونے کی اطلاع شروع سورۃ میں دی گئی وہ سب کی سب آپ کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل پوری ہو جائیں گی حتیٰ کہ جتنا غلبہ آپ کی زندگی میں ہونا مقدر کیا گیا وہ بھی حاصل ہو جائیگا تو آپ کو اطمینان ہو جائے گا کہ جو باتیں آپ کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی ضرور پوری ہوں گی اور اپنے وقت پر اسلام کو عالمگیر غلبہ بھی حاصل ہو جائیگا (بالخصوص جبکہ جن آیات میں آپ کے صحنِ حیات سے تعلق رکھنے والی خبریں دی گئیں اور سب کی سب پوری ہوئیں انہی میں آپ کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھنے والی خبریں بھی دی گئیں) اسلئے اس کے بعد خدا تعالیٰ آپ کو کہے گا اے **نَفْسٍ مُّطْمَئِنَّةٍ** یعنی اے اطمینان یافتہ نفس (جس کام کیلئے تجھے دنیا میں بھیجا گیا تھا اسکی تکمیل کے بارہ میں تجھے پوری طرح مطمئن کر دیا گیا ہے اسلئے اب) تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ **رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً** (اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی)۔

فتح مکہ سے لے کر مہدی موعودؑ کے ظہور تک مسلمانوں پر آئیوا لے مختلف ادوار کی خبر

سورۃ الفجر کی (ابتدائی) آیات میں اسلام کے دورِ اوّل کے غلبہ اور دورِ دوم کے غلبہ کے متعلق بتایا گیا تھا کہ یہ غلبے کن کن مراحل میں سے گزر کر حاصل ہوں گے۔ اور آخر سورۃ میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ ان میں سے پہلے غلبہ کے متعلق جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ ساری کی ساری حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے صحنِ حیات ہی میں پوری ہو جائیں گی جس کی وجہ سے آپؐ دوسرے غلبہ کے بارہ میں مطمئن دل لے کر اس دنیا سے رخصت ہوں گے۔ چونکہ سورۃ الفجر کی ابتدائی آیات کے جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے ایک سے زیادہ ممکنہ مفہوم ہو سکتے تھے۔ ایک وہ جن کے مطابق بتایا گیا تھا کہ اگلے دس سال سخت مصائب کے آئیں گے یہاں تک کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنا پڑے گی اور دوسرے وہ جن کے مطابق ان آیات میں مصائب اور ہجرت کی طرف اشارہ نہیں تھا بلکہ اور اشارات تھے اور اس وقت کے حالات اور مکہ مکرمہ کی محبت کی وجہ سے بتقاضائے بشریت آنحضورؐ یا آپؐ کے صحابہؓ ان آیات کا پہلے مفہوم کی بجائے کوئی دوسرا مفہوم لینے کی طرف مائل ہو سکتے تھے۔ اس لئے اگلی سورۃ البلد کو حرف ’لا‘ سے شروع فرما کر خدا تعالیٰ نے انہیں اس میلان سے روکا اور بتایا کہ وہ آیات مصائب اور ہجرت والے مفہوم ہی میں پوری ہونے والی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ آپؐ کو مکہ سے ہجرت تو پیش کرنا پڑے گی مگر آپؐ اس میں فاسقانہ واپس بھی آئیں گے البتہ اس کے لئے آپؐ کو اور آپؐ کے قبیعین کو محنت شاقہ سے کام لینے اور جگر خون کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح یہ اشارہ کیا کہ ہجرت کے بعد کفار کے ساتھ جنگیں بھی ہوں گی جن کے نتیجے میں کچھ معذور اور کچھ یتیم وجود میں آئیں گے اور مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ ان کی کفالت اپنے ذمہ لیں۔ گویا فتح مکہ تک پیش آنے والے حالات کی خبر دی تھی۔ اس کے بعد سورۃ الفتن آتی ہے اس میں فتح مکہ سے لے کر آنحضورؐ کی مہدی موعودؑ کے وجود میں ہونے والی بعثتِ ثانیہ تک کے حالات کی خبر دی گئی فرمایا:-

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (۲) وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا (۳) وَالنَّهَارِ
إِذَا جَلَّتْهَا (۴) وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا (۵) وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا (۶)
وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا (۷) وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (۸) فَأَلْهَمَهَا
فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (۹) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ رَزَّاهَا (۱۰) وَقَدْ خَابَ
مَنْ دَسَّاهَا (۱۱)

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ اور چاند کی جب وہ اس کے
پیچھے پیچھے آئے۔ اور دن کی جب وہ اسے ظاہر کر دے۔ اور رات کی
جب وہ اسے ڈھانپ لے۔ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اسے
بنایا۔ اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا۔ اور نفس کی اور اس کی
جس نے اسے (ان سب کے) برابر بنایا۔ پھر اس کی بدی اور اس کے
تقویٰ کا علم دیا۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ
کیا۔ اور خائب و خاسر رہا جس نے اسے (سفلی خواہشات میں) گاڑ دیا۔

وَمَا بَنَاهَا کے معنی بیضادی نے ومن بَنَاهَا کئے ہیں

فَأَلْهَمَهَا کے معنی ہیں یَبِّنَ. عَلَّمَ. عَرَّفَ (ابن عباس و مجاہد)

قَدْ أَفْلَحَ: حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تزکیہ نفس حسب ہدایت نبی کریم ﷺ کرنے
سے آخرت میں نجات ملتی ہے اور دنیا میں بھی آرام ملتا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا کے الفاظ میں خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جس طرح سورج اپنے
وجود پر خود دلیل ہوتا ہے اور جب چڑھے تو یہ بات یقینی ہوتی ہے کہ وہ اپنی پوری بلندی تک بھی
پہنچے گا۔ اسی طرح آسمان روحانیت کے آفتاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی آپ اپنی سچائی کی
دلیل ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو پورا عروج حاصل ہوگا (مگر جیسا کہ اگلی آیات سے ظاہر
ہے مادی سورج کی طرح جس کا عروج بلا فصل ہوتا ہے نہیں بلکہ مختلف مراحل میں سے گزرتے
ہوئے)۔

پھر سورج کے ساتھ اس کی دھوپ کی قسم کھا کر اور قسم میں ان دونوں کو اکٹھا رکھ کر
اشارہ کیا کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو براہ راست اس سورج کے سامنے نہیں آئیں گے مگر

اس کی دھوپ یعنی برکات سے اسی طرح فیض یاب ہوں گے جس طرح خود اس کے سامنے آنے والے (گویا حضرت اولیں قرنیٰ اور حضرت مہدی موعود جیسے لوگ امت میں پیدا ہونے کی پیشگوئی فرمائی)۔

پھر دھوپ کیلئے ضلعی کا لفظ رکھ کر جو سورج کے نصف النہار تک پہنچنے سے پہلے پہلے کا وقت ہوتا ہے اور اس کے معاً بعد چاند کے نکلنے کا ذکر وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا کے الفاظ میں فرما کر بتایا کہ ابھی یہ سورج نصف النہار تک نہیں پہنچا ہوگا یعنی اسلام کو غلبہ تو حاصل ہو چکا ہوگا مگر عالمگیر غلبہ ابھی حاصل نہیں ہوا ہوگا کہ یہ سورج لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا اور ایسا ہوتے ہی ایک ایسا چاند افقِ سماء پر ابھرے گا جو اس سورج کی پوری اتباع کرنے والا۔ اس کی روشنی کو دنیا میں پھیلانے والا اور اس کے بعد بلا فصل آنے والا ہوگا۔ (ظاہر ہے کہ مراد اس سے مجازی چاند یعنی خلافتِ راشدہ کے چاند سے تھی)۔

وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ اس کے بعد ایک دن چڑھے گا جو اس سورج کو نمایاں کر کے دکھا دے گا۔ یعنی مسلمانوں کو ایسی عظیم الشان ترقیات حاصل ہوں گی۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور برکات کا واضح ثبوت ہوں گی (مراد اس سے اسلامی بادشاہتوں کا زمانہ ہے جو اس بات کو ثابت کرنے والا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود کے ساتھ روحانی ہی نہیں مادی برکات بھی وابستہ ہیں۔ کما فی قولہ.... لَسْنَا نَعْلَمُ أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ (الحمدید ۳۰:۵۷) اللہ تمہیں اپنی رحمت سے اس لئے نوازے گا کہ تا اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو اللہ کے فضلوں میں سے کچھ میسر نہیں اور یہ جان لیں کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے اس میں سے حصہ دیتا ہے۔ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ اس کے بعد ایک رات آئے گی جو اس سورج (محمد رسول اللہ ﷺ) کے حسین چہرہ پر پردے ڈال دے گی (مراد اس سے فجرِ امومج کا زمانہ ہے جس کا دورانِ سورۃ الفجر اور سورۃ السجدہ میں مذکور اشارات کے مطابق ہزار سال ہوتا مقرر تھا)۔

اس کے بعد ہے وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَّهَا قسم ہے آسمان کی اور اس کی جس نے اسے بنایا اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا۔ چونکہ اس سے پہلے شمس اور قمر وغیرہ الفاظ مجازی معنوں میں آئے ہیں السَّمَاءِ اور الْأَرْضِ کے الفاظ بھی مجازی

معنوں ہی میں لئے جائیں گے پس مطلب یہ ہے کہ فوج اعوج کا زمانہ گزرنے پر وہ روحانی آسمان جس کے شمس اور قمر کا اوپر ذکر ہوا اور اس کے مقابل کی زمین ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوں گے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ تائید اسلام میں اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات ظاہر ہوں گی۔ یعنی ایک نبی (مہدی موعودؑ) کا ظہور ہوگا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو ایسی مُصلّی صورت میں پیش کرے گا کہ لوگوں کو اس پر ایک نئے دین کا گمان ہونے لگے گا۔ اور انسان کا نفس اور خدا تعالیٰ جس نے اسے نیکی اور بدی کی برابر استعداد دی اور اسے اس کے فجور اور تقویٰ پر آگاہی بخشی۔ اس بات پر گواہ ہوں گے کہ ان مختلف ادوار میں سے ہر دور میں جس نے (اس نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے ذریعہ) اپنے نفس کا تزکیہ کیا یعنی اسے پاک کیا اور اس کی نشوونما کی وہ اپنے مقصد حیات کو پا گیا اور جس نے اس کے برخلاف اپنے نفس کو سفلی خواہشات میں گاڑ دیا وہ نامراد رہا۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ ان مختلف ادوار میں سے ہر دور اس بات پر شاہد ہوگا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ زندہ نبی ہیں اور آپ کا افاضہ روحانیہ جاری ہے۔ جس نے آپ کا دامن پکڑا فلاح پا گیا اور جو آپ سے دور رہا وہ خدا سے بھی دور رہا۔

چونکہ سورۃ الفجر میں اسلام کے دونوں دوروں کے بارہ میں یہ خبر دی گئی تھی کہ ترقی سے پہلے مصائب کی رات آئے گی۔ (پہلے دور میں یہ رات دس سال لمبی اور دوسرے دور میں دس صدیاں لمبی ہوگی)۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اپنے نبی کے ماننے والوں پر مصائب کے زمانے آنے ہی کیوں دیتا ہے۔ اس لئے اگلی سورۃ یعنی سورۃ الہیل میں خدا تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان کی اور بتایا کہ ایسا وہ اس لئے کرتا ہے کہ اچھے اور برے دونوں قسم کے حالات میں مومنوں کے اعمال و اخلاق کی کفار کے اعمال و اخلاق پر برتری ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ مومنوں میں سے جو بھی اِبْتِغَاءَ لِرُؤْجِہِ اللہ نیکیاں کرے گا فَلَسَوْفَ یَرْضٰی۔ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا۔ یا یہ کہ وہ بندہ اس سے راضی ہو جائے گا۔ بوجہ اس کے انعام و اکرام کے۔

جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہو ان کے بارہ میں قرآن فرماتا ہے وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللہ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْہِمُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (ال عمران ۷۸:۳) اللہ قیامت کے دن نہ ان سے کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ جس سے ظاہر ہے کہ جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان سے وہ کلام بھی

کرتا ہے اور انہیں محبت کی نظر سے دیکھتا بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

اب بھی جس کو چاہتا ہے وہ بناتا ہے کلیم

اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

لہذا فَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ کا یہی مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ اپنی ہم کلامی سے مشرف فرمائے گا اور یہ نعمت عظمیٰ پا کر وہ راضی ہو جائیں گے یعنی انہیں کسی اور چیز کی طلب نہیں رہے گی۔

=====

سورة الضحیٰ میں مہدیؑ کا ذکر

چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایک دو سورتیں نازل ہو جانے کے بعد ایک دفعہ نزول وحی رک گیا تھا اس لئے سورة الضحیٰ کی ان آیات پر دشمن کہہ سکتا تھا کہ خود پر تو وحی ہوتا بند ہو چکی ہے اور اپنے قبیعین کو اس کی بشارتیں دے رہے ہیں اسلئے اس کے معا بعد سورة الضحیٰ رکھ کر اور اسے وَالضُّحٰی وَالْاٰیْلٰی اِذَا سَجٰی مَا وَدَّ عَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی کے الفاظ سے شروع فرما کر خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ نزول وحی میں تعطل محض ایک عارضی بات تھی ورنہ اب سے یہ اس کثرت سے شروع ہو رہا ہے کہ دن چڑھ جائے گا۔ البتہ اس کے بعد ایک رات یعنی ایک لمبا زمانہ فترت وحی کا پھر آنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ زمانہ مستقل ہوتا تو کفار کا مذکورہ اعتراض باقی رہتا اور اس امر کا ذکر کرنا اس اعتراض کو تسلیم کر لینے والی بات ہوتی سوائے اس کے کہ جس طرح مادی رات کی تاریکی کے انتہا کو پہنچ جانے پر دن ضرور چڑھتا ہے اسی طرح اس روحانی رات کی تاریکی کے انتہا کو پہنچنے پر بھی دوبارہ نزول وحی نبوت کے دن کا چڑھنا مقرر ہوتا چنانچہ اس بارہ میں اپنے محبوب ﷺ کی تسلی کے لئے خدا نے فرمایا:-

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰی (۵)

(اے رسول) تیرے لئے آخرت اوّل سے بہتر ہوگی۔

اس آیت کے بہت سے معانی ہیں لیکن آگے پیچھے چونکہ وحی کا مضمون ہے اس لئے یہ

معنی اسکے بطور خاص ہیں کہ وَحٰی (زَمَنِ) الْآخِرَةِ تیرے لئے وَحٰی (زَمَنِ) الْاَوَّلٰی سے بہتر ہوگی۔ لیکن حضور افضل الانبیاء ہیں۔ حضور پر دین کامل نازل ہوا اور نعمت وحی کا اتمام ہوا اس لئے یہ مطلب تو اس قول کا ہو نہیں سکتا تھا کہ آخری زمانہ میں کسی اور پر نازل ہونے والی وحی خود حضور ﷺ پر نازل ہونے والی وحی سے حضور کیلئے بہتر ہوگی۔ بالخصوص جبکہ حضور کا عہد نبوت شروع ہو جانے کے بعد باب وحی حضور کے غلاموں کے علاوہ اور ہر کسی پر بند ہو چکا تھا۔ پس بلاشبہ اس سے حضور کے متبعین پر نازل ہونے والی وحی ہی مراد ہو سکتی تھی۔ یعنی وہ وحی جس کی طرف سورۃ اہل کے آخر میں اشارہ کیا گیا۔ پس اس میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ آخری زمانہ میں حضور ﷺ کے کسی شیخ پر نازل ہونے والی وحی حضور کے ابتدائی زمانہ کے متبعین پر نازل ہونے والی وحی کی نسبت حضور کے لئے بہتر ہوگی۔ یعنی وہ وحی حضور کی شان افاضہ روحانی کو زیادہ ظاہر کرنے والی ہوگی۔ اور چونکہ وحی دلالت تو حضور کی بعثتِ اولیٰ کے زمانہ میں حضور کے متبعین پر نازل ہونے والی وحی بھی تھی اس لئے آخری زمانہ کی وحی کو حضور کے لئے بہتر قرار دے کر خدا تعالیٰ نے دراصل یہ بتایا کہ وہ وحی وحی نبوت ہوگی۔ پس اس میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے متبعین میں سے کسی صاحبِ وحی نبوت کے ظہور کی پیشگوئی کی گئی جو حضرت مہدی موعود کے وجود میں پوری ہوئی۔ کیونکہ حدیث نبوی لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ کے مطابق آنحضور اور موعود عیسیٰ ابن مریم کے درمیان اور کوئی نبی نہیں اور حدیث لَا الْمَهْدِي إِلَّا عِيسَى کے مطابق موعود عیسیٰ اور موعود مہدی ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ آنحضور کے ذریعہ بنیادی طور پر دو کام ہونا مقدر تھے ایک تکمیل ہدایت، دوسرا تکمیل اشاعتِ ہدایت، ان میں سے پہلا کام حضور کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا اور حضور نے الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ ۵: ۴) کی صدا سن لی تھی لیکن دوسرے کام کے لئے اس وقت ذرائع میسر نہیں تھے اس لئے اس کام یعنی تکمیل اشاعتِ ہدایت کے کام کے بارہ میں خدا تعالیٰ نے مقدر یہ کیا تھا کہ وہ حضور کی بعثتِ ثانیہ کے وقت میں جو مہدی موعود کے وجود میں ہونے والی تھی ہو (جیسا کہ آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ میں اس کا واضح ذکر ہے اور مفسرین اس امر پر متفق ہیں کہ یہ بات مہدی

موعودؑ کے زمانہ سے متعلق ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے جو آنحضورؐ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ
 وَلَآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ تو اس کے ایک معنی قطعی اور یقینی طور پر یہ بھی تھے کہ
 تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کے بارہ میں آخری زمانہ آپؐ کے لئے پہلے زمانہ سے بہتر ہوگا۔ اور تکمیل
 اشاعتِ ہدایت اور اسلام کا تمام ادیانِ عالم پر غالب آنا لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے ان معنوں کی
 رو سے اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ اسلام کا عالمگیر غلبہ آخری زمانہ میں ہوگا جبکہ پہلے معنوں کے
 اعتبار سے اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک صاحبِ وحی نبوتِ فخر (جس سے جیسا
 کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے مہدی موعودؑ مراد ہے) ظاہر ہوگا۔ اس لئے ہر آدمی جس میں قرآن کریم
 سے استدلال و استنباط کی ادنیٰ سی استعداد بھی ہو سمجھ سکتا ہے کہ اس پاک کتاب میں خدا تعالیٰ نے
 پہلے سے خبر دے دی تھی کہ:-

نمبر ۱ مہدی موعود نبی اللہ ہوگا۔

نمبر ۲ وہ آخری زمانہ اسلام میں ظاہر ہوگا۔

نمبر ۳ اس پر وحی اتر کرے گی۔

نمبر ۴ اسلام کو تمام ادیانِ عالم پر غلبہ اس کے وقت میں حاصل ہوگا۔

نمبر ۵ اس کے وجود سے آنحضورؐ کی شانِ افاضہ روحانیہ دوسرے تمام بزرگانِ آسمان
 کی نسبت زیادہ ظاہر ہوگی۔

نمبر ۶ وہ آنحضورؐ کا غلام ہوگا اور حضورؐ ہی کی اتباع سے تمام مدارجِ روحانیہ حاصل
 کرے گا۔

چونکہ آپؐ کو وَلَآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ میں دی جانے والی بشارت کا تعلق
 آخری زمانہ سے تھا اس کے بعد وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ کے الفاظ میں خدا
 تعالیٰ نے حضورؐ کو زمانہ قریب میں حاصل ہونے والے غلبہ اور فتوحات کی خبر دی تاکہ اس کے پورا
 ہونے پر حضورؐ کو مزید تسلی ہو کہ آئندہ زمانہ سے تعلق رکھنے والی خبریں بھی ضرور پوری ہوں گی۔
 اور آپؐ سورۃ الفجر کے آخر میں دی جانے والی خبر کے مطابق اپنے رب کے بلاوے پر اپنے مشن
 کی کامیابی کے بارہ میں مطمئن دل لے کر اور رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ہونے کی حالت میں (پورے
 اعزاز کے ساتھ) اس کے حضور حاضر ہوں۔

جب غلبہ اسلام کی خبر دی تو اس کے بعد غلبہ کے چلو میں آنیوالے مسائل کا حل بتانے کو فرمایا۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى (۷) وَوَجَدَكَ ضَالًّا
فَهَدَى (۸) وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى (۹) فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا
تَقْهَرُ (۱۰) وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ (۱۱) وَأَمَّا بِنِعْمَةِ
رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۱۲)

لفظ یتیم کے بنیادی معنی اکیلے اور منفرد کے ہیں۔ اوپر غلبہ کی خبر دی تھی اور غلبہ کے ملنے پر آنحضرتؐ یا آپؐ کے تابعین کے پاس کثرت سے لوگوں نے آنا تھا اور لوگوں میں سے بعض ایسے عجیب مزاج کے حامل ہوتے ہیں کہ انسان کو ان کی بات پر غصہ آجاتا اور وہ انہیں دبانے چاہتا ہے لیکن آنحضرتؐ معلم اخلاق بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى کے بالمقابل فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرُ کے الفاظ رکھ کر خدا نے بتایا کہ اے رسول تَخْلُقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ کا تقاضی تو یہی ہے کہ یتیم کو پناہ دی جائے۔ لیکن جن یتیمی کی اپنی حالت اس میں مانع ہو ان کے بارہ میں بھی ہمارا حکم یہ ہے کہ کم از کم ان کو دبا یا نہ جائے۔ پھر غلبہ کے وقت ایسے لوگوں نے بھی حضورؐ یا آپؐ کے تابعین کے پاس آنا تھا جنہوں نے ظاہر تو یہ کرنا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے قرب کے سوالی ہو کر آئے ہیں لیکن درحقیقت ان کی غرض کوئی اور (مثلاً دنیوی مفاد حاصل کرنا یا حضورؐ کو پریشان کرنا) ہوتی تھی۔ اور آنحضرتؐ کے لئے جو سب سے ذریعہ انسان تھے اس بات کو سمجھنا مشکل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے آگے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى کے الفاظ رکھ کر اور ان کے مقابل آیت وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ لا کر بتایا کہ اے رسول ہم نے تجھے اپنی محبت میں سرگرداں پایا تو تجھے اپنی راہ دکھا دی اس لئے تیرے پاس جب کوئی ہمارے قرب کا سوالی بن کر آئے تو فرض تو تیرا بھی یہی ہے کہ اسے ہماری راہ دکھائے لیکن اگر تو دیکھے کہ اس کے آنے کی اصل غرض کوئی اور ہے تو پھر بھی کم از کم اسے جھڑکیو نہیں کیونکہ آخر وہ دعویدار تو ہمارے قرب کا متلاشی ہونے ہی کا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ۔

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار

کہ آخر کنند دعویٰ حُبِّ پیغمبرؐ

پھر غلبہ کے بعد چونکہ تلوار کے جہاد کی بجائے اس سے بڑے جہاد یعنی دعوت الی اللہ

کے جہاد کی طرف زیادہ توجہ ہو جانی تھی۔ اور اس کے نتیجے میں مبلغین اسلام نے (نومسلموں کے آنے سے جو ان کے لئے بمنزلہ روحانی اولاد کے ہونے تھے) کثیر العیال بن جانا تھا۔ اور ایسے لوگ جتنے زیادہ ہوتے اتنے زیادہ مختلف النوع مسائل اور سوال بھی پیدا ہونے لگے۔ اور ان داعیان الی اللہ نے ان عقیدوں کے حل کے لئے آنحضورؐ کی طرف رجوع کرنا تھا۔ اس لئے آخر میں **وَوَجَدَكَ عَائِلًا قَانِعًا** کے الفاظ رکھے اور ان کے بالقابل فرمایا **وَأَمَّا بِسِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** اور اس طرح بتایا کہ اے رسول جس طرح ہم نے تجھے کثیر العیال پا کر غنی بنادیا۔ یعنی ایسی کتاب اور ایسا عرفان عطا کیا کہ تو ہر اک حاجت مند کی روحانی ضرورت پوری کر سکے اس طرح تیرا بھی فرض ہے کہ جب ایسے کثیر العیال (داعیان الی اللہ) تیرے پاس آئیں تو اپنے رب کی اس عظیم نعمت کی جس کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ یعنی قرآن کی تحدیث کرے یعنی انہیں بتائے کہ مجھے جو علم خدا نے دیا ہے وہ سب قرآن میں موجود ہے اس لئے تم قرآن کی طرف توجہ کرو کہ اس میں تمہارے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اور یہ فرمانے کی بجائے کہ اے رسول تو ان کی حاجت روائی کرنا جو یہ فرمایا کہ تو انہیں قرآن کی طرف متوجہ کرنا تو اس کی وجہ یہ تھی غلبہ حاصل ہونے کے بعد آنحضورؐ نے خود تھوڑا ہی عرصہ دنیا میں رہنا تھا مگر قرآن نے ہمیشہ رہنا تھا اور آپؐ کے سب نائبین بشمولیت مہدی موعودؑ کے اس سے استفادہ کر سکتے تھے۔

کثیر العیال لوگ روٹی پانی کے لئے کسی کے پاس آئیں اور وہ ان کے سامنے قرآن رکھ دے تو اس سے ان کا پیٹ تو نہیں بھرے گا پس اس جگہ قرآن کی طرف متوجہ کرنے کا حکم فرما کر بالکل کھول دیا کہ اس جگہ عائل کا لفظ مجازی معنوں میں آیا ہے۔

قرآن کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے اس آخری حکم کی وجہ سے آئندہ نبی کے آنے کی خبر پر جو اس سے پہلے دی گئی تھی سوال پیدا ہوتے تھے۔

پہلا سوال یہ کہ کیا باوجود اس کے کہ قرآن کریم کی تحدیث کا حکم دیا گیا ہے مسلمان اسے بھول جائیں گے جو پھر نبی کی ضرورت پیش آئے گی؟

دوسرا سوال یہ کہ آنے والا نبی کون ہوگا اور اسکی آنحضرتؐ سے کیا نسبت ہوگی؟

تیسرا سوال یہ کہ پہلے صحیفوں کی طرح مردور زمانہ سے قرآن میں بھی تغیر و تبدل تو

نہیں ہو جائے گا؟

چوتھا سوال یہ کہ کسی کتاب میں تغیر و تبدل نہ ہو پھر بھی تو بدلے ہوئے حالات کی وجہ سے نئی کتاب کی ضرورت پیش آسکتی ہے کیا وہ نئی قرآن ہی پیش کریگا یا نئی کتاب لائیگا؟۔

اور

پانچواں سوال یہ کہ اسوقت اسلام کو ساری دنیا پر غالب کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کیا تدبیر بروئے کار لائیگا؟۔

اگلی سورۃ یعنی سورۃ الانشراح میں ان سوالوں کا جواب دیا گیا۔

=====

سورۃ الانشراح میں مذکورہ بالا سوالوں کا جواب

اس سورۃ کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:-

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۲)

کیا ہم نے تیرا شرح صدر نہیں کر دیا۔

مستند روایات اور احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ کو دوبار ایک واقعہ پیش آیا جو شرح صدر یا شرح صدر کے نام سے موسوم ہے (بعض روایات میں اس سے زیادہ بار یہ واقعہ پیش آنے کا ذکر بھی آتا ہے لیکن جیسا کہ علامہ شبلی کی تصنیف سیرۃ النبیؐ میں ثابت کیا گیا ہے وہ روایات کمزور اور ناقابل قبول ہیں)۔

پہلی بار یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضورؐ کی عمر چار یا پانچ سال کی تھی اور حضورؐ اپنی دایہ حضرت حلیمہ کے پاس رہا کرتے تھے اور دوسری بار معراج کی رات یعنی قریباً چھٹے سال نبوت میں۔ پہلی بار کے واقعہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ فرشتے آئے انہوں نے حضورؐ کو لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کیا۔ اس میں سے دل باہر نکالا اور اسے دھو کر پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ حضورؐ کے رضائی بھائی اور ساتھ کھیلنے والے دوسرے بچوں نے بھی یہ نظارہ دیکھا اور جب حضورؐ کی دایہ کو اس کی اطلاع ہوئی اور انہوں نے آکر حضورؐ سے پوچھا کہ کیا ہوا ہے تو حضورؐ نے ساری بات بتائی اور فرمایا وہ میرے دل میں کوئی چیز ڈھونڈتے تھے جسے انہوں نے نکال دیا اور کہا کہ یہ شیطان کی آلائش تھی جو اب آپؐ سے دور کر دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک کشفی نظارہ تھا جسے حضورؐ کے

ساتھ کے بچوں نے اسی طرح دیکھا جیسے ایک دفعہ جبرائیل حضورؐ کے پاس آئے تو حاضر مجلس صحابہؓ نے بھی ان کو دیکھا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ دل کو دھونے کی ضرورت آلودگی کو چاہتی ہے جو روحانی ہی ہو سکتی تھی کیونکہ یہ روحانی نظارہ تھا اور خود فرشتہ نے حضورؐ کو یہ کہا کہ جو چیز اس نے دور کر دی ہے وہ شیطانی آلودگی تھی۔ لیکن نبی گناہ کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے اس لئے اس سے گناہ سے ورے کی کوئی آلودگی ہی مراد ہو سکتی تھی۔ یعنی وہ چیز جو گناہ تو نہیں تھی مگر پینے دی جاتی تو گناہ پر منج ہو سکتی تھی۔ بات یہ ہے کہ وہ عمر جس میں آنحضورؐ نے پہلی دفعہ یہ نظارہ دیکھا ایسی نہیں ہوتی کہ اس عمر کے انسان کا کوئی فعل گناہ کہلا سکے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اس عمر سے ہی شیطان اسے اپنی راہ پر ڈالنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ یعنی اگرچہ اسے گناہ کی بیماری تو اس عمر میں نہیں لگتی لیکن ایسے ”جراثیم“ شیطان اس کے اندر ضرور داخل کرنے لگ جاتا ہے جنہیں اگر ختم نہ کیا جائے تو آئندہ چل کر اسے گناہ کی بیماری لگ سکتی ہے۔ لہذا اس کشف کے پیرایہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ شیطان جو کاروائی اس عمر کے سب انسانوں پر کرتا ہے وہ اس نے آنحضورؐ پر بھی کرنے کی کوشش کی تھی۔ یعنی وہ جراثیم جو اگر بوھنے دیئے جاتے تو گناہ کی بیماری کا موجب ہو سکتے تھے اس نے آپؐ کے دل میں بھی داخل کیئے تھے مگر خدا تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے شر سے نجات دے دی ہے اس لئے آپؐ کو گناہ کی بیماری نہیں لگ سکتی۔ اسی حقیقت کو آنحضورؐ ﷺ نے یہ ایسے الفاظ بیان فرمایا کہ **إِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرَنِي إِلَّا بِخَيْرٍ**۔ اللہ نے شیطان کے خلاف میری مدد کی سو وہ مسلمان ہو گیا ہے اس لئے سوائے خیر کے مجھے کسی بات کی تحریک نہیں کرتا۔ لیکن خیر کی تحریک کرنا تو شیطان کا منصب ہی نہیں اس لئے اس قول سے حضورؐ کی مراد یہی ہو سکتی تھی کہ اس کی ہر تحریک منج خیر ہی پر ہوگی۔

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دھونے سے پہلے فرشتہ نے حضورؐ کے دل کو سینہ سے باہر کیوں نکالا اور اگر وہاں اس کے لئے کوئی خطرہ تھا تو پھر اسے وہاں واپس کیوں رکھا؟ سو جاننا چاہیے کہ دل کو سینہ سے باہر نکالنے میں یہ اشارہ تھا کہ گناہ سے بچنے کے لئے اس ماحول سے جو گناہ کی طرف لے جاسکتا ہو نکلنا ضروری ہوتا ہے (یہی وجہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ”جو شخص بد رفتی کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے

نہیں۔“ اور دھونے کے بعد اسے سینے میں واپس رکھ دینے میں یہ اشارہ تھا کہ دھونے کے عمل سے جراثیم کی اس آلودگی میں جو آپؐ کے دل کو لگ گئی تھی کوئی ایسی تبدیلی آگئی ہے کہ آئندہ آپؐ کے دل کو نہ ان پہلے جراثیم سے کوئی خطرہ رہا ہے اور نہ نئے جراثیم سے کوئی خطرہ۔ یعنی وہ پہلے جراثیم نہ صرف یہ کہ مردہ ہو گئے ہیں بلکہ نئے جراثیم کے لئے ایٹنی باڑی یعنی مہلک بھی بن گئے ہیں۔

دوسری بار کے واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ آپؐ کے پاس آئے آپؐ کو زمزم کے پاس لے گئے یا بہ اختلاف روایت زمزم کا پانی آپؐ کے پاس لائے۔ آپؐ کا سینہ مبارک کھول کر دل باہر نکالا اور اسے زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر سونے کی ایک طشتری لائی گئی (یعنی کوئی اور لایا نہ کہ حضرت جبرائیلؑ) جو ایمان و حکمت سے پُر تھی اور حضرت جبرائیلؑ نے ایمان و حکمت کے اس خزانہ سے آپؐ کے دل کو بھرا اور پھر واپس رکھ کر سینہ کو بند کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کے سینہ مبارک کو دھونے سے حضرت جبرائیلؑ کی غرض یہ تھی کہ ایمان و حکمت کی باتوں (یعنی قرآنی تعلیمات) کے ساتھ بھرنے سے پہلے اسے مانع ایمان و حکمت باتوں سے پاک کر لیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں دل کو دھونے کی ضرورت آلودگی کو چاہتی ہے اور جیسا کہ شرح صدر کے پہلے واقعہ سے ظاہر ہے آنحضورؐ کے دل کو بچپن ہی میں دھو کر شیطانی آلودگی سے نہ صرف پاک کر دیا گیا تھا بلکہ آئندہ کے لئے اس سے مامون بھی بنا دیا گیا تھا۔ لہذا آپؐ کے عہد نبوت میں اور اس عہد کے بھی چند سال گزر جانے پر جو آپؐ کو ویسا ہی نظارہ دوبارہ کرایا گیا یعنی آپؐ کے دل کو دوبارہ دھویا گیا تو ماننا پڑے گا کہ اس دوسرے کشف میں حضور ﷺ سے حضورؐ خود نہیں بلکہ حضورؐ کی امتؒ مراد تھی اور یہ نظارہ دکھایا جانا بطور پیشگوئی کے تھا۔ یعنی اس سے مراد یہ تھی کہ کسی آئندہ زمانہ میں آپؐ کی امتؒ کا دل شیطانی باتوں یعنی مانع ایمان و حکمت باتوں سے آلودہ ہو جائے گا اور اسے دھو کر پاک کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ چنانچہ حضرت جبرائیلؑ پہلے اسے دھوئیں گے اور اس کے بعد ایمان و حکمت سے بھر دیں گے۔ مگر اس سے یہ مراد بہر حال نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت جبرائیلؑ یہ کام بلا واسطہ ہی کریں گے بلکہ مراد یہ تھی کہ بتائید ملائکہ اس زمانہ میں آنے والے نبی کے ہاتھ سے یہ کام ہوگا۔ کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ وہ

یہ کام ہمیشہ نبی وقت کے ہاتھ سے کروانا ہے اگرچہ اُس کے فرشتوں کی تائید اُسے حاصل ہوتی ہے۔ جبھی حضرت ابراہیمؑ نے مکہ والوں کے لئے یہ دعا نہیں کہ الہی ان کو پاک کرنا اور کتاب اور حکمت سکھانا بلکہ یہ دعا کی کہ ان میں نبی مبعوث کرنا جو یہ کام کرے اور جبھی زیرِ نظر کشف میں وہ ایمان و حکمت سے بھری ہوئی سنی بھی کہ جس کا اس میں ذکر ہے جبرائیلؑ خود نہیں لائے بلکہ وہ ”لالائی گئی“ یعنی کوئی اور لایا۔

اس کشف کی دوسری خاص چیز ایمان اور حکمت سے پر سونے کی طشتری تھی اور تیسری خاص چیز زمزم کا پانی تھا جس کے ساتھ (ایمان و حکمت کے ساتھ بھرنے سے پہلے) فرشتہ نے آپؐ کے دل کو دھویا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس پانی سے وہ پانی مراد ہے جس میں دل کو مانع ایمان و حکمت باتوں سے پاک کرنے کی صلاحیت تھی۔ مگر یہ صلاحیت کسی مادی پانی میں نہیں ہوتی اس لئے اس سے کوئی روحانی پانی ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اور سورۃ الجمعہ کی آیت **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ تعلیم کتاب و حکمت کے پانے سے پہلے تزکیہ نفوس یعنی دلوں کا پاک ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مگر یہ پاکیزگی بھی آیات اللہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے (جو کتاب اللہ کا حصہ بھی ہو سکتی ہیں اور اس کے علاوہ بھی ہو سکتی ہیں)۔ لہذا اس کشف میں دکھائے جانے والے آب زمزم سے وہ آیات مراد ہیں جن سے پیشتر اس کے کہ کتاب و حکمت کی تعلیم دی جائے ظاہر میں نبی وقت اور در پردہ حضرت جبرائیلؑ لوگوں کے دلوں کو شبہات سے پاک کرنے کا کام لیتے ہیں۔

سونے کی طشتری یا سینی سے قرآن مراد ہے جسے بوجہ سونے کی طرح خارجی اثرات سے محفوظ ہونے کے سونے سے بنی ہوئی دکھایا گیا اور بوجہ کھلی کتاب یعنی کتاب مبین ہونے کے طشتری کی شکل میں دکھایا گیا اور بوجہ ایمان سے متعلق تمام ضروری امور پر مشتمل اور سراسر حکمت ہونے کے سونے کی ایسی طشتری کی صورت میں دکھایا گیا جو ایمان و حکمت سے پر تھی۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایمان و حکمت سے قرآنی تعلیمات ہی مراد تھیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ زمزم کا تعلق حضرت اسماعیلؑ سے ہے جو ایک عظیم نبی اللہ کے بیٹے اور آئندہ چل کر خود بھی نبی بننے والے تھے۔ لیکن اس پانی کے زمین سے نکلنے کے وقت انہی

بالغ نہیں ہوئے تھے اور یہ تعلق اس وقت سے تھا جب وہ ہڈتِ پیاس کی وجہ سے شدید بےقراری دکھا رہے اور زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے (جو ایک بچہ کی زبان میں ایک صورتِ مضطرانہ دعا کی تھی) اور خدا تعالیٰ نے (ان کی اس دعا کو قبول کر کے) ان کے پاؤں کے نیچے سے وافر پانی کا چشمہ پھوڑ دیا تھا (جس کی وجہ سے وہ زمزم کہلایا) جو اس وقت سے ان کے نبی بننے تک بلکہ تا ایں دم جاری ہے اور ایک عالم اس سے سیراب ہوا اور ہو رہا ہے۔ لیکن وہ پانی ان کے پاؤں کی رگڑ سے پیدا نہیں ہو گیا تھا بلکہ وہ پہلے سے وہاں موجود تھا گو اس کی موجودگی کا کسی کو احساس نہ ہو۔ ہوا صرف یہ تھا کہ ان کے زمین پر ایڑیاں رگڑنے سے جو بچہ کی زبان میں ایک رنگِ مضطرانہ دعا کا تھا وہ پانی اسی طرح اوپر کھینچ آیا تھا جیسے اگر ماں دودھ محسوس نہ بھی کر رہی ہو تو بچے کے بھوک سے رونے اور چلانے پر اس کی چھاتیوں میں دودھ ابھر آتا ہے۔

پس اس کشف کی طرف متوجہ کر کے خدا تعالیٰ نے سورۃ النبیؑ پر پیدا ہونے والے سوالات مندرجہ صفحہ ۵۸۴-۵۸۵ کا جواب دیتے ہوئے مندرجہ ذیل باتیں بتائیں۔

نمبر ۱ یہ کہ بیشک آئندہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں مسلمان کہلانے والوں کے دل مانعِ ایمان و حکمت باتوں سے اس قدر آلودہ ہو جائیں گے کہ انہیں اور قرآن کی صورت میں اترنے والے روحانی پانی میں (جو ایمان و حکمت ہی کا دوسرا نام ہے) ایسا بعد واقع ہو جائے گا کہ گویا وہ سطحِ زمین سے نیچے اتر جائے گا۔ یعنی اگرچہ دنیا میں موجود تو ہوگا مگر لوگوں کے لئے اس سے استفادہ مشکل ہو جائے گا اور (جیسا کہ آیت **قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ** - الملک ۳۱:۶۷ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے) سوائے اس شخص کے جس پر خدا تعالیٰ کی خاص نظر کرم ہو اور خدا اس سے یہ کام لینا چاہیے کسی بھی انسان میں یہ طاقت نہیں ہوگی کہ اس پانی کو **مَاءٍ مَّعِينٍ** کی صورت میں سطحِ زمین پر لا کر اس سے استفادہ آسان بنا دے۔ ہاں ایسے شخص سے خدا تعالیٰ ضرور یہ کام لیگا۔ کیونکہ اگر اس نے اس پانی کو پھر سطحِ زمین پر نہ لانا ہوتا تو اسے خشک کر دیتا غوراً نہ کرتا۔

نمبر ۲ یہ کہ اس وقت خدا تعالیٰ جس شخص کو کھڑا کرے گا وہ جو حضرت اسماعیلؑ کی طرح ایک بزرگ نبی کا بیٹا اور آئندہ چل کر خود بھی نبی بنے والا ہوگا یعنی آنحضرتؐ کا روحانی بیٹا ہوگا (کیونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور آیت **خَاتَمُ النَّبِيِّينَ** کی رو سے آپؐ کی جسانی اولاد کے اور

دوسرے نبیوں کی روحانی اولاد کے سلسلہ کے چلنے کی نفی ہو چکی ہے)۔ اور

نمبر ۳ یہ کہ قرآن میں تغیر و تبدل نہیں ہوگا تاہم چونکہ یہ روحانی پانی اس وقت مسلمانوں کی دسترس سے دور ہو چکا ہوگا (گویا سطح زمین سے بہت نیچے چلا گیا ہوگا) اسے پھر سے اوپر لا کر اس سے استفادہ آسان بنادینے یا بہ الفاظ دیگر اسکی تعلیمات کے احیاء کے لئے آپؐ کا ربؐ اس شخص کے دل میں شدید تڑپ پیدا کر دے گا جو حضرت اسماعیلؑ کی مادی پانی کے لئے تڑپ کی طرح بالکل فطری ہوگی اور اس کی اس تڑپ یا مضطرانہ دعا کو قبول فرماتے ہوئے جو وہ (اسی طرح جس طرح حضرت اسماعیلؑ اپنے زمانہ قبل از نبوت میں اپنی اس وقت کی زبان میں مادی پانی کے لئے کر رہے تھے) اپنے زمانہ قبل از نبوت سے کر رہا ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کے پاؤں کے نیچے سے یعنی اس خوش قسمت زمین سے کہ جس پر اس کے بیقرار مبارک قدم بار بار پڑے ہوں گے اس روحانی پانی یعنی قرآنی علوم و معجزات و برکات کا چشمہ پھوڑ دے گا اور اسے پھر سے سطح زمین پر لا کر اس سے استفادہ آسان بنا دے گا۔ اور

نمبر ۴ یہ کہ اس وقت حضرت جبرائیلؑ اُس محمدیہ کے ان افراد کے سینہ کو ہدایت کے لئے کھول دیں گے (جو باوجود اپنی کمزور ایمانی یا عملی حالت کے اس لائق ہوں گے کیونکہ آنحضورؐ کے ساتھ تھوڑی بہت مناسبت ان کو ہوگی جیسا کہ اس کشف میں ان کے حضورؐ کی صورت میں دکھائے جانے سے ظاہر ہے) اور ان کے سینہ کو کھولنے کے بعد ان کے دلوں کو اپنی مخفی تحریکات کے ذریعہ اس چشمہ کے پاس جو اس نبی کے ذریعہ پھوٹا ہوگا لے جائیں گے یا پھر اس چشمہ کو ان کے پاس لے آئیں گے یعنی یا تو ان لوگوں کو اس نبی کی جائے ظہور تک جہاں سے وہ چشمہ پھوٹا ہوگا یعنی قادیان مقدس تک لے جائیں گے اور اس چشمہ کے پانی یعنی قرآنی براہین و برکات و معجزات اور تاثیرات کے ساتھ ان کو قرآن کریم اور حضورؐ کی صداقت یا اسلام کے از سر نو احیاء وغیرہ کے بارہ میں شبہات سے پاک کریں گے یا پھر اس چشمہ کو ان لوگوں کے پاس لے جائیں گے یعنی کسی ترکیب سے اس نبی یا اس کے صحابہ یا اس کی تحریرات کو ان تک پہنچائیں گے اور اس طرح ان کے شبہات کے ازالہ کا سامان کریں گے۔ اور

نمبر ۵ یہ کہ اس کے بعد وہ ان کے دلوں کو وسیع تر قرآنی علوم اور حکمتوں سے بھر کر اوپر سے ان کا سینہ سی دیں گے یعنی انہیں مضر خارجی اثرات سے جو ان کے لئے ٹھوکر دار تدا کا

موجب ہو سکتے ہوں محفوظ کر دیں گے۔

آنحضور ﷺ کے شرح صدر والے کشف کی یہ تعبیر کرتے ہوئے ہم نے زمزم کے پانی اور سونے کی طشتری یا سنی دونوں کا اطلاق قرآن کریم پر کیا ہے جو شِفَاءَ لِمَا فِی الصُّدُورِ ہے اور اس میں آنحضور کے کشف والے زمزم کے پانی کی طرح دلوں کو شہادت سے پاک کرنے والی آیات بھی ہیں اور ایمان اور حکمت بخشنے والی آیات بھی ہیں۔ لیکن اگر زمزم اور سونے کی طشتری کو دو بالکل الگ الگ چیزیں سمجھا جائے تو چونکہ ہر نبی کے بارہ میں پہلے بزرگوں اور کتب کی پیشگوئیاں بھی ہوتی ہیں اور ان کے زمانہ کے بعض لوگوں کو بھی ان کے بارہ میں خدا کی طرف سے اشارات ہوا کرتے ہیں اور جن لوگوں کو ہدایت دینا منظور ہو بعض دفعہ خود ان کو بھی خدا تعالیٰ روایا وغیرہ میں اشارے فرما دیا کرتا ہے اور حضرت مسیح موعود کیلئے تو یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ کا الہام بھی تھا۔ اس لئے اس صورت میں اس کشف سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت جبرائیل بعض لوگوں کو نبی وقت کے بارہ میں پہلے بزرگوں کی پیشگوئیوں کی طرف متوجہ کریں گے یا موجود الوقت بزرگوں کے پاس لے جائیں گے یا ان کی طرف متوجہ کر دیں گے جو خدائی اشاروں کی بنا پر اس نبی کی تصدیق کریں گے یا پھر اس زمزم کو ان کے پاس لے آئیں گے یعنی خود ان کو روایا و کشف وغیرہ کے ذریعہ اس کی صداقت کی طرف متوجہ کر دیں گے اور جب انہیں ان کے بارہ میں کوئی شبہ نہیں رہے گا تو ان کے دلوں کو قرآن کریم میں مذکور ایمان اور حکمت کی باتوں سے جو وہ نبی ظاہر فرمائے گا بھر دیں گے۔

آگے آنے والی آیات اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں اس مضمون کی تاکید کی گئی اور بتایا گیا کہ جس طرح اس زمانہ (یعنی نزول قرآن کے ابتدائی زمانہ میں) روحانی اعتبار سے عمر کے حالات ہیں جو اب محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے یسر میں بدلنے والے ہیں اسی طرح آئندہ پھر عمر کے حالات پیدا ہوں گے (جو اگرچہ دوسری آیات میں مذکور اشارات کے مطابق لمبا عرصہ رہیں گے) مگر ہوں گے وہ بھی عارضی ہی اور ایک نبی کے جو حضرت اسماعیلؑ کی طرح بیٹا بھی ایک نبی اللہ کا ہوگا آنے کے ساتھ یسر میں بدل جائیں گے۔ چنانچہ اس نبی حضرت مہدی علیہ السلام نے جنہیں النبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا بیٹا قرار دیا آکر خود فرمایا:-

”اسلام نے بڑے بڑے مصائب کے دن گزارے ہیں۔ اب اس کا خزاں گزر چکا ہے اور اب اس کے واسطے موسم بہار ہے
 اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔“ (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۴۱۳)
 گویا آپ نے بھی اس آیت سے یہی استدلال کیا اور پھر فرمایا خدا تعالیٰ ہمارے مخالف
 علما کے حال پر رحم فرمائے:-

”وہ زمانہ ان کو بھول گیا جب وہ منبروں پر چڑھ کر تیرہویں صدی کی
 مذمت کرتے تھے.... اور آیت اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ
 الْعُسْرِ يُسْرًا پڑھ کر اس سے استدلال کیا کرتے تھے کہ اس عمر کے
 مقابل پر چودھویں صدی سیر کی آئے گی۔ لیکن جب انتظار کرتے کرتے
 چودھویں صدی آگئی اور عین صدی کے سر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک
 شخص بدعنوانی مسیح موعود پیدا ہو گیا اور نشان ظاہر ہوئے اور زمین و آسمان
 نے گواہی دی تو اذل المنکرین یہی علماء ہو گئے۔“ (تحفہ گولڑیہ صفحہ ۱۳۵)
 بہر حال جب یہ خبریں دی گئیں تو ان پر کئی سوال پیدا ہوتے تھے۔ پہلا سوال یہ کہ کیا
 انسان گندی فطرت لے کر دنیا میں آتا ہے جو خدا تعالیٰ کو اس کی طرف بار بار رسول بھیجنے کی
 ضرورت پیش آتی ہے۔ دوسرا سوال یہ کہ اگر واقعی خدا ہی بار بار رسول بھیجتا ہے تو ان کی
 تعلیمات میں فرق کیوں پایا جاتا ہے؟۔ اور تیسرا سوال یہ کہ جب ایک صاحب شریعت نبی
 (موسیٰ) کچھ ہی عرصہ پہلے آچکا ہے اور اس کی کتاب بھی موجود ہے تو کسی اور صاحب شریعت نبی
 کی کیا ضرورت تھی۔ اور چوتھا سوال یہ کہ جس رسول کے آئندہ آنے کا وعدہ دیا گیا ہے وہ
 کب آئے گا۔ اس کی کیا خصوصیات ہوں گی۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کی کیا
 نسبت ہوگی اور اس کا آئسٹ میں کیا مقام ہوگا۔ اگلی سورۃ یعنی سورۃ النہل میں خدا تعالیٰ نے ان
 سوالوں کا جواب دیا۔

=====

سورۃ الزین میں مہدیؑ کا ذکر اور مذکورہ بالا سوالوں کے جواب

فرمایا:-

وَالَّذِينَ وَالزَّيْتُونَ (۲) وَطُورِ سَيْنِينَ (۳) وَهَذَا الْبَلَدُ
الْأَمِينُ (۴) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۵) ثُمَّ
رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (۶) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (۷) فَمَا يُكَذِّبُكَ
بَعْدُ بِالذِّينِ (۸) أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ (۹)

قسم ہے تین اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ اور اس امن والے شہر
(مکہ) کی۔ یقیناً ہم نے انسان کو بہت عمدہ سرشت دے کر پیدا کیا۔ پھر
ہم نے اسے ادنیٰ سے ادنیٰ حالت کی طرف لوٹا دیا۔ سوائے ان لوگوں
کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اور مناسب حال عمل کیئے۔ سو ان
کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ سو اس کے بعد کون سی چیز تجھے دین
کے بارہ میں جھٹلائے گی۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں۔

طُورِ سَيْنِينَ اور اَلْبَلَدُ الْاَمِينُ یعنی مکہ مکرمہ بلاشبہ دونوں حضرات موسیٰ اور حضرت
محمد رسول اللہ ﷺ کی جائے ظہور ہیں اس لئے ضرور ہے کہ تین اور زیتون بھی نبیوں کی جگہ (بوجہ
اسکے کہ دوسرے دو مقامات طُورِ سَيْنِينَ اور اَلْبَلَدُ الْاَمِينُ کے برعکس انہیں ایک آیت میں
جمع کیا گیا ہے یہ) کسی ایک نبی کی جائے ظہور ہی کے نام ہوں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؑ
نے فرمایا ہے کہ یہ یروشلم کی ان دو پہاڑیوں کے نام ہیں جو حضرت مسیحؑ کی جائے ظہور ہیں۔ ان
دونوں کے مجموعہ کا نام ساعمر ہے۔ (دیکھیں حقائق الفرقان ص ۴۱۹)

اگر ان آیتوں میں پہلے طور سینین پھر تین اور زیتون کی اور آخر میں بَلَدُ الْاَمِينِ کی قسم
کھائی گئی ہوتی یعنی پہلے حضرت موسیٰ پھر حضرت مسیحؑ اور آخر میں حضرت نبی کریم ﷺ کی جائے
ظہور کا ذکر ہوتا تو چونکہ یہ انبیاء اسی ترتیب سے ظاہر ہوئے یہ ایک سیدمی سطر بنتی۔ لیکن پہلے تین
اور زیتون کی۔ پھر طور سینین کی اور پھر بلد الامین کی قسم کھانا بتاتا ہے کہ یہاں ایک قسم کی تکون

بنائی گئی ہے جس کے ایک سرے پر حضرت مسیحؑ کا دوسرے پر حضرت موسیٰؑ کا اور تیسرے سرے پر آنحضرتؐ کا نام ہے اور اس طرح حضورؐ کا نام ایک طرف حضرت موسیٰؑ اور دوسری طرح حضرت مسیحؑ کے ساتھ ملا کر یہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ ان دونوں کے (جن میں سے ایک جلالی اور دوسرے جمالی نبی تھے) مثل ہیں یعنی آپؐ جامع جلال و جمال نبی ہیں اور آپؐ کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اب اس تعلیم کا وقت آگیا تھا جو افراط و تفریط سے پاک ہو۔ نہ موسوی تعلیم کی طرح حد سے زیادہ سختی کی حامل ہو نہ مسیحی تعلیم کی طرح حد سے زیادہ نرمی کی حامل ہو۔ اور مسیحؑ کا نام ایک طرف حضرت موسیٰؑ کے اور دوسری طرف آنحضرتؐ کے نام کے ساتھ ملا کر بتایا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد قریباً ۱۳۰۰ سال گزر جانے پر یعنی ان کے سلسلہ کے آخرین میں ایک مسیحؑ آیا جو موسوی سلسلہ ہی کا نبی تھا اور تورات ہی کی تعلیم دینے کو آیا تھا اسی طرح آنحضورؐ کے سلسلہ کے آخرین میں بھی ویسی ہی مدّت گزرنے پر ایک مسیحؑ آئے گا جو محمدی سلسلہ کا نبی ہوگا اور قرآن ہی کی تعلیم دینے کو آئے گا۔ اور چونکہ آنحضورؐ نے واضح طور پر فرما دیا ہوا ہے کہ لا مہدی الا عیسیٰ (یعنی کے سوا کوئی مہدی نہیں) اس لئے اس طریق پر ان آیات میں مہدی موعودؑ کی بعثت کا وقت اور اس کی آنحضورؐ کے ساتھ نسبت بیان کر دی گئی ہے۔

تین نبیوں کے ظہور کے ان مقامات کی قسم کھا کر جواب قسم میں فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ. التَّقْوِيم کے معنی ہیں التَّعْدِيل (اُتْقَاب) یہ الفاظ انسان کے لئے بھی بطور حال ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ حال فی احسن تقویم انسان کو ایسا بنایا ہے کہ تعدیل و اصلاح کرنے میں بے نظیر ہے۔ لیکن اگر احسن تقویم کو اللہ کے لئے حال سمجھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اپنی تعدیل کی صفت کامل طور پر انسان کی پیدائش میں ظاہر کی ہے۔ پہلی صورت میں الانسان سے کاملین مراد ہیں جن کا قسم والی آیتوں میں بطور مثال ذکر ہوا اور دوسری صورت میں جنس انسان مراد ہے۔

چونکہ پچھلی سورۃ پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ بار بار نبی کیوں بھیجتا ہے تو ان کی تعلیم میں فرق کیوں ہوتا ہے۔ یہاں اس کا جواب دیا اور بتایا کہ ان کی تعلیم میں جو فرق نظر آتا ہے وہ تو خوبی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کاملین انسان کی تعدیل کرنے میں بے نظیر ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو تین اور زیتون پہاڑوں پر ظاہر ہونے والے نبی حضرت مسیحؑ نے جو

حد درجہ نرمی کی تعلیم دی تو اس لئے کہ اس وقت اسی تعلیم کی ضرورت تھی کیونکہ ان سے پہلے آنے والے نبی حضرت موسیٰؑ نے دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک وغیرہ کی جو تعلیم دی تھی اس کی وجہ سے بنی اسرائیل میں حد سے زیادہ سختی آگئی تھی اور مسیح کے بعد آنے والے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو میانہ روی کی تعلیم دی تو اس لئے کہ مرور زمانہ کے ساتھ مسیح کی حد سے زیادہ نرمی کی تعلیم بھی برے نتائج پیدا کرنے لگ گئی تھی اور اس کے نتیجہ میں اس تعلیم کے اختیار کرنے والوں میں بے غیرتی اور قنوتی اور بزدلی آگئی تھی۔ پس مختلف وقتوں میں نبیوں کا آنا اور بظاہر مختلف تعلیم لے کر آنا قابل اعتراض نہیں کیونکہ ان سب کی تعلیم ایک ہی مقصد کی طرف لے جانے والی تھی۔ البتہ جب حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سختی کے وقت سختی اور نرمی کے وقت نرمی سے کام لینے کی تعلیم آگئی تو اس کے بعد کسی نئی کتاب کی ضرورت نہ رہی۔ لیکن انسان چونکہ خطا اور نسیان سے مرکب ہے اس تعلیم کی یاد دہانی کی ضرورت ضرور پڑنے والی تھی اس لئے آئندہ بھی نبی کا آنا مقدر کیا گیا۔

ثُمَّ رَدَّ ذُنُوهٖ اَسْفَلَ سَافِلِیْنِ فرمایا جہاں خدا تعالیٰ انسان کو ترغیب دیتے دیتے اس مقام بلند تک لے جاتا ہے کہ وہ (خود ہی تعدیل پر قائم نہیں ہوتا بلکہ) دوسروں کی تعدیل کرنے میں (بھی) بے نظیر ہو جاتا ہے وہاں اگر وہ تمزل کی طرف رخ کرے تو پھر اسے اسفل سافلین میں بھی خدا ہی لے جاتا ہے۔ لیکن بلا نوٹس نہیں بلکہ موسیٰؑ کے بعد عیسیٰؑ کو بھیجے کی طرح پہلے نبی بھیج کر تجدید دین کرتا اور انسان کو عقائد و اعمال میں اصلاح کا موقع دیتا ہے اور جو لوگ اس پر ایمان لے آئیں اور اعمال صالحہ بجالائیں یعنی نبی کی ہدایت پر عمل بھی کریں صرف انبیاء پر ایمان کو کافی نہ سمجھ لیں ان کے لئے (اس کی طرف سے) غیر منقطع اجر ہوتا ہے۔ اس میں نہایت لطیف طریق سے بتایا کہ خدا تعالیٰ کسی کو اسفل سافلین میں لے جانا نہیں چاہتا۔ بات صرف یہ ہے کہ جو شخص تعدیل کی راہ کو چھوڑتا ہے وہ اس اجر سے جو اس راہ پر چلنے کا اسے مل رہا تھا محروم ہو جاتا ہے جس کا طبعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسفل سافلین میں جا پڑتا ہے۔ پس اصل میں وہ خود ہی اپنے تئیں اسفل سافلین میں لے جاتا ہے مگر اعمال کا نتیجہ چونکہ خدا نکالتا ہے اس لئے اسے اس کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس کے بعد فرمایا:-

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّیْنِ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَكِمِیْنَ

اوپر کی آیات میں خدا تعالیٰ نے پہلے تو نبیوں کے آنے کی غرض بیان کی تھی۔ پھر ان سے استفادہ نہ کرنے کا نقصان بتایا تھا اور آخر میں آیت **إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا...** لاکر ان لوگوں کے ذریعہ جن سے ایمان کا تعلق ہوتا ہے یعنی نبیوں کے ذریعہ تجدید دین کی ضرورت واضح کی تھی اس لئے اس کے بعد جو یہ فرمایا کہ **فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّينِ** تو ظاہر ہے کہ اس میں حذف مضاف ہے اور دین سے تجدید دین مراد ہے اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو کہا یہ گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی عقلمند (نبی کے ذریعہ) تجدید دین کی ضرورت کے بارہ میں تجھے جھٹلا نہیں سکتا۔ البتہ نبی کے آنے پر بعض لوگوں کو یہ خیال ضرور ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص کو نبی کیوں بنایا فلاں کو کیوں نہیں بنایا (جیسا کہ آیت **وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْتَيْنِ عَظِيمٍ** میں بھی اس کا ذکر ہے۔ الزخرف ۳۳:۳۲) اور آئندہ آنے والے نبی مہدی موعود علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسا ہی ہوگا اس لئے ہم پوچھتے ہیں کہ

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ

کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں۔

یعنی جب وہ احکم الحاکمین ہے تو پھر یہ فیصلہ کرنا کہ کس کے سپرد یہ ذمہ داری کرے کس کے سپرد نہ کرے اس کا کام ہے۔ چونکہ یہ موقع یہ کہنے کا تھا کہ **اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ** اللہ ہی جانتا ہے کہ کسے اپنا رسول بنائے۔ اس لئے بظاہر یہ کہا جانا چاہیے تھا کہ کیا اللہ **أَفْضَلُ الْمُرْسَلِينَ** نہیں ہے مگر کہا یہ گیا ہے کہ کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ یہاں تجدید دین کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور جب دین موجود ہو تو اس کی تجدید کے لئے آنے والے کا اصل منصب حکم کا ہوتا ہے اس لئے **أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ** فرما کر یہ اشارہ کیا کہ آنے والا حکم وقت ہوگا اور جو شخص سب سے زیادہ اس منصب کے لئے موزوں ہوگا اللہ اسی کے سپرد یہ منصب کرے گا۔ اور چونکہ اس سے پہلے یہ بھی بتایا جا چکا ہے تعدیل کی صفت میں سب انسانوں سے بڑھے ہوئے کالمین ہوتے ہیں اور ان میں سے کامل ترین انبیاء ہوتے ہیں اس لئے یہ اشارہ بھی اس سورۃ سے لکھا ہے کہ مہدی موعود صرف حکم ہی نہیں بلکہ حکم عدل ہو کر آئے گا۔ چنانچہ حدیث نبوی میں بھی یہی فرمایا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا منبع یہی سورۃ ہو۔

یہی بات کہ مہدی موعودؑ حکم ہو کر آئے گا ایک اور طریق پر بھی بتائی گئی۔ ہر سورۃ کا شروع سورۃ سے ایک تعلق ضرور ہوتا ہے۔ شروع سورۃ میں آئندہ ایک مسیح کے آنے کی خبر دی گئی تھی۔ لہذا آخر سورۃ میں جو یہ بتایا کہ حکم بنانا خدا کا کام ہے تو اس سے صاف طور پر یہ اشارہ ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ حکم وقت ہوگا۔

=====

سورۃ القدر میں مہدیؑ کا ذکر

سورۃ القدر میں ہے:-

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۲)

یقیناً ہم نے اس (کتاب) کو شب قدر میں اتارا ہے۔

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ نزول قرآن نے اس رات کو جس میں اس کا نزول ہوا قابل قدر بنادیا ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اسے قابل قدر رات میں اتارا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس وقت میں کوئی اہم واقعہ ہو بعض دفعہ اس وقت کو اس واقعہ کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اسے نَسِیمَةُ الشَّیْءِ بِأَسْمِ سَبَبِهِ کہتے ہیں مثلاً اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ میں کبیر کو جو عذاب کی صفت ہے یوم کی صفت قرار دیا گیا ہے پس یہاں اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ کے الفاظ اس لئے رکھے کہ ان الفاظ میں یہ مفہوم بھی کہ نزول قرآن نے اس لیل کو لیلۃ القدر بنادیا ہے آجاتا ہے اور یہ زائد مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس رات کا مقصد یہ تھا کہ اس میں کلام الہی کا نزول ہو۔ یعنی اس وقت ظلمتِ معصیت و گناہ اتنی بڑھ گئی تھی کہ آفتابِ ہدایت کا طلوع ضروری ہو گیا تھا۔ اور جب ضرورتِ زمانہ کو نزول کلام الہی کا موجب ٹھہرایا تو اسی میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ جب بھی ایسی ضرورت پیش آئے گی یہی عمل دہرایا جائے گا۔ چنانچہ آگے تَنْزِیْلُ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوْحِ فِیْہَا میں مضارع کا صیغہ لا کر جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اس مضمون کو اور بھی کھول دیا اور بتادیا کہ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اب بھی ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کا دوبارہ نزول پہلے اس کے آسمان پر اٹھ جانے کو چاہتا ہے۔ پس اس میں نہایت وضاحت سے یہ پیشگوئی کی گئی کہ آئندہ ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا میں پھر

تاریکی پھیل جائے گی اور (اگرچہ وعدہ الہی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَآنَا لَهُ لَحَافِظُونَ۔
الحجر ۱۰-۱۵) کے مطابق قرآنی الفاظ محفوظ رہیں گے مگر معنا یہ آسمان پر چلا جائے گا چنانچہ حدیث
نبوی لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مُعَلَّقًا بِالشُّرَيَّا مِثْلِ اس کی طرف واضح اشارہ ہے۔ (اور ظاہر ہے
کہ یہ بات اُمت کے قرآن پر عمل ترک کر دینے ہی کی وجہ سے ہو سکتی تھی اور جیسا کہ آیت
يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (الفرقان ۳۱:۳۵) سے سمجھا جاسکتا ہے
اُمت کی اس حالت کی خبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دی جانی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا
کہ آپ کی روح اپنی اُمت کی اصلاح کے لئے بے قرار ہو اور اس کے لئے زمین پر اپنا بروز
ظہور چاہے۔ چنانچہ جیسا کہ ایسے وقت میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ اور آگے آنے والی آیت تَنْزِيلُ
الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا مِثْلِ اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ اس وقت بھی خدا تعالیٰ آپ کی
اس دلی تڑپ کو دیکھ کر کسی شخص کو آپ کا بروز بنا کر مبعوث فرمادے گا۔ گویا آپ کی روح ایک
نئے قالب میں زمین پر اترے گی۔ اور خدا تعالیٰ اس پر دوبارہ قرآن نازل فرمائے گا۔ یعنی سورۃ
رحمن کی آیات خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کے مطابق خدا تعالیٰ ایک انسان کامل پیدا کر کے
اسے قرآن کے حقائق و معارف اور اس کی تفسیر کا علم دے گا۔ گویا جس طرح نزول قرآن کے
وقت ضرورت زمانہ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بلایا۔ اس وقت بھی زمانہ ہی اس موعود کو
بلائے گا۔ چنانچہ اس موعود نے آکر بعینہ یہی بات کہی کہ:-

”نہ صرف یہ کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف
بلاتا ہوں بلکہ خود زمانہ نے مجھے بلایا ہے۔“

(پیغام صلح آخری سطور)

آگے ہے:-

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (۳) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ

شَهْرٍ (۴)

اور تجھے کیا چیز سمجھائے کہ لیلۃ القدر (کی) کیا (شان) ہے۔ لیلۃ القدر

ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

یہاں عام طرز سے ہفت کر اس رات کو ہزار راتوں یا ہزار سالوں سے بہتر قرار نہیں دیا

گیا۔ بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور شھر کا لفظ جس کے معنی مہینہ کے ہیں نکرہ لایا گیا ہے۔ نکرہ میں کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ لیکن بعض دفعہ یہ تحقیر کے لئے اور بعض دفعہ تعظیم کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس کی عظمت یا اہمیت کی وجہ سے بغیر اس کا نام لئے اس کی طرف ذہن جاسکے۔ پس اگر پہلی صورت ہو یعنی لفظ شھر کی تہنیک تحقیر کے لئے ہو تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ لیلۃ القدر ہزار عام مہینوں یعنی سوا چوراسی سالوں سے بہتر ہے اور اگر اس کا نکرہ لایا جانا تعظیم کے لئے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایسے عظیم ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن کا نام لئے بغیر خود بخود ذہن ان کی طرف جاسکتا ہے۔ یعنی ہزار رمضان سے بہتر ہے (کیونکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے یہاں لیلۃ القدر کو نزول قرآن کا زمانہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح شہرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ میں رمضان کے مہینہ کو نزول قرآن کا مہینہ قرار دیا ہے)۔ اور چونکہ بمطابق آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۱: ۵۷) انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور رمضان کی عبادت باقی سارے سال کی عبادت پر بھاری ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس آیت میں بتایا گیا کہ لیلۃ القدر ہزار سال سے بہتر ہے۔ کیونکہ ہزار رمضان ہزار سالوں میں آتے ہیں چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ نے بھی فرمایا ”الف شھر سے مراد یہاں الف سہ ہے۔“ (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۳۹۸) اور چونکہ عربوں کے ہاں ہزار آخری عدد ہے۔ اس لئے اس سے یہ مراد بھی ہوئی کہ لیلۃ القدر تمام زمانوں سے بہتر ہے۔ گویا اس آیت میں ایک اعتبار سے یہ بتایا کہ لیلۃ القدر ہزار ماہ یعنی ۸۳/۳ سال سے بہتر ہے۔ دوسرے اعتبار سے یہ بتایا کہ یہ ہزار رمضان سے اور بتا برائیں ہزار سال سے بہتر ہے اور تیسرے اعتبار سے یہ بتایا کہ یہ تمام زمانوں سے بہتر ہے۔

قاری قرآن ضرور حیران ہوگا کہ یہ تین باتیں کیوں کہی گئی ہیں۔ اور ان میں سے کس کو درست سمجھنا چاہیے؟ سو جاننا چاہیے کہ جیسا کہ اوپر وضاحت آچکی ہے آیت اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں ظلمت کے زمانہ کو نزول قرآن کی وجہ ٹھہرا کر یہ سمجھایا گیا تھا کہ جب بھی دنیا میں معصیت و گناہ کی ظلمت چھا جاتی ہے نزول قرآن ہوتا ہے۔ پہلے بھی ہوتا رہا ہے (مختلف کتب سادہ کی صورت میں کیونکہ اَوْتُوا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ کے مطابق وہ بھی قرآن ہی کا جز تھیں اور قرآن کے جز کے لئے بھی قرآن کا لفظ آجاتا ہے جیسے خدا کے قول وَقُرْآنَ الْفَجْرِ

میں) اب بھی ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔

چنانچہ قرآن کریم کا ایک نزول تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوا۔ دوسرا نزول سورۃ الحجۃ کے مطابق حضور کی بعثت ثانیہ کے وقت (مہدی موعودؑ پر) ہونا مقدر تھا اور تیسرا نزول حضورؑ کے ارشاد اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثْ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا کے مطابق ہر صدی کے سر پر آنے والے مجددین پر ہونے والا تھا۔ گویا ایک لیلۃ القدر آنحضرتؐ کے ظہور کا زمانہ تھا۔ دوسری لیلۃ القدر مہدی موعودؑ کا زمانہ اور تیسری لیلۃ القدر ہر صدی کے مجدد کے ظہور کا زمانہ۔ پس قرآن کریم نے لیلۃ القدر کو ۱۱۴/۸۳ سال سے۔ ہزار سال سے۔ اور تمام زمانوں سے بہتر قرار دے کر ان میں سے ہر لیلۃ القدر کی نسبتی قدر بیان فرما دی اور بتایا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا زمانہ تمام پہلے اور پچھلے زمانوں سے بہتر ہے۔ مہدی موعودؑ کا زمانہ اپنے سے پہلے کے ہزار سال اور بعد کے ہزار سالوں سے بہتر ہوگا اور مجددین میں سے ہر ایک کا زمانہ اپنے سے پہلے اور بعد کے ۱۱۴/۸۳ سال سے بہتر ہوگا۔

اس آخری خبر سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ نمبر ۱ یہ کہ جس طرح انسان کے (نبی ہو یا غیر نبی) جسمانی قوتی میں ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال کے قریب عرصہ میں زوال آتا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح نبی کے قومی وجود یعنی اس کی قوم پر بھی اس عرصہ میں انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور اس کے روحانی حواس الوداع کی خبر دینے لگ جاتے ہیں لیکن ان سالوں کا شمار نبی کی وفات سے ہوتا ہے اور نمبر ۲ یہ کہ نبی کے روحانی قائم مقام یعنی ایک مجدد کی وفات اور دوسرے مجدد کی جو صدی کے سر پر ظاہر ہونے والا ہوتا ہے تخم ریزی کے درمیان قریباً ہزار ماہ یعنی ۱۱۴/۸۳ سال کا وقفہ ہوتا ہے یعنی اتنے عرصہ میں آنے والا مصلح پیدا ہو کر سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تا کہ صدی کا سر آنے پر وہ خلعت ماموریت سے سرفراز ہو سکے۔ عجیب بات ہے کہ مجدد اُلفت حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب سن بلوغ کو پہنچے تو ایک مجذوب سائیں گلاب شاہ صاحب کو اس کی خبر دی گئی اور انہوں نے میاں کریم بخش صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ ”عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے اور لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا اور قرآن کی رو سے فیصلہ کرے گا اور.... مولوی اس سے انکار کریں گے۔“ سائیں صاحب مذکور کے یہ الفاظ کہ وہ ”قرآن کی رو سے فیصلہ کرے گا“ صاف بتا رہے ہیں کہ موعود عیسیٰ کے نزدیک قرآن قابل عمل

ہوگا لہذا یہ جو انہوں نے کہا کہ ”وہ قرآن کی غلطیاں نکالے گا“ تو اس سے ان کی مراد سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتی تھی کہ جو غلط عقائد لوگ قرآن کی طرف منسوب کر رہے ہوں گے ان کی وہ اصلاح کرے گا۔ چنانچہ اس بارہ میں ان کا اپنا جواب بھی ہمارے اس خیال کا موید ہے۔ ان کے یہ فرمانے پر کہ ”وہ قرآن کی غلطیاں نکالے گا“ میاں کریم بخش صاحب نے تعجب سے پوچھا کہ کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں۔ قرآن تو اللہ کا کلام ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ”تفسیروں پر تفسیریں ہو گئیں اور شاعری زبان پھیل گئی“... پھر میاں کریم بخش صاحب نے پوچھا کہ عیسیٰ اب کہاں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ”بیچ قادیان کے۔“ پھر انہوں نے صاف صاف یہ بھی بتایا کہ ”اس عیسیٰ کا نام غلام احمد ہے۔“ (حیات طیبہ صفحہ ۸۵-۸۶)

جب لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کی تو اس کے بعد وجہ فضیلت ظاہر کرنے کو اور نیز یہ بتانے کو لیلۃ القدر میں جس شخص پر قرآن کا نزول ہوتا ہے اور آئندہ بھی ہونے والا ہے اس کے ظہور کی کیا علامتیں ہیں فرمایا:-

تَنْزِلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ (۵)
سَلَّمَ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۶)

اس (رات) میں ملائکہ اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر (ضروری) امر کے ساتھ اترتے ہیں۔ سلامتی (کی راہیں کھولنے کو۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے) یہاں تک کہ (ظلمتِ غفلت دور ہو کر) صبح (ہدایت نمودار) ہو جاتی ہے۔

اس معنی میں کہ وہ اپنا مقام چھوڑ کر زمین پر اتر آئیں ملائکہ کا نزول کبھی بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اس معنی میں کہ وہ تمام کاموں کے وسائل ہیں اور عالم کا نظام انہی کے تصرف سے چل رہا ہے ان کا نزول ہر لمحہ و ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ لہذا یہاں جو خاص لیلۃ القدر میں ان کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا گیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت ان کا امور دنیا میں غیر معمولی اور نمایاں دخل ہوتا ہے۔ مگر ملائکہ تو غیر مژکی ہستیاں ہیں اس لئے یہ دخل ان کے کاموں ہی سے جانا جاسکتا ہے۔ اور ان کے مرتبہ کے مطابق ان کا بڑا کام نیکیوں کی تحریک کرنا اور پاک تغیرات پیدا کرنا ہی ہو سکتا ہے۔ کم از کم یہاں اسی کا ذکر ہے جیسا کہ ان کے نزول کے لئے لیلۃ القدر کی قید اور

بِأَذْنِ رَبِّهِمْ کے الفاظ سے صاف طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

پس یہ فرما کر کہ اس رات میں ملائکہ اور الٰہِ رُوح کا نزول ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے بتایا کہ لیلۃ القدر میں ملائکہ اترتے ہیں تاکہ اس رات میں اترنے والے خدا کے نور یعنی مامور من اللہ کو قبول کرنے کے لئے مسجد اور رشید لوگوں کو تیار کریں۔ نیک تحریکات ان کے دلوں میں ڈالیں۔ اور توحید کی طرف لے جانے والی ہوائیں چلائیں۔ اور الٰہِ رُوح یعنی جبرائیل اترتے ہیں کہ مامور من اللہ تک خدا کی وحی پہنچائیں۔ من کل امر ہر ضروری امر کے ساتھ یعنی جیسی کسی زمانہ میں خرابی ہوتی ہے اس کی اصلاح کے لئے جس ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے وہ لے کر آتے ہیں۔ اور ملائکہ کا لفظ الٰہِ رُوح سے پہلے رکھ کر بتایا کہ مامور وقت کے ظہور سے کچھ پہلے ہی ملائکہ اتر کر اپنا کام شروع کر دیتے ہیں تاکہ ہم اس کے ظاہر ہونے پر ان کے کاموں میں طبعاً ہڈت آجاتی ہے لہذا جیسا کہ حضرت مہدی موعودؑ نے فرمایا:-

”جب تم دیکھو کہ سخت ضلالت اور غفلت کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک خارق عادت طور پر انسانوں کے قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہوئی ہے تو وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا ہونا ممکن نہیں۔“

پس یاد رکھیں کہ:-

”جب اللہ تعالیٰ کسی مصلح یعنی رسول نبی یا محدث کو دنیا میں مبعوث کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ فرشتوں کے نزول کو قوت دیتا ہے اور لوگوں کی استعدادوں کو قبول حق کے قریب کر دیتا ہے اور انہیں عقل فہم ہمت اور مصائب کو برداشت کرنے والی قوت عطا کرتا ہے اور فہم قرآن کا وہ نور بخشا ہے جو اس مصلح کے ظہور سے قبل انہیں حاصل نہیں تھا۔ پس ذہن صاف ہو جاتے ہیں اور عقلیں تقویت پکڑتی ہیں اور ہمتیں بلند ہو جاتی ہیں اور ہر شخص یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اسے نیند سے بیدار کر دیا گیا ہے اور یہ کہ غیب سے ایک نور اس کے قلب پر نازل ہو رہا ہے اور کوئی

مُعَلِّمُ خود اس کے اندر سے کھڑا ہو گیا ہے اور لوگوں کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے مزاج اور ان کی طبیعت کو بدل دیا ہے..... پس جب یہ علامات ظاہر ہو جائیں اور سب کی سب جمع ہو جائیں تو وہ اس بات پر قطعی دلالت کریں گی کہ مجتہد اعظم ظاہر ہو گیا ہے“

(ترجمہ حماد البشری از تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۴۲۹-۴۳۰)

حضرت مہدی موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے وقت میں یہ ساری کی ساری علامتیں ظاہر ہو گئی تھیں اس لئے یہ ایک قطعی دلیل آپ کے منجانب اللہ ہونے اور مجتہد اعظم ہونے پر ہے اور انہی علامتوں سے آپ کو پہچانا جاسکتا ہے۔

یہاں ایک نکتہ خاص اور بھی یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ کہ ملائکہ اور الٰہی روح یعنی روح القدس یعنی جبرائیل کا نزول تو لوگوں کی ربوبیت کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ ان کی اپنی ربوبیت کی خاطر مگر یہاں باذن ربہم فرمایا گیا ہے یعنی اس کا ان کی اپنی ربوبیت کی خاطر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس میں دراصل یہ اشارہ ہے کہ جس زمانہ میں تاریکی حد سے زیادہ پھیل جاتی ہے اس زمانہ میں ملائکہ کے بارہ میں بھی غلط تصورات ذہنوں میں جگہ پالیتے ہیں اور اگرچہ خدا تعالیٰ انہیں مامور وقت کی تائید کے لئے اتارتا ہے لیکن بالواسطہ اس سے ان کے اپنے مقام اور مرتبہ کے بارہ میں غلط فہمیوں کے ازالہ کا سامان بھی ہو جاتا ہے اور آئندہ (یعنی زمانہ نزول قرآن کے بعد) جو لیلۃ القدر آنے والی ہے اس میں بھی ایسا ہی ہوگا یعنی

جو مامور من اللہ آئے گا وہ یعنی مہدی موعود ملائکہ کے بارہ میں غلط فہمیوں کو دور کرے گا اور ان کے اصل مقام اور مرتبہ سے لوگوں کو آگاہی بخشنے گا۔

چنانچہ آپ نے ظاہر ہو کر یہ کام نہایت خوبی اور نہایت بسط کے ساتھ سرانجام دیا۔ اس تعلق میں آپ کی کتاب توضیح مرام کا متعلقہ حصہ دیکھنے کے لائق لاجواب تحریر ہے۔ پس آپ کے حق میں کی جانے والی یہ قرآنی پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔

چونکہ روح القدس یا جبرائیل بھی ایک فرشتہ ہی ہے۔ اگر اسے ملائکہ کے لفظ میں شامل سمجھا جائے تو الٰہی روح سے کچھ اور مراد لینا ہوگا۔ جبرائیل اور کلام الٰہی کے علاوہ روح کا لفظ

قرآن میں روح انسانی کے لئے یا بزرگ انسانوں کے لئے آیا ہے زندہ انسانوں کی روح کے نزول کا تو سوال ہی نہیں۔ رہے گزرے ہوئے انسان تو ان کی روح بھی بمطابق آیت **فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ** (الزمر ۳۹:۴۳) بنفسِ نفیس دنیا میں واپس نہیں آتی اور نہ وہ خود ہی واپس آتے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کا بروزی رنگ میں ظہور ہی مراد ہو سکتا ہے نہ کچھ اور۔ لیکن لیلۃ القدر سے اس نزول کو خاص کرنا اور اسے سلامتی کا موجب قرار دینا بتاتا ہے کہ یہاں کسی نیک روح کا ذکر ہے۔ اور ملائکہ کے بعد اس کا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ اس سے عام درجہ کی نیک روح کا بھی نہیں ایسی نیک روح کا ذکر ہے جو ملائکہ سے بزرگ تر ہو کیونکہ قرآن خدائے حکیم کا کلام ہے اور ارسالِ خیر کا ذکر جب بطور بشارت ہو تو چھوٹی خیر سے بڑی خیر کی طرف انتقال ہی حکمت کا تقاضی ہوتا ہے چنانچہ اُرواح سے حضرت جبرائیل مراد ہوں پھر بھی ان کا ملائکہ کے بعد ذکر اسی اصل کے ماتحت ہے۔ اور جس روح یا صاحبِ روح کو بلاشبہ ملائکہ سے افضل قرار دیا جاسکتا ہے وہ نبی کی روح یا نبی ہے۔ پس اس آیت میں بتایا گیا کہ لیلۃ القدر میں ہمیشہ ہی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور کسی سابقہ نبی کا بروزی ظہور بھی ہوتا ہے۔ اس لئے آئندہ آنے والی لیلۃ القدر میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

عجیب بات ہے کہ قرآن کریم میں صرف دو نبیوں کے لئے خاص طور پر روح کا لفظ آیا ہے۔ ایک حضرت مسیحؑ کے لئے ارشادِ ربّانی **وَرُوحٌ مِّنْهُ** (النساء ۴:۱۷۲) میں اور دوسرے آنحضرت ﷺ کے لئے آیت **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ** (بنی اسرائیل ۸۶:۱۷) میں۔ اور ان دونوں کی ضرورت آئندہ آنے والی لیلۃ القدر میں پڑنے والی تھی۔ نہ صرف یہ کہ ان کی ضرورت پڑنے والی تھی بلکہ ان کو اُن حالات کی اطلاع بھی دی جانی تھی جس کی وجہ سے یہ ضرورت پیش آئی تھی اور اس ضرورت کو محسوس کر کے خود ان کی روحوں نے اپنے بروزی ظہور کا تقاضی بھی کرنا تھا۔ جیسا کہ خود قرآن کریم میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

سورة الفرقان میں ہے **وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ**

* اس آیت میں اس روح کا ذکر ہے جس کے بارہ میں آنحضرتؐ سے سوال کیا جاتا تھا یا آئندہ کیا جانے والا تھا۔ اور اس سوال کا تعلق ایک تو روح انسانی سے تھا۔ دوسرے کلامِ الہی سے (اس کیلئے بھی روح کا لفظ آتا ہے) اور تیسرے اس روح سے جسے بائبل میں روحِ حق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی خود حضور ﷺ سے۔

مَهْجُورًا (الفرقان ۳۱:۲۵) اور رسول نے کہا اے میرے رب یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ حضورؐ کی زندگی میں تو حضورؐ کی قوم قرآن پہ قربان ہوتی تھی۔ پس اس آیت میں آئندہ زمانہ کی خبر دی گئی اور ماضی کے صیغے اس لئے لائے گئے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں یہ باتیں ایسی یقینی تھیں کہ گویا واقع ہو چکی ہوں۔ لیکن اب چونکہ وہ زمانہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے آچکا ہے اس لئے ہم اسی کے مد نظر گفتگو کریں گے۔ حضورؐ کا خدا تعالیٰ کو ان الفاظ میں مخاطب کرنا بتاتا ہے کہ یہ اطلاع اس نے حضورؐ کو بلا واسطہ نہیں دی بلکہ ملائکہ سے دلوائی۔ ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ اطلاع حضورؐ پر سخت گراں گزرے گی پس اس نے نہیں چاہا کہ اپنے محبوب ﷺ کو خود یہ اطلاع دے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ اطلاع اس نے حضورؐ کو دی ہی کیوں؟ ظاہر ہے کہ اس سے سوائے اس کے کوئی غرض نہیں ہو سکتی تھی کہ حضورؐ کی روح میں اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے جوش پیدا ہو اور وہ دنیا میں اپنا بروزی ظہور چاہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:-

”یہ ایک عرفانی بھید ہے کہ بعض گزشتہ کاملوں کا ان بعض پر جو زمین پر زندہ موجود ہوں عکس توجہ پڑ کر اور اتحادِ خیالات ہو کر ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ ان کے ظہور کو اپنا ظہور سمجھ لیتے ہیں اور ان کے ارادات جیسے آسمان پر ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ویسا ہی باذنِ تعالیٰ اس کے دل میں جو زمین پر ہے پیدا ہو جاتے ہیں.... غرض یہ سنت اللہ ہے کہ کبھی گزشتہ انبیاء و اولیاء اس طور سے نزول فرماتے ہیں۔“

(آئینہ کلمات اسلام صفحہ ۲۵۳-۲۵۶)

بہر صورت یہ مذکورہ اطلاع پا کر حضورؐ نے عرض کی۔ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو (جو تو نے میرے ذریعہ ان کو دیا) چھوڑ دیا ہے۔ مطلب یہ کہ تو میرا رب ہے۔ تجھے میرے مقاصد کا درجہ بدرجہ تکمیل کی طرف بڑھانا منظور ہے اور میرے مقاصد کی تکمیل ہو نہیں سکتی جب تک میری اپنی قوم قرآن پر عمل کرنے والی نہ ہو۔ لیکن یہ اس قرآن کو چھوڑ بیٹھی ہے۔ قوم میری ہے اور چھوڑ اس کتاب کو بیٹھی ہے جو تو نے میرے ذریعہ اس کو دی یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ

جس کا مُعَلِّم تو نے مجھے بتایا ہے۔ اس لئے انہیں اس کتاب کی طرف واپس لانا بھی میری ذمہ داری ہے لیکن میرے خود دنیا میں واپس جانے میں تیرا یہ فیصلہ کہ کوئی اس جہان سے اس جہان میں نہیں جائے گا مانع ہے اس لئے تو میرا کوئی بروز دنیا میں بھیج دے کہ اس میں ہو کر میں یہ کام کر سکوں۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے خدا تعالیٰ نے آپؐ کا ایک اور بعث مقرر کیا جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں اس کا واضح ذکر ہے۔

اس کے بعد ہم مسیح علیہ السلام کی طرف آتے ہیں۔ سورۃ المائدہ میں ہے:-

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّي آلِهَتَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ط قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ط إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ط إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (۱۱۷)

اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بناؤ۔ اس نے کہا تو پاک ہے (شرک سے اور اس سے کہ کسی ایسے شخص کو قیام توحید کے لئے مامور کرے جو تیرے ساتھ اپنے آپ کو بھی بطور معبود پیش کرنے لگے)۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تو نے ضرور جان لیا ہوتا۔ تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے لیکن میں اسے نہیں جانتا جو تیرے دل میں ہے یقیناً تو تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔

خدا تعالیٰ تو جانتا تھا کہ حضرت مسیحؑ نے یہ بات نہیں کہی پھر جو اس نے ان سے سوال کیا تو ظاہر ہے کہ اس لئے کیا کہ اُن کے دل میں اس صورت حال کی اصلاح کے لئے جوش پیدا ہو اور وہ دنیا میں اپنا بروزی ظہور چاہیں۔ چنانچہ ان آیات کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ غرض پوری ہوئی۔ بلکہ ان کے بروز نے ظاہر ہو کر خود بھی فرمایا کہ:-

”ضرور تھا کہ مجھ کو وقت مسیح کے نام پر آوے کیونکہ بنیاد فساد مسیح ہی کی

اُمّ ہے۔ اور میرے پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہر ناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر دی گئی۔ تب ان کی روح روحانی نزول کے لئے حرکت میں آئی اور اس نے.... زمین پر اپنا قائم مقام اور شبیہ چاہا جو اس کا ایسا ہم طبع ہو کہ گویا وہی ہو۔ سو اس کو خدا تعالیٰ نے وعدہ کے موافق ایک شبیہ عطا کیا۔ اور اس میں مسیح کی ہمت اور سیرت اور روحانیت نازل ہوئی.... اور مسیح کی توجہات نے اس کے دل کو اپنا قرار گاہ بنایا اور اس میں ہو کر اپنا تقاضی پورا کرنا چاہا۔ پس ان معنوں سے اس کا وجود مسیح کا وجود ٹھہرا۔“

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت مسیح سے پوچھا تو ملفوظ کلام کے متعلق کیا تھا اور اس کا انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا۔ لہذا اس کے بعد جو انہوں نے دل کی بات شروع کر دی اور یہ کہا کہ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ تو یہ الفاظ ماضی کے متعلق نہیں ہو سکتے بلکہ خدا تعالیٰ سے ہونے والے اس مکالمہ کے وقت ہی سے متعلق ہیں۔ حضرت مسیح کہتے ہیں اے خدا تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے یعنی قیام توحید کے لئے کیسی غیرت اور تڑپ ہے اور اپنی قوم کے اس فعل کی اطلاع پا کر میرے دل میں اس کے اس فعل کے خلاف کیسی شدید نفرت اور اس کی اصلاح کے لئے کسی صورت میں اس تک پہنچنے کے لئے کیا شدید جوش پیدا ہوا ہے۔ وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ لیکن میں نہیں جانتا کہ تیرے جی میں کیا ہے؟ یعنی تو اس کی اصلاح کے لئے کس شخص کو مامور کرنا چاہتا ہے۔ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (ہاں اتنا جانتا ہوں کہ) یقیناً تو تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔ یعنی تجھے خوب معلوم ہے کہ کسے اپنا رسول بنائے۔ کن لوگوں میں مبعوث کرے اور کیا ہدایت دے کر بھیجے۔ (اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔ اس لئے تیرا فیصلہ بہر حال درست ہوگا)۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح نے صرف اپنا بروزی ظہور ہی نہیں چاہا بلکہ یہ جاننا بھی چاہا کہ کسے ان کا بروز بنا کر بھیجا جا رہا ہے۔ تاکہ وہ اپنی روحانی توجہات کے ذریعہ اس کے دل میں بھی اس صورت حال کی اصلاح کے لئے ویسا ہی جوش پیدا کر سکیں جیسا ان کے اپنے دل میں تھا یعنی اس میں ہو کر اپنی قوم کی اصلاح کا کام کر سکیں۔

چونکہ حضرت عیسیٰؑ اپنا بروزی ظہور چاہتے تھے اس کے بعد انہوں نے اپنی گزشتہ کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:-

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي
وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا
تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيدٌ (۱۱۸)

میں نے انہیں سوائے اس بات کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا کچھ نہیں کہا۔ یعنی صرف یہ کہا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب۔ اور میں ان پر اس وقت تک نگران تھا جب تک کہ ان میں رہا (یعنی اس وقت تک وہ بتلائے شرک نہیں ہوئے)۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر شاہد ہے۔

یعنی تجھے خوب علم ہے کہ میری تعلیم و تربیت کے کسی نقص کی وجہ سے ان میں شرک کا عیب پیدا نہیں ہوا بلکہ اور عوامل تھے جو اس کا موجب ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا:-
إِنْ تَعَذَّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱۱۹)

نبی اپنے ماننے والوں کے لئے نجات دہندہ بن کر آتا ہے اس لئے ان کے الفاظ اِنْ تَعَذَّبْهُمْ بھی رحم کی اپیل کے طور پر ہی ہو سکتے تھے۔ پس مطلب ان کا یہ تھا کہ وہ تیرے بندے ہیں سزا سے بچ کر کہیں بھاگ تو نہیں سکتے جو اس کی جلدی ہو لہذا اپنے کرم سے تو ان کو پہلے اصلاح کا موقع دے۔ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ (ایسا کرنا چاہے یعنی شرک سے) انہیں مغفرت عطا کرنا چاہے تو تو عزیز و حکیم ہے۔ بوجہ عزیز یعنی ان پر غالب ہونے کے جبراً بھی ایسا کر سکتا ہے لیکن تو حکیم بھی ہے اس لئے تجھ سے امید یہی کی جاتی ہے کہ تو تقاضائے حکمت کے مطابق یہ کام کرے گا۔ یعنی نبی بھیج کر اور اس پر ایمان لانے کی توفیق دے کر انہیں اس شرک سے نجات دلائے گا تا کہ ان کو ثواب بھی ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے جو جواب ان کو دیا وہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے اسی مفہوم میں یہ الفاظ کہے تھے۔ کیونکہ:-

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (۱۲۰)

اللہ نے فرمایا آج کے دن صادقوں کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ یہ اس نے نہیں فرمایا کہ آج کے دن صادقین فائدہ میں رہیں گے اور نہ یہ فرمایا کہ لوگوں کو ان کا صدق فائدہ دے گا بلکہ یہ فرمایا کہ صادقوں کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ یہ الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے آنحضرتؐ کے یہ الفاظ کہ جو کفر میں اچھا ہے وہی (حالیہ) ایمان میں اچھا ہوگا۔ پس اس میں بتایا کہ جو لوگ پہلے سے صدق کے عادی ہیں اس زمانہ میں کہ نبی کا زمانہ ہے۔ انہی کو عمدہ ایمان کی توفیق ملے گی۔ لیکن صرف ایمان لانا کافی نہیں ہوگا۔ ایمان کے بعد ان کے صدق فی الایمان کا امتحان بھی ہوگا۔ اگر وہ اس میں پورے اترے تو پھر ان کو فائدہ ہوگا صرف منہ سے اظہار ایمان کسی کام نہ آئے گا۔ (أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ - العنکبوت ۲۹:۳) لیکن اگر وہ صدق دکھاتے ہوئے نیک اور مناسب حال اعمال بجالانے والے اور اپنے ایمان کے درختوں کی اعمال حسنة کے پانی سے آبیاری کرتے رہنے والے ہوئے تو ان کے لئے ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوگا (ان کے صدق فی الایمان کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے (اس کی مسلسل عنایات کی وجہ سے) یہ انتہائی بڑی کامیابی ہے۔

یہی الفاظ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ دوسری جگہ صحابہ کرام کے متعلق آئے ہیں اس لئے یہ اشارہ بھی ان میں ہو گیا کہ اس زمانہ کے مامور مہدی موعودؑ پر ایمان لا کر صدق فی الایمان دکھانے والے صحابہ کے مثل ہوں گے۔ چنانچہ آپؐ نے خود بھی فرمایا۔ ع صحابہؓ سے ملا جو مجھ کو پایا

اب دیکھئے صبح اور اس کی والدہ کو خدا بنانے کا فتنہ پہلی بار پیدا ہوا تو حضرت اقدس ﷺ مبعوث ہوئے۔ یعنی ان آیات میں مذکور اشارہ کے مطابق خدا تعالیٰ نے سطح کو اس فتنہ کی اطلاع دی جس پر ان کی روح نے اپنا بروزی ظہور چاہا جو آنحضرتؐ کی صورت میں ہوا۔ اس کے بعد قرآنی اشارات کے مطابق اس فتنہ نے دجال کے عروج کے زمانہ میں جو یہ موجودہ زمانہ ہے

دوبارہ دنیا میں پھیلنا تھا اس لئے ضرور تھا کہ پھر مسیح کو اس کی خبر دی جاتی اور پھر ان کی روحانیت دنیا میں اپنا بروز ظہور چاہتی۔ چنانچہ یہ ظہور حضرت مسیح موعودؑ کی صورت میں ہوا اور چونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی قوم قرآن کو چھوڑ بیٹھی تھی اس لئے آنحضورؐ کے بروز ظہور کا بھی یہی زمانہ تھا۔ اور جب ایک ہی زمانہ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی روح حضورؐ کے بروز ظہور کا تقاضی کر رہی ہو اور حضرت مسیحؑ کی روح اپنے بروز ظہور کا تقاضی کر رہی ہو اور وہ زمانہ آنحضورؐ کی رسالت کا زمانہ ہو تو سوائے اس کے کیا صورت ہو سکتی تھی کہ خدا تعالیٰ کسی ایسے شخص کو مبعوث فرما دیتا جو آنحضورؐ کا اُمتی بھی ہو اور ان دونوں نبیوں کا بروز بھی ہو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا آنحضورؐ کے ایک اُمتی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو ان دونوں نبیوں کا بروز بنا کر بھیج دیا چنانچہ آنحضورؐ کا بروز ہونے کی وجہ سے آپؐ مہدی کہلائے اور عیسیٰ بن مریمؑ کا بروز ہونے کی وجہ سے مسیح کہلائے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جیسا کہ آپؐ کو خدا تعالیٰ نے بتایا اور قرآن کریم میں بھی دوسری جگہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ آئندہ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں مسیحؑ کو خدا بنانے کا فتنہ پھر پھیلے گا اور اس وقت پھر مسیحؑ کی روح اپنے ایک بروز کا ظہور چاہے گی چنانچہ تیسری دفعہ (مسیحؑ کا) ایک جلالی شبیہ ظاہر ہوگا اور اس کے بعد دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ پس حضرت مسیحؑ کے بعد لیلۃ القدر بھی تین بار آئی مقدر تھی۔ پہلی دفعہ لیلۃ القدر کے آنے پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا۔ دوسری دفعہ اس کے آنے پر حضرت مہدی مسعود المسیح الموعود کا ظہور ہوا اور تیسری دفعہ اس کے آنے پر ایک جلالی شبیہ یا جلالی مسیح کا ظہور ہوگا۔ مزید دیکھیں صفحہ ۵۰۹

ضرورة الرسول

سورة القدر کے بعد سورة البينة آتی ہے اس کے شروع میں ہے:-

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ
مُنْفَكِينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ (۲) رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو
صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۖ (۳) فِيهَا كُتِبَ قِيمَةٌ ۖ (۴)

اہل کتاب میں سے کفر کرنے والے اور مشرک اس وقت تک (اپنی روش

بد سے) باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کی طرف پہنچے یعنی خدا کا ایسا رسول نہ آتا جو ان پر (خدا کے ہاتھ سے) پاک کئے ہوئے صحیفے پڑھتا جن میں مستقل اصول بیان کئے گئے ہوں۔

چونکہ ذکر اصلاح کے لئے آنے والے رسول سے پہلے کا ہے۔ **الَّذِينَ كَفَرُوا** سے اس رسول کے منکر مراد نہیں بلکہ اپنی کتاب کا کفر کرنے والے مراد ہیں۔ کفر کے معنی نافرمانی کے بھی ہوتے ہیں اور انکار کے بھی۔ پس یہ مراد بھی ہے کہ وہ لوگ اپنی کتاب کی نافرمانی کر رہے تھے یعنی اس کی بجائے اپنی عقل یا اپنے علماء وغیرہ کی پیروی کو کافی سمجھنے لگے تھے۔ اور یہ مراد بھی ہے کہ وہ اپنی کتاب پر عمل چھوڑ کر عملاً کافر بن چکے تھے۔

وَالْمُشْرِكِينَ سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جنہیں عرف عام میں مشرک کہا جاتا ہے اور اہل کتاب میں سے شرک کا ارتکاب کرنے والے بھی مراد ہیں۔ فتح القدیر میں ہے **وَقِيلَ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ هُمْ أَهْلُ الْكُتُبِ فَيَكُونُونَ وَصَفًا لَهُمْ لَا نُهُمْ قَالُوا الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ وَعَزَّيْرُ ابْنِ اللَّهِ**۔

يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً۔ ظاہر پاک کو کہتے ہیں اور مظہر اس کو جسے خدا کے ہاتھ سے پاک کیا گیا ہو۔

صُحُفًا مُطَهَّرَةً کی ضرورت بیان کر کے یہ اشارہ کیا گیا کہ انہوں نے اپنی کتاب کی من مانی تاویلوں اور تفسیروں کے ذریعہ (جو ظاہر ہے کہ ان کے علماء و مشائخ ہی کر سکتے تھے) اور ان کو اصل کتاب قرار دے کر اس کتاب کا حلیہ بگاڑ رکھا تھا اور چونکہ عوام الناس کا جو خود حق و باطل میں تمیز کی استعداد نہیں رکھتے قاعدہ ہے کہ جو کچھ ان کے وہ علماء و مشائخ جن سے ان میں سے کسی گروہ کو عقیدت ہو کہہ دیں وہ اسی کو حق سمجھ لیا کرتے اور اس طرح ایک دین کے کئی دین بنا لیتے اور کئی فرقوں میں بٹ جایا کرتے ہیں اور پھر جس چیز کو وہ اصل دین سمجھ کر اختیار کر لیں اسی پر فخر کرتے پھرتے ہیں (جیسا کہ آیت **مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِبَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ**۔ الزوم ۳۰:۳۳ سے سمجھا جاسکتا ہے) اس لئے **صُحُفًا مُطَهَّرَةً** کی ضرورت کے بیان میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے تھے (جن کی تعداد حدیث نبوی کے مطابق بہتر تک جا پہنچی تھی)۔ پس ضرورت تھی کہ ان کو اصل

کتاب کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا جائے اور چونکہ وہ بہتر کے بہتر فرقتے ہی غلطی پر تھے ایک الگ فرقہ بنا کر ان میں سے جو اس لائق ہوں ان کو اس فرقہ میں اکٹھا کیا جائے اور یہ بات عام علماء و مشائخ یا کسی عام درجہ کے مجدد کے بس کی بات نہیں تھی بلکہ اس کے لئے ایک مجسم بَیِّنۃ یعنی خدا کے رسول کی ضرورت تھی جو خدا کے ہاتھ سے پاک کئے ہوئے صحیفے ان پر پڑھے پس اس غرض سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا گیا۔

فِيهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ:- لفظ کتاب کے کئی معنی ہیں۔ مثلاً نازل کی ہوئی کتاب، حکم، علم وغیرہ۔ سابقہ الہامی کتب میں سے کوئی بھی من و عن ہمیشہ قائم رہنے والی نہیں تھی مگر ان میں سے ہر ایک میں بعض احکام اور صداقتیں اور علوم ایسے بیان ہوئے تھے جو دائمی تھے۔ پس خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ایسے صُحُفَ مُطَهَّرَةً ان پر پڑھنے کی ضرورت تھی جن میں کُتِبَ قِيَمَةٌ یعنی ہمیشہ (قابلِ عمل) رہنے والے احکام اور صداقتیں اور علوم یا متوازن و متناسب احکام ہوں بتاتا ہے کہ اس وقت اہل کتاب وقتی تعلیمات کو دائمی سمجھ کر غلط راہوں پر پڑ گئے تھے اور ضرورت ان کو یہ بتانے کی تھی کہ ان وقتی تعلیمات کے پیچھے جو غرض تھی اصل حکم اس کا تھا اور وہ حکم دائمی تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ کی تعلیم بظاہر حد سے زیادہ سختی کی اور حضرت مسیح کی تعلیم حد سے زیادہ نرمی کی تھی لیکن غرض دونوں سے یہ تھی کہ طبائع کو اعتدال پر لایا جائے۔ پس اصل تعلیم میانہ روی اور عدل اور اعتدال کی تھی جس کی طرف ان کو متوجہ کرنے کی ضرورت تھی۔

فِيهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ کے یہ معنی بھی ہیں کہ جن میں علوم اَوَّلین و آخرین ہوں کیونکہ سچے علوم خواہ اَوَّلین کے ہوں یا آخرین کے برطابق آیت لَئِنْ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَكُفُّ لِي اَلْاَرْضِ قَائِمٌ رکھے جاتے ہیں ایسے صحیفوں کی ضرورت بیان کر کے یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ اب وقت آ گیا تھا کہ وہ علوم بھی بیان کر دیئے جائیں۔ جو صحف سابقہ میں متفرق طور پر بیان ہو چکے تھے (کسی میں ایک کسی میں دوسرا) اور وہ علوم بھی بیان کر دیئے جائیں جو پہلے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مگر نزولِ قرآن کے وقت ان کی ضرورت آن پڑی تھی یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد نبوت میں جو تا قیامت ہے آئندہ کسی وقت ان کی ضرورت پیش آنے والی تھی کیونکہ ان کے بیان ہوئے بغیر بھی ان لوگوں کی یا ان جیسوں کی جو آئندہ آنے والے تھے اعتقادی یا عملی غلطیوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی تھی۔ اور چونکہ کوئی شخص علم بغیر مُعَلِّم کے نہیں پڑھ سکتا علوم آخرین پڑھانے کے

لئے آخرین میں نبی کا آنا ضروری تھا اس لئے بھی آئندہ ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی پچھلی سورۃ میں اور قرآن کے اور بہت سے مقامات پر کی گئی۔ مثلاً سورۃ رَحْمٰن میں یہ فرمایا گیا خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ خدا رحمن ہے اسی نے محمد رسول اللہ (ﷺ) کو قرآن سکھایا ہے (مگر اس پر بس نہیں) آئندہ بھی وہ ایک انسان کامل پیدا کرے گا اور اسے قرآن کی تفسیر سکھائے گا (تا کہ سورۃ الجمعہ کے مطابق آخرین میں آکر وہ علومِ اولین و آخرین جو قرآن میں بیان شدہ ہیں اپنے زمانہ کے لوگوں کو سکھائے)۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ پچھلی سورۃ القدر میں آئندہ زمانہ میں بھی نبی کے آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اس کے مقابلہ میں سورۃ لاکر اور اس میں اہل کتاب کی کمزوریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ فرما کر کہ وہ اپنی غلط روش سے اس وقت تک باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کی طرف رسول نہ آتا یہ بتایا کہ آئندہ رسول کی ضرورت اس لئے پیش آئے گی کہ جس طرح اہل کتاب بگڑ گئے تھے اسی طرح اہل قرآن یعنی مسلمان بھی بگڑ جائیں گے اور ان میں بھی وہ ساری بدیاں پیدا ہو جائیں گی جو اہل کتاب میں پیدا ہو گئیں تھیں یعنی ان کی طرح یہ بھی

نمبر ۱ اپنی کتاب قرآن کی ناقدری کرنے لگ جائیں گے یعنی اس سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے اپنی عقل یا اپنے علماء و مشائخ کی رہنمائی کو کافی سمجھنے لگیں گے۔

نمبر ۲ یہ تعلیمات قرآن پر عمل چھوڑ کر عملاً اس کے کافر بن جائیں گے۔

نمبر ۳ ان میں سے بعض مشرکانہ افعال میں اس قدر مبتلا ہو جائیں گے کہ انہیں زمرہ مشرکین میں شمار کرنا بجا ہوگا۔

نمبر ۴ وہ کتاب اللہ کی من مانی تادیلوں اور تفسیروں کو (جو ظاہر ہے کہ ان کے علماء کریں گے) کتاب اللہ کا درجہ دے کر اصل کتاب کا حلیہ بگاڑ دیں گے۔

نمبر ۵ جن جن علماء و مشائخ کے ساتھ ان میں سے کسی گروہ کو عقیدت ہوگی انہی کی تشریحات کو اصل دین قرار دے کر وہ ایک دین کے کئی دین بنالیں گے اور اہل کتاب کی طرح بہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے جو سب کے سب غلطی پر ہوں گے اور اپنی غلط روش پر اس سختی سے قائم ہوں گے کہ ان کی اصلاح عام علماء و مشائخ بلکہ عام درجہ کے مجذوبین کے بھی بس کی بات نہیں ہوگی اس لئے اس بات کی ضرورت ہوگی کہ کوئی بَیِّنۃ یعنی خدا کا ایسا رسول آئے جس

کے ساتھ اس کے منجانب اللہ ہونے کے کھلے کھلے نشانات ہوں اور وہ ان کے سامنے (خدا سے علم پا کر صُحُفًا مُطَهَّرَةً یعنی) قرآن کریم کی اصل تعلیم رکھے اور ان میں سے جو علم الہی میں اس لائق ہوں انہیں اپنی قوتِ جاذبہ کے ذریعہ اپنی طرف کھینچ کر اور اپنی قوتِ قدسیہ کے ذریعہ غلط خیالات و عقائد سے پاک کر کے ان کا ایک الگ فرقہ بنائے جو ہو تو اُمتِ محمدیہ ہی کا ایک فرقہ مگر پہلے سے موجود بہتر کے بہتر فرقوں سے بالکل الگ ہو اور اس طرح حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلی ہوئی یہ پیشگوئی پوری ہو کہ ”میری اُمت اور بنی اسرائیل کے حالات میں ایسی مطابقت ہو جائے گی جیسی ایک پاؤں کے جوتے کی دوسرے پاؤں کے جوتے سے ہوتی ہے۔۔۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی“ لیکن ایک فرقہ کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ اور اس ناجی فرقہ کی علامت یہ بتائی کہ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي۔ یعنی جس چیز پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں اسی پر اس فرقہ کا امام اور اس کے صحابہ قائم ہوں گے۔ سبحان اللہ کیسے خوبصورت اور جامع الفاظ میں حضورؐ نے آنے والے رسول کو اپنا بروز اور اس کے صحابہ کو اپنے صحابہ کا ہم رنگ قرار دیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ جب ۳۷ء میں بھٹو نے احمدیوں کو آسلی سے غیر مسلم قرار دلویا تو بعض علماء سونے فخریہ یہ اعلان کیا کہ بہتر کے بہتر فرقے ایک طرف ہیں اور احمدی ایک طرف۔ مگر یہ کہہ کر انہوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ سب جہنم کے اور احمدی جنت کے مستحق ہیں۔

سورة البَيِّنَةِ میں مندرجہ بالا آیات کے بعد ہے:-

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ
الْبَيِّنَةُ (۵)

اہل کتاب کو بھی ایک بَیِّنَةُ یعنی رسول یعنی مسیح علیہ السلام کے آنے کی خبر دی گئی تھی اور وہ سب اس کے منتظر اور اس کے آنے کے بارہ میں ہم خیال تھے لیکن جب وہ آگیا تو وہ مختلف النخیال ہو گئے۔ پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہی حال آئندہ کی لیلۃ القدر میں آنے والے رسول مہدی مسعود المسیح الموعود کے بارہ میں مسلمانوں کا ہوگا۔ اگرچہ ان کے سب فرقے اس کے آنے کے منتظر ہوں گے لیکن اس کے آجانے پر وہ اس کے بارہ میں اختلاف

کرنے لگیں گے۔

سورۃ الزخرف میں حضرت موسیٰؑ کے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجے جانے اور ان کے ان کی ہنسی اڑانے اور پہلے ان کے مختلف قسم کے عذابوں میں اس غرض سے مبتلا کئے جانے کا ذکر ہے کہ وہ اپنی بد اعمالیوں اور کفر سے باز آجائیں اور اس کے بعد یہ ذکر ہے کہ جب انہوں نے ان عذابوں سے فائدہ نہیں اٹھایا تو پھر عذاب استیصال وارد کر کے انہیں غرق کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہے:

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ (الزخرف: ۴۳: ۵۷)

سو ہم نے انہیں قصہ پارینہ اور آخرین کیلئے (عبرت کی) مثال بنا دیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے آخرین سے اس واقعہ کے بعد آنے والے سب لوگ مراد ہو سکتے ہیں لیکن ایک تو اس وجہ سے کہ کھلے کھلے طور پر گرفت یا تو کسی سلسلہ کے پہلے نبی کے زمانہ میں ہوا کرتی یا آخری نبی کے زمانہ میں دوسرے اس وجہ سے کہ اگلی ہی آیت میں (سید موسویہ کے دوسرے نبیوں کا ذکر چھوڑ کر) صرف اس کے آخرین میں آنے والے نبی ابن مریمؑ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں آخرین سے حضرت مسیحؑ کے زمانہ کے لوگ مراد ہیں۔ اس کے بعد ہے:-

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِلُونَ

(الزخرف: ۴۳: ۵۸)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی جائے گی تیری قوم اس پر شور مچانے لگے گی۔

مطلب یہ کہ جب تیری قوم کو یہ کہا جائے گا کہ ”جس طرح سلسلہ موسویہ کے آخرین میں ابن مریم مسیح ہو کر آیا تھا اور اس کے آنے پر بنی اسرائیل کو کہا گیا تھا کہ اگر تم نہیں مانگو گے تو جو انجام حضرت موسیٰؑ کی نافرمانی کر کے فرعون اور اس کے ساتھیوں کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔ اسی طرح اب سلسلہ محمدیہ کے آخرین میں ایک ابن مریم مسیح ہو کر آیا ہے اگر تم اس پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا انجام بھی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں جیسا ہوگا اور تم بھی ایک قصہ پارینہ بن جاؤ گے“ تو وہ شور مچا دیں گے۔

چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو خدا تعالیٰ نے حالتِ مری سے (جو اعلیٰ درجہ کے مومنوں کی ایک حالت ہے) حالتِ عیسوی کی طرف منتقل کیا اور آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جس طرح سلسلہ موسویہ کے آخرین میں ایک مسیح آیا تھا اتنی ہی مدت گزرنے پر اور اسی کے رنگ میں سلسلہ محمدیہ کے آخرین میں میں مسیح ہو کر آیا ہوں تو اُمّتِ محمدیہ کے افراد نے جو پہلے اس کے منتظر بیٹھے تھے اس کا انکار کر دیا اور اس کے دعویٰ پر شور مچا دیا۔ کسی نے کہا مسیح نے تو آسمان سے اترنا تھا یہ زمین سے اُٹھنے والا مسیح کیسے ہو سکتا ہے۔ کسی نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آہی نہیں سکتا۔ کسی نے کہا یہ شخص جو مدعی نبوت ہے نبی نہیں ہو سکتا نبی تو سادات میں سے آتا چاہیے علیٰ ہذا القیاس جتنے منہ اتنی باتیں ہونے لگیں۔ فرمایا:-

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ... (۶)
(یہ بات ہوئی) حالانکہ اہل کتاب کو سوائے اس کے کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اطاعت کو خدا کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں۔

مطلب یہ کہ انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور اپنے اجبار اور بہانہ کو خدا بتایا یعنی خدا کے حکم کے خلاف ان کا حکم مان کر اپنے موعود نبی کا انکار کر بیٹھے۔ ایسا ہی مسیح موعود کے زمانہ کے مسلمان کریں گے لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں اسکا بیان ہے اہل کتاب میں سے مسیح کا انکار کرنے والے (باوجود موسیٰ پر ایمان رکھنے کے) جہنم کا اندھن بنے لہذا مسیح موعود کے منکرین بھی باوجود محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان کا دعویٰ رکھنے کے واصل جہنم ہوں گے۔ کیونکہ ان کا محمد رسول اللہ پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہوگا اگر وہ آپ کے ماننے والے ہوتے تو آپ کی اور قرآن کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے کا انکار کیوں کرتے۔ فرمایا:-

أُولَٰئِكَ هُم شَرُّ الْبَرِيَّةِ

یہ بدترین مخلوق ہیں۔

حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے آخری زمانہ کے علماء کو جو مسیح موعود کا انکار کریں گے۔ آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مخلوق قرار دیا ہے مگر یہاں یہ الفاظ تمام منکرین کے متعلق

لائے گئے ہیں۔ اس میں یہی اشارہ ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان اپنے ان علماء کی اسی طرح بے سوچے سمجھے پیروی کریں گے جس طرح مسیح کے زمانہ کے اہل کتاب اپنے علماء کی کرتے تھے اس لئے وہ بھی گمراہی میں انہی جیسے شمار ہوں گے۔ اس کے بالمقابل اگلی آیت میں اس نبی کے ماننے والوں کو خَيْرُ السَّيْرِیَّةِ قرار دیا ہے۔ جنت کی بشارت دی ہے اور ان کے بارہ میں رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ کے الفاظ فرمائے ہیں جو دوسری جگہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں آئے ہیں یا حواریانِ مسیح کے بارہ میں اور اس طرح بتایا ہے کہ نبی موعود جس طرح مسیح ابن مریم کا بروز ہوگا اسی طرح حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا بھی بروز ہوگا۔ (مسیح کا بروز ہونے کی وجہ سے مسیح اور محمد رسول اللہ ﷺ کا بروز ہونے کی وجہ سے مہدی کہلائے گا) اور بنا برائیں اس کے ماننے والے صحابہ کے ہم رنگ ہوں گے۔

=====

سورة الزلزال میں نبی موعود کے ظاہر ہو جانے کی علامات کا بیان

سورة القدر میں آئندہ زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی اور اگلی سورة النَّبِیْنَةِ میں اس کی ضرورت بیان ہوئی تھی اس کے بعد سورة الزلزال آتی ہے۔ اس سورة میں اس نبی کے ظاہر ہو جانے کی علامات بیان کی گئیں تاکہ جب وہ ظاہر ہو جائے تو لوگ کسی اور کے انتظار میں نہ رہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوں۔

اس سورة کی ابتدائی آیات یہ ہیں :-

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۖ (۲) وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ
 أَثْقَالَهَا ۖ (۳) وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَالَهَا ۖ (۴) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ
 أَخْبَارَهَا ۖ (۵) بَانَ رَبُّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۖ (۶)

پہلی آیت میں إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَاؕ (۲) بلکہ زلزل کو ارض کی طرف اضافت دی گئی ہے۔ پس اس سے صرف بڑا زلزلہ مراد نہیں بلکہ الارض کا اپنا پیدا کردہ زلزلہ یا وہ زلزلہ مراد ہے جو اس کے متعین کے مطابق ہو۔ پھر اگلی آیت وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَاؕ میں الارض کا لفظ دہرایا گیا ہے ضمیر کا استعمال نہیں ہوا۔ اس لئے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو

ان دونوں آیتوں میں الگ الگ زمینوں کا ذکر ہے یا پہلی آیت میں جس زمین کا ذکر ہے دوسری آیت میں اس کے کسی بجز کو بوجہ اس کی کسی خصوصیت کے الگ رکھا ہے۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ لیلۃ القدر ایک طرف انتہائی تاریکی کو چاہتی ہے اور دوسری طرف آسمان سے ایک نور کے اترنے کو یعنی کسی ایسے شخص کے ظہور کو چاہتی ہے جس پر قرآن کا نزول ہوتا وہ اس تاریکی کو دور کرے۔ اور اس میں تو شبہ نہیں ہو سکتا کہ شرک سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں کہ تمام گناہوں کی جڑ یہی ہے۔ پس شرک کی کثرت بھی لوگوں کا سکون برباد کر کے ان میں ایک زلزلہ سا لے آتی ہے۔ دوسری طرف مامور من اللہ کو چونکہ ازلہ شرک کی قوت دے کر بھیجا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی آواز میں ایسا زبردست اثر رکھا جاتا ہے کہ کافر مشرک اور ان جیسے محسوس کرتے ہیں کہ آج نہیں تو کل یہ شخص ہم پر غالب آجائے گا اس لئے اس کی دعوت پر ان میں (اور چونکہ اس کے ظہور کے وقت ایسے لوگوں کی کثرت ہوتی ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کے مخاطب تمام لوگوں میں) ایک زلزلہ سا آجاتا ہے۔ نیک فطرتوں میں اس کی تائید کے لئے اور بد فطرتوں میں اس کے خلاف زبردست جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ سچے مامور من اللہ کی یہ ایک خاص علامت ہوتی ہے کہ اس کی آواز دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیتی ہے۔ جبکہ دوسرے داعیان توحید کی آواز سے کانوں پر جوں تک نہیں ریختی۔ وجہ یہ کہ مامور تو خدا کا آلہ کار ہوتا ہے لیکن اگر دوسرے لوگوں کے ذریعہ وہ پہچانا جائے تو ان کا اس پر ایک طرح کا احسان ہوگا مگر اس کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی کے زیر احسان ہو۔ پس اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا مِیْنِ الْأَرْضِ سے اہل ارض مراد لیتے ہوئے اور زِلْزَالَهَا کے دونوں معنی (اس کا پیدا کردہ یا اس کے متقاضی کے مطابق آنے والا زلزلہ) مد نظر رکھتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ جب کرہ ارض پر ایک طرف اہل الارض کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کردہ زلزلہ آئے گا یعنی ان میں سے ان کے جو اس وقت زمین پر غالب ہوں گے مشرکانہ عقائد اور ان عقائد کی اشاعت سے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے گناہوں کی کثرت سے لوگوں کا سکون برباد ہو جائے گا اور ان پر ایک قسم کا زبردست زلزلہ آجائے گا کما فی قولہ تعالیٰ تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا اِنَّ دَعْوًا لِلرَّحْمٰنِ وَلَٰذَا (مریم) ۹۱:۹۲۔ اور دوسری طرف باز یہ تعالیٰ ایک واعظ توحید ایسا کھڑا ہوگا کہ اس کی آواز ایک

دوسرے رنگ میں اہل الارض کو ہلا کر رکھ دے گی۔ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَفْقَالَهَا اور (جہاں افواج شرک کا اس کے خلاف شدید ردِ عمل ہوگا وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تائیدیں بھی عجیب رنگ میں ظاہر ہوں گی چنانچہ اس وقت) الارض یعنی وہ زمین جس کا مسیح نامری سے (جس کے نام پر اس زمانہ میں سب سے زیادہ شرک پھیلے گا اور جس کا بروز بن کر نبی موعود آئے گا جیسا کہ دوسری آیات قرآنی سے واضح ہے) تعلق خاص ہے یعنی جو اس کے ظہور کی جگہ ہے یعنی ارضِ شام یا وہ زمین جو اس کی آخری آرام گاہ ہے یعنی ارضِ کشمیر اپنے بوجھ نکال دے گی (یعنی مسیحوں کے مشرکانہ عقائد یا ان کو تقویت دینے والے مسلمانوں کے عقائدِ باطلہ کے خلاف پڑنے والے وہ بھاری ثبوت جو اس وقت تک اس کے سینہ میں مخفی پڑے ہوں گے ان کو منقطع شہود میں لے آئے گی)۔ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَالَهَا اور الانسان یعنی وہ مسیحی یا وہ مسلمان جن پر اس کا اثر پڑے گا بزبانِ حال پکار اُنھیں گے کہ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے (کہ ہمارے دیرینہ عقائد پر پانی پھیرتی جارہی ہے)۔

چنانچہ دیکھ لیجئے جب تیرھویں صدی کے آخر تک مسیحیوں نے اپنی حکومتوں کی مدد سے اور ہر قسم کے دجل اور فریب کو کام میں لا کر مسیح کے ابن اللہ ہونے کے مشرکانہ عقیدہ کو دنیا میں پھیلایا اور باوجودیکہ ان کی اس سے غرض یہ تھی کہ مسیح نامری کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے افضل ثابت کر کے اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور یعنی شمع اسلام کو بجھا دیں (التوبہ: ۳۲) مسلمانوں نے مسیح کے بحسدِ عنصری آسمان پر چڑھ جانے اور حوائجِ بشریہ سے بے نیاز رہ کر صدیوں سے وہاں زندہ موجود ہونے کا باطل عقیدہ رکھ کر اور پھر یہ عقیدہ رکھ کر کہ وہ امّہ محمدیہ کی اصلاح کے لئے دوبارہ نازل ہونے والا ہے بالواسطہ مسیحیوں کے اس مشرکانہ عقیدہ کو تقویت دی (جس کی سورۃ جن میں پہلے سے خبر دی گئی تھی) تو خدا تعالیٰ اس مشرکانہ عقیدہ کو (جس نے اور جس کے پھیلانے والوں کی دوسری ساحرانہ کاروائیوں نے دنیا میں ایک زلزلہ برپا کر دیا تھا) مٹانے کے لئے جیسا کہ چاہیے تھا بالکل اس کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک غلام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مسیح نامری سے افضل تر مسیح بنا کر اور مسیحیوں اور مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقائدِ باطلہ کے خلاف دلائل قاطعہ دے کر بھیج دیا تو چونکہ اس کی آواز ایک ساری دنیا کی طرف بھیجے جانے والے مامورِ من اللہ کی آواز تھی اس نے مشرق سے مغرب تک ایک

پہل چا دی اور ساری دنیا کو ایک دوسرے رنگ میں ہلا کر رکھ دیا پھر وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ
 أَنْفَاقَهَا کے مطابق ایک طرف ارض کشمیر نے مسیح کی قبر کو ظاہر کر دیا اور دوسری طرف کچھ عرصہ
 بعد ارض شام نے صحابہ قرآن کی صورت میں الوہیت مسیح کے باطل عقیدہ کے خلاف پڑنے
 والے وہ بھاری ثبوت جو اس میں صدیوں سے ایک بھاری امانت کے طور پر دفن پڑے تھے باہر
 نکال کر رکھ دیئے۔ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا اور الانسان (یعنی مسیحی لوگ یا مسیح کو بخند غنصری
 زندہ جاننے والے مسلمان بزبان حال) پکار اٹھے کہ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے (کہ یہ ہمارے
 دیرینہ عقائد پر پانی پھیرتی جاتی ہے)۔ پس جب یہ سب کچھ وقوع میں آگیا تو یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ
 أَخْبَارَهَا (آیت ۵) اس دن زمین نے اپنی خبریں یعنی وہ خبریں جو اس کے بارہ میں صحیفوں
 میں دی گئیں تھیں بزبان حال بیان کر دیں بِأَن رَّبُّكَ أَوْحَىٰ لَهَا (آیت ۶) کیونکہ وہ خبریں
 قرآن یا پہلے آسمانی صحیفوں میں انکل سے بیان نہیں ہوئی تھیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے رب
 نے ان کے بارہ میں وحی نازل کی تھی۔ اور آپ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کا پورا ہونا
 ضروری تھا۔

ان باتوں کے علاوہ ان آیات میں موعودہ لیلۃ القدر اور اس میں اترنے والے نبی کے
 وقت کے بارہ میں اور بھی کئی باتیں بتائی گئی تھیں۔ مثلاً جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے
 فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا إِلَىٰ قَوْلِهِ بِأَن رَّبُّكَ أَوْحَىٰ لَهَا میں یہ بھی
 بتایا گیا کہ ”اس وقت طبعیتوں اور دلوں اور دماغوں کو غایت درجہ جنبش دی جائے گی اور خیالات
 عقلی اور فکری اور سہمی اور بھیگی پورے پورے جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے اور زمین
 اپنے تمام بوجھوں کو باہر نکال دے گی۔ یعنی انسانوں کے دل اپنی تمام استعدادات مخفیہ کو
 بِمَنْصُصَةٍ ظہور لائیں گے.... اور انسانی قوتوں کا آخری نچوڑ نکل آئے گا.... اور فرشتے جو اس لیلۃ
 القدر میں مرد مصلح کے ساتھ آسمان سے اترے ہوں گے ہر ایک شخص پر اس کی استعداد کے مطابق
 خارق عادت اثر ڈالیں گے یعنی نیک لوگ اپنے نیک خیالات میں ترقی کریں گے اور جن کی
 نگاہیں دنیا تک محدود ہیں وہ ان فرشتوں کی تحریک سے دنیوی عقلوں اور معاشرت کی تدبیروں
 میں وہ ید بیضاء دکھائیں گے کہ ایک مرد عارف مُتَحَيِّر ہو کر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ عقلی اور
 فکری طاقتیں ان لوگوں کو کہاں سے ملیں؟ تب اس روز ہر ایک استعدادِ انسانی بزبان حال باتیں

کرے گی کہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتیں میری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے یہ ایک وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر بحسب اس کی حالت کے اتر رہی ہے یعنی صاف نظر آئے گا کہ جو کچھ انسانوں کے دل و دماغ کام کر رہے ہیں یہ ان کی طرف سے نہیں بلکہ ایک غیبی تحریک ہے کہ ان سے یہ کام کرا رہی ہے سو اس دن ہر ایک قسم کی قوتیں جوش میں دکھائی دیں گی۔ دنیا پرستوں کی قوتیں فرشتوں کی تحریک سے جوش میں آکر اگرچہ بے باعث نقصان استعداد کے سچائی کی طرف رُخ نہیں کریں گی لیکن ایک قسم کا ابال ان میں پیدا ہو کر اور انجماد اور افسردگی دور ہو کر اپنی معاشرت کے طریقوں میں عجیب قسم کی تدبیریں اور صنعتیں اور کلیں ایجاد کر لیں گے اور نیکیوں کی قوتوں میں خارق عادت طور پر الہامات اور مکاشفات کا چشمہ صاف صاف طور پر بہتا نظر آئے گا۔ اور یہ بات شاذ و نادر ہوگی کہ مومن کی خواب جھوٹی نکلے۔ تب انسانی قوتوں کے ظہور و بروز کا دائرہ پورا ہو جائے گا اور جو کچھ انسان کے نوع میں پوشیدہ طور پر ودیعت رکھا گیا وہ سب خارج میں جلوہ گر ہو جائے گا۔ یہ اشارہ بھی اس آیت میں ہے کہ اس وقت زمین ”جس پر انسان رہتے ہیں اپنے تمام خواص ظاہر کر دے گی اور علم طبعی اور فلاحت کے ذریعہ سے بہت سی خاصیتیں اس کی معلوم ہو جائیں گی اور کانیں نمودار ہوں گی اور کاشت کاری کی کثرت ہو جائے گی۔“ (تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۴۴۱، ۴۴۲۔)

یہ ساری باتیں بھی ہمارے اس زمانہ ہی میں ظہور میں آئی ہیں پس ان باتوں کے اجتماع کو دیکھ کر ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہی زمانہ دجال کے عروج کا زمانہ ہے جس کے ہاتھ پر مخیر العقول مادی ترقیات ہوئی ہیں اور پھر یہی زمانہ مہدی معبود المسیح الموعود کے ظہور کا زمانہ ہے جس کے ہاتھ سے قتل دجال مقدر کیا گیا تھا۔ اور جب یہ بات کسی کی سمجھ میں آجائے تو پھر مامور وقت کو پہچان لینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں رہتا کیونکہ اس وقت مامور ہونے کا ایک ہی دعویدار میدان میں کھڑا ہے۔ اس کے ساتھ آسمانی نشان بھی ہیں اور زمینی نشان بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت جو کبھی جھوٹوں کو نصیب نہیں ہوتی ہر قدم پر اس کے شامل ہے۔ ہر نیا دن اس کے لئے نئی فتوحات لے کر آتا ہے اور ہر نئی شام اسے پہلے سے کہیں آگے پہنچا ہوا پاتی ہے۔ مسلمان کہلانے والے علماء سوء جتنی زیادہ کوشش اس کا راستہ روکنے کے لئے کرتے ہیں اتنی ہی خدا تعالیٰ اسے ترقی دیتا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ وہ قادیان کی گلیوں میں اکیلا پھرتا تھا اور اب ان خبروں

کے مطابق جو خدا تعالیٰ نے اُس وقت اُس کو دی تھیں کڑوڑوں اس کی غلامی میں داخل ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ایک ایک آنہ چندہ دینے والوں کے نام اس نے اپنے قلم سے اپنی کتابوں میں لکھے اور ایک یہ زمانہ ہے کہ لاکھ لاکھ پاؤنڈ یا ڈالر ایک ایک آدمی دے جاتا ہے اور اسے اپنے لئے سعادت یقین کرتا ہے۔ ۱۶۹ سے زیادہ ممالک میں اس کے فدائیوں کی جماعتیں قائم ہو چکی ہیں اور ہزاروں مساجد بن چکی ہیں اور ان سے کئی گنا زیادہ بنی بنائی مل چکی ہیں۔ ساری دنیا میں ایک اسی کی جماعت ہے جسے ۲۴ گھنٹے اپنے T.V پر پیغام حق نشر کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ سبکی مناد اس کے مقابل پر شکست کھا رہے ہیں قرآن کریم کے سو کے قریب زبانوں میں ترجمے کرنے اور کئی زبانوں میں انہیں شائع بھی کرنے کی توفیق جو بڑی بڑی اسلامی حکومتوں کو بھی نہیں ملی اس کے غلاموں کو مل رہی ہے۔

جب نبی موعود کے ظہور کی علامتیں بیان ہو گئیں تو سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا لوگ ان ملامتوں سے فائدہ اٹھا کر اسے مانیں گے یا نہیں؟ اور چونکہ سب لوگ تو کسی نبی کو بھی نہیں مانا کرتے لیکن کچھ ضرور مانا کرتے ہیں تاہم ماننے والے بھی جب تک ایمان کے تقاضوں کے مطابق نیک عمل نہ کریں انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوا کرتا (الانعام ۶: ۱۵۹)۔ اس لئے دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جو لوگ اسے مان کر اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکیاں بھی بجا لائیں گے کیا ان کو بر جو ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اس نبی کے خلاف شرارتوں سے کام لیں گے ان کو اپنے کئے کا کچھ نتیجہ دنیا میں بھی معلوم ہوگا یا نہیں۔ اگلی آیتوں میں جو سورۃ الزلزال کی آخری آیتیں ہیں ان والوں کا جواب دیا گیا۔ فرمایا:-

يَوْمَئِذٍ يُصْدِرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لَّيْرًا أَعْمَالُهُمْ (۷) فَمَنْ

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (۸) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

شَرًّا يَرَهُ (۹)

صَدَرَ کے معنی ہیں آگے بڑھنا۔ نکل پڑنا۔ خروج کرنا۔ اور أَشْتَاتًا کے معنی "اگ"۔ گروہوں کی صورت میں" کے ہیں۔ چنانچہ جَاءُوا أَشْتَاتًا کہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ
THEY CAME IN DETACHED BANDS۔ اور BAND کے معنی
ORGANISED PARTY (الفرائد اُلدریہ)۔

پس پہلی آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس دن جب نبی موعود ظاہر ہوگا (یعنی اس لیلۃ القدر میں اس میں اترنے والوں فرشتوں کی تحریک سے) وہ سب نیک فطرت لوگ جو زمین کی چاروں اطراف میں پوشیدہ طور پر زندگی بسر کر رہے ہوں گے ایک گروہ کی صورت میں اکٹھے ہو جائیں گے اور بد فطرت لوگوں کا بھی (الْكَفَرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ کے مطابق) ایک گروہ نظر آئے گا۔

یا چونکہ لفظ شر کے معنی جیسا کہ امام راغب نے اپنی مفردات میں لکھا ہے۔ عیب کینہ اور جنگ کے بھی ہوتے ہیں۔ اور خیر کا لفظ اس کے مقابل پر آیا ہے اس لئے یہ مطلب ہے کہ نیک فطرت لوگ جو اس نبی پر ایمان لائیں گے اس کی نصرت کی خاطر منظم گروہوں کی صورت (میدانِ عمل میں ٹکلیں گے اور بد فطرت لوگ بھی جو اس سے کینہ رکھنے والے ہوں گے اس کے ساتھ ایک طرح کی جنگ کرنے کے لئے منظم گروہوں کی صورت میں میدان میں آجائیں گے)۔

چنانچہ دیکھ لیجئے نبی موعود حضرت مہدی مسعود علیہ السلام چونکہ ساری دنیا کی اصلاح کے لئے مامور ہو کر آئے دنیا کے کونے کونے سے آکر لوگ آپؑ کی جماعت میں شامل ہوتے جا رہے ہیں اور اس طرح ان نیک فطرت لوگوں کا ایک منظم گروہ بن گیا ہے جو دن بدن پھیلتا جاتا ہے۔ دوسری طرف بد فطرت لوگ بھی اگرچہ کئی فرقوں میں بٹے ہوئے تھے (الْكَفَرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ کے مطابق) آپؑ کی مخالفت میں سب اکٹھے ہو گئے ہیں اور اس طرح ان کا بھی ایک گروہ نظر آنے لگا ہے۔ یعنی اگرچہ دل ان کے پٹھے ہوئے ہیں مگر ظاہر میں ان پر ایک ہونے کا گمان ہوتا ہے (تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ۔ الحشر ۵۹:۱۵)۔

لَيَسْرُوا أَعْمَالَهُمْ کے الفاظ سے جن کے معنی یہ ہیں کہ تا ان کو (خدا کی طرف سے) ان کے اعمال (کانتیجہ) دکھا دیا جائے اشارہ ہوتا ہے کہ اس نبی کے انصار کا گروہ اور اس کے دشمنوں کا گروہ دونوں اپنے آپ کو حق پر سمجھ رہے ہوں گے اور خدا سے فیصلہ چاہیں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کفار نے بھی بدر کے دن دعا کی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ اَوْ اَنْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيمٍ (الانفال ۸: ۳۳) اور پھر خدا تعالیٰ کا فیصلہ ان کی ہلاکت اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؑ کے ساتھیوں کی فتح کی صورت میں ظاہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی بعض مخالفوں نے اپنے آپ کو حق پر سمجھتے

ہوئے نبی موعودؑ کے مقابل پر ایسی ہی دعا مانگی اور ان میں سے ہر ایک کے حق میں بھی خدا تعالیٰ کا ویسا ہی فیصلہ صادر ہوا جیسا کہ کفار مکہ کے حق میں ہوا تھا۔

لَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔
حرف مَنْ جمع اور مفرد دونوں کے لئے آجاتا ہے۔ لیکن الفاظ یَوْمَئِذٍ یُصْذَرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا کے مد نظر یہاں اس سے گروہ مراد لینا کم از کم دنیا کے لحاظ سے اولیٰ ہے۔

اب ہر چشم پینا رکھنے والا خود دیکھ سکتا ہے کہ نبی وقت حضرت مہدی موعودؑ کی جماعت کے معمولی چندوں اور حقیر کوششوں میں خدا تعالیٰ نے کتنی برکت ڈالی ہے اور ان کے نتیجہ میں دنیا کے اندر کیسا عظیم انقلاب برپا ہو رہا ہے اور اس کے بالمقابل آپؑ کے مخالفین کس طرح ہر میدان میں ہلکتے اور ذلت و نامرادی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اگرچہ نیک و بد اعمال کے نتائج کے بہام و کمال نکلنے کے لئے اخروی قیامت کا دن مقرر ہے لیکن نبی کا زمانہ بھی چونکہ ایک طرح کی قیامت کا زمانہ ہوتا ہے چنانچہ آنحضورؐ نے فرمایا اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِيْ اور قیامت کے دن کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ لَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَهُوَ فِيْ عِشِيَةِ رَّاٰ ضِيَاۤءٍ ۖ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ط اس لئے اگر وَمَنْ يَعْمَلْ کے الفاظ گروہ کی بجائے افراد کے متعلق سمجھے جائیں تو ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اس وقت اگر کوئی شخص (نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جانے کے بعد) ایک ذرہ برابر بھی کارِ خیر کرے گا یا ایک ذرہ برابر بھی شر کا مرتکب ہوگا۔ تو وہ اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔

ایک شخص نے آنحضورؐ سے عرض کی کہ میں جب کافر تھا تو اللہ کی راہ میں خیرات کیا کرتا تھا کیا اس خیرات کا بھی کوئی نفع مجھے ہوگا حضورؐ نے فرمایا اَسَلِمْتَ عَلٰی مَا اَسَلَفْتَ تیری وہی نیکی تو تیرے اسلام کا موجب ہوئی۔ لہذا زیرِ نظر آیات کا مطلب یہ ہوا کہ اُن دو میں سے اوّل لَذَرَ فُحْصِ اٰمِنِيْ کا نتیجہ نبی وقت پر ایمان لانے کی توفیق اور اس کے نیک ثمرات کی صورت میں دیکھ لے گا اور موخر لَذَرَ فُحْصِ اپنے اعمال شر کا نتیجہ ایمان سے محرومی اور اس کے بد اثرات کی صورت میں دیکھ لے گا۔ چنانچہ اس نبی کے آنے پر کئی لوگ جو بظاہر نیک سمجھے جاتے تھے ایمان سے محروم رہے کیونکہ علمِ الہی میں ان کی بدیاں ان کی نیکیوں سے زیادہ تھیں اور بعض

جو بد سمجھ جاتے تھے ایمان کی توفیق پامگئے اور انہوں نے بڑے بڑے روحانی مراتب حاصل کئے کیونکہ خدا کے نزدیک ان کی نیکیاں بدیوں سے زیادہ تھیں۔

=====

قرآن کی سورۃ العصر میں حضرت مہدی موعودؑ کی بعثت کیلئے دو مختلف حسابوں سے ایک ہی سال بتایا گیا اور وہی سال آنحضرتؐ کی بعثتِ ثانیہ کا سال ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ مہدی موعودؑ ہی کی صورت میں حضورؑ کا دوسرا بعثت ہونا مقدّر تھا۔ اور اس سال میں صرف حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ ہی ان منصوبوں کے دعویدار بن کر (ہزارہا نشانات کے ساتھ) کھڑے ہوئے اسلئے لاریب وہ

اپنے دعاوی میں سچے ہیں

سورۃ العصر میں ہے:-

وَالْعَصْرِ (۲) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (۳) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّأَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّأَوْا
بِالصَّبْرِ (۴)

اس سورۃ میں العصر یعنی زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے یعنی اسے گواہ بنایا گیا ہے اس بات پر کہ ہر انسان گھائے میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے الخ۔ ایمان کا تعلق انبیاء سے ہوتا ہے خدا اور قیامت پر ایمان بھی انہی کے ذریعہ ملتا ہے اور انہی کے آنے کے بعد انسان مکلف بنا اس لئے اس میں العصر سے ابتدائے آفرینش سے لے کر آنحضورؐ تک کا زمانہ مراد نہیں بلکہ سلسلہ انبیاء کی ابتداء سے آنحضورؐ تک کا زمانہ مراد ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ کو الہاماً بتایا گیا کہ اس سورۃ کے اعداد میں جو بحسابِ نمل ۴۷۳۹ ہیں عمرِ دنیا حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضورؐ تک قمری حساب سے بتائی گئی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ لفظ عصر کے معنی جہاں زمانہ کے ہیں وہاں دن کے ابتدائی

حصہ کے بھی ہیں اور دن کے آخری حصہ کے بھی ہیں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ اسلام کے دن کی ابتداء ہوئی اور جس طرح سارا زمانہ جو حضرت آدم سے آنحضور ﷺ تک گزرا یعنی ہر نبی کا عہد جواب قسم میں مذکور امور پر گواہ ہوا اسی طرح بلکہ دوسرے سب نبیوں کے زمانہ سے بڑھ کر آنحضور کا زمانہ ان امور پر گواہ ہوا۔ اور العصر کی قسم کھا کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ کی طرح اس کا آخری زمانہ بھی ان امور پر گواہ ہوگا یعنی اس وقت پھر ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ یہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ آخری زمانہ ایک اعتبار سے اسلام کے دن یعنی زمانہ کا آخری حصہ ہوگا اور دوسرے اعتبار سے اس کا ابتدائی حصہ بھی ہوگا۔ یعنی اس نبی کے آنے سے اسلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ اور لفظ عصر کے یہ دونوں معنی بیک وقت اس دور پر چسپاں ہوں گے چنانچہ اس سورۃ میں جس طرح آنحضور ﷺ کی بعثت کا سال بتایا گیا اسلام کے آخری دنوں میں آنے والے نبی مہدی موعود کی بعثت کا سال بھی بیان کیا گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت مہدی موعود کی پیدائش جیسا کہ آپؐ نے خود لکھا اس وقت ہوئی جب چھٹے ہزار کے اختتام میں ابھی گیارہ سال باقی تھے۔ یعنی حضرت آدمؑ سے لے کر آپؐ کی پیدائش تک ۶۰۰۰-۱۱=۵۹۸۹ سال ہوئے تھے۔

آپؐ کی پیدائش ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۰ شوال ۱۲۵۰ھ کو ہوئی۔ گویا ۱۲۵۰ ہجری کا سال جو آپؐ کی پیدائش کا سال ہے حضرت آدمؑ سے شروع ہونے والے سالوں میں پانچ ہزار نو ہونوا سیواں سال تھا اور آپؐ کو ماموریت کا پہلا الہام ۱۸۸۲ء بمطابق ۱۳۰۰ھ میں ہوا۔ یعنی قمری سب سے پیدائش کے پورے ۵۰ سال گزرنے پر۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آپؐ کے مبعوث کئے جانے تک ۵۹۸۹+۵۰=۶۰۳۹ سال ہوئے تھے۔

آنحضورؐ نے اپنی پہلی تین صدیوں کو اچھی صدیاں قرار دیا۔ اس کے بعد فوج اعوج کا اندہ آنے کی اور اس کے بعد خلافت علیؑ منہاج موت کے قائم ہونے کی خبر دی۔ فوج اعوج کا اندہ آیت **يُدْبِرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ قُدْرَةُ أَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ** (سورۃ السجدہ ۳۲:۶) کے مطابق ہزار سالہ زمانہ ہے۔ سورۃ ر کے مطابق بھی یہ زمانہ ہزار سالہ ہی ہے اور اُس سورۃ کے مطابق اس کی ابتداء پہلی قریباً تین ہزار سالوں پر ہوئی تھی۔ پس حضرت آدمؑ سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ تک

جو ۴۷۳۹ سال گزرے ان میں یہ تین سو اور ہزار یعنی کل ۱۳۰۰ سال جمع کریں تو موعودہ خلافت علیٰ منہاج نبوت کے قائم ہونے کا سال نکل آئے گا۔ اور ان اعداد کی حاصل جمع ۶۰۳۹ ہے لہذا حضرت آدمؑ سے ٹھیک ۶۰۳۹ سال گزرنے پر یعنی ۱۳۰۰ھ میں یہ خلافت قائم ہونا مقدر تھی۔ اور سورۃ الفجر میں مذکور اشارات کی رو سے بھی (جن کی تفصیل اوپر آچکی ہے) آنحضرت ﷺ کے بعد آنے والے نبی نے اسی سال میں مبعوث ہونا تھا۔ پس دو الگ الگ سورتوں میں دو الگ الگ حسابوں سے ٹھیک ایک ہی نتیجہ پر پہنچا کر خدا تعالیٰ نے نبی موعود کی پہچان کے لئے ایک طرح کا کراس ٹیسٹ مہیا کر دیا اور قطعی طور پر بتا دیا کہ اس کی بعثت کے لئے یہی سال (۱۳۰۰ھ) مقدر تھا۔ اور ٹھیک اس سال میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی خلعت ماموریت سے سرفراز ہو کر بطور مہدی موعود مبعوث ہوئے اور ہزاروں نشانوں کے ساتھ مبعوث ہوئے لیکن دوسرے کسی شخص نے اس سال میں ماموریت کا دعویٰ تک نہیں کیا۔ لہذا یہ بات یقینی ہے کہ آپ ہی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے اور قرآن کے وہ موعود نبی ہیں جس نے آخری دنوں میں آنا تھا۔ اور چونکہ سورۃ الجمعہ کے مطابق آنحضورؐ کا ایک بعث اٹھ کے آخرین میں بھی ہونے والا تھا اور ایک حدیث کی رو سے یہ بعث چھٹے ہزار کے آخر میں اور دوسری حدیث کی رو سے ساتویں ہزار کے شروع میں ہونا مقدر تھا اور حضرت مہدی موعودؑ ہی شکی حساب سے چھٹے ہزار کے آخر میں اور قمری حساب سے ساتویں ہزار کے شروع میں مبعوث ہوئے اس لئے اس میں بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ہی کے وجود میں آنحضرت ﷺ کا موعودہ بعث ہوا۔

لفظ عصر کے ایک معنی دھر کے بھی ہیں لیکن جہاں دھر کا لفظ مطلق زمانہ کے لئے آتا ہے وہاں عصر کا لفظ اس کے گزرنے کے لحاظ سے استعمال ہوتا ہے۔ پس مندرجہ بالا آیات میں گزرنے والے وقت کو اس بات پر گواہ ٹھہرا کر کہ ہر انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے اور انہوں نے حق کی تاکید کی اور حق کے ساتھ کی اور مبرکی تاکید کی اور مبر کے ساتھ یعنی استقلال کے ساتھ کی خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کی صورت میں چڑھنے والے دن کے ابتدائی حصہ میں بھی اور آخری حصہ میں بھی یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے وقت میں بھی اور مہدی موعود کے وقت میں بھی ہر انسان کو چاہیے کہ ان پر ایمان لائے اور ہمارے وقت اعمال صالحہ بجالائے اور قُواصُوا بِالْحَقِّ اور قُواصُوا بِالصَّبْرِ میں آگے سے

آگے قدم رکھنے میں مصروف رہے۔ اور ایک دم کے لئے بھی غافل نہ ہو۔ کیونکہ اپنے رسولوں کے وقت کو تو خدا تعالیٰ نے ضائع نہیں کرنا ان کے مقاصد کو تو اس نے مُذتِ مقررہ کے اندر پورا کرنا ہی کرنا ہے اس لئے جو لوگ ان کے قدم کے ساتھ قدم نہیں ملائیں گے اور عملاً اپنے دین سے پھر جائیں گے خدا تعالیٰ ان کی جگہ اور لوگ لے آئے گا جن سے وہ محبت کرنے والا اور وہ اس سے محبت کرنے والے ہوں گے (المائدہ ۵۰:۵۵) اور بنا برائیں وہ لوگ یہ کام کریں گے اور غفلت سے کام لینے والے نقصان اپنا ہی کریں گے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: مَنْ اسْتَوَى يَوْمَ مَآءٍ فَهُوَ مَغْبُورٌ جس کے دو دن برابر ہوئے یعنی اس نے دوسرے دن پہلے دن سے بلکہ (یوم کے معنی چونکہ مطلق وقت کے بھی ہیں) ہر دوسری گھڑی میں پہلی گھڑی سے ترقی نہیں کی وہ گھانٹے میں ہے۔ چنانچہ اس آیت میں مذکور اشارہ کے عین مطابق حضرت مہدی موعود کو الہام ہوا

أَنْتَ الشَّيْخُ الْمَسِيحُ الَّذِي لَا يُضَاعُ وَقْتُهُ

(تذکرہ صفحہ ۳۷۰)

تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔

وَتَوَّأَصُوا بِالْحَقِّ وَتَوَّأَصُوا بِالصَّبْرِ :- حق کا لفظ قرآن میں خدا تعالیٰ اور رُزآن کے لئے بکثرت آیا ہے چونکہ اسلام کی طرف دعوت میں خدا تعالیٰ اور اس کی محبت اور رُزآن کی طرف دعوت شامل ہے اس لئے علیٰ حذف مضاف یہاں حق سے دین حق یعنی اسلام راہ ہے لیکن اسلام کی بجائے جو حق کا لفظ رکھا گیا تو یہ بلا وجہ نہیں بلکہ ایسا کر کے یہ اشارہ کیا لیا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں ایمان لا کر اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو جو حق کے اتھ یعنی سچے دل سے اور لوگوں کی سچی محبت اور خیر خواہی کی راہ سے سچے دلائل کے ساتھ لوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے اور اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینے والے ہوں گے بیسہ کہ وَتَوَّأَصُوا بِالصَّبْرِ کے الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے) اپنے دین کو ”اسلام“ کہنے سے لے دیا جائے گا اور وہ اس کی بجائے دین حق کا لفظ استعمال کرنے لگیں گے۔ اور چونکہ یہ اسلام کے دو باؤل میں واقع نہیں ہوئی اس لئے اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ پیشگوئی اس دورِ ثانی یعنی مہدی موعود کے وقت کے لئے تھی۔ چنانچہ اس دور میں جنرل ضیاء الحق نے ا کی ضیاء یعنی روشنی بننے کی بجائے حق کو ضائع کرنے والا بن کر حضرت مہدی موعود کے

ماننے والوں کو جو مذکورہ بالا تمام صفاتِ حسنہ سے متصف ہیں باوجود دل و جان سے مسلمان ہونے کے اپنے دین کو اسلام کہنے سے قانوناً روک دیا جس کی وجہ سے وہ اسلام کی بجائے دینِ حق کی اصطلاح استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے اور اگرچہ خدا تعالیٰ نے اس صورت میں بھی انہیں حق ہی پر قائم رکھا لیکن قرآن کریم کی یہ پیشگوئی بہر حال پوری ہو گئی بلکہ اس کے ساتھ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی ایک نئی شان سے پورا ہوا کہ ”إِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرُّجُلِ الْفَاجِرِ“ (بخاری کتاب القدر حدیث ۵) ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ایک فاجر کے ہاتھ سے اس دین کی تائید کروائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کیونکہ یہ فاجر شخص قرآن کریم کی یہ پیشگوئی پوری کرنے کا ذریعہ بھی بنا اور دنیا ہی میں جل کے مر کر اپنے جہنمی ہونے کا ثبوت بھی فراہم کر گیا۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّأَوْا بِالْحَقِّ ۖ وَتَوَّأَوْا
بِالصَّبْرِ کے الفاظ اگرچہ بے حد امر نہیں آئے مگر ظاہر ہے کہ امر ہی مراد ہے اور جب بھی خدا تعالیٰ کسی قوم کو کوئی حکم دے تو اس میں یہ پیشگوئی مضمر ہوتی ہے کہ بعض لوگ اس پر عمل کریں گے اور بعض عمل نہیں کریں گے۔ پس یہ الفاظ رکھ کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ آئندہ زمانہ میں جب پھر ایک نبی آئے گا اس وقت بعض لوگ تو اس پر ایمان لا کر اعمالِ صالحہ بجا لانے والے اور صحیح معنوں میں تَوَّأَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّأَوْا بِالصَّبْرِ پر عمل کرنے والے ہوں گے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو دوسروں کو اسلام قبول کرنے یا اس پر عمل کرنے کی تاکید تو کریں گے لیکن اس حال میں ایسا کریں گے کہ ان کو اس کا حق نہیں پہنچتا ہوگا۔ یعنی نہ تو وہ نبی وقت پر ایمان لائیں گے۔ نہ ان کے اعمالِ صالحہ ہوں گے۔ نہ وہ اسلام کو سمجھتے ہوں گے اور نہ ان کی دعوت سچائی پر مبنی ہوگی یعنی سچی انسانی ہمدردی اس کا محرک نہیں ہوگی بلکہ دنیوی مفاد اس کا محرک ہوں گے۔ چنانچہ جماعتِ احمدیہ کے اکثر افراد اس پیشگوئی کو پہلے معنوں میں اور دوسرے علماء کہلانے والے اسے دوسرے معنوں میں پورا کرنے والے ہیں۔

وَتَوَّأَوْا بِالصَّبْرِ کے الفاظ جن کے معنی یہ ہیں کہ صبر کی وصیت کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ کرتے ہیں بتاتے ہیں کہ اس وقت داعیانِ الٰہی اللہ کو بھی اور ان کی دعوت قبول کرنے والوں کو بھی بڑے صبر آزمائے حالات میں سے گزرنا پڑے گا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی اس

زمانہ میں جو حضرت مہدی موعودؑ کا زمانہ ہے نہایت وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی۔ پاکستان میں تو جماعت احمدیہ کے لئے اپنے مسلک کی تبلیغ قانوناً ممنوع قرار دی جا چکی ہے اور اس "جرم" میں کتنے ہی احمدیوں پر مقدمے بنائے گئے اور انہیں جیلوں میں ڈالا گیا۔ بلکہ کئی ایک کو شہید بھی کیا گیا ہے۔ رہے ان کی دعوت کو قبول کرنے والے تو ان لوگوں کو پہلے تو ناحق مرتد قرار دیا جاتا ہے اور اس کے بعد طرح طرح کی سختیوں میں ڈالا جاتا ہے۔

=====

سورة الفیل میں مہدی موعودؑ کا ذکر

سورة العصر میں اسلام کے دورِ اوّل میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اور دورِ ثانی میں مہدی موعودؑ کو نہ ماننے والوں کے گھائے میں ہونے کا اور ان کو مان کر اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کے اس گھائے سے مامون و محفوظ رہنے کا ذکر تھا اور سورة الفیل میں یہ بتایا گیا کہ آنحضورؐ کے دشمنوں کی ہلاکت کیسے واقع ہوئی اور مہدی موعودؑ کے دشمنوں کی ہلاکت کیسے واقع ہوگی۔ فرمایا:-

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (۲) أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ (۳) وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ (۴) تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ (۵) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ (۶)

(اے رسول) کیا تو نے نہیں جانا کہ تیرے رب نے اصحابِ فیل سے کیا کیا۔ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا۔ اور اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے۔ جو انہیں (پکی ہوئی) مٹی کی کنکریاں مارتے تھے سو اس نے انہیں کرم خوردہ بھوسے کی مانند کر دیا۔

مفسرین نے اصحابِ الفیل سے ابرہہ اور اس کا لشکر۔ ان کی 'کید' یعنی تدبیر سے خانہ کعبہ کو مہار کرنے کی تدبیر اور خدا تعالیٰ کے اس تدبیر کو فی تھلیل کرنے سے ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی مراد لی ہے۔ لیکن نہ تو اصحابِ الفیل صرف ابرہہ اور اس کا لشکر تھے نہ ان کی تدبیر

صرف خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی تدبیر تھی اور نہ خدا تعالیٰ نے جو کاروائی ان کے خلاف کی وہ صرف ان کی تباہی کی کاروائی تھی بلکہ اول اصل اصحاب الفیل تو رومی حکومت تھی جس کے ابرہہ اور اس کا لشکر ماتحت تھے اور دوم ان کی تدبیر دراصل دو تدبیروں پر مشتمل تھی ایک تدبیر مسیح کو ابن اللہ قرار دینے یعنی فوق البشر کے طور پر پیش کرنے کی تدبیر تھی تا اگر ابراہیمی پیشگوئیوں کے مطابق خانہ کعبہ کے پاس کوئی رسول آجائے (جو ظاہر ہے کہ خدا کے تمام رسولوں کی طرح علم بردار و توحید ہی ہو سکتا تھا) تو مسیح کے مقابلہ پر اس کا سکہ نہ چل سکے اور دوسری تدبیر خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی تدبیر تھی تا یہ کہہ کر کہ نبی موعود نے تو خانہ کعبہ کے پاس آتا تھا اور خانہ کعبہ موجود ہی نہیں اسے جھوٹا ثابت کیا جاسکے رہی خدا کی تدبیر جو اس نے انکی تدبیر کے خلاف کی تو اس کا بیان اس نے وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ کے الفاظ سے یعنی 'و' سے شروع کیا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس نے ان کے خلاف دو تدبیریں کی تھیں ایک تدبیر ارسال طیر کی تھی اور دوسری تدبیر اس کے علاوہ تھی جو مفلوظ نہیں کی گئی اور اسے مفلوظ نہ کر کے بتایا ہے کہ اس کا تعلق مخاطب یعنی حضرت نبی کریم ﷺ سے ہے اور وہ اسے ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ یعنی وہ تدبیر ارسال رسول کی یعنی آپ کو بطور نبی مبعوث کرنے یا اس کے فیصلہ کی تدبیر تھی۔

وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ کے بعد ہے تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔

نمبر ۱ یہ کہ "وہ (پرندے) ان کو (یعنی ان کے مردہ جسم کی بوٹیوں کو ٹوچ ٹوچ کر) پتھروں پر مارتے تھے (جیسا کہ گوشت خور پرندوں کی عادت ہوتی ہے)" اور
نمبر ۲ یہ کہ "وہ (پرندے) انہیں حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مارتے تھے۔"

اکثر مفسرین نے پہلے معنی لئے ہیں۔ ان کی رو سے اس آیت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ان کی تباہی اس کثرت سے ہوئی کہ لاشیں اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اور چونکہ وہ کھلے میدان میں پڑی تھیں گوشت خور پرندے انہیں کھاتے تھے۔ مگر یہ معنی لیں تو اس بات کی طرف کہ ان کی تباہی کیسے واقع ہوئی کوئی اشارہ نہیں نکلتا۔ حالانکہ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ کے الفاظ اس بات کے متقاضی تھے کہ ان کے بعد طریق تباہی کا بیان بھی ہوتا لیکن دوسرے معنی لیں تو اس آیت سے طریق تباہی کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے اس لئے یہی معنی مقدم ہیں اگرچہ پہلے معنی بھی غلط

نہیں۔ چنانچہ حکم وقت حضرت مہدی موعودؑ کے ایک ارشاد سے انہی موخر الذکر معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ آپؑ نے اس آیت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”تیرے رب نے.... چھوٹے چھوٹے جانور ان کے مارنے کے لئے بھیجے۔“

یاد رکھنا چاہیے کہ حِجَارَةٌ مِّنْ سِجِّیلٍ ان پتھروں کو کہتے ہیں جو مٹی کے پک جانے سے بنتے ہیں اور عام پتھروں سے بہر حال نرم ہوتے ہیں اس لئے اگر صرف یہ معنی مراد ہوتے کہ وہ پرندے ان لوگوں کو کھانے کیلئے پتھروں پر مارتے تھے تو حِجَارَةٌ کے ساتھ مِّنْ سِجِّیلٍ کا اضافہ بلا ضرورت ہی نہیں خلاف حکمت بھی ہوتا۔

دراصل حِجَارَةٌ مِّنْ سِجِّیلٍ جو فرمایا گیا تو اسی میں سارے معاملہ کی کنجی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ وہ پرندے کنکریاں لے کر کیوں آتے تھے۔ آخر یہ کسی پرندہ کی عادت تو نہیں ہوتی۔ پھر وہ انہیں عین ابرہہ کے لشکر پر کیوں مارتے تھے۔ پھر بعض روایات میں جو یہ آتا ہے کہ ان کنکروں کے لگنے سے اہل لشکر کو چپک ہو جاتی تھی اس کی کیا وجہ تھی۔ سو جانا چاہیے کہ چپک مویشیوں کو بھی ہو جاتی ہے۔ مویشی (گائیں بھینسیں وغیرہ) کچھڑ والے پانی میں نہا کر خوش ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پرندے Migratory قسم کے پرندے تھے اور وہ دن ان کے انتقال مکانی کے دن تھے اور جس جگہ پر سے وہ آرہے تھے اس جگہ پر چپک کی وبا اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ اس نے مویشیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہوا تھا۔ چپک زدہ مویشی کچھڑ والے پانی سے نہا کر نکلتے تو وہ پرندے حسب عادت ان کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے اور ان کے زخموں میں چونچیں مارتے تھے۔ اس طرح چپک کے جراثیموں سے آلودہ کچھڑ ان کی چونچوں اور ان کے پنجوں کے ساتھ لگ جاتا تھا۔ اور جب وہ اڑ کر اپنے سفر پر روانہ ہوتے تو دھوپ اور ہوا لگنے سے وہ کچھڑ خشک ہونا شروع ہو جاتا تھا اور ان کے ابرہہ کے لشکر تک (جو ان کے راستہ میں پڑتا تھا) پہنچتے پہنچتے اتنا خشک ہو جاتا تھا کہ کنکریوں کی صورت اختیار کر لیتا تھا اور ان کی چونچوں اور پنجوں سے جھڑنا شروع ہو جاتا تھا۔ پس وہ کنکریاں لشکر پر گرتیں اور جن پر گرتیں ان میں چپک پیدا کر دیتی تھیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے تَسُوْ مِنْهُمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیلٍ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اور چونکہ وہ پرندے جھنڈ در جھنڈ آرہے تھے اس لئے وہ کنکریاں بہت سے سپاہیوں کو جا لگی تھیں پس کچھ کو براہ راست ان کنکریوں کے لگنے سے چپک ہوئی اور کچھ کو چپک زدہ ساتھیوں

ہے۔ اور چونکہ اس کا علاج اُس زمانہ میں عام نہیں تھا ان میں کثرت سے اموات ہوئیں اور جو نہیں بھی مرے وہ **كَعْصِفٍ مَّاكُولٍ** یعنی ایسے بھوسے کی طرح ہو گئے جس کے اندر سے دانے کھائے گئے ہوں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ چچک سے جسم میں کھڈے پڑ جاتے ہیں اور وہ بالکل **كَعْصِفٍ مَّاكُولٍ** ہو جاتا ہے۔ ان کا اس حالت کو پہنچنا چونکہ خدا تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے اذن سے ہوا اس لئے اس نے اسے اپنی طرف منسوب کیا یعنی **فَجَعَلَهُمْ كَعَصِفٍ مَّاكُولٍ** فرمایا۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بھوسے کے اندر پڑے ہوئے دانوں کو کھڑا کھایا کرتا ہے پس **فَجَعَلَهُمْ كَعَصِفٍ مَّاكُولٍ** کے الفاظ میں بھی اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ملتا ہے کہ ان لوگوں کے اس حالت کو پہنچنے کا باعث ایک قسم کے کٹرے یعنی جڑوے تھے اور اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ لوگ وہابی مرض کا شکار ہوئے تھے۔ اب دیکھئے اس زمانہ میں جڑوسوں کا کوئی علم انسان کو نہیں تھا مگر خدائے علیم نے اس کی طرف اشارہ فرمادیا تا جب ان باتوں کا انسان کو علم ہو تو اسے قرآن کریم کے عالم الغیب خدا کی طرف سے ہونے پر ایک تازہ دلیل ملے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سورۃ الفیل سے پہلی سورۃ 'الہمزہ' میں اشارہ کیا گیا تھا کہ جیسا کہ ہمیشہ سے دشمنانِ انبیاء کی عادت ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمن بھی آپ کے خلاف زبان اور ہاتھ دونوں استعمال کریں گے۔ الزام تراشیاں بھی کریں گے اور اپنے مال کے زور پر جنگ کی طرح بھی ڈالیں گے مگر نامراد رہیں گے۔ اگرچہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو الہی وعدوں پر یقین تھا لیکن معلوم ہوتا کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اطمینانِ قلب کے لئے یہ دعا کی تھی کہ **رَبِّ اِرْنِیْ کَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتِیْ** اسی طرح یہ دیکھتے ہوئے کہ آپ کا دشمن طاقتور ہے اور آپ کمزور ہیں آپ نے بھی اطمینانِ قلب کی خاطر خدا تعالیٰ سے یہ جاننا چاہا کہ دشمن کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود آپ کیسے کامیاب ہوں گے۔ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا۔ فرمایا **اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ**۔ اے رسول کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اصحابِ الفیل سے (یعنی ابرہہ اور اس کے لشکر سے بلکہ زویٰ سلطنت سے جو ان کے پیچھے تھے) کیا معاملہ کیا۔ **اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَہُمْ فِیْ تَضْلِیْلِ** کیا اس

نے (جیسا کہ رَبُّک کے لفظ میں اشارہ ہے تجھے پیدا کر کے اور تجھے درجہ بدرجہ ترقی دیتے ہوئے نبی بنا کر) ان کی تدبیر کو (جو مسیح کے ابن اللہ ہونے کے باطل عقیدہ کو پھیلا کر توحید الہی کے قیام میں رخنہ ڈالنے کی تدبیر تھی) اکارت نہیں کر دیا۔ (مطلب یہ تو اس پر خود گواہ ہے اور جب اس نے تجھے مبعوث فرما کر یعنی تیرے ذریعہ اتنی بڑی حکومت کی اتنی بڑی تدبیر کو اکارت کر دیا تو کیا مشرکین مکہ کی (جو ان کے مقابل پر کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے) تدبیر کو تیرے ہی ذریعہ اکارت نہیں کر دے گا۔ وَ أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ (جیسا کہ تو جانتا ہے ان کی تدبیر کے اکارت کرنے کو اس نے ایک تو تجھے مبعوث کیا) اور (دوسرے) ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو انہیں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مارتے تھے (جن کے لگنے سے انہیں چیچک ہو جاتی تھی) لَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُؤُل سوا اس طرح تیرے رب نے انہیں کرم خوردہ بھوسے کی مانند کر دیا۔ پس ایسا ہی معاملہ وہ تجھ پر حملہ آور ہونے والے دشمنوں سے کرے گا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے ایک طرف تو ملائکہ کو اُولٰٓئِیْ اٰجْنِحَہ (فاطر ۲:۳۵) یعنی پروں والے کہہ کر ایک قسم کے پرندے قرار دیا ہے اور دوسری طرف الاحزاب ۱۰:۳۳ میں مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ کے جنود یعنی گروہ بھیجنے کا ذکر فرمایا ہے۔ پس زیر نظر آیات میں انہی کے بھیجنے کی طرف اشارہ کیا گیا۔ تطیر الانام میں بھی ہے لَٰسَانٌ رَّآیَ طُيُورًا تَطِيرُ فِيْ مَحَلِّہٖ فَاِنَّہُمْ الْمَلٰٓئِکَہُ (جلد ۲ صفحہ ۶۳) اسی طرح ہے (طیر) فی المنام مجهولاً یَذُلُّ عَلٰی مَلِکِ الْمَوْتِ (صفحہ ۶۳) چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق خدا تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی سرکوبی کے لئے فرشتے بھیجے جنہوں نے ان پر سِجِّیل سے بے ہوئے پتھروں سے حملہ کیا یعنی مسلمانوں کو جو اس وقت سردارانِ مکہ کے مقابل پر مٹی یعنی (سِجِّیل) سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے تھے لیکن ان کے مظالم کی بھٹی میں پک کر حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیلٍ یعنی پتھروں کی طرح سخت (اَسْدَاءٌ عَلٰی الْکُفَّارِ) بن گئے تھے ان کے خلاف کھڑا کر دیا۔ پس جس طرح حضرت عبدالمطلب کی دعا سے اور پرندوں کے حملہ سے اصحابِ افیل کَعَصْفٍ مَّا کُؤُل ہو گئے تھے اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا نے اور مسلمانوں کی بار بار کی فوجی کاروائیوں نے انہیں بالکل کَعَصْفٍ مَّا کُؤُل کر دیا۔ چنانچہ جب بدر میں اکثر ائمۃ الکفر مارے گئے۔ پھر جب احد میں انہیں ہزیمت پہنچی۔ اس کے بعد جب احزاب میں پہنچی اور مسلسل نقصانات سے ان میں

مسلمانوں پر مزید حملے کرنے کی سکت باقی نہ رہی اور اس کے بعد مسلمان ان پر حملہ آور ہونے کے لئے نکلے اور مکہ فتح ہو گیا۔ چونکہ پہلے کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور بالآخر مسلمان ان پر حملہ کرنے کو نکلے اس لئے تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ کے الفاظ اپنے دونوں معنوں میں صحیح بیٹھتے ہیں۔ اس معنی میں بھی کہ وہ پرندے (یعنی فرشتے) ان (کفار) کو حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ (یعنی مسلمانوں) پر مارتے تھے یعنی انہیں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا موقع دیتے تھے اور اس معنی میں بھی کہ وہ پرندے یعنی فرشتے ان (کفار) کو حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مارتے تھے یعنی مسلمانوں کو ہتھیار بنا کر ان پر حملہ آور ہوتے تھے یعنی مسلمانوں سے ان پر حملے کرواتے تھے۔ اس اعتبار سے اس سورۃ میں بائبل کی اس پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ وہ کونے کا پتھر ہوگا جو اس پر گرے گا وہ بھی چکنا چور ہوگا اور جس پر وہ گرے گا وہ بھی چکنا چور ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو آخری زمانہ میں ایک بہت بڑے دشمن اسلام کے خروج کی خبر بھی دی گئی تھی۔ جسے حدیث میں دجال کے نام سے اور قرآن کریم میں یاجوج ماجوج کے نام سے موسوم کیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہ دشمن اسلام مسیحی عقیدہ کا حامل ہوگا اور اس قدر مادی قوت کا حامل اور اس قدر دجل و فریب سے کام لینے والا ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے بلکہ کسی بھی قوم کے لئے ظاہری سامانوں کے ساتھ اس کا مقابلہ ناممکن ہوگا اس لئے بھگلی سورۃ میں کئے جانے والے اشارہ کی بناء پر جس طرح آنحضور ﷺ کے دل میں اس سوال کا پیدا ہونا طبعی بات تھی کہ آپ کے زمانہ موجودہ میں آپ کی راہ میں روڑے اٹکانے والوں سے خدا تعالیٰ کیسے نپٹے گا اسی طرح اس سوال کا پیدا ہونا بھی لازمی بات تھی کہ آخری زمانہ میں پیدا ہونے والے بڑے دشمن اسلام سے وہ کیسے نپٹے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں اس سوال کا جواب بھی دیا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ اَلَمْ یَجْعَلْ كَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلِیْ فَرَمَا كِرْتو یہ بتایا کہ جس طرح اس زمانہ میں آپ کے اور توحید الہی کے خلاف سازش کرنے والے مسیحیوں کی علمی تدبیر کو (جو انہوں نے مسیح کو غیر معمولی حیثیت دے کر کی) آپ کے رب نے (آپ کو پیدا کر کے اور نبی بنانے کا فیصلہ فرما کر) اکارت کیا جب کہ ان میں سے طاقت استعمال کرنے والوں کی تدبیر کو اس نے تباہی مچانے والے جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج کر

اکارت کیا تھا اسی طرح اس آخری زمانہ میں وہ پہلے تو ان لوگوں کی تدبیر کے علمی حصہ کو اکارت کرنے کے لئے آپؐ کو دوبارہ مبعوث فرمائے گا یعنی آپؐ کا کوئی بروز بھیجے گا (مراد مسیح موعود کے بھیجنے سے ہے) اور اس کے بعد جب وہ اپنی دولت اور فوجی قوت کے بل پر دجل اور فریب کے ہاتھیوں کے ساتھ اسلام کو منادینا چاہیں گے تو چونکہ مسلمانوں میں مادی سامانوں کے ساتھ ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوگی آپؐ کا رب ان کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے آسمان سے ایک قسم کے پرندے جھنڈ درجھنڈ ان لوگوں کے خلاف بھیجے گا جو انہیں **حِجَارَةٌ مِّنْ سِجِّیلٍ** ماریں گے اور اس سے وہ **کَعَصِفٍ مَّا تُکُوْلُ** ہو جائیں گے۔ ان آسمانی پرندوں سے درپردہ ملائکہ اور ظاہر میں احمدی مبلغین مراد ہیں۔ لیکن اس مادی ترقی کے زمانہ میں اس سے جنگی طیاروں کا بھیجنا بھی مراد ہے چنانچہ یہی زمانہ ہے جس میں دشمن پر جھنڈ کے جھنڈ طیارے بھیجے جاسکتے ہیں بلکہ دوسری جگہ عظیم میں بھیجے بھی گئے۔ اور **تَسْوِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیلٍ** میں اشارہ ہے کہ وہ ان پر کوئی ایسی چیز پھینکیں گے جو پتھر کی طرح سخت ہوگی لیکن اس کی ساخت میں ایک قسم کی **سِجِّیلٍ** کو خاص اہمیت حاصل ہوگی۔ اب دیکھ لیجئے اس زمانہ کے مہلک ترین ہتھیار ایٹمی بموں میں جو ریڈیائی دھاتیں (ریڈیم۔ تھوریم اور یورینیم) وغیرہ استعمال ہوتی ہیں وہ کانوں کے اندر مٹی کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں اس لئے ان بموں کو **حِجَارَةٌ مِّنْ سِجِّیلٍ** کہنا نہایت درست ہے۔ بلکہ زمانہ نزول قرآن میں اس سے بہتر الفاظ میں ان کا نقشہ کھینچنا نہ تو ممکن تھا اور نہ قرین حکمت تھا۔ ممکن اس لئے نہیں تھا کہ اس وقت لوگ ان باتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے اور قرین حکمت اس لئے نہیں تھا کہ اگر یہ باتیں اس وقت صاف لفظوں میں بتا دی جاتیں تو جو مہلک ہتھیار اب چودہ سو سال کے بعد بنے ہیں وہ اس سے کہیں پہلے بن جاتے۔ پس خدائے حکیم نے یہ باتیں ایسے لفظوں میں بیان فرمائیں کہ جب ان کے پورے ہونے کا وقت آئے تو قارئین قرآن سمجھ جائیں کہ یہ باتیں جس کتاب نے پہلے سے بتا دی ہوئی ہیں اس کا نزول یقیناً عالم الغیب خدا کی طرف سے ہے۔

=====

سورة الکوثر میں آنحضرتؐ کے بعد ایک نبی کے آنے کی پیشگوئی جس نے آپؐ کا روحانی بیٹا۔ اور رجل کثیر الخیر و العطاء ہونا تھا اور اس پر قرآن کا دوبارہ نزول ہونا تھا

سورة الفیل سے چند سورتیں بعد سورة الکوثر آتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-
 اِنَّا اَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ (۲) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۳)
 اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۴)

یہ سورة آنحضرتؐ کے عہد نبوت کے ابتدائی دنوں میں نازل ہوئی اور آخر قرآن میں رکھی گئی۔ ابتدائی زمانہ نبوت میں اس کا نزول اس میں مذکور پیشگوئی کی عظمت کو بڑھانے والا تھا اور آخر قرآن میں اس کو جگہ دیا جانا اس بات کا اعلان تھا کہ اس سورة میں دیئے جانے والے وہ تمام وعدے جو حضرت محمد رسول اللہؐ کے حسین حیات سے تعلق رکھنے والے تھے پورے ہو گئے ہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آئندہ زمانوں سے تعلق رکھنے والے وعدے بھی پورے ہوں گے۔

پہلی آیت میں آنے والے لفظ کوثر کے ایک معنی (ہر اچھی چیز کی کثرت کے علاوہ) جنت کی نہر کے ہیں۔ دوسرے معنی قرآن کریم کے ہیں۔ تیسرے معنی الرَّجُلُ الْکَثِیْرُ الْعَطَاءِ وَالْخَيْرِ کے ہیں۔ چوتھے معنی سید القوم کے ہیں اور پانچویں معنی نبوت کے ہیں۔ اگرچہ اعطینا ماضی کا صیغہ ہے مگر جنت والے معنی میں (اگر اس سے اخروی جنت مراد ہو) اس آیت کا تعلق بہر حال مستقبل ہی سے ہو سکتا تھا۔ قرآن والے معنی کے اعتبار سے بھی اس میں آئندہ کی خبر دی گئی تھی کیونکہ اس سورة کے نزول کے وقت تو قرآن کریم کے اترنے کی ابھی ابتداء ہی ہوئی تھی۔ تیسرے اور چوتھے معنی میں بھی اس میں آئندہ کی پیشگوئی تھی کیونکہ آنحضرتؐ نے ساری اُمت میں سے صرف مہدی موعود کے بارہ میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اتنا مال دے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے یعنی صرف اس کو الرَّجُلُ الْکَثِیْرُ الْعَطَاءِ وَالْخَيْرِ قرار دیا ہے اور اسی کو اُمت کا امام یعنی سید القوم قرار دیا ہے اور جب کوثر کے باقی سب معنوں کے اعتبار سے

اس آیت کا تعلق مستقبل سے ہوا یعنی یہ آئندہ ملنے والوں چیزوں کے وعدہ پر مشتمل ہوئی تو ماننا پڑے گا کہ نبوت والے معنی میں بھی اس کا تعلق مستقبل سے ضرور تھا یعنی اس میں آنحضور کو آئندہ زمانہ میں نبوت کے ملنے کا وعدہ دیا گیا تھا اور چونکہ آپ کو اس وقت پہلے ہی نبوت مل چکی تھی اس لئے اس وعدہ سے سوائے اس کے کچھ اور مراد نہیں ہو سکتی تھی کہ آپ کا ایک اور بعث بھی ہوگا یا آپ کے غلاموں میں سے کسی کو آپ کا بروز بنا کر بھیجا جائے گا اور اس پر بھی ایک رنگ میں قرآن کا دوبارہ نزول ہوگا (کیونکہ کوئی نبی بغیر کتاب کے نہیں اور قرآن آخری کتاب ہے)۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ قرآن کریم کی ہر سورۃ کے اوّل و آخر کا آپس میں گہرا ربط ہوتا ہے۔ کبھی آخری آیات میں بات واضح ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں ابتدائی آیات کا مفہوم سمجھا جاسکتا ہے اور کبھی ابتدائی آیات کی بات واضح ہوتی ہے اور ان سے آخری آیات کے مفہوم کی تعیین ہو سکتی ہے۔ یہ سورۃ (آیت بسم اللہ کے علاوہ جو بطور دعا کے ہے) صرف تین آیتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلی آیت میں آنحضور ﷺ کو کوثر یعنی جنت کی ایک خاص نہر اور مکمل قرآن اور اس کے علاوہ ایک ساری اُمت میں منفرد حیثیت رکھنے والے اور سید القوم بننے والے الْكَافِرُ الْعَطَاءِ وَالْخَيْرِ مرد کے دیئے جانے کا وعدہ ہے اور آخری آیت میں یہ ذکر ہے کہ آپ کے دشمن ابتر رہیں گے آپ ابتر نہیں رہیں گے بلکہ آپ کو زینہ اولاد دی جائے گی۔ لہذا اگر ہم آخری آیت کی روشنی میں پہلی آیت کو سمجھنے کی کوشش کریں تو ہم سمجھ جائیں گے کہ جس زینہ اولاد کے ملنے کی حضور کو اس آخری آیت میں خبر دی گئی اس نے کوئی عام بیٹا نہیں ہونا تھا بلکہ الرَّجُلُ الْكَافِرُ الْعَطَاءِ وَالْخَيْرِ سید القوم یعنی اپنے وقت کا امام الزمان اور نبی اللہ ہونا تھا اور اس پر معنوی طور پر قرآن کریم کا دوبارہ نزول ہونا تھا۔ اور اگر ہم پہلی آیت کی روشنی میں آخری آیت کو سمجھنے کی کوشش کریں تو ہم پر واضح ہو جائے گا کہ آپ کو جس الْكَافِرُ الْعَطَاءِ وَالْخَيْرِ مرد کے ملنے کی بشارت دی گئی اس نے آنحضور کا بیٹا ہونا تھا۔ لیکن اگر یہ بشارت جسانی بیٹے کی ہو تو اس پر کئی اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ کہ اس آیت میں حضور کو زینہ اولاد کے ملنے، اس کے جوان ہونے اور اس کا سلسلہ آگے چلنے کی خبر دی گئی مگر وہ خبر پوری نہیں ہوئی۔ اور دوسرا اعتراض یہ کہ اس آیت

کے نزول سے کئی سال بعد جب سورۃ الاحزاب آیت ۴۱ میں یہ فرمایا گیا کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ۔ محمد تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں ہیں اور نہ آئندہ ہوں گے تو اس کے بعد آپؐ کے ہاں ایک بیٹے ابراہیم کی ولادت ہوگئی۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس بشارت کا تعلق روحانی اولاد سے تھا جسمانی اولاد سے نہیں تھا۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب ہی کی اس آیت کے پہلے حصہ میں آپؐ کی اُنُوتِ جسمانی کی نفی ہے تو اس کے دوسرے حصہ یعنی وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ میں آپؐ کی اُنُوتِ روحانی کا اثبات بھی ہے۔ چنانچہ اس کے عین مطابق آنحضور ﷺ کو روحانی اولاد عطا ہوئی اور آپؐ کے دشمن یونما فیونما اس سے محروم ہوتے گئے کیونکہ یا ان کی اولادیں یکے بعد دیگرے موت کی آغوش میں چلی جاتی رہیں یا اسلام لا کر حضور نبی کریم ﷺ کی اولاد بن جاتی رہیں۔

اس کے بعد جانتا چاہیے کہ بیک آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کے مطابق آنحضرت ﷺ کو خدا تعالیٰ نے ابتر نہیں رکھا بلکہ اولاد دی اور اس کا سلسلہ آگے بھی چلتا رہا جبکہ آپؐ کے دشمنوں کی اولاد یا مر کر ختم ہو جاتی رہی یا اسلام لا کر حضور کی اولاد بن جاتی رہی لیکن چند سو سال کے بعد یہ سلسلہ رک گیا اور اس کے بعد اگر کچھ لوگ مسلمان ہوتے تھے تو کچھ مرتد بھی ہو جاتے تھے اس لئے معترض کہہ سکتا تھا کہ شروع شروع میں دشمنوں کی اولاد کا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں شامل ہونا عارضی بات تھی ورنہ اب یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے بلکہ اب یہ ناؤ الٹی چلنے لگی ہے اس لئے یہ پیشگوئی سچی نہیں نکلی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا اعتراض ہوتا سوائے اس کے کہ یہ سب کچھ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق اور پھر محض ایک وقتی سی بات ہوتی۔ یعنی اسلام کے لئے آئندہ پھر پہلے والی ترقی کی صورت کا پیدا ہونا مقدر ہوتا۔ اور درحقیقت ایسا ہی تھا چنانچہ جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۵۷۸ پر واضح کیا گیا ہے سورۃ الغنم میں خبر دی گئی تھی کہ اسلامی ترقیات کا آفتاب قریب نصف النہار پہنچے گا۔ مگر اس کے بعد ایک رات یعنی تنزل کا زمانہ آجائیگا۔ اس وقت الضحیٰ ۹۳:۴ کے مطابق نادان سمجھیں گے کہ رب محمد (ﷺ) نے آپؐ کو چھوڑ دیا ہے مگر ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد اسلام پھر سر اٹھائے گا اور پہلے سے بھی زیادہ ترقی کر جائے گا۔ اور سورۃ الفجر میں تو یہ بات اور بھی زیادہ کھول کر بیان کر دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ پہلی تین صدیاں اسلام کی ترقی کی ہوں گی۔ پھر دس سو سال

تنزل کے آئیں گے۔ یعنی سورۃ النبیؐ کی آیت وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ میں جس رات کی پیشگوئی تھی وہ ہزار سال کا زمانہ ہوگا۔ اسکے بعد ایک ایسا وجود ظاہر ہوگا کہ وہ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایک اعتبار سے دو ہوں گے اور ایک اعتبار سے ایک ہوں گے یعنی وہ آپؐ میں ایسا فنا ہوگا کہ الگ ہونے کے باوجود آپؐ سے الگ نہیں ہوگا بلکہ من تو شدم تو من شدی کا مصداق ہوگا اور اسکے آنے کے بعد پھر سے اسلامی ترقیات کا دن چڑھنا شروع ہو جائیگا (دیکھیں صفحہ ۵۷۷ کتاب ہذا)۔

پس جب قرآن کریم نے خود خبر دی کہ اسلام پر پہلے ترقی پھر تنزل اور اس کے بعد پھر ترقی کا زمانہ آئے گا تو اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ وال پیشگوئی کا تعلق بھی دو زمانوں سے تھا۔ بلکہ آیت إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ اور آیت إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ کے درمیان آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ لا کر بھی ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف کیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اس پیشگوئی کے ظہور کے دو زمانوں کے درمیان ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں مسلمانوں کو ظاہری سامانوں سے دشمن کے مقابلہ کی تاب نہیں ہوگی لیکن اگر رجوع الی اللہ کریں گے اور مسلسل قربانیاں دیتے چلے جائیں گے تو یہ زمانہ ختم ہو جائے گا۔ گویا مقدر یہ تھا کہ دو زمانوں میں اسلام اور کفر کا خصوصی مقابلہ ہوگا اور ان دونوں زمانوں میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ابتر نہیں صاحب اولاد ہیں لیکن آپؐ کا دشمن ابتر ہے۔ پس اس سورۃ 'الکوثر' میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ خبر دی گئی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ایک نبی آئے گا جو آپؐ کا غلام اور آپؐ کا روحانی بیٹا ہوگا اور اس سے آپؐ کی روحانی اولاد چلے گی۔ اس پر قرآن کریم کا دوبارہ نزول ہوگا اور وہ کثرت کے ساتھ روحانی اموال تقسیم کرنے والا ہوگا۔ بہ الفاظ دیگر اس میں مہدیؑ کے ظہور کی پیشگوئی تھی جن کی ذات میں ان میں سے ہر بات پوری ہوئی۔

=====

سورۃ الکافرون اور سورۃ النصر کی پیشگوئیاں

سورۃ النصر کے بعد علی الترتیب سورۃ الکافرون اور سورۃ النصر آتی ہیں۔ ان کی بسم اللہ کے بعد کی آیات یہ ہیں:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ (۲) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (۳) وَلَا

أَنْتُمْ عَبْدُونَ مَا عَبَدُوا (۴) وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ (۵)
وَلَا أَنْتُمْ عَبْدُونَ مَا أَعْبَدُوا (۶) لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (۷)

(الکافرون ۱۰۹)

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (۲) وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ
فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (۳) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
وَاسْتَغْفِرْهُ ۖ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (۴) (النصر ۱۱۰: ۳۲۳)

سورۃ الکوفہ میں اس بات کی تحدی کی گئی تھی کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا تعالیٰ نہایت درجہ نافع الناس زیرہ روحانی اولاد عطا کرے گا جبکہ آپ کے دشمن ابتر رہیں گے۔ اس بشارت میں جیسا کہ اوپر کے صفحات میں واضح کیا گیا یہ بات شامل تھی کہ دشمنان اسلام کی اولادیں ایمان لا کر حضور ﷺ کی اولاد بن جائیں گی اور وہ خود ان سے محروم رہ جائیں گے۔ یہ پیشگوئی دو طرح سے غلط ہو سکتی تھی اور دو طرح سے مشکوک ہو سکتی تھی۔ غلط ایک تو اس طرح ہو سکتی تھی کہ خود آنحضرت ائمۃ الکفر کا مسلک اختیار کر لیں اور دوسرے اس طرح کہ ائمۃ الکفر آپ کا مسلک اختیار کر لیں۔ اسی طرح اس پیشگوئی کا مشکوک ہونا اول اس طرح ہو سکتا تھا کہ آنحضرت ائمۃ الکفر کے طریق پر عبادت کرنے لگیں اور دوسرے اس طرح پر کہ وہ آپ کے طریق پر عبادت کرنے لگیں اس لئے اگلی سورۃ یعنی سورۃ الکافرون میں زور دے کر یہ کہا گیا کہ یہ چاروں باتیں نہیں ہوں گی اور اس طرح خدا تعالیٰ نے سورۃ الکوفہ کے مضمون کی تاکید کر دی۔ چونکہ اُس سورۃ میں آنحضرت ﷺ سے خدا تعالیٰ کی نصرت کا وعدہ بھی تھا اگلی سورۃ، النصر میں یہ بتایا گیا کہ جب اللہ کی نصرت اور فتح عملاً آجائے یعنی یہ وعدہ پورا ہو جائے اس وقت آپ کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے اور اس کے اختیار کرنے کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ان سورتوں کا تعلق اسلام کے ابتدائی زمانہ سے بے شک تھا لیکن انہیں قرآن کریم کے آخر میں رکھ کر یہ اشارہ بھی کر دیا گیا تھا کہ ان کا تعلق اسلام کے آخری زمانہ سے بھی ہے۔ یعنی یہ ساری باتیں آخری زمانہ میں ایک دفعہ پھر پوری ہوں گی۔ اور اسلام کے ابتدائی زمانہ کے دشمنوں کی طرح اس کے آخری زمانہ کے دشمن بھی اپنی طاقت کے نشہ میں یہ چاہیں گے کہ مسلمان اس کے معبودانِ باطلہ کی پرستش کریں لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

بروزی رنگ میں ظاہر ہو کر اسے جولایا یہ چیلنج دیں گے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا نہ ہم تمہارے معبودوں کی پرستش کریں گے نہ تم ہمارے معبود کی پرستش کرنے والے ہو اور نہ ہم تمہارے طریق پر عبادت کریں گے اور نہ تم ہمارے طریق پر عبادت کرو گے اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ کو جو روحانی اولاد ملے اور تمہارے اس سے محروم کئے جانے کی پیشگوئی ہے یہ نہ جھوٹی لکے گی اور نہ منکوک ہوگی بلکہ کھلے کھلے طور پر پوری ہوگی۔ چنانچہ ابتدائی زمانہ اسلام میں بھی دنیا دیکھے گی کہ لوگ افواج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور اس آخری زمانہ میں پھر یہی نظارہ دیکھے گی۔ بلکہ زیادہ وسیع پیمانہ پر دیکھے گی کیونکہ وہ عالمگیر غلبہ اسلام کا زمانہ ہوگا۔

=====

سورة اللہب میں مہدی علیہ السلام اور آپ کے زمانہ کے ایک خاص دشمن کا ذکر اور اس کے تختہ دار پر لٹکائے جانے کی پیشگوئی

سورة النصر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو فتح ملنے اور لوگوں کے افواج دین اللہ میں داخل ہونے کی خبر دی گئی تھی جس سے بعض کوتاہ اندیشوں کو خیال ہو سکتا تھا کہ اس کے بعد نہ تو کسی کو آنحضور سے دشمنی کی جرات ہوگی اور نہ اسلام پر کبھی زوال آئے گا۔ اس لئے اس کے بعد سورة اللہب لا کر اس غلط فہمی کو دور کیا گیا اور بتایا گیا کہ موعودہ غلبہ کے بعد اسلام پر پھر ایک ضعف کا زمانہ آئے گا جس کے انتہا کو پہنچنے پر پھر محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک بعث (بروزی رنگ میں) ہوگا اور جس طرح حضور کے پہلے بعث کے شروع میں ایک شخص حضور کے خلاف دشمنی کی آگ کا موجد بنا اور اس کے بعد اس کے نقش قدم پر چلنے والے اور بھی ہوئے جن میں سے بعض دشمنی میں پہلے ابو لہب سے بھی بڑھے ہوئے تھے ایسا ہی حضور کے دوسرے بعث کے وقت بھی ہوگا مگر ان ابو لہبوں کا انجام بھی دیا ہی ہوگا جیسا پہلے ابو لہب کا ہوا تھا۔

سورة اللہب کے شروع میں ہے:-

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ (۲)

ابو لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ (خود بھی) ہلاک ہو گیا۔
تَبَّا کے معنی ہلاک ہونے اور نقصان اٹھانے کے ہیں۔ اَلْيَد کے معنی ہاتھ کے ہیں

لیکن اس سے قوت و طاقت، بادشاہت و غلبہ، اور جماعت بھی مراد ہوتی ہے۔

اَب کا لفظ کسی چیز کے مُوجد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس وجود کے لئے بھی جس سے آگے اسی نوع کی چیز پیدا ہو۔

لَهَب کے معنی شعلہ آگ کے ہیں۔ مجازاً اس سے دشمنی یا جنگ کی آگ مراد ہو سکتی ہے پس ابولہب کے معنی ہوئے وہ شخص جو دشمنی کی آگ بھڑکانے کا موجد ہو نیز وہ شخص جو صرف خود ہی دشمنی نہ کرے بلکہ دوسروں کو دشمنی پر اکسا کر اپنے جیسے اور دشمن بھی پیدا کرے۔

مفسرین نے اس پیشگوئی کو آنحضرت ﷺ کے ایک چچا کے متعلق قرار دیا ہے جس کی کنیت ابولہب تھی بیشک یہ پیشگوئی اس کے حق میں تمام وکمال پوری ہوئی لیکن اسے صرف اُس کے متعلق سمجھنا قرآن کی عظمت کو بڑھانے والی بات نہیں اس کو کم کرنے والی بات ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں اعتراض پڑے گا کہ ابوجہل عقبہ وشیہ وغیرہ کا جو ابولہب سے بھی دشمنی میں بڑھے ہوئے تھے نام کیوں نہیں لیا گیا جبکہ یہ پیشگوئی ان کے حق میں بھی پوری ہونے والی تھی۔ دراصل ابولہب کا لفظ یہاں صفاتی نام کے طور پر آیا ہے ذاتی نام کے طور پر نہیں آیا حضور کے مذکورہ چچا کا بھی درحقیقت یہ صفاتی نام ہی تھا یعنی اس کا رنگ سرخ و سفید ہونے کی وجہ سے لوگ اسے اس نام سے پکارنے لگ گئے تھے ورنہ اس کا نام تو عبدالعزی تھا۔ اور جب یہ صفاتی نام ہوا تو یہ پیشگوئی کسی ایک شخص یا ایک زمانہ تک محدود نہ رہی بلکہ آنحضور ﷺ کے ان تمام دشمنوں کے متعلق ہوئی جن پر یہ لفظ صادق آئے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ یہ سورۃ نزول کے اعتبار سے بالکل ابتدائی زمانہ نبوی کی ہے اسے قرآن کریم کے آخر میں رکھ کر واضح اشارہ اس امر کی طرف کر دیا گیا کہ اس کا تعلق ابولہب جیسے سب دشمنان اسلام سے ہے اور آخری زمانہ کے دشمنوں یعنی اس زمانہ کے دشمنوں سے جو آنحضور ﷺ ثانیہ کا زمانہ ہے (جو مہدی موعود کے وجود میں ہونے والی تھی) بالخصوص ہے۔ یعنی یہ بتایا گیا کہ مہدی موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بعض لوگ پیدا ہوں گے جو آپ کے خلاف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے مُوجد ہوں گے اور بعض ایسے ہوں گے جو صرف خود ہی دشمنی کرنے پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ اور لوگوں کو بھی اکسا کر آپ کا دشمن بنائیں گے۔ اس کا ایک قطعی ثبوت یہ ہے کہ یہ آیت تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ حضرت مہدی موعود کو بھی الہام ہوئی۔ اور تکفیر و توبین کا یعنی اپنے خلاف فتنہ کی آگ بھڑکانے کا مُوجد

ہونے کے لحاظ سے آپؐ نے اسے محمد حسین صاحب بالوی پر چسپاں کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ اشارہ بھی فرمایا کہ اس کا اطلاق دوسرے دشمنوں پر بھی ہوگا (دیکھیں تفسیر حضرت اقدس صفحہ ۵۱۳)۔ یہ دشمن کون تھے اس کے بارہ میں یاد رکھنا چاہیے کہ آثار میں آیا ہے کہ جب مہدی موعودؑ آئے گا تو علماء اس کے دشمن ہو جائیں گے کیونکہ انہیں اپنی گدڑی چھتی ہوئی نظر آئے گی۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے کئی نامی علماء آپؐ کے خلاف دشمنی کی آگ بھڑکانے پر کمر بستہ ہوئے بعض نے آپؐ کے ساتھ باقاعدہ جنگ بھی کی یعنی مہلبہ بھی کیا اور سب کے سب نامراد ہوئے بلکہ نامرادی کا منہ دیکھتے ہوئے مرے۔ غیر مسلموں میں سے بعض مثلاً عبداللہ آتھم اور ایلکو غر ڈوئی (عیسائی) اور پنڈت لکھرام (ہندو) آپؐ کے مقابل پر آئے اور آپؐ کو پہلے سے دی جانے والی الہامی خبروں کے مطابق جو آپؐ نے شائع بھی کر دی تھیں ہلاک ہوئے لیکن آپؐ کا زمانہ چونکہ تکمیل ہدایت کا زمانہ ہے اس لئے ضرور تھا کہ عالمگیر سطح پر بھی آپؐ کی مخالفت ہو اور عالمگیر حیثیت رکھنے والا کوئی ابولہب بھی آپؐ کے مقابل پر آئے اور وہ بھی دوسرے ابولہبوں کی طرح ہلاک ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ابولہب کون ہے۔

جیسا کہ سورۃ الکہف کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں یا جوج ماجوج کے ایشیائی اقوام پر حملوں کو روکنے کے لئے ذوالقرنین نے ایک دیوار بنا دی تھی مگر اس نے اسی وقت خدا سے علم پا کر یہ خبر بھی دے دی تھی کہ یہ اقوام دوبارہ دنیا میں پھیل جائیں گی اور سورۃ الانبیاء میں ان کے بارہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ مِنْ كُلِّ حَذَبٍ يُنْسِلُوْنَ۔ یہ سمندروں پر غالب ہوں گی سمندروں کو عبور کرتی ہوئی اور پہاڑوں پر سے گزرتی ہوئی دنیا میں پھیل جائیں گی اور نہ صرف مادی بلندیوں بلکہ مجازی بلندیوں یعنی مذہب اور شرافت کی ہر حد کو بھی پھلانگ جائیں گی اور اس طرح پہلے سے بھی زیادہ دنیا کو فساد سے بھر دیں گی۔ مگر ان کے جلائے عذاب کئے جانے سے پہلے خدا تعالیٰ انہیں انذار کرنے کو ایک نبی بھیجے گا۔ جو مہدی اور مسیح بھی کہلائے گا اور ذوالقرنین بھی اس کا نام ہوگا۔ پھر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ یہ قومیں اللہ کے بندوں کو اس کا شریک ٹھہرانے والی ہوں گی۔ نبی آئے گا تو اسے پہچانیں گی نہیں اور ان کی تمام تر سعی دنیا کے لئے ہوگی (آخرت کا خانہ بالکل خالی ہوگا)۔ یہ سب باتیں اس زمانہ کی مسیحی اقوام پر ہر پہلو سے صادق آتی ہیں اس لئے یہی اقوام اس زمانہ کی یا جوج ماجوج ہیں اور چونکہ حدیث میں آتا ہے کہ دجال کے فتنہ سے

بچنے کے لئے سورۃ الکہف کی (جس میں یہ سب باتیں مذکور ہیں) پہلی اور آخری آیات پڑھنی یعنی مدِ نظر رکھنی چاہئیں اس لئے یہی وہ دجال بھی ہیں جس کے وقت میں ایک مسیح کے آنے کی پیشگوئی احادیثِ نبویہ میں کی گئی اور بتایا گیا تھا کہ وہ دجال کو قتل کرے گا اس سے ظاہر ہے کہ وہ دجال کے دجل کا اور دجال اس کا دشمن ہوگا۔

چنانچہ اس زمانہ میں جب ان پیشگوئیوں کے عین مطابق یہ قومیں دنیا میں پھیل گئیں اور انہوں نے دنیا کو مذہبی اور اخلاقی فساد سے بھر دیا تو خدا تعالیٰ نے بھی اپنی سُنّتِ مستمرہ کے مطابق ان پر گرفت کرنے سے پہلے اپنا موعود مسیح اور مہدئی بھیج دیا جسے ذوالقرنین کا نام بھی دیا گیا اور اس نام کے عین مطابق وہ ہر قوم کی دوسدویں کو پانے والا بھی ہوا۔ اور اس میں شبہ نہ رہا کہ وہ تمام اقوامِ عالم کی طرف مبعوث ہوا ہے۔ یہ نبی چونکہ دینِ توحیدِ اسلام کا علم بردار ہو کر آیا ہے یہ قومیں اس کی دل سے دشمن ہیں (اگرچہ اپنے نخاس ہونے کے ناطے اپنی دشمنی کو کھل کر ظاہر نہیں کرتیں)۔ پس کیا بلحاظ اپنے شعلہ کی طرح سرخ و سفید رنگ کے اور کیا بلحاظ اس کے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نت نئی سے نئی سازشیں ایجاد کرتی اور آگ بھڑکاتی رہتی ہیں اور کیا بلحاظ اس کے کہ یہ خود ہی اسلام اور مسلمانوں کی دشمن نہیں بلکہ اور لوگوں کو بھی اپنی طرح کے دشمن بنانے میں کوشاں رہتی ہیں یہی قومیں وہ عالمگیر حیثیت رکھنے والا ابولہب ہیں جس کا مسیح موعود کے وقت میں ظہور مقدر تھا۔

اس کے بعد ہم ایک دفعہ پھر آیت تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ کی طرف آتے ہیں اس میں کہا یہ گیا ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا جب ابولہب سے مذکورہ بالا قومیں مراد ہوئیں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اس کے دو ہاتھوں سے ان قوموں کے مشرق و مغرب کے مددگار مراد ہیں یا غیر مسلم اور مسلم مددگار (جو لالچ میں آکر یا مسیح موعود کی دشمنی کی بناء پر ان کا ساتھ دیتے اور ان کا آلہ کار بنتے ہیں) اور ان کے ہاتھوں کے پہلے ہلاک ہونے کا ذکر یہ بتانے کو ہے کہ جس طرح انسان اپنا چہرہ بچانے کے لئے اپنے ہاتھ آگے کر دیتا ہے یہ قومیں خود مرنے سے پہلے اپنے مددگاروں کو مردائیں گی۔ چنانچہ جنگ کے وقت کے لئے امریکہ کی دفاعی حکمتِ عملی یہ تھی (جو ظاہر ہو چکنے پر کینیڈا میں شور بھی پڑا) کہ روس کی طرف سے آنے والے ایٹمی میزائل عین ٹرانزو کے اوپر تباہ کئے جائیں گے۔ حالانکہ کینیڈا امریکہ کا دوست

ملک ہے۔ چونکہ انسان کی اکثر تدابیر ہاتھوں ہی سے عملی جامہ پہنتی ہیں بعض نے دو ہاتھوں سے ان کی تدابیر مراد لی ہیں۔ اس اعتبار سے اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ ان قوموں کی وہ مخالفانہ تدابیر بھی بے کار جائیں گی جو وہ دین کے رنگ میں کریں گے اور وہ بھی بے کار ہو جائیں گی جو وہ دنیا کے رنگ میں کریں گے۔ اور اس طرح اپنی ناکامی و ناکامی دیکھ کر وہ بھد حسرت مرین گی۔ آگے ہے۔

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ (۳)

اس کا مال اس کے کام آیا (یعنی آئے گا) نہ وہ جو اس نے کمایا۔ مطلب یہ ہے کہ نہ ان کا مال ان کو ہلاکت سے بچا سکے گا نہ وہ دوسرے ذرائع جو وہ کوشش سے ایجاد کریں گے ان کو بچا سکیں گے۔ یا چونکہ مال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی طرف انسان مائل ہو اس لئے یہ مراد ہے کہ نہ کفارہ کا عقیدہ جس کی طرف وہ مائل ہوں گے ان کو بچا سکے گا اور نہ ان کے بنائے ہوئے حفاظت کے سامان ان کو بچا سکیں گے۔

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۴)

وہ ضرور شعلہ والی آگ میں پڑے گا۔ یَصْلَىٰ کے فعل پر 'س' داخل ہوا ہے جو زمانہ قریب پر بھی دلالت کرتا ہے اور تاکید کا مفہوم بھی دیتا ہے۔ اس لئے اس آیت کا اطلاق آنحضرت کے پہلے بعث کے وقت کے دشمنوں پر بھی ہوتا ہے اور دوسرے بعث کے وقت کے دشمنوں پر بھی۔ لفظ 'نار' سے جنگ بھی مراد ہوتی ہے جیسے آیت کُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ (المائدہ ۵۰:۲۵) میں پس اس میں بتایا کہ نبی موعود کے ذریعہ اتمام حجت کے بعد وہ جلد ہی ایک شعلہ آگ والی جنگ میں جھوٹے جائیں گے مراد اس سے ایسی جنگ معلوم ہوتی ہے۔ اور سورۃ کہف کی آیت وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ یا جوج و ماجوج کے مختلف گروہوں کی آپس میں ہوگی گویا وہ اپنے ہاتھ سے اپنی جہنم تیار کریں گے۔ باطن اپنے اعمال سے اور ظہر اپنے تیار کردہ ہتھیاروں کے ذریعہ

وَأَمْرًا لَهُ دَخَمَالَةَ الْحَطَبِ (۵) فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ

مَسِيدٍ (۶)

اور اس کی جو رو بھی جو ایندھن اٹھاتی تھی (یعنی اٹھائے گی) اس کی گردن میں (پھندے کے طور پر) کھجور کی بیٹی ہوئی رسی پڑے گی۔

جب ابولہب سے زبردست مسیحی حکومت یا حکومتیں مراد ہوئیں تو اس کی جو رو سے بھی لازماً کوئی ایسی حکومت مراد لی جائے گی جو اس کی صنف میں سے تو نہ ہو یعنی مسیحی مذہب کی حامل تو نہ ہو مگر کسی معاہدہ کی وجہ سے اس طرح اس کے تابع یا اس کی مرضی کی پابند ہو جس طرح عورت عقد نکاح میں آنے کے بعد مرد کی مرضی کی پابند ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ یہاں اس کی گردن میں کھجور کی بیٹی ہوئی رسی پڑنے کا بھی ذکر ہے اور کسی حکومت کی گردن میں ایسی رسی نہیں پڑا کرتی ہاں سربراہ حکومت کی گردن میں پڑ سکتی ہے اس لئے یہی جیلدِ ہا کے الفاظ ظاہر پر محمول ہوں تو ماننا پڑے گا کہ کوئی حکومت نہیں بلکہ سربراہ حکومت مراد ہے۔ اور حکومت سے سربراہ حکومت مراد لینا ہر زبان کا محاورہ ہے۔

پس ان آیتوں میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ جس طرح وہ مسیحی حکومت جو مسیح موعود کی دشمنی میں ابولہب بنے گی آگ میں پڑے گی یعنی اس کے احباب خلّ وعقود اور اس کے عوام عذاب النار یعنی آتشیں جنگ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے اسی طرح اس کی ایک معاہدہ مگر غیر مسیحی حکومت کا سربراہ بھی پہلے آگ میں پڑے گا اور پھر اس کی گردن میں کھجور کی رسی کا پھندا بھی ڈالا جائے گا یعنی اسے پھانسی بھی دی جائے گی۔

یہ پیشگوئی اس شان سے پوری ہوئی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہیں۔ مسیحی حکومتیں چونکہ خوب جانتی ہیں کہ صرف مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت یعنی جماعت احمدیہ ہی ایک ایسی منظم جماعت ہے جس کا ایک واجب الاطاعت امام ہوتا ہے اور جو ایک ہاتھ کے اشارہ پر انھیں اور ایک ہاتھ کے اشارہ پر بیٹھ جاتی ہے۔ اور اگر دوسرے سب یا اکثر مسلمان احمدی ہو جائیں تو وہ ایسی عظیم طاقت بن جاتے ہیں کہ سو امریکہ یا روس مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے ایک مسیحی حکومت یا کچھ حکومتوں نے مل کر اس جماعت کو کمزور کرنے کی سازش کی مگر اپنے خناس ہونے کی صفت کو بروئے کار لاتے ہوئے کھل کر نہیں بلکہ پس پردہ رہ کر۔ چنانچہ اس حکومت یا حکومتوں نے اپنی ایک معاہدہ مسلمان حکومت (پاکستان) کے سربراہ مملکت (بھٹو) کو ایک دوسری اور سب مسلمانوں کے لئے واجب الاحترام مسلم حکومت کے ذریعہ اپنا آلہ کار بنایا اور اس نے سراسر

دھاندلی کی راہ سے ملک کی آئین ساز اسمبلی کو مجبور کر کے اس سے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دلوا دیا۔ دراصل اس مسیحی حکومت نے اس شخص کو یہ دھوکا دیا تھا کہ یہ کام کر لو تو تم مسلمانوں کے ہیرو بن جاؤ گے۔ چنانچہ اس نے یہ گناہ کبیرہ کر کے اس پر بار بار فخر کا اظہار کیا اور کہا کہ اس کے ہاتھ سے (احمدیوں کا) نوے سالہ مسئلہ حل ہو گیا۔ مگر جب وہ یہ غلّی کر رہا تھا خدا کی تقدیر اس پر ہنس رہی تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک غلام عبداللطیف صاحب بہادر پوری فاضل دیوبند کو الہام ہوا ”بھٹو بھٹی میں“۔ یہ الہام خود انہوں نے اس راقم الحروف کو سنایا اور پھر یہ ایسا مشہور ہوا کہ جس شہر جاؤ احمدیوں کی زبان پر یہ الہام تھا۔ خود اس راقم الحروف کو بتایا گیا کہ جن چار ٹانگوں پر اس کی حکومت یا طاقت کا گھوڑا کھڑا ہے وہ سب اس کے مخالف ہو جائیں گی اور یہ گھوڑا ہی اسے مسل کے رکھ دے گا۔ چنانچہ مذکورہ بالا الہام اور اس دوسری خبر پر دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس شخص کو حکومت کی کرسی سے جبرا اتار دیا گیا۔ اس پر قتل کا مقدمہ چلا اور پہلے وہ عام جیل میں اور پھر جیل کی کال کوفری میں (جس میں قضائے حاجت کے لئے بھی کوئی الگ جگہ تھی نہ تازہ ہوا کا کوئی انتظام) قریباً ڈھائی سال پڑا رہا جو ایسے امیر اور ناز و نعم میں پلے ہوئے اور عیش و عشرت کے رسیا شخص کے لئے کسی صورت بھی عذاب الٹار سے کم نہیں تھا۔ پھر حکومت کی چاروں ٹانگیں اس کے خلاف ہو گئیں یعنی عوام۔ پولیس۔ فوج اور ایف ایف جن کے بل پر وہ حکومت کر رہا تھا سب اس کے خلاف ہو گئے اور ان کی اس کے خلاف گواہیوں کی بنا پر حکومت نے اس شخص کو بالکل مسل دیا یعنی اسے پھانسی کی سزا سنائی۔ اور ایک دن آیا کہ عملاً کھجور کی بٹی ہوئی رسی کا پھندا اس کی گردن میں پڑا اور اسے پھانسی دے دی گئی۔ **لَمَّا عَتَبُوا يَأْ أُولَى الْأَبْصَارِ۔**

اگر اس موقع پر سوال ہو کہ امْرَأَة کا لفظ مرد کے لئے کیونکہ آسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مجاز کا کلام ہے۔ اسے عورت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور تشبیہ میں مبالغہ کے لئے حرف تشبیہ کا حذف کر دینا ہر زبان کا قاعدہ ہے اور خود قرآن نے دوسری جگہ کافر مردوں اور مومن مردوں کو واضح طور پر عورت سے تشبیہ دی ہے وہاں بھی امْرَأَة کا لفظ ہے اور یہاں بھی یہی لفظ ہے زوج کا لفظ نہیں لایا گیا اور اس طرح اس موقع سوال کا جواب پہلے ہی دے دیا گیا ہے۔ اس پر کہ یہ پیشگوئی اس شخص کے حق میں تھی اور وہی جماعت احمدیہ کے خلاف دجالی

اقوام کا آلہ کار بنا تھا ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ مامور زمانہ کا الہام کَلْبٌ يَمُوتُ عَلَى كَلْبٍ اس کے حق میں لفظ بلفظ پورا ہوا اور جہاں اس الہام میں اس کے لئے کَلْب کا لفظ استعمال ہوا وہاں سورۃ کہف میں دجالی اقوام یا جوج و ماجوج کے ساتھ ان کے کَلْب کا بھی ذکر کیا گیا اور یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ مسیح موعودؑ کے خلیفہ ثالث کے زمانہ میں ایک ایسا شخص ہوگا جس پر یہ لفظ صادق آئے گا اور بھنو آپؑ کے خلیفہ ثالث ہی کے زمانہ میں ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں صفحہ ۱۵۷ کتاب ہذا

=====

سورۃ الاخلاص میں مہدی مسعود المسیح الموعودؑ کے متعلق اہم اشارات

سورۃ اللہب کے بعد سورۃ الاخلاص آتی ہے۔ بسم اللہ کے علاوہ اس کی چار آیات ہیں جو یہ ہیں:-

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (۲) اللَّهُ الصَّمَدُ (۳) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۴) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (۵)

(۱) (اے رسول) کہہ وہ اللہ (جو قرآن نے پیش کیا) ایک ہے اللہ وہ ہستی ہے جس کے سب محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ کوئی بڑائی میں اس کے برابر ہے۔

هُوَ اسم ضمیر ہے جس کے معنی 'وہ' کے ہیں اور یہ ضمیر شان کے طور پر بھی آتا ہے۔ یعنی اس کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ حق یہ ہے سچ یہ ہے شان یہ ہے۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فرما کر دو باتیں بتائی گئیں:-

نمبر ۱ یہ کہ وہ اللہ جو قرآن نے پیش کیا ہے احد ہے۔

نمبر ۲ یہ کہ سچی بات یہ ہے کہ اللہ احد ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں سورۃ لہب کو قرآن کریم کے آخر میں رکھ کر یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ شروع زمانہ اسلام کی طرح آخری زمانہ اسلام میں بھی جو عالمگیر اشاعت اسلام کا زمانہ ہے ایک ابولہب ظاہر ہوگا جو اس زمانہ کی مناسبت سے عالمگیر حیثیت رکھنے والا ہوگا اور ہم

نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ مراد اس سے یا جوج ماجوج یعنی مسیحی اقوام ہیں۔ چنانچہ اُس سورۃ کے معاً بعد اِس سورۃ (الاخلاص) کا لایا جانا جس میں خدا کا بیٹا قرار دینے والوں کا رد ہے اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ہمارا خیال درست تھا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب سورۃ لہب کا تعلق اسلام کے پہلے اور آخری دونوں زمانوں سے ہوا تو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ سورۃ اخلاص کا تعلق بھی ان دونوں زمانوں ہی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ لہب کی طرح یہ سورۃ بھی اگرچہ بالکل ابتدائی زمانہ نبوت کی ہے اسے قرآن کے آخر میں رکھا گیا۔ لہذا اس سورۃ کو جو لفظ قل سے شروع کیا گیا یعنی اس میں یہ فرمایا گیا کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں سے یہ کہہ کہ اللہ احد ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ آنحضور کو ان دونوں زمانوں ہی کے لئے یہ حکم ہوا تھا۔ لیکن آخری زمانہ میں آپ کا بنفس نفیس دنیا میں تشریف لا کر یہ حکم بجالانا محال تھا اس لئے اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں آپ کا ایک بروزی ظہور مقدر تھا اور جس شخص کے وجود میں یہ ظہور ہونے والا تھا اس میں ہو کر آپ نے یہ حکم بجالانا تھا۔ چنانچہ جب اس آخری زمانہ میں مسیحی اقوام کا دنیا میں زور ہوا اور اپنی طاقت کے بل پر انہوں نے مسیح کے ابن اللہ ہونے کا عقیدہ پھیلایا تو خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کو آنحضور کا بروز بنا کر اور یہی منصب ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ سونپ کر مبعوث فرمادیا۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینے کے فتنہ کا ازالہ مقصود تھا تو اس کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی کہ اس غرض سے بھیجے جانے والے نبی کو مسیح کا بھی بروز اور مثل بنایا جاتا تا جب وہ گواہی دے کہ مسیح ناصری میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اسے ثابت کر سکے (تو ایک طرح سے خود مسیح کی زبان سے یہ گواہی ادا ہو جائے) اور نیز اس لئے کہ دنیا دیکھ لے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں مگر مسیح ایک اور بھی ہے جو اس زمانہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی مقدر کیا جاتا کہ وہ صرف یہ گواہی ہی نہ دے بلکہ قطعی دلائل اور روشن نشانوں کے ساتھ دنیا کو دکھا دے کہ ”سچی بات یہی ہے کہ اللہ ایک ہے۔“ چنانچہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے یہ دونوں فریضے نہایت عمدگی سے ادا کئے۔ آپ نے فرمایا:-

”اس زمانہ کے عیسائیوں پر گواہی دینے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں پر ظاہر کر دوں کہ ابن مریم کو خدا ٹھہراتا ایک باطل اور کفر کی راہ ہے۔“

(کتاب البریہ ص ۵۵)

نیز فرمایا:-

”چونکہ عیسائیوں نے انسان کو خدا بنانے کے لئے بہت کچھ افتراء کیا ہے اس لئے خدا کی غیرت نے چاہا کہ مسیح کے نام پر ہی ایک شخص کو مامور کر کے اس افتراء کو نیست و نابود کرے۔ یہ خدا کا کام ہے اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔“

(انجام آیت ص ۳۲۰، ۳۲۱)

پھر آپ نے صرف یہ دعوے ہی نہیں کئے بلکہ دلائل قاطعہ کے ساتھ اس بات کو ثابت کر کے بھی دکھا دیا کہ مسیح صرف ایک نبی تھا خدا یا خدا کا بیٹا نہیں تھا۔

آیت قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کے دوسرے معنوں کے مطابق جو یہ ہیں کہ ”کہہ وہ خدا (جو قرآن نے پیش کیا) احد ہے۔“ اس آیت میں ان لوگوں کو جو قرآن کے ماننے والے ہیں یعنی مسلمانوں کو مخاطب کرنے کا حکم دیا گیا یعنی یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو یہ سمجھایا جائے کہ کسی بھی غیر اللہ کو خواہ وہ غیر مسیح ہو یا کوئی اور صفات الہیہ سے متصف ماننا صحیح نہیں۔ خدا تعالیٰ جیسا کہ قرآن نے بار بار سمجھایا ہے ایک ہی ہے۔ پس اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ آخری زمانہ میں جو مہدی موعود کا زمانہ ہے مسلمانوں میں طرح طرح کا شرک پھیل چکا ہوگا اور علاوہ دوسری اقسام شرک کے وہ مسیح کو بھی ایسا فوق البشر ہونے کا مقام دے رہے ہوں گے جو شرک میں داخل ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کا بروز بن کر آنے والے نبی یعنی مہدی موعود کا ایک فریضہ ان کی اصلاح کی کوشش کرنا بھی ہوگا یعنی جس طرح مسیحیوں کی اصلاح کے لئے آنے کی وجہ سے وہ مسیح کہلائے گا اسی طرح مسلمانوں کی اصلاح کے لئے آنے کی وجہ سے وہ مہدی کا نام بھی پائے گا۔ یعنی خدا سے ہدایت یافتہ ہو کر ان کی اصلاح کے لئے کوشاں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پھر یہ بھی جاننا چاہیے کہ جسے خدا تعالیٰ اپنے اذن سے کسی کام پر مقرر کرے ضرور ہے

یہ اس کام میں وہ اس کی مدد بھی کرے اور بنا برائیں وہ اس کام میں کامیاب بھی ہو۔ پس لفظ
 س سے اس سورۃ کو شروع کر کے جہاں یہ اشارہ کیا گیا کہ آخری زمانہ میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ
 کا ایک ظہور ہوگا اور جس شخص کی صورت میں یہ ظہور ہوگا وہ بھی باذنہ تعالیٰ توحید کا پرچار کرے
 اور ازالہ شرک کے لئے اور بالخصوص خدا کا بیٹا قرار دینے والوں کے شرک کے خلاف جہاد
 لے گا وہاں اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ اسے اپنے مولیٰ کی تائید حاصل ہوگی اور وہ اس
 نام میں کامیاب ہوگا۔ پس اس سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوا کہ وہ آنے والا کاسر صلیب
 وکرائے گا اور اس کے ہاتھ پر صلیب لازمًا ٹوٹے گی۔ یعنی مسیحی مذہب کا لازمًا خاتمہ ہوگا۔
 پنانچہ ایسا ہی ہوا نبی موعود نے آکر دلائل قاطعہ کے ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ مسیح صرف ایک
 شرتھا جو مرکز کشمیر میں دفن ہو چکا ہے۔ اور بحسد غصری آسمانوں پر نہیں گیا اور اس طرح مسیحی
 مذہب کے خاتمہ کی مضبوط بنیاد رکھ دی۔ جہاں تک تائید الہی کا تعلق ہے آپ نے فرمایا:-

”میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور
 خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے اور جہاں
 تک میں دور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت
 اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں
 کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے
 ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی
 مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو
 میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشی ہے۔ اور آسمان پر ایک جوش
 اور ابال پیدا ہوا ہے جس نے ایک پتی کی طرح اس مشیت خاک کو کھڑا
 کر دیا ہے۔ ہر ایک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں عنقریب دیکھ
 لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔“

(ازالہ ابہام حصہ دوم ص ۳۰۳)

یہ آپ کا صرف دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ پچھلے سو سال سے زیادہ عرصہ سے دنیا دیکھ رہی
 ہے کہ آپ کا یہ فرمانا لفظ بلفظ درست ہے۔

آیت قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ میں پہلے نمبر پر حضور نبی کریم ﷺ کو اور دوسرے نمبر پر آخری زمانہ میں آنوالے آپ کے بروز کو قُلْ کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے اور کسی اور کو مخاطب نہیں کیا گیا (دوسرے لوگ اگر اس حکم میں شامل ہیں تو صرف ان کے تابع ہونے کی حیثیت میں) اور چونکہ قُلْ کے بعد خدا تعالیٰ کے حسن و جمال کا ذکر ہے اور اسی کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے کا حکم ہوا ہے اس لئے صرف ان دو کو مخاطب کر کے یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ خدا تعالیٰ کے حسن و جمال کا بیان جس طرح یہ دینی کر سکیں گے کوئی دوسرا نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ جیسا نقشہ خدا تعالیٰ کے حسن و جمال کا احادیث نبویہ میں ملتا ہے کسی اور انسان کے کلام میں نہیں ملتا اور آنحضور کی ظلیت میں یہی بات حضرت مہدی موعودؑ پر صادق آتی ہے۔

چونکہ خدا تعالیٰ حی و قیوم ہے اور ہر چیز اسی کے سہارے زندہ ہے اس لئے اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ سب سے زیادہ زندگی بخش چیز خدا تعالیٰ کے حسن و جمال پر مطلع کرنے والا اور پھر خدا سے ملانے والا کلام ہی ہو سکتا ہے لہذا اس آیت کو قُلْ کے لفظ کے ساتھ شروع کر کے جب کہ اس کے مخاطب آنحضورؐ ہیں (اول اپنی اصل حیثیت میں اور دوم اپنی بروزی حیثیت میں جس کا ظہور مہدی موعودؑ کی صورت میں ہونے والا تھا) یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ جب اس کے مخاطب پہلے آپؐ ہیں اور پھر مہدی موعودؑ ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ زندگی بخش باتیں جیسی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کرتے ہیں یا جیسی مہدی موعودؑ کرے گا ایسی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اس کتاب کا موضوع چونکہ ذکر الہدی فی القرآن ہے اس لئے ہم صرف مؤخر الذکر کا ذکر آگے چلاتے ہیں۔ مگر آپؐ چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں اور آپؐ نے سب کچھ آنحضورؑ کی پیروی سے پایا ہے اس لئے اگر آپؐ کے متعلق یہ بات ثابت ہو جائے تو آنحضورؑ کے متعلق بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جاتی ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں:-

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو

کہ میں خدا کی طرف سے نہیں آیا لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۳)

یہ صرف دعویٰ نہیں تھا آپ کی کتب اور ملفوظات جو مرتب ہو کر ہزار ہا صفحات پر مشتمل شائع شدہ ہیں اس دعویٰ کی سچائی کا منہ بولتا دائمی ثبوت ہیں۔ ان کے ذریعہ ہزاروں لوگ روحانی زندگی پا چکے ہیں۔

اس سورۃ کو لفظ قُل سے تو شروع کیا گیا ہے مگر یہ قید نہیں لگائی گئی کہ یہ بات صرف فلاں یا فلاں سے کہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس میں ساری دنیا کو مخاطب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ حکم جس طرح آنحضرتؐ کے لئے تھا اسی طرح آئندہ زمانہ میں آنے والے آپؑ کے بروز کیلئے بھی تھا اسلئے اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جس طرح آنحضرتؐ کَلَامًا لِلنَّاسِ کی طرف مبعوث ہوئے تھے اسی طرح وہ نبی بھی ساری دنیا کی طرف مبعوث کیا جائے گا۔ اور چونکہ ضرور ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص کو ساری دنیا تک کوئی پیغام پہنچانے کا حکم دے تو اس کے ذرائع بھی نصیب کرے اس لئے لفظ قل سے اس آیت کو شروع کر کے یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ اس نبی کے زمانہ میں خدا تعالیٰ ایسے سامان کر دے گا کہ اس کی آواز ساری دنیا میں پہنچ سکے گی۔ چنانچہ ایسے ایسے ذرائع اس مقصد کے لئے اس زمانہ میں ایجاد ہو چکے ہیں کہ اس سے پہلے ان تک انسان کا واہمہ بھی پہنچ نہیں سکتا تھا اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ ان ذرائع سے اشاعتِ دین کے لئے استفادہ کی توفیق جس طرح آپؐ کے سلسلہ کو مل رہی ہے کسی اور کو اس کا عشرِ عشر بھی نہیں مل رہی۔

اگر سوال ہو کہ جب آنحضرتؐ بھی ساری دنیا کے لئے نبی ہو کر آئے تھے تو آپؐ کے وقت میں یہ ذرائع اشاعتِ حق کے کیوں میسر نہیں آئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ کی بعثتِ اولیٰ کا زمانہ تکمیلِ ہدایت اور قیامِ ہدایت کا زمانہ تھا اور اس زمانہ میں صرف عرب اور اس کے قرب و جوار تک پیغام پہنچنا ضروری تھا اور اس کے سامان اس وقت میسر تھے مگر آپؐ کی بعثتِ ثانیہ کا زمانہ اشاعتِ ہدایت کا زمانہ ہے اس لئے اس میں ساری دنیا میں پیغام حق پہنچانے کے

سامانوں کا ہونا ضروری تھا۔ فلا اعتراض۔

اس سورۃ پر پہنچ کر میں نے دعا کی کہ خدایا ایک کپڑے کے پاؤں کے عجائبات ختم نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ تیرا پیدا کردہ ہے۔ قرآن کے جو تو نے اپنے سب سے برگزیدہ اور پیارے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے عجائبات کیونکر ختم ہو سکتے ہیں۔ پس تو مجھے اس سورۃ کے بارہ میں بھی کوئی نیا نکتہ سمجھا۔ چنانچہ اس نے یہ دعا قبول کی اور لفظ 'قل' سے جس سے چھوٹا کم ہی کوئی اور لفظ ہوگا وہ عجیب نکات سمجھائے جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ یہ سب آنحضرتؐ اور حضرت مسیح موعودؑ کی برکتیں ہیں۔

=====

سورۃ الفلق میں مسلمانوں پر آنے والی رات کے بعد پھر طلوع فجر ہونے اور اس کے کمال تک پہنچنے کی خبر

سورۃ فاتحہ کے آخر میں وَالضَّالِّينَ فرما کر خدا تعالیٰ نے یہ اشارہ کیا تھا کہ آخری زمانہ میں نصاریٰ کا فتنہ پھیلے گا۔ قرآن کے آخر میں پہنچ کر یعنی سورۃ اخلاص میں پھر فتنہ نصاریٰ کا ذکر کیا تھا تا امر مذکور کی تائید ہو۔ اس کے بعد سورۃ الفلق لا کر اس نے یہ بتایا کہ مسیحی فتنہ کے نتیجہ میں جو روحانی رات دنیا پر چھا جانے والی ہے وہ مستقل نہیں ہوگی بلکہ اس فتنہ کے حد سے گزر جانے کے وقت خدا تعالیٰ (آفتابِ آسمانِ روحانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں لا کر) پھر توحید کی صبح نمودار کریگا۔ اور اگر تم اس کی پناہ مانگتے رہو تو وہ اس صبح کو اور روشن کر کے دن بنادے گا۔ اور اسکی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز کے شر سے تمہیں بچالے گا۔ بسم اللہ کے علاوہ اس سورۃ کی پانچ آیات ہیں۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۲) مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۳) وَمِنْ شَرِّ
غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ (۴) وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ (۵)
وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (۶)

(اے رسول) کہہ میں پناہ مانگتا ہوں رب الفلق کی۔ ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ اور غاسق کے شر سے جب وہ چھپ جائے۔

اور گرہوں میں پھونکنے والی ہستیاؤں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

جس طرح سورۃ الفجر میں فجر کا لفظ ایک اعتبار سے آنحضورؐ کے دعویٰ کے بعد کے پہلے تین سالوں کے لئے اور ایک اعتبار سے پہلی تین صدیوں کے لئے آیا ہے اسی طرح اس سورۃ میں لیل کا لفظ ایک اعتبار سے آنحضورؐ کے دعویٰ کے بعد کے ابتدائی سالوں کے لئے آیا ہے۔ اور ایک اعتبار سے آنحضورؐ کے مبعوث ہونے سے لے کر حضورؐ کی رحلت تک کے سارے زمانہ کے لئے آیا ہے اور ایک اعتبار سے اس دس سو سالہ رات کے بعد جس کی خبر سورۃ الفجر میں دی گئی تھی (بلکہ ایک لحاظ سے خود اس سورۃ میں بھی دی گئی تھی) شروع ہونے والے زمانہ کو لیل قرار دیا گیا ہے اور اگلی آیات میں ان میں سے ہر لیل یعنی صبح کے دن بننے میں روک بننے والی چیزوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان کے شر سے بچنے کے لئے رب الفلق کی پناہ مانگتے رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس کتاب کا تعلق چونکہ ان سب میں سے موخر الذکر صبح سے ہے یہاں ہم اسی کی کسی قدر تفصیل بیان کریں گے۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے دو معنی ہیں۔ نہرا ہر چیز کے جو اس نے پیدا کی شر سے نمبر ۲ اس کی پیدا کردہ چیزوں میں سے سب سے زیادہ شر والی چیز سے۔ اسلام کے اندرونی دشمنوں کے لحاظ سے اس سے علماء مراد ہیں جن کو آنحضورؐ نے شَرِّ مَنْ تَحْتَ السَّمَاءِ کہا ہے اور بیرونی دشمنوں کے لحاظ سے دجال یعنی مسیحی اقوام مراد ہیں جو شیطان کے مظہر اول ہیں جن کی طرف اشارہ پچھلی سورۃ (الاخلاص) میں کیا گیا۔ پس اس سورۃ میں جو خدا تعالیٰ نے آنحضورﷺ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اے رسول مومنوں سے کہہ میں رب الفلق کی پناہ مانگتا ہوں تو ایک اعتبار سے اس میں لیل سے وہ صبح مراد ہے جو سورۃ الفجر میں مذکور دس سو سالہ رات کے بعد محمد رسول اللہﷺ کے بروزی ظہور کے ساتھ (جو مہدی مسعود مسیح الموعود کی صورت میں ہونا تھا) پیدا ہونے والی تھی۔ اور یہ حکم دے کر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اس صبح کے روشن سے روشن تر ہوتے ہوئے دن بننے کا تعلق چونکہ مومنوں سے ہے اس لئے ان کو بھی تیری اس دعا کا علم ہونا چاہیے تاکہ وہ بھی اس میں شامل ہوں۔ آگے مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے الفاظ رکھ کر بتایا کہ اس وقت اس صبح کے دن بننے میں سب سے بڑی روک وہ وجود ہوں

گے جو سب سے زیادہ شر کے حامل ہیں یعنی علماء سوء اور دجالی اقوام اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے (جس کا تقاضے یہ ہے کہ ان کی تدابیر سے واقف رہ کر حتی الوسع ان کے توڑ کی کوشش بھی کی جائے۔ کیونکہ دعا بغیر کوشش کے ایسی ہی ہے جیسے اونٹ کا گھٹنا باندھے بغیر توکل کرنا)۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے بعد ہے وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ. غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ کے ایک معنی کسی چیز کی کثرت کے بعد اس کی قلت ہو جانے کے ہیں۔ شر چونکہ اچھے لوگوں کی کمی اور برے لوگوں کی کثرت سے پیدا ہوا کرتا ہے اس لئے ان معنوں کی رو سے اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ جب تاریکی کے زمانہ کے بعد پھر طلوع فجر ہوگا اس وقت غلبہ اسلام کی راہ میں جہاں سب سے بڑی اندرونی روک مسلمانوں کے علماء اور بیرونی روک مسیحی ہوں گے وہاں دوسری آفت علماء ربانی کی کثرت کا قلت میں بدل جانا ہوگا۔ اسی کی طرف دوسری جگہ بہ اس الفاظ اشارہ کیا گیا کہ إِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ جب ستارے مانند پڑ جائیں گے یا جھڑ جائیں گے چنانچہ مامور وقت نے آکر فرمایا ۛ

کچھ کچھ جو نیک مرد تھے سب خاک ہو گئے

باقی جو تھے وہ ظالم و سفاک ہو گئے

دوسرے معنی غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ کے تاریکی کے ہیں جب وہ پھیل جائے۔ ان معنوں کی رو سے اس آیت کو اس موقع پر رکھ کر یہ عجیب بات بتائی کہ جب موعودہ فجر طلوع ہوگی تو جہاں اس سے نیک فطرت لوگ منور ہوں گے وہاں (کچھ عرصہ تک) بدی اور بدوں کی تاریکی پھیلتی چلی جائے گی (کچھ عرصہ تک کا استدلال اس سے ہوتا ہے کہ اسی سورۃ میں بالآخر اسلام کو ترقی حاصل ہونے کی خبر دی گئی ہے) چنانچہ دیکھ لیجئے اس کے بعد اس وقت تک کہ حضرت مسیح موعود کا پیغام عام نہیں ہو گیا مسیحی پادری لوگوں میں شرک کی تاریکی پھیلاتے رہے۔ جنسی بے راہ روی کی تاریکی۔ حرص و ہوا کی تاریکی اور دوسری ہر قسم کی تاریکی بھی پھیلتی رہی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کے ساتھ ہی جو اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہو گیا تو اس لئے کہ اس سے پہلے ان مخالف حالات کا پیدا ہونا بھی مقدّر تھا۔ لیکن جس طرح تاریکی کے پھیلنے کی یہ خبر پوری ہوئی ہے اور ہمارے لئے از دیا د ایمان کا موجب بنی ہے نور کے پھیلنے کی خبر بھی ضرور پوری

ہوگی اور دنیا کی صف اس وقت تک لیٹی نہیں جائے گی جب تک کہ اَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا کا نظارہ بھی چشم فلک نہ دیکھ لے پس ہمارے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ خوشی کا موقع ہے کہ اس تاریکی کے بعد اب روشنی کے پھیلنے کا وقت آتا ہے۔

=====

ایک اور اہم خبر

ایک اور اہم خبر بھی ان آیات میں دی گئی۔ ۱۹۰۳ء میں حضرت مہدی موعود کو ایک الہام ہوا جس کے بارہ میں آپؑ نے لکھا ”تو فرزند کی نسبت الہام ہوا غاسق اللہ“ یعنی وہ قبر جس کو خسوف لگے گا۔ اس طرح ایک رات حضورؑ کے ہاں ایک لڑکی امتہ النصیر پیدا ہوئی تو حضورؑ اپنے ایک مخلص مولوی محمد احسن صاحب کے کمرہ کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اس کے متعلق مجھے الہام ہوا ہے غاسق اللہ۔ ان باتوں سے ظاہر ہے کہ لفظ غاسق کو چاند کے معنی میں لیں تو اس سے مجازاً بیٹا یا بیٹی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ حضورؑ کے یہ الہامات اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ آیت وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ آئندہ آنے والی فلق کے زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہے ایک ایسا واقعہ رونما ہوگا جسے چاند کے گہنا جانے اور پھر گڑھے (یعنی قبر) میں داخل ہونے سے تعبیر کیا جاسکے گا اور وہ واقعہ بہت بڑے شر کا موجب ہوگا یعنی اس سے لوگوں کے لئے بہت بڑے اتلا کی ایک صورت پیدا ہوگی مومنوں کو چاہئے کہ اس واقعہ کے شر سے بچنے کی دعا کرتے رہیں۔ اب دیکھئے یہ پیشگوئی کیسی شان سے پوری ہوئی۔

مسلمانوں پر آنے والی طویل رات کے بعد جب پھر فلق کا زمانہ آیا یعنی آفتاب سماء روحانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا بروزی ظہور مہدی موعود علیہ السلام کی صورت میں ہوا تو آپؑ کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے تازہ ثبوت کے طور پر ایک عظیم الشان بیٹے کی پیدائش کی خبر دی گئی۔ مگر ہوا یہ کہ اس پیشگوئی کے بعد پہلے ایک لڑکی امتہ النصیر پیدا ہوگئی۔ اس پر دشمنوں نے بہت شور مچایا کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ پیشگوئی کے بعد پہلے بی بی حل میں پسر موعود پیدا ہوگا بہر حال اس کے کچھ

عرصہ بعد ایک چاند سال کا بشیرِ اول پیدا ہوا جس پر حسن ظن رکھنے والوں کے حوصلے بڑھے لیکن وہ بیٹا بھی جلد فوت ہو گیا اور قبر میں ڈالا گیا۔ اس پر تو قیامت ہی ٹوٹ پڑی حالانکہ پھر موعود کے بارہ میں جو الہامات تھے انہی میں اُس سے پہلے ایک مہمان (یعنی آکر جلد دنیا سے رخصت ہو جانے والے) بیٹے کی خبر بھی دی گئی تھی اور پھر موعود کے متعلق یہ تشریح کی گئی تھی کہ وہ اس مہمان بیٹے کے بعد پیدا ہوگا۔ البتہ نو سال کے اندر بہر حال پیدا ہو جائے گا۔

چنانچہ بشیرِ اول کی وفات کے قریباً ایک سال بعد نو سال کی مدت مقررہ کے اندر پھر موعود پیدا ہو گیا لیکن پہلے دو بچوں کی وفات سے بہت بڑے ابتلا کی صورت پیدا ہوئی اور اس آیت میں اس زمانہ سے متعلق جو تیسری پیشگوئی تھی کہ شر پیدا ہوگا وہ بھی لفظ بلفظ پوری ہو گئی۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

چونکہ لفظ غاسق کے معنی سورج کے بھی ہیں اور چاند کے بھی اور سورج یا چاند کی اس حالت کے بھی جب وہ گہنا جائے۔ اس لئے اس آیت میں آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی مہدی موعودؑ کے وقت سے تعلق رکھنے والی اس پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہے جو سورج اور چاند کے گرہن میں جمع کئے جانے کے متعلق ہے اور بتایا گیا ہے جب سورج اور چاند کو پیشگوئی کے مطابق ایک ہی رمضان میں گرہن لگے گا تو جہاں اس سے فائدہ ہوگا وہاں شر بھی پھیلے گا۔ شر سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔ چنانچہ ایک وقت تھا کہ مولوی لوگ حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے بار بار کہتے تھے کہ اگر آپ سچے ہیں تو سورج اور چاند گرہن والی پیشگوئی کیوں پوری نہیں ہوئی اور جب گرہن لگ گیا تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ تو حدیث ہی ضعیف ہے۔ حالانکہ یہ پیشگوئی وَجُمَعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ کے الفاظ میں قرآن میں بھی موجود ہے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۖ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي الْعُقَدِ ۖ اس میں خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اس وقت غلبہ اسلام میں تیسری روک وہ لوگ ہوں گے جو شریعتِ حقہ اسلامیہ کے قابلِ حل عقدوں کو دھوکہ دہی کے طور پر پیچیدہ اعتراضات کی صورت میں بنا دیں گے اور ان نظری امور پر اپنی طرف سے حاشیے لگا دیں گے۔ تالوگ گمراہ ہوں۔ مراد ان سے مسیحی پادری ہیں۔

پھر ان سے مولوی بھی مراد ہیں جو مہدی موعود کے متعلق لوگوں کی گمراہی میں پھونکتے

رہتے ہیں یعنی ان کے دلوں میں ناحق دوسوے ڈالتے رہتے ہیں۔

اسی طرح مسیحی عورتیں بھی مراد ہیں جو مسلمان نوجوانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانس کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

آخر میں آیت وَمِنْ نَّسْرِ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ رکھی گئی ہے اس میں بتایا کہ باوجود مذکورہ بالا روکوں کے مہدی موعود کے ظہور سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جو صبح طلوع ہوئی ہوگی وہ روشن سے روشن تر ہوتی جائیگی اور اس بات کو دیکھ کر حاسد (یعنی مولوی اور پادری) حسد کریں گے۔ لفظ حاسد کے عام معنی ایسے شخص کے ہوتے ہیں جو دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ چاہے کہ وہ نعمت اس سے چھین کر اسے مل جائے۔ لیکن البقرہ ۱۱۰:۲ میں ایسے لوگوں کو بھی حاسد کہا گیا ہے جو خود تو وہ چیز جو دوسرے کو حاصل ہے لینا نہیں چاہتے مگر اسے اس سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں یہود کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے بارہ میں چاہا کرتے تھے کہ انہیں واپس کفر کی طرف لوٹا دیں۔ اس زمانہ کے مولوی لوگ بھی دن رات اس کوشش میں رہتے ہیں کہ احمدیوں سے ان کا ایمان چھین لیں اور انہیں واپس مہدی موعود کے کفر کی طرف لوٹا دیں۔ اسی طرح مسیحی اور مولوی دونوں اس کوشش میں رہتے ہیں کہ احمدیوں کو جو عظیم نعمت خلافت کی صورت میں حاصل ہے وہ ان سے چھین جائے۔ اور مولوی تو یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ نعمت ان سے چھین کر ان کو مل جائے۔ مگر کیسے ملے جبکہ وہ بہتر فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر قرار دے چکا ہے۔ کیا سب فرقوں کے الگ الگ خلیفے ہوں گے؟ اگر ایسا ہو تو ملت کی وحدت قائم ہوگی یا اور زیادہ پارہ پارہ ہو جائے گی؟ کاش وہ سوچیں اور غور کریں کہ وہ کدھر کو جارہے ہیں۔

=====

سورة الناس میں مہدی علیہ السلام کا ذکر

پہلی سورة (الفلق) میں آخری زمانہ میں ایک بہت بڑے حاسد (دجال) کے سر اٹھانے کی خبر دینے کے ساتھ اس کے شر سے بچنے کی دعا سکھائی گئی تھی لیکن جب تک انسان کو دشمن کی چالوں کا علم نہ ہو وہ پوری طرح اس سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا اس لئے اس کے بعد آنے والی اس سورة 'الناس' میں جو قرآن کریم کی آخری سورة ہے اس کی چالوں کی نشاندہی کی گئی اور

معین طور پر ان سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ اس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۲) مَلِكِ النَّاسِ (۳) إِلَهِ النَّاسِ (۴) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۵) الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ (۶) مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۷)
اے رسول (مومنوں کو) کہہ میں پناہ مانگتا ہوں رب الناس کی جو تمام انسانوں کا بادشاہ ہے تمام انسانوں کا معبود ہے خناس کے دوسرے کے شر سے جو انسانوں کے دلوں میں دوسرے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

شر خیر کے مقابل کا لفظ ہے۔ قرآن نے حکمت کو خیر قرار دیا ہے (البقرہ ۲: ۲۷۰) اور قرآن کو سراسر حکمت فرمایا ہے (لقمان ۳: ۳۱) اسی طرح ہر نیکی کو، خدا تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کو لباس اتقویٰ کو، اور جنت کو بھی خیر کہا ہے اور چونکہ ان سب چیزوں کے حصول کا ذریعہ بھی قرآن ہے اصل خیر قرآن ہی ہوا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود کا ایک الہام بھی ہے اَلْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الْقُرْآنِ۔ لہذا اس میں شبہ نہیں کہ بنی نوع انسان کی ربوبیت روحانی کے لئے سب سے بڑا ذریعہ جو خدا نے بنایا قرآن کریم ہے۔ اور سب سے بڑا شر لوگوں کو اس خیر سے محروم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

لفظ شر کے دوسرے معنی فساد کے ہیں جو خدا تعالیٰ کی بادشاہت سے بغاوت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور اس لفظ کے تیسرے معنی ظلم کے ہیں اور قرآن کی رو سے سب سے بڑا ظلم شرک ہے (لقمان ۱۳: ۳۱) لہذا لفظ شر کے پہلے معنوں کے مد نظر خناس کے دوسرے کے شر سے بچنے کا تعلق رب الناس سے۔ دوسرے معنوں کے مد نظر اس کا تعلق ملک الناس سے اور تیسرے معنوں کے مد نظر اس کا تعلق إله الناس سے بالکل واضح ہے۔

اب دیکھیے محمد رسول اللہ ﷺ یہ نہیں کہتے کہ میں اپنے رب کی پناہ مانگتا ہوں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ رَبُّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ کی پناہ مانگتا ہوں۔ پناہ اپنی ذات کے لئے مانگتے ہیں اور لفظ شر کے ان تین معانی کے مد نظر ازل اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ شیطان

دلوں میں دوسرے ڈال کر انسانوں میں سے کسی کو سب سے بڑی خیر یعنی قرآن کریم سے (جو ربویت روحانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) محروم نہ رکھے یا محروم نہ کر دے۔ دوسرے نمبر پر اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ان میں سے کسی کو فساد پر یعنی خدا تعالیٰ کی حکومت کا باغی بننے پر یا اس کی بادشاہت کے تمام انسانوں کے دلوں پر قائم ہونے کے کام میں روک بننے پر مائل نہ کر دے۔ اور تیسرے نمبر پر اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ان میں سے کسی کو ظلم یعنی شرک پر مائل نہ کر دے یا کسی کے شرک سے چھٹکارا پانے اور توحید پر قائم ہونے کی راہ میں حائل نہ ہو۔ لہذا یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ آنحضورؐ کا یہ دعا مانگنا اس غرض سے تھا کہ نمبر ۱: آپ تمام انسانوں کی ربویت روحانی کا اور نمبر ۲: اللہ کی بادشاہت تمام دلوں پر قائم کرنے کا اور نمبر ۳: سب انسانوں سے یہ منوانے کا کہ ان کا اللہ ایک ہے جو کام کر رہے ہیں اس میں شیطان یا اس کے اظلال میں سے کوئی روک نہ ڈالے اور اگر ڈالے تو وہ روک قائم نہ رہ سکے۔ اور خدا تعالیٰ کا آپؐ کو یہ حکم فرمانا کہ آپؐ لوگوں کو بتا دیں کہ آپؐ یہ دعا مانگ رہے ہیں ایک تو یہ اشارہ کرنے کو تھا کہ آپؐ کی دعا بول ہوگی اور آپؐ اس مقصد میں کامیاب ہوں گے کیونکہ اگر وہ دعا قبول نہ ہوئی ہوتی تو وہ اپنے محبوبؐ کو اس دعا کا جو وہ درپردہ مانگ رہا تھا اعلان کرنے کا حکم نہ دیتا اور دوسرے یہ بتانے کو تھا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی ان تین صفات سے متعلق مذکورہ بالا کام جو دراصل اس کے اپنے کام ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کے سپرد کئے ہیں۔ کیوں کئے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ وراہِ دروئی ہستی ہے۔ کوئی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی اس لئے اس کی سنت یہی ہے کہ وہ اپنی صفات کی معرفت عطا کرنے کے لئے ہمیشہ اپنے انبیاء بھیجتا ہے جو اس کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور ان بنا پر خلیفہ اللہ کہلاتے ہیں لہذا جب یہ اشارہ کیا کہ خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے سپرد بورہ کام کئے ہیں تو اسی میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ اس نے آپؐ کو اپنی ان صفات کا مظہر بنایا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص کے بارہ میں یہ اشارہ دے کر وہ اس کی صفات کا مظہر ہے تو اس سے دو باتیں مراد ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس شخص کے ذریعہ راتعالیٰ کی ان صفات کی جن کا وہ مظہر بنایا گیا کھلی کھلی جلوہ نمائی ہوگی۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ اس شخص پر ان صفات کا رنگ چڑھایا گیا ہے اور جہاں تک انسان سے ممکن ہے وہ صفات

اس کی ذات سے بھی ظاہر ہوں گی۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ خدا اس میں سے ہو کر ظاہر ہوگا۔ پس رب الناس کا تعلق چونکہ تمام نوع انسان کی ربوبیت سے ہے اور انبیاء ربوبیت روحانی ہی کے لئے آتے ہیں اس لئے یہ اشارہ کر کے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو صفت رب الناس کا مظہر بنایا گیا ہے خدا تعالیٰ نے ایک تو یہ بتایا کہ اس نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا ہے اور ہر قوم و ملت اور ہر زمانہ کے لوگوں کی ربوبیت روحانی کی استعداد اور اس کا سامان دیا ہے یعنی قرآن جو آپ پر نازل ہوا ان سب کی جملہ ضروریات کو پورا کرنے والا ہے (دوسری جگہ فرمایا:- وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ سباء ۲۹:۳۳) اور دوسرے یہ بتایا کہ اس نے آپ کی ذات پر صفت رب الناس کا رنگ چڑھایا ہے یعنی دنیا دیکھے گی کہ آپ فطری جوش کے ساتھ ہر شخص کی خواہ وہ عرب کا ہو یا عجم کا گورا ہو یا کالا غریب ہو یہ امیر اپنا ہو یا پرایا ربوبیت فرمانے والے ہیں اور کوئی بھی انسان ہو اس کے لئے اسی طرح سچی ہمدردی و خیر خواہی رکھتے ہیں جیسی رب الناس رکھتا ہے۔

اسی طرح یہ اشارہ فرما کر کہ اس نے آپ کو اپنی صفت ملک الناس کا بھی مظہر بنایا ہے خدا تعالیٰ نے ایک تو یہ بتایا کہ آپ کے ذریعہ تمام دنیا کے انسانوں یعنی ان کی اکثریت کے دلوں پر خدا تعالیٰ کی حکومت قائم ہوگی اور دوسرے یہ بتایا کہ ایک دن آئے گا کہ خود آپ بھی تمام انسانوں کے (یعنی ان میں سے جو واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں ان کے) دلوں پر راج کریں گے۔ اور چونکہ بادشاہت کی شرط حکم و عدل ہوتا ہے اسی میں یہ اشارہ بھی ہو گیا کہ اس نے آپ کو ساری دنیا کے لئے حکم و عدل بنا کر بھیجا ہے یعنی اس لئے بھیجا ہے کہ آپ تمام مذہب عالم کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کریں اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں۔

قُلْ أَغْوِذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ کے بعد ہے إِلَهَ النَّاسِ لفظِ اللہ کے جو معانی اہل لغت اور بزرگوں نے کئے ہیں ان کی رو سے اللہ وہ ہستی ہے جو معبود، مطلوب، مقصود ہو۔ جس کی صفات میں غور انسان کو درط حیرت میں ڈال دے۔ جو تمام اشیاء کی محبوب ہو اور ہر چیز اس کی تسبیح کرے جو ظاہراً بھی آنکھوں سے ادھل ہو اور اس کا مرتبہ بھی اتنا بلند ہو کہ احاطہ ادراک میں نہ آ سکے۔

پس خدا تعالیٰ نے جو یہ اشارہ فرمایا کہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی صفت إِلَهَ النَّاسِ

کا بھی مظہر بنایا ہے تو مظہر بنانے سے جو دو باتیں مراد ہوتی ہیں پہلی یہ کہ اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ اپنی صفات ظاہر کرے گا اور دوسری یہ کہ خود اس مظہر سے خدا تعالیٰ کی صفات ظاہر ہوں گی ان میں سے پہلی بات کی رو سے اس میں یہ بتایا کہ آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی جملہ صفات حسنہ کی ایسی کھلی کھلی جلوہ نمائی ہوگی جیسی پہلے کسی اور کے ذریعہ نہیں ہوئی اور ایک دن تمام بنسی نوع انسان یعنی ان کی اکثریت ماننے لگے گی کہ ان سب کا معبود وہی ایک ہے یعنی اللہ کوئی دوسرا نہیں۔ اور دوسری بات کی رو سے یہ بتایا کہ اس نے آپ پر اپنی پہلی دو صفات کی طرح صفت اللہ الناس کا رنگ بھی چڑھایا ہے یعنی اس صفت کی جلوہ نمائی خود آپ کی ذات سے بھی ہوگی۔ یعنی جس طرح عباد اللہ اللہ کی کامل اتباع کرتے اور اس کا حد درجہ احترام کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے غلام آپ کی بھی کامل اتباع اور آپ کا بھی حد درجہ احترام کریں گے۔

لفظ اللہ کے دوسرے معنی اس ہستی کے ہیں جو نظر نہ آئے یا جس کا مقام حد ادراک سے باہر ہو۔ پس دوسری بات یہ بتائی کہ خدا تعالیٰ کی طرح بعض دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ بھی لوگوں کو نظر نہیں آئیں گے چنانچہ ہجرت کے وقت آپ اپنے ان دشمنوں کے سامنے سے نکل کر چلے گئے جو آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور آپ ان کو نظر نہیں آئے۔ رہا آپ کے مقام بلند کا ادراک نہ ہو سکتا تو اسکے بارہ میں یہ ایک آیت ہی کافی ہے کہ لَا يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی کس عالی مرتبہ کا

نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی

کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔“ (ہیۃ الوبی)

تیسری بات یہ بتائی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور کرنا انسان کو محو حیرت کر دیتا ہے اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات میں بھی انسان جتنا غور کرے گا اتنا ہی درط حیرت میں ڈوبتا چلا جائے گا۔

چوتھی بات یہ بتائی کہ جس طرح اللہ حقیقی یعنی اللہ جلّ شانہ ہر شے کا محبوب ہے اور ہر شے اس کی تسبیح کرتی ہے (اگرچہ ان کی تسبیح کو لوگ نہ سمجھیں یا وہ خود بھی نہ سمجھیں) اسی طرح ہر شے محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی محبت کرتی ہے یا کرے گی اور آپ کی ثنا گو ہوگی۔ یہ اس لئے

فرمایا کہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جب خدا تعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے تو فرشتوں کو بھی حکم فرماتا ہے کہ اس سے محبت کریں اور اس کی پاکیزگی بیان کریں اور جب فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں تو دنیا کی ہر شے بوجہ ان کے تابع ہونے کے اس سے محبت کرنے لگ جاتی ہے یعنی اس شخص کی صفات ہر شے کا آئیڈیل بن جاتی ہیں اور وہ جانے نہ جانے اس سے محبت کرتی ہے۔ اور اس کے مقاصد کی تکمیل میں لگ جاتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں یہ اشارہ فرمایا کہ اس نے ساری دنیا کے انسانوں کی ربوبیت روحانی کرنے۔ ساری دنیا میں اپنی بادشاہت قائم کرنے اور سب لوگوں پر اپنا اِلٰہ الناس ہونا ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ یہ سب کام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے ہوں یعنی اس نے حضور کو اپنی ان تینوں صفات رَبُّ النَّاسِ مَلِکُ النَّاسِ اور اِلٰہ النَّاسِ کا (جن میں باقی سب صفات آجاتی ہیں) مظہر بنایا ہے اور دوسری طرف اس نے اس سورۃ کو قرآن کریم کے آخر میں سورۃ الاخلاص اور سورۃ الفلق کے بعد رکھا۔ جن میں سے پہلی سورۃ سے اشارہ ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں خدا کا بیٹا بنانے والوں کا فتنہ زوروں پر ہوگا اور دوسری سورۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے پہلے دور ترقی کے بعد ایک دور تزلزل کا بھی آنے والا ہے جس کے بعد اسلام دوبارہ ترقی کرے گا۔ لہذا اس سورۃ کو اس موقع پر رکھ کر یہ اشارہ کیا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا کاموں کی تکمیل آخری زمانہ میں ہوگی جو آپ کے دوسرے بعث کا زمانہ ہے اور جس کی طرف سورۃ الجمعہ میں بھی اشارہ ہے اور جو خود حضور کے دئے ہوئے اشارات کے مطابق ایک فارسی الاصل شخص (مہدی مسعود المسعود) کی صورت میں ہونے والا تھا۔ لہذا اس میں شبہ نہیں کہ اس سورۃ میں مسیح موعود کے ظہور کی خبر دی گئی۔ اور بتایا گیا کہ خدا تعالیٰ کے رَبُّ النَّاسِ، مَلِکُ النَّاسِ اور اِلٰہ النَّاسِ ہونا منوانے کے مذکورہ بالا تینوں کام جو دراصل خدا تعالیٰ کے اپنے کام ہیں لیکن اس کی حکمت نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے ان کے کردانے کا فیصلہ فرمایا اور اس غرض کے لئے آپ کو اپنی ان تینوں صفات کا مظہر بنایا ہے اگرچہ ایک حد تک آنحضور کے صحنہ حیات ہی میں ہو جائیں گے مگر ان کی تکمیل آپ کا بروز بن کر آنے والے شخص مسیح موعود کے وقت میں ہوگی اور وہ بھی آپ کی نیابت میں خدا تعالیٰ کی ان تین صفات کا مظہر

ہو کر آئے گا۔ پس اس میں تین باتیں بتائیں :-

نمبر ۱ یہ کہ مسیح موعود کسی ایک قوم یا ملک کی ربوبیت روحانی کے لئے نہیں آئے گا بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح تمام بنی نوع انسان کی ربوبیت کے لئے آئے گا یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ مختص القوم مجذد نہیں ہوگا بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے مجذد ہوگا اور تمام بنی نوع انسان کی ہمد دی اس کے دل میں یکساں طور پر پائی جائے گی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نیابت میں آپ کو بھی الہام ہوا کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ نیز یہ الہام بھی ہوا۔ کُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ فَتَبَارَكَ مَنْ عِلْمٌ وَتَعَلَّمَ (تذکرہ ۸۶۰)

نمبر ۲ یہ کہ آنحضرت کی طرح وہ بھی ساری دنیا کے لئے حکم و عدل ہو کر آئے گا یعنی اس لئے آئے گا کہ تمام مذاہب عالم کے اختلافات کا فیصلہ کرے اور ساری دنیا کو عدل و انصاف سے بھرے اور اس کے ذریعہ ساری دنیا پر خدا تعالیٰ کی بادشاہت مانی جائے اور وہ خود بھی ساری دنیا کے دلوں پر حکومت کرے اور

نمبر ۳ یہ کہ اس کے آنے سے بھی خدا تعالیٰ اِلٰہ الناس کے طور پر پہچانا جائے گا یعنی دنیا یونما فیومنا خدا کا بیٹا ہونے کے مسیحی عقیدہ اور دوسری تمام اقسام شرک کی تاریکیوں سے نکل کر توحید الہی کے نور کی طرف آئے گی۔ یہاں تک کہ تمام انسانوں کا یعنی ان کی بھاری اکثریت کا ایک ہی رب ہوگا اور ایک ہی بادشاہ اور ایک ہی معبود یعنی اللہ جل شانہ اور پھر یہی نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح آپ کی نیابت میں خود وہ بھی ان صفات الہیہ کا مظہر ہوگا۔

=====

یہ بتایا جانا کہ آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہے دجال اسلام کے خلاف کس کس طرح و سوسہ اندازی کرے گا

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا اس سورۃ کا آخری زمانہ سے جو خناس کے بڑے مظہر و دجال کے خروج اور غلبہ کا زمانہ ہے خاص تعلق ہے اور قتل دجال کے لئے مہدی موعود کا ظہور بھی اسی زمانہ میں ہونے والا تھا۔ پس اس میں جو رَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اور اِلٰہِ النَّاسِ کی پناہ مانگنے کا ارشاد ہوا تو اس میں دراصل یہ اشارہ کیا گیا کہ دجال لوگوں کے دلوں میں و سوسہ اندازی

کر کے انہیں خدا تعالیٰ کی ان صفات سے بدظن کرے گا اور اس سے دور لے جانے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے اس زمانہ میں دجال کے جو دو بڑے گروہ ہیں ان دونوں نے فرعون کی طرح (جس نے کہا تھا کہ اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی اور اسی طرح یہ کہا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِی) لوگوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ ربُّ الناس بھی ہم ہیں۔ ملک الناس بھی ہم ہیں اور اللہ الناس بھی عملاً ہم ہی ہیں۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ اپنی اقتصادی ضروریات کے لئے بھی ہماری طرف آؤ۔ عدل و انصاف حاصل کرنے کے لئے بھی ہمارا در کھٹکناؤ اور دلی سکون پانا چاہتے ہو (جو عبادت کی اصل غرض ہے) تو اس کے لئے بھی ہماری ہی طرف رجوع کرو۔ چنانچہ حیف صدحیف کہ اس واضح قرآنی اشارہ کے باوجود مسلم حکومتیں انہی کو اپنا رب ملک اور اللہ بنائے بیٹھی ہیں۔ یہ لوگ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں آئے دن کوئی نہ کوئی فحش کتاب منظر عام پر لائے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی توحید کے خلاف کھلم کھلا تبلیغ کر رہے ہیں اور ہر قسم کا دجل اور فریب بروئے کار لا کر مسلمانوں کو عیسائی یا دہریہ بنانے کی کوشش میں رہتے ہیں مگر یہ پھر بھی ان کے حکم کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ حرم کا محافظ بھی ان کو بنا رکھا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خناس چونکہ وہ ہوتا ہے جو چھپ کر وار کرے یا وار کر کے چھپ جائے اسلئے اس خناس یعنی گروہ دجال کی دوسرے اندازی کا ایک طریق یہ ہے کہ اسلام چونکہ خدا تعالیٰ کو ربُّ الناس ملک الناس اللہ الناس کے طور پر پیش کرتا ہے وہ لوگوں کو اس سے بدظن کرنے کے لئے ایسی باتیں ان کے دلوں میں ڈالتے ہیں جن سے وہ سمجھیں کہ یا تو خدا میں یہ صفات ہیں ہی نہیں اور یا اسلام خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ مثلاً ربوبیت جسمانی کا تعلق چونکہ اقتصادیات سے ہے وہ لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے ان کے دلوں میں یہ دوسرے ڈالیں گے کہ اسلام کا اقتصادی نظام ناقص ہے اور ضرورت وقت کو پورا نہیں کرتا۔ مثلاً یہ سود سے روکتا ہے حالانکہ اس کے بغیر اقتصادی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح یہ دوسرے ڈالیں گے کہ اسلام کا نظام حکومت یا نظام عدل درست نہیں۔ مثلاً اسلام نے مرد و عورت میں مساوات نہیں رکھی۔ عورت کی گواہی مرد سے آدمی شار کی ہے۔ مرد کو کھلا چھوڑا ہے اور عورت کو پردہ کا پابند کیا ہے اسی طرح خدا کے بارہ میں جو اس نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ خدا بغیر سزا بھی گناہ بخش سکتا ہے یہ اس کے عدل کے خلاف

رجب اس طرح لوگوں کو اسلام سے ایک حد تک بدظن کر لیں گے تو پھر اس کی توحید کی تعلیم رہ میں وسوسہ ڈالیں گے۔ چنانچہ اس زمانہ کے سبھی لوگ یہی کچھ کر رہے ہیں۔

پس اس آخری سورۃ میں یہ اشارات رکھ کر قرآن نے مسلمانوں کو سمجھا دیا تھا کہ آخری میں ایسا دشمن پیدا ہونے والا ہے مگر خدا تعالیٰ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو بروزِ رنگ میں پھر دُنیا میں لائے گا۔ اور اس بروز کے ذریعہ پھر دنیا میں قائم ہوگی۔ چنانچہ وہ بروز مہدی مسعود اسحٰی الموعودؑ کی صورت میں ظاہر ہو چکا اور لے ہاتھ سے یہ کام ہو رہا ہے۔ کاش کہ سونے والے جاگیں اور اس کے دامن کے ساتھ ہو کر حصولِ ثواب کا یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ کیونکہ حضرت مہدی مسعود اسحٰی الموعودؑ ل کر فرما دیا ہوا ہے کہ

نمبر ۱ میں خدا کے نوروں میں سے آخری نور ہوں۔

نمبر ۲ یہ خدمت کا آخری موقع ہے۔



حرف آخر

اب میں اس کتاب کو اس گزارش کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اے بھائیو حضرت مہدی موعودؑ جنکا ذکر قرآن کریم نے اس تفصیل کے ساتھ کیا ہے کوئی معمولی انسان نہیں۔ آپؑ خدا کا نور ہیں۔ آپؑ آسمان روحانیت کے شمس حضرت محمد ﷺ کی روشنی کو پھیلانے والے قمر ہیں۔ آپؑ آنحضرتؐ کے زندہ نبی ہونے کا زندہ ثبوت دینے اور حقیقت قرآن ثابت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپؑ نے جو کچھ پایا (اور جو پایا اس کے کیا کہنے) وہ سب آنحضورؐ کی اتباع اور غلامی سے پایا اور ہم جو کچھ پائیتے وہ آپؑ کی اتباع اور غلامی سے پائیتے۔

آپؑ کی سچی اتباع سے ہم گناہوں کے سیلاب سے جو ساری دنیا پر محیط ہو رہا ہے نجات دے سکتے اور خدا کا قرب پا سکتے ہیں۔ لیکن یہ ظلم ہوگا کہ ہم یہ دولت پا کر خود تو عیش کریں اور دوسروں کو اس سے محروم رکھیں۔ اگرچہ بعض ممالک کا قانون ہمیں تبلیغ سے روکتا ہے مگر اچھا نمونہ پیش کرنے سے تو وہ بھی نہیں روکتا۔ اور اس سے بہتر تبلیغ کوئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم وہ نمونہ دکھائیں جسے دیکھ کر لوگ خود بخود کھینچے چلے آئیں۔ ہماری خدا سے محبت اور مخلوق خدا سے ہمدردی کی مثال نہ ہو اور خدا کے ہم سے دوستانہ سلوک کی مثال بھی ڈھونڈنے سے نہ ملے۔ ہم میں اور دوسروں میں ایک کھلا کھلا فرق نظر آئے۔ باہر سے آکر ہم میں شامل ہونے والے خوش ہوں کہ وہ اندھیروں سے نکل کر نورانی ماحول میں آگئے ہیں۔ اور باہر رہ جانے والے حسرت کریں کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے۔ اے خدا ایسا ہی کر۔

ما بہ ایں مقصدِ عالی نہ توانیم رسید
ہاں مگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند

احقر العباد

(مؤلف)

تتمہ

قبولیت دعا کے نمونے اپنی ذات کے لئے دعائیں

آپ کی اپنی ذات کے لئے جو دعائیں تھیں وہ سب کی سب خدا تعالیٰ کا قرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تھیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

۱- ”در دو عالم مرا عزیز توئی و آں چہ میخواہم از تو نیز توئی“

۲- ”اے خدا میرے دل میں اپنی خاص محبت ڈال تا مجھے زندگی

حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما۔ اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے“

۳- ”مجھے (اپنی) محبت میں محو کر دے اور ایسی محبت دے کہ میرے

بعد کوئی اس میں بڑھ نہ سکے۔“

یہ دعائیں کس صفائی سے پوری ہوئیں یہ امر اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو روحانیت کا وہ بلند مقام حاصل ہوا جو اُمت محمدیہ میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوا اور خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسے کلمات محبت سے نوازا کہ کسی اور اُمتی کو نہیں نوازا مثلاً فرمایا اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِي۔ اسی طرح فرمایا اَنْتَ مِّنِّي بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيدِي وَ تَفْرِيدِي، اَنْتَ مِّنِّي وَاَنَا مِنْكَ اَنْتَ مِّنِّي بِمَنْزِلَةِ لَا يَعْلَمُهَا الْخَلْقُ۔

مرض ذیابیطس کی وجہ سے جو آپ کو لاحق تھی۔ آنکھوں پر اثر کا بہت اندیشہ ہوتا ہے۔ چونکہ آپ کا کام تصانیف سے متعلق تھا اور اس کے لئے آنکھوں کے ٹھیک رہنے کی ضرورت تھی اس اندیشہ کی وجہ سے آپ نے دعا کی تو الہام ہوا:

”نَزَلَتْ الرَّحْمَةُ عَلَى ثَلَاثِ الْعَيْنِ وَعَلَى الْآخِرَيْنِ“

یعنی رحمت تین اعضا پر نازل ہوگی ایک تو آنکھ اور دو اور عضو۔ اس جگہ آنکھ کا تذکرہ کر دیا لیکن باقی دو اعضا کی تصریح نہیں فرمائی مگر لوگ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کا اظہار تین عضو

کے بقا میں ہے۔ آنکھ کان پر ان اس دعا کی قبولیت اس سے ظاہر ہے کہ ساری عمر آپ کو چھوٹے سے چھوٹے نمبر کی عینک تک لگانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ششواہی بھی ٹھیک رہی اور پران بھی۔

نمبر ۳ حضور نے کتاب براہین احمدیہ تالیف کی تو یہ مشکل پیش آئی کہ چھوٹائی کے لئے روپیہ نہ تھا حضور نے دعا کی تو پہلے الہام ہوا ”بالفعل نہیں“ چنانچہ ایک عرصہ تک اس کا چھپنا معرض التواء میں رہا۔ کچھ عرصہ بعد پھر دل میں دعا کے لئے جوش پیدا ہوا دعا کرنے پر قرآنی الفاظ میں الہام ہوا:

هٰذِي إِلَيْكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطُ عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِيًّا

کھجور کے تنے کو اپنی طرف بلا تجھ پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی۔

چنانچہ حضور نے مالی اعانت کے لئے لوگوں کو تحریک کی تو ایک دو آدمیوں ہی کی طرف سے اتنا روپیہ آگیا کہ کتاب چھپ گئی۔ تفصیل کیلئے دیکھیں۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۵۰)

اپنوں کے حق میں دعائیں

حضور کے اپنوں میں سے ہم پہلے اولاد کا ذکر کرتے ہیں اولاد کے لئے آپ کی دعائیں بھی اس لئے تھیں کہ وہ متقی بنیں خادم دین ہوں اور خدا کی رضا حاصل کریں۔ چند دعائیں ملاحظہ ہوں

نمبر ۱

کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزت
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
شیطان سے دور رکھو اپنے حضور رکھو
جان پُر زور رکھو دل پُر سرور رکھو
ان پہ میں تیرے قرباں رحمت ضرور رکھو
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

اے میرے دل - پیارے اے مہربان ہمارے
 ہر ان کے نام روشن جیسے کہ ہیں ستارے
 یہ فضل کر کہ ہو دین فیک و گم یہ سارے
 یہ مہارک سبحان من یرانی
 اے میری جان کے جانی اے شاہ وہ جہانی
 ایسی مہربانی ان کا نہ ہوے ثانی
 اے بخت جہدانی اور فیض آسمانی
 یہ مہارک سبحان من یرانی
 اہل وقار ہوویں فخر دیار ہوویں
 حق پر ثار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں
 با بڑگ و بار ہوویں اک سے ہزار ہوویں
 یہ روز کر مہارک سبحان من یرانی

یہ ساری دعائیں بھی قبول ہوئیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی اولاد کے بارہ میں آپ کو پہلا
 بڑی بڑی بشارتیں دیں اور پھر ایک دنیا نے دیکھا کہ وہ سب کے سب متقی اور دین کے خاتم
 ہوئے اور آسمان روحانیت پر ستارے بن کر چمکے۔

نمبر ۲ حضرت میر محمد اسحاق صاحب آپ کے برادر شہیق اور سلسلہ احمدیہ کے معروف
 بزرگوں اور جید علماء میں سے تھے۔ ان کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہوئے
 تیز بخار کیساتھ بن ران میں گھنٹیاں بکل آئیں اور یقین ہو گیا کہ طاعون ہے۔ ختم کرنے ان اپنے
 دعا کی تو یمن دعا کرتے ہوئے الہام ہوا

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ

یعنی تیری دعا قبول ہوئی اور رب رحیم نے بچے کی سلامتی کی بشارت دی ہے چنانچہ اس
 کے بعد حضرت میر صاحب بالکل خاف توقع صحت یاب ہو گئے۔ اس کے بعد چالیس سال زندہ
 رہ کر اسلام کی شاندار خدمات بجا کر اور بہت سی فقیہوں کا بیج بوسر بچپن سال ہی عمر میں خدا و
 پیارے ہوئے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ جب ان کی رحلت کا وقت آیا اور ان پر سارقہ یس

پڑھی جا رہی تھی تو عین اس وقت جب پڑھنے والے نے یہ الفاظ پڑھے کہ **سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ** تو آپ نے آخری سانس لیا۔ (آئینہ جمال بحوالہ بدر النبی و النعم ۱۷ مئی ۱۹۰۵ء)

نمبر ۳ حضور کے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی آنکھیں بچپن میں خراب ہو گئی تھیں۔ پلکیں گر گئی تھیں اور پانی بہتا رہتا تھا۔ کئی سال انگریزی اور یونانی علاج کیا گیا مگر فائدہ نہیں ہوا آخر حضور نے دعا کی تو الہام ہوا **اَبْرَقَ طِفْلِيْ بِشِيْرٍ** یعنی میرے لڑکے بشیر احمد کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ اس الہام کے بعد ایک ہفتہ میں ان کی آنکھیں بالکل تندرست ہو گئیں۔ (نزول المسح صفحہ ۲۳۰)

=====

غیروں کے حق میں مستجاب دعاؤں کا نمونہ

نمبر ۱ سرگرم آریہ ملاو مل مرضِ دق میں مبتلا ہو گیا بخار ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا تھا وہ حضور کے پاس آیا اور اپنی زندگی سے ناامید ہو کر بیقراری سے رویا حضور نے اس کے حق میں دعا کی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا **قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا** یعنی اے تپ کی آگ سرد اور سلامتی ہو جا۔ یہ الہام اس کو اور کئی اور آدمیوں کو سنایا گیا چنانچہ بعد اس کے اسی ہفتہ میں وہ بندہ اچھا ہو گیا۔ (نزول المسح صفحہ ۵۳۸)

نمبر ۲ منشی عطاء محمد پنواری بیان کرتے ہیں کہ ان کے حلقہ کے کچھ احمدی ان کو تبلیغ کرتے تو وہ متوجہ نہیں ہوتے تھے بالآخر ایک دن تنگ آ کر انہوں نے کہا میں تمہارے مرزا کو خط لکھ کر ایک بات کے متعلق دعا کراتا ہوں اگر میرا وہ کام ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ وہ سچے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ مسیح موعود اور ولی اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ولیوں کی دعائیں قبول ہوا کرتی ہیں میری اس وقت تین بیویاں ہیں اور باوجود اس کے کہ میری شادی پر بارہ سال گزر چکے ہیں ان تینوں میں سے کوئی اولاد نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری سب سے بڑی بیوی سے خوبصورت اور صاحبِ اقبال لڑکا پیدا ہو۔ آپ اس کے لئے دعا کریں۔

اس خط کے جواب میں مجھے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے حضرت مسیح

موجودہ عادیہ اسباب کی طرف سے نکاح کہ حضور فرماتے ہیں کہ:-

”آپ کے لئے دعا کی گئی۔ خدا تعالیٰ آپ کو خوبصورت اور صاحب اقبال لڑکا عطا کرے گا اور اُسی بیوی سے عطا کرے گا جس سے آپ کو خواہش ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ زکریا والی توبہ کریں۔“

اس دعا پر چار پانچ ماہ گزرے ہوں گے کہ ان کی اسی بیوی کو حمل ہو گیا اور اسی حمل سے لڑکا ہوا۔ یہ لڑکا خوبصورت بھی ہوا صاحب اقبال بھی یعنی معمولی پنواری کے گھر پیدا ہونے کے باوجود ایگزیکٹو انجینئر بنا اور صاحب عمر بھی ہوا۔

=====

دوستوں کے حق میں دعاؤں کا نمونہ

آپ کے ایک مختص مرید حضرت مفتی فضل الرحمن صاحب کی زوجہ بیمار ہو گئیں انہوں نے آکر دعا کے لئے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا دس رتی بیگ دے دو۔ اور گھنٹہ کے بعد اطلاع کرنا۔ گھنٹہ کے بعد انہوں نے اطلاع دی کہ افاقہ نہیں ہوا۔ حضور نے فرمایا دس رتی کونین دے دو۔ اور گھنٹے کے بعد اطلاع دینا۔ گھنٹے کے بعد پھر اطلاع دی گئی کہ حالت خراب ہے حضور نے فرمایا دس رتی مشک دے دو اور گھنٹہ کے بعد اطلاع دینا اور مشک اپنے پاس سے دیا پھر ویسی ہی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا دس تولہ کسرا ٹیل دے دو۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوڑتے ہوئے آئے کہ اب تو حالت بہت ہی بگڑ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

”جتنی ظاہری کوشش ہو سکتی تھی ہم نے کر لی ہے اب میں سجدہ سے اس

وقت سرانحواؤں گا جب وہ اچھی ہو جائے گی۔“

کیا ایسے وقت میں جب مریضہ کی حالت تدریجاً موت کی طرف جاری ہو یہ بات کہنا سوائے اس کے جسے اپنے رب کی دوستی پر ناز ہو اور یقین ہو کہ وہ اس کی سنے گا کسی اور کے لئے ممکن ہے۔ حضرت مفتی صاحب کا ایمان بھی دیکھئے کہ وہ الگ کمرہ میں جا کر سو رہے کہ ”اب وہ جانے اور اس کا خدا۔ مجھے اب کیا فکر ہے۔“

صبح اٹھے تو بیوی برتن درست کر رہی تھیں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

نمبر ۳ قادیان میں ایک لڑکا حیدر آباد دکن سے تعلیم کے لئے آیا تھا۔ اُس کا نام

عبدالکریم تھا اور وہ نیک اور شریف لڑکا تھا۔ اتفاق سے اُسے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں دیوانے لُٹنے نے کاٹ لیا۔ چونکہ انبیاء کرام کی سنت کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کا یہ طریق تھا کہ دُعا کے ساتھ ساتھ ظاہر تدبیر بھی اختیار فرماتے تھے اور بعض نام نہاد صوفیوں کی طرح جھوٹے توکل کے قائل نہیں تھے۔ آپ نے اُس لڑکے کو کسوی پہاڑ پر علاج کے لئے بھجوایا۔ اور وہ اپنے علاج کا کورس پورا کر کے قادیان واپس آگیا اور بظاہر اچھا ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد اُس میں اچانک مخصوص بیماری یعنی ہائڈروفوبیا (Hydrophobia) کے آثار پیدا ہو گئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اُس کے لئے دُعا فرمائی اور ساتھ ہی مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر کو حکم دیا کہ کسوی کے ڈاکٹر کو تار دے کہ عبدالکریم کی حالت بتائی جائے اور علاج کے متعلق مشورہ پوچھا جائے۔ کسوی سے تار کے ذریعہ جواب آیا کہ:-

Sorry, Nothing can be done for Abdul Karim

”یعنی افسوس ہے کہ بیماری کے حملہ کے بعد عبدالکریم کا کوئی علاج نہیں۔“

اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

”اُن کے پاس علاج نہیں۔ مگر خدا کے پاس تو علاج ہے۔“

چنانچہ حضور نے بڑے درد کے ساتھ اُس بچے کی شفایابی کے لئے دُعا فرمائی اور ظاہری علاج کے طور پر خدائی القاء کے ماتحت کچھ دوا بھی دی۔ خدا کی قدرت سے یہ بچہ حضور کی دعا سے بالکل تندرست ہو گیا یا یوں کہو کہ مُردہ زندہ ہو گیا اور اسکے بعد وہ کافی لمبی عمر پا کر فوت ہوا۔

(تمہ حقیتہ الوفی صفحہ ۴۸)

نمبر ۳ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پورتلہ کے بعض غیر احمدی مخالفوں نے پورتلہ کی احمدیہ مسجد پر قبضہ کر کے مقامی احمدیوں کو بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر یہ مقدمہ عدالت میں پہنچا اور کافی دیر تک چلتا رہا۔ پورتلہ کے دوست بہت فکر مند تھے اور گھبرا گھبرا کر حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کرتے تھے۔ آپ نے اُن دوستوں کے فکر اور اخلاص سے متاثر ہو کر ایک دن اُن کی دعا کی درخواست پر غیرت کے ساتھ فرمایا:

”گھبراؤ نہیں۔ اگر میں سچا ہوں تو یہ مسجد تمہیں مل کر رہے گی۔“

(”اصحاب احمد“ جلد ۴)

مگر عدالت کی نیت خراب تھی اور حج کا رویہ بدستور مخالفانہ رہا۔ آخر اُس نے عدالت میں برملا کہہ دیا کہ ”تم لوگوں نے نیا مذہب نکالا ہے اب مسجد بھی تمہیں نئی بنانی پڑے گی اور ہم اسی کے مطابق فیصلہ دیں گے۔“ مگر ابھی اُس نے فیصلہ لکھا نہیں تھا اور خیال تھا کہ عدالت میں جا کر لکھوں گا۔ اُس وقت اُس نے اپنی کونجی کے برآمدہ میں بیٹھ کر نوکر سے بوٹ پہنانے کو کہا۔ نوکر بوٹ پہنا ہی رہا تھا کہ حج پر اچانک دل کا حملہ ہوا اور وہ چند لمحوں میں ہی اس حملہ میں ختم ہو گیا۔ اُس کی جگہ جو دوسرا حج آیا اُس نے مسل دیکھ کر احمدیوں کو حق پر پایا اور مسجد احمدیوں کو دلا دی۔

=====

دشمنوں کے بارہ میں مستجاب دعاؤں کا نمونہ

(۱) پنڈت لیکھرام کی موت کے متعلق پیشگوئی

پنڈت لیکھرام ایک بہت ہی بد زبان اور شوخ طبیعت آریہ تھا۔ یہ حضرت اقدس سے بار بار نشان طلب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میری طرف سے میرے حق میں جو پیشگوئی چاہو شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے جب اُس کے متعلق دعا کی تو الہام ہوا:-

عَجَلْ جَسَدَ لَّهُ خَوَارْ
لَهُ نَصَبٌ وَ عَذَابٌ

یعنی ”یہ صرف ایک بے جان گو سالہ ہے جس کے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اس کو مل رہے گا۔“

اس الہام کے بعد ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء کو جب حضرت اقدس نے اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لئے توجہ کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کیا کہ

”آج کی تاریخ سے جو ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بد زبانیوں کی سزا میں یعنی ان بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں

کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔“

پھر آپ نے اپنی کتاب کرامات الصادقین میں جس کا سن تصنیف ۱۸۹۳ء ہے لکھا۔

وَبَشِّرْنِي رَبِّي وَقَالَ مُبَشِّرًا
سَتَعْرِفُ يَوْمَ الْعِيدِ وَالْعِيدُ أَقْرَبُ

یعنی ”مجھے لکھرام کی موت کی نسبت خدا نے بشارت دی اور کہا کہ عنقریب تو اس عید

کے دن کو پہچان لے گا اور اصل عید کا دن بھی اس عید کے قریب ہوگا۔

حضرت اقدس کو ایک البہام میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ يُقْضَىٰ أَمْرُهُ فِي سَبْتٍ یعنی پندت لکھرام کا معاملہ چھ سال میں ختم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کے بعد پانچویں سال پندت مذکور عید الفطر کے دوسرے دن چھ مارچ ۱۸۹۷ء شام کے چھ بجے پیشگوئی کے مطابق قتل کیا گیا۔ اور اس طرح سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا واقعی قبول ہو گئی تھی اور جو پیشگوئی آپ نے اس کے بارہ میں کی وہ واقعی من جانب اللہ تھی۔

(۲) ڈوئی کی ہلاکت

امریکہ میں ایک شخص الگزینڈرا ڈوئی نامی تھا۔ جو پیغمبر ہونے کا دعویدار تھا۔ اس نے ایک شہر سیہون آباد کر رکھا تھا اور اس کا اپنا اخبار لیوز آف ہیملنگ بھی نکلتا تھا اور ان وجوہ سے وہ نہایت درجہ شہرت یافتہ تھا۔ یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کے جلد مٹ جانے کی پیشگوئیاں کیا کرتا تھا۔ اس پر حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے اسے مباہلہ کا چیلنج دیا اور ایک اشتہار میں لکھا کہ ”اس مقدمہ میں کڑوڑوں مسلمانوں کے مارنے کی حاجت نہیں۔ ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا (یعنی مسیح) سچا خدا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سناویں بلکہ ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کریں کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے مرجائے۔“ (حیات طیبہ صفحہ ۳۳۴)

ڈوئی نے اس کا جواب نہیں دیا مگر امریکہ کے اخباروں نے اس تجویز کو سراہا چنانچہ اخبار رگونات سان فرانسسکو نے اپنی یکم دسمبر ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں بعنوان ”انگریزی و عربی (یعنی

جیسا نیت اور اسلام) کا مقابلہ دما“ لکھا کہ

”مرزا صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو ڈوئی کو لکھا ہے یہ ہے کہ تم ایک جماعت کے لیڈر ہو۔ اور میرے بھی بہت سے پیرو ہیں۔ پس اس بات کا فیصلہ کہ خدا کی طرف سے کون ہے ہم میں اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا سے یہ دعا کرے اور جس کی دعا قبول ہو وہ سچے خدا کی طرف سے سمجھا جاوے۔ دما یہ ہوگی کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے خدا اُسے پہلے ہلاک کرے۔ یقیناً یہ ایک معقول اور منصفانہ تجویز ہے۔“

حضرت اقدس اس کا اخبار منگواتے تھے اور دیکھتے تھے کہ وہ اسلام کی عداوت میں برابر ترقی کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس پر آپ نے ۱۹۰۳ء میں بھی ایک چٹھی کے ذریعہ اس مہابلہ کے چیلنج کو جو پہلے اسے دے چکے تھے دہرایا چنانچہ آپ نے لکھا:-

”میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے لیکن میں نے اپنی بڑی عمر کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ مہابلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ خدا جو احکم الحاکمین ہے وہ اس کا فیصلہ کرے گا اور اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا.... تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے صہبون پر جلد تر آفت آنے والی ہے۔“

جو چٹھی حضور اسے بھیجتے تھے چونکہ اس کی نقلیں امریکہ کے انگریزی اخبارات کو بھی بھجواتے تھے۔ اس لئے ۱۹۰۳ء میں کثرت کے ساتھ اخبارات نے حضرت اقدس کے اس چیلنج کا ذکر کیا چنانچہ بیس اخبارات کے مضامین کا خلاصہ تو حضرت اقدس نے تترہ ہقیقۃ الوحی صفحہ ۷۰ تا ۷۲ کے حاشیہ میں درج فرمایا ہے۔ جب لوگوں نے اسے بہت ٹک کیا اور اصرار کے ساتھ اس سے اس مہابلہ کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے کہا تو ستمبر اور دسمبر ۱۹۰۳ء کے بعض پرچوں میں اُس نے لکھا کہ:-

”ہندوستان میں ایک بیوقوف محمدی مسیح ہے جو مجھے بار بار لکھتا ہے کہ مسیح یسوع کی قبر کشمیر میں ہے اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو اس کا جواب کیوں نہیں دیتا مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مجسموں اور مکھیوں کا جواب دوں گا۔ اگر میں ان پر اپنا پاؤں رکھوں تو اُن کو کچل کر مار ڈالوں گا۔“

حضرت اقدس کو جب اس کی اس گستاخی و بے ادبی اور شونہ و شرارت کی اطلاع ملی تو

آپ نے خدا تعالیٰ کے حضور اس فیصلہ میں کامیابی کے حصول کے لئے زیادہ زور سے دعائیں کرنا شروع کر دیں۔ اس دوران میں وہ امریکہ یورپ اور آسٹریلیا میں بہت شہرت ناموری اور عزت حاصل کر چکا تھا۔ اور چونکہ وہ خوب تنومند تھا۔ اس لئے بھرے جلسوں میں اکثر اپنی شاندار صحت پر فخر بھی کرتا تھا۔ ممکن ہے وہ خوش ہوتا ہو کہ میں دن بدن عروج پکڑتا جا رہا ہوں۔ مگر حضرت اقدس کا خدا اسے تمام دنیا میں مشہور کرنے کے بعد اس بُری طرح سے ذلیل کرنا چاہتا تھا کہ جس سے دنیا عبرت پکڑے اور اسے پتہ لگ جائے کہ خدا کے ماموروں کے مقابلہ میں آنے والی بڑی سے بڑی شخصیتوں کا کیا حشر ہوتا ہے؟

اب دیکھئے ان دعاؤں کا کیا اثر ہوا۔

مسٹر ڈوئی چونکہ ایک عیاش آدمی تھا اور صیون کا شہر بھی اس نے اپنے مریدوں سے قرضے حاصل کر کے آباد کیا تھا۔ اس لئے ایک طرف تو شہر کی رونق میں کمی آنے لگی اور دوسری طرف جو سرمایہ جمع تھا وہ ڈوئی کی عیاشیوں میں خرچ ہونے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسٹر ڈوئی کا وقار کم ہونا شروع ہو گیا۔ اس مہلک مالی بحران کو دور کرنے کے لئے ڈوئی نے میکسیکو میں ایک زمین خریدنے کا ارادہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ایک دفعہ یہ زمین خرید لی گئی تو صیون کی ساری مالی مشکلات دور ہو جائیں گی۔ چنانچہ اس زمین کی خرید کیلئے اپنے صیحونی مریدوں سے قرضہ حاصل کرنا چاہا اور اس غرض سے ستمبر ۱۹۰۵ء کی آخری اتوار کو نیویارک میں ایک غیر معمولی جلسہ کا اعلان کیا۔ اس جلسہ کی تیاری بڑے اہتمام سے کی گئی جب ڈوئی اپنے زرق برق لباس میں جس کو وہ اپنا پیغمبری لباس کہا کرتا تھا ملبوس ہو کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا تو تمام مجمع کی نگاہیں اس انتظار میں اس پر جم گئیں کہ دیکھیں مسٹر جان الگزنڈر ڈوئی کیا اعلان فرماتے ہیں۔

مسٹر نیوکومب نے جو مسٹر ڈوئی کا سوانح نگار ہے لکھا ہے۔

ڈوئی اس روز اپنی فصاحت کے معراج پر تھا۔ وعظ کے بعد LORD'S SUPPER

کی تقریب تھی۔ جس کے بعد ڈوئی سفید لباس پہن کر پھر اپنے مریدوں کے سامنے آیا۔ پہلے دعائیہ ترانہ گایا گیا۔ بائبل سے بعض آیات کی تلاوت کے بعد صبح کا خون اور گوشت، روٹی اور شراب کی صورت میں خاص لباس میں ملبوس نائبین کے ذریعے سے تمام حاضر الوقت ارادت کیشوں میں تقسیم کیا گیا۔ اب اصل تقریب قریب التکمیل تھی۔ ڈوئی کو صرف چند اختتامی الفاظ کہنا

تھے جس کے بعد جلسہ درخواست ہو جاتا تھا۔ ان آخری الفاظ کیلئے لوگ توجہ کے ساتھ منتظر تھے۔
 اچانک ڈوٹی نے اپنے دائیں ہاتھ کو زور سے مہمکا دیا۔ جیسے کہ کوئی گندہ کیزا اس کے
 بازو کو آچٹنا ہو۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ کو زور زور سے کرسی کے بازو پر مارا۔ لوگ اس غیر معمولی
 حرکت سے کچھ حیران سے ہو گئے۔

ڈوٹی کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ گرنے ہی لگا تھا کہ اس کے دو مریدوں نے اسے سہارا
 دیا اور کھینچتے ہوئے اسے بال سے باہر لے گئے۔“

غرض ڈوٹی پر عین اس وقت فاج کا حملہ ہوا جب کہ صبحوں شہر کے مالی بحران کو ختم
 کرنے کے لئے میکسیکو میں جائیداد خریدنے کی سکیم اپنے پورے عروج پر پہنچ رہی تھی۔ اس کے
 بعد وہ بقیہ عمر طرح طرح کی ذلتوں اور ناکامیوں کا منہ دیکھتا رہا اور بالآخر حسرت کے ساتھ اسی
 بیماری سے مر گیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں حیات طیبہ صفحات ۳۳۶ تا ۳۴۰)

نمبر ۳ سعد اللہ لدھیانوی ایک شخص تھا جو حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو گندی گالیاں
 نکالا کرتا تھا اور آپ کی بلائت و نامرادی کا بدل خواہاں تھا۔ حضور کے حق میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین
 اس کا ورد تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آپ اس کی زندگی میں ہلاک ہو جائیں آپ کا سلسلہ زوال پذیر ہو
 اور آپ جھوٹے ٹھہریں۔ پس ان تمام امور کے باعث حضور نے اس کے بارے میں یہ دعا کی کہ
 آپ کی زندگی میں اسے نامرادی اور ذلت کی موت نصیب ہو چنانچہ حضور کو اس کے بارہ میں
 الہام ہوا اِنَّ شَانِكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یقیناً تیرا دشمن جو تیرے اتر رہنے کی دعائیں مانگتا ہے
 وہی اتر رہے گا۔ جو اولاد اس کے ہاں پہلے ہو چکی تھی وہ تو پہلے ہی مر بھی چکی تھی مگر اس الہام
 کے وقت ایک ۱۲ سال کا لڑکا اس کا موجود تھا۔ چونکہ اتر اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا نہ رہے یا بیٹے
 کا بیٹا نہ ہو اور مذکورہ لڑکا اس وقت موجود تھا اس لئے جب حضور نے اپنی ایک کتاب حقیقۃ الوحی
 کے مسودہ میں سعد اللہ کے بارہ میں اتر رہنے کی پیشگوئی لکھی اور آپ کے ایک مرید وکیل خولبہ
 کمال الدین صاحب کو کسی نہ کسی طرح اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے حاضر خدمت ہو کر یہ بات
 شائع نہ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر وہ لوگ مقدمہ کر دیں تو ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی
 ہیں۔ مگر حضور نے یہ کہہ کر یہ مشورہ ماننے سے انکار کر دیا کہ ”خولبہ صاحب اگر انہوں نے مقدمہ
 کیا تو ہم آپ کو وکیل نہیں کریں گے۔“

یہ سعد اللہ تو حضرت کی نامرادی و بربادی چاہتا تھا۔ یہ چاہتا تھا آپ کا سلسلہ تباہ ہو جائے اور آپ بے اولاد مریں اور اس نے اپنی کتاب ”شہاب ثاقب بر مسیح کاذب“ میں اس بارہ میں ایک پیشگوئی بھی شائع کر رکھی تھی لیکن اس الہام کے بعد خدا تعالیٰ نے آپ کو تو تین بیٹے دئے۔ عزت کے ساتھ شہرت دی اور بہت سی مالی فتوحات نصیب کیں اور ہزار ہا لوگوں کی گردنیں آپ کے سامنے جھکا دیں۔ آپ اس کی آنکھوں کے سامنے ترقی پر ترقی کرتے چلے گئے لیکن وہ طاعون کی ایک قسم میں مبتلا ہو کر آپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا اور اس کی قطع نسل بھی ہو گئی۔ یعنی اس کے بیٹے کے ہاں بھی کوئی اولاد نہ ہو سکی۔

اوپر کے صفحات میں ہم نے ایک پٹواری کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت علیہ السلام کی دعا سے (جس کی قبولیت کی اطلاع آپ کو پہلے سے دے دی گئی تھی) اس کے گھر اس کی حسب منشاء اس کی تین میں سے سب سے بڑی بیوی کے کے بطن سے (جو بانجھ تھی) لڑکا پیدا ہوا جو خوش شکل بھی تھا اور صاحب اقبال بھی ہوا اس کے بالقابل یہ شخص باوجود اس کے کہ پیشگوئی کے وقت اس کا ایک لڑکا موجود تھا جو اس کے بعد کئی سال زندہ بھی رہا حضور کی دعا اور پیشگوئی کے نتیجہ میں نامرادی اور حسرت کی موت مرا اور اس کے بیٹے سے آگے اولاد بھی نہیں ہوئی یہ دو بالکل متضاد امور کے لئے دعائیں تھیں جو دونوں قبول ہوئیں اور قبول بھی اس طرح ہوئیں کہ پہلے سے ان کی قبولیت کی اطلاع الہاماً آپ کو مل گئی تھی۔

=====

امور غیبیہ

حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو ان گنت امور غیبیہ سے خبر دی گئی جسکی تفصیل آپ کی کتب تریاق القلوب، نزول المسیح اور حقیقۃ الوحی وغیرہ میں مندرج ہے۔ مشرت از خروارے کے طور پر چند ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱)

ملک میں طاعون کے پھیلنے سے کئی سال پہلے حضور کو خبر دی گئی کہ طاعون کی وبا پھیلے گی جس سے لوگ کثرت سے مریں گے۔ جن میں حفاظتی بندہ کروانے والے بھی ہوں گے۔ اس کے

برعس آپ کے سچے تبعین باوجود نیک نہ کروانے کے بچائے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب مرزا غلام احمد قادیانی صفحہ ۲۱۵

(۲)

۱۹۸۲ء میں آپ کو الہام ہوا **يَا بُنَيَّ كَمِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ. يَأْتُونَ مِنْ كُلِّ** فَجٍّ عَمِيقٍ خدا کی مدد ہر دور کی راہ سے تجھے پہنچے گی اور اس کثرت سے لوگ تیری طرف آئیں گے کہ جن راہوں پر وہ چلیں گے وہ عمیق ہو جائیں گی۔ یہ وہ سن ہے جب برائین احمدیہ کی تیسری جلد شائع ہوئی تھی اور آپ کی طرف لوگوں کے رجوع کی بالکل ابتداء تھی۔ اس زمانہ کی دی ہوئی خبر لفظاً لفظاً پوری ہوئی دنیا کے کونے کونے سے لوگ قادیان آنے لگے حتمہ تقسیم ملک سے پہلے کے آخری جلسہ میں یہ تعداد پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) تک پہنچ گئی تھی صرف یہ نہیں کہ لوگ آئے بلکہ ان کی طرف سے مدد بھی آئی اور اتنی آئی کہ باہر کے ملکوں میں بھی کئی مشن کھلے بیوت الذکر بنے اور اب یہ سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ کروڑوں احمدی ہو چکے ہیں اور ہزاروں بیوت الذکر بن چکی ہیں۔

(۳)

ایک زمانہ تھا کہ ایک ایک آنہ چندہ دینے والوں کے نام حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنی کتب میں درج کئے مگر اسی زمانہ میں خدا کی طرف سے مدد آنے کے وعدے تھے جو مسلسل پورے ہوتے چلے آ رہے ہیں اور اب آپ کی جماعت کا بجٹ کروڑوں سے تجاوز کر چکا ہے ایک ایک آدمی کئی کئی لاکھ پاؤنڈ یا ڈالر دے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا نام بھی ظاہر نہ کیا جائے۔

(۴)

ایک دن مہمانوں کے اخراجات کے لئے روپیہ نہیں تھا حضورؐ نے گھر والوں کا زیور فروخت کروا کے انتظام کر دیا اگلے روز پھر درخواست کی گئی روپیہ نہیں ہے حضورؐ نے فرمایا پہلے ہم نے ظاہری اسباب کی رعایت سے انتظام کر دیا تھا اب جس کے مہمان ہیں وہ خود انتظام کرے گا۔ اسی روز دس پندرہ مئی آرڈر آگئے جن میں سے ہر ایک پر لکھا ہوا تھا کہ یہ مہمانوں کے اخراجات کیلئے ہیں۔ یہ ابتداء تھی اور اس وقت سے اب تک حضورؐ کا لٹکر سارا سال جاری رہتا ہے اور کروڑوں انسان اس سے بغیر کوئی خرچ کئے مستفید ہو چکے ہیں اور اب اسکے ذیلی لٹکر بھی باہر کے ملکوں میں

ہر جلسہ کے موقع پر جاری ہوتے ہیں اور قادیان اور ربوہ میں تو سارا سال جاری رہتے ہیں۔

(۵)

۱۸۸۲ء میں آپ کو الہام ہوا خدا تجھے بھی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا۔ اس وقت چند لوگ آپ کے ساتھ تھے اور اب آپ کے دلی محبوبوں کی تعداد باوجود ہزار ہا مخالفانہ کوششوں کے کروڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ صرف ایک سال (۲۰۰۰ء - ۲۰۰۱ء) میں آٹھ کروڑ سے زائد نے بیعت کی ہے۔

(۶)

۱۸۸۲ء میں آپ کو الہام ہوا خدا تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا اور اب ۱۶۹ سے زیادہ ممالک میں آپ کی جماعتیں قائم ہو چکی ہیں اور M.T.A پر ۲۳ گھنٹے دنیا کے ہر ملک تک آپ کی دعوت پہنچ رہی ہے۔

(۷)

۱۸۸۲ء میں آپ کو الہام ہوا **يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِي إِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ** تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آسمان سے الہام کریں گے۔ اس کے بعد اب تک ہزار ہا آدمی بر بنائے کشف والہام آپ کی غلامی میں داخل ہو کر آپ کے مددگاروں میں شامل ہو چکے ہیں۔

(۸)

ایک ہندو صاحب نے لاہور میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر مذہب کا پیرو اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور مذہب سے متعلق پانچ مقررہ سوالوں کا جواب اپنے مذہب کی رو سے دے۔ اس جلسہ کا نام جلسہ اعظم مذاہب رکھا گیا۔ حضرت مہدی موعودؑ فرماتے ہیں:

”وہ جلسہ مذاہب جو لاہور میں ہوا تھا اس کی نسبت مجھے پہلے سے خبر دی گئی کہ وہ مضمون جو میری طرف سے پڑھا جائے گا وہ سب مضمونوں پر غالب رہے گا۔ چنانچہ میں نے قبل از وقت اس بارے میں اشتہار دے دیا جو حاشیہ میں لکھا جاتا ہے۔ اور اس الہام کے موافق

میرے اس مضمون کی جلسہ مذاہب میں ایسی قبولیت ظاہر ہوئی کہ مخالفوں نے بھی اقرار کیا ہے کہ وہ مضمون سب سے اول رہا۔“ (انجامِ پنجم صفحہ ۲۹۹)

وہ اشتہار یہ تھا۔

سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری

”جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور ناؤن ہال میں ۲۸، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۸۶ء کو ہوگا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارے میں پڑھا جائے گا یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے۔ اس میں قرآن شریف کے وہ حقائق اور معارف درج ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ درحقیقت یہ خدا کا کلام ہے اور رب العالمین کی کتاب ہے اور جو شخص اس مضمون کو اول سے آخر تک پانچوں سوالوں کے جواب میں سنے گا میں یقین کرتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہوگا اور ایک نیا نور اُس میں چمک اُٹھے گا اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی ایک جامع تفسیر اس کے ہاتھ آجائے گی۔ یہ میری تقریر انسانی فضولیوں سے پاک اور لاف و نازاف کے داغ سے منزہ ہے۔ مجھے اس وقت محض بنی آدم کی ہمدردی نے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے کہ تا وہ قرآن شریف کے حسن و جمال کا مشاہدہ کریں۔ اور دیکھیں کہ ہمارے مخالفوں کا کس قدر ظلم ہے کہ وہ تاریکی سے محبت کرتے اور اس نور سے نفرت رکھتے ہیں۔ مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی اور ہرگز قادر نہیں ہوں گے کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ خواہ عیسائی ہوں، خواہ آریہ، خواہ سناٹن دھرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اُس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔“

(انجامِ پنجم صفحہ ۲۹۹)

حضور کا یہ مضمون آپ کے ایک غلام حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھا۔ ابھی پہلے سوال کا جواب ختم نہ ہوا تھا کہ وقت ختم ہو گیا مگر سامعین کی شدید خواہش کی وجہ سے

اس دن کا باقی وقت بھی آپ کے مضمون کے لئے دیا گیا اور پھر ایک دن اور بھی بڑھایا گیا جب یہ مضمون پڑھا جا رہا تھا ہر زبان پر یہی تھا کہ ”یہ مضمون سب سے بالا رہا بالا رہا۔“ ایڈیٹر صاحب اخبار چودھویں صدی نے لکھا:-

”ان لیکچروں میں سے سب سے عمدہ لیکچر جو جلسہ کی روح رواں تھا مرزا غلام احمد قادیانی کا لیکچر تھا۔“.... فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین و تحسین بلند ہوتی تھی.... عمر بھر ہمارے کانوں نے ایسا خوش آئند لیکچر نہیں سنا۔ ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں.... لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے.... مرزا صاحب نے کل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دئے اور عام بڑے بڑے اصول و فروعات اسلام کو دلائل عقلیہ سے اور براہین فلسفہ کے ساتھ بہترین مزین کیا پہلے عقلی دلائل سے انبیاء کے فلسفہ کو بیان کرنا اور اس کے بعد کلام الہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان رکھتا تھا۔

اخبار جزل رگھر آصفی لکھتے نے لکھا:-

حق تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا۔ بلکہ اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین مخالفین بھی فطرتی جوش سے کہہ اٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے۔ بالا ہے۔

(۹)

آپ کو خدا تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی تھی کہ اِنْسِیْ مُہِیْنٌ مِّنْ اَرَادَ اِهْلَانَتْکَ وَاِنِّیْ مُعِیْنٌ مِّنْ اَرَادَ اِغَاثَتْکَ جو تیری احانت کا ارادہ کرے گا میں اسے رسوا کروں گا اور جو تیری اغانت کا ارادہ کرے گا میں اس کی مدد کروں گا۔ یہ الہام سو سال سے پورا ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اور پچھلے چند سالوں میں تو دوسرے براہین حکومت پاکستان بھٹو اور ضیاء اس الہام کے پہلے حصہ کی زد میں آکر عبرتناک انجام کو پہنچ چکے ہیں اور دوسری طرف آپ کی مدد پر ایستادہ ہونے والوں کی حقیر

حقیر کو کشتوں میں خدا تعالیٰ نے بے انتہا برکت ڈالی ہے اور ان کی چھوٹی سی نہایت محدود ذرائع والی جماعت کے ہاتھ سے تبلیغ و اشاعت اسلام کا وہ حیرت انگیز کام لیا ہے جس کی توفیق بڑی بڑی مسلمان حکومتیں نہیں پاسکتیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب حقیقہ الوقی صفحات ۳۴۳-۳۵۳۔

۳۵۵-۳۶۲-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۵۴۶

(۱۰)

ایک الہام آپ کو یہ ہوا کہ ”آہ نادر شاہ کہاں گیا۔“ اس کے پورا ہونے کا حال سنئے۔ حضرت مہدی موعودؑ کو پہلے سے دی جانے والی الہامی خبروں کے مطابق کابل میں حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب اور چند دوسرے احمدیوں کو شہید کر دیا گیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اس وقت کے افغانستان کے حاکم امان اللہ خان کا تختہ ایک بالکل بے حیثیت آدمی المعروف بے بچہ سقہ کے ہاتھ سے الٹوا دیا۔ ملک کی یہ حالت دیکھ کر جنرل نادر خان جو انگلستان جا چکے تھے وہاں سے واپس پہنچے اور نہایت بے سروسامانی کی حالت کے باوجود انہوں نے بچہ سقہ کو شکست دی اور چاہا کہ افغان جسے چاہیں اپنا بادشاہ بنالیں مگر انہوں نے آپ ہی کو بادشاہ بنانا منظور کیا۔ نادر شاہ نے تخت حکومت پر بیٹھے ہی ملک کے قدیم دستور کے خلاف یہ اعلان کیا کہ انہیں نادر خان یا شاہ نادر خان کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ نادر شاہ کہہ کر پکارا جائے۔ اخبار الفضل نے اس کا نمایاں طور پر ذکر کیا مگر اخبار اہلحدیث نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ افغانستان میں بادشاہ کو شاہ کے لقب سے پکارا نہیں جاتا مگر اس اخبار کی سیاسی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ نادر شاہ کے بھائی لاہور تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ ہندوستان کے لوگ اعلیٰ حضرت کا نام غلط لکھتے ہیں ان کا نام نادر شاہ شاہ افغانستان ہے۔ ٹھیک چار برس بعد ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ ایک تقریب میں طالب علموں کو انعامات تقسیم کر رہے تھے کہ ایک طالب علم نے آپ پر تین فائر کئے اور آپ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اپنے ہرلعزیز حاکم کی وفات پر لوگ دیوانہ وار یہ کہتے بھرتے تھے کہ آہ نادر شاہ کہاں گیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں حیات طیبہ صفحات ۲۹۳ سے ۲۹۵)

(۱۱)

ایک دفعہ آپ کو الہام ہوا ”ایک مشرقی طاقت اور کوریائی نازک حالت“ اس وقت کوریا کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اور جاپان جو ایک مشرقی ملک ہے کوئی طاقت نہیں تھی۔ اس پیشگوئی کے

کئی سال بعد جاپان ایک بڑی طاقت بن کر ابھرا اور اسکے ہاتھ سے کوریا کی حالت نازک ہوئی۔

(۱۲)

۱۹۰۰ء میں حضور کو الہام ہوا ”تائی آئی“۔ اس کے متعلق آپ نے لکھا ”ہمارے تو کوئی تائی نہیں ہے۔ نہ نزدیک نہ دور۔ ہمارے لڑکوں کی تائی ہے جو وہ ہماری دشمن ہے۔“ اس سے پہلے حضور کو ایک خبر یہ دی گئی تھی کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا اگلے ۹ سال کے اندر پیدا ہوگا۔ اس سے پہلے ایک بیٹا پیدا ہو کر فوت ہو جائیگا مگر یہ بیٹا زندہ رہیگا اس کا نام بشیر اور محمود ہوگا۔ یہ آپ کا جانشین اور حسن و احسان میں آپ کا مثیل ہوگا۔ دنیا کے سناروں تک شہرت پائیگا۔ تو میں اس سے برکت پائیں گی اور کلام اللہ کا مرتبہ اس سے ظاہر ہوگا۔ ایسی کئی باتیں بتائی گئی تھیں۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق ۹ سال کے اندر ہی آپ کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک جلد فوت ہو گیا مگر دوسرا جسکا نام بشیر اور محمود (بشیر الدین محمود احمد) رکھا گیا زندہ رہا۔ حسن و احسان میں آپ کا مثیل اور آپ کا جانشین یعنی خلیفہ ہوا۔ اس کی تبلیغ کے ذریعہ دنیا بھر کی قوموں نے برکت پائی اور اسے ایسی خدمات کا موقع ملا جن سے قرآن کریم کا مرتبہ ظاہر ہوا۔ یہ بیٹا ۱۹۱۳ء میں خلیفہ بنا۔ اس وقت تک اسکی وہ تائی جو حضرت مہدی موعود کی دشمن تھی اور جس کے متعلق حضور نے فرمایا تھا کہ ”ہمارے تو کوئی تائی نہیں ہمارے لڑکوں کی ہے“ زندہ رہی اور حضور کے اس بیٹے کے خلیفہ بننے کے جلد ہی بعد یعنی ۱۹۱۶ء میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل سلسلہ احمدیہ ہو گئی اپنی آمد اور جائیداد کی وصیت کی اور ۱۹۲۷ء میں فوت ہو کر بہشتی مقبرہ قادیان میں جگہ پائی۔ اسے سوچنے والا سوچو پھر سوچو اور پھر سوچو کہ دو لفظوں کے اس الہام میں کتنی پیشگوئیاں مضر تھیں۔ کیا بجز اس کے کہ یہ خدا کا کلام ہو ایسا ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ سنت اللہ اس طرح پر واقع ہے کہ جو جو فضل وہ اپنے خاص دوستوں پر فرماتا ہے اس کا ایک نمونہ ان دوستوں کے دوستوں میں بھی رکھ دیتا ہے (لَا يَسْقِي جَلِيسُهُمْ) تا اس طرح ان کے نمونہ اور ان کی ذات کو دوام بخشنے۔ اور اظہار علی الغیب کے تو معنی ہی غیب پر غلبہ کے ہیں اور یہ دو طرح ہی ممکن ہے۔ ایک اس طرح کہ خدا تعالیٰ کسی کو ایسا مصطفیٰ علم غیب عطا کرے کہ جس بات کا اسے علم دیا جائے اس کا کوئی پہلو مخفی نہ رہے (یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چونکہ سب انسانوں سے زیادہ اس نعمت سے حصہ پایا آپ پر اترنے

والے کلام کو تَبِیْسَانَا لِكُلِّ شَیْءٍ قرار دیا گیا) اور دوسرے یہ بات اس طرح ممکن ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ اظہار علی الغیب کے لئے اپنے اسے ایسی برکت دے کہ اس سے فیض یاب ہونے والے بھی اس نعمت سے حصہ پائیں۔

حضرت مہدی موعودؑ پر خدا تعالیٰ نے ان دونوں طریق سے اظہار علی الغیب کیا جس کی بنا پر آپؑ نے فرمایا:

”میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارقِ عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے اور خدا اور رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کریگا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائیگا۔“ (اربعین نمبر ۱)

چنانچہ حضرت مہدی موعودؑ کے غلاموں میں بہت ایسے ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں کھلے کھلے طور پر پائیں اور پھر وہ پوری بھی ہوئیں۔ نمونہ کے طور پر چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

=====

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؑ کو دی جانے والی بعض غیبی خبریں

منقول روزنامہ الفضل ۲۲ مئی ۱۹۹۹ء

(۱)

فرمایا خدا نے اس بیماری میں مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ پانچ لاکھ عیسائی افریقہ میں احمدی ہو گئے پھر فرمایا مغربی افریقہ میں تعلیم یافتہ ہو گئے۔ (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۵۳۶)

چنانچہ افریقہ میں کثرت کیساتھ وہاں کے لوگوں کے احمدی ہونے سے یہ الہامی خبر پوری ہو رہی ہے۔

(۲)

اپنی وفات سے ایک ہفتہ قبل آپؑ نے مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

یزید بہت ہی برا شخص ہوا ہے خدا نے مجھے سلم سورۃ قرآن کی اس کے حق میں نازل فرمائی ہوئی

بتائی ہے آپ ضرور اسکے متعلق نوٹوں میں لکھیں یہ بہت برا آدمی ہوا ہے اس لئے کہ اس نے بڑے پاک خاندان کا مقابلہ کیا آپ کی یہ خبر مولوی محمد علی صاحب کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پسر موعود اور خلیفہ کی مخالفت کرنے سے روز روشن کی طرح پوری ہوئی۔

(۳)

درس قرآن کریم دسمبر ۱۹۱۲ء میں آپ نے فرمایا:

”حضرت مسیح موعود سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدے کئے ہیں اور ضرور ہے کہ وہ پورے ہوں لیکن افسوس ہے کہ تم لوگوں کی گستاخیوں کی وجہ سے ان میں اتوا ہو رہا ہے اور جس طرح پہلے ان وعدوں کے پورا ہونے کا زمانہ چالیس برس پیچھے ڈال دیا گیا اس طرح تمہاری گستاخیوں کی وجہ سے احمدیت کی فتوحات کا زمانہ بھی پیچھے ڈال دیا گیا ہے لیکن آج سے بتیس ۳۲ سال بعد مظہر قدرت ثانیہ ظاہر ہوگا اور اس طرح اللہ اُس بندے کے ذریعہ اس بندے کو کھولنے کے سامان کر دیگا“

چنانچہ ۱۹۴۴ء میں یعنی ٹھیک ۳۲ سال بعد مظہر قدرت ثانیہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی کو مصلح موعود ہونے کی بشارت دی گئی اور آپ کے ذریعہ جماعت کی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؒ کو دی جانے والی بعض اخبار غیبیہ

(۱)

جنگ عظیم کے دنوں میں آپ کو بتایا گیا کہ امریکہ نے انگلستان کو ۲۸۰۰ ہوائی جہاز دیئے ہیں بالکل اسی طرح ہوا۔ آپ کے کشوف والہامات کے پورے ہونے کا ذکر برطانوی پریس میں بھی کیا گیا۔

(۲)

آپ کو بتایا گیا کہ کھلیعص میں آپ کا بھی ذکر ہے اور آپ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ انہیں مسیح موعود علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ چونکہ مقطعات جس سورۃ کے

شروع میں آئیں اس کے لئے بطور خلاصہ کے ہوتے ہیں اس میں اشارہ تھا کہ جس سورۃ پر یہ مقطعات آئے ہیں اس میں یعنی سورۃ مریم میں ان دونوں بزرگ ہستیوں کا ذکر ہے سہمی اعتبار سے یہ غیب کی خبر تھی جو حضور کو دی گئی۔ اسپر پردہ اب آکر اُنھا ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے سورۃ مریم والے نوٹ میں آچکی ہے اور خدا کے فضل سے ایسے ایسے عجیب نکات بیان ہوئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی کسی کی قلم یا زبان سے بیان نہیں ہوئے۔ **ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ**

(۳)

۱۹۰۹ء میں آپ کو خدا تعالیٰ نے فرمایا میں تجھے ایک ایسا لڑکا دوں گا جو دین کا ناصر ہوگا اور اسلام کی خدمت پر کمر بستہ ہوگا اس کے جلد ہی بعد آپ کے ہاں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پیدا ہوئے جو آپ کے خلیفہ بنے اور خلیفہ بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بڑی بڑی خدمات دینیہ کی توفیق انہوں نے پائی۔

(۴)

۱۹۳۴ء میں احرار نے جماعت کے خلاف شدید طوفان مخالفت اُٹھایا جس میں لوگوں کا خیال تھا کہ اب احمدی نہیں رہیں گے انہی دنوں خدا کی اشارہ کے تحت آپ نے فرمایا: ”زمین ہمارے دشمنوں کے پاؤں سے نکل رہی ہے اور میں انکی شکست انکے قریب آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں وہ جتنے زیادہ منصوبے کرتے ہیں اور اپنی کامیابی کے نعرے لگاتے ہیں اتنی نمایاں مجھے انکی موت دکھائی دیتی ہے“ چنانچہ چند دن گزرے تھے کہ احرار بالکل مٹی میں مل گئے تفصیل کے لئے دیکھیں تاریخ احمدیت جلد ہفتم صفحہ ۵۳۸ تا ۵۹۹

(۵)

۱۹۵۳ء میں احمدیوں کے خلاف شدید مخالفت کا طوفان اُٹھا اور الفضل بھی بند کر دیا گیا آپ نے اپنی جماعت کو پیغام دیتے ہوئے لکھا ”کیا آپ نے گذشتہ چالیس سال میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا نے مجھے چھوڑ دیا تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دیگا۔ ساری دنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے نہیں چھوڑے گا سمجھ لو کہ وہ میری مدد کے لئے دوڑا آ رہا ہے وہ میرے پاس ہے وہ مجھ میں ہے۔ خطرات ہیں اور بہت ہیں مگر اس کی مدد سے سب دور ہو جائیں گے تم اپنے نفسوں کو سنبھالو

اور نیکی اختیار کرو سلسلہ کا کام خدا خود سنبھالے گا۔“ اس کے جلد بعد ہی ملک میں مارشل لا لگ گیا اور مخالفوں کے اس طوفان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو دی جانے والی بعض غیبی خبریں

(۱)

۱۸ مارچ ۱۹۶۶ء کے خطبہ میں فرمایا صبح جب میری آنکھ کھلی تو میری زبان پر فقرہ تھا ”ایساں دیواں گا کہ تو رنج جاویں گا“

فرمایا اس رات میں نے اپنے لئے اور جماعت کیلئے دین اور روحانی حسانت کیلئے دعائیں کی تھیں اس لئے میں نے سمجھا کہ اس فقرہ میں جماعت کیلئے بھی بڑی بشارت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق خدا تعالیٰ نے اس وقت سے تا ایں دم جماعت کو بے شمار ترقیات اور فتوحات سے نوازا ہے اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔

(۲)

۱۵ اگست ۱۹۶۶ء کے خطبہ میں فرمایا ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں بہت دعاؤں میں مصروف تھا اس وقت عالم بیداری میں میں نے دیکھا کہ جس طرح بجلی چمکتی ہے اس طرح ایک نور ظاہر ہوا اور اس نے زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کو ڈھانپ لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نور کا ایک حصہ جیسے جمع ہو رہا ہے۔ پھر اس نے الفاظ کا جامہ پہنا اور ایک پر شوکت آواز فضا میں گونجی جو اس نور سے ہی بنی ہوئی تھی اور وہ یہ تھی بشریٰ لکم۔ اس کی تفہیم ایک اور کشف میں حضور کو یہ ہوئی کہ وہ نور جو آپ نے دیکھا قرآن کا نور تھا۔ چنانچہ اس پیش خبری کے مطابق آپ کے وقت میں جماعت کے پہلے وقتوں سے بہت زیادہ اشاعت قرآن ہوئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کو دی جانے والی بعض غیبی خبریں

(۱)

جب مکرم الیاس منیر صاحب اور سچھ اور دوست اسیر تھے اور انہیں پھانسی کا حکم ہوا تھا حضرت صاحب نے خواب میں الیاس منیر صاحب کو کھلی فضا میں ایک چارپائی پر اپنے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس رویاء کی وجہ سے آپ نے سب کو بتا دیا کہ ان کو پھانسی ہرگز نہیں ہوگی چنانچہ یہ سب خدا کے فضل سے رہا ہو گئے۔ (دیکھیں الفضل انٹرنیشنل ۱۲ اگست ۱۹۹۷ء)

(۲)

حضور نے فرمایا ”میں نے دیکھا کہ کثرت کیساتھ صرف پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا میں دوسری جگہوں پر بھی لوگوں میں جماعت کی نصرت کی طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے اور جسطرح طوفان میں موج در موج لہریں اٹھتی ہیں اس طرح کھوکھ با آدمی جن کا جماعت سے تعلق نہیں وہ جماعت کی مدد کے لئے دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ یہ رویاء حضرت مسیح موعودؑ کے الہام **يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ** والا مضمون اپنے اندر رکھتی تھی چنانچہ اسکے بعد سے کثرت سے لوگ جماعت میں داخل ہو رہے ہیں۔ رویاء کی تفصیل کے لئے دیکھیں (الفضل ۱۵ فروری ۱۹۹۷ء)

(۳)

۹ جون ۱۹۸۲ء کو حضور نے اپنے ایک تازہ رویاء کا ذکر خطبہ عید الفطر دیتے ہوئے فرمایا کہیں حضرت امان جان نے آپ کو مخاطب کر کے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ پروانے کو شمع کی تلاش تھی لیکن شمع خود ہی اپنے پروانے کے پاس آگئی۔ حضور نے فرمایا کہیں بہت عظیم الشان خوشخبری ہے اہل پاکستان کے لئے اور ساری دنیا کی جماعتوں کے لئے۔ چنانچہ ڈش انینا کے ذریعہ یہ پیشگوئی اس شان سے پوری ہوئی کہ پاگل ہی اس سے انکار کر سکتا ہے۔ خلیفہ وقت گھر گھر کے اندر پہنچ گئے۔

حضرت مہدی موعودؑ کے ایک صحابی حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجپلی اور ایک صحابیہ حضرت والدہ ماجدہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے کشوف و الہامات کا ذکر اس

کتاب میں پہلے آچکا ہے یہاں حضرت مولوی صاحب موصوف کے صرف دو اور واقعات لکھے جاتے ہیں۔ شہرہ آفاق سائنسدان پروفیسر عبد السلام صاحب کے والد محترم فرماتے ہیں عزیز عبد السلام ابھی ننھا بچہ تھا لیکن بولتا نہ تھا۔ حضرت مولوی (راجپلی) صاحب سے دعا کیلئے کہنا۔ آپ نے محبت سے بچے کو بلایا مگر وہ کوشش کے باوجود نہ بولا۔ آپ نے دعا کی اور فرمایا ”ایسا بولیگا کہ دنیا سنے گی۔“ چنانچہ دنیا بھر کے چوٹی کے سائنسدانوں اور دوسرے لوگوں نے انہیں سنا اور بار بار سنا۔

دوسرا واقعہ خود اس راقم الحروف سے متعلق ہے۔ خاکسار کے بیٹیاں ہی بیٹیاں تھیں۔ بیٹا کوئی نہ تھا ایک دن میں حضرت مولوی صاحب کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوا۔ انہوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اگرچہ اس وقت اولاد زرینہ کے لئے دعا کی درخواست میں نے نہیں کی تھی مگر انہوں نے از خود دعا کے بعد فرمایا اس دفعہ بیٹا ہوگا اور خدا کے فضل سے بیٹا ہی ہوا۔ جو بفضلہ تعالیٰ زندہ سلامت موجود اور چار بچوں کا باپ ہے۔ الحمد للہ

حضرت مہدی موعودؑ کے صحابہ میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو صاحب کشف و البہام نہ ہو مگر سب کے واقعات یہاں لکھنا ممکن نہیں ایک اور مشہور صحابی حضرت مولوی شیر علی صاحبؒ کے دو چھوٹے چھوٹے واقعات کا ذکر کر دیتا ہوں۔

چوہدری عبد المجید سیال صاحب کا بیان ہے کہ ”میسٹرک کے امتحان سے پہلے وہ کئی ماہ ضائع کر چکے تھے امتحان دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا مگر مولوی صاحب کے ہمت دلانے پر انہوں نے لیٹ فیس کے ساتھ دخلہ بھیج دیا۔ آپ (یعنی حضرت مولوی شیر علی صاحب) نے مجھے تاکید فرمائی کہ جب پرچہ ہو جائے تو مجھے بتانا کہ کیسا ہوا۔ میں انشاء اللہ دعا کروں گا۔ تم بغیر کسی فکر کے دلجمعی کے ساتھ امتحان دے جاؤ۔ جب انگلش کا پرچہ دے کر آیا تو میں نے نہایت مایوسی کے لہجہ میں حضرت مولوی صاحب سے ذکر کیا کہ ”صرف دو چار نمبر کا پرچہ کر سکا ہوں۔“ آپ اس وقت گھر کے چہرہ پر تشریف فرما تھے۔ میری کارگزاری سن کر مسکرائے اور فرمایا میں نے تمہارے لئے خاص دعا کی ہے ”مجھے بتایا گیا ہے کہ مجید کو کہو کہ پرچوں پر رول نمبر تو لکھ آئے باقی ذمہ داری ہم لے لیں گے۔“ یہ حقیقت ہے کہ میرے تمام پرچے نہایت ہی خراب ہوئے تھے جن میں سے کسی ایک میں بھی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ لیکن میری حیرانی کی حد نہ رہی جب

میں ترک کا نتیجہ نکلا تو میں ۴۴۴ نمبر لے کر سینکڑوں ڈیڑھان میں کامیاب ہوا۔

حافظ عبد الرحمن صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ میری بیٹی نے ایف اے فلائنی کا امتحان دینا ہے اسکے لئے دعا کریں۔ آپ نے بعد دعا تسلی دلائی کہ بیٹی کامیاب ہو جائیگی چنانچہ نہ صرف یہ کہ وہ کامیاب ہوئی بلکہ سارے ضلع گورداسپور میں اول آئی۔

کشف و البہار کی صورت میں ہونے والے افضال الہی حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے خفاء و صحابہ پر ختم نہیں ہو گئے بلکہ انکا سلسلہ تابعین میں بھی بکثرت جاری ہے۔ صرف دو کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

نمبر 1 حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے محترمہ امۃ الرحمن صلابہ الیہ ملک رسول بخش صاحب رفیقہ حضرت مسیح موعود کا ایف واقعہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو بہ اس الفاظ میں بیان فرمایا۔ ”پاکستان میں ہماری ایک بہن تھیں جنگ کے دن تھے ۱۹۶۵ء کا زمانہ تھا ان کا اکلوتا بیٹا سیالکوٹ کے محاذ پر تھا ماں کی ماتم متشکر تھی انہوں نے رات دن مصلیٰ بچھایا اور اپنے خدا کے حضور عاجزانہ دعا شروع کی ”میرے رب تو میرے بچے کی حفاظت کر اور مجھے تسلی اور سکون دے اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خبر دی کہ ہم نے پاکستان کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے۔ حضور نے فرمایا میں مفہوم بتاؤنگا اصل الفاظ میرے ذہن میں نہیں ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں جنگ کے زمانے میں یہ رپورٹ میرے پاس آئی تھی اس نے کہا اے میرے رب میں تیرا شکر تو ادا کرتی ہوں کہ تو نے پاکستان کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے لیکن جہاں تک میرے بچے کا تعلق ہے میری تسلی نہیں ہوئی کیونکہ پاکستان کی حفاظت میں بہت سے مجاہد وطن شہید ہوں گے اور پاکستان کی حفاظت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا مجھے تو فکر اپنے بچے کی ہے اس کے متعلق مجھے بتایا جائے۔ چنانچہ مزید دعاؤں میں لگی رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے بتایا کہ ہم نے سیالکوٹ کے محاذ پر فرشتوں کو نازل کیا ہے اور وہ وہاں کی حفاظت کریں گے اس بہن کے دل میں پھر شکر کے جذبات پیدا ہوئے، لیکن اُس نے کہا اے میرے رب ابھی بھی میری تسلی نہیں ہوئی میرے بچے کے متعلق مجھے بتایا جائے جس کے متعلق میں فکر مند ہوں تب ایک ہی رات میں تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحم سے اس کو بتایا کہ ”تیرے بیٹے کی حفاظت کا انتظام کر دیا گیا ہے“ (چنانچہ اس کا بیٹا خدا کے فضل سے سلامت رہا۔)

نمبر 2 پیر صلاح الدین صاحب ایک درویش منٹس صاحب رویا و کشوف انسان تھے۔ ۱۸۸۱ء سیلوانٹ ٹاؤن راولپنڈی ان کی کوٹھی میں کاردار صاحب (جو کسی زمانہ میں پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان تھے) رہا کرتے تھے۔ پیر صاحب موصوف کی پوسٹنگ اس وقت کسی اور شہر میں تھی وہ وہاں سے اپنی کوٹھی دیکھنے گئے اور باہر ہی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنی بیگم۔ کہا کہ میں : دیکھا ہے کہ میں اس گھر کے SUN ROOM میں گرا ہوں اور پھر اٹھا نہیں ۔

با سال بعد وہ کوٹھی خالی ہوئی۔ پیر صاحب نے اس میں رہائش اختیار کی ۔ باہر کی طرف ایک کمرہ اپنے قرآن کریم کے کام کے لئے بنوایا جو بالکل SUN ROOM کی طرح تھا پہلے اس میں کئی سال ترجمہ قرآن کا اور پھر قرآنی الفاظ کی لغت کا کام کرتے رہے۔ وفات سے قریباً ایک ماہ پہلے دل کی تکلیف کی وجہ سے فوجی ہسپتال میں داخل رہے اور طبیعت بہتر ہونے پر گھر آ گئے۔ مگر ہی روز کے بعد ایک دن اس SUN ROOM میں گرے اور پھر نہیں اٹھے اور چند بعد وفات پا گئے۔ گویا ہسپتال سے گھر آنا اس خواب کو پورا کرنے کے لئے ہی۔

آپ نے اس سال میں یہ بھی دیکھا تھا کہ ”یہ عید میں اپنی انہی کے ساتھ (جذو) جنت ہو چکی تھیں) کروں گا“ چنانچہ آپ کی وفات کا حادثہ عین عید سے ایک دن پہلے پیش اس طرح غیب کی دونوں خبریں جو آپ کو دی گئیں تھیں لفظ بالفظ پوری ہو گئیں۔

ایک دفعہ آپ نے خواب دیکھا کہ آپ کی عمر کے دن پورے ہو گئے ہیں آپ نے : کہ ترجمہ قرآن کریم کا کام جو آپ نے شروع کر رکھا تھا مکمل کرنے کی مہلت مل جائے۔ یہ آپ کو رؤیا میں بتایا گیا کہ دس سال مہلت دی گئی۔ اور پھر آواز آئی ”دس دس دس“ چنانچہ دس دس سال کے وقفہ سے پہلے آپکا انگریزی ترجمہ قرآن کریم The Wonderful Quran کے نام سے بغیر متن کے (۶۹ء میں) شائع ہوا۔ دسمبر ۸۱ء میں اردو ترجمہ قرآن مکمل ہو کر اس کی چوتھی اور آخری جلد شائع ہوئی اور ۹۱ء میں انگریزی ترجمہ کا Revised ایڈیشن متن کے ساتھ شائع ہوا اور اس کے جلد ہی بعد آپ وفات پا گئے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ.